تحقیقاتِ نادرہ پر مشتمل عظیم الشان فقہی انسائیکلوپیڈیا

ALAHAZRAT NETWORK
اعلحضرت نیٹ ورک
www.alahazratnetwork.org

اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الْفَتَاوٰی الرَّضَوِیَّۃ

فتاوٰی رضویہ

تصنیف لطیف: اعلیٰ حضرت، مجدد امام احمد رضا علیہ الرحمۃ

ALAHAZRAT NETWORK

www.alahazratnetwork.org

مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ (الحدیث)

العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات

جلد ہفتم

تحقیقاتِ نادرہ پر مشتمل چودہویں صدی کا عظیم الشان فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز

۱۲۷۲ھ ——— ۱۳۴۰ھ

۱۸۵۶ء ——— ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۸ پاکستان (۵۴۰۰۰)

فون نمبر: ۷۶۵۷۳۱۴

نام کتاب ——— فتاوٰی رضویہ جلد ۱۷

تصنیف ——— شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

فیضانِ کرامت ——— مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

سرپرستی ——— مولانا صاحبزادہ محمد عبدالمصطفٰی ہزاروی ناظمِ اعلٰی جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور و شیخوپورہ

اہتمام ——— مولانا صاحبزادہ قاری نصیر احمد ہزاروی ناظم شعبہ نشر و اشاعت " " " " " " "

ترجمہ عربی عبارات ——— حافظ محمد عبدالستار سعیدی ناظمِ تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

پیش لفظ ——— " " " " " " " " " "

ترتیب فہرست ——— " " " " " " " " " "

تخریج و تصحیح ——— مولانا نذیر احمد سعیدی ، مولانا محمد اکرام اللہ بٹ ، مولانا محمد عبداللہ

کتابت ——— محمد شریف گل ، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)

پیسٹنگ ——— مولانا محمد منشا تابش قصوری معلم شعبہ فارسی جامعہ نظامیہ رضویہ ، لاہور

صفحات ——— ۷۱۵

اشاعت ——— ذیقعدہ ۱۴۲۰ھ / فروری ۲۰۰۰ء

مطبع ———

ناشر ——— رضا فاؤنڈیشن ، جامعہ نظامیہ رضویہ ، اندرون لوہاری دروازہ ، لاہور

قیمت ———

○

ملنے کے پتے :

○ رضا فاؤنڈیشن ، جامعہ نظامیہ رضویہ ، اندرون لوہاری دروازہ ، لاہور

۰۳۰۰/۹۴۱۵۳۰۰ ۷۶۶۵۷۷۲

○ مکتبۂ اہلسنت ، جامعہ نظامیہ رضویہ ، اندرون لوہاری دروازہ ، لاہور

○ ضیاء القرآن پبلیکیشنز ، گنج بخش روڈ ، لاہور

○ شبیر برادرز ، ۴۰ بی ، اردو بازار ، لاہور

اجمالی فہرست

فہرست رسائل

○

پیش لفظ

الحمد للہ ! اعلیٰحضرت امام المسلمین مولانا الشاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خزائن علمیہ اور ذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں عہدِ حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق منظرِ عام پر لانے کیلئے دار العلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں رضا فاؤنڈیشن کے نام سے جو ادارہ ماہ مارچ ۱۹۸۸ء میں قائم ہوا تھا وہ انتہائی کامیابی اور برق رفتاری سے مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے، اب تک یہ ادارہ امام احمد رضا کی متعدد تصانیف شائع کرچکا ہے مگر اس ادارے کا عظیم ترین کارنامہ العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ المعروف بہ فتاوٰی رضویہ کی تخریج و ترجمہ کے ساتھ عمدہ و خوبصورت انداز میں اشاعت ہے۔ فتاوٰی مذکورہ کی اشاعت کا آغاز شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ / مارچ ۱۹۹۰ء میں ہوا تھا اور بفضلہٖ تعالٰی جل مجدہ و بعنایت رسولہ الکریم تقریباً دس سال کے مختصر عرصہ میں سترھویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس سے قبل کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الجنائز، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، کتاب الایمان، کتاب الحدود و التعزیر، کتاب السیر، کتاب الشرکت اور کتاب الوقف پر مشتمل سولہ جلدیں شائع ہوچکی ہیں جن کی تفصیل سنین، مشمولات، مجموعی صفحات اور ان میں شامل رسائل کی تعداد کے اعتبار سے حسبِ ذیل ہے:

جلد نمبر	عنوانات	جوابات مسئلہ	تعداد رسائل	سنین اشاعت	صفحات
۱	کتاب الطہارت	۲۲	۱۱	شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ — مارچ ۱۹۹۰ء	۸۲۸
۲	"	۳۳	۷	ربیع الثانی ۱۴۱۲ — نومبر ۱۹۹۱	۷۱۰
۳	"	۵۹	۶	شعبان المعظم ۱۴۱۲ — فروری ۱۹۹۲	۷۵۶
۴	"	۱۳۲	۵	رجب المرجب ۱۴۱۳ — جنوری ۱۹۹۳	۷۶۰
۵	کتاب الصلوٰۃ	۱۴۰	۶	ربیع الاول ۱۴۱۴ — ستمبر ۱۹۹۳	۶۹۲
۶	"	۴۵۷	۴	ربیع الاول ۱۴۱۵ — اگست ۱۹۹۴	۷۳۶
۷	"	۲۶۹	۷	رجب المرجب ۱۴۱۵ — دسمبر ۱۹۹۴	۷۲۰
۸	"	۳۳۷	۹	محرم الحرام ۱۴۱۶ — جون ۱۹۹۵	۶۶۴
۹	کتاب الجنائز	۲۷۳	۱۳	ذیقعدہ ۱۴۱۶ — اپریل ۱۹۹۶	۹۴۶
۱۰	کتاب الزکوٰۃ، صوم، حج	۳۱۶	۱۶	ربیع الاول ۱۴۱۷ — اگست ۱۹۹۶	۸۳۲
۱۱	کتاب النکاح	۴۵۹	۶	محرم الحرام ۱۴۱۸ — مئی ۱۹۹۷	۷۳۶
۱۲	کتاب النکاح، طلاق	۳۲۸	۳	رجب المرجب ۱۴۱۸ — نومبر ۱۹۹۷	۶۸۸
۱۳	کتاب الطلاق، ایمان، حدود و تعزیر	۲۹۳	۲	ذیقعدہ ۱۴۱۸ — مارچ ۱۹۹۸	۶۸۸
۱۴	کتاب السیر (ا)	۳۳۹	۷	جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ — ستمبر ۱۹۹۸	۷۱۲
۱۵	" (ب)	۸۱	۱۵	محرم الحرام ۱۴۲۰ — اپریل ۱۹۹۹	۷۴۴
۱۶	کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف	۴۳۲	۳	جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ — ستمبر ۱۹۹۹	۶۳۲

سترھویں جلد

یہ جلد فتاوٰی رضویہ قدیم جلد ہفتم مطبوعہ سُنّی دارالاشاعت مبارکپور اعظم گڑھ بھارت کے شروع سے صفحہ ۲۹۰ تک ۲۹۸ سوالوں کے جوابات پر مشتمل ہے۔ رسالہ "کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم" کے علاوہ اس جلد کی عربی و فارسی عبارات کا ترجمہ راقم الحروف نے کیا ہے اس سے قبل گیارھویں بارھویں، تیرھویں اور سولھویں جلد بھی راقم کے ترجمہ کے ساتھ شائع ہوچکی ہیں جبکہ کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم" کا نہایت شاندار اور زوردار ترجمہ مصنف علیہ الرحمۃ کے فرزند ارجمند حجۃ الاسلام حضرت علامہ مولانا محمد حامد رضا خان بریلوی نوراللہ مرقدہٗ کا ہے۔

یاد رہے کہ رسالہ مبارکہ "کفل الفقیہ الفاہم" جو نوٹ سے متعلقہ تمام مسائل پر محیط ہے مصنف علیہ الرحمہ نے مکہ مکرمہ میں ایک دن اور چند گھنٹوں میں علماءِ مکہ کی طرف سے پیش کردہ بارہ ۱۲ سوالات کے جواب میں تحریر فرمایا۔ رسالہ میں مذکور تحقیقات و تدقیقات کو دیکھ کر علماءِ مکہ بہت مسرور و محظوظ ہوئے اور مصنف علیہ الرحمہ کو انتہائی شاندار الفاظ میں خراجِ تحسین پیش فرمایا، رسالہ مذکورہ کی تصنیف کے بعد جب آپ حرمین شریفین سے وطن واپس تشریف لائے تو مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی عبدالحی لکھنوی صاحب کے نوٹ سے متعلق فتوے نظر سے گزرے جن کے رد میں مصنف علیہ الرحمہ نے رسالہ "کاسر السفیہ الواھم فی ابدال قرطاس الدراھم" ملقب بلقب تاریخی "الذیل المنوط لرسالۃ النوط" تحریر فرمایا۔ پیش نظر جلد بنیادی طور پر کتاب البیوع، کتاب الکفالہ اور کتاب الحوالہ کے مباحثِ جلیلہ پر مشتمل ہے تاہم متعدد ابواب فقہیہ و کلامیہ وغیرہ کے مسائل ضمناً زیرِ بحث آئے ہیں، مسائل و رسائل کی مفصل فہرست کے علاوہ مسائل ضمنیہ کی الگ فہرست بھی قارئین کرام کی سہولت کے لئے تیار کر دی گئی ہے، انتہائی وقیع اور گرانقدر تحقیقات و تدقیقات پر مشتمل درجہ ذیل دو رسالے بھی اس جلد کی زینت ہیں:

(۱) کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم (۱۳۲۴ھ)

کاغذی نوٹ کے بارے میں علماءِ مکہ مکرمہ کے بارہ ۱۲ سوالوں کا تحقیقی جواب۔

(۲) کاسر السفیہ الواھم فی ابدال قرطاس الدراھم

ملقب بلقب تاریخی

الذیل المنوط لرسالۃ النوط (۱۳۲۴ھ)

کاغذی نوٹ سے متعلق مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولانا عبدالحی لکھنوی کے فتووں کا تفصیلی رد۔

○

شوال المکرم ۱۴۲۰ھ
جنوری ۲۰۰۰ء

حافظ محمد عبدالستار سعیدی
ناظمِ تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

فہرست مضامین مفصل

کتاب البیوع

ایجاب وقبول

خیار شرط

خیار تعین

بیع مطلق

کی اجازت پر موقوف رہے گی۔ ۱۰۵
کسی شے کی چند در چند بیع فضولی ہو تو اصل مالک
جس عقد کی اجازت دے گا صرف وہی جائز ہوگا۔ ۱۰۵
بیع فضولی میں مبیع کے اندر جو اضافہ ہوگا اگرچہ
قبل اجازت کا ہو، بعد اجازت سب کا مالک
مشتری ہوگا۔ ۱۰۶
بیع مغصوب میں بیع سے قبل کی ساری توفیر کا
مغصوب منہ مالک ہوگا۔ ۱۰۶
مدیون کو دین کا ہبہ جائز اور غیر کو ناجائز، البتہ
بطور قبضہ غیر کو ہبہ جائز ہے۔ ۱۰۶
ہبہ میں رجوع کے حق سے دستبرداری صحیح نہیں،
ہاں کچھ لے کر دست برداری ہو تو یہ ہبہ بالعوض
قرار دیا جائے گا۔ ۱۰۶
عوام کی جائداد کا سرکاری نیلام مالک کی اجازت سے
(سابقہ یا لاحقہ) ہو تو جائز۔ ۱۰۷
اجازت لاحقہ کی ایک صورت۔ ۱۰۷
نیلام بے اجازت عقد فضولی اور عقد موقوف ہے۔ ۱۰۷
عقد موقوف میں اجازت سے قبل بیع میں مشتری کا
تصرف حلال نہیں۔ ۱۰۷
نابالغ کی ملک فضولی نے بیچ دی بیع باطل ہوگی۔ ۱۰۷
کوئی چیز جب عقد صحیح شرعی سے خریدی گئی تو بائع
کا ثمن کو کار معصیت میں خرچ کرنے کا وبال مشتری
پر نہیں، نہ بیع میں کوئی خلل واقع ہوگا۔ ۱۰۸
ہاں اس معصیت میں اعانت کی نیت سے خریدا
تو اس بری نیت کا وبال ضرور مشتری پر ہوگا۔ ۱۰۸

ڈگری میں بے رضا کے مالک جائداد کا نیلام بیع
فضولی ہے۔ ۱۰۹
مجیز نہ ہو تو باطل وقت عقد مجیز ہو تو جائز۔ ۱۰۹
اجازت کی ایک صورت۔ ۱۰۹
شوہر نے قرضخواہوں کو تحریر دی کہ میں ادا نہ کرسکوں
تو میری جائداد سے وصول کیا جائے اور اپنی جائداد
اپنی زندگی میں زوجہ کی مہر کے عوض لکھ دیا تو قرضخواہ
اس جائداد سے اپنا قرض وصول نہیں کرسکتا۔ ۱۰۹
حقوق مجردہ صالح تملیک و معاوضہ نہیں۔ ۱۰۹
عقد جب اہل سے محل میں بسلامت ارکان واقع
ہو تو اس کے عدم بطلان میں کوئی شبہ نہیں اور
اپنے ثمرات کو اگرچہ بعد القبض بالیقین مثمر ہوگا۔ ۱۰۹

شوہر نے زوجہ کو مہر کے بدلے جائداد دی یہ عقد
تعبیر کے اعتبار سے تین طرح ہو سکتا ہے،
(۱) صلح عن المہر
(۲) زوج یا زوجہ کی طرف سے ہبہ بالعوض
(۳) ہبہ بشرط العوض ۱۱۰
عاقد نے عین اور حق ایک ہی عقد میں جمع کیا تو یہ
ہبہ بشرط العوض کی صورت میں ابتداءً ہبہ ہے
اور عین کے ساتھ حق جمع کردینے میں ہبہ باطل
نہ ہوگا، اور بقیہ دونوں صورتوں میں معنیً بیع ہے اور
بیع کا حکم مذہب مختار پر صحت و قبول ہے۔ ۱۱۰
حقوق کی بیع میں دو مذہب ہیں، صحت و فساد، اور
دونوں باقوت ہیں۔ ۱۱۱
جو حقوق اصالۃً ثابت ہوں (جیسے حق موصی لہ بالخدمۃ

2

باب البیع الباطل والفاسد

باب البیع المکروہ

باب بیع الفضولی

اجازتہ حال وقوعہ انعقد موقوفا و مالا مجیزلہ حالۃ العقد لاینعقد اصلا اھ[1] ملخصا، وفیہ وقف بیع مال الغیر لو الغیر بالغا عاقلا فلو صغیرا او مجنونا لم ینعقد اصلا کما فی الزواھر معزیا للحاوی اھ[2]۔

کی اجازت دے سکتا ہو تو اس کا انعقاد اس شخص کی اجازت پر موقوف ہوجائے گا اور اگر بوقتِ تصرفِ فضولی کوئی ایسا اجازت دینے والا موجود نہ ہو تو یہ تصرف سرے سے منعقد ہی نہ ہوگا اھ ملخصا۔ اسی میں ہے کہ مالِ غیر کی بیع موقوف ہوتی ہے اگر وہ غیر عاقل و بالغ ہو اور اگر وہ غیر نابالغ یا مجنون ہو تو بیع سرے سے منعقد نہ ہوگی جیسا کہ حاوی کی طرف منسوب کرتے ہوئے زواھر میں ہے اھ (ت)

پس سہم نابالغان مذکورین کہ کل جائداد مبیعہ کے دسویں حصہ سے کچھ زائد ہے یعنی چہارم جائداد کہ متروکہ شیخ خضری تھی اس ایک سو بانوے سہام سے ستر سہام مشتری پر لازم ہے کہ ان نابالغوں کو واپس کردے اور ۲ ۱/۲ پہ زرثمن ان سہام کا ان کی ماں کلو سے وصول کرلے اسی طرح حرمت زوجہ یا دعلی نے کہ ان کا سہام بلا اذن اس کے اپنی جانب سے بطریق مالکانہ بیع ڈالا حسب حکم بدائع و بحرالرائق و اشباہ و ظاہر متن تنویر الابصار بیع باطل و غیر صالح اجازت ہے۔

فی الدرالمختار بیعہ لنفسہ باطل کما فی البحر والاشباہ عن البدائع و عبارۃ الاشباہ بیع الفضولی موقوف الا اذا باع لنفسہ فباطل، بدائع اھ[3] مع التلخیص بالتغیر، وفیہ ایضا وقف بیع مال الغیر ان باعہ علی انہ لمالکہ اما لو باعہ علی انہ لنفسہ فالبیع باطل اھ[4] ملخصًا۔

درمختار میں ہے کہ فضولی کی اپنی ذات کے لئے بیع باطل ہے جیسا کہ بحوالہ بدائع، بحر اور اشباہ میں ہے اشباہ کی عبارت یوں ہے کہ فضولی کی بیع موقوف ہوتی ہے مگر جب وہ اپنی ذات کے لئے بیع کرے تو باطل ہوگی (بدائع اھ مع تلخیص و تغیر) اسی میں ہے کہ غیر کے مال کی بیع موقوف ہوتی ہے جبکہ یہ سمجھ کر بیچے کہ وہ مالک کے لئے ہے اور اگر اپنے لئے بیچے تو بیع باطل ہے اھ تلخیص۔ (ت)

مگر مولٰنا محمد بن عبداللہ غزی تمرتاشی مصنف تنویر الابصار اس مذہب کی بوجہ مخالفت فروع مذہب تضعیف فرماتے ہیں فضولی اگر مال غیر کو اپنا ٹھہرا کر بیچے تو ظاہر الروایت یہی ہے کہ

---

[1] تا [4] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱

مستحق کو اختیار اجازت حاصل ہے یعنی بیع باطل نہ ہوگی اور اجازت مالک پر موقوف رہے گی،

فی الدر المختار لکن ضعف المصنف الاولیٰ (ای بطلان بیعه اذا باعه لنفسه) لمخالفتها لفروع المذهب لتصریحهم بان بیع الغاصب موقوف، وبان المبیع اذا استحق فللمستحق اجازته علی الظاهر مع ان البائع باع لنفسه لا للمالك الذی هو المستحق مع انه توقف علی الاجازة اھ[1] فی غمز عیون البصائر شرح الاشباه والنظائر للعلامة الحموی تحت قوله بیع الفضولی موقوف الا فی ثلث فباطل اذا شرط الخیار فیه للمالك وهی فی التلقیح وفیما اذا باع لنفسه وهی فی البدائع اھ قوله وفیما اذا باع لنفسه یعنی لایتوقف علی اجازة المالك لانه لم ینعقد اصلا قال بعض الفضلاء ویشکل علیه ما قالوا من ان المبیع اذا استحق لاینفسخ العقد فی ظاهر الروایة بقضاء القاضی بالاستحقاق وللمستحق اجازته اھ ووجه اشکاله ان البائع باعه لنفسه لا للمالك الذی هو المستحق اھ[2]

درمختار میں ہے مگر مصنف نے صورت اولیٰ (یعنی فضولی کی اپنے لئے بیع باطل ہے) کو فروعِ مذہب کے مخالف ہونے کی وجہ سے ضعیف قرار دیا، کیونکہ ائمہ نے تصریح کی کہ غاصب کی بیع موقوف ہے اور یہ کہ مبیع میں اگر استحقاق ثابت ہوجائے تو ظاہرِ روایت پر مستحق کو اجازت کا اختیار حاصل ہے باوجودیکہ بائع نے اپنے لئے بیع کی نہ کہ اس مالک کے لئے جو کہ مستحق ہے اس کے باوجود اس کی اجازت پر موقوف ہوگئی اھ غمز عیون البصائر شرح اشباہ والنظائر تصنیف علامہ حموی میں ماتن کے اس قول "فضولی کی بیع موقوف ہے مگر تین صورتوں میں باطل ہے۔ جب مالک کے لئے اس میں شرطِ خیار رکھے اور یہ تلقیح میں ہے، اور جب وہ اپنے لئے بیچے اور یہ بدائع میں ہے اھ" کے تحت مذکور ہے۔ ماتن کا قول کہ جب فضولی اپنے لئے بیع کرے (تو باطل ہے) یعنی مالک کی اجازت پر موقوف نہ ہوگی کیونکہ وہ سرے سے منعقد ہی نہیں ہوئی۔ بعض فضلاء نے کہا کہ اس پر مشائخ کے اس قول سے اشکال وارد ہوتا ہے کہ مبیع میں اگر استحقاق ثابت ہوجائے تو قاضی کے استحقاق کا فیصلہ کردینے کے باوجود بیع فسخ نہیں ہوتی اور مالک مستحق کو اسکی اجازت کا اختیار حاصل ہوتا ہے اھ اشکال کی وجہ یہ ہے کہ بائع نے اپنی ذات کیلئے بیچا ہے

---

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱

[2] غمز عیون البصائر الفن الثانی کتاب البیوع ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۲۲۹

نہ کہ اس مالک کے لئے جو مستحق ہے اھ (ت)

پس اگر قبل اس دعوٰی کے یا بعد کے کوئی قول یا فعل ایسا صادر ہوا ہو جو شرعاً اجازت بیع قرار پائے مثلاً زرِ ثمن مشتری سے مانگا ہو یا اس کو ہبہ کردیا ہو یا اپنی عورت سے کہا ہو تو نے بُرا کیا یا اچھا کیا علی مذھب محمد وھو الاستحسان عالمگیری وھو المختار فتح القدیر (مذہب محمد پر اور یہی استحسان ہے، عالمگیری، اور یہی مختار ہے، فتح القدیر۔ ت) تو اب یہ دعوٰی اس کا نہ سنا جائے گا اور اسکے حصہ میں بیع نافذ ہوچکی اس کے سہم کا زرِ ثمن کہ معہ روپے ہیں اس کی زوجہ کے پاس امانت رہا بشرطیکہ بلاقصور اس کے پاس سے تلف نہ ہوگیا ہو اس سے وصول کرلے اور اگر زوجہ نے حفظِ مبلغ میں کچھ تقصیر نہ کی نہ اپنے تصرف میں لائی اور کسی طرح تلف ہوگیا تو اس سے بھی نہیں لے سکتا کہ وہ امینہ تھی اور امین پر بلاتعدی وتقصیر فی الحفظ ضمان نہیں،

فی الدرالمختار ای بیع الفضولی تبول الاجازۃ من المالك اذاکان البائع والمشتری والمبیع قائما وکذا الثمن لوکان عرضا وغیرالعرض ملك للمجیز امانۃ فی ید الفضولی ملتقی، وان اخذ المالك الثمن اوطلبه من المشتری یکون اجازۃ، عمادیۃ، وقوله اسأت نھر بئس ماصنعت اواحسنت او اصبت علی المختار، فتح، وھبۃ الثمن من المشتری والتصدیق علیه به اجازۃ[2] اھ ملخصاً۔

درمختار میں ہے یعنی فضولی کی بیع کا حکم مالک کی اجازت کو قبول کرنا ہے جبکہ بائع، مشتری اور مبیع قائم ہو اور اسی طرح ثمن بھی جبکہ بصورتِ سامان ہوں، اگر ثمن سامان نہ ہوں تو وہ مالک مجیز کی ملک ہیں اور فضولی کے قبضہ میں بطور امانت ہیں، ملتقی، اگر مالک ثمن وصول کرے یا مشتری سے ثمن طلب کرے تو یہ اجازت ہے، عمادیہ، اور مالک کا یہ کہنا کہ تُو نے بُرا کیا، نہر، یا جو تُو نے کیا بُرا ہے یا تُو نے اچھا کیا یا تو نے درست کیا قول مختار کے مطابق، فتح القدیر، اور مشتری کو ثمن ہبہ کردینا یا اس پر صدقہ کردینا اجازت ہے اھ تلخیص (ت)

اور اگر قبل از دعوٰی کوئی قول یا فعل اس سے صادر نہ ہوا بلکہ بیع کی خبر بھی نہ ہوئی یا سُن کر چُپ رہا اور کچھ نہ کہا تو دعوٰی اس کا مسموع اور اسے اختیارِ استرداد حاصل کہ خبر بیع سُن کر مالک کا خاموش رہنا شرعاً اجازت نہیں،

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب البیوع الباب الثانی عشر فی احکام البیع الموقوف نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۵۲

[2] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲
ردالمحتار دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۱

فی الفتاوی الهندیة بلغ المالك ان فضولیا باع ملکه فسکت لایکون اجازة[1] اھ

فتاوٰی ہندیہ میں مالک کو خبر پہنچی کہ فضولی نے تیری مملوک چیز فروخت کردی اور وہ خاموش رہا تو یہ اجازت نہ ہوگی اھ (ت)

اس صورت میں مشتری پر لازم ہے کہ مثل حصّہ نابالغان یادعلی کا حصّہ بھی یعنی چہارم جائداد کے چالیس سہام سے چودہ سہم یادعلی کو واپس کردے اور ثمن اس حصہ کا کہ مع۔ روپے ہے اس کی زوجہ سے وصول کرلے۔ رہا یہ کہ درصورت اولٰی بعد واپسی صرف حصہ نابالغان و درصورت ثانیہ پس از رد ہردو سہم یادعلی و نابالغان جو باقی بچے اس کا کیا حکم ہے اس کی نسبت بوجہ اس بات کے کہ مبیع ذوات القیم سے اور استحقاق نسبت یادعلی بعد قبض کل واقع ہوا مشتری کو اختیار ہے خواہ عوض باقی زرثمن کے کہ پہلی تقدیر پر لعہ ۱۲/ ہے اور دوسری تقدیر پر للعہ ۱۲/ ہے اپنے پاس رکھے یا کل مبیع سب بالغوں کو واپس کردے اور اپنے پورے آٹھ سو اُن سے وصول کرلے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶   ۱۷ جمادی الاولٰی ۱۳۰۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک گاؤں میں تین شریک ہیں زید اور خالد اور زید کا بیٹا عمرو۔ عمرو پر کچہری انگریزی سے ایک معاملہ میں ہندہ کی بقدر آٹھ سو روپیہ کی ڈگری ہوئی ہندہ نے جائداد عمرو نیلام پر چڑھائی کچہری انگریزی سے پانچ بسوہ عمرو کے بتفریق اس طرح نیلام ہوئے کہ ۲۷ رمضان ۱۳۰۱ھ مطابق ۲۱ جولائی ۱۸۸۴ء و ۱۳ ساون ۱۲۹۲ فصلی کو تین بسوہ پھر یکم صفر ۱۳۰۲ھ مطابق ۲۰ نومبر ۱۸۸۴ء ۷ اگہن دگھر ۱۲۹۲ فصلی کو ایک بسوہ پھر ۴ جمادی الاولٰی ۱۳۰۲ھ مطابق ۲۰ فروری ۱۸۸۵ء ۱۲ پھاگن ۱۲۹۲ فصلی کو ایک بسوہ، اور یہ سب نیلام خود ہندہ ڈگری دار نے خرید لئے، بعدہٗ ہفتم رجب ۱۳۰۲ھ مطابق ۲۳ اپریل ۱۸۸۵ء و ۲۴ بیساکھ ۱۲۹۲ فصلی کو ہندہ نے یہ کل جائداد یعنی پانچوں بسوے بنام خالد شریک سوم بیع کردئے، خالد نے باحتیاط بحکم شرع اصل مالک یعنی عمرو سے اپنے نام جو انتقال ہوا اس کی اجازت چاہی عمرو نے بخوشی اجازت دی پھر مزید وثوق کے لئے ۲ جمادی الاولٰی ۱۳۰۳ھ مطابق ۲۱ فروری ۱۸۸۶ء و ۳ پھاگن ۱۲۹۳ فصلی کو عمرو مذکور نے ایک دستاویز بدیں مضمون لکھ دی کہ یہ پانچوں بسوہ جو ہندہ مشتریہ نیلام نے بدست خالد بیع کئے میں نے یہ انتقال بخوشی جائز رکھا اور زرثمن خالد کو معاف کیا اور روز نیلام سے کہ ابتدائے زراعت خریف ۱۲۹۲ فصلی تھی

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ   کتاب البیوع   الباب الثانی عشر   نورانی کتب خانہ پشاور   ۳/ ۱۵۲

ربیع ۱۲۹۲ تک جس قدر توفیر ان پانچوں بسوؤں کے ہوئی اس کی نسبت صریحًا لکھ دیا کہ توفیر ان پانچوں بسوؤں کے میں نے خالد مذکور کو اس شرط پر کہ موہوب لہ میرے حق رجوع کے عوض مجھے دس من خام گندم دے ہبہ کے خالد اس توفیر کو قبض و وصول کرے اور میں نے گندم مذکور خالد سے وصول پالی، اب میرا کوئی حق اس توفیر میں نہیں اور نہ مجھے اس ہبہ سے رجوع کا اختیار باقی رہا، اب شرع شریف سے سوال ہے کہ صورتِ مذکورہ میں اس تمام توفیر کا استحقاق خالد خریدار کو ہے یا زید پدرِ عمرو کو؟ بیّنوا و توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں زید پدرِ عمرو کسی طرح اس توفیر کا مالک نہیں بلکہ وہ کل توفیر پانچوں بسوہ کی بابت سال تمام ۱۲۹۲ فصلی کی محض خالد کا حق ہے اور صرف اور صرف اسی کو ملنا چاہئے،

والفقه فی ذٰلك ان بیع من یزید الصادر من حکام الزمان لیس بیع المالك وھو ظاھر ولا باذنه فانھم لایسألونه ولایسترضونه بل ربما باعوا مایساوی الفا بمائة او اقل ولاباذن الشرع المطھر کمالایخفی علی من له ادنٰی مسکة فلا یسوغ تفریعه علی قول الصاحبین فی بیع القضاة مال المدیون کرھا علیه ان ابی ولابیع المکرہ حتی یجعل فاسدا لان المالك لایتولی الایجاب بل ربمالایشھد العقد وانما ھم یبیعون بانفسھم جبرا علیه فاذن لیس الا کبیع الغاصب ینعقد موقوفا علی اجازة المالك

اس میں فقہ یہ ہے کہ بولی لگا کر بیع (نیلامی) جیسا کہ آج کل کے حکمران کرتے ہیں وہ مالک کی طرف سے بیع نہیں اور یہ ظاہر ہے اور نہ مالک کی اجازت سے ہے کیونکہ حکمران نہ تو مالک سے پوچھتے ہیں اور نہ ہی اس کی رضا معلوم کرتے ہیں بلکہ بعض دفعہ تو ہزار کی مالیت چیز سو یا اس سے بھی کم پر فروخت کر دیتے ہیں اور نہ ہی یہ بیع شرع مطہر کے اذن سے ہوتی ہے جیسا کہ شریعت سے ادنٰی سا تعلق رکھنے والے پر مخفی نہیں، اور بیع مذکور کو بیع مکرہ اور مدیون کے انکار کے باوجود حکام کی طرف سے جبرًا اس کے مال کو فروخت کرنے سے متعلق قولِ صاحبین پر متفرع کرکے بیع فاسد قرار دینے کی گنجائش نہیں کیونکہ یہاں مالک کی طرف سے ایجاب نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات تو مالک بوقتِ عقد حاضر ہی نہیں ہوتا بلکہ حکام اس پر جبر کرتے ہوئے از خود بیع کر دیتے ہیں لہذا یہ تو محض بیع غاصب کی مثل ہے جس کا انعقاد مالک کی اجازت پر

فان اجاز جاز والا بطل۔[1] فی الدرالمختار وقف بیع الغاصب علی اجازۃ المالک[2] اھ واذا کان الامر کذٰلک فلم یثبت الملک فی المبیع لہندۃ المشتریۃ من الحکام فبیعہا من خالد ایضا بیع الفضولی لعدم الملک واذن المالک فیتوقف ایضا علی اجازتہ، فی ردالمحتار بیع المشتری من الغاصب موقوف[2] اھ فایما عقد منہما صادفتہ الاجازۃ نفذ بخصوصہ، فی الحاشیۃ الشامیۃ عن جامع الفصولین عن المبسوط لو باع المشتری من غاصب ثم وثم حتی تداولتہ الایدی فاجاز مالکہ عقدا من العقود جاز ذٰلک العقد خاصۃ لتوقف کلہا علی الاجازۃ فاذا اجاز عقدا منہا جاز ذٰلک خاصۃ[3] اھ وھٰھنا قد لحقت الاجازۃ العقد الاٰخر فنفذ وثبت

موقوف ہوتا ہے اگر اجازت دے دے تو نافذ ورنہ باطل ہوجائیگی۔ درمختار میں ہے کہ غاصب کی بیع اجازتِ مالک پر موقوف ہوتی ہے اھ اور جب صورتِ حال یہ ہے تو حکام سے خریدنے والی ہندہ کی مبیع میں ملک ہی ثابت نہ ہوئی، چنانچہ اس کا خالد کے ہاتھ بیچنا بھی ملک اور اذنِ مالک کے نہ ہونے کی وجہ سے بیع فضولی ہوا تو یہ بھی اجازتِ مالک پر موقوف ہوگا۔ ردالمحتار میں ہے کہ غاصب سے خریدار کی بیع موقوف ہوتی ہے تو ان دونوں عقدوں میں سے جس کو اجازت لاحق ہوگئی وہ بطورِ خاص نافذ ہوگیا۔ حاشیہ شامیہ بحوالہ مبسوط، جامع الفصولین سے منقول ہے کہ اگر غاصب سے خریدنے والے نے کسی کے ہاتھ فروخت کیا اس نے آگے پھر اس نے آگے فروخت کردیا حتی کہ وہ کئی جگہ فروخت ہوا، اب مالک نے ان عقود میں سے کسی ایک عقد کی اجازت دے دی تو خاص وہ عقد نافذ ہوجائے گا کیونکہ یہ تمام عقود مالک کی اجازت پر موقوف تھے تو جس کی اجازت اس نے دی وہی بطورِ خاص نافذ ہوگیا اھ، اور یہاں (صورتِ مسئولہ میں) اجازت آخری عقد کو لاحق ہوئی تو وہ نافذ ہوگیا، چنانچہ

---

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۱

[2] ردالمحتار ؍؍ ؍؍ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/۱۴۲

[3] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۴/۱۴۲

الملك لخالد فی المبیع و نمائه وغلاله منذ شری من الھندۃ ، فی تنویر الابصار وشرحه کل مایحدث من المبیع کالکسب والولد والعقر ولو قبل الاجازۃ یکون للمشتری لان الملك تم له من وقت الشراء بخلاف الغاصب[1] اھ واما ماتحصل من المزارع قبل شراء خالد فلاحق لخالد فیه و لا للھندۃ بل لعمرو خاصۃ لانه بدل منافع ملکه المعد للاستغلال وھبۃ الدین ممن لیس علیه باطلۃ الا ان یسلط علی القبض ، فی شرح العلائی اما تملیك الدین من غیر من علیه الدین فان امرہ بقبضه صحت لرجوعھا الی ھبۃ العین[2] اھ وفی مسألتنا ھذہ قد وقع التسلیط کما ذکر فی السوال فصحت الھبۃ وصح التعویض ، فی شرح التنویر عن الجواھر لایصح الابراء عن الرجوع ولوصالحه

مبیع اور اس سے حاصل شدہ آمدنی میں اس دن سے خالد کی ملک ثابت ہوگئی جس دن اس نے ہندہ سے خریدا، تنویر الابصار اور اس کی شرح میں ہے کہ جو کچھ مبیع سے حاصل ہو جیسے کمائی، اولاد اور عقر، تو وہ مشتری کا ہے اگرچہ اجازت سے قبل ہو کیونکہ خریداری کے وقت سے ہی اس کو ملک تام حاصل ہوگئی بخلاف غاصب کے اھ، اور جو کچھ خالد کی خریداری سے قبل کھیتوں سے حاصل ہوا اس میں خالد اور ہندہ کا کوئی حق نہیں بلکہ وہ خاص عمرو کا ہے کیونکہ یہ اس کی ایسی ملک کے منافع کا بدل ہے جو غلہ حاصل کرنے کے قابل ہے، اور دین کا ہبہ اس شخص کو جس پر دین نہیں باطل ہے سوائے اس کے کہ اس کو قبضہ کا اختیار دے، شرح علائی میں ہے کہ ایسے شخص کو دین کا مالک بنایا جس پر دین نہیں، اب اگر صاحبِ دین نے مدیون کو دین پر قبضہ کا حکم دے دیا تو یہ ہبہ صحیح ہوگیا کیونکہ یہ (ہبہ دین) ہبہ عین کی طرف راجع ہوگا اھ، ہمارے زیر بحث مسئلہ میں چونکہ قبضہ کا اختیار دے دیا ہے جیسا کہ سوال میں مذکور ہے لہذا ہبہ صحیح ہوگیا اور عوض دینا بھی درست ہوگیا، شرح تنویر میں بحوالہ جواہر منقول ہے کہ کسی کو حقِ رجوع سے بری کردینا صحیح نہیں

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۲

[2] درمختار کتاب الھبۃ " ۲/۱۵۸

من حق الرجوع علی شیئ صح وکان عوضا عن الھبۃ اھ[1]۔ اور اگر حق رجوع کے عوض کسی شیئ پر صلح کرلی تو صحیح ہے اور یہ ہبہ کا عوض ہوجائے گا اھ(ت)

بالجملہ جس روز سے خالد نے وہ جائداد ہندہ سے خریدی اس دن سے تو اس کی توفیر خود ملک خالد ہے اور اس سے پہلے جو توفیر روزِ نیلام سے اس وقت تک تھی وہ عمرو کے ہبہ کرنے سے اس کا حق ہوگئی اب پانچوں بسوں کی توفیر سال ۱۲۹۲ فصلی میں سوا خالد کے کسی کا حق نہیں، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم وحکمہ عزشانہ احکم۔

(مہر مولوی عبدالقادر صاحب بدایونی) (مہر مولوی عبدالمقتدر صاحب بدایونی)

مسئلہ ۲۷ از ستار گنج ۲۶ ربیع الآخر ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر باغ وجائداد منقولہ وغیر منقولہ سرکار نیلام کرتی ہے اس کا خرید نا جائز ہے یا ناجائز ہے اور اشیاء روبرو ہے فقط۔

الجواب

جو نیلام باجازت مالک ہو مطلقاً جائز ہے یا بعد بیع مالک اجازت دے دے مثلاً سو روپے قرض تھے ایک سو دس میں نیلام ہوا دس کہ زائد تھے مالک کو دے گئے اس نے قبول کرلئے تو یہ اب جائز ہوگیا اگرچہ ابتداءً ناجائز تھا فان الاجازۃ اللاحقۃ کالوکالۃ السابقۃ (کیونکہ اجازتِ لاحقہ، وکالتِ سابقہ کی مثل ہے۔ ت) اور جہاں یہ دونوں صورتیں نہ ہوں وہ عقد فضولی ہے اجازتِ مالک پر موقوف رہے گا اگر جائز کردے جائز ہوجائے گا، رد کردے باطل ہوجائے گا، اور جب تک اجازت نہ دے اس شے میں مشتری کو تصرف حلال نہ ہوگا۔

فان العقد الموقوف لایفید الحل۔ کما نص علیہ فی ردالمحتار وغیرہ[2]۔ کیونکہ بیع موقوف مفید حل نہیں ہوتی جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ میں اس پر نص کی گئی ہے (ت)

پھر یہ بھی اس صورت میں ہے کہ اس عقد کے ہوتے وقت کوئی ایسا شخص قائم ہو جسے شرعاً اس کی اجازت کا اختیار ہے ورنہ سرے سے باطل ہوگا مثلاً نابالغ کا مال نصف قیمت کو نیلام کیا گیا کہ اسے تمام دنیا میں اجازت دینے والا کوئی نہیں تو ایسا عقد موقوف نہ رہے گا ابتداءً باطل ومردود ہوگا،

---

[1] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

[2] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی الفضولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۴۰-۱۳۹

فان تصرف الفضولی حیث لامجیز باطل اصلاً کما نص علیہ فی الدر[1] وغیرہ واللہ سبحٰنہ تعالٰی اعلم۔

کیونکہ فضولی کا تصرف جہاں اس کی اجازت دینے کا اختیار رکھنے والا کوئی نہ ہو سرے سے باطل ہے جیسا کہ اس پر درّ وغیرہ میں نص کی گئی ہے۔ واللہ سبحانہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۸

۱۱ ذی الحجہ ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس ڈگری میں اصل روپیہ اور اس کا سُود بھی شامل ہے اس میں اگر کوئی جائداد حاکم ہند جو فی الحال ہے نیلام بغرض ادائے دین وسود کرے تو اس جائداد کو خریدنا شخص مسلمان کو جائز ہے یا نہیں؟ جائز ہے تو بقدر زرِ اصل کے ہے یا بالکلیہ؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

مشتری جب عقدِ صحیح شرعی سے کوئی شے خریدے تو بائع کے فعل کا کہ وُہ اس زرِ ثمن کو طاعت میں خرچ کرے گا یا معصیت میں مشتری سے کچھ مطالبہ نہیں،

لاتزر وازرۃ وزر اخرٰی[2]۔

کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔ (ت)

زرِ ثمن کا معاذ اللہ سُود میں دیا جانا تمامی عقد بیع کے بعد ہوگا تو مشتری سے کیا تعلق، اور اس وقت اگر ہے تو بائع کی نیت کہ ثمن لے کر وہاں دے گا، اس نیت کو بھی عقد سے علاقہ نہیں، بہرحال مشتری اس الزام سے بری ہے لتخلل فعل فاعل مختار (کہ درمیان میں فاعل مختار کا فعل ہے۔ ت) ہاں اگر کوئی صورتِ خاصہ ایسی ہو کہ بائع سُود وغیرہ مصارف حرام میں صرف کرنے کے لئے بیچتا ہے اور مشتری شراء سے نیت کرے کہ اس امر حرام میں اس کی اعانت کرے تو فسادِ نیت کے باعث خود اپنے اوپر الزام شرعی لے گا شمول ربا کا جواب تو یہ ہے مگر یہاں محلِ نظر یہ امر ہے کہ نیلام ایک بیع ہے اور بیع بے رضائے مالک شرعاً جائز نہیں،

قال اللہ تعالٰی یاایھا الذین اٰمنوا

اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اے ایمان والو! آپس میں

---

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱

[2] القرآن الکریم ۶/ ۱۶۴

لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم[1] ایک دوسرے کا مال ناحق مت کھاؤ سوائے اس کے کہ تمھارے درمیان باہمی رضا مندی سے تجارت ہو۔ (ت)

پس اگر نیلام جائز صحیح شرعی خود مالک کرے یا باذن مالک ہو تو اس کے جواز میں کلام نہیں وُہ بیع فضولی ہے کہ اگر اس وقت اس کا کوئی نافذ کرنیوالا نہیں مثلاً نابالغ کا مال نصف قیمت کو نیلام ہوا کہ اسے تمام جہان میں کوئی نافذ نہیں کرسکتا جب تو وُہ بیع سرے سے باطل و بے اثر ہے اور خریداری حرام، اور اگر نافذ کرنے والا ہے مثلاً بالغ کا مال کتنی ہی کم قیمت کو نیلام ہوا تو وہ عقد اس کی اجازت پر موقوف رہے گا، اگر رَد کردیا باطل ہوگیا، اور اگر جائز کردیا نافذ ہوگیا، اور اجازت کی صورتوں میں ایک یہ بھی ہے کہ زر ثمن قدر مطالبہ سے زائد قرار پایا مثلاً پانسو روپے کی ڈگری میں یا ہزار کا مال پانسو دس روپے کو نیلام ہوا پانسو ان کو گئے دس مالک کو دیے اس نے لے لئے تو یہ لینا بیع کو نافذ کردینا ہوگا لان قبولہ تنفیذ کما نصوا علیہ (کیونکہ مالک کا قبول کرنا اس کی طرف سے نافذ کرنا متصور ہوتا ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۹ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہ سواروں میں نوکر تھا اس نے اپنی زوجہ ہندہ کے مہر میں بحالتِ صحت مکان اور اپنی اسامی دے دی اور دستاویز میں دونوں چیزوں کا ذکر لکھ کر داخل خارج کرادیا بعد ایک عرصہ کے زید کا انتقال ہوگیا، زوجہ نے مکان عمرو کے ہاتھ فروخت کیا اب خالد جس کا زید پر کچھ قرض آتا تھا اس مکان کو مملوکِ زید قرار دے کر اپنا قرضہ اس سے وصول کرایا چاہتا ہے کہ زید نے اُسے لکھ دیا تھا اگر میں ادا نہ کروں میری جائداد سے وصول کرلے، آیا یہ اقرار شرعاً روا اور وہ دستاویز جس میں مکان کے ساتھ اسامی کا بھی ذکر ہے شرعاً صحیح اور یہ مکان بوجہ عقد زید مملوک ہندہ پھر بسبب عقدِ ہندہ مملوکِ عمرو ہوگیا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں بیشک وُہ مکان بوجہ عقد زید مملوک ہندہ پھر بسبب بیع ہندہ مملوکِ عمرو ہوگیا، اب سوائے عمرو کسی کا اس میں کچھ حق نہیں، نہ کوئی قرضخواہِ زید اس سے اپنا قرضہ وصول کرسکتا ہے، محلِ تامل و امر تنقیح طلب یہاں اس قدر کہ زید نے عقدہ واحدہ میں عین یعنی مکان اور حق مجرد یعنی اسامی میں جمع کیا حالانکہ حقوق مجردہ صالح تملیک و معاوضہ نہیں، کلیہ فقہ ہے کہ جب عقد اہل سے محل میں بسلامت ارکان واقع ہو تو اس کے عدمِ بطلان میں کوئی شُبہ نہیں اور اپنے ثمرات کو اگرچہ

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۸

بعد القبض بالیقین مثمر ہوگا مگر وقت نظر حاکم کہ وہ عقد جو درمیان زید و زوجۂ زید واقع ہوا عام ازیں کہ صلح عن المہر ٹھہرے خواہ ہندہ یا زید کی طرف سے ہبہ اور ہبہ ہو تو بالعوض خواہ بشرط العوض اور یہ اختلاف سہ اختلاف لفظ عاقدین سے ناشی ہوگا، بہر تقدیر امر مذکور نفس مکان کے تملک پھر ہندہ کی صحت بیع میں ہرگز مخل نہیں کہ اگر صورت اخیرہ یعنی ہبہ بشرط العوض تو وہ تو ابتداءً ہبہ ہے اور اسی کے احکام اس پر جاری، اگرچہ انتہاء بدستیاری معاوضہ جانب بیع منقلب ہوجائے، اور ہبہ میں اگر شے صالح التملیک وغیر صالح یکجا کی جائیں تو اس کا فساد اسی پر مقتصر رہتا اور اس قدر میں ہبہ قطعاً صحیح ہوجاتا ہے۔

فی الاشباہ و النظائر من قاعدۃ اذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام قال ومنھا الھبۃ وھی لاتبطل بالشرط الفاسد فلایتعدی الی الجائز[1] اھ۔

الاشباہ والنظائر میں ایک قاعدہ مذکور ہے کہ جب حلال وحرام مجتمع ہوں تو حرام غالب ہوگا، فرمایا کہ اسی میں سے ہبہ بھی ہے اور وہ شرط فاسد سے باطل نہیں ہوتا لہٰذا جائز کی طرف متعدی نہیں ہوگا اھ (ت)

اور صور باقیہ میں اگرچہ یہ عقد لباس ہبہ یا صلح میں ہو مگر معنیً بیع وشراء ہے زید بائع ہندہ مشتریہ مکان واسامی مبیع مہر ثمن،

اما فی الھبۃ بالعوض فظاھر واما فی الصلح فکما فی العلمگیریۃ عن المحیط اذا وقع الصلح عن دین فحکمہ حکم الثمن فی البیع وان وقع علی عین فحکمہ حکم البیع فما یصلح ثمنا فی البیع اومبیعا یصلح بدلا فی الصلح ومالا لا[2]۔

لیکن ہبہ بالعوض میں تو یہ ظاہر ہے اور صلح میں اس لئے جیسا کہ عالمگیریہ میں بحوالہ محیط آیا ہے کہ اگر صلح دین پر واقع ہو تو اس کا حکم وہی ہے جو بیع میں ثمن کا ہے اور اگر صلح عین پر واقع ہو تو اس کا حکم وہی ہے جو بیع میں مبیع کا ہے، چنانچہ جو چیز بیع میں ثمن یا مبیع بن سکتی ہے وہ صلح میں بدل بھی بن سکتی ہے اور جو بیع میں ثمن یا مبیع نہیں بن سکتی وہ بدل صلح بھی نہیں بن سکتی۔ (ت)

اب یہ کلام مسئلہ اعتیاض عن الوظائف کی طرف منجر ہوگا وہاں ہر چند علماء کو اختلاف ہے

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثانیہ ادارۃ القرآن کراچی ۱/۱۴۹

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الصلح نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۲۳۱

اور یہ بحث معرکۃ الآراء ہے مگر مرضی و مختار جماہیر فحول و نحاریر عدول صحت و قبول ہے اور وہی ہنگام اعتبار و ملاحظہ نظائر ان شاء اللہ تعالٰی اظہر، اگرچہ دوسرا پلہ بھی بہت ثقیل وگراں ہے،

فی الدرالمختار من الاشباہ المذھب عدم اعتبار العرف الخاص لکن افتی کثیر باعتبارہ وعلیہ فیفتی بجواز النزول من الوظائف بمال[1] الخ قال العلامۃ السید احمد الطحطاوی فی حاشیتہ وقد تعارف ذٰلك الفقہاء عرفا قدیما رضیہ العلماء و الحکام الی ان قال عن ابی السعود عن السید احمد الحموی من بعض الفضلاء عن العلامۃ بدر الدین العینی ان النزول عن الوظائف صحیح قیاسا علٰی ترك المرأۃ قسمہا لصاحبتہا لان کل منہما مجرد اسقاط[2] الخ۔	درمختار میں بحوالہ اشباہ مذکور ہے کہ مذہب کہ عرف خاص کے عدم اعتبار کا ہے لیکن کثیر علماء نے اس کے اعتبار کرنے کا فتوٰی دیا، اسی بنیاد پر مال کے بدلے وظائف سے دستبرداری کے جواز کا فتوٰی دیا گیا الخ علامہ سید احمد طحطاوی نے اپنے حاشیہ میں کہا کہ فقہاء نے اس کو عرف قدیم سمجھا اور علماء و حکام نے اس کو پسند کیا یہاں تک کہ علامہ طحطاوی نے کہا کہ ابوسعود نے بعض فضلاء کا قول بحوالہ علامہ بدرالدین عینی، سید احمد حموی سے نقل کیا کہ وظائف سے دستبرداری صحیح ہے قیاس کرتے ہوئے عورت کے اپنی باری اپنی سوکن کے لئے چھوڑ دینے پر، کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک محض اسقاط ہے الخ (ت)

علامہ سید احمد حموی غمز عیون البصائر میں علامہ نورالدین علی مقدسی سے بعض فروع مبسوط سرخسی پر اس مسئلہ کا اعتبار اور صحت کا استظہار نقل کرکے فرماتے ہیں:

فلیحفظ فانہ نفیس جدا[3] (اس کو یاد رکھنا چاہئے کیونکہ یہ بہت عمدہ ہے۔ ت)

خاتم المحققین علامہ ابن عابدین شامی ردالمحتار میں کلام علامہ بیری شارح اشباہ سے اس کی تائید نقل اور حقوق موصی لہ بالخدمہ و قصاص و نکاح ورق کا حقوق شفعہ و قسم زوجہ و خیار مخیرہ فی النکاح سے بدیں وجہ کہ صور اولٰی میں حق اصالۃً ثابت ہے تو ان سے اعتیاض جائز

---

[1] درمختار کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ۲/۴

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب البیوع دارالمعرفۃ بیروت ۳/۹

[3] غمز عیون البصائر القاعدۃ الاولٰی ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۱۳۹

بخلاف اخیرہ کے کہ وہاں ثبوت حق صرف بربنائے ضرر ہے جب صاحبِ حق اعتیاض پر راضی ہوا معلوم ہوا مستضرر نہ تھا راساً حق باطل ہوا یہ عوض کیسا فرق بیان کرکے فرماتے ہیں:

ولا یخفی ان صاحب الوظیفة ثبت لہ الحق فیہ بتقریر القاضی علی وجہ الاصالة لاعلی رفع الضرر (ینقل الی ما قال) و ان کان الاظہر فیہا ما قلنا[1]۔

اور مخفی نہ رہے کہ بیشک صاحبِ وظیفہ کے لئے حق قاضی کی تقریر سے بطور اصل ثابت ہوا نہ کہ رفع ضرر کے طور پر (نقل کرتے ہوئے یہاں تک کہا) اگرچہ اس میں زیادہ ظاہر وہی ہے جو ہم نے کہا۔ (ت)

اس تقدیر پر تو وہ شبہہ کہ صفقہ واحدہ میں صالح وغیر صالح کو جمع کیا راساً مقطوع اور اگر مذہب آخر اختیار کیجئے تاہم فقیہ پر روشن کم من شئ یصح ضمناً و لا یصح قصداً (بہت سی اشیاء ضمناً صحیح ہوتی ہیں اور قصداً صحیح نہیں ہوتیں۔ ت) آخر مرور و شرب و تعلی بھی تو حقوق مجردہ ہیں مگر بہ تبعیات رقبات طریق و نہر و علوان کی بیع بالاتفاق جائز، یہاں بھی اسامی بیچنا صرف اس حق مجرد کے بیع نہیں بلکہ اس کے ساتھ اسپ و لباس بھی ہے کما لا یخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ ت) پھر استقلال تمحض کہاں جو بطلان مقطوع ہو معہذا اگر ایک مذہب پر بیع اسامی مطلقاً باطل ہی مانی جائے، تاہم اس قدر تو یقینی کہ یہ بطلان مختلف فیہ ہے، پس صرف اتنا ثابت ہوگا کہ زید نے صفقہ واحدہ میں ایک شے صالح البیع بالاتفاق اور شے دوسری مختلف الصلاحیۃ کو ضم کیا اور ایسی صورت میں قائلین بالبطلان کے نزدیک اگرچہ اس مضمون کی بیع باطل، مگر اس کا فساد مضموم الیہ تک ساری نہیں ہوتا اس کی بیع بالاتفاق صحیح رہتی ہے، خلاصہ یہ کہ مانعین کے نزدیک بھی حل وظیفہ مثل اوقاف ہے نہ کہ مانند حرومیۃ کہ اس کے بطلان سے بیع مکان بھی فاسد ٹھہرے،

فی الدر المختار وقید واسرایۃ الفساد فی باب البیع الفاسد بالفاسد القوی المجمع علیہ فیسری کجمع بین حر وعبد بخلاف الضعیف المختلف فیقتصر علی محلہ ولا یتعدا ہ کجمع بین عبد ومدبر[2] الخ وفی الشامیۃ

درمختار میں ہے کہ فقہاء نے بیع فاسد کے باب میں سرایت فساد کو فساد قوی متفق علیہ کے ساتھ مقید کیا تو وہ فساد تمام عقد میں سرایت کریگا جیسے آزاد اور غلام کو عقدِ واحد میں جمع کرنا بخلاف فساد ضعیف اختلافی کے کہ وہ اپنے محل پر بند رہتا ہے اور اس سے

---

[1] ردالمختار کتاب البیوع مطلب فی النزول عن الوظائف داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۵

[2] الدرالمختار کتاب الاجارہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۸۷

8

الفساد غیر قوی لعدم الاتفاق علیہ فلا یسری[1]

تجاوز نہیں کرتا جیسے غلام اور مدبر کو عقد واحد میں جمع کرنا الخ اور شامی میں ہے کہ یہ فساد غیر قوی ہے کیونکہ اس پر اتفاق نہیں لہٰذا یہ سرایت نہیں کریگا۔ (ت)

اور بالفرض اگر اس سے بھی تنزل کیجئے اگرچہ یہ تنزل کے قابل نہیں لیکن تاہم غایت یہ ہے کہ اس سے بیع مکان میں فساد لازم آئے گا، نہ بطلان کہ وجہِ فساد مسئلہ حرمیہ میں قبول غیر صالح سے مشروط ہونا ہے اور بیع شروط فاسدہ سے فاسد ہو جاتی ہے نہ کہ باطل،

اقول وان کانت تعبیرات العلماء فی ذٰلک لم ترد علی نسق واحد فمنھم وھم بالفساد ومنھم من عبر بالبطلان والفساد ھو المراد لانھما لفظان متعاوران یرد کل واحد منھما مشرب صاحبہ کما لایخفی علی الناظر فی کلمات القوم وقال القہستانی فی بیان الباطل کثیرا ما یطلق الفاسد علیہ وبالعکس[2] اھ ومن اقوی الدلیل علی ذٰلک کلام الامام الھمام فقیہ النفس فخر الدین خان القاضی اذ قال فی الخانیۃ البیع انواع باطل وفاسد وموقوف ولازم ومکروہ[3] ثم عقد فصلا فی البیع الباطل

میں کہتا ہوں کہ اگرچہ اس میں علماء کی تعبیریں ایک طرز پر واقع نہیں ہوئیں، ان میں سے بعض نے اس کو فساد قرار دیا اور بعض نے بطلان سے تعبیر کیا جس سے مراد فساد ہی ہے کیونکہ ان دونوں لفظوں یعنی فساد و بطلان میں سے ہر ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتا رہتا ہے جیسا کہ کلمات قوم کو مدنظر رکھنے والے پر مخفی نہیں، اور قہستانی نے باطل کے بیان میں کہا کہ بسا اوقات اس پر فاسد کا اطلاق ہوتا ہے اور اسی طرح اس کے برعکس بھی یعنی فاسد پر باطل کا اطلاق ہوتا ہے اھ' اس پر قوی ترین دلیل امام ہمام فقیہ النفس فخر الدین خان قاضی کا کلام ہے کیونکہ انھوں نے فتاوٰی خانیہ میں فرمایا بیع کی کئی قسمیں ہیں باطل، فاسد، موقوف، لازم اور مکروہ۔ پھر بیع باطل کے بارے میں فصل قائم کی اور اس میں بیع باطل کے

---

[1] ردالمحتار، کتاب الاجارہ، دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۵

[2] جامع الرموز، کتاب البیوع، فصل البیع الفاسد، مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲/۴۳

[3] فتاوٰی قاضی خان، کتاب البیع، نولکشور لکھنؤ ۲/۳۳۵

8/8

وذکر مسائلہ ثم قال باب البیع الفاسد المفسد للبیع انواع وھذا الباب یشتمل علی فصول، الفصل الاول فی فساد البیع لجہالۃ احد البدلین وفیہ الجمع بین الموجود والمعدوم والجمع بین المال وغیر المال[1] اھ فھذا کما تری نص صریح لایقبل صرفا ولا تاویلا قلت وبہ اوضح عمدۃ المذھب امامنا المجتہد سیدنا محمد فی المحیط والمبسوط وغیرہ فی غیرھا کما فی جامع الرموز والکفایۃ وعلیہ یدور کلام الامام برھان الدین المرغینانی فی الھدایۃ والعلامۃ المحقق علی الاطلاق فی الفتح والفاضل زین الدین المصری فی الاشباہ والسید احمد الحموی فی غمز العیون والعلامۃ نوح آفندی والفاضل سید احمد الطحطاوی وغیرھم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین فعلیہ المعول وبہ الاعتماد کما حققتہ فی فتاوٰی الملقبۃ بالعطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ خلافا لما فھم العلامۃ ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الغزی من وقوع لفظ البطلان فی

مسائل کو ذکر کیا۔ بعدازاں بیع فاسد کا باب قائم کرکے فرمایا کہ مفسداتِ بیع متعدد قسموں کے ہیں اور یہ باب کئی فصلوں پر مشتمل ہے، پہلی قسم بدلین میں سے کسی ایک کی جہالت کی وجہ سے فسادِ بیع کے بارے میں ہے اور اس میں معدوم و موجود کو اور مال وغیر مال کو عقدِ واحد میں جمع کرنا داخل ہے الخ تو یہ جیسا کہ تو دیکھ رہا ہے صریح نص ہے جو مجاز و تاویل کو قبول نہیں کرتی، میں کہتا ہوں اور اسی کو واضح فرمایا ہے عمدۃ المذہب امام مجتہد ہمارے سردار امام محمد نے محیط اور مبسوط میں، اور دیگر ائمہ نے دوسری کتابوں میں جیسا کہ جامع الرموز اور کفایہ میں ہے، اور اسی پر دائر ہے امام برہان الدین مرغینانی کا کلام ہدایہ میں، امام علامہ محقق علی الاطلاق کا کلام فتح میں، فاضل زین الدین مصری کا کلام الاشباہ میں، سید احمد حموی کا کلام غمز العیون میں، اور اسی پر دائر ہے علامہ نوح آفندی اور فاضل سید احمد طحطاوی وغیرہ ائمہ کا کلام، اللہ تعالٰی ان تمام پر رحمت نازل فرمائے، پس اسی پر بھروسہ اور اعتماد ہے، جیسا کہ اس کی تحقیق میں نے "العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ" کے لقب سے ملقب فتاوٰی میں کر دی ہے، برخلاف اس کے جو بعض کلماتِ قوم میں لفظ بطلان کے واقع ہونے سے علامہ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ غزی

---

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیع نولکشور لکھنؤ ۲/۳۳۵

بعض کلمات القوم او استظهرہ سیدی محمد امین الدین افندی امرا بالتامل فلا محید الا الی المقام بعد ما اتضح وتحقق ومن ارادفعلی ایراد الدلیل۔

نے سمجھا یا تامل کا حکم دے کر سیدی محمد امین الدین آفندی نے احتیاط برتی، چنانچہ وضاحت و ثبوت کے بعد مقامِ تحقیق کی طرف رجوع کئے بغیر چارہ نہیں اور جو اس کے خلاف کا ارادہ کرے اس کے ذمّے دلیل پیش کرنا ہے (ت)

اور مبیع بالبیع الفاسد بعد القبض مملوک ہوجاتی ہے کما فی عامۃ الکتب (جیسا کہ عام کتابوں میں ہے۔ت) ہاں حق مشتری میں اس کی خباثت رہتی ہے لہذا تفاسخ واجب، مگر اس کی بیع کے بعد مشتری ثانی کے لئے وہ بھی نہیں رہتی،

فی الدرالمختار بخلاف بیع الفاسد فانہ لایطیب لہ لفساد عقدہ ویطیب للمشتری منہ لصحۃ عقدہ[1]۔

درمختار میں ہے بخلاف بیع فاسد کے کہ اس میں مشتری کو حلال نہیں اس عقد کے فساد کے سبب سے اور جس نے اس سے خریدا اسے حلال ہے بسبب اس کی صحتِ عقد کے (ت)

پس بہرحال اب یہ مکان بالیقین مملوک عمرو ہے زید یا زوجۂ زید یا قرضخواہانِ زید کا اس میں کچھ حق نہیں، نہ قرضۂ زید اس سے کوئی وصول کرسکتا ہے ھذا ینبغی التحقیق و اللہ ولی التوفیق، واللہ سبحنہ و تعالٰی اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و احکم (یونہی تحقیق چاہئے اور اللہ تعالٰی ہی توفیق کا مالک ہے، اور اللہ سبحنہ وتعالٰی خوب جاننے والا ہے اور اس کا علم اتم واحکم ہے۔ت)

مسئلہ ۳۰ از کمپ لال کرتی مرسلہ شیخ کریم بخش صاحب ۸ رمضان ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے مکان میں ایک درخت فالسہ کا تھا اور بکر کے ہاتھ فروخت کئے ہُوئے ایک مہینہ گزرگیا، بعدہٗ زید کے مکان میں آگ لگ گئی، درخت مذکور جل گیا، قیمت اس کی بکر کو واپس دینا چاہئے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب

بعد استفسار واضح ہوا کہ گمنڈساریوں کے ہاتھ فالسہ کی ٹہنیاں بیچی جاتی ہیں وُہ انھیں کاٹ

---

[1] درمختار کتاب البیوع البیع الفاسد مجتبائی دہلی ۲/ ۲۹

لیتے ہیں اور پیڑ بدستور قائم رہتا ہے، یہ بیع بھی انھیں ٹہنیوں کی تھی اور مشتری ہنوز کاٹنے نہ پایا تھا کہ مکان میں آگ لگ گئی، پیڑ جل گیا، اس صورت میں قطع نظر اس سے کہ صرف ٹہنیوں کی بیع جائز و صحیح ہونے میں بہت نزاع طویل ہے،

وانما حکم من حکم بالجواز مستندا الی التعامل او ان کان موضع القطع معلوما بالعرف کما فصلہ فی الدر وحواشیہ[1]

اور جس نے جواز کا حکم کیا اس نے تعامل کی بنیاد پر جواز کا حکم کیا یا اس بنیاد پر کہ از روئے عرف کاٹنے کی جگہ معلوم ہو جیسا کہ در اور اس کے حواشی میں اس کی تفصیل ہے (ت)

جب شے مبیع قبل قبضہ مشتری دست بائع میں ہلاک ہوگئی بیع جاتی رہی اور جو قیمت لی تھی وہ واپس دینی واجب،

فی ردالمحتار عن الفتح والدر المنتقی لوھلک المبیع بفعل البائع او بفعل المبیع او بامر سماوی بطل البیع ویرجع بالثمن لو مقبوضا[2] واللہ تعالٰی اعلم۔

ردالمحتار میں بحوالہ فتح اور در منتقی ہے کہ اگر فعل مبیع یا فعل بائع یا کسی امر سماوی سے مبیع (بائع کے ہاتھ میں) ہلاک ہوجائے تو بیع باطل ہوجائے گی اور ثمنوں پر اگر بائع قبضہ کر چکا ہے تو لوٹائے جائیں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۱ از شہر کہنہ ۲ محرم الحرام ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنا مکان مسکونہ لعوض دین مہر زوجہ کے ساتھ بیع کردیا اور رجسٹری وغیرہ کی تکمیل کرادی، بعدہٗ باجازت عورت تاحیات یعنی سوا برس اس مکان میں رہتا رہا پس بسبب رہنے زید کے اس مکان میں تکمیل بیعنامہ جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

بیع مذکور تام و کامل ہے اور زید کا رہنا بے اجازت عورت ہوتا تاہم اصلاً تمامی بیع میں خلل نہ لاتا،

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴

[2] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۲

فان غایتہ الغصب والبیع اذا تم افادۃ الملك والملك بالغصب لایزول علی ان الغصب لایتحقق فی العقار والبیع لیس کالھبۃ حتی یشترط فیہ القبض والتخلیۃ وھذا ظاھر جدا، واللہ تعالٰی اعلم۔

کیونکہ غایت اس کی غصب اور بیع جب تام ہوجائے تو مفید ملک ہوتی ہے اور غصب سے ملک زائل نہیں ہوتی، علاوہ ازیں غصب غیر منقولہ اشیاء میں متحقق نہیں ہوتا اور بیع، ہبہ کی مثل نہیں حتی کہ اس میں قبضہ اور فارغ کرنا شرط قرار دیا جاتا اور یہ خوب ظاہر ہے۔ واللہ اعلم (ت)

مسئلہ ۳۲ مرسلہ ابوالاثیم محمد ابراہیم بریلی خواجہ قطب ۱۱ محرم ۱۳۲۳ھ یوم دوشنبہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے انتقال کیا، دو بھتیجے حقیقی اور ایک دختر چھوڑی اور بڑا بھتیجا اس لڑکی کا شوہر ہے لیکن باہم زوجین میں ایک مدت سے نااتفاقی ہے حتی کہ نان ونفقہ تک نہیں دیتے۔ زید نے اپنی حیات میں اپنی کل جائداد دو ہزار روپیہ میں اپنی دختر کے ہاتھ بیع کر دی لیکن قیمت جائداد تخمیناً چھ ہزار روپے ہے اور بیعنامہ بھی قانونی کر دیا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ روپیہ مشتریہ نے بائع کو کچھ نہیں دیا وہ کہاں سے دیتی اس کا نان ونفقہ بھی باپ کے ذمہ تھا، ایک مرتبہ زید نے کسی موقع پر اپنے چھوٹے بھتیجے سے کہا کہ تیری حق تلفی مجھ سے ہوگئی تیرے بڑے بھائی کی وجہ سے وہ میری زندگی میں تو اپنی زوجہ (یعنی میری لڑکی) کو کچھ دیتے نہیں ہیں بعد میرے مرنے کے کیا دیں گے، اس کے جواب میں بھتیجے نے یہ کہا کہ آپ میری حق تلفی کیوں کرتے ہیں، اس کے جواب میں زید نے یہ کہا کہ جو کچھ ہونا تھا ہوگیا، پس صورت مذکورہ میں اس جائداد و بیع کا کیا حکم ہے؟ آیا دونوں بھتیجوں کو بھی شرعی حصہ پہنچتا ہے یا نہیں؟ بینوا امع الدلیل والبرھان توجروا عند الحنان المنان (دلیل وبرہان کے ساتھ بیان کرو احسان ومہربانی فرمانے والے سے اجر پاؤ۔ ت)

الجواب

یہ بیع صحیح وتام ونافذ ہوگئی جبکہ زید کی حالت صحت میں تھی،

کما ذکر لی السائل بلسانہ وذلك لانہ عقد صدر عن اھلہ فی محلہ فلا مرد لہ۔

جیسا کہ سائل نے مجھے زبانی بتایا اور یہ حکم اس لئے ہے کہ یہ ایک ایسا عقد ہے جو اہل سے صادر ہو کر محل میں واقع ہوا تو اس میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ (ت)

ادائے ثمن شرائط صحت یا نفاذ بیع سے نہیں ولہذا اگر بائع بعد تمامی عقد زر ثمن تمام وکمال معاف کردے معاف ہوجائیگا اور بیع میں کوئی خلل نہ آئے گا کما نص علیہ فی فتاوی الامام قاضی خان وبینہ فی رد المحتار وحققناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ فتاوی امام قاضی خان میں اس پر نص کی گئی اور رد المحتار میں اس کو بیان کیا اور ہم نے اپنے فتاوی میں اس کی تحقیق کی۔ت) یہاں اگر معافی ثابت ہو فبہا، اور اگر زید نے وصول پالینے کا اقرار کیا جب بھی مشتریہ پر ثمن کا دعوٰی اسے نہ رہا لان المرء مواخذ باقرارہ (کیونکہ شخص اپنے اقرار سے پکڑا جاتا ہے۔ت) اور یہ قرآن کہ وہ کہاں سے دیتی اس کا نفقہ بھی تو باپ کے ذمہ تھا بینۂ ابرار کے مقابل مسموع نہ ہوتا تو ظاہر اقرار وصول کے سامنے بھی قابلِ التفات نہیں،

لان المال غادورائح وقد یکون لبعض الناس لاسیما النساء مال خفی قل مایطلع علیہ الاٰخرون وعسی ان یکون لہا من حلی جہازھا وامتعۃ ما یفی بذٰلک۔

کیونکہ مال آنے جانے والی چیز ہے اور کبھی بعض لوگوں خصوصاً عورتوں کے پاس کچھ پوشیدہ مال ہوتا ہے جس پر دوسرے لوگ بہت کم مطلع ہوتے ہیں، شاید اس عورت کے پاس جہیز کا کوئی زیور یا سامان ہو جس سے وہ ادائیگی کرتی ہو۔(ت)

اور جب خود زید کا دعوٰی نہ سُنا جاتا تو ورثاء کہ خلافۃً اسی طرف سے مدعی ہوں گے ان کا دعوٰی کیونکر مقبول ہوسکتا ہے زید کا ایک بھتیجے سے کہنا کہ مجھ سے تیری حق تلفی ہوگئی صحت بیع کا منافی نہیں بلکہ موکد ہے کہ اگر بیع صحیح نہ ہوتی تو حق تلفی کیونکر ہوتی باقی براہِ دیانت حق تلفی حکم قضا میں صحت بیع پر اثر نہیں ڈالتی بیع صحیح ہوگئی، بھتیجوں کا جائداد میں کچھ حق نہ رہا، ہاں ثمن کا دعوٰی ممکن ہے اگر زید نے معاف یا وصول پالینے کا اقرار نہ کیا ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۳ ازپیگا مسئولہ مولوی حاجی نذیر احمد صاحب ۲۴ ذی القعدہ ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید نے نصف اراضی زمینداری عمرو کی جس میں اس کی سیر و خود کاشت کی کچھ زراعت تیار شدہ کچھ تخم ریزی شدہ بھی تھی بایں شرط خرید کی کہ جو اراضی عمرو کی کاشت میں ہے وہ بھی نصف کاشت سے چھوڑ دینا ہوگی، عمرو نے اس شرط کو قبول کرلیا تھا اور اس اراضی کی اس پیداوار موجودہ اور مزروعہ کا وقت بیع کے کچھ تذکرہ اور تصفیہ نہ ہوا تھا کہ آیا کل عمرو کا ہوگا یا نصف زید کا بھی؟ اب زید نصف پیداوار بھی اس اراضی کی جو عمرو نے کاشت کرائی تھی طلب کرتا ہے کہ میرا تو عمرو کی ہر چیز میں نصف ٹھہرا ہے، عمرو کہتا ہے

میں نے اراضی زمینداری اور حقوق زمینداری بیع کئے ہیں نہ حقوق کاشتکاری، پس حق زمینداری اس اراضی زراعت تیار شدہ اور مزروعہ کا چوتھائی حصہ ہے اس کا نصف لے لو جیسی کہ مخلوق میں اسامیان سے جو نصفی یا چوتھائی یا پچرو وغیرہ پر کاشت کرتے ہیں حصہ لیا جاتا ہے اسی طرح سے ورنہ تمھاری ہر چیز کے اعتبار سے تو میں اثاث البیت وغیرہ بھی دے کر نہ چھوٹوں گا، لہٰذا استفسار ہے کہ فریقین میں سے زید حق پر ہے یا عمرو؟ زید کا مطالبہ کرنا کیسا ہے اور عمرو کا نہ دینا کیسا؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

زراعت تیار شدہ تمام وکمال ملکِ عمرو ہے بلکہ اگر وقت بیع تک صرف اسی قدر اُگی ہوتی جسے جانور اپنے لبوں کے ذریعہ سے زمین سے لے سکے جب بھی اس پر زید کا دعوٰی بالاتفاق باطل تھا، ہاں اگر پیٹا بالکل باہر نہ آتا جسے جانور چر سکے نری رنگت ہی رنگت زمین پر ظاہر ہوتی ہوتی ایسی حالت میں زمین بیچی جاتی تو ایک قول پر نصف زراعت بھی ملکِ زید قرار پاتی تجنیس میں اسی کو صواب اور شرح المجمع و درمختار میں اصح بتایا اور دوسرے قول پر اب بھی وہ تمام وکمال ملکِ عمرو رہتی فتح القدیر میں اسی کو اوجہ اور سراج الوہاج میں صحیح فرمایا، اور اکثر کا رجحان رائے قول اول کی طرف ہے اور جس قدر میں تخم ریزی ہوتی ہے اُسے دیکھا جائیگا کہ آیا ہنوز بیج تازہ پڑا ہے کہ زمین میں گل نہ گیا ہوگا تو اس صورت میں بھی بالاتفاق جو زراعت اس سے پیدا ہوگی تمام وکمال عمرو کی ہوگی اور اگر ایسے وقت بیع ہُوئی کہ بیج گل چکا تھا زمین کھود کر اگر اسے نکالنا چاہتے تو کچھ نہ ملتا تو اس صورت میں بھی اختلافِ علماء ہے، بعض نے کہا اب نصف زراعت مشتری نصف زمین کی ہوگی، اسی کو امام فضلی و صاحب ذخیرہ نے اختیار فرمایا اور بعض نے فرمایا اب بھی تمام وکمال بائع کی ہے اسی کو امام ابواللیث و امام برہان الدین صاحب ہدایہ نے اختیار فرمایا اور اسی پر درمختار میں اعتماد کیا بلکہ امام فقیہ ابواللیث و امام برہان الدین صاحب ہدایہ کا مختار یہ ہے کہ مطلقاً چاروں صورتوں میں تمام وکمال زراعت بائع کی ہی ہے خواہ تھوڑی اُگی ہو یا بہت بیج گل گیا ہو یا نہیں، اور یہی متون تنویر الابصار وغیرہ کا مفاد ہے، بالجملہ ان تمام صورتوں میں زراعت ملکِ عمرو ہے، زید کا دعوی نصف باطل ہے مگر صرف اس حالت میں کہ بیع کے وقت زمین سے کھیتی ظاہر تو ہُوئی ہو اور اس قابل نہ ہو کہ جانور اپنے لب سے اُسے نکال سکے کہ اس تقدیر پر قول راجح میں آدھی زراعت مشتری نصف زمین کی ہوگی پھر جن صورتوں میں زراعت صرف عمرو کی ٹھہری زید کو اختیار ہے کہ زمین تقسیم کرا کر اپنا

حصہ زراعت عمرو سے خالی کرالے اسے فوراً خالی کرنا ہوگا اگرچہ زراعت ہنوز قابلِ درو نہ ہوئی ہو اگر برضائے زید باقی رکھی تو حسبِ دستور زید کو حقِ زمینداری یعنی جو اتنی زمین کی اس قدر مدت تک استعمال رکھنے کی لگان وغیرہ ہوتی ہے ادا کرے، درمختار میں ہے:

(لایدخل الزرع فی بیع الارض بلا تسمیة الا اذا نبت ولا قیمة له فیدخل فی الاصح شرح المجمع، ویؤمر البائع بقطع الزرع وتسلیم الارض عند وجوب تسلیمها فلو لم ینقد الثمن لم یؤمر به، خانیة، وما فی الفصولین الزرع للبائع باجر مثلها محمول علی ما اذا رضی المشتری نھر[1] ملتقطا - واللہ تعالٰی اعلم

زمین کی بیع میں زراعت بغیر نام لئے داخل نہیں مگر جب کھیتی اُگی ہُوئی ہو اور بے قیمت ہو تو بیع میں داخل ہوگی اصح قول کے مطابق (شرح المجمع) بائع کو حکم دیا جائیگا کہ وہ کھیتی کو اکھاڑ کر زمین مشتری کے حوالے کرے جب زمین کی تسلیم واجب ہوچکی ہو اگر مشتری نے ثمن نقد نہ دئے ہوں تو بائع کو مذکورہ بالا حکم نہیں دیا جائیگا (خانیہ)، اور فصولین میں جو آیا ہے کہ کھیتی بائع کے لئے ہے زمین کی اُجرت مثلی کے ساتھ تو وہ اس صورت پر محمول ہے کہ مشتری اس پر راضی ہو، نہر اھ ملتقطا واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۴-۳۵: از ریاست جاورہ، ڈونگر پور دروازہ مرسلہ ہدایت نور خاں صاحب برادر نواب جاورہ، رمضان المبارک ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل ذیل میں:

(۱) زید وہندہ نے بروقت خواستگاری یعنی مگنی پسر خود مسمّی بکر کے ماہ ستمبر ۱۹۰۲ء میں ایک تحریر بدیں مضمون لکھی کہ پندرہ روپیہ چار آنہ ماہوار کہ بعد مایان بحصہ برخوردار بکر رسید سے بعد وفات ہمارے جو حصہ بکر میں پہنچیں گے اور ایک منزل مکان بحدود اربعہ بعوض مبلغ پنجاہ ہزار روپیہ ازجملہ مہر شش کہ کفیل وضامن اس کے ہم ہیں مسماۃ ہاجرہ کو دیا ہم نے، اور اس پر قابض ومتصرف کر دیا ہم نے، مگر اس تحریر کے ایک سال آٹھ ماہ کے بعد مئی ۱۹۰۴ء میں نکاح ہاجرہ کا بکر کے ساتھ ہوا، جلسہ نکاح میں تکمیل تحریر مسطور بالا کی نہیں ہُوئی اور نہ دستخط قاضی وقت کے کہ جس نے نکاح پڑھایا اس پر ہوئے ہیں، نہ تاریخ یوم نکاح ہی، نہ منظور شدہ زوج ہی، پس ایسی حالت میں اگر زوجہ بکر

---

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی مالا یدخل فی البیع تبعاً الخ مجتبائی دہلی ۲/۹

اس تحریر کی رُو سے زید و ہندہ یا بکر پر دعوٰی کرے تو عندالشرع اس جائداد منقولہ و غیر منقولہ کے پانے کی مستحق ہے یا نہیں؟ اور قبضہ بھی اس جائداد پر مسماۃ ہاجرہ کو مالکانہ نہ اصالۃً نہ وکالۃً دلایا گیا کیونکہ زید و ہندہ ۱۹۰۲ء سے ابھی تک بقیدِ حیات ہیں اور اسی جائداد منقولہ و غیر منقولہ پر خود قابض و متصرف ہیں پس ایسی حالت میں ہاجرہ شرعاً اس جائداد مذکورہ کے پانے کی مستحق ہے یا نہیں؟

(۲) زید نے تنخواہ عطیہ شاہی جو کہ آئندہ آنے والی ہے اس کو بنام مسماۃ ہاجرہ بالعوض مہر بیع و ہبہ کی اور قبضہ بھی نہیں دیا تو ایسی آنے والی تنخواہ کا بیع و ہبہ از روئے شرع شریف معتبر ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

(۱) ہاجرہ اس جائداد کا اصلاً مطالبہ نہیں کرسکتی، ظاہر ہے کہ زید و ہندہ کی طرف سے یہ تصرف مہر کے عوض ایک جائداد دینا ہے اور تملیک عین بالعوض، اگرچہ بلفظ ہبہ یا عطا ہو ابتداء و انتہاء ہر طرح بیع ہے۔

فی الدرالمختار اما لو قال وھبتک بکذا فھو بیع ابتداءً وانتہاءً[1]

درمختار میں ہے اگر کہا میں نے تجھے اس چیز کے بدلے ہبہ کیا تو یہ ابتداءً اور انتہاءً بیع ہے (ت)

اور بیع مبادلہ مال بمال ہے کما فی الکنز والملتقی وغیرھما (جیسا کہ کنز اور ملتقی وغیرہ میں ہے۔ ت) اور مال عین ہے یا دین، اور مہر قبل از نکاح نہ عین ہے نہ دین، تو اصلاً مال ہی نہیں، تو اس کے عوض کسی شیئ کا دینا محض باطل ہے،

وصار کالبیع بالدم او المیتۃ او التراب بل ادون لانہا اشیاء وان لم تکن اموالا وھذا لیس بشیئ اصلا۔

اور یہ خون یا مردار یا مٹی کے بدلے بیع کی مثل ہوگیا بلکہ اس سے بھی کمتر کیونکہ یہ چیزیں اگرچہ مال تو نہیں مگر اشیاء تو ہیں جبکہ مہر قبل از نکاح تو شیئ ہی نہیں (ت)

انعقاد سبب وجوب سے پہلے ادا باطل ہے،

فی فتح القدیر لایجوز تعجیلہ

فتح القدیر میں ہے کہ اس کی تعجیل جائز نہیں

---

[1] درمختار کتاب الہبۃ باب الرجوع فی الہبۃ مجتبائی دہلی ۲/۱۶۴

لانہ یکون قبل السبب[1]

کیونکہ اس طرح سبب پر اس کا مقدم ہونا لازم آئے گا (ت)

عنایہ میں ہے:

تقدیم الحکم علی السبب لایجوز[2]

حکم کو سبب پر مقدم کرنا جائز نہیں (ت)

علماء تصریح فرماتے ہیں کہ دین معدوم کے بدلے رہن لینا بھی جائز نہیں،

فی الہندیۃ الرھن بدین معدوم فلا یصح اذحکمہ ثبوت ید الاستیفاء والاستیفاء یتلو الوجوب کذا فی الکافی[3]

ہندیہ میں ہے کہ معدوم دین کے بدلے رہن لینا صحیح نہیں کیونکہ رہن کا حکم یہ ہے کہ دین وصول کرنے کی قدرت حاصل رہے اور وصول کرنا وجوب کے بعد ہوتا ہے جیسا کہ کافی میں ہے (ت)

تو فی الحال اس کا ادا کرنا کیونکر صحیح ہوگا،

ولایرد ما اذا بعث الی المخطوبۃ اشیاء مھرا لھا فانھا تملکھا اذا تزوجت علیھا و ذٰلک لان الملک انما یثبت فیھا بعد التزوج والامھار اما قبلھا فلا ولذا تردھا ان ابت قائمۃ اوھالکۃ کما فی الدرالمختار وغیرہ[4] اما ھٰھنا فالتزوج انما وقع علی الدراھم ثم لم یکن بعد ذٰلک من الکفیلین تعویض وما تقدم لایجدی کما تقدم۔

اور اس پر ان اشیاء کا اعتراض وارد نہیں ہوتا جو کسی نے اپنی منگیتر کو بطور مہر بھیجیں کیونکہ ان اشیاء پر نکاح ہونے کی صورت میں وہ عورت ان کی مالک ہوجاتی ہے ——— اور یہ اس لئے کہ یہاں ان اشیاء میں ثبوت ملک نکاح اور مہر مقرر کرنے کے بعد ہے نہ کہ اس سے پہلے، اسی لئے عورت اگر نکاح سے انکاری ہو تو ان اشیاء کو واپس کرے گی چاہے وہ اشیاء موجود ہوں یا ضائع ہوگئی ہوں جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے، مگر یہاں تو نکاح دراہم پر واقع ہوا پھر اس کے بعد دونوں کفیلوں کی طرف سے عوض

---

[1] فتح القدیر کتاب الزکوٰۃ فصل ولیس فی الفصلان الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۱۵۷

[2] العنایۃ علی ہامش فتح القدیر " " " " " " ۲/۱۵۷

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الرہن الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۴۳۱

[4] درمختار کتاب النکاح باب المہر مجتبائی دہلی ۱/۲۰۳

دینا بھی نہیں پایا گیا اور جو کچھ پہلے ہوچکا وہ نفع نہیں دے گا جیسا کہ پہلے گزر گیا ہے (ت)

یہ حال تو مکان کا ہے، رہے وُہ پندرہ روپے چار آنے ماہوار، اس سے اگر مراد اپنی کوئی جائداد اتنی توفیر کی ہو تو اس کا حال مثل حالِ مکان ہے کہ گزرا، اور اگر کوئی تنخواہ مراد ہو جو ان کو کسی نوکری کی اجرت میں ملتی ہے تو اس کا حال حالِ مکان سے بدتر ہے کہ وہ خود ہنوز معدوم ہے تو یہ بیع معدوم بالمعدوم ہُوئی اور اگر وُہ تنخواہ محض عطیہ حاکم بطور منصب وجاگیر ہے تو اس سے بھی بدتر حالت ہے کہ وہ خود ان کے اختیار ہی کی نہیں، بہرحال یہ معاوضہ باطل محض ہے، اور ہاجرہ کو اس کے ذریعہ سے کوئی استحقاق مطالبہ نہیں، دستاویز کہ زید و ہندہ نے لکھی اس کی پوری نقل سائل نے نہ بھیجی جس سے یہ معلوم ہوتا کہ انھوں نے مہر کی جو کفالت کی ہے وہ بھی شرعاً صحیح ہوئی یا نہیں، نہ اس سے سائل کا سوال ہے لہذا اس سے بحث کی حاجت نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۲) آئندہ تنخواہ کی بیع وہبہ دونوں کو باطل کہ وہ معدوم ہے اور معدوم نہ بیع ہوسکتا ہے نہ ہبہ۔ تنویر الابصار میں ہے، بطل بیع المعدوم[1] (معدوم کی بیع باطل ہے۔ ت) فتاوٰی خیریہ میں ہے:

وبھذا اعلم عدم صحۃ ھبۃ ما ستحصل من محصول القریتین بالاولٰی لان الواھب نفسہ لم یقبضہ بعد فکیف یملکہ وھذا ظاھر[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اور اس سے معلوم ہوگیا کہ دو قریوں کی آمدنی سے حاصل شدہ شیئ کا ہبہ بدرجہ اولٰی صحیح نہیں کیونکہ خود واہب نے ابھی قبضہ نہیں کیا تو وُہ اس کا مالک کیسے بنا سکتا ہے اور یہ ظاہر ہے، اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے (ت)

مسئلہ ۳۶: از ریاست رامپور محلہ راجدوارہ متصل مسجد مولوی حیدر علی صاحب مرحوم مرسلہ مظہر حسین خاں ولد مولوی عبدالعلی خاں صاحب مرحوم ۲۶ رجب ۱۳۲۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس باب میں کہ زید نے ایک قطعہ اراضی تعدادی چوبیس درعہ جس کا طول جنوباً شمالاً چھ درعہ و عرض شرقاً غرباً چار درعہ اراضی منکسر مملوکہ خود جس کا طول شرقاً غرباً سولہ گز و عرض جنوباً شمالاً چھ گز ہے بقیمت مبلغ نو روپیہ کے بدست عمر بیع کرکے بیعنامہ تصدیق کرادیا بوقت تحریر بیعنامہ حدشرعی میں بجائے بقیہ اراضی بائع کے صریح غلط طور پر دروازہ مکان

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الھبۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۱۱

خالد تحریر ہوگیا حالانکہ دروازہ مکان خالد محکم وصحیح کل قطعہ مملوکہ بائع کی بھی نہیں ہو سکتی ہے کیونکہ منتہائے کل قطعہ اراضی مملوکہ بائع تعدادی چھیانوے ۹۶ درعہ کے حد پر بھی اراضی مرور مکانات ہے دروازہ مکان خالد بعد اراضی مرور کے ہے، اور حد شمالی میں بجائے مرور مکانات کے صریح طور پر بھی غلط پچھیت مکان خالد دروازہ مکان ہندہ تحریر ہوگیا حالانکہ پچھیت مکان خالد بعد اراضی مرور کے اور دروازہ مکان ہندہ بہت فاصلہ پر واقع ہے اس غلطی تحریر حدود سے جبکہ بیعنامہ میں پیمائش وعرض وطول اراضی مبیعہ کی صراحت وتعین ہے اور شرح مقام اراضی موجودہ وقت اور اقرار یافتہ کے اس فورو پیہ قیمت صرف چوبیس درعہ کے ہو سکتی ہے نہ کہ چھیانوے درعہ کے اور حدود کے اعتبار سے علاوہ اراضی بائع کے راہ مرور مشترکہ محلہ داران بھی داخل مبیعہ ہوا جاتا ہے جس کی بیع شرعاً جائز نہیں ہے پس صورتِ بالا شرعاً مبیعہ وہی چوبیس درعہ اراضی قرار پائے گی یا کہ کل قطعہ چھیانوے ۹۶ درعہ اراضی مملوکہ بائع مع اراضی مرور شرقی وشمالی محلہ داران۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

بیعنامے اور عرضِ دعوٰی وجوابِ دعوٰی ملاحظہ ہوئے، اگر بیعناموں پر نظر ہو تو ان میں حدود بالاتفاق یکساں صاف صاف مکتوب ہیں اور ان میں شرح ۶ر گز کا کہیں ذکر نہیں، ایسی حالت میں کل زمین مذکور کہ بائع اول کو اس کے ماموں سے وراثۃً پہنچی مبیع سمجھی جائے گی، حدود میں اگر مکانات دیگر کے راستے بھی داخل ہوگئے ہیں مالکوں کی چارہ جوئی پر واگزاشت ہوجائیں گے بائع اس سے استدلال نہیں کر سکتا نہ بیعناموں میں مقدار مبیع ۲۴ گز اور اس کا طول ۶ گز عرض ۴ گز لکھا ہونا کچھ مفید ہو سکتا ہے جبکہ فی گز ۶ر کی قید بیعنامہ میں کہیں نہیں۔ درمختار میں ہے:

ان باع المذروع علی انہ مائۃ ذراع اخذ المشتری الاقل بکل الثمن او ترک واخذ الاکثر بلاخیار للبائع لان الذراع وصف لتعیبہ بالتبعیض ضد القدر والوصف لایقابلہ شیئ من الثمن الا اذا کان مقصودا بالتناول کما افادہ بقولہ وان قال کل ذراع بدرھم

اگر مذروع کو اس شرط پر بیچا کہ مثلاً یہ سَو گز ہے تو مشتری اقل کو پوری قیمت سے لے یا چھوڑ دے اور اکثر کو بلاخیارِ بائع لے لے گا ذراع یعنی گز وصف ہے کیونکہ سالم نہ رکھنے پر وہ عیب قرار پاتا ہے یہ حکم قدر یعنی کیل ووزن کے برعکس ہے اور وصف کے مقابلے میں ثمن کا کوئی حصہ نہیں ہوتا مگر جبکہ وصف تناول سے مقصود ہو جیسا کہ مصنف نے اپنے اس قول سے اس کو بیان فرمایا کہ اگر بائع

اخذ کل ذراع بدرھم او فسخ[1] (ملتقط)	نے یوں کہا کہ ہر گز ایک درہم کے بدلے میں ہے تو مشتری ہر گز درہم کے بدلے میں لے لے یا بیع فسخ کردے (ملتقط)۔ (ت)

مگر شرع مطہر میں عقد معتبرہ وہ ہے جو عاقدین نے باہم زبان سے کہا کاغذ میں اس کے خلاف کچھ لکھا جائے معتبر نہ ہوگا۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

العبرۃ بما تلفظ بہ الواقف لا لما کتب الکاتب[2]	اعتبار اس کا ہے جو واقف نے زبان سے کہا، نہ اس کا جو کاتب نے لکھا (ت)

تو اگر گواہانِ عادل سے ثابت ہو جائے کہ عقد زبانی میں فی گز ۶؍ کی تصریح تھی اور اسی حساب سے ۴۲ گز ۹للعہ روپے کو بیع ہوئی تو اگر ۴۲ گز مبیع کی تعیین سمت بھی ہوگئی تھی جیسا کہ اب عرضی دعوٰی کے بعض بیانوں سے مستفاد ہے تو یہی ۴۲ گز جانب غربی سے بیع ہوئی باقی پر مشتری کا قبضہ باطل ہے اور اگر تعیین نہ تھی جیسا کہ بیانِ بیع میں کہ عرضی دعوٰی میں ہے اس وقت تک نہیں تو یہ بیع بوجہ جہالت فاسد ہوئی،

لان الذراع انما یحل فی المعین فھو معین لکنہ مجھول الموضع لامشاع کما فی ردالمحتار[3]	اس لئے کہ ذراع تو معین میں جاری ہوتا ہے اور ذراع معین ہے لیکن مجہول الموضع ہے نہ کہ غیر معین، جیسا کہ ردالمحتار میں ہے (ت)

تنویر الابصار میں ہے:

فسد بیع عشرۃ اذرع من مائۃ ذراع من دار[4]	گھر کے سو گز میں سے دس گز کی بیع فاسد ہے (ت)

ہاں اگر مجلس عقد کے اندر تعیین کردی تھی تو بیع صحیح ہوگئی لان المجلس یجمع الکلمات (کیونکہ مجلس جامع کلمات ہوتی ہے۔ ت) اسی طرح اگر بعد مجلس اس عقد فاسد کو ترک کرکے ایک طرف سے ۴۲ گز معین بائع نے مشتری کو دیئے اور اس نے لئے تو بھی صحیح ہوگئی۔ درمختار میں ہے:

---

[1] درمختار	کتاب البیوع	مطبع مجتبائی دہلی	۲/ ۷ و ۸
[2] فتاوٰی خیریہ	کتاب الوقف	دارالمعرفۃ بیروت	۱/ ۱۳۹-۴۰
[3] ردالمحتار	کتاب البیوع	داراحیاء التراث العربی بیروت	۴/ ۳۱-۳۲
[4] الدرالمختار شرح تنویر الابصار	"	مطبع مجتبائی دہلی	۲/ ۸

وینبغی انقلابہ صحیحا لو فی المجلس ولو بعدہ فبیع بالتعاطی، نھر[1]

اور لائق ہے کہ بیع صحت کی طرف منقلب ہوجائے اگر تعیین مجلس عقد میں ہوا اور اگر تعیین مجلس کے بعد ہو تو بیع بالتعاطی ہوگی، نہر۔ (ت)

ان صورتوں میں بھی وہی ۴۸ گز معین مبیع ہوئی باقی پر مشتری کا قبضہ باطل ہے یہ سب یعنی بائع سے گواہ لینا اور ان کی گواہی پر اعتماد کرنا اس حالت میں ہے کہ بقیہ ۲،گز میں مشتری ثانی کے تصرفات مدت دراز سے بائع نے دیکھ کر سکوت نہ کیا ہو، اور اگر ایسا ہے جیسا مشتری ثانی کا بیان ہے کہ اسی وقت سے اس نے دالان اور کھپریل اور چبوترہ کل زمین میں بنوالیا اور بائعوں نے خود کھڑے ہو کر بنیاد وغیرہ قائم کرادی جس کو عرصہ قریب آٹھ سال کا ہوگیا تو اس صورت میں دعوٰی بائع اصلاً قابلِ سماعت نہ ہوگا،

لما افتی بہ العلماء قطعا للتزویر والاطماع الفاسدۃ کما فی العقود الدریۃ[2] ومعین المفتی وغیرھما۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

علماء کے اس فتوٰی کی وجہ سے جو انھوں نے دھوکہ دہی اور فاسد خواہشوں کو منقطع کرنے کے لئے دیا ہے جیسا کہ عقود الدریہ اور معین المفتی وغیرہ میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۷: از پیلی بھیت محلہ محمد شیر مسئولہ جناب قمر الدین صاحب ۱۷ صفر المظفر ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنا مال آڑھت میں دے کر دکان میں بیچنا چاہتا ہے اور اس سے روپیہ مال جمع شدہ کا پیشگی چاہتا ہے اور کہتا ہے کہ جب فروخت ہوجائے گا تو اس وقت کا ہم اور تم حساب کرلیں گے یہ روپیہ پیشگی دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر علی الحساب بطور قرض لیتا ہے تو دکاندار کی مرضی سے لے سکتا ہے اس پر جبر نہیں کرسکتا، اور اگر دکاندار سے اس مال کی قیمت لیتا اور یہ شرط کرتا کہ فروخت پر کمی بیشی کا حساب ہوجائے گا تو یہ حرام ہے، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

---

[1] الدرالمختار کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸

[2] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳

مسئلہ ۳۸ مسئولہ نواب وزیر احمد خان صاحب بہاری پور بریلی ۱۴ جمادی الآخر ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی شے کا بیعنامہ معمولی رواجی الفاظ کے ساتھ تحریر ہو کر آخر میں یہ فقرہ لکھ دیا جائے کہ نفاذ اس بیع نامہ کا فلاں مدت کے بعد عمل میں آئے گا مشتری کو قبضہ لینے اور داخل خارج کرنے کا مجاز بعد انقضائے مدت مذکورہ حاصل ہوگا اگر مشتری درمیان اس مدت کے قبضہ لے کر داخل خارج کرائے گا تو اس مدت کا ماحصل توفیر زرثمن کے علاوہ ادا کرنے کا مستوجب ہوگا تو درمیان دستاویز میں جو بیعت لکھ چکا ہے وہ غالب رہے گا یا آخر کا یہ فقرہ ؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

دونوں جملے اپنا اپنا عمل کرینگے بیعت کا یہ عمل ہوا کہ بیع ہوگئی اور اس شرط فاسد کا یہ عمل ہوا کہ بیع فاسد و حرام ہوئی ان دونوں پر واجب ہے کہ اسے فسخ کریں اگر نہ کریں گے تو حاکم شرع جبراً فسخ کرادے گا، نہ مشتری مبیع لے سکتا ہے نہ بائع ثمن، اور اگر بائع کی رضا سے مشتری مبیع پر قبضہ کرلے تو بحکم جملہ اولیٰ اس کا مالک ہوجائے گا مگر بحکم جملہ ثانیہ وہ ملک خبیث ہوگی اور اب بھی اس پر واجب ہوگا کہ بیع فسخ کرے اور مبیع واپس دے، ہاں اگر مشتری بعد قبضہ برضائے بیع کسی دوسرے کے ہاتھ بیع صحیح یا ہبہ یا دین یا وقف یا وصیت کردے تو اگرچہ مشتری گنہگار ہوگا مگر اب وہ بیع نافذ ہوجائے گی اور اس کا فسخ نہ ہوسکے گا اور اب بھی مشتری اس سے مبیع کے ثمن کا مستحق نہ ہوگا یعنی جو معاوضہ باہم قرار پایا تھا بلکہ قیمت لے گا یعنی بازار کے بھاؤ سے وہ مال جتنے کا ہو مثلاً ایک شے ساڑھے پانچ ہزار کو خریدی اور بازار کے نرخ سے وہ چار ہزار کی ہے تو چار ہزار ہی دینا آئیں گے بائع اس سے زائد نہیں لے سکتا، یہ سب اس صورت میں ہے کہ اصل بیع اسی شرط پر ہوئی ہو اور اگر پہلے فروختم خریدم زبانی ہو لئے تھے اور اس میں یہ عدم نفاذ تا مدت مذکورہ کی شرط نہ تھی بعد کو کاغذ بیعنامہ میں لکھی گئی ہو تو اس کا کچھ اعتبار نہیں بیع صحیح و نافذ و لازم ہوگئی فوراً وقت عقد اس کا نفاذ ہوگیا اسی وقت سے مشتری کو اختیار ہوگیا کہ زرثمن جتنا باہم قرار پایا ہے دے کر مبیع پر قبضہ کرلے اگرچہ بائع کی رضا نہ ہو اور وہ شرط کہ اتنی مدت کی توفیر دینی آئے گی محض باطل و مردود و نامسموع ہے زرثمن سے زیادہ ایک کوڑی دینی نہ ہوگی۔ واللہ اعلم

مسئلہ ۳۹ از سرنیاں ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۲ رجب ۱۳۳۱ھ

سودا خریدنے میں حجت کرکے بھاؤ بڑھانا کیسا ہے ؟

الجواب

بھاؤ کے لئے حجت کرنا بہتر ہے بلکہ سنت۔ سوا اس چیز کے جو سفر حج کے لئے خریدی جائے اس میں بہتر یہ ہے کہ جو مانگے دے دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک مکان اپنے دو لڑکوں عمرو و بکر کے نام سے بحصہ مساوی لیا اور اس کا بیعنامہ بھی انھیں دونوں کے ناموں سے ہے ان میں عمرو بالغ ہے اور بکر نابالغ، بعدازاں زید نے اسی مکان میں سے ایک ربع اپنے بھائی خالد کو اس طرح دلایا کہ عمرو سے بیعنامہ لکھا دیا تو بقیہ مکان میں عمرو و بکر کا حصہ شرعاً کس طرح رہا؟ بینوا توجروا۔

الجواب

شرع میں گفتگوئے خرید و فروخت کا اعتبار ہے اس کے آگے بیعنامہ کا اعتبار نہیں، اگر زبانی خریداری لڑکوں کے نام نہ ہوئی یعنی یہ نہ کہا کہ مکان عمرو بکر کے ہاتھ بیع کردے، اس نے کہا میں نے ان کے ہاتھ بیع کیا بلکہ صرف اپنے نام زبانی خریدا یا زبانی خریدم و فروختم (میں خریدتا ہوں اور میں فروخت کرتا ہوں۔ ت) میں کسی کا نام نہ آیا تو اس صورت میں شرعاً وہ مکان زید کا ہوا، پھر زید نے جو اپنے بیٹوں کے نام بیعنامہ لکھایا یہ ان کے نام ہبہ ہوا اور ہبہ مشاع بلاتقسیم ہے لہذا عمرو بکر اس کے مالک نہ ہوئے، بیعنامہ کہ بنام خالد جانب عمرو سے ہے لغو ہے کہ غیر مالک کی طرف سے ہے مگر یہ بیع اجازتِ زید پر موقوف رہی کہ اصل مالک زید ہے جبکہ زید نے اسے جائز رکھا تو بیع نافذ ہوگئی، چہارم مکان خالد کا ہوا تین ربع بدستور زید کے ہیں، ہاں اگر اصل خریداری زبانی ہی بنام عمرو بکر ہوئی یا زبانی خریدم فروختم کے الفاظ یا ان کے معنی ادا ہی نہ کئے گئے صرف قیمت کی گفتگو ہو کر یہ ٹھہرا کہ بیعنامہ بنام عمرو بکر کردو، تو یہ بیع بنام عمرو بکر ہوئی، نابالغ کی طرف سے اس کے باپ کا قبول کافی تھا، عمرو نے بھی اسے مقبول رکھا تو اس کے نام بھی بیع تام ہوگئی اور دونوں لڑکے اس مکان کے مالک ہوگئے، اب کہ اس کا ربع عمرو نے بیع کیا وہ نصف حصہ عمرو بیع ہوا باقی مکان میں ایک ثلث عمرو کا رہا دو ثلث بکر کے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ از گمہر ڈاکخانہ گھٹیا مرسلہ وصی علی صاحب معرفت مولوی قاسم علی صاحب طالب علم مدرسہ منظرِ اسلام ۲۸ عید الفطر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زانیہ نے زنا کے روپیہ سے کوئی چیز خریدی اب اس کا خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

جائز ہوگا اگر اس چیز پر عقد و نقد جمع نہ ہوئے ہوں ورنہ خریدنا نہ چاہئے، مثلاً اس نے وُہ حرام روپیہ مشتری کو دکھا کر کہا اس کے بدلے فلاں شئے دے دے، اس نے دے دی، اس نے وہی حرام روپیہ قیمت میں دیا تو اب وہ شئی خبیث ہے کما ھو قول الامام الکرخی المفتی بہ کما فی التنویر وغیرہ (جیسا کہ امام کرخی کا مفتی بہ قول ہے جیسا کہ تنویر وغیرہ میں ہے۔ت)
واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۲ مسئولہ محمد حسین خاں ولد امین خاں ساکن ریاست رامپور محلہ سٹن گنج
۷ جمادی الاولٰی یکشنبہ ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسمی جھاؤ سنگھ نے اپنا حصہ ۸ بسوہ ۷ بسوانسی ۱۳ کچوانسی ۶ طنوانسی ۱۳ تنوانسی کسر زائد یعنی بارھواں حصہ ازکل ملک معافی لاخراجی تعدادی ۱۶ بسوہ لیا ہے جس کا کہ وہ مالک وقابض تھا بالعوض مبلغ دوسو اڑسٹھ روپے کے بدست تھان سنگھ بیع قطعی کیا لیکن قبضہ تھان سنگھ کا نہ ہوا اور جھاؤ سنگھ فوت ہوگیا جھاؤ سنگھ کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء اس پر قابض رہے بعد ازاں تھان سنگھ نے خرید شدہ اراضی بالعوض مبلغ چھ سو روپے کے بدست محمد حسین خاں بیع قطعی کردیا، آیا تھان سنگھ کا بدست محمد حسین خاں بلا قبضہ کئے ہوئے بیع کرنا شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ اور تھان سنگھ نے مالمعہ بابت قیمت اراضی جھاؤ سنگھ کو دے دئے ہیں فقط۔

الجواب

جائز ہے، تنویر الابصار میں ہے:

صح بیع عقار لایخشی ھلاکہ قبل قبضہ[2] واللہ تعالٰی اعلم۔

جس مال غیر منقول کے تلف ہونے کا خطرہ نہ ہو اس کو قبضہ میں لینے سے پہلے اس کی بیع جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۳ مسئولہ شوکت علی صاحب محلہ شاہ آباد بریلی ۲۸ جمادی الاولٰی ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شئے سربند بکس میں ہے جس کا وزن مثلاً

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۰۶
[2] " " " کتاب البیوع فصل فی التصرف ۲/۳۷

چار من معین ہے، زید نے خرید کی، بعد خریدنے کے جب کھولا گیا تو بھرا ہوا نہ تھا بلکہ قریب نصف کے نکلا، دیکھتے ہی فوراً بائع کو اطلاع کی کہ یہ کم نکلا یا تو بقدر مال کے قیمت کر دیا واپس لو، اس صورت میں بائع پر اس شئی کا پھیر لینا لازم ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جبکہ وزن معین ہے اور وہ شے نصف نکلی تو مشتری نصف قیمت دے اس سے زیادہ کا بائع کو اختیار نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

اذا کان طعاما فی حب فاذا نصفہ تبن یاخذہ بنصف الثمن لان الحب دعاء یکال فیہ فصار المبیع حنطۃ مقدرۃ وشمل ما اذا کان المسمی مشروطا بلفظ او بالعادۃ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

جب ایک گھڑا طعام خریدا اور نصف اس میں بھوسہ نکل آیا تو اب مشتری اس کو آدھی قیمت کے بدلے لے گا کیونکہ گھڑا ایک ایسا برتن ہے جس سے کیل کیا جاتا ہے چنانچہ مبیع ایک معین مقدار میں گندم ہوگی اور یہ ضابطہ ان دونوں صورتوں کو شامل ہوگا یعنی چاہے تو مسمی لفظاً مشروط ہو یا عادتاً۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۴۵: مرسلہ حاجی مولا بخش صاحب جفت فروش از مین پوری ۲۱ صفر ۱۳۲۵ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے فصل پر غلہ خرید کیا اور یہ نیت کی کہ فلاں مہینہ میں اس کو کچھ نرخ ہو فروخت کر دوں گا تو اس صورت میں زید غلہ کی خریداری کر سکتا ہے یا نہیں اور اس کے اوپر کوئی الزام شرعی تو عائد نہیں ہوتا ہے؟

(۲) زید نے بکر کو بضرورت بکر کچھ روپیہ نقد مال خریدنے کو دیا کہ تم اپنی مرضی کا مال دساور سے خرید کر لاؤ اور اس مال کو ہمارے نام روانہ کردو اور پھر ہماری دکان سے اس مال کو ایک آنہ روپیہ منافع دے کر خرید لو، اگر مال راستہ میں کل کسی وجہ سے ضائع ہوجائے تو زید ذمہ دار ہے اور اگر نقصان کچھ ہوجائیگا تو بقاعدہ دکانداری وہ نقصان اور خرچ راہ مال پر ڈال کر اور اس کے اوپر اپنا منافع لگا کر بکر کے ہاتھ فروخت کر دیا اور اگر نقصان نہ ہوا تو جو خرچ اس مال کے لانے میں بکر کا پڑ گیا وہ خرچ ہی اس مال پر ڈال دیا جائے گا تو ایسی بیع وشرا زید کو جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

(۱) ایسی تجارت جائز ہے اور ایسی نیت میں کوئی حرج نہیں اور اسے اپنے مال کا اختیار ہے

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰

دفعۃً بیچے خواہ متفرق یا اس سے قبل خواہ بعد لان الملك مطلق للتصرف مالم ینه الشرع (کیونکہ ملک تو مطلق تصرف کے لئے ہوتا ہے جب تک شرع منع نہ کرے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) معمولی خرچ جو حسبِ عادت تجار مال پر ڈالا جاتا ہے اس کے ڈالے جانے میں تو شبہہ نہیں رہا کچھ نقصان اس میں اگر عام عادت تجار مال پر ڈالنے کی ہے ڈالیں گے ورنہ نہیں۔ درمختار میں ہے:

کل مایزید فی المبیع او فی قیمتہ یضم[1] درر، واعتمد العینی وغیرہ عادۃ التجار بالضم ولایضم مایؤخذ فی الطریق من الظلم الا اذا جرت العادۃ بضمہ ھذا ھو الاصل کما علمت فلیکن المعول علیہ کما یفیدہ کلام الکمال اھ (ملتقطا)، واللہ تعالٰی اعلم۔

جو چیز مبیع میں یا اس کی قیمت میں زیادہ ہو وہ ملائی جائے گی، درر۔ اور عینی وغیرہ نے تاجروں کے ملانے کی عادت پر اعتماد کیا ہے اور نہیں ملایا جائیگا اس کو جو راستے میں ظلم سے لیا جاتا ہے مگر اس وقت ملایا جائے گا جب رواج میں اس کے ملانے کی عادت ہو یہی اصل ہے جیسا کہ تُو جان چکا ہے لہٰذا اسی پر اعتماد ہونا چاہئے جیسا کمال کا کلام اس کا فائدہ دیتا ہے اھ (ملتقطاً) واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۶: از لاہور مسجد سادھواں مرسلہ پیر جی عبدالغفار صاحب زید لطفہ ۲۵ صفر المظفر ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید وعمرو دو حقیقی اب وام بھائی ہیں، والدین کی حیات میں زید جو عمر میں بڑا ہے عمرو سے نسبتہً کم آمدنی رکھتا ہے اور عمرو زید سے کثیر الاولاد ہے لیکن دونوں بھائی جو کچھ کماتے ہیں والدین کے ہاتھ میں دے دیتے ہیں اور والدین اپنے اختیار سے جس طرح چاہتے ہیں خرچ کرتے ہیں، زید وعمرو کے کل اخراجات کے ان کے والدین ہی کفیل ہیں اور زید وعمرو کے اہل وعیال کا خرچ سب ان کے ماں باپ ہی اٹھاتے ہیں اور بچّوں کو جو کچھ وہ خرچ کے واسطے دیتے ہیں تو بالسویہ دیتے ہیں یعنی اگر ایک بچّے کو پانچ روپے دیں تو سب بچّوں کو پانچ ہی پانچ دیتے ہیں، اور جو کوئی جائداد خرید کی جاتی ہے تو وہ بھی والدین کے اختیار سے، وہ جس کا نام چاہیں درج کرادیں، علاوہ ازیں زید نے بوجہ اپنی ضعیفی اور دُور اندیشی کے والدین سے روپیہ لے کر ایک جائداد خرید کی اور

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب المرابحۃ والتولیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵

اپنے چھوٹے بھائی عمرو کے نام درج رجسٹر کرادی لیکن عمرو نے دوسرے وقت والدین سے روپیہ لے کر اور جائداد خرید کی اس کی رجسٹری اپنے اور زید کے نام کرادی اور ان سب جائدادوں کی جو آمدنی ہوئی وہ بھی والدین کے قبض و تصرف میں آتی رہی۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ دونوں بھائیوں کی تمام و کمال آمدنی والدین کے قبض و تصرف میں رہی اور اس آمدنی سے جو کچھ جائداد خرید کی گئی بعض کی رجسٹری والدین کے نام ہے اور بعض کی زید و عمرو کے نام ہے اور بعض کی صرف عمرو کے نام ہے اور جملہ آمدنی نقد مرد کی اور جملہ آمدنی جائداد خریدکردہ والدین کے ہاتھ میں رہی، بعد انتقال پدر مرحوم کے چھ سال اور بعد وفات مادر مشفقہ کے ۲ دو سال تک دونوں بھائی باتفاق حسب دستور زمانہ والدین خرچ کرتے رہے، اب بوجہ پیش آنے بعض امور نفسانی کے دونوں بھائی انقسام جائداد منقولہ و غیر منقولہ کا چاہتے ہیں اور سوائے ان دو بھائیوں کے اور کوئی وارث اور متخاصم نہیں ہے، ان کا آپس میں از رُوئے شرع شریف کیا حصّہ ہوگا اور کے حصص پر کُل جائداد کی تقسیم ہوگی؟ بیّنوا بالکتاب و توجروا من ملك الوهاب (کتاب اللہ سے بیان فرمائیں اور اللہ تعالٰی بہت زیادہ عطا کرنے والے بادشاہ سے اجر پائیں۔ ت)

الجواب

یہ مسئلہ بہت طویل الاذیال کثیر الاشکال معرض الاشکال ہے ہم بتوفیقہ تعالٰی اسے ایسے طور پر بیان کریں کہ تمام اشکال کا جامع اور ہر اشکال کا رافع ہو و باللہ التوفیق اس کے لئے ۲ دو بیان لکھیں:

بیانِ اوّل اس کی تحقیق کہ جو جائدادیں زید یا عمرو یا ان کے والدین نے خریدیں اور ان کے نام ہوئیں ان میں کون سی بیع شرعاً کس کے لئے واقع ہوئی۔

اقول (میں کہتا ہوں۔ ت) خریداری تین طرح ہوتی ہے،

اوّل بائع و طالب شرا میں زبانی گفتگو صرف فیصلہ قیمت و تصفیہ و دیگر زوائد کی ہوکر بیعنامہ لکھا جاتا ہے اس سے پہلے ایجاب و قبول بعت اشتریت فروختم خریدم یعنی یہ کہے میں نے بیچی وہ کہے میں نے خریدی اصلاً درمیان میں نہیں آتا بہت ہوتا ہے تو یہ کہ کتنے کو دو گے اس نے کہا اتنے کو، یا اس نے کہا یہ چیز تمہارے یہاں بکاؤ ہے، کہا ہے، کہا کیا قیمت ہے، کہا یہ، یا میں فلاں چیز مول لینا چاہتا ہوں، کہا بہتر، کہا یہ دوں گا، کہا اچھا تو کاغذ کردو، یا اس نے کہا یہ چیز بکتی ہے تمہیں خریدنا ہو تو خرید لو، کہا لیتا ہوں، کہا تو اتنا دینا ہوگا، کہا دُوں گا بیعنامہ لکھ دو۔ یہ الفاظ اور ان کے امثال ایجاب و قبول نہیں یا قرارداد ہوکر بیعنامہ دے دیا جاتا ہے وُہ بھی ایجاب و قبول نہیں بلکہ اس اقرار کی توثیق کہ شرا سے باز نہ رہے ورنہ جاہل اسے ضبط کرلیتے ہیں اور یہ حرام ہے حدیث میں اس سے نہی فرمائی،

مالك واحمد وابوداؤد وابن ماجة عن عبدالله بن عمرو رضی الله تعالٰی عنهما نهی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم عن بیع العُربان[1]

امام مالک، احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بیعانہ کی بیع سے منع فرمایا۔ (ت)

دُرمختار میں ہے:

الایجاب والقبول عبارة عن کل لفظین ینبئان عن معنی التملك والتملیك ماضیین اوحالین اواحدهما ماض والاٰخر حال[2]

ایجاب وقبول ایسے دو لفظوں کا نام ہے جو تملک و تملیک کے معنی کی خبر دیتے ہیں چاہے دونوں ماضی ہوں یا دونوں حال ہوں یا ایک ماضی اور ایک حال ہو۔ (ت)

فتاوٰی امام بزازی و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

قال لقصاب کم من هذا اللحم بدرهم فقال منوین قال زن فاعطی درهما فاخذه فهو بیع جائز ولا یعید الوزن وان وزنه فوجده انقص رجع بقدره من الدرهم لامن اللحم لان الانعقاد بقدر المبیع المعطی اھ فلم یجعل قوله کم بدرهم قال منوین قال زن بیعا بل التعاطی

کسی نے قصاب کو کہا کہ یہ گوشت ایک درہم کا کتنا ہے، اس نے کہا دو سیر۔ اس شخص نے کہا تول دے، پھر ایک درہم قصاب کو دیا اور اس سے گوشت لے لیا تو یہ بیع جائز ہے دوبارہ وزن کرنا ضروری نہیں، اور اگر وزن کرنے پر گوشت کو دو سیر سے کم پایا تو کمی کے برابر درہم میں سے واپس لے سکتا ہے گوشت میں سے نہیں لے سکتا کیونکہ بیع کا انعقاد اسی قدر پر ہوا جتنا اس نے دیا اھ، تو مشتری کے قول کہ ایک درہم کا کتنا

---

[1] سنن ابوداؤد — کتاب البیوع — آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۳۸-۳۹
سنن ابن ماجہ — ابواب التجارات باب بیع العربان — ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۵۹
مسند احمد بن حنبل — از مسند عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہما — دارالفکر بیروت ۲/ ۱۸۳

[2] درمختار — کتاب البیوع — مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲-۳

[3] فتاوٰی ہندیہ — کتاب البیوع باب ثانی فصل اول — نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۰

ولهذا لم يكن له ان يطلب ما نقص من اللحم وفي الهندية عن التتارخانية عن اليتيمة عن الحسن بن علي انه سئل عن رجل ساوم وكيل البائع السلعة باثنين وعشرين دينارا وابى الوكيل الا بخمسة وعشرين فقال المشتري اترك لي هذه الثلثة الدنانير ورضي بذلك من غير ان يوجد منه قول وهناك شهود على انه رضي فطابت نفسه بذلك هل يكون ذلك بيعا فقال هذا القدر ليس ببيع الا ان يوجد الايجاب والقبول او ما يقوم مقامهما من الفعل[1] اھ، وفيها عن المحيط عن المجرد عن ابي حنيفة رضي الله تعالٰى عنه اذا قال للحام كيف تبيع اللحم قال كل ثلثة ارطال بدرهم قال قد اخذت منك فزن لي ثم بدا للحام ان لايزن فله ذلك وان وزن فقبل قبض المشتري

گوشت ہے، جواب میں قصاب کے قول دو سیر اور پھر مشتری کے قول کہ "تول دے" کو بیع نہیں بنایا گیا بلکہ تعاطی کو بیع قرار دیا گیا اسی لئے مشتری کو یہ حق نہیں کہ اتنا گوشت طلب کرے جتنا قصاب نے اسے کم دیا، اور ہندیہ میں بحوالہ تتارخانیہ فتاوٰی یتیمہ سے منقول ہے کہ حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اس شخص کے بارے میں پُوچھا گیا جس نے بائع کے وکیل سے کسی مال کا بائیس دینار بھاؤ لگایا وکیل نے کہا میں پچیس دینار سے کم پر نہیں دُوں گا، مشتری نے کہا مجھے یہ تین دینار چھوڑ دے اس پر وکیل راضی ہوگیا مگر زبان سے کچھ نہ کہا اور اس کے رضامند ہونے پر وہاں گواہ موجود ہے تو کیا بیع ہے تو آپ نے جواب دیا محض اس قدر سے بیع نہیں ہوتی سوائے اس کے وہاں ایجاب وقبول یا اس کے قائم مقام کوئی فعل پایا جائے اھ اور اسی میں بحوالہ محیط مجرد سے منقول ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ کسی شخص نے قصاب کو کہا گوشت کیسے بیچتے ہو، اس نے جواب دیا تین رطل ایک درہم کا، مشتری نے کہا میں نے تجھ سے لیا میرے لئے تول دے، پھر قصاب کی رائے ہُوئی کہ وہ نہ تولے تو اس کو یہ حق ہے، اور اگر اس نے تول دیا تو مشتری کے قبضہ کرنے سے پہلے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع باب ثانی فصل اوّل نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۶

کان لکل واحد منہما الرجوع فان قبضہ المشتری اوجعلہ البائع فی وعاء المشتری بامرہ تم البیع وعلیہ درھم[1] اھ وفیہا عن السراجیۃ قال الاٰخر بکم ھذا الوقر من الحطب فقال بکذا فقال سق الحمار فساقہ لم یکن بیعا الا اذا اسلم الحطب وانتقد الثمن[2] اھ **اقول** ویبتنی علی اشتراط الاعطاء من الجانبین فی التعاطی والصحیح الاکتفاء لواحد نص علیہ محمد کما فی النھر[3]۔

دونوں میں سے ہر ایک کو رجوع کا اختیار ہے اور اگر مشتری نے قبضہ کرلیا یا اس کے کہنے سے بائع نے اس کے برتن میں گوشت رکھ دیا تو بیع تام ہوگئی اور مشتری پر ایک درھم لازم ہوگیا اھ اور اسی میں سراجیہ سے منقول ہے کہ ایک شخص نے لکڑی فروش کو کہا لکڑیوں کا یہ گٹھا کتنے کا ہے، اس نے کہا کہ اتنے کا، پھر مشتری نے کہا اپنا گدھا ہانکو، اس نے ہانک دیا، تو یہ بیع نہیں، مگر اس وقت بیع ہوجائیگی جب لکڑیاں سونپ کر ثمن وصول کرلے اھ **اقول** (میں کہتا ہوں) یہ بیع تعاطی میں دونوں طرفوں پر قبضہ کرنے کے شرط ہونے پر مبنی ہے حالانکہ صحیح یہ ہے کہ فقط ایک طرف سے قبضہ کافی ہے اس پر امام محمد نے نص فرمائی جیسا کہ نہر میں ہے (ت)

ان صورتوں میں وُہ بیعنامہ ہی خود بیع ہوتا ہے اور اسی کی تسلیم شرا کہ اسی میں لکھا جاتا ہے میں نے فلاں شے فلاں کے ہاتھ اتنے کو بیچی، اشباہ وہندیہ میں ہے، الکتابۃ کالخطاب[4] (تحریر کلام کی طرح ہے۔ ت) تو یہ بیع اسی کے ہاتھ ہُوئی جس کا نام بیعنامہ میں ہے مثلاً خالد پھر اگر اسی نے بیعنامہ لکھوایا جب تو ظاہر ہے کہ بیع تام ونافذ ہے اور اگر دوسرے نے گفتگو کرکے اس کا نام لے کر اس کی بے اجازت کے کاغذ کردیا تو یہ شرائے فضولی ہوا اور اجازتِ خالد پر موقوف رہا اگرچہ زبانی گفتگوئے خریداری میں نام خالد اصلاً نہ آیا ہو بلکہ گفتگو کرنے والے مثلاً بکر نے خود اپنا نام ظاہر کیا ہو کہ اپنے لئے خریدنا چاہتا ہُوں،

وذلک لان ماجری بینہما من کلام لم یکن عقدا وانما البیع بالکتاب

اور یہ اس لئے ہے کہ جو کلام ان دونوں کے درمیان جاری ہُوا وہ عقد نہیں بیع تو تحریر کے ذریعے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع باب ثانی فصل اول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۹-۱۰
[2] " " " " " " ۳/ ۱۰
[3] و [4] " " " " " " ۳/ ۹

وفیه الاضافۃ الی خالد۔

ہوئی اور اس میں خالد کی طرف اضافت موجود ہے۔ (ت)

پس اگر خالد جائز کردے گا شیئ مبیع کا خود مالک ہوگا اور رد کردے گا تو بیع باطل ہوجائیگی بہرحال اس کا مالک نہ ہوگا،

لان البیع لم یکن منہ و من کان منہ لم یقبلہ وھذا الحکم مع ظہورہ قد صرح بہ الفتاوی الاسعدیۃ وسیأتی عن الخانیۃ۔

کیونکہ بیع اس سے نہیں ہوئی، اور جس سے بیع ہوئی اس نے اس کو قبول نہیں کیا اور اس حکم کے ظاہر ہونے کے باوجود فتاوٰی اسعدیہ میں اس کی تصریح کی گئی اور عنقریب خانیہ کے حوالے سے آرہا ہے (ت)

دوم قبل تحریر بیعنامہ باہم عاقدین بین ایجاب وقبول واقع [جواب یہاں تک دستیاب ہوا]

مسئلہ ۴۷: از شہر بریلی محلہ بازوران ۲ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے جو ایک عرصہ سے بحالتِ پریشانی کرایہ کے مکانات میں رہ کر بسر کرتا رہتا ہے حال میں اس نے ایک اراضی واسطے اپنی سکونت کے خریدی، بوقت ابتداء تعمیر کام چند صاحبان اہل محلہ بسبب رنجش و برائے کسی خاص فساد کے اس شخص پر بہ جبر اس کا اثر ڈالتے ہیں کہ وہ اس اراضی کی قیمت جس کا کہ وہ لوگ چندہ سے بنام مسجد اہتمام کرنا چاہتے ہیں لے کر بیع کردے پس ایسی صورت میں مالک اراضی اس کی بیع کردینے پر مجبور ہے یا نہیں؟

الجواب

بیان سائل سے واضح ہوا کہ مسجد موجود ہے اور اسے بڑھانے کی ضرورت شدیدہ نہیں، نہ اسے بڑھانے کے لئے وہ لوگ یہ زمین مانگتے ہیں بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ اسے کرایہ پر چلاکر مسجد میں اس کا کرایہ لگائیں، اگر صورتِ واقعہ یہ ہے تو مالکِ اراضی پر ہرگز لازم نہیں کہ اسے بیع کرے اور اسے مجبور کرنا ظلم ہے اور ظلم سے لیں گے تو اس کا کرایہ مسجد میں لگانا حرام ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۸: از شہر بازار شہامت گنج مسئولہ نقش علی ۲۸ جمادی الاولٰی ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو کو روپے دئے اور کہا تم مال خرید لاؤ، عمرو نے خرید کر زید کو قبضہ کرادیا، بعد کو مال زید سے عمرو نے کچھ نفع دے کر خرید لیا نقد یا قرض بموجب شریعت کے

یہ حیلہ جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب

جائز ہے نقد ہو خواہ قرض، اور کتنے ہی نفع پر ہو سب روا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۴۹ از کانپور مسٹن روڈ مرسلہ شیخ محمد عمر محمد عتیق صاحبان ۹ شوال ۱۳۲۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین زید و بکر کی شرکت میں ایک تجارت تھی بعد شرکت روپیہ اور مال تقسیم ہُوا، اپنی اپنی ملک پر قابض ہوگئے، پھر بکر نے اپنا مال بیچنا چاہا، زید نے چار یا دس روپے کم پر لینا چاہا اور بوقتِ خریداری کہہ دیا کہ اگر منظور ہو تو دو ورنہ روپیہ دے کر مال واپس لے لو، بکر نے مال دے دیا روپیہ لے لیا، آیا یہ خریداری زید کو جائز ہے یا نہیں ؟ زید کو خطاوار کہنا کیسا ہے ؟

الجواب

یہ خریداری جبکہ برضائے بائع ہو بیشک جائز ہے اگرچہ ہزار روپے کم کو خریدا ہو اسے اس وجہ سے خطاوار کہنے والا خطاوار ہے،

قال اللہ تعالٰی الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم[1] اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا ، مگر یہ کہ ہو تجارت تمہاری باہمی رضامندی سے ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۵۰ مسئولہ حاجی لعل خان صاحب یکم صفر ۱۳۳۴ھ

تنقیح سوالات حسب بیان مسماۃ حبیبن بی بی و حفیظن بی بی دختران شیخ امیر بخش صاحب مرحوم

سوال سوم والدہ ماجدہ نے کچھ جائداد خاص اپنی رقم سے خریدی تھی اور کچھ جائداد والدہ مرحومہ کے دین مہر کے روپیہ سے، یہ دونوں جائداد والد صاحب مرحوم کی ملک قرار پائیں گی یا کہ دوسری جائداد والدہ صاحبہ کی ملک کہی جائیں گی، اگر دونوں جائداد والد صاحب کی ملک قرار پائیں تو والدہ کے سونے کے کڑے جس کی قیمت مبلغ آٹھ سو روپیہ تھی اور اس سے والد صاحب نے جائداد خرید کی وہ بذمہ والد صاحب دین واجب الادا ہے یا نہیں ؟ و نیز والدہ مرحومہ کی سونے کی بالیاں جس کی قیمت سو روپیہ تھی اور فروخت کرکے تجارت میں شامل کردی گئی اس کا عوض والد صاحب کے ذمہ باقی ہے یا نہیں ؟

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

الجواب

مورث نے جو جائداد اپنے روپیہ سے خریدی وہ ظاہر ہے کہ اسی کی ہے اور جو دوسرے کے روپے سے خریدی وہ اگر اپنے لئے خریدی یعنی عقد بیع دوسرے کے نام نہ کرایا تو وہ بھی اسی مشتری کی ہے لان الشراء متی وجد نفاذا علی المشتری نفذ[1] (اس لئے کہ خریداری جب مشتری پر نفاذ کے طور پر پائی جائے تو نافذ ہوجاتی ہے۔ ت) پھر اس صورت میں اگر ثابت ہو کہ یہ روپیہ دوسرے نے اسے بطور تملیک دے دیا تھا تو روپیہ کا بھی مطالبہ اس پر نہ تھا ورنہ اگر باجازت تھا قرض تھا، بے اجازت تھا غصب تھا، بہرحال اس پر ضمان لازم ہے، یہ دوسرے کے روپے سے جائداد خریدنے کا حکم تھا، سائل کے لفظ یہ ہیں کہ "کچھ جائداد والدہ مرحومہ کے دین مہر کے روپیہ سے" اس کے اگر یہ معنی ہیں کہ دین مہر ادا کردیا تھا اور بعد قبضہ زوجہ اس سے جائداد خریدی جب تو یہ وہی صورت ہے جو اوپر مذکور ہوئی اور اگر دین مہر ادا نہ کیا تھا تو اس کے روپے سے خریدنا یونہی ہوگا کہ وہ کہے کہ تیرا مہر جو کچھ مجھ پر آتا ہے اس کے عوض یہ جائداد خرید دیتا ہوں، یوں اگر خریدی تو وہ جائداد ملکِ زوجہ ہوئی، یا یوں ہوگا کہ عورت کہے میرا مہر جو تجھ پر آتا ہے اس کے عوض مجھے جائداد لے دے، اور اس نے خرید دی تو یوں بھی جائداد ملکِ زوجہ ہوگی اور قبضہ زوجہ شرط نہ ہوگا نہ اصل بائع سے عقدِ بیع میں زوجہ کا نام لینا ضرور ہوگا کہ خرید کر اس کے مہر کا معاوضہ کردینا اس کی طرف سے بنام زوجہ بعوض مہر بیع ہوگی اور بیع میں قبضہ شرطِ ملک نہیں، یا یوں ہوگا کہ زوجہ نے اس سے کہا میرا مہر جو تم پر آتا ہے اس سے اپنے لئے جائداد خرید لو تو جائداد ملکِ شوہر ہوگی اور اس پر روپے کا مطالبہ بھی نہ رہا کہ وہ اجازت اقتضاءً ھبۃ الدین ممن علیہ الدین (مدیون کو دین کا اقتضاءً ہبہ ہے۔ ت) تھی اور یہ جائز ہے[2]، اور اگر نہ مہر ادا کیا تھا نہ اس قسم کا کوئی تذکرہ مابین زوجین آیا تو اسے دین مہر کے روپے سے خریدنا کیونکر کہا جاسکتا ہے، سونے کے کڑوں سے جائداد خریدنا وہی زرِ غیر سے شراء ہے جس کا حکم اوپر گزرا، اگر عورت کی طرف سے کوئی دلالتِ تملیک پائی گئی تو اس کا کوئی معاوضہ ذمہ شوہر نہیں ورنہ ہے، یونہی بالیاں کہ بیچ کر تجارت میں لگائی گئیں اگر دلالتِ تملیک پائی گئی شوہر پر عوض نہیں اور اگر تجارت میں شرکت کے لئے عورت نے دیں اور اس نے قبول کیا تو وہ شریکِ تجارت ہوئی ورنہ ادنیٰ متعین ہے یعنی قرض اور عوض لازم۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آجکل دکاندار عموماً ہر چیز کی قیمت بڑھا کر کہتے ہیں اور پھر اس سے کم پر بیچ ڈالتے ہیں، یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ ہر ایک کا چار پیسے کی چیز کا دگنی یا تین گنی

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب البیوع ادارۃ القرآن کراچی ۱/۳۲۲

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب المتفرقات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۲۲۰

قیمت پر فروخت کرنا جائز ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

دونوں باتیں جائز ہیں جبکہ جھوٹ نہ بولے، فریب نہ دے، مثلاً کہا یہ چیز تین یا چار پیسے کی میری خرید ہے، اور خریدی پونے چار کو تھی، یا کہا خرچ وغیرہ ملا کر مجھے سوا چار میں پڑی ہے اور پڑی تھی پونے چار کو، یا خرید وغیرہ ٹھیک بتائے مگر مال بدل دیا یہ دھوکا ہے، یہ صورتیں حرام ہیں ورنہ چیزوں کے مول لگانے میں کمی بیشی حرج نہیں رکھتی، واللہ تعالٰی اعلم۔

باب البیع الفاسد والباطل

(باطل اور فاسد بیع کا بیان)

مسئلہ ۵۲ ع

الجواب

جائز ہے، قال اللہ تعالٰی واحل اللہ البیع[1] (اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: اور اللہ تعالٰی نے بیع کو حلال فرمایا۔ ت) بیع کا ناجائز و ممنوع ہونا تین صورتوں میں منحصر ہے، باطل و فاسد و مکروہ تحریمی۔ بحرالرائق میں ہے:

البیع المنھی عنہ ثلثۃ باطل وفاسد ومکروہ تحریما[2] الخ اقول والمراد صورۃ البیع الحاصلۃ

جس بیع سے روکا گیا ہے وہ تین قسم پر ہے باطل، فاسد اور مکروہ تحریمی الخ۔ اقول (میں کہتا ہوں) اس بیع سے مراد بیع کی وہ صورت ہے

ع اصل میں سوال درج نہیں۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[2] البحرالرائق کتاب البیوع باب البیع الفاسد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۶۸

من بعت واشتریت اعم من ان تحقق معناہ الشرعی اولا و ذلک لان الباطل لیس بیعا منھیا عنہ عندنا لانہ لیس بیعا اصلا فکیف یکون بیعا منھیا عنہ وقد تقرر ان النھی یقرر المشروعیۃ و بہ ذھبوا الی تقسیمھم البیع الی باطل وفاسد وصحیح ان لم یکن تقسیم البیع الصوری ففیہ مسامحۃ ظاھرۃ۔

جو یہ کہنے سے حاصل ہوتی ہے کہ میں نے بیچا اور اور میں نے خریدا عام ازیں کہ بیع کا شرعی معنی متحقق ہو یا نہ ہو، اور یہ توجیہ اس لئے کی گئی کہ بیع باطل ہمارے نزدیک ممنوع بیع نہیں کیونکہ وہ سرے سے بیع ہی نہیں تو وہ ممنوع بیع کیسے ہوسکتی ہے، اور تحقیق سے ثابت ہوچکا ہے کہ نہی مشروعیت کو ثابت کرتی ہے اس لئے فقہائے نے بیع کو باطل، فاسد اور صحیح کی طرف تقسیم کیا اگر اس سے مراد بیع صوری کی تقسیم نہ ہو تو یہ کھلی چشم پوشی ہے (ت)

باطل وہ ہے جس کے نفس عقد یا محل میں خلل ہو خلل عقد، مثل بیع وشراء مجنون کہ اس کا قول شرعاً لاقول ہے تو اس کا بعت یا اشتریت نہ ایجاب ہوسکے نہ قبول، اور خلل محل مثل بیع بالمیتۃ کہ میتۃ مال نہیں۔ درمختار میں ہے:

کل ما اورث خللا فی رکن البیع فھو مبطل[1]

اور جو چیز بیع کے رکن میں خلل پیدا کرے وہ بیع کو باطل کرنے والی ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ھو الایجاب والقبول بان کان من مجنون او صبی لا یعقل وکان علیہ ان یزید او فی محلہ اعنی المبیع فان الخلل فیہ مبطل بان کان المبیع میتۃ او دما او حرا او خمرا کما فی ط عن البدائع[2] اھ اقول الایجاب حدث لابد لہ من محل

وہ (رکن) ایجاب وقبول ہے بایں طور کہ مجنون کی طرف سے ہو یا ناسمجھ بچے کی طرف سے ہو، اور ردالمحتار پر لازم تھا کہ وہ محل یعنی مبیع میں خلل کے ذکر کا اضافہ کرتے کیونکہ مبیع میں خلل بھی مبطل بیع ہے بایں طور کہ مبیع مردار، خون، حر یا شراب ہو جیسا کہ ط میں بحوالہ بدائع ہے اھ اقول (میں کہتا ہوں کہ) ایجاب حدث ہے جس کے وجود کے لئے محل کا

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳

[2] ردالمحتار " " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۰۰

کالضرب لاوجود له بدون مضروب فاذا انعدم المحل یتطرق الخلل وجب انعدام الرکنین لانعدام مایتعلقان به الاتری ان من قال بعتك نجوم السماء وامواج الهواء واشعة الضیاء وقال الاخر اشتریت لم یفهم هذا ایجابا ولا قبولا فی الشرع فکذا قول القائل بعتك هذا الحر واشتریت بهذا الدم اذ الافاصل بعد انعدام المالیة والحاصل ان خلل المحل یوجب خلل الرکن فکان فیه معنی من ذکرہ نعم لوذکرہ لکان اظهر واوضح ۔

موجود ہونا ضروری ہے جیسا کہ ضرب کا وجود مضروب کے بغیر نہیں ہوسکتا، چنانچہ جب خلل کے پائے جانے کی وجہ سے محل معدوم ہوجائے تو دونوں رکنوں (ایجاب وقبول) کا معدوم ہونا واجب ہے بسبب ان کے متعلق کے معدوم ہونے کے، کیا نہیں دیکھتا ہے تو کہ جس شخص نے کہا میں نے تجھ پر آسمان کے ستارے، ہوا کی موجیں اور روشنی کی شعاعیں فروخت کیں، دوسرے نے کہا میں نے خریدیں، تو اس کو شرعًا ایجاب وقبول نہیں سمجھا گیا اور یونہی ہے کسی کا یہ کہنا کہ میں نے تجھ پر یہ آزاد شخص فروخت کیا اور دوسرے کا کہنا کہ میں نے اس کو خون کے بدلے میں خریدا کیونکہ مالیت کے منعدم ہونے اور محل کے منعدم ہونے میں کوئی فرق نہیں، خلاصہ یہ کہ محل کا خلل لازم کرتا ہے رکن کے خلل کو، تو گویا خللِ رکن کے ذکر میں معنی کے اعتبار سے خللِ مبیع بھی مذکور ہوا، ہاں اگر ماتن علیہ الرحمۃ اس کا ذکر کردیتے تو زیادہ ظاہر اور زیادہ واضح ہوجاتا۔

اور فاسد وہ جس کی اصل حقیقت خلل سے خالی ہو مگر وصف یعنی ان متعلقات میں خلل ہو جو قوامِ عقد میں داخل نہیں مثلاً شروطِ فاسدہ اگر رکن ومحل سالم از خلل ہوں تو بیع شرعی قطعًا متحقق، پھر اگر وصف میں خلل ہے مثلاً مبیع مقدور التسلیم نہیں یا اجل مجہول ہے یا کوئی شرط فاسد مضموم، اصل یہ ہے کہ بیع شرع میں مبادلہ مال بمال کا نام ہے ایجاب وقبول اس کے رکن اور مال متقوم محل اور اجل وقدرتِ تسلیم وشرط وغیرہا اوصاف اور انتقالِ ملک حکم واثر ہے بیع اپنے وجودِ شرعی میں صرف رکن ومحل کا محتاج ہے کہ بے ان کے اس کے (تحقق کی کوئی صورت نہیں)۔

جو خلل کہ ان میں ہوگا مبطل بیع قرار پائے گا جس کے معنی یہ ہوں گے کہ عندالشرع راسًا بیع ہی نہیں خلل رکن مثل بیع ؏

؏ یہاں تک جواب دستیاب ہوا۔

مسئلہ ۵۳: از تعلقہ پٹن ضلع اورنگ آباد علاقہ حیدر آباد دکن کچہری منصفی مرسلہ مولوی عبدالعزیز صاحب ۲۶ ربیع الاول ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سرکاری کاغذ ممہور ہوتے ہیں مہر میں اس کی قیمت بھی لکھی ہوتی ہے اور یہاں سرکاری قاعدہ یہ ہے کہ دعوٰی جب تک اسی کاغذ پر نہ لکھا جائے ہرگز مسموع نہیں ہوتا، اور بعد مسموع ہونے یہ ضرور نہیں کہ فیصلہ مدعی کے حسب دلخواہ ہو اس کاغذ میں سرکار کی منفعت ہے آٹھ روپے کا دعوٰی ہو تو ۸ر کا کاغذ ممہور لیا جاتا ہے عہ؎ ر تک عصہ ۔ بسہ ر تک عا ر ۔ للعہ ر تک للعہ ۔ عاصہ تک سے ر وعلی ہذا القیاس اور اس ممہور کے فروخت کرنے کے واسطے سرکار کی جانب سے جو شخص معین ہوتا ہے وہی فروخت کرسکتا ہے غیر کو مجال نہیں اور اس کے بائع کو ہر سو روپے میں پانچ روپیہ نفع ملتا ہے اس کاغذ ممہور کی بیع اور تجارت کا طریقہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

نسأل اللّٰہ ھدایۃ الحق والصواب اللھم اغفر (ہم اللہ تعالٰی سے حق اور درستگی کی ہدایت مانگتے ہیں اے اللہ! مغفرت فرما۔ ت) یہ تجارت اکثر صورتوں میں خالی از خباثت نہیں، اللہ عزوجل نے جوازِ تجارت کے لئے تراضی باہمی شرط فرمائی،

قال تعالٰی عزمن قائل یٰایھا الذین اٰمنوا لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم[1]۔

اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! نہ کھاؤ اپنے مال آپس میں ناحق طور پر مگر یہ کہ کوئی سودا ہو تمہارے آپس کی رضامندی سے۔

حدیث میں جناب سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایحل مال امرئ مسلم الا بطیب نفسہ[2]۔ رواہ الدارقطنی عن انس بن مالک رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ۔

کسی مسلمان کا مال حلال نہیں مگر اس کے جی کی خوشی سے۔ (اسے دارقطنی نے انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

دوسری حدیث میں ہے حضور پرنور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایحل لمسلم ان یاخذ عصا اخیہ

مسلمان کو حلال نہیں کہ اپنے مسلمان بھائی کی

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

[2] سنن الدارقطنی کتاب البیوع حدیث ۹۱ نشر السنہ ملتان ۳/ ۲۶

بغیر طیب نفس منه قال ذٰلك لشدة ما حرم اللّٰه من مال المسلم علی المسلم[1] رواہ ابن حبان فی صحیحہ عن ابی حمید الساعدی رضی اللّٰه تعالٰی عنه۔

چھڑی بے اس کی مرضی کے لے لے اور یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالٰی نے مسلمان کا مال مسلمان پر سخت حرام کیا ہے (اسے ابن حبان نے اپنی صحیح میں ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

ظاہر ہے کہ آدمی نالش اپنے استخراج حق کے لئے کرتا ہے جبکہ خود اس کی تحصیل پر قادر نہیں ہوتا اور کوئی شخص اپنے دل کی خوشی سے نہ چاہے گا کہ میرا حق جو غیر کے پاس ہے بے صرف کے میسر نہ ہو بلکہ جب اسے اپنا حق جاتے گا قطعاً مفت ہی ہاتھ آنا چاہے گا، ہاں اگر دیکھے گا کہ یُوں نہیں مل سکتا ناچار بحکم من ابتلی ببلیتین اختار اھونھما[2] (جو شخص دو مصیبتوں میں مبتلا ہو وہ ان میں سے کمتر کو اختیار کرے۔ ت) صرف وخرچ گوارا کرلے گا کہ سارا دھن جاتا دیکھے تو آدھا دیجے بانٹ، یہ معنی اگرچہ منافی اختیار نہیں کہ کسی نے اس پر اپنا حق لینے کا جبر نہ کیا تھا اسے اختیار تھا کہ بالکل خاموش رہتا تو یہ صرف نہ پڑتا مگر مفسد رضا بیشک ہے اگر بے اس کے وصول ممکن جانتا ہرگز خرچ اختیار نہ کرتا مثلاً عمرو نے زید کا سَو روپے کا مال دبالیا اور کہتا ہے دس روپے دے تو واپس کروں، زید اس کی زبردستی اور اپنا عجز جان کر دس دے آیا اور مال چھڑالیا، یہ روپے اگرچہ فی الواقع زید نے باختیار خود دئے مگر عمرو کے لئے حلال نہ ہوجائیں گے کہ ہرگز برضائے خود نہ دئے، اختیار و رضا میں زمین و آسمان کا فرق ہے، اور عقود بیع وشراء وہبہ وامثالہا صرف بے اختیاری ہی سے فاسد نہیں ہوتے بلکہ عدمِ رضا بھی ان کے افساد کو بس ہے،

کما مر فی قوله تعالٰی عن تراض منکم[3] وفی الحدیث الا بطیب نفسه[4]

جیسا کہ اللہ تعالٰی کے اس ارشاد میں گزرا کہ کسی کا مال مت کھاؤ سوائے اس کے کہ تمہارے درمیان باہمی رضامندی سے سودا ہو۔ اور حدیث میں گزرا کہ کسی مومن کی دلی خوشی کے بغیر اس کا مال لینا حلال نہیں (ت)

---

[1] الترغیب والترہیب بحوالہ ابن حبان حدیث ۹ مصطفی البابی مصر ۳/ ۱۷

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول بیان احکام من ابتلی ببلیتین ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۳

[3] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

[4] الترغیب والترہیب بحوالہ ابن حبان حدیث ۹ مصطفی البابی مصر ۳/ ۱۷

10
10

ردالمحتار میں ہے :

نفی الرضٰی اعم من افساد الاختیار و الرضٰی بازاء الکراھۃ والاختیار بازاء الجبر ففی الاکراہ بحبس او ضرب لاشك فی وجود الکراھۃ و عدم الرضٰی و ان تحقق الاختیار الصحیح اذ فسادہ انما ھو بالتخویف باتلاف النفس او العضو[1]۔

رضا کی نفی، فسادِ اختیار سے عام ہے اور رضا کراہت کے مقابلے میں جبکہ اختیار جبر کے مقابلے میں آتا ہے، چنانچہ قید اور مار کے ذریعے اکراہ کی صورت میں کراہت و عدمِ رضا کے پائے جانے میں کوئی شک نہیں اگرچہ اختیار صحیح متحقق ہے کیونکہ فسادِ اختیار جان سے مار دینے یا عضو کے ضائع کر دینے کی دھمکی سے حاصل ہوتا ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے :

الاکراہ الملجئ و غیر الملجئ یعدمان الرضاء والرضاء شرط لصحۃ ھذہ العقود وکذا لصحۃ الاقرار فلذا صار لہ حق الفسخ والامضاء[2]۔

اکراہ ملجی و غیر ملجی یعنی اکراہ تام و ناقص رضا کو ختم کر دیتے ہیں حالانکہ ان عقود کی صحت کےلئے رضا شرط ہے اور اسی طرح صحتِ اقرار کےلئے بھی رضا شرط ہے، اسی لئے اس کو فسخ کرنے اور جاری رکھنے کا حق حاصل ہوا ہے۔ (ت)

بعینہٖ یہی حال خریداری کاغذ مذکور کا ہے کوئی شخص بلا وجہ اپنا ایک پیسہ ضائع جانا گوارا نہیں کرتا مال کا سولھواں حصہ تو بہت ہوتا ہے مگر جب رئیس کا حکم ہے کہ بے اس کے کوئی نالش نہ سُنی جائے تو آدمی یا تو اپنے حقوق و املاک سے یکدست ہاتھ دھو بیٹھے یہ ممکن نہیں کہ ظالم لوگ ناخدا ترس جس کے اس عزم پر آگاہ ہوجائیں اس کے تن کے کپڑے تک اتار کر بس نہ کریں کہ آخر یہ بخوف مصرف نالش تو کرے گا ہی نہیں پھر ڈر کا ہے کا۔ رہی عاقبت، وُہ کس نے دیکھی ہے خدا کا سامنا جب ہوگا ہوگا' آج تو اپنی چلتی کیَ نہ کریں، یہ ان کا حال ہے جو خدا کا سامنا ہونے پر ایمان لاتے ہیں اور جو اس پر اعتقاد ہی نہیں رکھتے ان کا کیا کہنا، وُہ تو پُورے بے غم ہیں یا بحالتِ قدرت بطورِ خود جبراً اپنے حقوق واپس کرلے تو الٹی ان کی طرف سے نالش ہو اور حاکم کے نزدیک یہ خود مجرم ٹھہرے معہذا

---

[1] ردالمحتار کتاب الاکراہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۸۰
[2] درمختار " مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۹۵

جو ابدہی نہ کرے تو وہی ظلم بے تحاشہ اور کرے تو اب کیا اس قسم کے صرف نہ ہوں گے پھر بھی بجان آتش درکاسۂ غرض دُنیا میں سب راہیں بند ہیں سوا اس کے کہ ریاست سے مدد لے اور ریاست علانیہ حکم دے چکی کہ ہماری امداد اسی شرط پر موقوف ہے ورنہ زنہار دار القضا کے دروازے تک بار نہ ہوگا ناچار خریداری کاغذ مذکور گوارا کرے گا مگر یہ گوارش اسی طرح کی ہے کہ دل نہیں چاہتا بس چلے تو حق یہی ہے کہ اپنا حق بے کوڑی خرچے ہاتھ لگے مگر مجبوری کو کیا کیجئے، تو ثابت ہُوا کہ یہ خریداری ہرگز بطیب خاطر نہیں ہوتی اور جو روپیہ اس کے بدلے نذر فروشندگان ہوتا ہے زنہار رضائے قلب سے نہیں دیا جاتا تو بحکمِ قرآن و حدیث اسے مال حلال وطیب نہیں کہہ سکتے، ہاں اس قدر مسلّم کہ بوجہ مرورِ زمان وعمومِ ابتلاء بہت لوگوں خصوصًا مقدمہ بازوں پر اس قسم کے مصارف میں آثار کراہت غالبًا ظاہر نہیں ہوتے مگر حاشا یہ طیب نفس و رضائے دلی نہیں بلکہ بات وہی ہے کہ عادت ہوگئی اور جب سب ایک حال میں ہیں تو مرگِ انبوہ جشنے دارد (اجتماع کی موت میں اپنی موت جشن رکھتی ہے۔ ت) آخر اور رقموں میں نہ دیکھئے جن میں اپنے کسی نفع کی توقع نہیں ہوتی اور رؤسا وسلاطین اموال و مزارع پر باندھ دیتے ہیں اوّل اوّل چند روز ایک عام واویلا رہتا ہے پھر کچھ نہیں کہ آخر دنیا اول دنیا پھر اظہار کراہت بے معنی جب زیادہ زمانہ گزرا چلے وُہ رفتہ رفتہ ایک امورِ عادیہ میں داخل ہوگیا مگر دل کی خواہش ہرگز اس کی مساعد نہیں ہوجاتی اس کا سہل سا ایک امتحان یہ ہے کہ مثلاً اس کاغذ ہی کے نسبت ریاست کا حکم ہوجائے کہ ضروری نہیں سادے پر بھی دعوٰی سن لیں گے پھر دیکھئے کتنے خریدنے جاتے ہیں، حاشا وکلّا کوئی پاس بھی نہ پھٹکے گا کہ بلا وجہ اپنا خرچ کسے بھاتا ہے تو قطعًا عدمِ رضا دائمی ابدی ہے اور یہ شرا بالکل شرائے مکروہ کی حالت میں ہے وبعد اللتیا واللتی (اور بحث وتمحیص کے بعد۔ ت) عدمِ رضا و فقدان طیب نفس میں کلام نہیں اور اسی قدر انعدام حلت میں کافی علماء فرماتے ہیں اگر بادشاہِ وقت بھاؤ کاٹ دے مثلاً لوگ روپیہ کے پندرہ سیر گیہوں بیچتے ہیں حاکم حکم کرے کہ بیس سیر سے کم نہ بیچیں ورنہ سزا پائیں گے اس صورت میں مشتری کے لئے یہ بھاؤ حلال نہ ہوگا کہ اگرچہ حاکم نے بائع کو بیع پر جبر نہ کیا کہ اصلاً نہ بیچے تو اپنے مال کا مالک ہے مگر یہ حکم تو کر دیا ہے کہ بیچے تو اسی بھاؤ بیچے اور اس کی مخالفت میں حاکم کی طرف سے اندیشہ ہے تو اس نرخ پر اس کی رضا متحقق نہ ہوتی اور مسلمان کا مال بے مرضی لینا حلال نہیں۔ درمختار میں ہے:

اذا سعر وخاف البائع ضرب الامام لو نقص لا یحل	اگر حاکم نرخ مقرر کر دے اور بائع کو ضربِ حاکم کا ڈر ہے اگر وہ اس نرخ میں کمی کرے تو

للمشتری[1] | ایسی صورت میں مشتری کے لئے حلال نہیں۔ (ت)

شرح نقایہ میں ہے:

لوسعر فباع للخوف لم یحل للمشتری لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لایحل مال امریء مسلم الابطیب نفس منہ[2]

اگر حاکم نے نرخ مقرر کردیا اور بائع نے اس کے خوف سے فروخت کیا تو مشتری کے لئے حلال نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے کسی مسلمان کا مال اس کی دلی خوشی کے بغیر لینا حلال نہیں۔ (ت)

اسی طرح اگرچہ رئیس نے نالش پر مجبور نہ کیا نہ کرے تو اپنے ترک حق کا مختار ہے مگر حکم دیا ہے کہ کرے تو کاغذ ضرور ہی دے اور اسی مقدار کا دے اور اس کی مخالفت میں تلف حق کا اندیشہ ہی نہیں بلکہ یقین کامل ہے تو اس شراء پر بھی رضا متحقق نہ ہوئی، فرق اس قدر ہے کہ حکم حاکم نہ ہوتا تو گیہوں والا گیہوں خود بھی بیچتا اگرچہ زیادہ کو، اور یہاں حکم نہ ہوتا تو نالش والا یہ کاغذ کوڑی کو بھی نہ پوچھتا کما لایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ ت)

بالجملہ فقیر غفراللہ لہ جہاں تک نظر کرتا ہے اس تجارت کے مطلقاً حلال وطیب ہونے کی راہ نہیں پاتا۔ ہاں بعض صورتیں ایسی بھی ہیں جن میں مشتری بخوشی خود خریدیں مثلاً[1] فروشندہ سے دوسرے نے قدرے نفع دے کر بیچنے کو مول لے لیا جیسے اونچے بزازوں سے گٹھری والے کپڑا لیتے ہیں، یا[2] نالش جس بات پر کرتا ہے وہ ایسی نہ تھی جس سے درگزر کرنی کچھ اس پر شاق ہوتی صرف ایذائے مخالف یا انتقام کے لئے نالش چاہتا ہے یہ بھی صورت حاجت کی نہ ہوئی، یا[3] دائن کو یکاغذ درکار تھا مدیون سے کہا میرے قرض میں لادے وہ لے آیا یہ خریداری بھی برضائے خود ہوئی کہ اس پر کاغذ دے کر قرض اتارنا لازم نہ تھا، یا[4] آپنے کسی بزرگ کو نالش کی حاجت ہوئی چھوٹے نے خوشنودی کے لئے اپنے پاس سے کاغذ خرید کر لگایا، خواہ[5] کسی عزیز یا دوست یا[6] محتاج کے کام میں صرف کیا کہ یہ سب حالتیں خریدار کی ضرورت کی نہیں ایسی صورت میں بیشک بیع صحیح وجائز اور زرثمن فروشندہ کے لئے حلال وطیب۔ اور صرف یہ بات کہ دمڑی کا کاغذ سو روپے کو کیونکر

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۴۸

[2] جامع الرموز کتاب الکراہیۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳/۳۲۴

جائے بعد ثبوت تراضی مؤثر نہیں، ہر شخص اپنے مال کا مختار ہے جتنے کو چاہے بیچے، امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولا یکرہ[1]

اگر کسی نے کاغذ کا ٹکڑا ہزار کے بدلے فروخت کیا تو یہ جائز ہے مکروہ نہیں ہے۔ (ت)

فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ مسئلہ تجارت نوٹ میں اسے واضح کرچکا و باللہ التوفیق مگر ان صورتوں کا وقوع نادر ہے، انھیں پر قانع ہوکر تجارت نہ چل سکے گی، اور اگر کوئی قناعت کرے اور جب تک تحقیق نہ ہو کہ انھیں صورتوں سے کوئی صورت ہے ہرگز نہ دے اس کے لئے بیشک جواز کا بھی حکم ہوسکتا ہے، البتہ ایک صورت عدم اکراہ کی کثیر الوقوع ہے یعنی جھوٹی نالش کے لئے خریدنا کہ یہ لوگ مظلوم نہیں خود ظالم ہیں تو انھیں شراء پر کیا مجبوری ان کے ہاتھ بیچنے میں اگرچہ عدم حلت کی وہ وجہ نہ ہوئی، مگر اور وجوہِ معصیت پیدا ہوں گی کہ دو حال سے خالی نہیں، یا تو بائع کو معلوم ہوگا کہ مشتری ظالم ہے اور خاص نالش ناحق کے لئے خریدتا ہے یا بے دلیل وعلم ٹھہرالے گا کہ اس مشتری کا ایسا ارادہ ہے بر تقدیر ثانی سوءِ ظن میں گرفتار ہوا اور بدگمانی حرام قطعی، پھر تراشیدہ خیال معصیت مآل کی بناء پر کیونکر مال مسلم کا استحلال کرسکتا ہے، بر تقدیر اول جبکہ یہ جانتا تھا کہ وہ نالش دروغ کے لئے کاغذ لیتا ہے تو اسے اس کے ہاتھ بیچنا معصیت پر اعانت کرنا ہوا جس طرح اہل فتنہ کے ہاتھ ہتھیار اور معصیت پر اعانت خود ممنوع و معصیت،

قال عزوجل ولا تعاونوا علی الاثم و العدوان[2]

آپس میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو گناہ اور حد سے بڑھنے پر۔

واللہ الہادی ھذا ما عندی والعلم بالحق عند ربی، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

اور اللہ تعالٰی ہی ہدایت دینے والا ہے یہ وہ ہے جو میرے پاس ہے اور حق کا علم میرے پروردگار کے پاس ہے، اور اللہ سبحانہ وتعالٰی خوب جاننے والا ہے۔ (ت)

مسئلہ از کلکتہ فوجداری بالاخانہ نمبر ۳ مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں کلکتہ میں مصنوعی یعنی میل کا گھی بکتا ہے باوجود علم

---

[1] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/۲۲۴

[2] القرآن الکریم ۵/۲

ایسا گھی تجارت کے لئے خرید کر بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر یہ مصنوع جعلی گھی وہاں عام طور پر بکتا ہے کہ ہر شخص اس کے جعل ہونے پر مطلع ہے اور باوجود اطلاع خریدتا ہے تو بشرطیکہ خریدار اسی بلد کا ہو، نہ غریب الوطن تازہ وارد ناواقف، اور گھی میں اسی قدر میل سے جتنا وہاں عام طور پر لوگوں کے ذہن میں ہے اپنی طرف سے اور زائد نہ کیا جائے نہ کسی طرح اس کا جعلی ہونا چھپایا جائے۔ خلاصہ یہ کہ جب خریداروں پر اس کی حالت مکشوف ہو اور فریب ومغالطہ راہ نہ پائے تو اس کی تجارت جائز ہے آخر گھی بیچنا بھی جائز اور جو چیز اس میں ملائی گئی اس کا بیچنا بھی، اور عدم جواز صرف بوجہ غش وفریب تھا، جب حال ظاہر ہے غش نہ ہوا اور جواز رہا جیسے بازاری دُودھ کہ سب جانتے ہیں کہ اس میں پانی ہے اور باوصف علم خریدتے ہیں یہ اس صورت میں ہے جبکہ بائع وقت بیع اصلی حالت خریدار پر ظاہر نہ کردے، اور اگر خود بتادے تو ظاہر الروایت ومذہب امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ میں مطلقاً جائز ہے خواہ کتنا ہی میل ہو اگرچہ خریدار غریب الوطن ہو کہ بعد بیان فریب نہ رہا۔ درمختار میں ہے:

لاباس ببیع المغشوش اذا بین غشہ اوکان ظاہرا یری وکذا قال ابوحنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ فی حنطۃ خلط فیہا الشعیر والشعیر یری لاباس ببیعہ و ان طحنہ لایبیع وقال الثانی فی رجل معہ فضۃ نحاس لایبیعہا حتی یبین۔[1]

ملاوٹ والی چیز کو فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں جب اس کی ملاوٹ کو بیان کردے یا ملاوٹ ایسی ظاہر ہو کہ دکھائی دیتی ہو اور یونہی فرمایا امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایسی گندم کے بارے میں جس میں جَو ملے ہوئے ہوں اس طور پر کہ جو نظر آتے ہوں تو ایسی گندم کی بیع میں کوئی مضائقہ نہیں، اور اگر اس مخلوط گندم کو پیس لیا تو مت بیچے، اور امام ابویوسف نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جس کے پاس تانبا ملی چاندی ہے کہ وہ اسے بتائے بغیر نہ بیچے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ وان طحنہ لایبیع ای

ماتن کا یہ فرمانا کہ جب اس نے مخلوط گندم کو پیس لیا

---

[1] درمختار باب المتفرقات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۲

الاان یبین لانه لایری[1]	تو مت بیچے، اس کا مطلب یہ ہے کہ بیان کئے بغیر نہ بیچے کیونکہ اب اس میں ملاوٹ دکھائی نہیں دیتی (ت)

بالجملہ مدار کار ظہور امر پر ہے خواہ خود ظاہر ہو جیسے گیہوں میں جو، چنوں میں کسایا بجہت عرف و اشتہار مشتری پر واضح ہو جیسے دُودھ کا معمولی پانی خواہ یہ خود حالت واقعی تمام وکمال بیان کرے، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۵۵ ۸ شوال ۱۳۰۸ھ از لبکن

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید جو زمانہ دراز سے بعارضہ آتشک سخت علیل ہے اپنی زمینداری غیر منقسمہ کو صرف حق تلفی زوجہ منکوحہ ذی مہر اور ورثاء ذوی الفروض مثل دختر اپنی کے بدست اپنے لڑکے نابالغ کے کہ جو عورت بازاری غیر نکاحی کے بطن سے ہے بیع شرعی کر کے زرِ ثمن اس کا ہبہ کر دینا (بایں عبارت کہ بعد ایجاب وقبول زرِ ثمن حقیت مبیعہ کا بحق مشتری ہبہ کردیا) ظاہر کرتا ہے تو درحالیکہ مشتری نابالغ ہے تو ہبہ کر دینا زرِ ثمن کا بحق مشتری عند الشرع قابلِ تقسیم ہے یا نہیں؟ اور یہ بیع شرعًا جائز ہے یا ناجائز؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

یہ بیع شرعًا محض باطل وناجائز ہے، وہ لڑکا جبکہ زنا سے ہے تو شرعًا نہ وہ زید کا بیٹا نہ زید اس کا باپ،

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الولد للفراش وللعاھر الحجر[2]	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اولاد خاوند کے لئے ہے اور زانی کے لئے پتھر ہیں (ت)

تو زید اس پر اصلًا ولایت مالیہ نہیں رکھتا بلکہ محض اجنبی ہے ولایت مالیہ تو باپ دادا اور قاضی شرع اور ان کے اوصیا کے سوا ماں بھائی چچا کو بھی نہیں ہوتی نہ کہ ایسا شخص جس سے کچھ علاقہ نہیں۔ تنویر الابصار میں ہے:

ولیہ ابوہ ثم وصیہ ثم جدہ ثم وصیہ ثم القاضی او	نابالغ کا ولی اس کا باپ ہے پھر باپ کا وصی پھر اس کا دادا پھر دادا کا وصی پھر قاضی یا

---

[1] ردالمحتار باب المتفرقات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۱

[2] صحیح البخاری کتاب البیوع باب تفسیر المشبہات قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۷۶

وصیہ دون الام اووصیھا[1] (ملتقط)۔ اس کا وصی، نہ کہ ماں یا اس کا وصی (ملتقط)۔ (ت)

اولاً زید کو اس نابالغ کے لئے جائداد اپنے نفس سے خواہ کسی غیر سے اپنے روپے خواہ نابالغ کے روپیہ سے کسی طرح خریدنے کا اصلاً اختیار نہ تھا کہ یہ اختیار ولی مال کے سوا کسی کو نہیں، درمختار میں ہے:

ام و اخ لایملکان بیع العقار مطلقا ولا شراء غیر طعام وکسوۃ[2]۔ نابالغ کی ماں اور اس کا بھائی نابالغ کی غیر منقولہ جائداد کو کسی طرح فروخت کرنے کا اختیار نہیں رکھتے اور نہ ہی انھیں طعام و لباس کے سوا کچھ خریدنے کا اختیار ہے۔ (ت)

ثانیاً وہ اس خریداری میں فضولی ہے لعدم ولایۃ ولاوصایۃ (ولایت اور وصی نہ ہونے کی بنا پر۔ ت) اور وہ اس بیع میں طرفین ایجاب و قبول دونوں کا خود ہی متولی ہوا ایسی صورت میں جب یہ شخص کسی طرف سے فضولی ہو عقد باطل محض ہوتا ہے، درمختار میں ہے:

لایتوقف الایجاب علی قبول غائب عن المجلس فی سائر العقود من نکاح وبیع وغیرھما بل یبطل الایجاب ولاتلحقہ الاجازۃ اتفاقا[3]۔ ایجاب مجلس سے غائب شخص کے قبول پر موقوف نہیں ہوتا تمام عقود میں جیسے نکاح اور بیع وغیرہ بلکہ وہ ایجاب باطل ہو جاتا ہے اور بالاتفاق اس کو اجازت لاحق نہیں ہوتی (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فاذا اوجب الحاضر وھو فضولی من جانب اومن الجانبین لایتوقف علی قبول الغائب بل یبطل وان قبل العاقد الحاضر بان یتکلم بکلامین کما یأتی[4]۔ جب حاضر نے ایجاب کیا درآنحالیکہ وہ فضولی ہے ایک طرف سے یا دونوں طرفوں سے تو وہ ایجاب، غائب کے قبول پر موقوف نہیں رہے گا بلکہ باطل ہو جائیگا اگرچہ عاقد حاضر نے قبول کیا ہو بایں طور کہ دونوں کلاموں (ایجاب و قبول) سے تکلم کیا ہو جیسا کہ آرہا ہے (ت)

---

[1] درمختار کتاب الماذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۰۳
[2] ؍؍ کتاب الوصایا ؍؍ ۲/۳۳۷
[3] ؍؍ کتاب النکاح ؍؍ ۱/۱۹۶
[4] ردالمحتار ؍؍ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۲۶

پس یہ بیع محض باطل و بے اثر ہے اور جائداد بدستور ملکِ زید پر باقی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵۶ — ۱۵ رجب ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک درخت عمرو سے اس شرط پر خرید اکہ اس کا کٹوا دینا عمرو کے ذمہ ہے، اب عمرو اس کے کٹوانے میں حجت کرتا ہے، اس صورت میں کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

درخت کو کاٹنے کے لئے بیچا جائے اس کا کاٹنا شرعاً مشتری کے ذمہ ہے کما اوضحناہ بتوفیق اللہ تعالٰی فی فتاوٰنا (جیسا کہ اللہ تعالٰی کی توفیق سے ہم اپنے فتاوٰی میں اسے واضح کر چکے ہیں۔ ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی البحر من الظہیریۃ اشتری شجرۃ للقطع یؤمر بقلعہا[1] الخ۔

بحر میں ظہیریہ کے حوالے سے ہے کہ کسی شخص نے اکھاڑنے کے لئے درخت خریدا تو خریدار کو اسے اکھاڑنے کا حکم دیا جائے گا الخ (ت)

یہاں کہ برخلاف حکمِ شرع اس کے کٹوانے کی شرط ذمہ بائع لگائی گئی بیع فاسد ہوئی، درمختار و ردالمحتار میں ہے:

یقطعہا المشتری فی الحال (ای اذا طلب البائع تفریغ ملکہ) وان شرط ترکہا فسد البیع کشرط القطع علی البائع حاوی (وعلل فی البحر الفساد بانہ شرط لایقتضیہ العقد وھو شغل ملک الغیر[2] اھ ملتقطا۔

مشتری اس درخت کو فی الحال کاٹے یعنی جب بائع اپنی ملکیت کی فراغت کا مطالبہ کرے، اور اگر اس کو زمین میں چھوڑے رکھنے کی شرط لگائی تو بیع فاسد ہوگئی جیسا کہ کاٹنے کی ذمہ داری بائع پر عائد کرنے کی شرط لگانے سے بیع فاسد ہوجاتی ہے، حاوی۔ بحر میں فساد کی علت یوں بیان فرمائی کہ یہ ایسی شرط ہے جس کا تقاضا عقد نہیں کرتا اور وہ شرط ملکِ غیر کو مشغول رکھنے کی ہے اھ ملتقطاً (ت)

پس بائع و مشتری دونوں گنہگار ہوئے اور دونوں پر بحکمِ شرع واجب ہے کہ اپنے اس بیع

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فیما یدخل فی البیع تبعاً الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۸

[2] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۴/ ۳۹
درمختار 〃 〃 〃 مجتبائی دہلی ۲/ ۹

کو فسخ کریں ان میں جو کوئی نہ مانے دوسرا بے اس کی رضامندی کے کہہ دے میں نے اس بیع کو فسخ کیا فوراً فسخ ہوجائے گی اور اگر دونوں فسخ کرنا نہ چاہیں اور حاکمِ شرع کو خبر ہو تو وہ جبراً فسخ کردے کہ گناہ کا زائل کرنا فرض ہے۔ درمختار میں ہے:

یجب علی کل واحد منهما فسخه قبل القبض او بعده ما دام المبیع بحاله اعدا ما للفساد لانه معصیة فیجب رفعها بحر ولذا لایشترط فیه قضاء قاض واذا اصر علی امساکه وعلم به القاضی فله فسخه جبرا علیهما حقا للشرع، بزازیة[1] اھ ملخصاً۔

بیع فاسد کو بائع و مشتری میں سے ہر ایک پر واجب ہے چاہے مبیع پر قبضہ سے پہلے ہو یا بعد، جب تک مبیع اپنے حال پر قائم ہے، اور یہ فسخ، فساد کو ختم کرنے کے لئے ہے کیونکہ یہ معصیت ہے، لہذا اس کا رفع واجب ہے، بحر۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں قضاءِ قاضی کی شرط بھی نہیں اور اگر وہ اس بیع فاسد کے برقرار رکھنے پر اصرار کریں اور قاضی کو خبر ہوجائے تو وہ حق شرع کے لئے ان دونوں یعنی بائع و مشتری پر جبر کرکے فسخ کراسکتا ہے، بزازیہ اھ تلخیص (ت)

پھر جب اس بیع کو فسخ کرلیں اور باہم رضامندی ہو تو نئے سرے سے پھر بیع صحیح بغیر اس شرط مفسد کے کرسکتے ہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۰

۴ رجب ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے شیشی قارورئی فی سیکڑہ دس آنے کے حساب سے خرید کر بمنافع فی صدی دو آنہ سیکڑہ کے عمرو سے تعدادی آٹھ سو قارورئی کے مبلغ چھ روپے وصول پاکر قارورئیاں واسطے دینے عمرو کے اپنی دکان پر لاکر رکھیں اور عمرو سے کہا کہ آپ شیشیاں اپنی لے جائیے، عمرو نے جواب دیا کہ مجھ کو اس وقت فرصت نہیں ہے پیلی بھیت سے واپس آکر لوں گا۔ جب عمرو پیلی بھیت سے واپس آیا اس وقت قارورئیاں شمار کی گئیں تو منجملہ آٹھ سو قارورئی کے سو قارورئی بوجہ نازکی کے ٹوٹی نکلیں تو اب اس سو قارورئی شکستہ کی قیمت ۱۲/ زید کے ذمہ ہونا چاہئے یا عمرو کے؟ بینوا توجروا

الجواب

سائل مظہر کہ اس وقت بیع نہ ہوئی تھی بلکہ عمرو نے اس سے شیشیاں مانگیں اس کے پاس

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۸

نہ تھیں اس نے خرید کر دینا کہا اور قیمت فیصل کرلی کہ جس بھاؤ کو خریدوں گا فی صدی دو آنے کے نفع پر تجھے دُوں گا۔ عمرو نے اسے پیشگی روپے دے دئے یہ صورت بیع کی نہ ہوئی صرف ایک وعدہ قرارداد ہُوا اور اگر ایجاب وقبول ہو بھی جاتا تاہم باطل تھی کہ شیشیاں زید کے پاس نہ تھیں اور جو چیز ہنوز اپنی ملک ہی میں نہیں بیع سلم کے سوا اس کا بیچنا باطل ہے،

فی الدرالمختار من البیع الباطل وبیع مالیس فی ملکہ لبطلان بیع المعدوم وما لہ خطر العدم لا بطریق السلم لانہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نھی عن بیع مالیس عند الانسان ورخص فی السلم[1] اھ قال فی ردالمحتار المراد بیع ما سیملکہ قبل ملکہ لہ[2]۔

درمختار میں ہے کہ بیع باطل کے قبیلہ سے ہے اس چیز کی بیع جو بائع کی ملک میں نہ ہو کیونکہ معدوم چیز اور وُہ چیز جس کے عدم کا خطرہ ہو اس کی بیع باطل ہے مگر بطور سلم ان کی بیع باطل نہیں اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس چیز کی بیع سے منع فرمایا جو آدمی کے پاس نہ ہو اور بیع سلم میں رخصت دی الخ ردالمحتار میں فرمایا کہ اس سے مراد اس چیز کی بیع ہے جو عنقریب اس کی ملک میں آئے گی اس کی ملک میں آنے سے قبل۔ (ت)

پس یہ شیشیاں کہ زید نے خریدیں زید ہی کی ملک تھیں جتنی تو ٹیں اسی کی ٹوٹیں عمرو سے کچھ علاقہ نہیں، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵۸

۱۹ رمضان المبارک ۱۳۱۲ھ

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے پھول پر انبہ خریدے اور کل روپیہ دینے کا فردا پر وعدہ کیا مگر کل کو قیمت وعدہ پر ادا نہ کی وعدہ کو فسخ کیا، بیع جائز ہے یا ناجائز؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

پھل کا پھول پر بیچنا ہی سرے سے حرام وناجائز ہے وُہ بیع بالاتفاق صحیح نہ ہوئی بائع ومشتری دونوں پر اس سے دست کشی وتوبہ لازم ہے،

فی الدرالمختار باع ثمرۃ قبل الظھور لا یصح

درمختار میں ہے کہ کسی نے پھل کو نمودار ہونے سے

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴

[2] ردالمحتار " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۰۵

اتفاقاً۔ واللہ تعالٰی اعلم۔   پہلے بیچا تو بالاتفاق صحیح نہیں۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵۹ مسئولہ محمد علی بخش ۹ ربیع الاول ۱۳۰۸ھ

جناب عالی! کیا فرماتے ہیں آپ اس مقدمہ میں کہ ایک جائداد بقیمت مبلغ تین ہزار روپیہ کو خرید کرتا ہوں اور یہ شرط ٹھہرتی ہے کہ جب اس کا جی چاہے اسی قیمت کو یا کچھ روپے زیادہ دے کر مجھ سے پھر خرید لیں میں بلاعذر ان کو دے دوں گا، اگر یہ جائز ہو تو حکم فرمائیے۔

الجواب

اندراج شرط مذکور الصدر بیعنامہ میں مفسد بیع ہے کیونکہ جو شروط زائد مفید بائع ہوں یا مشتری باطل کنندہ بیع میں فقط محمد یعقوب علی خاں

الجواب

بیعنامہ کوئی چیز نہیں وہ گفتگو عقد کی جو زبانی عاقدین میں ہو شرعاً اس کا اعتبار ہے اگر اس میں بائع نے صرف اس قدر کہا کہ میں نے یہ چیزیں تین ہزار روپیہ کو بیچیں اور مشتری نے کہا میں نے قبول کیں، اور عقد ختم کردیا، اور دونوں نے اسے بیع صحیح شرعی لازم سمجھا تو بیع صحیح وجائز ہوگئی، مشتری جائداد اور بائع ثمیت کا مالک ہوگیا پھر ختم عقد کے بعد عقد سے علاوہ[عہ] باہم یہ ٹھہرالیا کہ جب تو چاہنا مجھ سے خرید لینا میں تیرے ہاتھ بیچ ڈالوں گا، پھر اگر بیعنامہ میں اس وثوق سے کہ کہیں یہ اپنے وعدہ سے نہ پھر جائے یوں لکھا گیا کہ میں نے فلاں جائداد بکر کے ہاتھ بعوض سوا تین ہزار روپے کے بیع صحیح شرعی کی اور باہم یہ وعدہ قرارداد ہے کہ میں جب چاہوں اس قدر روپے کو یہ جائداد مشتری سے خرید لوں اسے میرے ہاتھ بیع میں عذر نہ ہوگا تو اس لکھے جانے سے بیع میں اصلاً حرج نہیں کہ عقد تو وہی تھا جو ان میں باہم زبانی ہوا اس میں اس شرط کا اصلاً ذکر نہ تھا بیعنامہ میں ایک ساتھ تحریر ہونا عقد شرعی کو صحیح واقع ہوا فاسد نہیں کرسکتا، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۶۰ از ضلع پربھنی صوبہ اورنگ آباد مرسلہ مولوی سید غلام رسول حسین صاحب وکیل ۱۶ رمضان المبارک ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مٹی کی بیع وشراء میں کہ جائز ہے یا ناجائز؟

عہ یتعلق بہ مسئلۃ التحاق الشرط بعد العقد بالعقد وفیہا قولان مصححان ۱۲ منہ۔   عقد کے بعد شرط کو عقد کے ساتھ ملحق کرنے کا مسئلہ بھی اس سے متعلق ہے اور اس میں دو مصحح قول ہیں ۱۲ منہ (ت)

؎ درمختار کتاب البیوع فصل فیما یدخل فی البیع تبعاً الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹

درمختار کے بیع فاسد میں تحریر فرماتے ہیں :

بطل بیع مالیس بمال' المال ما یمیل الیہ الطبع ویجری فیہ البذل والمنع، درر فخرج التراب ونحوہ[1]

جو چیز مال نہیں اس کی بیع باطل ہے، اور مال وہ ہے جس کی طرف طبیعت مائل ہو اور اس میں (بطور ہبہ وغیرہ) دینا اور (غیر کو اس میں تصرف سے) منع کرنا جاری ہوتا ہو (درر) چنانچہ مٹی وغیرہ اس تعریف سے خارج ہوگئی۔ (ت)

اور بعض مقام میں جیسا کہ مقام پربھنی میں مٹی کی طرف طبائع مائل ہیں اور اس میں بذل ومنع جاری ہے اور بیع وشرا بھی جاری ہے اور یوماً فیوماً اس کی قدر وقیمت زیادہ ہوتی جاتی ہے، اس صورت میں مٹی پر مال کی تعریف صادق آسکتی ہے یا نہیں اور اس کی بیع وشراء شرعاً جائز ہوسکتی ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

مٹی کہ مال وصالح بیع نہیں، وُہ تراب قلیل ہے جس میں بذل ومنع نہیں جیسے ایک مٹھی خاک، ورنہ تراب کثیر خصوصاً بعد نقل بلاشبہہ مال ہے اور عموماً اس کی بیع میں تعامل بلاد، مٹی کی گاڑیاں چھتوں پر ڈالنے یا کہگل کرنے یا استنجوں کے ڈھیلوں کے لئے سب جگہ بکتی ہیں، ردالمحتار میں اسی عبارت درمختار پر لکھا :

قولہ فخرج التراب ای القلیل مادام فی محلہ والا فقد یعرض لہ بالنقل مایصیر بہ مالا معتبرا ومثلہ الماء[2]

ماتن کے اس قول کہ "مٹی تعریفِ مال سے خارج ہوگئی" کا مطلب یہ ہے کہ وُہ مٹی قلیل ہو اور ابھی تک اپنی جگہ پر پڑی ہو ورنہ وہاں سے نقل کرلینے کے بعد وہ مال معتبر بن جاتی ہے، اور پانی بھی اسی کی مثل ہے۔ (ت)

بلکہ زمین خود مٹی ہے اور اس کی بیع قطعاً جائز، تو مناط وہی تحقق حد مال ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶۱ از پیلی بھیت محلہ پنجابیاں متصل مسجد مرسلہ شیخ عبدالعزیز صاحب ۲۲ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۴ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مسلم تاجر لٹھہ نے ایک روز قوم ہنود تعلقہ دار کے ساتھ بایں شرائط چوب فروش کی کہ جس نمونہ اور پیمائش کی لکڑی

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۳

[2] ردالمحتار " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/۱۰۱

بکر کو درکار ہوگی زید چرا کر اپنے مصارف باربرداری سے بذریعہ ریل یا کشتی کے زید اس مال کو بکر کے مکان پر پہنچا دے گا اور بکر نے یہ معاہدہ کیا کہ بعد پہنچ جانے اس مال کے تاریخ پہنچنے سے عرصہ تیس ۳۰ یوم میں قیمت اس لکڑی کی بشرح ع۱۲ زید کو ادا کر دیں گے اور اگر اس عرصہ میں نہ ادا کریں تو قیمت اس کی تین روپیہ کے نرخ سے دیں گے ، چنانچہ زید نے حسبِ ہدایت فرمائش بکر کی لکڑی تیار کرکے بکر کو اطلاع دی کہ لکڑی تیار ہے حسبِ معاہدہ سابق مستری بھیجو کہ پاس کر جائے ، چنانچہ مستری آیا اور زید کے مکان پر اس لکڑی کو پاس کرکے اپنا نشان اور ٹانچ لگا گیا اور زید نے اس پاس شدہ لکڑی کو اپنے مصارف باربرداری سے بکر کے مکان پر پہنچا دیا اور بعد پہنچا دینے کے بکر کے ذی اختیار کارکنان کارندگان سے رسید دستخطی حاصل کرلی اس مابین میں جب تک وصولیابی روپیہ کا زمانہ آئے علاقہ بکر میں انتظاماً تبدل وتغیر ہوا اور بجائے کارندگان سابق کے دوسرا کارندہ یوروپین سے قائم ہوا اس سے قیمت کا روپیہ طلب کیا گیا اول تو بوجہ ابتدائے انتظام کے اس نے لیت ولعل کیا پھر عرصہ تین چار مہینے بعد اس لکڑی مستری کی پاس شدہ میں سے بقدر ایک ثلث کے ناقص انتخاب کی اور اب کہ بجائے ۳۰ یوم کے معاہدہ کے عرصہ آٹھ سات ماہ کا منقضی ہوتا ہے ، ہنوز قیمت چوب کا روپیہ ادا نہیں ہوا اور طلب پر بکر خود اور نیز اس کا کارندہ جدید جواب دیتے ہیں کہ جس قدر لکڑی ہم نے ناقص برآمد کی ہے واپس لے جاؤ اور باقیماندہ عمدہ مال کی قیمت شرح ع۱۲ کی دی جائے گی کیا ایسی صورت میں جائز ہوگا کہ زید بذریعہ نالش محکمہ جات حکام زمانہ کی امداد سے حسبِ شرائط فی مابین کے پورے اس مال کی قیمت جس کو بکر کا مستری پاس کرکے نشان دے گیا تھا اور زید نے اس کو بکر کے مکان پر پہنچا کر رسید حاصل کی ہے بشرح سے روپیہ کے مع خرچہ محکمہ کے وصول کرے یا حسبِ خواہش بکر کے عمدہ لکڑی کی قیمت بہ نرخ ع۱۲ کے وصول کرکے ناقص منتخب کی ہوئی لکڑی اپنا دوسرا مصارف خرچ کرکے واپس لائے ، بیان فرمائیں ثواب پائیں ، فقط۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں بیع ہی نہ ہوئی کہ یہ لکڑی وقتِ بیع معدوم وغیر مملوک بائع تھی اور ایسی چیز کی بیع بے طریق سلم باطل محض ہے ، درمختار میں ہے :

بطل بیع مالیس فی ملکہ لبطلان بیع المعدوم ومالہ خطرا لعدم الا بطریق السلم

غیر مملوک کی بیع باطل ہے بسبب باطل ہونے اس چیز کی بیع کے جو معدوم ہو یا اس کے معدوم ہونے کا خطرہ ہو مگر بطور سلم اس کی بیع باطل نہیں

لانہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نھی عن بیع مالیس عند الانسان ورخص فی السلم[1]۔

اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس چیز کی بیع سے منع فرمایا جو آدمی کے پاس نہ ہو اور بیع سلم میں رخصت دی (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لم ینعقد بیع المعدوم وما لہ خطر العدم کالحمل واللبن فی الضرع ولا بیع مالیس مملوکا لہ وان ملکہ بعدہ الا السلم[2] الخ۔

اس چیز کی بیع منعقد نہیں ہوتی جو معدوم ہو یا اس کے معدوم ہونے کا خطرہ ہو جیسے حمل اور تھنوں کے اندر دودھ، اور نہیں منعقد اس چیز کی بیع جو بائع کی ملک میں نہ ہو اگرچہ بعد میں اس کا مالک بن جائے سوائے بیع سلم کے الخ (ت)

توزید وبکر میں باہم کوئی معاہدہ ہی نہیں جس کی بناء پر ایک دوسرے سے کچھ مطالبہ کرسکے، زید اپنی لکڑی تمام وکمال واپس لے اور اپنے صرف سے جہاں چاہے لے جائے، ہاں اب از سرِ نو اس مال موجودہ کی بیع برضائے باہمی جس قیمت پر ہوجائے تو وہ جائز ہوگی اور اس کا مطالبہ ہوسکے گا، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۶۲: از شاہجہان پور مرسلہ عنایت حسین خاں محلہ ہاتھی تھان ۲۷ ربیع الآخر ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اوپر اس بات کے کہ زید نے پیداوار رس قبل تیار ہونے پیداوار کھیت نیشکر از روئے تخمینہ واندازہ کے کہ جو بعد چہار ماہ کے اگر اللہ نے چاہا تو پیدا ہوگا اس مال رس کو زید نے بہ نفع مبلغ عہ ۱۲؍ ایک سو من بوزن خام بدست بکر کے اس شرط سے فروخت کیا اور فوراً از قیمت پیشگی بیباک کرلیا شرحاً باہم یہ قرار پائی کہ اگر تخمینہ مذکورہ سے مال رس کم پیدا ہوگا اس وجہ سے کم دیا جائے گا تو فی من خام آدھ آنہ کے حساب سے جس کے ہے سو من خام پر ہوتے ہیں بطریق منافع جس کو عوام الناس گٹے کہتے ہیں بوجہ پیشگی لینے روپیہ کے زید کو مع روپیہ باقی ماندہ کے بکر کو دینا ہوں گے لہذا یہ بیع اور رکمی منافع دونوں شرعاً مذہب حنفیہ میں جائز ہیں یا کیا درجہ رکھتے ہیں، عنداللہ اجر وثواب ہوگا۔

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴

[2] ردالمحتار " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵

الجواب

یہ بیع بھی حرام اور یہ شرط بھی حرام، اور یہ دام جو اس کمی پر لئے جائیں نرے سُود ہیں۔

فان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نھی عن بیع ما لیس عندہ وعن بیع وشرط والربٰو ھو الفضل المستحق بالعقد الخالی عن العوض کما فی الھدایۃ[1]، و المسائل واضح، واللہ تعالٰی اعلم۔

نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس چیز کی بیع سے منع فرمایا جو آدمی کے پاس نہ ہو اور بیع اور شرط سے منع فرمایا، اور سود عقد سے ثابت ہونے والی اس زیادتی کو کہتے ہیں جو عوض سے خالی ہو جیسا کہ ہدایہ میں ہے اور یہ تمام مسائل واضح ہیں، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶۳ از شہر کہنہ مرسلہ مولوی خدایار خان صاحب ۱ رصفر ۱۳۱۹ھ

جناب مولانا معظم مکرم دام ساملہا، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ایک مسلمان شخص کے ہاتھ رس بیچا تھا بہ نرخ ص‍ـــہ؍ فیصدی من یہ شرط ٹھہری تھی کہ بعد ختم بیل ڈیڑھ مہینہ کے اندر جو روپیہ باقی نکلے گا دیں گے اگر نہ دیں گے تو اس کا نرخ معــہ؍ کا دیں اور خدایار کے اوپر ہمارا روپیہ باقی نکلے وہ بھی ڈیڑھ مہینہ کے اندر دیں اگر میعاد میں نہ دیں تو تــــہ؍ کا نرخ لیں، سو روپیہ ہمارا نکلا تیرہ سو اور میعاد گزر گئی، اب نرخ معــہ؍ کا لینا سُود تو نہیں ہے یا ہے چونکہ میں آپ سے اکثر اپنے معاملات پوچھ لیتا ہُوں لہذا اب بھی تصدیعہ دیتا ہُوں کہ مجھ کو صحیح اس کی اطلاع ہو جائے۔

زیادہ نیاز خاکسار خدایار تمبتہ اللہ بالتصدیق والاقرار

الجواب

یہ شرط فاسد اور عقد حرام ہے دو۲ وجہ سے،

اوّلاً اس شرط میں احد العاقدین کی منفعت ہے،

وکل شرط کذا فاسد وکل شرط فاسد فھو یفسد البیع وکل بیع فاسد حرام واجب الفسخ علی کل من العاقدین فان لم یفسخا اثما جمیعا وفسخ القاضی بالجبر۔

ہر وہ شرط جو ایسی ہو فاسد ہے اور جو شرط فاسد ہو وہ بیع کو فاسد کر دیتی ہے اور ہر فاسد بیع حرام ہے جس کا فسخ کرنا بائع اور مشتری میں سے ہر ایک پر واجب ہے اگر وہ فسخ نہ کریں تو دونوں گنہگار ہونگے اور قاضی جبراً اس بیع کو فسخ کرائے (ت)

[1] الہدایہ کتاب البیوع باب الربٰو مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/۸۰

ثانیاً اس میں جہالت قدرِ ثمن لازم آئندہ اور خاصہ قمار ہے کہ بائع مشتری کے لئے ایک آئندہ نامعلوم صورت میں کہ خدا جانے کس طرح واقع ہوگی ہار جیت بدی گئی ہے اور قمار بنصِ قطعی قرآن حرام ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۶۴ نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس معاملہ میں کہ زید نے عمرو سے مبلغ عالعہ ر لے کر ایک اقرار نامہ بدیں مضمون تحریر کیا کہ (۱۴۰) چھٹے لکڑی پانچ اقساط میں دوں گا منجملہ ان کے صرف ۲۵ چھٹے لکڑی دی اور اقرار نامہ مذکور الصدر میں یہ شرط تحریر کی کہ اگر کسی جانب سے لین دین لکڑی میں انحراف ہو تو پانچ روپیہ فی چھٹہ ہرجہ لینے کا ایک دوسرے سے مستحق ہوگا، پس عمرو زید سے اس صورت سے ہرجہ تحریری لینے کا شرعاً مستحق ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں اگر لکڑی زید کے پاس اس وقت موجود نہ تھی تو یہ بیع حرام و باطل ہوئی، عمرو پر لازم ہے کہ یہ ۲۵ چھٹے بھی زید کو واپس دے اور زید پر لازم کہ پورے عالعہ ر عمرو کو پھیر دے اور اگر لکڑی موجود و معین بیچی اور پھر اس میں سے ۱۱۵ چھٹے مشتری کو نہ دی تو زید پر فرض ہے کہ اب دے دے اور اگر وہ لکڑی دوسری جگہ بیچ ڈالی ہے تو زید سخت گنہگار رہا اور عمرو اپنی لکڑی اس دوسرے مشتری سے واپس لے سکتا ہے اور اگر پتہ نہ چلے تو ۱۱۵ چھٹے کے جو دام بازار کے بھاؤ سے ہوئے عمرو زید سے لے، بہرحال ہرجہ لینے کا کسی صورت میں اختیار نہیں، نہ وہ شرطِ اقرار نامہ اصلاً قابلِ قبول۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۶۵ ۲۲ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کھالِ مُردہ کا بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ اور ہڈی بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض عالم کہتے ہیں جائز نہیں ہے اور بعض کہتے ہیں جائز ہے۔ بیّنوا توجروا

الجواب

کھال اگر پکا کر یا دھوپ میں سُکھا کر دباغت کر لی جائے تو بیچنا جائز ہے لطھارتہ و حل الانتفاع (بسبب اس کی طہارت کے اور حلال ہونے اس سے نفع حاصل کرنے کے۔ ت) ورنہ حرام و باطل ہے لانہ جزء میتۃ و بیع المیتۃ باطل (اس لئے کہ وہ مردار کی جزء ہے اور مردار کی بیع باطل ہے۔ ت) ہڈی پر اگر دسومت نہ ہو خشک ہو تو اس کی بیع بھی جائز ہے لما تقدم

لان الحیاۃ لاتحلہ (اس وجہ سے جو پہلے گزر چکی ہے کیونکہ حیات اس میں سرایت نہیں کرتی۔ت) اور ان احکام سے خنزیر مستثنٰی ہے اس کی کھال یا ہڈی کسی حال میں اصلاً خرید و فروخت یا کسی قسم کے انتفاع کے قابل نہیں لنجاسۃ عینہا (اس کے نجس عین ہونے کی وجہ سے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۶۶ مرسلہ محمد بشیر الدین طالبعلم مدرسہ امداد العلوم محلہ بانسمنڈی کانپور ۲۹ صفر ۱۳۳۰ھ

کوئی شخص زندہ گائے یا بکری وغیرہ کی کھال چھوڑ کر صرف گوشت خریدے ذبح کرنے کے بعد دس بارہ آدمی مل کر تقسیم کرکے کھائیں اس صورت میں بیع کیسی ہے؟ اور گوشت کھانا حلال ہے یا حرام؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

بیع فاسد ہے اور وہ کھانا حرام،

والوجہ ظاہر فھو کجذع فی سقف بل اشد قال فی الدر فی السراج لوسلم الصوف واللبن بعد العقد لم ینقلب صحیحا وکذا کل ما اتصالہ خلقی کجلد حیوان ونوی تمر وبزر بطیخ[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

اس کی وجہ ظاہر ہے تو وہ چھت میں لگی ہوئی شہتیر کی مانند ہے بلکہ اس سے بھی سخت تر۔ در میں فرمایا کہ سراج میں ہے اگر عقد کے بعد اُون اور دُودھ مشتری کو سونپ بھی دیا تب بھی بیع صحیح نہ ہوگی اور ایسے ہی ہے ہر وُہ چیز جس کا اتصال پیدائشی طور پر ہے جیسے حیوان کی کھال، کھجور کی گٹھلی اور تربوز کا بیج۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶۷ تا ۶۸ از جاورہ ملک مالوہ مسئولہ جناب سید مقبول عیسٰے صاحب ۱۴ جمادی الآخر ۱۳۱۰ھ

(۱) مسماۃ زینب سے زید نے اس شرط پر نکاح کیا اور ایک دستاویز کابین نامہ بھی اس مضمون کی لکھ دی کہ جو زینب کو بالعوض دین مہر مبلغ پچاس ہزار روپے اور دو اشرفی کے اپنے نکاح میں لایا ہوں اور بالعوض اس دین مہر کے جو وقطعہ مکانات نصف نصف حصّہ خود مع حدود اربعہ ہیں زینب کو دین مہر میں دے دیئے اور جو آئندہ جائداد منقولہ وغیر منقولہ میں اپنے قوتِ بازو سے پیدا کروں گا اس کی مالک بھی عوض اس دین مہر کے منکوحہ رہے گی اور بلشرط ناتفاقی جمیع جائداد منقولہ و

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳

غیر منقولہ کی مالک منکوحہ ہے اس جائداد میں میرا اور میرے خویش و اقارب کا کسی طرح سے دعوٰی نہ ہوگا' بعدازاں ایک مدت کے زید نے اور جائداد منقولہ و غیر منقولہ اپنے قوتِ بازو سے پیدا کی وُہ بھی جائداد منقولہ و غیر منقولہ بموجب شرائط کابین نامہ زینب کو دے کر نصف قبضہ کرادیا، اندریں صورت مالک جمیع جائداد کی زینب قرار پاسکتی ہے یا زید؟ اور جو شئے دین مہر میں اس صورت سے دے دیجائے کیا قبضہ لازم ہوگا اور بلا قبضہ ہو تو کیا حکم ہے؟

(۲) بعد دو چار برس کے منجملہ جائداد مذکورہ ایک مکان میں کرایہ دار رہتا تھا وہ مالک بن گیا' زید نے اپنے نام نالش کرکے قبضہ لیا اور زینب کو دیا یا نہ دیا اور دیگر شخص نے زید پر نالش کرکے اس مکان کو حراج کرایا اب اس مکان کی دعویدار زینب ہوئی اور زید کو اقرار ہے اندریں صورت اس مکان کی مالک زینب ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) دین مہر کے عوض دینا ہبہ بالعوض ہے اور ہبہ بالعوض اور بیع میں قبضہ شرط نہیں،

فی الدر المختار لو قال وھبتك بکذا فھو بیع ابتداء و انتہاء۔[1]

درمختار میں ہے کہ اگر کسی نے کہا میں اتنے کے بدلے تجھے ہبہ کیا ہے تو یہ ابتداءً اور انتہاءً بیع ہے۔(ت)

مگر یہ کابین نامہ جو زید نے لکھا اس میں دو قطعہ مکان بعوض دین مہر دئے ہیں اور یہ شرط کی ہے کہ آئندہ جو حاصل کرے وہ بھی بعوض دین مہر ملک زوجہ ہوا اور بحال نا اتفاقی تمام کمال کی مالک ہو، یہ دونوں شرطیں باطل ہیں، اس باطل کی بناء پر جو بعد کی جائداد زید نے زینب کو دی وُہ زینب کی ملک نہ ہوئی اگرچہ ہزار قبضہ کرادیا ہو فان المبنی علی الباطل باطل والباطل لاحکم لہ (اس لئے کہ جو باطل پر مبنی ہو وہ باطل ہوتا ہے اور باطل کا کوئی حکم نہیں۔ت) تو ان سب کا بدستور زید ہی مالک ہے، رہے وہ دو قطعہ مکان جو اول بعوض مہر دئے وہ بوجہ شرط فاسد بیع فاسد ہے، زید و زینب پر واجب ہے کہ اس بیع کو فسخ کریں مکان زید کو واپس دئے جائیں' مہر زینب کا ذمہ دار زید رہے جبکہ وُہ مکان قبضہ و ملک زینب میں ہنوز موجود ہیں، اور اگر زینب ان کو کسی اور کے ہاتھ بیع صحیح یا ہبہ یا وقف یا وصیت یا رہن کر چکی تو اب مکانوں کی واپسی نہ ہوگی

---

[1] درمختار کتاب الھبہ باب الرجوع فی الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۶۴

مگر مہر میں سے اتنا ہی ساقط ہو جتنے کی مالیت وہ مکان بر نرخ بازار ہوں باقی مہر ذمہ زید رہا۔

(۲) اگر وہ مکان بعد کی جائداد میں تھا جب تو ظاہر ہے کہ زینب اس کی مالکہ ہی نہ تھی، زید کا اقرار اپنے اسی شرط باطل کی بنا پر ہے اور باطل کی بنا پر جو اقرار ہو باطل ہے کما فی الاشباہ والدر وغیرھما (جیسا کہ اشباہ اور درّ وغیرہ میں ہے۔ ت) اور اگر وہ ان دونوں مکانوں میں سے تھا جو وقت نکاح مہر میں دیئے تو ہم بیان کرچکے کہ وہ بیع فاسد واجب الفسخ تھی اور زینب کا اسے کرایہ پر دینا مانع فسخ تھا

فی الدرالمختار ان باع المشتری فاسدا بیعا صحیحا باتا لغیر بائعہ او وھبہ وسلم، او وقفہ وقفا صحیحا او رھنہ او وصی او تصدق بہ نفذ البیع الفاسد فی جمیع ما مر وامتنع الفسخ لتعلق حق العبد بہ، وکذا کل تصرف قولی غیر اجارۃ ونکاح[1] (ملتقطا)

درمختار میں ہے اگر بیع فاسد کے مشتری نے مبیع فاسد کو غیر بائع کے ہاتھ بیع صحیح تام کے ساتھ فروخت کردیا یا ہبہ کرکے قبضہ دے دیا یا وقف صحیح کے ساتھ وقف کردیا یا اس کو کسی کے پاس رہن رکھ دیا یا کسی کے لئے اس مبیع فاسد کی وصیت کردی یا صدقہ کردیا تو ان تمام تصرفات مذکورہ میں وہ بیع فاسد نافذ ہوجائے گی اور فسخ ممتنع ہوجائے گا بسبب حق عبد کے اس کے ساتھ متعلق ہونے کے، اور یہی حکم ہے تمام تصرفات قولی کا سوائے اجارہ اور نکاح کے (ملتقطاً)۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لان الاجارۃ تفسخ بالاعذار ورفع الفساد من الاعذار[2]

اس لئے کہ اجارہ عذروں کی وجہ سے فسخ ہوجاتا ہے اور رفع فساد بھی عذروں میں سے ایک عذر ہے۔ (ت)

اب کہ زید نے اسے اپنی ملک ٹھہرا کر دعوٰی کیا اور ڈگری پائی، یہ اس بیع فاسد کا فسخ ہوگیا مکان زید کو واپس آگیا اور زینب کا مہر اس پر رہا پھر زید کا اسے دے دینا اگر وہی بربنائے سابق ہو جب تو باطل و بے سُود ہے اور اب قبضہ زینب سے بھی ملک زینب نہ ہوگی کہ اس وقت تک بیع فاسد تھی اب بعد فسخ باطل ہوگئی، ہاں اگر اس بنا پر نہ ہو بلکہ اپنی طرف سے ہبہ مستقل کرکے زینب کو قابض کردیا ہو تو زینب مالک ہوگئی جبکہ وہ نصف قطعہ مشاع نہ ہو، واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۹-۲۸

[2] ردالمحتار " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲۷

مسئلہ ۶۹ از سرنیاں ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۲ رجب ۱۳۳۱ھ

عمرو کی مسجد میں یہ قاعدہ ہے کہ جو درخت مسجد میں ہیں ان کی سوکھی لکڑی گری ہوئی کمھار ہمیشہ خرچ میں لاتا ہے، ہمیشہ کے لئے لوٹے گھڑے کمھار مسجد کے خرچ کو دیتا ہے۔

الجواب

یہ عقد بوجہ مجہول ہونے کے ناجائز ہے، نہیں معلوم کتنی لکڑی گرے گی، نہیں معلوم کتنے لوٹوں کی حاجت ہوگی۔ ہاں اگر یوں ہو کہ اتنی لکڑی کے عوض اتنے لوٹے، تو جائز ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۷۰ مسئولہ حافظ محمد امین صاحب از قصبہ نجیب آباد ضلع بجنور محلہ پٹھان ۲۵ محرم ۱۳۳۲ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کوئی شخص کسی کا مال چوری کرکے لایا اور اس نے اس مال کو فروخت کرنا چاہا تو جس شخص کو معلوم ہو چکا ہے کہ یہ مال چوری کا ہے پھر بھی اس کو خریدتا ہے تو اس کے لئے وہ خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جو شخص لاعلمی میں ایسا مال مسروقہ خرید لے تو کیا حکم ہے؟ اور بعد خرید لینے کے معلوم ہو جائے کہ یہ مال چوری کا تھا جب کیا حکم ہے؟

(۲) ایک شخص پندرہ بیس برس سے کسی محکمہ میں ملازم ہے اور وہ نوکری کا استعفاء دے کر حج بیت اللہ شریف کو جاتا ہے، دوسرا شخص یہ چاہتا ہے کہ تم استعفاء مت دو بلکہ بذریعہ درخواست بجائے اپنے مجھ کو قائم کر دو اور مجھ سے پچاس روپیہ لے لو، تو یہ روپیہ لینا سابقہ ملازم کے واسطے درست ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) چوری کا مال دانستہ خریدنا حرام ہے بلکہ اگر معلوم نہ ہو مظنون ہو جب بھی حرام ہے مثلاً کوئی جاہل شخص کہ اس کے مورثین بھی جاہل تھے کوئی علمی کتاب بیچنے کو لائے اور اپنی ملک بتائے اس کے خریدنے کی اجازت نہیں اور اگر نہ معلوم ہے نہ کوئی واضح قرینہ تو خریداری جائز ہے، پھر اگر ثابت ہو جائے کہ یہ چوری کا مال ہے تو اس کا استعمال حرام ہے بلکہ مالک کو دیا جائے اور وہ نہ ہو تو اس کے وارثوں کو، اور ان کا بھی پتہ نہ چل سکے تو فقراء کو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) یہ مسئلہ بہت مشتبہ ہے اور اختلاف کثیر ہیں اور نظائر متشابہ ہیں اور احتراز اولیٰ ہے، انظر رد المحتار من اول البیوع (ردالمحتار میں کتاب البیوع کے شروع میں دیکھئے۔ ت) واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۷ ازقصبہ نہٹور ضلع بجنور محلہ سادات مرسلہ سید شاہد حسین انسپکٹر پنشنر ۲۹ محرم ۱۳۳۲ھ

جناب عالی! نہایت ادب سے گزارش ہے کہ میں نے ایک مولوی صاحب سے ذریعہ تحریر بابت پرامیسری نوٹ ۵ مسئلے دریافت کئے تو یہ جواب آیا جو ملاحظہ کے لئے ارسال کرتا ہوں اور نہٹور کے مدرسہ اسلامیہ کے حامد حسین مولوی صاحب سے دریافت کیا تو فرمایا کہ ہدایہ کتاب الزکوٰۃ میں تحریر ہے کہ جو روپیہ ملک میں ہو یا کسی کو امانت یا قرض دے رکھا ہو اور اس کے ملنے کی امید ہو چاہے مدیون مقر ہو یا مفلس یا منکر، مگر منکر کی صورت میں داین کے پاس اپنے قرض کی پکّی سند ہو مثلاً معتبر گواہ یا مدیون کا اقرار نامہ ہو تو ایسے قرض کی زکوٰۃ مالک کے ذمہ واجب ہے، مالک روپیہ مذکور مدیون یا امانت دار سے لے کر قبضہ کرے یا نہ کرے، اب عرض یہ ہے کہ پرامیسری نوٹ کا روپیہ مردہ نہیں ہے البتہ اس قدر ضرور بے قابو ہے کہ ضرورت کے وقت مالک کو نہیں مل سکتا جب گورنمنٹ کے اعلان پر کوئی جدید خریدار پیدا ہو اس وقت روپیہ مالک کو مل جائے گا اب اس کے واسطے جس قدر زمانہ گزرے یہ قاعدہ گویا ایسا ہے جیسے کہ کسی کارخانہ یا کمپنی میں حصے فروخت ہوں اور کوئی شخص اول حصہ جات کو خرید لے اب اگر حصہ دار اپنا روپیہ کارخانہ یا کمپنی سے واپس لینا چاہے تو اس کو اس وقت تک روپیہ نہیں مل سکتا جب تک کہ ان حصوں کا خریدار پیدا نہ ہو خواہ کسی قدر زمانہ گزر جائے البتہ منافع مقررہ ملتا رہے گا اب براہِ کرم و بندہ نوازی کے جواب شافی مرحمت فرمایئے ۶ پائی کا ٹکٹ جواب کے لئے ارسال ہے بحث صرف پرامیسری نوٹ کی بابت ہے سیونگ بنک کا جواب نہیں چاہتا، زیادہ حد ادب!

حاضر الوقت حسین احمد دست بستہ سلام عرض کرتا ہے، یہ سید صاحب بہت ہی کشش و پیچ میں مبتلا ہیں ان کی تسلّی فرما دیجئے گا از راہِ کرم، فقط۔

الجواب

پرامیسری نوٹ کا روپیہ گورنمنٹ کبھی واپس نہیں دیتی ہے خریدار پیدا ہونے پر اگر یہ بیع کرے گا تو خریدار سے روپیہ لے گا گورنمنٹ کے یہاں سُود دینے کے لئے اس کے نام کی جگہ خریدار کا نام قائم ہو جائیگا، یہ اس قرض کا واپس ملنا نہ ہُوا، قرض ملتا تو گورنمنٹ سے ملتا نہ کہ خریدار سے، تو وہ قرض یقیناً مُردہ ہے، اور یہ کہ ملتا ہے غیر مدیون کے ہاتھ دین کی بیع سے ملتا ہے وہ بیع ناجائز و فاسد و حرام ہے مگر جبکہ خریدار کو مدیون سے اس کا قبضہ لینے پر مسلط کر دے۔ اشباہ میں ہے،

لایجوز بیع الدین ممن لیس علیہ الدین الا اذا سلطہ	غیر مدیون کے ہاتھ دین فروخت کرنا جائز نہیں مگر اس وقت جائز ہے جب اس کو

علیٰ قبضۃ[۱]   قبضہ پر مسلط کرے۔ (ت)

اور یہاں قبضہ پر مسلط کرنا ممکن ہے کہ سُو خریدار بدلیں گورنمنٹ وہ روپیہ کسی کو نہ دے گی سُود دیتی رہے گی، تو یہ روپیہ قطعاً اجماعاً حرام محض بیچنا حرام روپیہ لینا حرام، اور لے لیا ہو تو واپس دینا فرض ہے، پھر اس روپیہ سے کون سے انتفاع کا امکان ہوا، اور یہی معنیٰ قرض مردہ کے ہوں کہ ملک ہوا اور انتفاع پر قدرت نہ ہو، لہذا حکم وہی ہے جو فتوٰی اول میں لکھا گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۴۳ از ریاست رامپور محلہ گھیر پورن سنگھ متصل قبرستان مسجد ۱۲ مرسلہ محمد عبدالقادر صفر ۱۳۳۲ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالیٰ فی ھٰذہٖ المسئلۃ (اس مسئلہ کے بارے میں تمہارا کیا ارشاد ہے اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے۔ ت) زید نے نو آنے قیمت کے ایک ٹکٹ ۹ر آنے سے لے کر سرکار میں داخل کیا، بعد ازاں سرکار نے اسی زید سے سوا روپیہ لے کر اس کو چار ٹکٹ اور دے دئے، بعد اس کے زید نے وہی چار ٹکٹ وہی سوا روپیہ بیچ کر پھر سرکار میں داخل کیا، بعد روپیہ داخل کرنے کے سرکار نے اسی روپیہ کے دونی قیمت کا ایک کپڑا زید کو دے دیا اب یہ معاملہ مطابق شرح شریعت کے جائز ہے یا نہیں، اور اس کپڑا سے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا بالدلائل وحوالۃ الکتب (دلائل و حوالہ کتب کے ساتھ بیان کرو اجر دئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب

یہ صورت شرعاً باطل و ناجائز ہے کہ وہ ٹکٹ جو اس کے ہاتھ بیچا جاتا ہے اور یہ دوسروں کے ہاتھ بیچتا ہے اصلاً مال نہیں تو رکن بیع کہ مبادلۃ المال بالمال ہے اس میں متحقق نہیں اس کی حالت مٹی سے بھی بدتر ہے مٹی پھر بھی کام آتی ہے اور یہ کسی مصرف کا نہیں سوائے اس کے کہ احمق پہلے اپنا گلا پھانسے پھر اس کے چھڑانے کو اپنے سے چار احمق اور تلاش کرے اور ان میں ہر ایک کو چار چار ڈھونڈنا پڑیں اور یہ سلسلہ بڑھتا رہے یا بعض احمقوں کے خسارہ پر ختم ہو جائے، ہاں وہ کپڑا کہ اُسے ملا وہ معاوضہ نہیں ہوتا بلکہ بطورِ انعام دیا جاتا ہے تو وہ فی نفسہٖ اس کے لئے جائز اور اس سے نماز درست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۴۴ مسئولہ محمد سلیمان شاہجہان پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ اس شہر میں جس قدر افتادہ

---

[۱] الاشباہ والنظائر   الفن الثانی   ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی   ۲/ ۴۱

[۱] الاشباہ والنظائر   الفن الثالث   " " "   ۲/ ۲۱۳

زمین مکانات سے باہر گلیوں کوچوں میں ہے سب سرکار نے ضبط کرلی ہے پبلک کو مکان بنانا دیوار بنانی منع کردیا ہے، اب اگر دوسرا پڑوسی زمین مقبوضہ کو سرکار سے خرید کر مکان بنالے، جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اگر وُہ افتادہ زمین غیر مملوکہ تھی جسے شرع میں "عادی الارض" عرفِ حال میں "سرکاری زمین" کہتے ہیں تو خریدنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۷۵: از اودے پور میواڑ مہارانا ہائی اسکول مسئولہ وزیر احمد مدرس

مسلمان کو ہندو مردہ جلانے کے لئے لکڑیاں بیچنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

لکڑیاں بیچنے میں حرج نہیں لان المعصیۃ لا تقوم بعینھا (کیونکہ معصیت اس کے عین کے ساتھ قائم نہیں ہوتی۔ ت) مگر جلانے میں اعانت کی نیّت نہ کرے اپنا ایک مال بیچے اور دام لے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۷۶: از شہر محلہ سوداگران مسئولہ حافظ مولوی محمد حشمت علی صاحب رضوی مدرسہ منظر اسلام ۱۵ صفر ۱۳۳۹ھ

الی اعلیحضرت سیدنا وسید اھل السنۃ والجماعۃ مجدد المائۃ الحاضرۃ مدظلھم الاقدس السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ بعد لثم عتبتکم القدسیۃ ما تقول الشریعۃ الحنفیۃ الحنفاء فی ھذہ المسئلۃ ھل یجوز صبایعۃ الحشیش الذی یقال لہ فی الھندیۃ بھنگ۔

بخدمت جناب اعلیحضرت، ہمارے اور اہلسنت وجماعت کے سردار، موجودہ صدی کے مجدد، جناب کا سایہ مقدس دراز ہو، آپ پر سلام اور اللہ کی رحمت وبرکت ہو، جناب والا کی پاکیزہ چوکھٹ کے بوسہ کے بعد گزارش ہے کہ شریعتِ مطہرہ حنفیہ اس مسئلہ میں کیا فرماتی ہے کہ کیا حشیش جس کو ہندی میں بھنگ کہا جاتا ہے، کی بیع جائز ہے؟

الجواب

یجوز للدواء وان ظن انہ یتعاطاہ للتفتیر لا یحل البیع منہ

دوا کے لئے جائز ہے اور اگر گمانِ غالب ہو کہ وہ اس کو نشہ کے لئے استعمال کرے گا تو ایسے

لقیام المعصیۃ بہ بعینہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔
شخص کے ہاتھ بیع کرنا حلال نہیں کیونکہ معصیت بعینہ اس کے ساتھ قائم ہوتی ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ از ریاست رام پور یکم ذی القعدہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی حقیت اپنی زوجہ کے نام بعوض دس ہزار روپے اور حقوق زوجیت بیع قطعی کی جائداد پر عورت کا قبضہ ہے اور عاقدین میں کوئی نزاع نہیں شخص ثالث جو بائع کا ڈگری دار ہے اس بیع کو کالعدم قرار دیتا ہے کچہری سے تجویز ہوجانے پر جزو ثمن یعنی حقوق زوجیت ثمن ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتے لہذا بیع باطل ہے۔ سوال یہ ہے کہ حقوق زوجیت نان نفقہ قرار پاکر بھی مال ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ ایسی بیع باطل ہے یا صحیح یا فاسد؟ اور اگر کوئی بیع ایسی دو چیزوں کے معاوضہ میں ہو جن میں سے ایک پاک نہ ہوسکتی ہو تو بقیہ جز کے اعتبار سے بیع صحیح ہوسکتی ہے؟

الجواب

حقوق زوجیت کہ ثمن قرار دیے گئے مال ہیں یعنی مہر و نفقہ و کسوت۔ درمختار میں ہے:

یسقط الخلع کل حق یتعلق بذلک النکاح[1]
خلع ہر ایسے حق کو ساقط کردیتا ہے جو اس نکاح سے متعلق ہوتا ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

شمل المھر والنفقۃ المفروضۃ و الماضیۃ والکسوۃ کذلک[2]
یہ حکم شامل ہے مہر، نفقہ مقررہ، نفقہ گزشتہ اور اسی طرح لباس کو۔ (ت)

تو اس بیع کے انعقاد میں شک نہیں، پھر اگر حقوق ثابتہ معلومہ ہیں تو بیع صحیح ہے اور اگر یہ مراد ہو کہ آئندہ نفقہ سے بھی اس کے عوض برا ءت ہو تو بیع فاسد ہے لانہ شرط فاسد فیہ نفع احد العاقدین فیفسد البیع (کیونکہ یہ شرطِ فاسد ہے جس میں متعاقدین یعنی بائع و مشتری میں سے ایک کا نفع ہے لہذا بیع فاسد ہوگی۔ ت) اور بیع فاسد میں بھی بعد قبضہ ملک مشتری ثابت ہوجاتی ہے اگرچہ ملک خبیث ہے کما نصوا علیہ قاطبۃ (جیسا کہ اس پر تمام فقہاء نے نص کی ہے۔ ت) دوسرے سوال کو یہاں سے تعلق نہ رہا کہ حقوق زوجیت مال ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] درمختار کتاب الطلاق باب الخلع مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۴۷

[2] ردالمحتار 〃 〃 داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۵۶۵

مسئلہ از دھامن گاؤں ضلع امراوتی، برآمعرفت حاجی محمد عثمان ٹمبر مرچنٹ
مسئولہ ضیاء الدین ۱۱ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ دو شخص آپس میں سودا کرتے ہیں مثلاً ایک دوسرے سے ایک قسم کی لکڑی خریدتا ہے کہ اس وقت اس لکڑی کی قیمت فی عدد تین روپے ہے، اب دونوں میں یہ شرط ٹھہری ہے کہ فلاں تاریخ اس قسم کی لکڑی کی سو عدد ہونا اگر اس قیمت معین پر لکڑی نہ دے گا تو اس وقت کے بھاؤ کے موافق روپیہ لے لوں گا مہنگا ہو یا سستا، اور بیچنے والا بھی راضی ہو کر قبول کرلیتا ہے اور لکڑی کے سب دام پہلے سے لے لیتا ہے اس بیع پر شرع مطہر کا کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

یہ بیع حرام ہے کہ نرخ وقت کے حساب سے روپیہ لے لینے کی شرط بوجہ جہالت شرط فاسد ہے اور شرط فاسد سے بیع فاسد ہوتی ہے اور بیع فاسد حرام ومثلِ ربٰو ہے کما فی الدر المختار وغیرہ (جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۷۹: از چوک لکھنؤ مدرسہ فرقانیہ مرسلہ حافظ شیخ اکرام الدین رضوی ۲۷ جمادی الاولٰی ۱۳۳۹ھ

چہ میفرمایند علمائے دین درصحت بیع افیون و بنگ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین افیون اور بھنگ کی صحت کے بارے میں؟ (ت)

الجواب

صحت چیزے دیگرست وجواز بمعنی حل دیگر اینہا اگرچہ تاحد سکر حرام است فاما ہچو خمر و خنزیر از تقوم بر نیفتادہ است وچوں بیع بر مال متقوم مقدور التسلیم وارد شود صحیح بود گو حرام باشد پس صحت دربنہا مطلق ست وگر برائے تداوی از بیرون بدن می خواہد جواز بمعنی حل نیز باشد وگر برائے معصیت میخواہد روا نیست قال تعالٰی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان[1]، واللہ

صحت اور چیز ہے اور جواز بمعنی حل دوسری چیز، مذکورہ اشیاء یعنی افیون اور بھنگ جب نشہ کی حد تک پہنچ جائیں تو اگرچہ حرام ہیں مگر متقوم ہونے سے خارج نہیں ہوتیں جیسے شراب اور خنزیر متقوم ہونے سے خارج ہوتے ہیں تو بیع مالِ متقوم مقدور التسلیم پر وارد ہو تو صحیح ہوتی ہے اگرچہ حرام ہو لہذا صحت تو ان میں مطلق ہے اور اگر بیرون بدن ان سے علاج معالجہ مطلوب ہو تو جواز بمعنی حل بھی ہوگا اور اگر معصیت کے لئے ان کی

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۲

تعالیٰ اعلم۔ بیع مطلوب ہو تو جائز نہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا گناہ اور ظلم پر تعاون مت کرو۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ از ضلع سلہبور موضع سگو ڈاکئی نہ سگو، مولوی محمد حیات بروز یکشنبہ ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ
علمائے دین ومفتیانِ شرع متین کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں جو کہ جانور حلال مرجائے اس کو مسلمان بکری کرکے اپنی ضرورت پوری کرنی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

جو جانور مردار ہو گیا بغیر ذبح شرعی کے مرگیا اس کا بیچنا حرام ہے اور اس کے دام حرام۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ مسئولہ عبدالرحیم وخدابخش بریلی محلہ اعظم نگر ۱۵ جمادی الاول ۱۳۳۴ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک قبرستان جو ایک مدت سے ہندوؤں کے قبضے میں تھا، حکیم مظاہرالاسلام کے والد نے اس کو بکوشش اہل محلہ کچہری کے ذریعہ سے ہندوؤں سے واپس لیا بعد مرگ مظاہرالاسلام رحیم بخش بہشتی نے بہت کم قیمت کو زوجہ مظاہرالاسلام نے خرید لیا اور ایک بیعنامہ موروثی زمین قرار دے کر لکھا لیا کسی اہل محلہ کو معلوم بھی نہ ہوا رحیم بخش جانتا تھا کہ قبرستان ہے مگر نفع کے خیال سے خرید لیا۔ آیا یہ خرید وفروخت قبرستان جائز ہے یا حرام؟ اور اہل محلہ اس قبرستان کو رحیم بخش کے ہاتھ سے قیمت دے کر چھڑائیں یا بغیر قیمت، اور اگر نہ چھڑائیں تو شرعی مواخذہ وپکڑ ہے یا نہیں، اور رحیم بخش کو اصلی قیمت لینا چاہئے یا جو بیعنامہ میں لکھی ہے یا زیادہ، اور اگر قیمت لیں تو مواخذہ شرعی ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

رحیم بخش پر فرض ہے کہ قبرستان کو فوراً فوراً بلاقیمت چھوڑ دے، اگر نہ چھوڑے گا تو روزِ قیامت اس کا عذاب یہ ہے کہ اُسے تکلیف دی جائے گی کہ زمین کا اتنا ٹکڑا ساتوں طبقوں تک کھود دے اور پھر وہ کروڑہا کروڑ من پہاڑ اس کے گلے میں طوق ڈالے جائیں، اس پر اگر ایک کوڑی قیمت لے گا تو اس کے لئے جہنم کی آگ ہے۔ اہل محلہ پر فرض ہے کہ ہر جائز کوشش سے قبرستان کو بلاقیمت اس کے قبضۂ ظلم سے چھڑائیں، اگر مجبور ہوں اور بے قیمت نہ چھوٹ سکے تو بہ قیمت دے سکتے ہیں، مگر اس کا لینا اسے سور کی مثل ہوگا خواہ اصلی لے یا بیعنامہ کی کم یا زیادہ ہر طرح حرام قطعی ہے، ہاں اس نے جو قیمت زوجہ مظاہرالاسلام کو دی وہ اس عورت پر حرام قطعی ہے وہ رحیم بخش کو واپس دے مگر رحیم بخش اس کی واپسی پر قبرستان کو روک نہیں سکتا اُسے فوراً بلاقیمت واگذاشت کرے خواہ اسے عورت سے واپس ملے یا

نہ ملے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۴۸: از سورت محلہ سید واڑہ سید عبدالقادر سید حسن واعظ بروز دوشنبہ بتاریخ ۶ صفر المظفر ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسئلوں میں کہ ایک قصبہ میں مسلمانوں میں دو فریق ہوگئے تھے اس پر سے شہر سورت میں سے دو تین شخص کو مذکورہ قصبہ والے لے گئے اور انھوں نے دونوں کو ایک جگہ جمع کیا اور جس کا قصور پایا ان سے کہا کہ تم مقابل فریق سے اپنا قصور معاف کراؤ تو انھوں نے مقابل فریق سے قصور کی معافی چاہی، بعد میں جو شخص سورت گئے تھے انھوں نے اپنے پیسے سے شیرینی منگوائی اور مجلس میں تقسیم کردی اس میں سے ایک شخص نے وہ شیرینی نہ لی اور کہا کہ تم بکری فروخت کرنے کے دلال ہو تو تمھارے مکان کا پانی، کھانا اور شیرینی چار مذہب میں حرام ہے، تو کہنے والا گنہگار ہے یا نہیں:

(۱) سورت میں لوگ اپنی بکری وکیلوں پر روانہ کرتے ہیں اس شرط پر کہ تم اس کو بیچو اور اس کی قیمت ہم کو پوری ادا کردو، نفع نقصان وکیل کے ذمہ ہے اور دلالی کا روپیہ فی صدی دو روپیہ لے لو، یہ درست ہے یا نہیں؟

(۲) ایسی کمائی ہو مسلمان کی تو اس کے گھر کا کھانا درست ہے یا نہیں؟

(۳) بے پڑھا فتوٰی دے دے کہ چار مذہب میں حرام، تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب

(۱) اس عبارت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ ایک قیمت معین کردیتے ہیں کہ اتنے دام ہم کو بھیج دو خواہ تم کم کو بیچو یا زیادہ کو، اور ان داموں میں سے دو روپیہ فیصدی اپنی دلالی کے لے لو، اگر یہی صورت ہے تو بلاشبہہ فریقین کو ناجائز ہے مؤکلوں کو بھی اور وکلاء کو بھی۔ ایسی صورت میں اس شخص کا اعتراض بیجا نہ تھا اگرچہ لفظ زائد کہے، واللہ تعالٰی اعلم

(۲) اس میں تفصیل بہت ہے اور اجمال یہ ہے جو سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا:

به ناخذ مالم نعرف شيئا حراما بعينه[1] هندية عن الذخيرة۔

ہم اسی کو لیتے ہیں جب تک کسی معین چیز کا حرام ہونا ہمیں معلوم نہ ہوجائے۔ ہندیہ بحوالہ ذخیرہ۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲

یعنی جب تک معلوم نہ ہو کہ یہ شے جو ہمارے پاس آئی خاص حرام ہے اس وقت تک اس کے کھانے پینے میں حرج نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۳) اس کا جواب اوپر گزرا کہ اگر صورت وہی تھی تو بلاشبہہ حرام ہے، بے پڑھے کو جو حکم شرعی سنا ہے بتحقیق معلوم ہے اس کے بیان میں حرج نہیں اگرچہ جرأت نہ کرنا ہی اس کے لئے بہتر ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۵: مسئولہ الہ داد خاں صاحب محرر مدرسہ اہلسنت بروز جمعہ بتاریخ ۱۲ ذی القعدہ ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنا مکان ایک ہزار روپیہ یا کچھ کم وبیش کا دوسو یا تین سو روپے میں عمرو کے ہاتھ فروخت کیا اور اسی وقت یا بعد کو عمرو سے ایک اقرار نامہ علٰحدہ لکھوالیا کہ دو برس یا چار برس یا پانچ برس میں یہ مکان میرے ہاتھ فروخت کردینا جس قیمت میں تجھ سے خریدا ہے، اور زید اس مکان میں خود رہا اور کچھ ماہواری باہم تصفیہ ہو کر زید نے مقرر کردیا، یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر عقد بیع میں یہ شرط نہ تھی عقد صحیح بروجہ شرعی خالی عن الشروط الفاسدہ تھا، نہ پہلے سے باہم یہ قرارداد ہوکر اسی بنا پر وہ بیع ہوسکتی تو بیع جائز ہے اور بائع کا بعد بیع اس میں مشتری سے کرایہ ٹھہرا کر کرایہ پر رہنا اور مشتری کو ماہوار مقرر شدہ دینا جائز ہے اور اگر عقد بیع میں یہ شرط کی یا بیع میں تو اس کا ذکر نہ تھا مگر پہلے سے باہم قرارداد ہوئی تھی کہ یوں بیع کرینگے اور یہ شرط ہوگی پھر اسی قرارداد پر یہ بیع کی تو ان دونوں صورتوں میں حرام ہے، ردالمحتار میں ہے:

اشار بقولہ بشرط الی انہ لابد من کونہ مقارنا للعقد لان الشرط الفاسد لو التحق بعد العقد قیل یلتحق عند ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ وقیل لا وھو الاصح کما فی جامع الفصولین (تنبیہ) فی جامع الفصولین ایضا لو شرطا شرطا فاسدا قبل العقد ثم عقدا

ماتن نے اپنے قول "بشرط" سے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ اس کا عقد سے مقترن ہونا ضروری ہے اس لئے کہ شرط فاسد اگر عقد کے بعد لگائی جائے تو ایک قول یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک عقد سے ملحق ہوتی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ ملحق نہیں ہوتی، اور یہی زیادہ صحیح ہے جیسا کہ جامع الفصولین میں ہے (تنبیہ) جامع الفصولین میں یہ بھی ہے کہ اگر بائع اور مشتری نے عقد سے قبل کوئی شرط

لم يبطل العقد اھ قلت ينبغي الفساد لو اتفقا على بناء العقد عليه كما صرحوا به في بيع الهزل، وقد سئل الخير الرملي عن رجلين تواضعا على بيع الوفاء قبل عقده وعقدا البيع خاليا عن الشرط فاجاب بانه صرح في الخلاصة والفيض والتاترخانية وغيرها بانه يكون على ما تواضعا[1] اھ (ملتقطا) ما في الشامي وكتبت على قوله يكون على ما تواضعا اذا تصادقا على ان العقد مبنى على تلك المواضعة كما قيد به في الخيرية والخلاصة **اقول** وهذا في القضاء اما في الديانة فاذا علم الله تعالٰى منهما البناء وعليها يكون وان تكاذبا من بعد[2]۔ والله تعالٰی اعلم۔

فاسد لگائی پھر عقد کیا تو وہ عقد باطل نہ ہوگا الخ میں کہتا ہوں کہ فاسد ہونا چاہئے اگر وہ دونوں اس پر متفق ہوں کہ عقد اسی شرط پر مبنی ہے جیسا کہ فقہاء نے بیع ہزل میں اس کی تصریح کی۔ خیرالدین رملی سے ان دو مردوں کے بارے میں سوال کیا گیا جنھوں نے عقد سے پہلے بیع وفاء پر قرارداد کی پھر اس شرط سے خالی عقد کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ خلاصہ، فیض اور تتارخانیہ وغیرہ میں تصریح کی گئی ہے کہ یہ بیع ان کی قرارداد پر مبنی ہوگی (شامی کے بیان کے آخر تک) میں نے شامی کے قول "علی ما تواضعا" پر لکھا کہ یہ حکم تب ہوگا جب وہ دونوں اس بات میں سچے ہوں کہ یہ عقد اس قرارداد پر مبنی ہے جیسا کہ خیریہ اور خلاصہ میں یہ قید لگائی گئی، میں کہتا ہوں کہ یہ حکم قضا میں ہے، رہا دیانت میں تو جب اللہ تعالٰی کے علم میں ہے کہ انھوں نے عقد کی بناء اس قرارداد پر کی ہے تو یہ عقد اسی پر مبنی ہوگا اگرچہ انھوں نے بعد میں جھوٹ کہا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۸۶: مسئولہ ننھے میاں صاحب شہر بریلی محلہ سوداگران از کرتولی بروز شنبہ بتاریخ ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

کھڑا کھیت خرید کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

کھیت اگر تیار ہوگیا اور ابھی کاٹ لیا جائے گا تو جائز ہے، اور اگر ابھی نہ پکا اور پکنے تک

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲۱-۱۲۰

[2] جدالممتار علی ردالمحتار

کھیتی قائم رکھی جائے گی، تو خرید و فروخت ناجائز ہے بشرط ما فیہ نفع عاقد بلا قضیۃ العقد (اس چیز کی شرط لگانے کی وجہ سے جس میں کسی عاقد کا نفع ہے اور عقد اس کا تقاضا نہیں کرتا۔ ت) اور اس کے جواز کا حیلہ یہ ہے کہ مثلاً کھیتی دو مہینہ میں پکتی سمجھے تو کھیتی فی الحال خرید لے اور اس کے باقی رکھنے کی شرط نہ کرے اور اسی وقت معاً وہ زمین جس میں کھیتی ہے اپنے کسی کام کے لئے دو مہینہ تک کو ایک معینہ کرایہ پر لے لے خریداری میں اس اجرت کا حساب دل میں سمجھ لے مثلاً بیس روپے قیمت کا کھیت ہے اور روپیہ مہینہ زمین کا کرایہ ہوگا اور دو مہینے کو کرایہ لینا ہوا تو اٹھارہ روپے کو کھیت خریدے اور دو روپے کو زمین کرایہ پر لے۔ درمختار میں ہے:

والحیلۃ فی الزرع والحشیش یشتری الموجود ببعض الثمن ویستاجر الارض مدۃ معلومۃ یعلم فیھا الادراک بباقی الثمن[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

کھیتی اور گھاس کے باقی رکھنے کا حیلہ یہ ہے کہ جو موجود ہو اس کو بعض ثمن کے مقابلہ میں خرید لے اور باقی ثمن کے عوض زمین کو ایک معینہ مدت کے لئے کرایہ پر لے لے جس میں کھیتی کا پکنا معلوم ہو، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ از کسیر کلاں ڈاکخانہ خاص ضلع بلند شہر مرسلہ احمد علی ولد حکیم محمد امیر ۱۵ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عوام میں قدیم سے یہ دستور رائج ہے کہ جب فصل انبہ یا خربوزہ وغیرہ کی فروخت کرتے ہیں تو قیمت کے سوا کچھ جنس لیتے ہیں جو ڈالی کے نام سے مشہور ہے، انبہ کی جنس فی روپیہ ایک صد آم، اور خربوزہ پر فی روپیہ ۵ سیر لینے کا معمول ہے۔ اور بعض اوقات جنس بقدر قول طے پاتی ہے اور اکثر بلا تعین وقت کے فصل کی فروختگی کا معمولی وقت پھول آنے یا پھل کے نمودار ہوجانے پر ہے، تو بایں صورت فصل انبہ وغیرہ کی بیع درست ہے یا نہیں اور جنس دستوری کا لینا اور اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو شرعاً وہ کیا فصل کی بیع کا طریقہ ہے کہ جس سے بیع بھی درست رہے اور جنس کا لینا بھی روا قرار پائے۔

الجواب

بیج یا پھول پر فصل کی بیع ناجائز ہے اور جب پھل آجائیں اگرچہ جانور کے کھانے کے قابل ہوئے ہوں تو بیع جائز ہے مگر یوں کہ خریدار اسی وقت توڑلے، اور اگر یہ ٹھہرا کہ پھل تیار ہونے تک

---

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی مایدخل فی البیع تبعاً مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹

لگے رہیں گے تو یہ ناجائز و حرام ہے اور اس میں اسے فی روپیہ سو آم یا پانچ سیر خربوزہ یا کم و بیش بائع کے لئے قرار دینا دوسرا حرام ہے ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ مثلاً آم میں جتنے کو بہار بیچی منظور ہو موجودہ پھل جس حالت کے ہیں اتنے کو خرید کئے جائیں پھر مشتری بائع سے کہے کہ میں نے یہ پیڑ بعقد معاملہ تجھ سے لئے کہ میں ان کی غور پرداخت کروں گا اور جو پھل پیدا ہوں گے ان میں سے ہر ہزار میں ایک تیرا اور نوسو ننانوے میرے یا سو تیرے اور نو سو میرے، جو قرار پا جائے۔ خربوزے، تربوز، ککڑی، بیگن کی جڑیں خریدے تاکہ جو پیدا ہووے مشتری کی ملک ہو یہ خریداری ایک حصہ ثمن پر ہو جتنے پر بہار بیچنا اور خریدنا چاہتے ہوں باقی حصہ ثمن پر اس زمین کو ایک مدت معلوم تک اجارہ پر لے جس میں یہ سمجھے کہ فصل فارغ ہو جائے گی یہی طریقہ کھیتی میں بھی ہے مثلاً سو روپے پر معاملہ کرنا چاہتے ہیں تو خربوزے وغیرہ کی جڑیں یا موجود کھیتی پچاس روپے کو خریدے اور چھ مہینے میں فارغ ہوتی سمجھیں تو باقی پچاس روپے کے بدلے وہ زمین چھ مہینے کے واسطے اجارہ پر لے لے۔ درمختار میں ہے:

من باع ثمرة بارزة اما قبل الظهور فلا یصح اتفاقا فظهر صلاحها اولا صح فی الاصح، ولو برز بعضها دون بعض لایصح فی ظاهر المذهب وصححه السرخسی، ویقطعها المشتری فی الحال جبرا علیه وان شرط ترکها علی الاشجار فسد البیع، والحیلة ان یاخذ الشجرة معاملة علی ان له جزء من الف جزء وان یشتری اصول الرطبة کالباذنجان و اشجار البطیخ والخیار لیکون الحادث للمشتری وفی الزرع والحشیش یشتری الموجود ببعض الثمن ویستاجر الارض مدة معلومة یعلم فیها الادراک بباقی الثمن[1] مختصرا، واللہ تعالٰی اعلم

جس شخص نے نمودار پھل بیچا ہے اسکی صلاحیت ظاہر ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو تو اصح قول کے مطابق صحیح ہے اور اگر نمودار ہونے سے قبل پھل بیچا تو بالاتفاق صحیح نہیں، اور اگر کچھ پھل نمودار ہوا اور کچھ ابھی نمودار نہیں ہوا تو ظاہر مذہب میں بیع صحیح نہیں سرخسی نے اس کو صحیح قرار دیا اور بیع کے بعد مشتری پھلوں کو فی الحال قطع کرے اس سلسلہ میں اس پر جبر کیا جائے گا اور اگر اس نے پھلوں کو درختوں پر چھوڑنے کی شرط لگائی تو بیع فاسد ہوگی اور اس میں حیلہ یہ ہے کہ مشتری بائع سے درخت بطور معاملہ لے کر ہزار میں سے ایک جزء بائع کی ہوگی اور یہ کہ بینگن، تربوز اور ککڑی کی جڑیں خریدے تاکہ نئے پیدا ہونے والے پھل مشتری کی ملک ہوں اور کھیتی اور گھاس میں موجود

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی مایدخل فی البیع تبعاً مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹

بعض ثمن کے بدلے خرید لے اور باقی ثمن کے بدلے زمین کو مدت معینہ کے لئے کرایہ پر لے لے جس مدت میں کھیتی کا پکنا معلوم ہو۔ (ت)

مسئلہ از کانپور مسجد جامع مرسلہ محمد ادریس صاحب پرتاب گڈھی ۲۹ ذی القعدہ ۱۳۳۶ھ

پس از سلام مسنون حضرت سید ولد آدم و سید الانس والجان (روحی فداہ) معروض خدمت والا ہے کہ خادم کو چند مسائل کے متعلق جناب سے استفسار مقصود ہے۔ زید نے اپنے مکان کو عمرو سے بیع کیا اور قیمت کے متعلق یہ قرار دیا کہ جو بکر قرار دے وہی قیمت ہے یعنی بیع تو اس وقت کی اور قیمت کی تقدیر و تعیین بکر کی رائے پر موقوف کر دی یہ بیع صحیح ہوئی یا فاسد، پھر جبکہ بکر نے تخمیناً تین ماہ کے بعد قیمت معین کی تو بصورت فساد وہ فساد اُٹھ گیا یا نہیں، اور کون سا فساد بعد رفع علت فساد اٹھ جاتا ہے اور فساد کے صلب عقد میں ہونے کا کیا معنٰی ہے، اور تقرر بیع کی کیا صورتیں ہیں، امید کہ حضرتِ والا ان امور سے ضرور بالتفصیل مع حوالہ کتاب آگاہ فرمائیں گے۔ بیّنوا توجروا

الجواب

یہ بیع فاسد ہے۔ عالمگیریہ میں ہے:

اما شرائط الصحۃ فمنہا ان یکون المبیع معلوما والثمن معلوما علما یمنع من المنازعۃ فبیع المجہول جہالۃ تفضی الیہا غیر صحیح کبیع شاۃ من ھذا القطیع وبیع الشیئ بقیمتہ وبحکم فلان[1]

بیع کے صحیح ہونے کی شرطوں میں سے یہ ہے کہ مبیع معلوم ہو اور ثمن معلوم ہو اس طور پر کہ جھگڑا نہ پیدا ہو چنانچہ ایسی مجہول چیز کی بیع صحیح نہیں جس سے جھگڑا پیدا ہو، جیسے کہا جائے کہ اس گلہ میں سے ایک بکری کی بیع یا اس شَے کی بیع اس کی قیمت کے ساتھ یا فلاں کے فیصلے کے مطابق بیع۔ (ت)

بکر نے جبکہ تعیین ثمن انقضائے مجلس بیع کے بعد کی وہ فساد بالاجماع متقرر ہو گیا اب نہیں اٹھ سکتا جب تک یہ بیع فسخ نہ کی جائے۔ ردالمحتار میں ہے:

فی النہایۃ والفتح وغیرھما قال شمس الائمۃ الحلوانی وان علم بالرقم ف

نہایہ اور فتح وغیرہ میں ہے شمس الائمہ حلوانی نے فرمایا کہ اگرچہ مشتری کو مجلس کے اندر لکھی ہوئی

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۳

المجلس لاینقلب ذٰلك العقد جائزا ولکن ان کان البائع دائما علی الرضا فرضی به المشتری ینعقد بینھا عقد بالتراضی اھ وعبر فی الفتح بالتعاطی والمراد واحد اھ[2]

قیمت معلوم ہوگئی ـــــــــ تو بھی عقد جائز نہیں ہوگا لیکن اگر بائع رضامندی پر قائم ہے اور مشتری بھی اس پر راضی ہوگیا تو دونوں کی باہمی رضامندی سے عقد ان کے درمیان منعقد ہوجائے گا الخ فتح میں اس کو تعاطی سے تعبیر کیا گیا اور مراد دونوں سے ایک ہی ہے اھ (ت)

اور لفظ فتح یہ ہیں :

وجوازہ اذا علم فی المجلس بعقد اٰخر ھو التعاطی کما قالہ الحلوانی اھ[2] اقول وھذا التعیین ان التعاطی بعد عقد فاسد اذا وقع فی المجلس لایحتاج الٰی سبقۃ متارکۃ ذٰلك الفاسد بخلافہ بعد المجلس الاتری الی تقییدہ بقولہ اذا علم فی المجلس والا فحصول البیع بعقد جدید لایتوقف علی کونہ فی المجلس الاول فقد حصل التوفیق وان استبعدہ الشامی واستظھر انھما روایتان اعنی اشتراط المتارکۃ فی التعاطی بعد الفاسد و عدمہ فافھم و باللہ التوفیق۔

مجلس میں معلوم ہوجانے پر اس کا جواز دوسرے عقد کے ساتھ ہے جو کہ تعاطی ہے جیسا کہ حلوانی نے فرمایا اھ میں کہتا ہوں یہ امر کی تعیین کے لئے ہے کہ بیشک تعاطی جب عقدِ فاسد کے بعد مجلس میں واقع ہو تو وہ پہلے اس عقد فاسد کے متارکہ کی محتاج نہیں ہوتی بخلاف مجلس کے بعد تعاطی کے، کیا تو نہیں دیکھتا کہ فتح نے اپنے اس قول کے ذریعے قید لگائی کہ "جب اس کو مجلس میں معلوم ہو" ورنہ عقد جدید کے ساتھ بیع کا حصول اس بات پر موقوف نہیں کہ وہ مجلس اول میں ہو تحقیق (مختلف عبارتوں میں) توفیق و تطبیق حاصل ہوگئی اگرچہ شامی نے اس کو بعید جانا اور احتیاط برتتے ہوئے کہا کہ بیشک یہ دو روایتیں ہیں یعنی عقد فاسد کے بعد تعاطی میں متارکہ کا شرط ہونا اور شرط نہ ہونا پس سمجھ اور توفیق اللہ تعالٰی ہی کی طرف سے ہے۔ (ت)

پھر شامی نے فرمایا :

وجزم بخلافہ فی الھندیۃ اٰخر باب

ہندیہ میں باب المرابحہ کے آخر میں اس کے خلاف

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲

[2] فتح القدیر " مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۷

المرابحة وذکران العلم فی المجلس یجعل کابتداء العقد ویصیر کتاخیر القبول الی اٰخر المجلس وبه جزم فی الفتح هناك ایضا[1] اھ۔

پر جزم کیا اور ذکر کیا کہ مجلس میں معلوم ہونے کو ابتداءِ عقد کی مانند بنایا جائے گا اور یہ آخر مجلس تک قبول کو مؤخر کرنے کی طرح ہو جائے گا اور یہاں پر فتح نے بھی اسی پر جزم کیا اھ

اقول اوّلاً لقد ابعد الحجۃ فقد قال فی الھدایۃ من باب خیار الشرط انه اسقط المفسد قبل تقررہ فیعود جائزا کما اذا باع بالرقم و اعلمه فی المجلس[2] اھ واقرہ الفتح و الشراح وقال فی الفتح صدر البیوع مما لایجوز البیع به البیع بقیمته او بما حل به او بما تریدہ او بما اشتراہ او بمثل ما اشتری فلان لایجوز فان علم المشتری بالقدر فی المجلس فرضیه عاد جائزا[3] اھ و قال فی البدائع لو قال بعت ھذا العبد بقیمته فالبیع فاسد لان قیمته تختلف باختلاف المقومین فکان الثمن مجھولا وکذا اذا باع بحکم المشتری او بحکم فلان

اقول (میں کہتا ہوں) **اوّلاً** علامہ شامی دلیل سے دُور ہو گئے تحقیق ہدایہ کے باب خیار الشرط میں فرمایا کہ بیشک بائع نے مفسد کو فساد کے مستحکم ہونے سے قبل ساقط کر دیا تو بیع جائز ہو گئی جیسا کہ کسی نے لکھی ہوئی قیمت پر بیع کی اور مجلس کے اندر مشتری کو وہ قیمت بتا دی اھ فتح اور شارحین نے اسے برقرار رکھا، فتح میں کتاب البیوع کے آغاز میں فرمایا جن چیزوں کے ساتھ بیع ناجائز ہے ان میں یہ ہے کہ کسی چیز کی بیع اسکی قیمت کے بدلے میں یا اس چیز کے بدلے جس سے بیع حلال ہو، یا بائع مشتری کو یہ کہے کہ جتنی قیمت تو چاہے اس کے بدلے میں بیچتا ہوں یا کہے جتنے پر اس نے خریدا ہے اس کے بدلے میں یا کہے جتنے پر فلاں نے خریدا اس کی مثل قیمت کے بدلے میں، تو ان تمام صورتوں میں بیع ناجائز ہے پھر اگر مشتری کو مجلس کے اندر قیمت کی مقدار معلوم ہوگئی اور وہ اس پر رضامند ہوا تو بیع جائز ہو جائے گی الخ بدائع نے فرمایا کہ اگر بائع نے کہا میں نے یہ غلام اس کی قیمت کے عوض بیچ

---

[1] رد المحتار کتاب البیوع دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲

[2] الہدایہ کتاب البیوع باب خیار الشرط مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۳۴

[3] فتح القدیر کتاب البیوع مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۶۷

لانه لایدری بماذا یحکم فلان وجہالۃ الثمن تمنع صحۃ البیع فاذا علم و رضی به جاز البیع لان الجہالۃ قد زالت فی المجلس وله حکم حالۃ العقد فصار کانه کان معلوما عند العقد وان لم یعلم به حتی افترقا تقرر الفساد[1] اھ مختصرا و فیہا ایضا لابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنه ان جملۃ الثمن مجہولۃ حالۃ العقد جہالۃ مفضیۃ الی المنازعۃ فتوجب فساد العقد وعندنا اذا ارتفعت فی المجلس ینقلب العقد الی الجواز لان المجلس وان طال فله حکم ساعۃ العقد[2] اھ و فیہا ایضا اذا اشتری ثوبا برقمه ولم یعلم المشتری رقمه حتی فسد البیع ثم

تو بیع فاسد ہے کیونکہ مختلف قیمت لگانے والوں کے اعتبار سے اس غلام کی قیمت مختلف ہوگی تو اس طرح ثمن مجہول ہوگا اسی طرح اگر غلام بیچا اس چیز کے بدلے میں جس کا فیصلہ مشتری یا فلاں شخص کرے گا تو بھی بیع فاسد ہوگی کیونکہ معلوم نہیں فلاں شخص کیا فیصلہ کریگا اور جہالتِ ثمن صحتِ بیع سے مانع ہے پھر جب مشتری کو ثمن کا علم ہوا اور وہ اس پر رضامند ہوگیا تو بیع جائز ہوجائے گی کیونکہ جہالت مجلس کے اندر ہی زائل ہوگئی اور اب اس کا حکم حالتِ عقد والا ہی ہوگا تو یہ ایسے ہی ہوگیا جیسے گویا کہ عقد کے وقت معلوم تھا اور اگر ثمن کا علم نہ ہوا یہاں تک کہ بائع اور مشتری متفرق ہوگئے تو فساد مستحکم ہوگیا اھ مختصرا۔ اور اسی میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا یہ قول بھی ہے کہ اگر حالت عقد میں تمام ثمن اس طرح مجہول ہوں کہ جہالت جھگڑے تک پہنچائے تو یہ فساد عقد کا موجب بنے گی اور ہمارے نزدیک جب مجلس کے اندر جہالت رفع ہوجائے تو عقد جواز کی طرف پلٹ آتا ہے کیونکہ مجلس اگرچہ طویل ہو اس کا حکم ساعت عقد والا ہی ہوتا ہے اھ اور اسی میں یہ بھی ہے کہ جب کسی نے لکھی ہوئی قیمت کے بدلے میں کپڑا خریدا اور مشتری کو اس لکھی ہوئی قیمت کا علم نہیں ہے حتی کہ بیع فاسد ہوئی پھر

---

[1] بدائع الصنائع کتاب البیوع فصل واما شرائط الصحۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/۱۵۸

[2] ″ ″ ″ ″ ۵/۱۵۹

علم رقمه فان علم قبل الافتراق واختار البيع جاز عندنا وان كان بعد الافتراق لايجوز بالاجماع اھ[1]۔

اسے لکھی ہوئی قیمت کا علم ہوا اگر تو یہ علم افتراق سے قبل ہوا اور اس نے بیع کو اختیار کرلیا تو ہمارے نزدیک بیع جائز ہوگئی اور اگر افتراق کے بعد اسے لکھی ہوئی قیمت کا علم ہُوا تو بالاتفاق بیع جائز نہیں ہوگی الخ۔

وثانیاً تتبعت جميع باب المرابحة من الهندية فلم ار فيها ماذكر من التعليل لافی النسخة المصرية ولافی الهندية وانما قال فيها اول باب المرابحة ان باعه بربح ده يازده لايجوز الا اذا علم الثمن فی المجلس فيجوز وله (ای للمشتری) الخيار فاذا اختار العقد يلزمه احد عشر استحسانا وكذا لوباعه تولية ولايعلم المشتری بكم يقوم عليه لايجوز الا اذا علم الثمن فی المجلس فيجوز وله الخيار هكذا فی محيط السرخسی اھ[2] وقال اٰخر الباب من ولی رجلا شيئا بما قام عليه ولم يعلم المشتری بكم قام عليه فسد البيع فان اعلمه البائع

وثانیاً میں نے ہندیہ کا تمام باب مرابحہ تلاش کیا تعلیل مذکورہ میں نے اس میں نہیں دیکھی نہ مصری نسخے میں اور نہ ہندی نسخے میں، ہاں بیشک اس کے اندر باب مرابحہ کے شروع میں یہ فرمایا اگر کسی نے دہ یازدہ یعنی دس کی چیز بطور نفع گیارہ کے بدلے میں فروخت کی تو جائز نہیں مگر جب مجلس میں ہی مشتری کو ثمن کا علم ہوگیا تو بیع جائز ہوگئی اور مشتری کو اختیار رہے اگر اس نے عقد کو اختیار کیا تو بطور استحسان اس پر گیارہ لازم ہوں گے یونہی اگر وہ چیز بطور تولیۃ بیچی اور مشتری نہیں جانتا کہ اسے کتنے میں پڑے گی تو بیع جائز نہیں مگر جب مجلس کے اندر اس کو ثمن معلوم ہوگئے تو جائز ہے اور مشتری کو اختیار ہوگا اسی طرح محیط سرخسی میں ہے اھ اور باب کے آخر میں کہا کہ جس شخص نے کسی مرد پر بطور تولیۃ کوئی شَی اتنے میں بیچی جتنے میں بائع کو پڑی اور مشتری نہیں جانتا کہ بائع کو کتنے میں پڑی تو یہ بیع فاسد ہوئی، پھر اگر بائع

---

[1] بدائع الصنائع کتاب البیوع فصل واما شرائط الصحۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۱۹۸

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۶۰

فی المجلس صح البیع وللمشتری الخیار ان شاء اخذہ وان شاء ترکہ کذا فی الکافی[1] اھ وقال قبیلہ عن الحاوی اذاباع الرجل المتاع بربح دہ یازدہ اومایشاکل ذٰلک فاذا علم المشتری بالثمن ان شاء اخذہ وان شاء ترکہ ان علم بالثمن قبل العقد فلیس لہ ان یرد[2] اھ اقول والمراد العلم فی المجلس بدلیل ما تقدم و ما تاخر۔

مجلس کے اندر مشتری کو بتادیا تو بیع صحیح ہوگئی اور مشتری کو اختیار ہے اگر چاہے تو لے لے اور چاہے تو چھوڑ دے اسی طرح کافی میں ہے اھ اور اس سے تھوڑا پہلے حاوی کے حوالہ سے کہا کہ اگر کسی مرد نے کوئی سامان جو دس کا خریدا ہوا تھا گیارہ کے بدلے بیچا یا اس سے ملتی جلتی کوئی صورت اختیار کی پھر جب مشتری کو ثمن کا علم ہوا تو اس کو اختیار ہے چاہے تو لے لے اور چاہے تو چھوڑ دے اور اگر مشتری کو عقد سے پہلے ثمن معلوم ہوں تو اسے رَد کا اختیار نہ ہوگا الخ میں کہتا ہوں اس سے مراد مجلس کے اندر علم ہونا ہے اس دلیل کے ساتھ جو پہلے گزری اور جو اس کے بعد ہے۔

وثالثا التعلیل المذکور کالمتناقض فان اٰخرہ یفید انہ بالعقد الاول واولہ انہ بعقد جدید۔

وثالثاً تعلیل مذکور متناقض کی مانند ہے اس لئے کہ اس کا آخر اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ وہ عقد اول کے ساتھ ہے اور اس کا اول اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ وہ عقد جدید کے ساتھ ہے (ت)۔

صلب عقد بدلین ہیں فتح القدیر میں اسی مسئلہ آجال مجہولہ میں ہے: صلب العقد بدلان[3] (صلب عقد دونوں بدل ہیں (یعنی ثمن و مبیع)۔ ت) یہ فساد کبھی مرتفع نہیں ہوسکتا جب تک اس عقد ہی کو فسخ نہ کریں یہاں نفس مجلس عقد میں اصلاح بھی کارآمد نہیں جیسے ایک روپیہ دو روپے کو بیچے پھر قبل افتراق زائد روپیہ ساقط کردے، عقد صحت کی طرف عود نہ کرے گا، ہدایہ میں ہے:

لوباع الی ھذہ الاٰجال تراضیا باسقاط

اگر کسی نے ان اوقات مذکورہ کے وعدہ پر بیع کی

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۶۵

[2] " " " " " ۳/ ۱۶۵

[3] فتح القدیر " باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۸۸

الاجل قبل ان یاخذ الناس فی الحصاد و الدیاس وقبل قدوم الحاج جاز البیع، وقال زفر لایجوز لانه وقع فاسدا فلاینقلب جائزا، ولنا ان الفساد للمنازعة وقد ارتفع قبل تقررہ وھذہ الجھالة فی شرط زائد لافی صلب العقد فیمکن اسقاطه بخلاف مااذا باع الدرھم بالدرھمین ثم اسقطا الدرھم الزائد لان الفساد فی صلب العقد[1]۔

پھر بائع اور مشتری اس مدت کو ساقط کرنے پر رضامند ہوگئے قبل اس کے لوگ کھیتی کاٹنے یا اس کو گاہنے کا آغاز کریں اور قبل اس کے کہ حاجی لوگ آئیں تو بیع جائز ہوگئی۔ امام زفر نے کہا جائز نہیں ہوگی کیونکہ یہ بیع فاسد واقع ہوئی لہذا جواز کی طرف نہیں پلٹے گی، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ فساد تو جھگڑے کے ڈر سے تھا دراں حالیکہ وہ فساد مستحکم ہونے سے پہلے ہی دُور ہوگیا، اور یہ جہالت صلب عقد میں نہیں بلکہ ایک زائد شرط میں واقع ہوئی جس کو ساقط کرنا ممکن ہے بخلاف اس کے کہ جب ایک درہم دو درہموں کے عوض بیچا پھر بائع اور مشتری دونوں نے زائد درہم کو ساقط کردیا تب بھی یہ بیع جائز نہ ہوگی کیونکہ یہاں فساد صلب عقد میں ہے۔ (ت)

اور عدم شرط انعقاد کا فساد اس سے ملحق کیا گیا

فان انعدامه یعدم العقد لانه منعقد بصفة الفساد فیمکن اصلاحه فی المجلس۔

اس لئے کہ شرط کا معدوم ہونا عقد کو باطل کردیتا ہے ایسا نہیں کہ وہ عقد صفت فساد کے ساتھ منعقد ہوا کہ مجلس میں اس کی اصلاح ممکن ہو۔ (ت)

عنایہ امام کمال بابرتی محل مذکور میں ہے:

اعترض بانه اذا نکح بغیر شھود ثم اشھد بعد النکاح فانه لاینقلب جائزا ولیس الفساد فی صلب العقد واجیب بان الفساد فیه لعدم الشرط

اس پر اعتراض کیا گیا کہ اگر کوئی شخص بغیر گواہوں کے نکاح کرے پھر نکاح کے بعد اس پر گواہ قائم کردے تو وہ نکاح جواز کی طرف نہیں پلٹے گا حالانکہ اس صورت میں فساد صلب عقد میں نہیں، اس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہاں فساد عدم شرط کی

---

[1] الہدایہ کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۶۴

فھو قوی کما لوکان فی صلب العقد الاتری ان من صلی بغیر طھارۃ ثم تطھر لم تنقلب صلاتہ جائزۃ[1] اھ ملخصا۔

وجہ سے آیا ہے جو قوی ہے جیسا کہ صلب عقد میں فساد ہو تو قوی ہوتا ہے کیا تو نہیں دیکھتا ہے کہ اگر کوئی شخص بلا طہارت نماز پڑھ لے پھر بعد میں طہارت کرلے تو اس کی نماز جواز کی طرف نہیں پلٹے گی اھ (ت)

اسی کے مثل فتح میں بھی ہے۔

اقول ویبتنی علی ان الشھود شرط الانعقاد فی النکاح وعلیہ ظاھر عامۃ کلماتھم وصرح فی الدر[2] وغیرہ انھم من شروط الصحۃ فیکون النکاح بلاشھود فاسدا لاباطلا واللہ تعالٰی اعلم، ثم **اقول** بل الحق ان عدم شرط الانعقاد مبطل لامفسد والکلام فی الفاسد فالسوال ساقط من اصلہ۔

اقول (میں کہتا ہوں) کہ اس کی بنیاد اس پر ہے کہ گواہ نکاح میں شرط انعقاد ہیں اور کلماتِ فقہاء کا ظاہر بھی اسی پر دلالت کرتا ہے اور در وغیرہ میں تصریح کی گئی کہ گواہ شرطِ صحت ہیں لہذا بغیر گواہوں کے نکاح فاسد ہوگا نہ کہ باطل۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ ثم **اقول** (پھر میں کہتا ہوں) بلکہ حق یہ ہے کہ شرط انعقاد کا نہ پایا جانا باطل کرنے والا ہے نہ کہ فاسد کرنے والا حالانکہ کلام فاسد ہونے میں ہے تو سرے سے سوال ہی ساقط ہے۔ (ت)

ان کے سوا جو فساد ہو اگر قوی ہے صرف مجلس بیع کے اندر اس کا ازالہ عقد کو صحیح کرسکے گا بعد مجلس فساد متقرر ہوجائے گا اور اگرچہ مفسد زائل ہوجائے مرتفع نہ ہوگا جیسے ثمن کا آندھی چلنے یا مینہ برسنے پر مؤجل کرنا اور اگر ضعیف ہے تو بعد مجلس بھی اصلاح پذیر ہے جب تک وہ فساد اپنا عمل نہ کرلے کہ بعد عمل انتہا ہے نہ کہ انتفاء، جیسے حاجیوں کے آنے یا ہوائیں چلنے پر ثمن کی تاجیل اگر آنے اور چلنے سے پہلے اس شرط کو ساقط کردیا بیع صحیح ہوگئی اگرچہ مجلس عقد کے مہینوں بعد ہوا اور اگر حاجی آئے ہوائیں چلی گئی تو اب اسقاط شرط کے کوئی معنی نہیں فساد مستقر ہوگیا بے فسخ عقد مرتفع نہ ہوگا، ہدایہ کی عبارت گزری، فتح القدیر میں عبارت مذکورہ پر ہے:

---

[1] العنایۃ علی ہامش فتح القدیر کتاب البیوع باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۸۸

[2] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۶

تقییدہ بھذہ الآجال لاخراج نحو التأجیل بھبوب الریح ونزول المطر فانہ لو اجل بھا ثم اسقطہ لایعود صحیحا اتفاقا[1]۔

ماتن کا ان مدتوں کی قید لگانا ہواؤں کے چلنے اور بارش برسنے کی میعاد کو خارج کرنے کے لئے ہے اس لئے کہ اگر ان کے ساتھ میعاد مقرر کی پھر اسے ساقط کردیا تب بھی بیع بالاتفاق صحیح نہ ہوگی (ت)

شرح الطحاوی للامام الاسبیجابی پھر حقائق شرح منظومہ نسفیہ پھر ردالمحتار میں ہے:

البیع باجل مجھول لایجوز اجماعا سواء کانت الجھالۃ متقاربۃ کالحصاد والدیاس او متفاوتۃ کھبوب الریح وقدوم واحد من سفرہ فان ابطل المشتری المتقارب قبل محلہ وقبل فسخ العقد انقلب البیع جائزا عندنا ولو مضت المدۃ قبل ابطال الاجل تاکد الفساد ولاینقلب جائزا اجماعا، وان ابطل المشتری المتفاوت قبل التفرق ونقد الثمن انقلب جائزا عندنا ولو تفرقا قبل الابطال تاکد الفساد ولاینقلب جائزا اجماعا[2] (مختصرا)

مدت مجہولہ کے ساتھ بیع بالاجماع ناجائز ہے چاہے جہالت متقاربہ ہو جیسے فصلوں کی کٹائی اور ان کو گاہنا، یا جہالت متفاوتہ ہو جیسے ہواؤں کا چلنا اور کسی کا سفر سے واپس آنا۔ اگر مشتری نے جہالت متقاربہ والی میعاد کو متحکم ہونے اور فسخ عقد سے پہلے ختم کردیا تو ہمارے نزدیک بیع جائز ہوجائیگی اور اگر میعاد کو ختم کرنے سے پہلے مدت گزر گئی تو فساد پختہ ہوگیا اور بیع بالاجماع جائز نہ ہوگی، اور اگر مشتری نے جہالت متفاوتہ کو جدا ہونے سے قبل ختم کردیا اور ثمن ادا کردئے تو ہمارے نزدیک بیع جائز ہوگئی اور اگر جہالت کو ختم کرنے سے پہلے بائع اور مشتری ایک دوسرے سے جدا ہوگئے تو فساد مستحکم ہوگیا اور اب بیع بالاجماع جائز نہ ہوگی (مختصراً)

بدائع امام ملک العلماء میں ہے:

الاصل عندنا انہ ینظر الی الفساد فان کان قویا بان دخل فی صلب العقد وھو البدل او المبدل لایحتمل

ہمارے نزدیک ضابطہ یہ ہے کہ فساد کو دیکھا جائیگا اگر وہ قوی ہے یعنی صلب عقد میں ہے جو کہ بدل و مبدل ہے تو رفع مفسد کے ساتھ جائز ہونے کا

---

[1] فتح القدیر کتاب البیوع باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/۹۸

[2] ردالمحتار " " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/۱۲۰

الجواز برفع المفسد کما قال زفر اذا باع عبدا بالف درهم ورطل من خمر فحط الخمر عن المشتری وان کان ضعیفا لم یدخل فی صلب العقد بل فی شرط جائز یحتمل برفع المفسد۔[1]

احتمال نہیں رکھتا جیسا کہ امام زفر نے اس صورت کے بارے میں کہا کہ جب کوئی شخص ہزار درہم اور ایک رطل شراب کے بدلے میں غلام فروخت کرے پھر مشتری سے شراب کو ساقط کردے اور اگر فساد ضعیف ہے یعنی صلبِ عقد میں داخل نہیں بلکہ شرطِ جائز میں پایا گیا تو اس صورت میں رفعِ مفسد کے ساتھ جوازِ عقد کا احتمال ہے۔ (ت)

اُسی میں ہے:

منہا (ای من شرائط صحۃ البیع) ان یکون مقدور التسلیم من غیر ضرر یلحق البائع، فاذا باع اجذعا لہ فی سقف او اجرا لہ فی حائط او ذراعا فی دیباج او کرباس لایجوز، فان نزعہ البائع اوقطعہ وسلمہ الی المشتری قبل ان یفسخ المشتری البیع جاز البیع حتی یجبر المشتری علی الاخذ لان المانع من الجواز ضرر البائع بالتسلیم فاذا سلم باختیارہ ورضاہ فقد زال المانع فجاز البیع ولزم۔ فرق بین ھذا وبین بیع الالیۃ فی الشاۃ الحیۃ والنوی فی التمر والزیت فی الزیتون والدقیق فی الحنطۃ والبزر فی البطیخ ونحوھا انہ لاینعقد اصلا حتی لو سلم یجز، والاصل المحفوظ ان لایمکن تسلیمہ الابضرر یرجع الی قطع

صحتِ بیع کی شرائط میں سے یہ ہے کہ مبیع مقدور التسلیم ہو بغیر اس کے کہ بائع کو ضرر لاحق ہو، چنانچہ اگر کسی نے چھت میں لگی ہوئی شہتیر یا دیوار میں لگی ہوئی اینٹیں یا ریشمی یا اونی کپڑے میں سے ایک گز فروخت کیا تو جائز نہیں پھر اگر بائع نے مبیع کو اکھاڑ یا کاٹ دیا اور مشتری کے بیع کو فسخ کرنے سے پہلے مبیع مشتری کے حوالے کردیا تو بیع جائز ہوگئی یہاں تک کہ مشتری کو مجبور کیا جائیگا کہ وہ اس کو لے کیونکہ مانع جواز تو تسلیم کے سبب سے بائع کو لاحق ہونے والا ضرر تھا اب جبکہ بائع نے اپنی رضامندی اور اختیار سے تسلیمِ مبیع کردیا تو وہ مانع زائل ہوگیا اور بیع جائز اور لازم ہوگئی۔ فرق کیا گیا ہے درمیان مذکورہ صورت کے اور درمیان اس کے کہ زندہ دنبہ کی چکّی، کھجور میں موجود گٹھلی، زیتون میں موجود روغن، گندم میں موجود آٹا، تربوز میں موجود بیج اور اس طرح کی دیگر اشیاء فروخت کی جائیں کیونکہ ان میں سرے سے بیع منعقد ہی نہیں ہوتی یہاں تک اگر بائع مبیع کو مشتری کے حوالے بھی کردے تب بھی جائز نہ ہوگی اور اصل محفوظ یہ ہے کہ اگر

---

[1] بدائع الصنائع کتاب البیوع فصل واما شرائط الصحۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/۱۶۸

اتصال ثابت باصل الخلقۃ فبیعہ باطل وما لایمکن تسلیمہ الا بضرر یرجع الی قطع اتصال عارض فبیعہ فاسد الا ان یقطع باختیارہ ویسلم فیجوز والقیاس علی ھذا الاصل ان یجوز بیع الصوف علی ظھر الغنم لانہ یمکن تسلیمہ من غیر ضرر یلزمہ بالجز الا انھم استحسنوا عدم الجواز للنص وھو ماروی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولان الجز من اصلہ لایخلو عن الاضرار بالحیوان وموضع الجز فیما فوق ذلک غیر معلوم فتجری فیہ المنازعۃ فلایجوز[1] اھ ملتقطاً اقول فکان ھذا من باب عدم ارتفاع المفسد وقولہ "جذعالہ فی سقف او اٰجرلہ فی حائط" یحتمل المعین فلا فساد الا من جھۃ لزوم الضرر۔

تسلیمِ مبیع بائع کو ایسا ضرر پہنچے بغیر ممکن نہ ہو جو ضرر اصل خلقت سے ثابت شدہ اتصال کے قطع کی طرف لوٹتا ہے تو بیع باطل ہوگی اور اگر تسلیم مبیع ایسے ضرر کے بغیر ممکن نہ ہو جو اتصال عارضی کے قطع کی طرف لوٹتا ہے تو بیع فاسد ہوگی مگر جب بائع اپنے اختیار سے قطع کرکے تسلیم مبیع کر دے تو بیع جائز ہوجائیگی، اور اس اصل پر قیاس کا تقاضا ہے کہ بکریوں کی پشت پر اُگی ہوئی اُون کی بیع جائز ہو کیونکہ اس میں تسلیم ممکن ہے بائع کو ضرر لاحق ہوئے بغیر جو بسبب اُون کاٹنے کے لازم آتا ہے مگر فقہاء نے اس کے جائز نہ ہونے کو مستحسن قرار دیا اس نص کی وجہ سے جس کو سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت فرمایا اور اس وجہ سے کہ اُون کو جڑ سے کاٹنا حیوان کو ضرر پہنچانے سے خالی نہیں اور جڑ کے اُوپر سے کاٹیں تو کاٹنے کی جگہ متعین نہیں لہذا اس میں جھگڑا پیدا ہوگا اس لئے ناجائز ہے الخ پس میں کہتا ہوں کہ یہ مفسد کے دور نہ ہونے کے باب سے ہوگیا، اور صاحب بدائع کا قول کہ "بائع نے چھت میں لگی شہتیر یا دیوار میں لگی ہوئی اینٹیں فروخت کیں" تو اس میں احتمال ہے کہ وہ شہتیر اور اینٹیں معین ہوں تو اس میں سوائے لزوم ضرر کے کسی اور جہت سے فساد نہ ہوگا۔ (ت)

---

[1] بدائع الصنائع کتاب البیوع فصل واما شرائط الصحۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۱۶۸

بلکہ درمختار میں ہے :

(فسد) بیع (جذع) معین (فی سقف) اما غیر المعین فلا ینقلب صحیحا ابن کمال (وذراع من ثوب یضرہ التبعیض) فلو قطع وسلم قبل فسخ المشتری عاد صحیحا ولو لم یضرہ القطع ککرباس جاز لانتفاء المانع[1]

چھت میں لگی ہوئی معین شہتیر کی بیع فاسد ہے، رہی غیر معین تو اس کی بیع نہیں ہو سکتی (ابن کمال)، اور جس کپڑے کو تبعیض نقصان دے اس میں سے ایک گز کی بیع فاسد ہے، پھر اگر مشتری کے بیع کو فسخ کرنے سے قبل بائع نے اس کپڑے کو کاٹ کر مشتری کے سپرد کر دیا تو بیع جائز ہو گئی اور اگر کاٹنا اس کو نقصان نہیں پہنچاتا تو مانع کے نہ ہونے کی وجہ سے بیع جائز ہے (ت)

مگر ردالمحتار میں ہے :

وھو ضعیف لانہ فی غیر المعین معلل بلزوم الضرر والجہالۃ فاذا تحمل البائع الضرر وسلمہ زال المفسد وارتفعت الجہالۃ ایضا ومن ثم جزم فی الفتح بانہ یعود صحیحا[2]، عہ

اور وہ ضعیف ہے کیونکہ غیر معین میں فسادِ بیع کی علت لزومِ ضرر اور جہالت کو قرار دیا گیا تو جب بائع نے ضرر کو برداشت کر لیا اور مبیع مشتری کے سپرد کر دیا تو مفسد زائل ہو گیا اور جہالت بھی جاتی رہی، یہی وجہ ہے کہ فتح میں اس پر جزم کیا گیا کہ بیع صحت کی طرف پلٹ آئے گی۔ (ت)

عہ جواب ناتمام ملا۔

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۴

[2] ردالمحتار " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/۹-۱۰۸

بابُ البیع المکروہ

(بیع مکروہ کا بیان)

مسئلہ ۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ غلّہ کو روک کر بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

غلّہ کو اس نظر سے روکنا کہ گرانی کے وقت بیچیں گے بشرطیکہ اسی جگہ یا اس کے قریب سے خریدا اور اس کا نہ بیچنا لوگوں کو مضر ہو مکروہ وممنوع ہے، اور اگر غلّہ دُور سے خرید کر لائے اور بانتظارِ گرانی نہ بیچے یا نہ بیچنا اس کا خلق کو مضر نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں،

فی العٰلمگیریۃ الاحتکار مکروہ و ذٰلک ان یشتری طعاما فی مصر و یمتنع من بیعه و ذٰلک یضر بالناس کذا فی الحاوی، وان اشتری فی ذٰلک المصر وحبسه ولا یضر باھل المصر لاباس به کذا فی التتارخانیة ناقلا عن التجنیس، واذا اشتری من مکان قریب من المصر فحمل طعاما الی المصر و حبسه و

عالمگیریہ میں ہے احتکار مکروہ ہے اس کی صورت یہ ہے کہ شہر میں غلہ خرید لے اور اس کو فروخت کرنے سے روک رکھے اور یہ روکنا لوگوں کے لئے نقصان دہ ہو یہ حاوی میں ہے، اور شہر میں خرید کر اس کو بیچنے سے روکا مگر اس سے لوگوں کو ضرر نہیں پہنچتا تو کوئی حرج نہیں یونہی تاتارخانیہ میں تجنیس سے نقل کیا گیا ہے، اور اگر شہر کے قریب سے خریدا اور شہر میں اٹھا لایا اور فروخت سے روک رکھا جبکہ

ذٰلك یضر باھله فھو مکروہ ھذا قول محمد وھو احدی الروایتین عن ابی یوسف وھو المختار ھکذا فی الغیاثیة وھو الصحیح ھکذا فی جواھر الاخلاطی، وفی جامع الجوامع فان جلب من مکان بعید واحتکر لم یمنع کذا فی التاتارخانیة۔[1]

اس سے شہر والوں کو ضرر پہنچتا ہے تو یہ مکروہ ہے یہ امام محمد علیہ الرحمۃ کا قول ہے، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے بھی دو روایتوں میں سے ایک میں یہی آیا ہے، یہی مختار ہے، اسی طرح غیاثیہ میں ہے، اور یہی صحیح ہے جیسا کہ جواہر اخلاطی میں مذکور ہے، اور جامع الجوامع میں ہے کہ اگر کہیں دُور سے اناج خرید کر کھینچ لایا اور شہر میں فروخت سے روک رکھا تو ممنوع نہیں، تتارخانیہ میں یُوں ہی ہے۔ (ت)

مسئلہ ۹۰
از شہر کہنہ ۱۱ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے مبلغ پانسو روپے کے گیہوں خریدے فصل میں، اور بقدرِ ضرورت اپنے اہل وعیال کے لئے رکھ لئے، اور باقیماندہ ماہ اساڑھ میں فروخت کر دئے، اس شکل میں زید مواخذہ دار ہُوا یا نہیں؟

الجواب

بریلی میں پانسو بلکہ پانچ ہزار کے گیہوں فصل پر خریدنے اور بیچ پر بیچنے میں کوئی مواخذہ نہیں کہ ان دونوں زمانوں میں نرخ کا اختلاف معمولی طور پر ہمیشہ ہوتا ہے، ہاں اگر گرانی پڑنے کی خواہش کرے تو خلق اللہ کا بدخواہ اور ماخوذ گناہ ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۱ و ۹۲
از بریلی محلہ ذخیرہ جناب مقبول الرحمن خاں

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ ایک مکان مسکونہ کی بیع ایک مسلمان سے قرار پائی وہ معاملہ بیع طے ہو گیا اور قبضہ مکان پر مشتری کو بعد تحریر مسودہ بیعنامہ کر دینے دستخط کے دے دیا گیا حسب قانون انگریزی ہنوز بیعنامہ تحریر و رجسٹری نہ ہوا تھا کہ ایک دوسرا مسلمان اسی محلہ کا جو پہلے خریداری سے انکار کر چکا تھا اب ایکسو روپیہ بڑھا کر خریداری کا ارادہ ظاہر کرتا ہے اور قبضہ ہنوز اُس شخص کا ہے جس سے پہلے بائعان کی گفتگو بیع کی طے ہو چکی ہے اور اس کے قبضہ میں مسودہ دستخط شدہ بھی موجود ہے، ایسی صورت میں کون سی بیع شرعًا جائز ہے اور جو بیع شرعی

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع فصل فی الاحتکار نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۱۳

پر راضی نہ ہو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

(۲) تین ہفتہ سے مشتری سابق مع عیال و اطفال اس مکان میں رہتا ہے جس پر بائعان بخوشی قبضہ دے چکے ہیں تو اب اس کو حق اہل محلہ کے پڑوسی ہونے کا حاصل ہو گیا یا نہیں، اور اگر حاصل ہو گیا تو نئے مشتری کو جو پڑوسی ہے اس کو تکلیف دینا اور مکان بہ جبر اس سے خالی کرانا جائز ہے یا نہیں؛ اور اگر نہیں تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

دوسرے کا اب اس بیع سے تعرض کرنا قیمت بڑھانا، اپنی طرف پھیرنا سب حرام ہے۔

فقد نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن سوم الرجل علی سوم اخیہ[1] فضلا عن الصورۃ المذکورۃ فی السؤال۔

بیشک رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ کوئی شخص اپنے بھائی کے سودا پر سودا کرے چہ جائیکہ سوال میں مذکورہ صورت ہو (ت)

مکان بہ جبر اس سے خالی کرانا ظلم ہے، اور رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے فرماتے ہیں: الظلم ظلمات یوم القیٰمۃ[2] ظلم قیامت کے دن اندھیریاں ہو جائے گا۔ اور قرآن عظیم میں ظالموں پر لعنت فرمائی اور ہمسایہ پر ظلم اور بھی سخت اشد کبیرہ ہے۔ بائع پر فرض ہے کہ اپنی اگلی بیع پر قائم رہے شرعاً بیع ہو چکی رجسٹری یا اسٹامپ پر لکھا جانا شرعاً اصلاً ضرور نہیں، اور اس دوسرے شخص پر فرض ہے کہ اس ظلم سے باز آجائے، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۳ از چاندپور ضلع بجنور مرسلہ حکیم رضوی صاحب ۲۳ شوال ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فصل اور موسم ارزانی میں غلہ خرید کیا جائے عند الموقع بشرح نرخ بازار فروخت کر دیا جائے اس کا منافع مسلم کے لئے حرام ہونا کہاں تک لغویت ہے مخالفین اس میں طعنہ زن ہوتے ہیں بغرض حجت حضور سے استصواب ہے۔

الجواب

صورت مذکورہ پر غلہ کی تجارت بلاشبہہ حلال و جائز ہے اسے حرام کہنے والا حلال شرعی کو

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ دار الفکر بیروت ۲/ ۴۱۱
[2] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۲/ ۱۰۶

حرام کہتا ہے۔ حرام یہ ہے کہ بستی میں آنے والا غلّہ خود خرید لے اور بند رکھے کہ جتنا مہنگا چاہے بیچے جس سے بستی پر تنگی ہو جائے، اور مکروہ یہ ہے کہ اس کے خریدنے سے بستی پر تنگی تو نہ ہو مگر اسے آرزو ہو کہ قحط پڑے کہ مجھے نفع بہت ملے اور جب ان دونوں باتوں سے پاک ہے جیسا صورتِ سوال میں ہے تو اصلاً کراہت بھی نہیں۔ درمختار میں ہے:

کرہ احتکار قوۃ البشر والبہائم فی بلد یضر باھلہ فان لم یضر لم یکرہ۔[1]

انسانوں اور چوپایوں کی خوراک مہنگا بیچنے کی غرض سے ایسے شہر میں روک رکھنا مکروہ ہے جس کے باشندوں کو اس روکنے سے ضرر پہنچے اور اگر ضرر نہ ہو تو مکروہ نہیں۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

اثم بانتظار الغلاء والقحط لنیۃ السوء للمسلمین۔[2] واللہ تعالٰی اعلم۔

مہنگائی اور قحط سالی کے انتظار میں غلہ کو روک رکھنے سے گنہ گار رہوا کیونکہ اس میں مسلمانوں کے لئے بدخواہی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۴: از ضلع فرید پور مرسلہ حافظ عنایت علی و کفایت علی ۲۵ صفر ۱۳۱۹ھ

جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب بعد سلام علیکم مزاج شریف، احوال یہ ہے کہ ایک شخص گندم مبلغ بیس روپے کے ساڑھے نو سیر کے وعدہ پر چھ ماہ کو طلب کرتا ہے اور گندم کا نرخ بازار میں ساڑھے گیارہ سیر و بارہ سیر ہے، جو شخص گندم لیتا ہے اپنی ضرورت کو بازار میں ساڑھے گیارہ سیر و بارہ سیر فروخت کرکے اپنا کام نکال لیتا ہے اور جو شخص گندم ادھار دیتا ہے اس کے مکان پر گندم نہیں بازار سے خرید کر دیتا ہے، دوسرا شخص مبلغ دس روپے کے گندم آٹھ سیر کے بھاؤ سے مانگتا ہے اور مبلغ دس روپے نقد طلب کرتا ہے، اسے جو دس روپے دئے جائیں گے اس روپیہ کو دس کے دس لے جائیں گے، جیسا کچھ ارشاد فرمائیں۔

الجواب

یہ صورتیں حرام نہیں گناہ نہیں پھر بھی مکروہ ہیں ان سے بچنا بہتر ہے، کما فی الفتح و ردالمحتار (جیسا کہ فتح اور ردالمحتار میں ہے۔ ت)

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۴۸

[2] ردالمحتار " " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۲۵۶

باب بیع الفضولی

(فضولی کی بیع کے احکام)

مسئلہ ۹۵ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے زیور اپنی زوجہ ہندہ کا کہ اسے جہیز میں ملا تھا بلا اجازتِ ہندہ بیع کیا اور اپنے صرف میں لایا، آیا یہ بیع نافذ اور ہندہ کو زید سے اختیارِ مطالبہ حاصل ہے یا نہیں؟ اور زیور وظروف وغیرہ اسبابِ جہیز جو والدینِ ہندہ نے خاص واسطے صرف ہندہ کے دیا ہے مِلک ہندہ کی ہے یا زید کی؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

زیور وظروف وغیرہ اسبابِ جہیز کہ والدینِ ہندہ نے خاص واسطے صرف ہندہ کے دیا بلاریب مِلکِ ہندہ ہے زید کو اس میں کچھ حق نہیں،

فی الدرالمختار جھز ابنتہ بجھاز وسلمھا ذٰلک لیس لہ الاسترداد منھا، ولا لورثتہ بعدہ ان سلمھا ذٰلک فی صحتہ بل تختص بہ، وبہ یفتی۔[1]

درمختار میں ہے کہ باپ نے بیٹی کو جہیز دیا اور بیٹی کے قبضہ میں دے دیا تو اب نہ تو وہ خود واپس لے سکتا ہے نہ ہی اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء واپس لے سکتے ہیں جب کہ اس نے یہ جہیز حالتِ صحت میں دیا ہو بلکہ اس جہیز کی ملکیت بیٹی کے ساتھ مختص ہے، اور اسی پر فتوٰی ہے (ت)

---

[1] درمختار کتاب النکاح باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۳

پس وُہ بیع کہ زید نے کی بلا اجازتِ ہندہ نافذ نہیں ہوسکتی، اور اگر ہندہ مطالبہ کرے تو وہ زیور مشتری سے پھیر سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۹۶ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنے مرضِ موت میں ایک مکان اور ایک دکان کہ قریب سولہ سو روپے کے قیمت کے تھے چھ سو روپے کو اپنے شوہر اور دختر کے ہاتھ بیع کئے، بعد پندرہ روز کے ہندہ مرگئی، اس صورت میں یہ بیع جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مسئولہ میں بیع صحیح نہیں کہ بیع مرضِ موت میں کم قیمت کو باتفاق امام اعظم و صاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ ناجائز ہے اور وارث کے ہاتھ تو برابر قیمت کو بھی بے اجازت دیگر ورثہ امام اعظم کے نزدیک جائز نہیں،

فی التلویح لو باع من احد الورثۃ عینا من اعیان الترکۃ بمثل القیمۃ فلا یجوز عند ابی حنیفۃ[1] اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

تلویح میں ہے اگر اشیاء ترکہ میں سے کوئی خاص شئی کسی نے اپنے وارث کے ہاتھ برابر قیمت پر فروخت کی تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک جائز نہیں ہے اھ ملخصا، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۹۷

مثلاً زید یک مکان بلا اجازت عمرو خریدہ بیعنامہ آں بنام عمرو برادر خود تحریر کنانیدہ گرفت و زرثمن آں نیز خود دادہ اقرار ہم کردہ ماند کہ ایں مکان عمرو ست بعد ازاں عمرو کہ وقتِ خرید مکان در سفر بود درانجا فوت کرد ورثہ عمرو مکان مذکورہ باعانت حاکم از زید بوجہ بیعنامہ و اقرار مذکور درخواستند و زید بحکم حاکم تفویض و تسلیم

مثال کے طور پر زید نے ایک مکان اپنے بھائی عمرو کی اجازت کے بغیر خرید کر اس کا بیعنامہ عمرو کے نام لکھوادیا اور اس کا زرِ ثمن بھی خود ہی دے کر اقرار کیا کہ یہ مکان عمرو کا ہے، بعد میں جب عمرو جو مکان کی خریداری کے وقت سفر پر تھا وہیں فوت ہوگیا تو عمرو کے وارثوں نے بیعنامہ اور اقرار مذکورہ کی وجہ سے حاکم کی مدد کے ذریعے زید سے مکان کا مطالبہ کیا اور زید حاکم کے حکم پر

---

[1] التلویح مع التوضیح فصل فی الامور المعترضۃ علی الاھلیۃ منہا المرض نورانی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور ص ۶۶۳

ایشاں کرد پس الحال زید مستحق یافتن زرِ ثمن کہ در عدالت دادن زید ثابت گردید از ورثا رعمرو ہست یا بوجہ اقرار بملکیت عمرو بسبب مکان مذکور اقرار بریں امرہم گردید کہ روپیہ دادہ شدہ زرِ ثمن مکان از اں عمرو ست۔ بیّنوا توجروا۔

وہ مکان ان کے حوالے کردیا، توکیا اب زید وہ زرِ ثمن عمرو کے وارثوں سے پانے کا حقدار ہے جس کی زید کی طرف سے عدالت میں ادائیگی ثابت ہے یا مکان مذکور پر عمرو کی ملکیت کا اقرار کرنے کی وجہ سے اس بات کا بھی اقرار ہوگیا کہ مکان کے زرِ ثمن میں دیا گیا روپیہ بھی اسی عمرو کی طرف سے ہے، بیان کرو اجر پاؤ گے(ت)

الجواب

شرعاً درصورت مسئول فیہا زید مستحق یافتن زرِ ثمن کہ در عدالت دادن زید ثابت گردیدہ از ورثہ عمرو بعد تسلیم مکان بایشان است، واقرار زید بمکان برائے عمرو کہ بحصورت خرید در غیبت دادن ثمن از نزد خود بمعنی خریدہ شدن برائے عمرو است اقرار بملکیت ثمن برائے عمرو عموماً خصوص بحالیکہ زید بودن ثمن از اں خود گفتہ باشد نمی تواند شد چہ اقرار بریک چیز اقرار بچیزے دیگر منفصل از مقربہ کہ جزء، تابع آں نباشد نمی شود و زرِ ثمن کہ چیزے منفصل و علٰحدہ از مکان مقربہ است بجہت نبودن جزء مکان و مرکب نبودنش دراں تابع مکان نیست، پس داخل در اقرار مکان عموماً خصوص در حالیکہ زید بودنش از اں خود گفتہ باشد نمی تواند شد مانند اقرار بجاریہ مقبوضہ ذات

صورتِ مسئولہ میں عمرو کے ورثاء کو مکان سپرد کرنے کے بعد زید اُن سے وہ زرِ ثمن حاصل کرنے کا شرعی طور پر مستحق ہے جس زرِ ثمن کی زید کی طرف سے عدالت میں ادائیگی ثابت ہے، اور زید کا یہ اقرار کہ مکان عمرو کے لئے ہے جیسا کہ خریداری کی صورت میں عمرو کی عدم موجودگی میں اپنے پاس سے ثمن ادا کرنا یا یعنی کہ مکان کی خریداری عمرو کے لئے ہے اس بات کا اقرار عموماً نہیں ہوسکتا کہ ثمن عمرو کی ملکیت تھے خصوصاً اس حال میں کہ جب زید نے اپنے پاس سے ثمنوں کی ادائیگی کا کہا بھی ہو (تو بدرجہ اولٰی ثمنوں کا مالکِ عمرو ہونا ثابت نہ ہوگا) کیونکہ ایک چیز کا اقرار کسی دوسری ایسی چیز کا اقرار نہیں ہوسکتا جو اس چیز سے منفصل ہو جس کا اقرار کیا گیا ہے اور اس کی تابع جزء نہ ہو، اور ثمن اس مکان سے منفصل اور علیحدہ چیز ہے جس مکان کا اقرار زید نے عمرو کیلئے کیا ہے لہذا اس مکان کی جزء نہ ہونے اور اس کے ساتھ مرکب نہ ہونے کی وجہ سے زرِ ثمن مکان کے تابع نہیں چنانچہ بالعموم اقرارِ مکان میں داخل نہ ہوسکے گا

ولد و اقرار بصندوق محمولہ متاع و
اقرار بدار مقبوضہ مشمولہ بمتاع و دواب
کہ اقرار بولد جاریہ و متاع صندوق
و متاع دار و دواب از ہمیں علت جامعہ
یعنی از جہت نبودن ہر یکے ازاں جزو
تابع مقربہ نمے شود در فتاوٰی
قاضیخان نوشتند رجل فی یدیہ
جاریۃ وولدھا فقال
ان الجاریۃ لفلان
لایدخل فیہ الولد[1] الخ
و در محیط نوشتہ (عبارت منقول
بر ہامش درمختار صـ۴۸۲) انتہی ملتقطا
و اگر نیک غور کردہ آید ہمیں مضمون یعنی
داخل نبودن ثمن غیر مقربہ در
اقرار مکان و لازم نبودنش بر مقران
از ہدایہ و عینی و غیرہما بقید
ما اقربہ در عبارت لزمہ اقرارہ
مجہولا کان ما اقربہ
او معلوما[2]، والاقرار ملزم
علی المقر ما اقربہ[3]
واضح مے شود و چوں ثمن غیر مقربہ
داخل در اقرار مکان نمی تواند شد

خصوصاً اس حال میں کہ جب زید نے یہ کہہ بھی دیا
ہے کہ ثمن میں اپنے پاس سے دے رہا ہوں، یہ
ایسے ہی ہوگیا جیسے کوئی شخص اولاد والی مقبوضہ
لونڈی کے بارے میں اقرار کرے یا اس صندوق کے
بارے میں اقرار کرے جس میں سامان ہو یا ایسے گھر
کے بارے میں اقرار کرے جس میں سامان اور چوپائے
ہوں تو یہ اقرار لونڈی کی اولاد، صندوق میں رکھے ہوئے
سامان اور گھر میں موجود سامان اور چوپایوں کو شامل
نہ ہوگا اسی علّتِ جامعہ کی وجہ سے یعنی اس وجہ
سے کہ ان میں کوئی بھی ان چیزوں کی جزء و تابع نہیں
جن کے بارے میں اقرار کیا گیا، فتاوٰی قاضیخان
میں لکھا ہوا ہے کہ ایک شخص کے قبضہ میں لونڈی
اور اس کی اولاد ہو اور وہ کہے کہ یہ لونڈی فلاں
شخص کی ہے تو لونڈی کی اولاد اس اقرار میں داخل
نہ ہوگی الخ اور محیط میں مرقوم ہے (عبارت برہامش
درمختار صـ۴۸۲) انتہی ملتقطاً اور اگر خوب غور
کیا جائے تو یہی مضمون یعنی غیر اقرار شدہ ثمنوں کا اقرار
مکان میں داخل نہ ہونا اور مکان کا اقرار کرنیوالوں
پر ثمن کا لازم نہ ہونا ہدایہ اور عینی وغیرہ میں مذکور
ما اقربہ (جس کا اس نے اقرار کیا) کی قید سے
حاصل ہوتا ہے جو قید انھوں نے ان عبارتوں میں
لگائی کہ مقر پر اس کا اقرار لازم ہو جاتا ہے چاہے

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب الاقرار فصل فی الاستثناء نولکشور لکھنؤ ۳/۶۲۳
[2] الہدایہ کتاب الاقرار مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/۲۲۹
[3] البنایۃ فی شرح الہدایۃ کتاب الاقرار المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ۳/۴۷۷
فتح القدیر " مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۷/۲۹۹

پس زید کہ مکان مذکور آں بلا اجازت عمرو
بنام او خریدہ زر ثمن آں از نزد خود بجہت
مباشر بودن معاملہ خرید و مضطر بودن
در ادائے ثمن کہ دینے واجب الادا بود
ببائع آں نمود و ورثۂ عمرو آں مکان را
بعد حکم حاکم بر تسلیم زید در قبض خود
در آوردند بے شبہ زید مستحق یافتن زر ثمن
ادا کردہ خود از ورثۂ عمرو است و احتمال
تطوع و تبرع در ہمچو حالت اضطرار ادائے
ثمن مفقود کہ شرعاً مضطر بادائے دین
ذمگی کسے بہ ہیچگہ باشد ہرگز متطوع و متبرع
قرار دادہ نمی شود چنانچہ ازیں روایت معتبرہ
شرح حموی ظاہر ست لو قضی واحد
من الورثۃ حق الغریم
من مالہ علی ان لا یرجع
فی الترکۃ فالقاضی
لا ینقض القسمۃ بل یمضیھا
اما اذا شرط الرجوع او
سکت فالقسمۃ مردودۃ
الا ان یقضوا حق الوارث
الذی قضی حق الغریم
من مالہ وھذا الجواب

وہ شے جس کا اس نے اقرار کیا معلوم ہو یا مجہول،
مقر پر لزوم اس کے اقرار کی وجہ سے ہوتا ہے جب
غیر اقرار شدہ ثمن مکان کے اقرار میں داخل نہیں
ہو سکتے" تو پھر زید نے جو مکان عمرو کی اجازت کے
بغیر اس کے نام پر خریدا اور زر ثمن اپنے پاس سے
اس لئے بائع کو دیا کہ وہ خریداری کے معاملہ میں مباشر تھا
اور ثمن جو کہ واجب الادا دین ہے کی ادائیگی میں مجبور
تھا اور حکم حاکم کے بعد زید کی سپردگی سے عمرو کے
ورثاء نے وہ مکان اپنے قبضہ میں لے لیا تو اب
زید بلا شبہہ عمرو کے ورثاء سے اس زر ثمن کو
وصول کرنے کا مستحق ہے جو اس نے اپنے پاس سے
ادا کیا ہے اور اس طرح کی اضطراری حالت میں ثمن
کی ادائیگی میں تطوع و تبرع (بطور احسان ادا کرنا)
کا احتمال موجود نہیں کیونکہ کسی کے ذمے لازم قرض
کی ادائیگی میں اگر کوئی شخص کسی طرح مجبور ہو تو شرعی
طور پر اس قرض ادا کرنے والے شخص کو تطوع و
تبرع کرنے والا ہرگز قرار نہیں دیا جاتا، جیسا کہ
شرح حموی کی اس معتبر روایت سے ظاہر ہے اگر
کسی وارث نے اپنے مال سے کسی قرض خواہ کا حق
ادا کر دیا اس شرط پر کہ وہ ترکہ میں سے قرض کا رجوع
نہیں کرے گا تو قاضی تقسیم کو نہیں توڑے گا بلکہ اس
کو قائم رکھے گا اور اگر اس نے ترکہ سے رجوع کی

ظاهر فيما اذا شرط الرجوع ومشكل
فيما اذا سكت، وينبغی ان يجعل
متطوعا اذا سكت والجواب انه لم يجعل
متطوعا لانه مضطر فی
القضاء[1] انتهی و برائے ثبوت
استحقاق زید بہ نسبت یافتن زرثمن از ورثہ
عمرو کہ مکان خریدۂ زید را بعد حکم
حاکم بہ تسلیم زید با وصف ثبوت ادائے
ثمن از ان زید بقبضۂ ایشاں در رسیدہ ایں
روایت ہدایہ و عنایہ و نتائج وغیرہ کفایت
میکند وھی ھذہ ومن قال
لاخر بعنی (منقولہ ھامش
الدر من باب الفضولی) الا
ان یسلمه المشتری له ای
الا ان یسلمه المشتری له العبد
المشتری لاجله الیه و یجوز ان
یکون معناہ الا ان یسلم فلانا
العبد المشتری لاجله
وفاعل یسلم ضمیر یعود
الی المشتری بناء علی
الروایتین بکسر الراء
وفتحها فیکون بیعا و
علیه العهدة ای علی

شرط لگائی یا خاموش رہا تو تقسیم مردود ہوگی تاوقتیکہ
ورثاء اس وارث کا حق ادا کردیں جس نے قرضخواہ
کا حق اپنے مال سے ادا کیا۔ یہ حکم شرط رجوع والی صورت
میں ظاہر اور سکوت والی صورت میں مشکل ہے چنانچہ خاموش رہنے کی صورت
میں اس وارث کو متطوع قرار دینا چاہئے، اس کا
جواب یہ ہے کہ اس کو متطوع اس لئے قرار نہیں
دیا گیا کہ وہ قرض کی ادائیگی میں مجبور تھا انتہی، زید
کا خریدا ہوا مکان حکم حاکم پر زید کی سپردگی کے بعد
جب ورثاء عمرو کے قبضہ میں پہنچ گیا باوجودیکہ زید
کی طرف سے زرثمن کی ادائیگی ثابت ہے تو اب
ورثاء عمرو سے زید کے زرثمن کے مستحق ہونے کے
ثبوت کے لئے ہدایہ، عنایہ اور نتائج کی یہ روایت
کافی ہے جو کہ یہ ہے اور جس شخص نے دوسرے کو
کہا کہ تو مجھ پر فروخت کر الخ (منقول از حاشیہ
درمختار، باب الفضولی) مگر یہ کہ مشتری غلام اس کے
حوالے کردے جس کے لئے اس نے خریدا یعنی سوائے
اس کے بیع جائز نہ ہوگی کہ مشتری خریدا ہوا غلام
اس کے حوالے کردے جس کے لئے اس نے خریدا اور
ممکن ہے کہ معنی یوں ہو مگر اس وقت بیع جائز ہوگی
جب مشتری خریدا ہوا غلام اس فلاں کے سپرد کردے
جس کی خاطر وہ غلام خریدا گیا اور یسلم کا فاعل
ضمیر ہو جو مشتری کی طرف لوٹتی ہے۔ یہ اختلاف
دو روایتوں پر مبنی ہے یعنی مشتری کی راء پر کسرہ اور فتحہ

---

[1] غمز عیون البصائر الفن الثانی کتاب القسمۃ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۹۵-۹۴

فلان عهدة الاخذ بتسليم الثمن
لانه صار مشتريا بالتعاطی
كالفضولی اذا اشتری لشخص ثم
سلمه المشتری لاجله[1] عناية
الا ان يسلم المشتری له
روی لفظ المشتری بروايتين
بكسر الراء وفتحها فعلی الكسر
يكون المشتری فاعلا، وقوله
له ای لاجله ويكون المفعول
الثانی محذوفا وهو اليه،
فالمعنی الا ان يسلم
الفضولی العبد الذی اشتراه
لاجل فلان اليه، وعلی
الفتح يكون المشتری له مفعولا
ثانيا بدون حرف الجر وهو
فلان، ويكون الفاعل مضمرا
يعود الی المشتری، فالمعنی
الا ان يسلم الفضولی العبد الی
المشتری له وهو فلان، ثم
ان هذا الاستثناء من قوله
لم يكن[2] الخ (منقوله هامش
الدر من الفضولی) الخ

کے ساتھ تو اس طرح یہ نئی بیع ہوگئی اور اس کی
یعنی فلاں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ثمن ادا کر کے
اس کو لے لے کیونکہ وہ تعاطی کے ساتھ مشتری
ہوگیا ہے اس فضولی کی طرح جو کسی شخص کے لئے
کچھ خریدے پھر وہ چیز اس کے حوالے کردے
جو اس کے لئے خریدی گئی (عنایہ) مگر یہ کہ مشتری
وہ غلام اس کے حوالے کردے۔ لفظ مشتری
دو طرح سے روایت کیا گیا راء کے کسرہ اور فتحہ
کے ساتھ، کسرہ کی صورت میں مشتری فاعل ہوگا
اور ماتن کا قول لہ کا معنی لاجلہ ہوگا اور
مفعول ثانی محذوف ہوگا جو کہ الیہ ہے تو اس
طرح عبارت مذکورہ کا معنی یہ ہوگا مگر یہ کہ فضولی
(مشتری) وہ غلام جو فلاں کی وجہ سے اس نے
خریدا وہ فلاں کے حوالے کردے، اور فتحہ کی صورت
میں مشتری لہ بغیر حرف جر کے مفعول ثانی ہوگا اور
مشتری لہ وہ فلاں ہی ہے اور یسلم کا فاعل
وہ ضمیر ہوگی جو مشتری کی طرف لوٹتی ہے تو اس
طرح عبارت مذکورہ کا معنی یہ ہوگا مگر یہ کہ وہ
فضولی (مشتری) غلام کو مشتری لہ (جس کیلئے
خریدا گیا) کے حوالے کردے اور وہ یعنی مشتری لہ
وہ فلاں ہی ہے، پھر یہ استثناء ماتن کے
قول لم یکن الخ سے ہے (منقول از حاشیہ در)

---

[1] العنایۃ علی ہامش فتح القدیر کتاب الوکالۃ باب الوکالۃ فی البیع والشراء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۷/ ۵۱و۵۲
[2] نتائج الافکار وہی تکملۃ فتح القدیر " " " " " " " " " " " "

نتائج، واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ احکم
المجیب المدعو بمحمد فقیر اللہ الغنی
عفی عنہ ارسلہ لی السید مولٰنا شاہ
علی باہتمام تام للتصدیق لمنتصف
جمادی الاولیٰ ۱۲۹۵ھ۔

اقول حاصل الجواب امران
الاول انہ انما اقر بالدار دون
الثمن وکان مضطرا الی قضائہ
فیرجع ولایجعل تبرعا، الثانی
انہ لما سلم الدار الی ورثۃ عمرو
صار بیعا مبتدا بالتعاطی فکان
عھدۃ الاخذ بتسلیم الثمن علیھم
وانت تعلم ان بین الامرین تباینا
وتنافیا وعندی الجواب
لیس کما قال لان زیدا اما
ان یکون قال عند الشراء
اشتریتہ لفلان او قال لی
اولا ولا علی الاول کان فضولیا
یتوقف نفاذ شرائہ علی
اجازۃ من اشتری لہ
وقد مات قبل ان
یجیز فبطل واستبان
ان المبیع للبائع و
الثمن للفضولی المشتری الذی
اداہ من عندہ، فلا شیئ

باب الفضولی) نتائج، اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے
اور اس کا علم بہت مضبوط ہے۔ مجیب فقیر
محمد فقیر اللہ نے اس کو سید مولٰنا شاہ علی
کے پاس پورے اہتمام کے ساتھ تصدیق کیلئے
ارسال کیا نصف جمادی الاولیٰ ۱۲۹۵ھ (ت)

اقول (میں کہتا ہوں) جواب کا حاصل
دو امر ہیں: پہلا یہ کہ زید نے مکان کا اقرار کیا نہ کہ
ثمن کا، اور وہ ثمن کی ادائیگی میں مجبور تھا لہذا
وُہ رجوع کرے گا اور اس کو تبرع قرار نہیں
دیا جائیگا۔ دوسرا امر یہ ہے کہ زید نے جب مکان
ورثاءِ عمرو کے حوالے کردیا اور یہ تعاطی کے ساتھ
نئی بیع ہوگئی تو اب ثمن ادا کرکے اس کو لینا عمرو
کے ورثاء کی ذمہ داری ہے اور تُو جانتا ہے کہ
ان دونوں امروں میں مخالفت ومنافات ہے،
اور میرے نزدیک اس کا جواب اس طرح نہیں
جس طرح مجیب نے کہا اس لئے کہ زید نے خریداری
کے وقت یا تو یہ کہا ہے کہ میں نے یہ مکان فلاں
کے لئے خریدا ہے یا یہ کہا کہ یہ میرے اپنے
لئے ہوگا یا ایسا اس نے نہیں کیا، پہلی صورت
میں وُہ فضولی ہے اور اس کی خریداری کا نفاذ
اس کی اجازت پر موقوف ہوگا جس کے لئے اس
نے یہ مکان خریدا حالانکہ وہ اجازت سے قبل
مرگیا ہے تو یہ بیع باطل ہوگئی اور ظاہر ہوگیا کہ
مبیع بائع کی ملک اور ثمن اس فضولی مشتری کی
ملک ہے جس نے اپنے پاس سے ادا کیا، چنانچہ

لعمرو ولا لورثته وحکم الحاکم
لهم لا یعتبر بل یرد ویفسخ
لانه قضی لهم بمال الغیر
والاقرار باطل لانه اقرار
بملك الغیر نعم ان انتقل
الیه بعد بوجه من الوجوه
اخذ باقراره، فاذا رفع الامر
الی القاضی وجب ان یرد قضاؤه
لظهور خطائه من جهة
الشرع، وهذا التعاطی ایضا
لا یجوز ان یکون بیعا
مبتدأً اذ الفضولی لا حق له فی
البیع وان کان کان بیع فضولی متوقفا
علی اجازة البائع الاول فان اجاز
کان الثمن له لا للفضولی والا یسترد الدار
من الورثة ویرد الثمن علی الفضولی،
وعلی الثانیین نفذ الشراء علی
الفضولی لعدم الاضافة الی
من اشتراها لاجله، ثم انه
مواخذ باقراره وقد قضی
القاضی للورثة بالدار
محتجین بالاقرار ففیم
یرجع علیهم بالثمن و
ان ثبت عند القاضی
انه انما شراه بثمنه

عمرو اور اس کے وارثوں کے لئے کچھ بھی نہیں اور
ان کے حق میں حاکم کا حکم معتبر نہیں بلکہ یہ مردود اور
فسخ ہوگا کیونکہ حاکم نے ان کے لئے ملک غیر کا حکم
کیا ہے اور اقرار باطل ہے کیونکہ یہ ملک غیر کا اقرار
ہے، ہاں اگر اس کے بعد کسی طرح وہ مکان زید
کی طرف منتقل ہوجائے تو وہ اس کے اقرار کے سبب
سے لے لیا جائے گا، اور اگر یہ معاملہ قاضی کے
پاس لے جایا جائے تو اس پر پہلے فیصلے کو رد
کردینا واجب ہے کیونکہ شریعت کی جہت سے
اس کی خطاء ظاہر ہوچکی ہے اور اس تعاطی
کا نئی بیع ہونا بھی جائز نہیں کیونکہ فضولی کا بیع
میں کوئی حق نہیں، اور اگر نئی ہوتی بھی تو ایسی بیع فضولی
ہوتی جو بائع اول کی اجازت پر موقوف ہوگی اگر
اس نے اجازت دے دی تو ثمن اس کے لئے
ہوں گے نہ کے فضولی کے لئے، اور اگر اس نے
بیع کو رد کردیا تو مکان عمرو کے وارثوں سے واپس
لے لیا جائیگا اور ثمن فضولی کو لوٹا دئے جائیں گے،
دیگر دونوں صورتوں میں خریداری فضولی پر نافذ
ہوئی کیونکہ اس نے اس شخص کی طرف اضافت
نہیں کی جس کے لئے اس نے گھر خریدا پھر بسبب
اس کے اقرار کے وہ ذمہ دار ہوگیا اور قاضی
نے ورثاء عمرو کے حق میں فیصلہ دیا جو زید کے
اقرار کو دلیل بنا رہے ہیں تو اب زید (فضولی) ثمن
کے بارے میں ورثاء عمرو پر کس وجہ
سے رجوع کرے گا اور اگر قاضی کے ہاں ثابت

لما وقع عند الشراء فی محکمة القضاء ولو لم یستلزم الاقرار بالدار الاقرار بالثمن اذ لیس معنی المؤاخذة بالاقرار ان یقضی بالمقر به للمقر له ویرجع المقر بالثمن بناء علی انه کان اشتراه اذ فی الاقرار لاینظر الی الواقع انما یؤاخذ الرجل بزعمه لاحتمال انه کان اشتراہ ثم حدث سبب فصار ملکا للمقر له وان ادعی انه انما اقر بناء علی زعمه ان اشراءہ لاینفذ علیه فهذہ کلمة هو قائلها لاتقبل منه لما فی الاشباہ اذا اقر بشیئ ثم ادعی الخطاء لم تقبل الا اذا اقر بالطلاق اذا اقر به بناء علی ما افتی به المفتی[1] ثم ظهر ان الحکم لیس کذٰلک فادعی الخطاء بناء علی هذا اقبل وکذا ان ادعی ان اقرارہ کان تملیکا وهبة وبطلت لموت عمرو

ہو جائے کہ زید نے وہ مکان عمرو کے ثمن سے خریدا ہے تو اہلِ شرع / خریداروں کے نزدیک یہ معاملہ محکمۂ قضاء کے تحت داخل نہ ہوگا اگرچہ کسی کے لئے مکان کا اقرار کرنا اس بات کا تقاضا نہیں کرتا کہ وہ مکان اسی کے ثمن سے خریدا گیا ہے، کیونکہ کسی شخص کو اس کے اقرار کے سبب پکڑنے کا یہ مطلب نہیں کہ اقرار والی شے کا فیصلہ اس شخص کے لئے کیا جائے جس کے لئے اقرار کیا گیا ہے اور پھر اقرار کرنے والا اس بناء پر مقرلہٗ سے ثمن کے بارے میں رجوع کرے کہ اس اقرار کرنے والے نے یہ شے خریدی تھی اس لئے کہ اقرار میں واقع کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ اقرار کرنے والا اپنے گمان / قول کے سبب سے پکڑا جاتا ہے کیونکہ ہو سکتا ہے اقرار کرنے والے نے اس شیَ کو خریدا ہو پھر کوئی ایسا سبب پیدا ہو گیا ہو جس سے وہ شیَ مقرلہٗ کی ملکیت کی طرف منتقل ہو گئی ہو، اور اگر اقرار کرنے والا یہ دعوٰی کرے کہ اس نے یہ شیَ (مقربہ) اس خیال سے خریدی تھی کہ اس کی خریداری مجھ پر نافذ نہ ہوگی تو یہ محض اس کا ایک قول ہے جس کو قبول نہیں کیا جائے گا، اس دلیل کی وجہ سے جو اشباہ میں کہ ایک شخص نے کسی چیز کا اقرار کیا پھر اس میں خطا کا

ـه الاشباہ والنظائر کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲/۲۱-۲۰

قبل القبول والتسلیم فات الموت احد العاقدین یبطل الھبۃ اذا کان قبل التسلیم فقبل القبول ...ف... ای لم تقبل ایضا صرح بہ فی الاشباہ ثم ھذا التسلیم الواقع بامر القاضی انما وقع علی حکم الاقرار لا علی وجہ البیع والتسلیم لا یکون بیع التعاطی الا اذا وقع علی جہتہ قال فی الدر فی باب الوکالۃ بالبیع والشراء لان التسلیم علی وجہ البیع بیع بالتعاطی[1] الخ وایضا یعتمد البیع بالتراضی و ھھنا التسلیم بامر القاضی ولا رضاء بعد القضاء ھذا ما ظھر لی من وجوہ الخلل فی الجواب فالحق فی الجواب ما

دعوٰی کیا تو یہ دعوٰی قبول نہیں کیا جائے گا سوائے طلاق کے کہ جب کسی شخص نے مفتی کے غلط فتوٰی کی بناء پر طلاق کا اقرار کرلیا پھر اسے معلوم ہوا کہ مسئلہ اس طرح نہیں ہے چنانچہ اس وجہ سے اس نے خطاء کا دعوٰی کیا تو قبول کرلیا جائے گا اور یہی حکم ہوگا کہ اگر زید نے دعوٰی کیا کہ اس کا اقرار تو تملیک اور ہبہ تھا اور وہ قبول وتسلیم سے عمرو کے فوت ہوجانے کی وجہ سے باطل ہوگیا ہے کیونکہ عاقدین میں سے کسی ایک کی موت ہبہ کو باطل کردیتی ہے جبکہ تسلیم سے پہلے موت واقع ہوئی ہو .... پھر قاضی کے حکم سے واقع ہونے والی یہ تسلیم بطور بیع نہیں بلکہ اقرار کی بنیاد پر ہے اور تسلیم جب تک بطور بیع نہ ہو وہ بیع تعاطی نہیں ہوسکتی، در میں بیع وشراء کی وکالت کے باب میں ہے کہ بیشک بیع کے طور پر ہونے والی تسلیم بیع تعاطی ہے الخ نیز بیع کی بنیاد تو باہمی رضامندی پر ہوتی ہے جبکہ یہاں قاضی کے حکم سے تسلیم ہوئی اور قضاء کے بعد رضا نہیں ہوتی، یہ مجیب کے جواب میں واقع ہونے والے خلل کی وجوہات تھیں جو میرے لئے ظاہر ہوئیں اور جواب میں حق وہ ہے جو

---

[1] درمختار کتاب الوکالۃ باب الوکالۃ بالبیع الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۰۶

ف: یہاں اصل میں بیاض ہے۔

اقول ان ثبت انه لم یکن اضاف الشراء الی عمرو حین اشتری ولو استکتب اسمه فی الصك بعد تمام العقد ووقوع الایجاب و القبول فلا شك ان الشراء ینفذ علیه فتصیر الدار ملکا له، ثم یؤاخذ باقرارہ کما قضی القاضی ولا یمکنه الرجوع علی الورثة بالثمن، وان تثبت الاضافة اذ ذاك کان شراء متوقفا ثم بطل لموت عمرو قبل الاجازۃ قال فی الدر فی حق بیع الفضولی لا تجوز اجازۃ وارثه لبطلانه بموته[1] وکذا فی عامة الکتب فکذا شراؤہ لاجرم ان قال فی الاشباہ الموقوف یبطل بموت الموقوف علی اجازته ولا یقوم الوارث لوارث مقامه الا فی القسمة کذا فی الولوالجیة[2] انتهی فلم یکن للورثة حق فی الدار ولا فی الثمن

اقول (میں کہتا ہوں) اگر ثابت ہوجائے کہ زید نے مکان خریدتے وقت خریداری کو عمرو کی طرف منسوب نہیں کیا اگرچہ ایجاب وقبول کے وقوع اور عقد کے انعقاد کے بعد بیعنامہ میں اس کا نام لکھوا دیا ہے تو بیشک یہ شراء زید پر نافذ ہوگی اور مکان اسی کی ملک ہوگا پھر اس کے اقرار کی وجہ سے وہ مکان اس سے لے لیا جائیگا جیسا کہ قاضی نے فیصلہ کیا ہے، اس صورت میں وہ ثمن کے بارے میں ورثاء عمرو سے رجوع نہیں کرسکتا اور اگر بوقتِ خریداری عمرو کی طرف نسبت کرنا ثابت ہوجائے تو یہ شراء موقوف ہوئی جو کہ عمرو کی قبل از اجازت موت کے سبب سے باطل ہوگئی، در میں فضولی کی بیع کے بارے میں فرمایا کہ اس کے وارث کی اجازت سے جائز نہ ہوگی کیونکہ وہ بیع اس (صاحبِ متاع) کی موت کی وجہ سے باطل ہوچکی ہے اور اسی طرح عام کتابوں میں ہے تو یقیناً اسی طرح فضولی کی شراء کا حکم ہوگا۔ اشباہ میں کہا کہ موقوف بیع اس شخص کی موت سے باطل ہوجاتی ہے جس کی اجازت پر وہ موقوف تھی اور اس کا وارث اس کے قائم مقام نہیں ہوتا سوائے قسمت کے، جیسا کہ ولوالجیہ میں ہے انتہی۔ لہذا ورثاء عمرو کا نہ تو مکان میں کوئی حق ہے نہ ہی ثمن میں اور

---

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲

[2] الاشباہ والنظائر " الفن الثانی ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۳۰

فاذا رفع الامر الی القاضی وجب ان یرد قضاؤہ لما تبین من خطائہ بحکم الشرع فان ادعی البائع ردت الدار الیہ والثمن الی المشتری ولا شیئ للورثۃ ھذا ، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم وحکمہ احکم۔

جب قاضی کے پاس معاملہ لے جایا گیا تو اس کی قضا کو رَد کرنا واجب ہے کیونکہ شرع کی جانب سے اس کی خطاء ظاہر ہوچکی ہے۔ چنانچہ اگر بائع دعوٰی کرے تو مکان اس کو اور ثمن مشتری کو لوٹا دئے جائیں گے ورثاء عمرو کے لئے کوئی شیئ نہ ہوگی۔ اسے خوب یاد رکھو۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم وحکمہ احکم (ت)

مسئلہ ۹۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے دو۲ مکان اپنے روپیہ سے خرید کر ان کے بیعنامے اپنے چھوٹے بھائی خالد کے نام کہ وُہ بھی بالغ تھا لکھا دئے اور خریدتے وقت اپنے اہل خاندان کے رُوبرو کہا کہ یہ مکان میں نے صرف اپنے بھائی خالد کے لئے خریدے ہیں ان کا کوئی مالک نہیں اور بعد خریداری خالد کو قابض کرادیا اور دستاویز بھی اسے دے دی اور کرایہ نامے خالد ہی کے نام سے ہوتے رہے اور کرایہ دار اسی کی مرضی پر آباد ہوتے رہے اور کرایہ بھی وہی پاتا رہا اب دس برس کے بعد کہ زید فوت ہوا اس کا تیسرا بھائی عمرو مدعی ہے اُن مکانوں کے میں اور زوجہ و پسر و دختر زید مالک ہیں کہ میرے اور زید کے روپے سے خرید کردہ ہیں حالانکہ واقع میں اس کا روپیہ اصلاً نہ تھا اس صورت میں مالک مکانوں کا کون ہوسکتا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اگر خریدتے وقت عقد بیع وشراء مالکان مکان وزید سے بنام خالد واقع ہوا تھا تو وہ شراء شرائے فضولی تھا اور اجازتِ خالد پر موقوف،

فی الدرالمختار لو اضافہ (یعنی اضاف المشتری الفضولی الشراء الی غیرہ) بان قال بع ھذا العبد لفلان فقال البائع بعتہ لفلان توقف بزازیۃ وغیرہا[1] اھ فی ردالمحتار علی اجازۃ من شری لہ فان اجاز جاز وعھدتہ علی المجیز لا علی

درمختار میں ہے کہ اگر فضولی مشتری نے شراء کی نسبت کسی غیر کی طرف کی بایں طور کہ یُوں کہا یہ غلام فلاں کے لئے فروخت کر۔ بائع نے کہا میں نے فلاں کے لئے فروخت کیا، تو یہ شراء موقوف ہوگی، بزازیہ وغیرہا۔ ردالمحتار میں ہے کہ اس شخص کی اجازت پر موقوف ہوگی جس کے لئے فضولی نے خریداری کی اگر وہ اجازت

---

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱

العاقد[1]

دیگا تو یہ شراء جائز ہو جائیگی اور اس کی ذمہ داری اجازت دینے والے پر ہوگی نہ کہ عاقد پر۔ (ت)

جبکہ خالد نے مکانات پر قبضہ کیا وہ شراء جائز و نافذ ہوگیا

كما ان قبض الثمن اجازة لبيع الفضولى فى الدر المختار اخذ المالك الثمن اجازة[2] اھ ملخصا ثم قال و افاد كلامه جواز الاجازة بالفعل والقول[3] اھ۔

جیسا کہ ثمن پر قبضہ کرنا بیع فضولی کی اجازت ہوتا ہے، درمختار میں ہے کہ مالک کا ثمن وصول کرنا اجازت ہے اھ ملخص۔ پھر کہا ماتن کا قول اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ اجازت قول و فعل دونوں سے جائز ہے اھ (ت)

اور تقریر سوال سے ظاہر کہ ثمن زید نے بطور خود بے اذن و امر خالد اپنے مال سے ادا کیا تو وہ اس امر میں تبرع و احسان کرنیوالا تھا اور یہ بات خود گفتگو مذکور سوال سے واضح ہے پس مکانات بے شرکت غیرے خاص ملک خالد ہیں اور اس پر وارثان زید کا کوئی دعوٰی نہ دربارہ مکانات ہے نہ درباب ثمن،

فى الفتاوى الخيرية اذا دفع دينا لحق الأخر باذنه فله الرجوع عليه ولا يكون متبرعا للاذن حتى اذا لم يأذن له به كان متبرعا و به يعلم انه اذا دفع مهر زوجته عنه باذنه او ثمن الجارية التى امره بشرائها يرجع عليه بما دفع والحال هذه[4] اھ۔

فتاوٰی خیریہ میں ہے اگر کسی نے دوسرے کا قرض اس کی اجازت سے ادا کیا تو اس سے رجوع کر سکتا ہے اور متبرع نہ ہوگا کیونکہ اس کی اجازت سے ادائیگی کی ہے حتی کہ اگر مقروض نے اس کو ادائیگی قرض کا اذن نہ دیا ہوتا تو یہ احسان کرنے والا قرار پاتا (یعنی حق رجوع نہ رکھتا) اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی نے شوہر کے اذن سے اس کی طرف سے اس کی بیوی کا مہر ادا کر دیا یا کسی کی لونڈی کی قیمت ادا کر دی جس کی خریداری کا اس نے حکم دیا تھا تو ادا کرنے والا شوہر اور لونڈی کے مالک سے رجوع کر سکتا ہے اور صورت حال یہی ہے اھ (ت)

---

[1] ردالمحتار	کتاب البیوع	فصل فی الفضولی	داراحیاء التراث العربی بیروت	۴/۱۳۶
[2] درمختار	"	"	مطبع مجتبائی دہلی	۲/۳۲
[3] "	"	"	"	"
[4] فتاوٰی خیریہ	"	"	دارالمعرفۃ بیروت	۱/۲۲۴

رہا عمرو، اگر واقع میں کچھ روپیہ اس کا بھی ادائے ثمن میں صرف ہوا اور اس نے بھی مثلِ زید بطورِ خود دیا تھا تو وہ بھی متبرع ہے جس کا مطالبہ کسی سے نہیں کر سکتا، اور اگر زید نے اس سے مانگ کر ثمن میں صرف کیا تو غایت یہ ہے کہ یہ قرض عمرو کا زید پر ہوگا اس کے ترکہ سے لے، خالد پر کوئی دعوٰی اسے نہیں پہنچتا،

فانه ان اقرض فانما اقرض زیدا فعلیه العهدة لاعلی خالد کما لایخفی۔

اس لئے کہ اگر اس نے قرض دیا تھا تو یہ قرض زید کو دیا تھا اسی پر اس کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے نہ کہ خالد پر، جیسا کہ پوشیدہ نہیں (ت)

اور اگر عقد بیع وشراء بنام زید ہوا تھا اگرچہ بعد کو زید نے بیعناموں میں خالد کا نام لکھا دیا تو وہ مکان وقتِ خریداری مملوکِ زید ہوئے

لان الشراء اذا وجد نفاذا نفذ علی العاقد[1] کما نص علیه فی الهدایة و الدرالمختار وعامة الاسفار فی الدر لو اشتری لغیرہ نفذ علیه[2] الخ۔

کیونکہ شراء جب نفاذ کی گنجائش پائے تو عاقد پر نافذ ہو جاتی ہے جیسا کہ اس پر ہدایہ، در اور عام کتابوں میں نص کی گئی ہے، در میں ہے کہ اگر کسی غیر کیلئے خریداری کی تو خود اس پر نافذ ہوگی الخ (ت)

اور عمرو کا روپیہ ادائے ثمن میں دیا بھی گیا ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مکان خرید کردہ عمرو کے ٹھہریں یا ان میں اس کا حصہ قرار پایا جائے بلکہ تنہا زید ہی اس کا مالک ٹھہرے گا،

فی الفتاوی الخیریة لاتثبت الدار للاب بقول الابن اشتریتها من مال ابی اذ لایلزم من الشراء من مال الاب ان یکون المبیع للاب لانه یحتمل القرض والغصب[3]۔

فتاوٰی خیریہ میں ہے کہ بیٹے کے یوں کہنے سے کہ میں نے گھر اپنے باپ کے مال سے خریدا ہے گھر باپ کے لئے ثابت نہ ہوگا کیونکہ باپ کے مال سے خریدنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ مبیع باپ کے لئے ہو اس لئے کہ اس میں یہ احتمال موجود ہے کہ اس نے باپ کا مال غصب کیا ہو یا قرض لیا ہو۔ (ت)

پھر بعد خریداری جو افعال واقوال زید سے واقع ہوئے اور اس نے وہ مکان خالد کا نام بیعناموں میں

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب المتفرقات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۰
فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیوع فصل فی البیع الموقوف نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۵۱
[2] درمختار " فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱
[3] فتاوٰی خیریہ " دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۱۹

لکھا کرا سے سپرد کر دیئے یہ صریح دلیل ہبہ ہے،

فالهبة ایضا ینعقد بالتعاطی دل علیه فروع جمة فی المذهب وفی الدر المختار اتخذ لولدہ او لتلمیذہ ثیابا ثم اراد دفعها لغیرہ لیس له ذٰلک مالم یبین وقت الاتخاذ انها عاریة[1] اھ وفی العقود الدریة فی تنقیح الفتاوی الحامدیة وفی الذخیرة والتجنیس امرأة اشترت ضیعة لولدها الصغیر من مالها وقع الشراء للام لانها لا تملك الشراء للولد وتكون الضیعة للولد لان الام تصیر واهبة[2]

چنانچہ ہبہ بھی تعاطی (باہمی لین دین) سے منعقد ہو جاتا ہے اس پر مذہب میں واقع کثیر فروع دلالت کرتی ہیں۔ درمختار میں ہے کہ بیٹے یا شاگرد کے لئے کسی نے کپڑے بنائے پھر غیر کو دینے کا ارادہ کیا تو اس کو ایسا کرنے کا اختیار نہیں جب تک کہ بنانے کے وقت یہ وضاحت نہ کر دی ہو کہ یہ کپڑے عاریت ہیں اھ عقود الدریہ، فتاوٰی حامدیہ، ذخیرہ اور تجنیس میں ہے کہ ایک عورت نے اپنے مال سے نابالغ بچے کے لئے جائداد خریدی تو شراء ماں کے لئے واقع ہوگی کیونکہ وہ بچے کے لئے خریداری کی مالک نہیں اور وہ جائداد بچے کی ہوگی کیونکہ ماں ہبہ کرنے والی بن گئی۔ (ت)

پس اس صورت میں بھی بعد قبضہ خالد کے ملک تام ہوگئی اور ان مکانات میں کسی کا کچھ حق نہ رہا اور زرِ ثمن میں اگر عمرو نے کچھ دیا بھی تو اس کا وہی حال ہے جو اوپر مذکور ہوا یعنی بطور تطوع تھا تو کسی پر مطالبہ نہیں اور بطور قرض تھا تو وہ قرض زید پر ہے خالد سے کچھ تعلق نہیں، ہاں اگر نفس عقد زید و عمرو دونوں کے لئے واقع ہوتا مثلاً بائع کہتا میں نے یہ مکان تم دونوں کے ہاتھ بیچے، یہ کہتے ہم نے خریدے یا عمرو زید کو اپنی طرف سے اپنے مکان کی خریداری کا وکیل کر دیتا تو البتہ وہ بحصّہ مساوی زید و عمرو دونوں کے ملک ہوتے اگرچہ عمرو نے ثمن میں کچھ نہ دیا ہوتا اور اب یہ ہبہ بنام خالد کہ صرف زید نے کیا محض ناجائز رہتا،

لانه ما یملك الاهبة ملکه وهو مشاع ولا یکفی سکوت عمرو حتی یجعل هبة لکل لان سکوت المالك عند بیع الفضولی

کیونکہ وہ تو صرف اپنی ملک کو ہبہ کرنے کا مالک ہے اور اس کی ملک جزء غیر منقسم ہے (جس کا ہبہ جائز نہیں)، اور عمرو کا سکوت کافی نہیں کہ دونوں کا

---

[1] درمختار کتاب الہبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰
[2] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب الوصایا عبدالغفار کتبخانہ قندھار افغانستان ۲/ ۳۳۷

لایکون رضا کما فی الاشباہ[1] فکیف بالھبۃ۔

ہبہ بنادیا جائے کیونکہ فضولی کی بیع کے وقت مالک کا سکوت اس کی رضا نہیں ہوتا جیسا کہ اشباہ میں ہے تو ہبہ میں ایسا کیسے ہوسکتا ہے (ت)

مسئلہ ۹۹ از پیلی بھیت مرسلہ مولوی عبدالاحد صاحب ۴ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے بحالتِ مرض الموت ایک حقیقت بحق وارث بیع کی بہ امورات خیر تو یہ وقف رہا یا بیع؛ ایسی صورت میں یہ بیع بھی ایک ثلث ہی بحق وارث رہ سکتی ہے یا نہیں؟ یہ بیع ایسی حالت میں بیع جانی جائے گی یا ہبہ؟ فقط بیّنوا توجروا۔

الجواب

جبکہ بیع کی ہے تو وہ عقد نہ وقف ہوسکتا ہے نہ ہبہ ہوسکتا ہے بلکہ بیع ہی ہوگا اگر واقعی اسی مرض میں ہے جسے شرعاً مرض الموت مانا جائے تو وارث کے ہاتھ بے اجازت دیگر ورثہ مطلقاً ناجائز ہے نہ ثلث میں نافذ ہوسکتی ہے نہ ہزارویں حصے میں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۰ از قصبہ فیروز آباد ضلع آگرہ مسئولہ سید بشارت علی و سرفراز علی سوداگرانِ چوڑی ۲ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اس زمانے میں گورنمنٹ نے شہر بہ شہر، قصبہ بہ قصبہ، گاؤں بگاؤں مویشی خانے مقرر کر رکھے ہیں اس میں لاوارثی گائے بیل بکری وغیرہ داخل کی جاتی ہیں اور وُہ زیادہ سے زیادہ پندرہ یوم مویشی خانہ میں اس وجہ سے رہتی ہے کہ جب مالک مویشی آئے گا اس وقت زرِ جرمانہ و زرِ خوراک وصول کرکے چھوڑ دیا جائے گا اور جب میعاد مقررہ تک مالک راس نہیں آیا تو اس جانور کو حاکم پرگنہ یا حاکم متعلقہ نیلام کردیتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ ایسی بیع جائز ہے یا نہیں؟ اور اس قسم کی گائے بیل وغیرہ نیلام میں سے خرید کرکے بقرہ عید پر قربانی کرنا اس جانور کا جائز ہے یا نہیں؟ دُوسری بات یہ ہے کہ اگر ایسے جانور کو دوسرا شخص خریدے خواہ ہندو یا مسلمان پھر اس سے ایک اور شخص خرید کرکے قربانی کرے تو جائز ہے یا نہیں؟ قربانی کرنے والے کو اس کا علم ہے کہ اس نے مویشی خانہ میں سے نیلام میں خریدی ہے زید و عمرو دونوں مولوی ہیں یہ دونوں کہتے ہیں کہ ایسے جانور کی قربانی جائز ہے اور بکر ایک مولوی ہے وہ یہ کہتا ہے کہ یہ جانور حکم لقیط میں ہے لہذا ایسے جانور کی قربانی بھی ناجائز ہے۔ بیّنوا توجروا۔

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثانیۃ عشر ادارۃ القرآن کراچی ۱/۱۸۵

14
14

الجواب

جو چیز بے اطلاعِ مالک بیچی جائے وہ بیع اجازتِ مالک پر موقوف رہتی ہے قبل از اجازت اگر سو بیعیں یکے بعد دیگرے ہوں سب اسی کی اجازت پر موقوف رہیں گی اور قبل اجازت اس میں کوئی اس کا مالک نہ ہوگا نہ اس کا تصرف جائز ہو، نہ اس کی قربانی ہوسکے، لقطہ کا حکم تشہیر ہے اس کے بعد فقیر پر تصدق، نہ کہ بلاتشہیر بیع۔ ہاں بعد اطلاع جس بیع کو وہ نافذ کردے نافذ ہوجائیگی جبکہ بائع و مشتری و مبیع قائم ہوں۔ فتاوٰی قاضیخان و فتاوٰی عالمگیریہ وغیرہما میں ہے:

اذا باع الرجل مال الغیر عندنا یتوقف البیع علی اجازۃ المالک ویشترط لصحۃ الاجازۃ قیام العاقدین و المعقود علیہ[1]

جب کسی شخص نے غیر کا مال فروخت کیا تو ہمارے نزدیک یہ بیع مالک کی اجازت پر موقوف ہوگی اور اجازت کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے کہ عاقدین اور معقود علیہ قائم ہو۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۱: از بنارس محلہ کچی باغ علاقہ جیت پورہ مرسلہ خلیل الرحمٰن صاحب ۲۸ جمادی الاولٰی ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں جو کچھ از روئے کتب معتبرہ ہو بیان فرمائیں، بینوا توجروا

واضح ہو کہ مسمی حشام جب بیمار ہوئے تو حالتِ بیماری میں اپنا مکان اپنی زوجہ و اپنی دختر دونوں کے ہاتھ بیع کیا مگر گواہان سے ثابت ہوا کہ زرثمن رُوبرو گواہوں کے مشتریاں مذکورہ نے ادا نہیں کیا اور بعد بیع کرنے مکان کے مسمی حشام ایسے نہ ہوئے کہ چارپائی سے اُٹھ کر کام ضروری کرتے آخر بعد اکیس یوم کے قضا کرگئے اور بعد قضا کرنے حشام کے ان کی دختر بھی ایک ہفتہ کے بعد مرگئی، اور پھر گزرنے مدت پانچ ماہ کے لڑکا حشام کا پیدا ہوا، اور بعد پیدا ہونے بیٹے کے مسماۃ جان بی بی زوجہ حشام بیمار ہوئیں اور بیماری کی حالت میں زوجۂ حشام نے مکان مذکور کو ایک شخص کے ہاتھ بیع کیا اور بعد بیع کرنے مکان کے چار روز بعد زوجۂ حشام بھی قضا کرگئیں فقط۔

لڑکا حشام کا جو پیدا ہوا تھا وہ تنہا رہا، پھر وہ لڑکا بھی ۲ دو مہینے بعد مرگیا، جب سب لوگ مرگئے کوئی نہ بچا مگر ایک برادر زادہ حشام کے مسمی یار محمد ہیں، تو یار محمد سے اور حسین کے ہاتھ زوجہ حشام نے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۵۲
فتاوٰی قاضیخان ؍؍ فصل البیع الموقوف نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۵۱

مکان بیع کیا تھا اس سے تنازع ہوئی، مشتری نے کہا کہ ہم نے خریدا ہے اور یار محمد نے کہا کہ ہمارا حق ہوتا ہے ہم مالک ہیں، غرضکہ جب جھگڑا زیادہ اہلِ محلہ نے دیکھا تب پنچوں نے دونوں سے کہا کہ جھگڑو نہ ہم لوگ تمھارا جھگڑا طے کردیں گے، پنچ جمع ہوئے، مطلب سے آگاہ ہوئے یعنی مشتری نے کہا کہ حشام بعد بیع کرنے مکان کے تندرست ہوگئے تھے اور یار محمد بھتیجے حشام نے کہا کہ بیع کرنے کے بعد پچا اپنی چارپائی سے نہ اُٹھے اور فوت ہوئے، اس بات میں پنچوں نے صلاح کیا کہ جو لوگ قریب مکان کے رہتے ہیں اُن سے دریافت کرنا چاہیے تب دو آدمی پڑوسی کو بلایا ایسے کہ وہ لوگ حشام کے گھر جاتے رہتے تھے، وہ لوگ آئے یعنی مسمی الٰہی بخش و مسمی جان محمد، دونوں گواہوں سے پُوچھا گیا تو جو گواہوں نے شہادت دی ہے وہ رقم ہوتا ہے فقط۔

بیان الٰہی بخش گواہ کا یہ ہے: الٰہی بخش از رُوئے حلف بمقابلہ پنچوں کے مسجد میں بیان کیا کہ میں گاہ گاہ ان کے گھر جاتا تھا تو حالت حشام کی ایسی تھی کہ سوائے چارپائی کے کہیں جا نہیں سکتے تھے اور ضعف اس قدر تھا کہ واسطے حاجات ضروری کے مکان سے باہر نہیں جاسکتے تھے مکان کے اندر پاخانہ وپیشاب کرتے تھے اور بیعنامہ لکھنے کے تخمیناً ایک ماہ سے کمتر میں انتقال کرگئے۔

بیان جان محمد گواہ کا یہ ہے: مسجد میں بیان کیا گیا کہ حشام نے جب بیعنامہ لکھا تو حالت ان کی یہ تھی کہ سوائے چارپائی کے کہیں جا نہیں سکتے تھے۔ بیماری میں ضعف اس قدر تھا کہ واسطے پاخانہ وپیشاب کے مکان کے باہر نہیں جاسکتے تھے اندر ہی مکان کے حاجت ادا کرتے تھے میں گاہ گاہ ان کی عیادت کو جاتا رہتا تھا تو اسی چارپائی پر جُھک کر حقہ بھی بھر لیتے تھے اور اسی بیماری میں تخمیناً ایک ماہ سے کمتر میں قضا کرگئے۔

الجواب

بیع جو مرض الموت میں وارث کے نام کی جائے حکم وصیت میں ہے کہ بعد موت مورث بے اجازت وارث باطل ہے۔ فتاوٰی امام قاضیخان وغیرہ میں ہے:

من البیع الموقوف اذا باع المریض فی مرض الموت من وارثه عینا من اعیان ماله ان صح جاز بیعه وان مات من ذلك المرض ولم یجز

موقوف بیوع میں سے ہے کہ جب مریض نے مرض موت میں اپنے مال میں سے جو معین چیز اپنے کسی وارث کے ہاتھ فروخت کی اب اگر وہ صحتیاب ہوگیا تو بیع جائز ہوجائے گی اور اگر اسی بیماری میں مرگیا اور اس کے وارثوں نے

الورثۃ بطل البیع[1] اس بیع کی اجازت بھی نہ دی تو بیع باطل ہوجائے گی۔ (ت)

اور وقت اجازت متصل موت مورث ہے یہاں تک کہ حیات مورث میں اجازت ورثہ معتبر نہیں۔ ہدایہ میں ہے:

لامعتبر باجازتھم فی حال حیاتہ لانھا قبل ثبوت الحق، اذ الحق یثبت عند الموت[2] مریض کی زندگی میں وارثوں کی اجازت معتبر نہیں کیونکہ یہ اجازت ثبوتِ حق سے پہلے ہوئی اس لئے کہ وارثوں کا حق تو مریض کی موت کے وقت ثابت ہوگا۔ (ت)

اور موت ہشام سے چند ماہ بعد لڑکا پیدا ہونے سے ثابت ہوا کہ وقتِ موتِ مورث یہ لڑکا بھی ایک وارث تھا اور بچہ کہ ہنوز پیٹ میں ہو ظاہر ہے کہ نہ تو خود اس کی اجازت متصور، نہ اس کی طرف سے کسی کی اجازت ممکن کہ پیٹ کے بچے پر اللہ و رسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سوا کسی ولی یا وصی

ع اللہ جل جلالہ کا ولی و والی جملہ عالم ہونا ظاہر، اور اس کی خلافت سے حضور پُرنور سیّدِ عالم خلیفۂ اعظم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ولایت بھی ہر شَے پر ہے اور خود جنین پر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ولایت فقیر قرآن عظیم و حدیث صحیح سے ثابت کرسکتا ہے، آیت تو قولِ الٰہی عزوجل النبی اولی بالمؤمنین من انفسھم[3] جس میں ارشاد ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر مسلمان پر اس کی جان سے زیادہ ولی و والی و مختار و صاحبِ تصرف و اقتدار ہیں، اور شک نہیں کہ جنین بھی انسان ہے اور وہ یقیناً کافر نہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کل مولود یولد علی فطرۃ الاسلام[4] ۔ ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے (ت)

(باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیوع فصل فی البیع الموقوف نولکشور لکھنؤ ۲/۲۵۳

[2] الہدایہ کتاب الوصایا مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/۶۵۱

[3] القرآن الکریم ۳۳/۶

[4] صحیح البخاری کتاب الجنائز قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۸۱

صحیح مسلم کتاب القدر باب معنی کل مولود یولد علی الفطرۃ " " ۲/۳۳۶

یا حاکم یہاں تک کہ خود باپ کو بھی ولایت نہیں، ولوالجیہ پھر معین المفتی پھر غمز العیون القول فی الملک میں ہے:

لا ولایة للاب علی الجنین[1]

جنین پر باپ کو ولایت حاصل نہیں (ت)

ثالث میں ثانی سے ہے:

وفی التبیین ولا تصح الھبة للحمل لان الھبة من شرطھا القبول والقبض ولا یتصور ذٰلک من الجنین ولا یلی علیہ احد حتی

تبیین میں ہے حمل کے لئے ہبہ درست نہیں کیونکہ قبول وقبضہ ہبہ کی شرائط میں سے ہے جبکہ جنین سے یہ متصور نہیں اور نہ ہی اس پر کسی کو ولایت حاصل ہے کہ وہ اس کی طرف سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اللہ سبحانہ وتعالٰی فرماتا ہے:

فطرت اللّٰہ التی فطر الناس علیھا۔[2]

اللہ کی فطرت وہ ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا۔ (ت)

اہلسنت کے نزدیک ایمان وکفر میں واسطہ نہیں تو جنین ضرور مومن ہے اور بحکم آیت رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر مومن کے ولی ووالی ہیں، یہ ثبوت آیت سے ہوا، اور حدیث سے یہ کہ ابھی فقہائے کرام کی تصریحیں سُن چکے کہ جنین کا کوئی ولی نہیں، اور رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اللّٰہ ورسولہ مولٰی من لا مولٰی لہ۔[3] رواہ الترمذی وحسنہ وابن ماجة عن امیر المؤمنین الفاروق رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ ۱۲ منہ غفرلہ (م)

جس کا کوئی ولی نہ ہو اس کے ولی ووالی ومولٰی اللہ و رسول ہیں جل وعلا وصلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم (اسے ترمذی نے روایت کیا اور اسے حسن قرار دیا اور ابن ماجہ نے اسے امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت) ۱۲ منہ غفرلہ

---

[1] غمز عیون البصائر مع الاشباہ الفن الثالث القول فی الملک ادارۃ القرآن الکراچی ۲/ ۲۰۳

[2] القرآن الکریم ۳۰/ ۳۰

[3] سنن ابن ماجہ ابواب الفرائض باب ذوی الارحام ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۰۱

یقبض عنه فصار کالبیع قلت فقد افاد رحمه الله تعالٰی انه لا ولایة لاحد علی الجنین اصلا و به ظهر خطأ من افتی ان الوصی یملك التصرف فی المال الموقوف للحمل[1]

قبضہ کرے چنانچہ یہ بیع کی طرح ہوگیا۔ میں کہتا ہوں کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے اس بات کا فائدہ دیا کہ بیشک جنین پر کسی کو کسی قسم کی ولایت بالکل حاصل نہیں تو اس سے اس شخص کی غلطی ظاہر ہوگئی جس نے یہ فتوٰی دیا ہے کہ حمل کے لئے رکھے ہوئے مال میں وصی تصرف کرنے کا مالک ہے (ت)

عقود الدریہ میں منح الغفار سے ہے:

لا ولایة للاب علی الجنین فضلا عن الوصی لقول الزیلعی و لا یلی علی الحمل اھ[2]

باپ کو جنین پر ولایت حاصل نہیں تو وصی کو کیسے حاصل ہوسکتی ہے بسبب زیلعی کے قول کے کہ اس کو حمل پر ولایت نہیں اھ (ت)

اور جو عقد جس وقت محتاجِ اجازت ہو اور اس وقت اس کا اجازت دینے والا کوئی نہ ہو وہ باطل محض ہوتا ہے کہ پھر آئندہ کوئی صالح اجازت پیدا ہو کر اجازت بھی دے تو جائز نہیں ہوسکتا، درمختار میں ہے:

مالا مجیز له حالة العقد لا ینعقد اصلا بیانه صبی باع مثلا ثم بلغ قبل اجازة ولیه فاجازه بنفسه جاز لان له ولیا یجیزه حالة العقد بخلاف ما لو طلق مثلا ثم بلغ فاجازه بنفسه لم یجز لانه وقت العقد لا مجیز له فیبطل[3]

جس بیع کا بوقتِ عقد کوئی اجازت دینے والا نہ ہو وہ اصلاً منعقد نہیں ہوتا، اس کا بیان یہ ہے کہ نابالغ بچے نے بیع کی پھر ولی کی اجازت سے قبل بالغ ہوگیا اور بذاتِ خود اس کی اجازت دے دی تو بیع جائز ہوگی کیونکہ بوقتِ عقد اس بیع کی اجازت دینے والا اس کا ولی موجود تھا جو بیع کی اجازت دے سکتا تھا بخلاف اس کے کہ اس نے نابالغی کی عمر میں طلاق دی پھر بالغ ہو کر بذاتِ خود اس کی اجازت دی تو یہ طلاق جائز نہ ہوگی کیونکہ بوقتِ عقد اس کا کوئی اجازت دہندہ نہ تھا لہذا یہ باطل ہوگئی (ت)

تو ظاہر ہُوا کہ صورتِ مستفسرہ میں یار محمد و مشتری کا اختلاف کہ ہشام نے وہ بیع صحت میں کی یا مرض الموت

---

[1] غمز عیون البصائر مع الاشباہ الفن الثالث القول فی الملک ادارۃ القرآن الخ کراچی ۲/ ۲۰۳

[2] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۳۰

[3] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱

میں درحقیقت اس بیع کے انعقاد و بطلان میں اختلاف ہے مشتری مدعی ہے کہ وہ بیع شرعاً منعقد ہے اور یار محمد کہتا ہے منعقد نہیں بلکہ محض باطل وکالعدم ہے اور جب بیع کے بطلان و انعقاد میں اختلاف واقع ہو تو قول اس کا بحلف معتبر ہے جو قائل بطلان ہو۔ اشباہ والنظائر و درالمختار میں ہے :

اختلف المتبایعان فی الصحۃ والبطلان فالقول لمدعی البطلان وفی الصحۃ و الفساد لمدعی الصحۃ الا فی مسئلۃ فی اقالۃ۔[1]

بائع اور مشتری کا بیع کی صحت و بطلان میں اختلاف واقع ہو تو بطلان کا دعوٰی کرنے والے کا قول معتبر ہوگا اور اگر صحت و فساد میں اختلاف ہو تو صحت کا دعوٰی کرنے والے کا قول معتبر ہوگا سوائے اقالہ کے (ت)

اسی طرح جب صحت و مرض میں اختلاف ہو کہ مورث نے یہ عقد وارث کے ساتھ یا اس کے لئے فلاں اقرار اپنے مرض میں کیا یا صحت میں، تو قول اس کا معتبر ہے جو مرض میں ہونا بتاتا ہے۔ ردالمحتار میں ہے :

لو اقرلوارث ثم مات فقال المقرلہ اقر فی صحتہ وقال بقیۃ الورثۃ فی مرضہ فالقول قول الورثۃ والبینۃ للمقرلہ وان لم یقم بینۃ واراد استحلا فہم لہ ذٰلک۔[2]

اگر کسی نے اپنے کسی وارث کے لئے کسی شئے کا اقرار کیا پھر مرگیا اب مقرلہٗ (جس کے لئے اقرار کیا گیا) کہتا ہے کہ یہ اقرار اس نے حالتِ صحت میں کیا جبکہ دیگر ورثاء کہتے ہیں کہ اس نے یہ اقرار مرض الموت میں کیا تو دیگر وارثوں کا قول معتبر ہوگا اور گواہ پیش کرنا مقرلہٗ کے ذمے ہے اگر وہ گواہ پیش نہ کرے اور دیگر وارثوں سے قسم لینا چاہے تو اس کو ایسا کرنے کا حق ہے۔ (ت)

اسی میں ہے :

فی الانقروی ادعی بعض الورثۃ ان المورث وھبہ شیئا معینا وقبضہ فی صحتہ وقالت

انقروی میں ہے کسی وارث نے دعوٰی کیا کہ مورث نے اپنی کوئی معین شے اس کو ہبہ کی اور مورث کی حالت صحت میں اس وارث نے موہوب شئی

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب الاقالۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۴
اشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب البیوع ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۳۲۶
[2] ردالمحتار کتاب الشہادات باب القبول وعدمہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۳۸۷

البقية كان في المرض فالقول لهم و ان اقاموا البينة فالبينة لمدعي الصحة۔[1]

پر قبضہ کرلیا تھا جبکہ باقی ورثاء کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ مرض الموت میں ہوا تو باقی وارثوں کا قول معتبر ہوگا اور اگر وہ گواہ پیش کریں تو گواہ اس کے معتبر ہونگے جو حالتِ صحت کا دعوٰی کرنیوالا ہے (ت)

پس صورتِ سوال میں یار محمد کو حاجتِ گواہان نہ تھی بلکہ مشتری سے گواہ لئے جائیں اگر وہ گواہان عادل ثقہ متقی سے ثابت کردے کہ یہ بیع ہشام نے اپنی تندرستی میں کی یا اس بیع کے بعد وہ تندرست ہوگیا تھا، یا وُہ گواہ نہ دے سکے اور یار محمد سے قسم چاہے، اور یار محمد پنچوں کے سامنے قسم کھانے سے انکار کرے تو ان دونوں صورتوں میں ثابت ہوجائے گا کہ ہشام نے جو بیع اپنی زوجہ و دختر کے ہاتھ کی ضرور صحیح و نافذ تھی عورتیں اس مکان کی مالک مستقل ہوگئیں اور اگر بیع میں تفصیل حصص نہ تھی تو دونوں نصفا نصف کی مالک ہوئیں، پھر جب دختر نے انتقال کیا اور اس کی موت سے چھ مہینے کے اندر اس کا بھائی پیدا ہوا تو ظاہر ہوا کہ یہ بھی بہن کا وارث ہے، اب کہ زوجۂ ہشام نے اپنے مرض میں کُل مکان مشتری کے ہاتھ بیع کردیا، اگر یہ مشتری بائعہ کا وارث نہیں تو بیع اس قدر میں صحیح ہوگئی جو ملکِ زوجۂ مذکورہ تھا یعنی نصف مکان کہ بیع ہشام سے اس کی ملک ہُوا اور نصف دیگر ملکِ دختر سے ایک ثلث جبکہ اسے ثلث سے کوئی حاجب نہ ہو، باقی دو ثلث نصف یعنی کل مکان کا ایک ثلث حق برادرِ نَو پیدا ہوا، اگر مادر و برادر مذکور کے سوا دختر کا کوئی اور وارث نہ ہو، پھر جب لڑکا مرگیا اور یار محمد کے سوا اس کا کوئی وارث نہ ہو تو وہ ثلث یار محمد کا ہوا اس قدر اسے واپس دے، اور اگر مشتری گواہ نہ دے سکا یا گواہ عادل شرعی قابل قبول نہ تھے اور یار محمد نے پنچوں کے سامنے بطلب مشتری حلف کرلیا کہ ہشام نے یہ بیع اپنے مرضِ موت میں کی تو اس صورت میں وُہ بیع باطل ہوئی، پھر بعد موتِ ہشام اگر اس کے وارث یہی زن و پسر و دختر ہیں عورت کا ایک ثمن اور دختر کے $\frac{۷}{۲۴}$ ہوئے ان میں سے بشرطِ مذکور ایک ثلث یعنی $\frac{۷}{۷۲}$ پھر زوجۂ ہشام کو پہنچے تو وقت بیع زوجہ ہشام صرف $\frac{۱۶}{۷۲}$ یعنی $\frac{۲}{۹}$ کی مالک تھی اسی قدر میں بیع قائم رہ سکتی ہے مشتری باقی مکان بشرطِ مذکور یعنی مکان کے ۹ حصّوں سے ۷ حصّے یار محمد کو واپس دے، واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الشہادات باب القبول وعدمہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۳۸۷

باب الاقالہ

(بیع اقالہ کا بیان)

مسئلہ ۱۰۲: از مراد آباد محلہ بارہ شاہ صفا مسئولہ حافظ عبدالمجید ۶ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک جائداد عمرو کی چھ سو پچیس (۶۲۵) روپے پر اپنے دوست بکر کے ذریعہ خریدنے کے لئے طے کرائی، قیمت طے ہونے کے بعد سو روپیہ بطور بیعنامہ عمرو کو دے کر رسید لکھوائی، رسید میں بکر نے دھوکے سے اپنا نام بھی تحریر کرالیا اور دعوٰی کردیا کہ جائداد تو میری اور تمھاری دونوں کی مشترک طے ہوئی، حالانکہ یہ بالکل غلط ہے، یہ قصہ پنچایت میں ڈالا گیا، پنچوں نے دونوں سے پچاس پچاس روپے لے کر جمع کرائے اور کہا جو شخص یہ روپیہ لے لے گا اُسے جائداد نہیں ملے گی اور جو جائداد لے گا یہ روپیہ نہیں لے سکتا۔ زید نے جائداد خریدنی منظور کی، بکر نے سو روپے اٹھالئے اور رسید لکھنی چاہی، ابھی لکھی نہ تھی کہ بکر کے محلہ والے جو زید سے بغض و عداوت رکھتے ہیں زید سے بولے کہ یہ رسید بیعنامہ عمرو کو واپس کردو ہم تم کو یہ جائداد خریدنے نہ دیں گے بلکہ اسے مسجد کی آمدنی کے لئے خریدیں گے، زید نے بہ مجبوری رسید عمرو کو واپس کردی، اب بے اجازتِ زید آمدنیٔ مسجد کے لئے یہ جائداد خریدیں یہ جائز ہے یا نہیں؟ بکر کے اہل محلہ یہ بھی کہتے ہیں کہ تمھارا اس میں کچھ دخل نہیں نہ تمھاری رضامندی کی ضرورت ہے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں کہ زید نے بکر کو ایک شئے معین خریدنے کا وکیل کیا اُسے کوئی اختیار نہ تھا کہ غیبتِ

زید میں اسے اپنے نفس کے لئے خریدے بلکہ اپنے نفس کے لئے خرید تا جب بھی زید مؤکل کیلئے ہوتا جب مخالفت کی ہو،

ففی الدر المختار لو وکلہ بشراء شیئ بعینہ لایشتریہ لنفسہ ولو لمؤکل اٰخر بالاولٰی عند غیبتہ حیث لم یکن مخالفاً دفعاً للضرر فلو اشتراہ بغیر النقود او بخلاف ماسمی المؤکل لہ من الثمن وقع الشراء للوکیل لمخالفتہ امرہ و ینعزل فی ضمن المخالفۃ عینی[1]

درمختار میں ہے کسی نے کسی شخص کو کسی معین شے کی خریداری کا وکیل بنایا تو وکیل اس شے کو مؤکل کی غیرموجودگی میں اپنے لئے نہ خریدے اور دوسرے مؤکل کے لئے تو بدرجہ اولٰی نہ خریدے تاکہ دھوکہ دہی نہ ہو، یہ حکم تب ہے جب وکیل امر مؤکل کی مخالفت نہ کرے، اور اگر وکیل نے اس شئی کو غیر نقود سے خریدا یا اس ثمن کے خلاف خریدا جو مؤکل نے اس کو بتایا تھا تو یہ خریداری امر مؤکل کی مخالفت کی وجہ سے خود وکیل کی طرف سے ہوگی اور اس مخالفت کے سبب سے وُہ وکالت سے معزول ہوجائے گا، عینی۔ (ت)

بکر نے کہ رسید بیعنامہ میں اپنا نام بھی لکھا لیا ظلم و فریب و جہل و حماقت تھا، پنچوں نے جو فریقین سے پچاس جمع کرائے اور وُہ بے معنی فیصلہ قرار دیا سخت باطل و مردود تھا وہ پچاس روپے بکر پر حرام ہیں اس پر فرض ہے کہ زید کو واپس کرے،

قال اللہ تعالٰی لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل[2]

اللہ تعالٰی نے فرمایا، آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقے پر مت کھاؤ۔ (ت)

عبارتِ سوال سے زید پر اہلِ محلہ بکر کی جانب سے کوئی اکراہ شرعی ہونا نہیں نکلتا لوگوں کے اصرار سے عرفی مجبوری اکراہ شرعی نہیں، اس صورت میں جبکہ زید نے بیعانہ واپس کردیا اور عمرو نے قبول کرلیا بیع اگر نہ ہوئی تھی ہونے نہ پائی اور اگر ہوچکی تھی فسخ ہوگئی، بہرحال زید کو اس جائداد سے کوئی تعلق نہ رہا، اہلِ محلّہ بکر اگر مسجد کے لئے خریدیں برضائے عمرو خرید کرسکتے ہیں رضائے زید کی کچھ حاجت نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] درمختار کتاب الوکالۃ باب الوکالۃ بالبیع والشراء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۰۵
[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۸

بابُ المرابحة

(بیع مرابحہ کا بیان)

مسئلہ ۱۰۳ ۱۰ رجمادی الاولٰی ۱۳۱۹ھ

زید نے عمرو سے کہا کہ تم عہ؍ روپیہ کا مال اپنے روپے سے خرید لو بعد خرید نے تمہارے کے میں تم سے عہ؍ ایک روپیہ ایک آنہ دے کر خرید لوں گا اور ایک ماہ میں دوں گا کیونکہ میرے پاس روپیہ نہیں تو اس صورت میں نفع جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جائز ہے مگر یہ ثمن کی زیادتی اگر معمولی نرخ سے اس بنا پر بڑھائی گئی کہ زید قرض خرید تا ہے تو بہتر نہیں لما فیہ من الاعراض عن مبرۃ الاقراض کما افادہ فی الفتح ورد المحتار وغیرھما من الاسفار، واللہ تعالٰی اعلم۔

کیونکہ اس میں قرض دینے کی نیکی اور مروت سے اعراض ہے جیسا کہ اس کا فائدہ فتح اور ردالمحتار وغیرہ کتابوں نے دیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۴ از کاٹھیاوار دھوراجی محلہ سیاہی گران مسئولہ حاجی عیسٰے خان محمد صاحب
۸ رجمادی الاولٰی ۱۳۳۰ھ

نوٹ کی بیع مرابحہ یعنی نوٹ بیچا اور کہا کہ فی روپیہ ایک آنہ لکھی ہوئی رقم سے زیادہ لوں گا، جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

یہ مسئلہ تنقیح طلب ہے ہم اولاً عباراتِ کتب ذکر کریں پھر بتوفیق اللہ تعالٰی اپنی تحقیق پھر صورتِ مسئولہ کا حکم و باللہ التوفیق،

فاعلم ان ائمتنا رحمهم الله تعالٰی عرفوا المرابحة فی المتون بانها نقل ما ملكه بالعقد الاول بالثمن الاول مع زيادة ربح كما فی الهداية[1]، واختصره فی الكنز فقال بيع بثمن سابق وزيادة[2] وكلام عامتهم تدور حول ذلك واعترضهم الشراح بانه منتقض طردا وعكسا واطالوا فيه بما افادوا احكام فروع وقد اجيب عن اكثر الايرادات بما يتم اولا كما بسطه فی العناية والفتح وغيرها ولما كان منشأ اكثرها العقد والثمن تركهما فی الدرر وقال بيع ما ملكه بمثل ما قام عليه بزيادة[3] ولا يسلم ايضا من بعض النقوض ولسنا ههنا بصدد سردها مع مالها وعليه وقام

تو جان لے کہ ہمارے ائمہ کرام رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم نے متون میں مرابحہ کی تعریف یوں کی ہے کہ مرابحہ وہ بیع ہے کہ عقد اول کے ساتھ جس چیز کا مالک ہوا ہے اس کو ثمن اول مع کچھ نفع کی زیادتی کے دوسرے کو منتقل کرنا، جیسا کہ ہدایہ میں ہے، کنز میں اس کو مختصر کرکے کہا کہ ثمن اول اور کچھ اضافے کے ساتھ فروخت کرنا، عام فقہاء کا کلام اسی تعریف کے گرد گھومتا ہے۔ شارحین نے اس پر اعتراض کیا کہ یہ تعریف جامع اور مانع نہیں، انھوں نے اس میں طویل کلام کیا جو کئی فروعی احکام کا مفید ہے اور تحقیق ان میں سے اکثر اعتراضوں کے تام یا غیر تام جوابات دئے گئے جیسا کہ عنایہ اور فتح وغیرہ میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔ چونکہ اکثر اعتراضات کا منشاء لفظ عقد اور لفظ ثمن ہے، چنانچہ درر میں ان دونوں کو چھوڑ کر یوں کہا کہ جس چیز کا مالک ہوا ہے وہ چیز جتنے میں اس کو پڑی ہے اس کی مثل اور کچھ زیادہ کے ساتھ اس کو منتقل کرنا، یہ تعریف بھی بعض اعتراضات سے

---

[1] الهداية كتاب البيوع باب المرابحة والتولية مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۷۳

[2] كنز الدقائق باب التولية والمرابحة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۳۲

[3] الدرر الحكام فی شرح غرر الاحكام باب المرابحة والتولية میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۸۰

العلامة البحر فی البحر الرائق یاتی بحد جامع مانع لایرد علیہ شیئ اصلا فاطال بالاستیعاب شروط الجواز ولم یتم ایضا کما ستعرفہ ان شاء اللہ تعالٰی ووقع ھھنا فی نسختہ المطبوعۃ نقل ماملکہ بغیر عقد الصلح والھبۃ بشرط عوض بمایتعین بعین ما قام علیہ او بمثلہ اوبرقمہ[1] الخ قال محشیہ العلامۃ الشامی فی المنحۃ قولہ بمایتعین متعلق بما ملکہ[2] اھ وھذا یفید انہ کذلک بالباء فی نسختہ وقد یجنح الی تاییدہ قول البحر تحت قول الماتن شرطھما (ای التولیۃ و المرابحۃ) کون الثمن الاول مثلیا ما نصہ عبارۃ المجمع اولی وھی ولا یصح ذلک حتی یکون العوض مثلیا او مملوکا للمشتری،

محفوظ نہیں اور ہم ان اعتراضات کی تفصیل ان کے مالہٗ اور ماعلیہ کے درپے نہیں ہیں۔ علامہ صاحب البحر اس بات پر کمربستہ ہوئے کہ وہ بحرالرائق میں ایسی جامع مانع تعریف لائیں گے جس پر کوئی اعتراض وارد نہ ہوتا ہو، چنانچہ انہوں نے شروط جواز کا احاطہ کرنے پر طویل کلام کیا مگر وہ بھی تام نہیں جیسا کہ ان شاء اللہ تعالٰی عنقریب تُو جان لے گا، یہاں پر نسخۂ مطبوعہ میں یوں واقع ہے کہ عقد صلح اور ھبہ بشرط عوض کے بغیر جس چیز کا متعین ثمن کے بدلے میں مالک ہوا ہے اس کو بعینہٖ اس ثمن کے بدلے میں جس میں اس کو پڑی یا اس کی مثل کے بدلے میں یا اس پر لکھی ہوئی قیمت کے بدلے میں منتقل کرنا الخ اس کے محشی علامہ شامی نے منحہ میں فرمایا صاحب بحر کا قول "بمایتعین" اس کے قول "ماملکہ" سے متعلق ہے اھ اور یہ اس امر کا مفید ہے کہ محشی کے پیش نسخہ میں بھی عبارت اسی طرح ہے یعنی "بما" پر باء کے ساتھ، اور اس کی تائید کی طرف مائل ہے ماتن کے قول "تولیہ ومرابحہ دونوں کے لئے ثمن اول کا مثلی ہونا شرط ہے" کے تحت وارد ہونے والا بحر کا قول جس میں اس نے نص کی کہ مجمع کی عبارت اولٰی ہے جو یہ ہے کہ تولیہ ومرابحہ صحیح نہیں ہوتا جب تک عوض مثلی یا مشتری کی

---

[1] بحرالرائق کتاب البیوع باب المرابحۃ والتولیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۰۷
[2] منحۃ الخالق علی البحرالرائق " " " " " ۶/ ۱۰۷

قال ولکن لابد من التقیید بالمعین للاحتراز عن الصرف فانہ لایجوزان فیہما[1] اھ فانہ ھھنا فی بیان العوض فاوھم اشتراط ان یکون ملکہ بما یتعین۔

اقول وھو ظاھر البطلان ولا قائل بہ احد من الناس والا لامتنعت المرابحۃ والتولیۃ فی البیاعات المطلقۃ عن اٰخرھا لکون الاثمان فیہما مما لایتعین وقد قال الامام السمرقندی فی تحفۃ الفقہاء و عنہا فی غایۃ البیان اذا باع شیئا مرابحۃ علی الثمن الاول، فلایخلو اما ان یکون الثمن من ذوات الامثال کالدراھم و الدنانیر والمکیل والموزون والعدد المتقارب، اویکون من الاعداد المتفاوتۃ مثل العبید والدور والثیاب والرمان و البطاطیخ وغیرھما اما اذا کان الثمن الاول مثلیا فباعہ مرابحۃ علی الثمن الاول وزیادۃ ربح فیجوز سواء کان الربح من جنس الثمن الاول اولم یکن بعد ان یکون شیئا مقدرا معلوما نحو الدرھم وثوب مشار الیہ او دینار[2] الخ

ملکیت میں نہ ہو۔ صاحبِ بحر نے کہا لیکن عبارت مجمع کے لئے معین کی قید ضروری ہے تاکہ بیع صرف سے احتراز ہوجائے کیونکہ تولیہ ومرابحہ دونوں دراہم و دنانیر میں جائز نہیں اھ کیونکہ اس عبارت میں یہ قید بیانِ عوض میں ہے لہٰذا اس سے وہم ہوتا ہے کہ وہ معین ثمن کے عوض مالک بنا ہو۔

اقول (میں کہتا ہوں) کہ اس کا باطل ہونا ظاہر ہے اور نہ ہی لوگوں میں اس کا کوئی قائل ہے ورنہ مرابحہ وتولیہ تمام بیاعاتِ مطلقہ میں ممنوع ہوجائیں گی کیونکہ ان میں ثمن غیر معین ہوتے ہیں، امام سمرقندی نے تحفۃ الفقہاء میں کہا اور اسی کے حوالے سے غایۃ البیان میں ہے کہ جب کسی نے ثمن اول پر کچھ نفع کے ساتھ کوئی چیز فروخت کی تو وہ ثمن دو حال سے خالی نہیں کہ وہ ذوات الامثال میں سے ہے جیسے درہم، دینار، کیلی، وزنی اور عددی متقارب یا وہ عددی متفاوت میں سے ہے جیسے غلام، کپڑے، مکانات، تربوز اور انار وغیرہ۔ بہرحال اگر ثمن اول مثلی ہو اور اس نے ثمن اول پر کچھ نفع لگا کر بیع کی تو جائز ہے چاہے وہ نفع ثمن اول کی جنس سے ہو یا نہ ہو بعد اس کے وہ معین ومعلوم شَے ہو جیسے درہم اور ایسا کپڑا جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہو یا دینار الخ میرے نزدیک درست بات یہ ہے کہ "بما یتعین"

---

[1] بحرالرائق کتاب البیوع باب المرابحۃ والتولیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/۱۰۸

[2] تحفۃ الفقہاء " باب الاقالۃ والمرابحۃ دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/۱۰۶

فالصواب عندی ان الباء فی بما یتعین من خطاء النساخ وانما هو مما یتعین ای ماملکه حال کونه من الاشیاء التی یتعین فی العقود فالتعین شرط فیماملکه وهوالذی یرید نقله مرابحة لافی عوضه وقال فی الکفایة "قوله نقل ماملکه ای من السلع لانه اذا اشتری بالدراهم الدنانیر لایجوز بیع الدنانیر بعد ذلك مرابحة اھ[1] وقال فی العنایة بعد ذکر الایرادات علی حد المتن قیل فعلی هذا الاولی ان یقال نقل ماملکه من السلع بما قام عنده[2] اھ و قال سعدی آفندی فی حاشیتها المراد بما ملکه هو المملوك المعهود الذی کان الکلام الی هنا فیه اعنی السلع[3] اھ قال فی جامع الرموز التولیة ان یشترط فی البیع ای بیع العرض احترازعن الصرف فالتولیة والمرابحة لم تکونا فی بیع الدراهم ودنانیر کما

پر "با" کاتبوں کی غلطی سے ہے (دراصل وُہ "مما یتعین" ہے یعنی جس چیز کا وہ مالک ہوا درانحالیکہ وہ ان اشیاء میں سے ہو جو عقود میں متعین ہوتی ہیں چنانچہ تعین اس مملوکہ شَے میں شرط ہے جس کو وہ بطور مرابحہ منتقل کرنا چاہتا ہے عوض میں تعین شرط نہیں، اور کفایہ میں کہا کہ ماتن کا قول کہ منتقل کرنا اس چیز کو جس کا وُہ مالک ہوا، اس چیز سے سامان مراد ہے کیونکہ اگر درہموں کے بدلے دنانیر خریدے تو اس کے بعد ان دیناروں کی بیع بطور مرابحہ جائز نہیں اھ عنایہ میں متن پر وارد ہونے والے اعتراضات کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہا گیا ہے کہ اس بناء پر بہتر تھا کہ یوں کہا جاتا کہ اس سامان کو منتقل کرنا جس کا وُہ مالک ہُوا اس کے بدلے میں جتنے میں اس کو پڑا اھ، اور سعدی آفندی نے اس کے حاشیہ میں کہا کہ اس چیز سے مراد جس کا وہ مالک ہُوا وہی مملوک معہود ہے جس میں یہاں تک کلام ہو رہی ہے یعنی سامان اتنے کے بدلے میں جتنے میں اس کو پڑا اھ جامع الرموز میں کہا تولیہ یہ ہے کہ شرط لگائی جائے بیع میں یعنی سامان کی بیع میں یہ بیع صرف سے احتراز ہے چنانچہ تولیہ و مرابحہ دونوں دراہم و دنانیر کی بیع میں نہیں ہوتے جیسا کہ

---

[1] الکفایة مع فتح القدیر کتاب البیوع باب المرابحة والتولیة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۲۲

[2] العنایة علی ہامش فتح القدیر " " " " " " " ۶/ ۱۲۲

[3] حاشیة چلپی " " " " " " " " " " " " ۶/ ۱۲۳

فی الکفایۃ[1] اھ قال فی الدر المختار المرابحۃ بیع ماملکہ من العروض بما قام علیہ وبفضل اھ[2]۔

کفایہ میں ہے اھ درمختار میں کہا کہ مرابحہ یہ ہے کہ سامان مملوک کو اتنے کے بدلے جتنے میں اس کو پڑا ہے اور کچھ زیادتی کے ساتھ فروخت کرنا اھ۔ (ت)

اقول وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ ت) جو چیز مرابحۃً بیچی جائے نہ تو اس کا عرض وسلع ومتاع وکیلا ہونا لازم بلکہ سونے چاندی پر بھی مرابحہ جائز ہے جبکہ سونا روپوں کو خریدا ہو یا چاندی اشرفیوں کو۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

اذا اشتری ذھبا بعشرۃ دراھم فباعہ بربح درھم جاز کذا فی الحاوی[3]۔

اگر دس درہم کا سونا خریدا اور ایک درہم نفع کے ساتھ فروخت کردیا تو جائز ہے، ایسا ہی حاوی میں ہے۔ (ت)

اسی میں محیط سے ہے:

اذا باع قلب فضۃ وزنہ عشرۃ دراھم بدینار وتقابضا ثم باعہ بربح درھم او بربح نصف دینار جاز اما اذا باعہ بربح نصف دینار فلانہ یصیر بائعا قلب فضۃ وزنہ عشرۃ دراھم بدینار ونصف دینار لان الجنس مختلف فلا یظھر الربح، واما اذا باعہ بربح درھم فما ذکر من الجواب ظاھر الروایۃ لانہ یصیر بائعا للقلب بدینار ودرھم وانہ جائز لانہ یجعل بازاء الدرھم من القلب مثلہ والباقی من القلب بازاء الدینار وعن

اگر دس درہم وزنی چاندی کا کنگن سونے کے ایک دینار کے بدلے میں خریدا پھر ایک درہم نفع پر (ایک دینار اور ایک درہم کے بدلے میں) یا نصف دینار نفع پر (یعنی ڈیڑھ دینار کے بدلے میں) فروخت کردیا تو جائز ہے۔ نصف دینار نفع پر بیچا تو اس لئے جائز ہے کہ وہ چاندی کے ایک ایسے کنگن کو ڈیڑھ دینار میں فروخت کرنے والا ہے جس کا وزن دس درہم ہے کیونکہ جنس مختلف ہے لہذا نفع ظاہر نہ ہوا۔ رہا ایک درہم نفع پر بیچنا تو حکم مذکور ظاہر الروایہ ہے کیونکہ ایک درہم کے عوض کنگن میں سے اس کی مثل یعنی ایک درہم ہوا اور

---

[1] جامع الرموز کتاب البیوع باب المرابحۃ والتولیۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳/ ۵۳

[2] درمختار " " " مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الصرف الباب الثالث الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۳۰

ابی یوسف انه لایجوز[1] الخ۔

باقی کنگن دینار کے عوض ہوگیا، امام ابویوسف سے مروی ہے کہ یہ جائز نہیں الخ۔ (ت)

تو بیع کا صرف ہونا مطلقاً اس کی ممانعت کو مستلزم، سونا کہ دس روپے کو خریدا تھا گیارہ روپے کو بیچا، یا دس روپے بھر چاندی کا کنگن کہ ایک اشرفی کو مول لیا تھا ڈیڑھ اشرفی یا ایک اشرفی اور ایک روپے کو بیچا، یہ سب صرف ہی ہے اور مرابحہ اور جائز۔ نہ صرف نہ ہونا مطلقاً جوازِ مرابحہ کو کافی، من بھر گیہوں من بھر گیہوں کو خریدے، ان کی بیع مرابحہ حرام ہے کہ سُود ہے حالانکہ صرف نہیں، شرنبلالی علی الدرر میں ہے:

المثلی اذا غیبه الغاصب وقضی علیه بمثله ملکه ولایجوز له بیعه بازید منه لکونه ربی۔[2]

غاصب نے مثلی شَے کو غائب کر دیا، قاضی کی طرف سے اس پر اس کی مثل دینے کا فیصلہ صادر ہوا تو اب وہ مغصوب شَے کا مالک بن گیا اس کے لئے جائز نہیں کہ اس چیز کو اس سے زائد پر فروخت کرے کیونکہ یہ سود ہے۔ (ت)

ہندیہ میں محیط سے ہے:

لو اشتری مختوم حنطة بمختومی شعیر بغیر عینهما ثم تقابضا فلا باس بان یبیع الحنطة مرابحة، وکذلك کل صنف من المکیل والموزون بصنف اٰخر اھ۔[3] افاد بمفهوم قوله بصنف اٰخر انه لو قوبل الجنس بالجنس لم تجز المرابحة وسنعطیك دلیله ان شاء الله تعالٰی۔

اگر کسی نے گندم کا ایک مختوم جَو کے دو غیر معین مختوموں کے بدلے میں خریدا پھر باہمی قبضہ بھی کرلیا تو گندم کو بطور مرابحہ فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں، ایسے ہی ہر کیلی اور وزنی چیزوں کی ایک قسم کو دوسری قسم کے ساتھ بیچنے کا یہی حکم ہے اھ ہندیہ کے قول بصنف اٰخر (یعنی دوسری قسم کے ساتھ) کے مفہوم نے یہ فائدہ دیا کہ اگر جنس کا مقابلہ جنس سے ہو تو بیع مرابحہ ناجائز ہے، ہم عنقریب ان شاء اللہ تعالٰی تجھے اس کی دلیل دیں گے۔ (ت)

بلکہ تحقیق یہ ہے کہ جو شَے مرابحۃً بیچی جائے اس میں دو شرطیں ہیں،

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الصرف الباب الثالث الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۱-۲۳۰

[2] غنیۃ ذوی الاحکام فی بغیۃ درر الاحکام باب المرابحۃ والتولیۃ میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۸۰

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۶۱

15
15

شرطِ اوّل وہ شے معین ہو یعنی عقدِ معاوضہ اس کی ذات خاص سے متعلق ہوتا ہو، نہ یہ کہ ایک مطلق چیز ذمہ پر لازم آتی ہو، ثمن جیسے روپیہ اشرفی عقودِ معاوضہ میں متعین نہیں ہوتے، ایک چیز سو روپے کو خریدی کچھ ضرور نہیں کہ یہی سو روپے جو اس وقت سامنے بَنّے ادا کرے بلکہ کوئی سے سو دے دے، اور اگر مثلاً سونے کے کنگن بیچے تو خاص یہی کنگن دینے ہونگے یہ نہیں کرسکتا کہ ان کو بدل کر دوسرے کنگن دے اگرچہ وزن ساخت میں ان کے مثل ہوں، یہ شرط مرابحہ و تولیہ و وضیعہ تینوں میں ہے یعنی اول سے نفع پر بیچے یا برابر کو یا کمی پر، یہاں اس شَے کا معین ہونا اس لئے ضرور ہے کہ یہ عقد اُسی شَے مملوک سابق پر وارد کیا جاتا ہے اور جب وہ معین نہیں تو نہیں کہہ سکتے کہ یہ وہی شَے ہے، ولہذا اگر روپوں سے اشرفیاں خریدیں تو ان کو مرابحۃً نہیں بیچ سکتے،

کما نص علیہ فی التبیین والفتح والعنایۃ والکفایۃ والبحر والنھر والظھیریۃ والخانیۃ وخزانۃ المفتین والھندیۃ وجامع الرموز وغیرھا وان نقل ط عن حاشیۃ سری الدین علی الزیلعی نقلا عن البدائع انہ یجوز[1]

جیسا کہ تبیین، فتح القدیر، عنایہ، کفایہ، بحر، نہر، ظہیریہ، خانیہ، خزانۃ المفتین، ہندیہ اور جامع الرموز میں اس پر نص کی گئی ہے اگرچہ ط نے تبیین کے حاشیہ سری الدین سے بحوالہ بدائع نقل کیا ہے کہ یہ جائز ہے۔ (ت)

اس لئے کہ اشرفیاں معین نہیں ہوتیں، بیچنے والا ان اشرفیوں کے بدلے دوسری اسی طرح کی دے دیتا تو جائز تھا اور اب جو یہ بیچ رہا ہے اب بھی متعین نہ ہوں گی یا اشرفیاں دے یا ان کے ساتھ کی دوسری، تو کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ جو اشرفیاں پہلے اس کی ملک میں آئی تھیں وہی اتنے نفع پر بیچیں کہ بیع مرابحہ ہو، فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

رجل اشتری دنانیر بدراھم ثم باع الدنانیر مرابحۃ لایجوز لان الدنانیر لاتتعین فی البیع فلم یکن المقبوض بعقد الصرف مبیعا فی البیع الاول[2]

ایک شخص نے درہموں کے عوض دینار خریدے پھر ان دیناروں کو بطور مرابحہ بیچا تو یہ جائز نہیں کیونکہ دینار بیع میں متعین نہیں ہوا کرتے لہذا عقدِ صرف میں جن دیناروں پر قبضہ کیا گیا بعینہٖ وہی بیع اول کا مبیع قرار نہ پائے۔ (ت)

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب البیوع باب المرابحۃ والتولیۃ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۹۴

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیوع فصل فی الاجل نولکشور لکھنؤ ۲/ ۴۰۱

فتح القدیر میں ہے :

انما لم تجز المرابحة فی ذلك لان بدلی الصرف لایتعینان فلم تکن عین هذه الدنانیر متعینة لتلزم مبیعا[1]۔

اس میں مرابحہ اسی لئے ناجائز ہے کہ بیع صرف کے بدلین متعین نہیں ہوتے تو بعینہ یہی دینار متعین نہ ہوئے کہ ان کا مبیع ہونا لازم ہوتا۔ (ت)

اور اگر سونے کا گہنا روپوں کو خریدا تو اسے مرابحۃً بیچ سکتا ہے کہ وہ بیع میں متعین ہوگیا تو عقد اسی مملوک اول پر واقع ہوگا،

کما قدمناه و به ظهران مرادهم هنا بالعرض والسلع کل مایتعین ولو من احد النقدین وبالصرف مالایتعین فیه البدل الذی حصل فی ملك من یرید بیعه مرابحة وان الاولی قول الفتح المراد نقل ماملکه مما هو بیع متعین بدلالة قوله بالثمن الاول فان کون مقابله ثمنا مطلقا یفید ان ما ملکه بالضرورة مبیع مطلقا[2] اھ۔

جیسا کہ ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں اور اسی سے ظاہر ہوگیا کہ یہاں پر عرض اور سلع سے فقہاء کی مراد ہر وہ چیز ہے جو متعین ہو اگرچہ نقدین میں سے کوئی ایک ہو اور عقد صرف سے ان کی مراد وہ بیع ہے جس میں وہ بدل متعین نہ ہو جو اس شخص کی ملکیت میں حاصل ہوا جو بطور مرابحہ اس کو بیچنے کا ارادہ کرے، اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ فتح کا قول اولٰی ہے یعنی مراد یہ ہے کہ اس مبیع متعین کو منتقل کرنا جس کا وہ مالک ہوا ہے اس پر دلیل اس کا قول "ثمن اول" ہے اس لئے کہ اس کے مقابل ثمن مطلق ہونا اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ جس چیز کا وہ مالک ہوا وہ ضروری طور پر مبیع مطلق ہے اھ (ت)

فهذا هو تحقیق الشرط الاول (پس یہ ہے شرطِ اول کی تحقیق۔ ت)

شرطِ دوم وہ ایسا مال ربوی نہ ہو جو اپنی جنس کے بدلے لیا ہو جیسے سونا سونے، یا چاندی چاندی، یا گیہوں گیہوں، یا جو جو کو۔ عالمگیریہ میں ہے :

ان اشتری ذهبا بذهب او فضة بفضة لم تجز مرابحة اصلا کذا فی التتارخانية[3]۔

اگر سونے کو سونے کے بدلے یا چاندی کو چاندی کے بدلے خریدا تو اس میں مرابحہ بالکل جائز نہیں۔ یہ تتارخانیہ میں ہے۔ (ت)

---

[1] فتح القدیر کتاب البیوع باب المرابحة والتولیة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۲۲

[2] " " " " ۶/ ۱۲۲

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب الرابع عشر الفصل الثانی فی المرابحة نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۶۱

یہ شرط مرابحہ و وضیعہ یعنی اول کے اعتبار سے زیادہ یا کم بیچنے میں ہے تولیہ یعنی برابر بیچنے میں نہیں

اقول وباللہ التوفیق وجہ اس کی یہ ہے کہ جب ایک ربوی مال جس میں کمی بیشی سے سود ہوجاتا ہے اپنی جنس کے بدلے اسے ملا ہے، اب جو یہ اسے مرابحۃً بیچے گا تو اس کی جنس سے بدلے گا یا غیر جنس سے، اگر جنس سے بدلے تو فرض ہوگا کہ دونوں پورے برابر ہوں کمی بیشی کیونکر ممکن کہ عین ربٰو ہے، اور اگر غیر جنس سے بدلے تو نہ مرابحۃً ہوئی نہ جائز ہوسکتی ہے مرابحہ تو یہ تھی کہ جس عوض پر اسے پڑی ہے اسی کو مع کچھ نفع کے بیچے یہاں عوض کی جنس بدل گئی،

وبہ ظہر سقوط ما اعترض بہ فی العنایۃ علی تعریف الھدایۃ و تبعہ فی البحر اذ قال واللفظ للاکمل بالاختصار" اعترض علیہ بانہ مشتمل علی ابہام یجب عنہ خلو التعریف لان قولہ بالثمن الاول اما ان یراد بہ عین الثمن الاول او مثلہ لا سبیل الی الاول لان عین الثمن الاول صار ملکا للبائع الاول ولا الی الثانی لانہ لایخلو اما ان یراد المثل من حیث الجنس او المقدار الاول لیس بشرط لما فی الایضاح والمحیط انہ اذا باعہ مرابحۃ فان کان ما اشتراہ بہ لہ مثل جاز سواء جعل الربح من جنس راس المال الدراھم من الدراھم او من غیر الدراھم من الدنانیر اوعلی العکس اذا کان معلوما

اور اس سے اس اعتراض کا ساقط ہونا ظاہر ہوگیا جو ہدایہ کی تعریف پر عنایہ میں وارد کیا گیا اور بحر نے اس کی اتباع کی اختصاراً لفظ اکمل کے یہ ہیں کہ اس پر اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ تعریف (تعریفِ ہدایہ) ابہام پر مشتمل ہے جس سے تعریف کا خالی ہونا واجب ہے اس لئے صاحب ہدایہ کے قول "ثمن اول" سے مراد ثمن اول کا عین ہے یا اس کی مثل؛ اول کی طرف کوئی راہ نہیں کیونکہ عین اول تو بائع اول کی ملک ہوگیا اور نہ ہی ثانی کی طرف کوئی راہ ہے کیونکہ ثانی (ثمن اول کی مثل) دو حال سے خالی نہیں یا تو اس سے مراد جنس کے اعتبار سے ثمن اول کا مثل ہونا ہے یا مقدار کے اعتبار سے؛ جنس کے اعتبار سے مثلیت تو اس دلیل کی وجہ سے شرط نہیں جو ایضاح اور محیط میں ہے کہ جب اس نے بطور مرابحہ کسی چیز کی بیع کی اگر اس چیز کی مثل موجود ہے جس کے بدلے اس نے اس کو خریدا تھا تو یہ بیع مرابحہ جائز ہے چاہے اس نے نفع راس المال یعنی دراہم کی جنس یعنی دراہم سے رکھا یا اس کے غیر یعنی دیناروں سے رکھا ہو

يجوز به الشراء لان الكل ثمن و
والثاني يقتضي ان لا يضم الى
راس المال اجرة القصار والصباغ
والطراز وغيرها[1] الخ والاكمل
وان اجاب عنه فانما
اختار الشق الاخير والبحر
لم يرضه بل رده بما لا يفيد
الايراد الا بعدا **اقول** و
العجب ان المعترض
حصر وابطل جميع الشقوق
فكيف يعترض بالابهام
لم لا يحكم بالبطلان ثم العجب
اشد العجب الاستناد بما نقل
عن الايضاح والمحيط فانه
لامساس له بالمدعى كما نبه
عليه العلامة سعدي افندي
حيث يقول "لا يخفى عليك
ان ما نقله من ذينك
الكتابين انما يدل على عدم
اشتراط مماثلة الربح لراس
المال جنسا لا على عدم
شرطية مماثلة الثمن الثاني
للاول في الجنس[2] اھ **اقول**

یا اس کے برعکس صورت ہو (یعنی راس المال
بجائے درہموں کے دینار ہوں) جب یہ معین
ہو تو اس کے بدلے خریداری جائز ہے کیونکہ
یہ سب ثمن ہیں اور اگر مقدار کے اعتبار سے مثلیت
مراد ہو تو یہ مقتضی ہے اس امر کو کہ راس المال
کے ساتھ دھوبی، رنگریز اور نقش ونگار وغیرہ کی
اُجرت نہ ملائی جائے الخ اکمل نے اگرچہ اس کا
جواب دیتے ہوئے آخری شق کو اختیار کیا مگر صاحبِ بحر
اس پر راضی نہیں بلکہ اس کو رَد کردیا جو کہ اعتراض
میں بُعد کے سوا کچھ فائدہ نہیں دیتا **اقول** (میں
کہتا ہوں) تعجب ہے معترض نے حصر کرتے ہوئے
تمام شقوں کو باطل قرار دیا ہے تو اس پر ابہام
کا اعتراض کیسے ہوا بطلان کا حکم کیوں نہیں لگایا گیا
پھر شدید ترین تعجب اس استناد پر ہے جو ایضاح
اور محیط سے منقول عبارت پر کیا گیا کیونکہ اس کا
مدعا سے کوئی تعلق نہیں جیسا کہ علامہ سعدی آفندی
نے یہ کہتے ہوئے اس پر تنبیہ فرمائی کہ اے
مخاطب! تجھ پر پوشیدہ نہیں کہ اکمل نے ان دونوں
کتابوں سے جو نقل کیا ہے وہ تو اس بات پر
دلالت کرتا ہے کہ نفع کا اعتبار جنس کے راس المال
کی مثل ہونا شرط نہیں، اس بات پر وہ دلالت
نہیں کرتا کہ ثمن ثانی کا باعتبار جنس کے ثمن اول کی
مثل ہونا شرط نہیں اھ، **اقول** (میں کہتا ہوں)

[1] العنایۃ علی ہامش فتح القدیر باب المرابحۃ والتولیۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۲۲
[2] حاشیہ سعدی آفندی علی ہامش فتح القدیر " " " ۶/ ۱۲۲

ولا نظر الی ما یوھمہ التصویر بالدراھم
والدنانیر والتعلیل بان الکل
ثمن فان المرابحۃ یجوز مطلقا
من ای جنس کان ثوبا او عبدا
او ارضا او غیر ذٰلک بعد
ان یکون مقدارا معلوما
کما قدمناہ عن العنایۃ عن
التحفۃ ومثلہ فی عامۃ الکتب
فھذا وجہ واقول ثانیا لئن
قطعنا النظر عن ھذا لم یکن
فیہ ما یمنع اشتراط المجانسۃ
وینفیہ فقد نصوا ان الدرھم
والدینار جنس واحد فی بعض
مواضع منھا المرابحۃ کما
فی البحر والدر[1] وغیرھما اقول ثالثا
وھو القول الفصل وھادم
الاعتراض من الاصل اطبقت
الکتب قاطبۃ ان شرط صحۃ المرابحۃ
والتولیۃ کون العوض الی الثمن
الاول مثلیا وعللہ المعللون کالھدایۃ و
الشروح ومنھا العنایۃ والتبیین والبحر[2] وغیرھا
واللفظ للعنایۃ بان مبناھما
علی الاحتراز عن الخیانۃ و

دراہم و دنانیر سے صورت بیان کرنا جس وہم کو
پیدا کرتا ہے علامہ آفندی کو ملحوظ
ہے نہ ہی وہ تعلیل جو الکل نے
یہ کہہ کر بیان کی کہ یہ سب ثمن ہیں اس لئے
کہ نفع تو مطلقاً جائز ہے چاہے کسی بھی جنس سے
ہو یعنی چاہے کپڑا ہو یا غلام ہو یا زمین وغیرہ ہو
بشرطیکہ وہ مقدارِ معین ہو جیسا کہ ہم عنایہ سے
بحوالہ تحفۃ الفقہاء پہلے بیان کر چکے ہیں اور اس
کی مثل عام کتابوں میں ہے یہ توجیہ ہے اقول ثانیاً (میں
دوبارہ کہتا ہوں) اگر ہم اس سے قطع نظر کرلیں تو
بھی اس میں ایسی کوئی چیز نہیں جو شرطِ مجانست سے
مانع و منافی ہو، چنانچہ فقہاء نے تصریح کی ہے
کہ چند جگہوں میں درہم اور دینار جنس واحد شمار
ہوتے ہیں، ان میں سے مرابحہ بھی ہے، جیسا کہ
بحر اور درّ وغیرہ میں ہے۔ اقول ثالثاً (میں
سہ بارہ کہتا ہوں جو قول فیصلہ کن اور اعتراض
کو سرے سے منہدم کر دینے والا ہے کہ تمام کتابیں
اس پر متفق ہیں کہ تولیہ و مرابحہ کے صحیح ہونے
کی شرط یہ ہے کہ عوض یعنی ثمن اول مثلی ہو اور
علت بیان کرنے والوں جیسے ہدایہ اور اس کی
شروحات عنایہ، تبیین اور بحر وغیرہ نے اس کی
علت یوں بیان کی لفظ عنایہ کے ہیں کہ ان
دونوں (تولیہ و مرابحہ) کی بناء خیانت اور

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۶

[2] بحرالرائق " " " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/۸۳

شبهها والاحتراز عن الخيانة فی القیمیات ان امکن، وقد لایمکن عن شبهها لان المشتری لایشتری المبیع الابقیمة ماوقع فیه من الثمن اذ لایمکن دفع عینه حیث لم یملکه ولادفع مثله اذا الفرض عدمه فتعینت القیمة وھی مجھولة تعرف بالخرص و الظن فیتمکن فیه شبھة الخیانة الا اذا کان المشتری باعه مرابحة ممن ملک ذٰلک البدل من البائع الاول بسبب من الاسباب فانه یشتریه مرابحة بربح معلوم من دراھم او شیئ من المکیل والموزون الموصوف لاقتدارہ علی الوفاء بما التزمہ[1] اھ اقول ولا تنس ماقدمنا ان المرابحة سائغ مطلقا و لو ثوبا کما نص علیه فی التحفة وقال فی التحفة وقال فی الفتح لو کان مااشتراہ به وصل الی من یبیعه منه فرابحه علیه بربح

شبہ خیانت سے اجتناب پر ہے جبکہ قیمتی چیزوں میں اگرچہ خیانت سے اجتناب ممکن ہے مگر شبہ خیانت سے اجتناب کبھی ممکن نہیں ہوتا کیونکہ مرابحہ میں مشتری مبیع کو اس قیمت کے بدلے ہی خرید سکتا ہے جس میں ثمن واقع ہوا نہ کہ عین ثمن کے بدلے کیونکہ جب وہ اس کا مالک ہی نہیں تو اس کا دینا اس کے لئے ناممکن ہے اور نہ ہی مثل ثمن کے بدلے کیونکہ مفروض اس کا عدم ہے تو قیمت ہی متعین ہوئی اور وہ مجہول ہے جو کہ ظن وتخمینہ سے پہچانی جاتی ہے لہٰذا اس میں شبہ خیانت پایا جاتا ہے سوائے اس کے کہ جب مشتری اول مبیع کو اس شخص کے ہاتھ بطور مرابحہ بیچے جو اس بائع اول سے اس مبیع کے بدل کا کسی سبب سے مالک بن چکا ہے کیونکہ اس صورت میں مشتری ثانی اس مبیع کو دراہم یا کسی کیلی و وزنی شے میں سے معین ومعلوم نفع پر خرید رہا ہے یہ اس لئے ہے کہ مشتری ثانی نے جس چیز کا التزام کیا ہے وہ اس کی ادائیگی پر قادر ہے اھ **اقول** (میں کہتا ہوں) جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اس کو مت بھولیں کہ نفع مطلقاً جاری ہوتا ہے اگرچہ کپڑا ہو جیسا کہ تحفہ میں اس پر نص کی گئی ہے، تحفہ میں فرمایا کہ فتح میں کہا ہے کہ اگر کسی طرح مبیع کے ثمن اس شخص کے پاس پہنچ جائیں جس کے ہاتھ اب یہ مبیع بطور مرابحہ بیچ رہا ہے اور

---

[1] العنایة علی ہامش الفتح القدیر کتاب البیوع باب المرابحة والتولیة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۲۴

معین کان یقول ابیعك مرابحة علی الثوب الذی بیدك و ربح درهم او کر شعیر او ربح هذا الثوب جاز[1] فالقصر علی المکیل والموزون لامفهوم لہ ومن البین ان اشتراط مثلیة الثمن الاول یوجب المماثلة بینه وبین الثمن الثانی فی الجنس اذلولاہ لعاد علی مقصودہ بالنقض فان الشیئ ولو مثلیا اذا بدل بخلاف جنسه خرج المثل من البین وآل الامر الی التقویم فهنالك قلتم لایمکنه دفع مثله اذالفرض عدمه وههنا نقول لایمکن دفع مثله اذالفرض ان البیع الثانی بخلاف جنسه وهذا کان شیئا واضحا فی غایة الوضوح فسبحان الذی اذهل هؤلاء الاکابر من مثله ولا عصمة الا لکلام الله وکلام الرسول جل جلاله وصلی الله تعالٰی علیه وسلم۔

اس ثمن پر معین نفع لگائے مثلاً یوں کہے کہ میں یہ چیز بطور مرابحہ تجھ پر فروخت کرتا ہوں اس کپڑے کے عوض جو تیرے قبضے میں ہے اور ایک درہم کے نفع پر یا ایک کُر جَو کے نفع پر یا اس کپڑے کے نفع پر تو یہ بیع مرابحہ جائز ہے اھ چنانچہ نفع کے کیلی اور وزنی اشیاء میں اقتصار کا کوئی مفہوم نہیں۔ اور ظاہر ہے ثمن اول کے مثل ہونے کی شرط اس بات کو واجب کرتی ہے کہ ثمن اول اور ثمن ثانی کے درمیان جنس کے اعتبار سے مماثلت ہو اس لئے کہ اگر ایسا نہ ہو تو یہ امر مقصود پر بطور نقض لوٹے گا کیونکہ کوئی شَے اگرچہ مثلی ہو جب غیر جنس سے بدلی جائے تو مماثلت درمیان سے نکل جاتی ہے اور معاملہ قیمت لگانے کی طرف لوٹ آتا ہے، وہاں تم نے کہا کہ ثمن اول کی مثل دینا ممکن نہیں کیونکہ مفروض اس کا عدم ہے یہاں ہم کہتے ہیں کہ اسکی مثل دینا ممکن نہیں کیونکہ مفروض یہ ہے کہ بیع ثانی اس کی جنس کے غیر کے بدلے میں ہے یہ انتہائی واضح چیز ہے، پاک ہے وہ جس نے ان اکابر کو اس جیسی ظاہر چیز بھلادی۔ خطا سے پاک تو صرف اللہ تعالٰی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا کلام ہے (ت)

اور ناجائز یوں ہوئی جس کا بیان ابھی عنایہ وغیرہا کے حوالہ سے گزرا کہ غیر جنس کا عوض اوّل کے مثل ومساوی ہونا محض تخمین واندازہ سے ہوگا اور تخمین میں غلطی کا احتمال ہے اور مرابحہ کی بناء کمال امانت پر ہے اس میں خیانت کا شبہہ بھی حرام ہے پورا ٹھیک ٹھیک ثمن اول کا مساوی

---

[1] فتح القدیر کتاب البیوع باب المرابحۃ والتولیۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/۱۲۴

بناکر اس پر نفع باندھے غیر جنس میں ٹھیک ٹھیک مساوات بتانا محال ہے لہذا مال ربوی جب اپنی جنس کے عوض لیا ہو اسے مرابحۃً بیچنا ناممکن وحرام ہے، یہ وہ شرط ثانی ضروری ولازمی وواجب تھی جس سے بحرالرائق میں باوصف استقصاء کے غفلت واقع ہوئی،

وھذا ما وعدناك من قبل بان الحد الذی اتی بہ لم یتم ایضا وکان علیہ ان یزید بعد قولہ "ممایتعین" "غیر ربوی قوبل بجنسہ" ثم العجب من العلامۃ المحقق ابی الاخلاص حسن الشرنبلالی رحمہ اللّٰہ تعالٰی اذ اورد علی تعریف الدرر المذکور "بیع ماملکہ بمثل ما قام علیہ بزیادۃ" مسئلۃ المثلی اذا غیبہ الغاصب وضمن وملك، ولا یرابح کما قدمنا عنہ، قال ولا یرد علی من قال بیع بمثل الثمن الاول[1] اقول صور بضمان الغصب فصدق ما قام علیہ ولم یصدق الثمن ولو صور بربوی ملکہ بجنسہ کیر بیر لعم الضمان والاثمان وورد علی الکل بالسویۃ فھذا تحقیق الشرط الثانی وقد تفضل علی المولٰی سبحٰنہ وتعالٰی بھذا المباحث فاتقنھا فانك لاتجدہ فی محل اٰخر وللّٰہ الحمد علی تواتر اٰلائہ والصلٰوۃ والسلام علی سید انبیائہ محمد واٰلہ واحبائہ۔

یہ وہ ہے جس کا ہم نے آپ کے ساتھ پہلے وعدہ کیا تھا کہ جو تعریف علامہ بحر نے بیان کی ہے وہ بھی تام نہیں، ان پر لازم تھا کہ وہ اپنے قول "ممایتعین" کے بعد یہ الفاظ بڑھاتے "غیر ربوی قوبل بجنسہ" یعنی وہ چیز مال ربوی کا غیر ہو جس کا مقابلہ اس کی جنس سے کیا گیا ہو، پھر علامہ محقق ابوالاخلاص حسن شرنبلالی رحمہ اللہ تعالٰی پر حیرت ہے کہ جب درر کی اس تعریف "وہ مملوک چیز کی بیع ہے اس کی مثل کے ساتھ جتنے میں اس کو پڑی مع کچھ زیادتی کے" پر اس مسئلہ کے ساتھ اعتراض وارد ہوا کہ غاصب نے مثلی شئے کو غائب کردیا اور اس کا ضمان دینے پر وہ اس شئی مغصوب کا مالک بن گیا اس کے باوجود وہ اس میں بیع مرابحہ نہیں کرسکتا جیسا کہ اس سے نقل کرچکے ہیں، تو علامہ ابوالاخلاص حسن شرنبلالی نے فرمایا کہ یہ اعتراض اس پر وارد نہیں ہوتا جس نے تعریف میں یوں کہا کہ "بیع بمثل الثمن الاول" یعنی ثمن اول کی مثل کے بدلے بیع کرنا، **اقول** (میں کہتا ہوں) ضمان غصب کے ساتھ صورت بیان کی گئی جو "ما قام علیہ" پر صادق اور ثمن پر صادق نہیں اگر ایسے مال ربوی کے ساتھ صورت بیان کی جاتی جس کا وہ اس کی

---

[1] غنیۃ ذوی الاحکام حاشیۃ درر الاحکام باب المرابحۃ والتولیۃ میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۸۰

جنس کے بدلے میں مالک ہوا جیسے گندم کے بدلے گندم تو یہ صورت ضمان غصب اور ثمنوں کو شامل ہوتی اور سب پر اعتراض کا ورود برابر ہوتا۔ یہ شرط ثانی کی تحقیق ہے۔ بیشک مولٰی سبحانہ وتعالٰی نے ان مباحث جلیلہ کے سبب مجھ پر فضل فرمایا اور تو ان کو محفوظ کر کہ انھیں تو دوسری جگہ نہیں پائے گا، ان مسلسل نعمتوں کے عطا ہونے پر اللہ تعالٰی ہی کے لئے حمد ہے اور درود وسلام ہو نبیوں کے سردار محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور آپ کی آل واحباب پر۔ (ت)

جب یہ اصل اصیل منقح ہولی اب جواب مسئلہ مسئولہ کی طرف چلئے **فاقول** وباللہ التوفیق (تو میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ سے ہے۔ ت) نوٹ میں شرط دوم تو خود موجود ہے کہ وہ سرے سے مال ربوی ہی نہیں، نہ وہ اور روپے یا اشرفی متحد الجنس، اور شرط اول اس کی نفس ذات میں تو متحقق ہے کہ وہ فی نفسہ ایک عرض ومتاع ہے نہ ثمن مگر بذریعہ اصطلاح اُسے ثمنیت عارض ہے اور جب تک رائج رہے گا اور عاقدین بالقصد اُسے متعین نہ کریں گے عقود معاوضہ میں متعین نہ ہوگا، اور اوپر معلوم ہولیا کہ یہاں تعین دونوں وقت درکار ہے ملک اول کے وقت اور اس بیع مرابحہ کے وقت تاکہ صادق آئے کہ وہی شَے جو پہلے اس کی ملک میں آئی تھی اس نفع پر بیچی، وقتِ مرابحہ کا تعین بھی خود ہی ظاہر ہے کہ جب مرابحہ بے تعین ناممکن اور وہ قصد مرابحہ کررہے ہیں ضرور اُسے متعین کرلیا جس طرح پیسوں کی بیع سلم میں ہمارے ائمہ کے اجماع سے اور ایک پیسہ معین دو پیسے معین کو بیچنے میں ہمارے امام اعظم وامام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہما کے نزدیک ہے جس کی تحقیق ہمارے رسالہ کفل الفقیہ الفاھم میں ہے۔

وقلت فی الوفاقیۃ ان المسلم فیہ لایکون ثمنا قط فاقدامھما علی جعلھا مسلما فیھا دلیل علی الابطال[1] اھ ای ابطال الاصطلاح علی الثمنیۃ القاضیۃ بعدم التعین وفی الھدایۃ فی الخلافیۃ[2] لھما ان الثمنیۃ فی حقھما باصطلاحھما

میں نے اتفاقی اور اجماعی مسئلہ میں کہا کہ مسلّم فیہ کبھی بھی ثمن نہیں ہوسکتا لہذا بائع اور مشتری کا پیسوں کو مسلّم فیہ بنانے کا اقدام دلیل ابطال ہے اھ یعنی اصطلاح ثمنیت کا ابطال جو عدم تعیین کا تقاضا کرتی ہے اور ہدایہ میں اختلافی مسئلہ کے بارے میں شیخین کی دلیل یوں بیان کی کہ بائع اور مشتری کے حق میں ثمنیت ان دونوں کی

---

[1] کفل الفقیہ الفاہم امام العاشر نوری کتب خانہ داتا دربار لاہور ص ۶۲-۶۱

[2] " " " منظمۃ الدعوۃ الاسلامیہ لوہاری دروازہ لاہور ص ۴۷

فتبطل باصطلاحهما[1] اھ وقلت فیھا فی ھامش الکفل ان الحاجۃ الی تصحیح العقد تکفی قرینۃ علی ذٰلك ولایلزم کون ذٰلك ناشئا عن نفس ذات العقد کمن باع درھما ودینارین بدرھمین ودینار یحمل علی الجواز صرفا للجنس الی خلاف الجنس مع ان نفس ذات العقد لاتابی مقابلۃ الجنس بالجنس واحتمال الرباء کتحققہ فما الحامل علیہ الا الحاجۃ التصحیح وکم لہ من نظیر[2]۔

اصطلاح کی وجہ سے ہے لہٰذا ان دونوں کی اصطلاح سے باطل ہوجائے گی۔ اور میں نے اس مسئلہ اختلافیہ کے بارے میں کفل الفقیہ کے حاشیہ پر کہا ہے کہ عقد کو صحیح کرنے کی حاجت اس پر کافی قرینہ ہے اس کا نفس عقد سے ناشئ ہونا لازم نہیں جیسے کسی نے ایک درہم اور دو دینار کو دو درہم اور ایک دینار کے عوض فروخت کیا تو جنس کو غیر جنس کی طرف پھیرتے ہوئے اس کو جواز پر محمول کریں گے باوجودیکہ خود ذات عقد جنس کا مقابلہ جنس سے کرنے سے انکار نہیں کرتی اور سود کا احتمال بھی حقیقتِ سود کی طرح ہے تو سوائے تصحیح عقد کی حاجت کے اس کا کوئی باعث نہیں اور اس کی متعدد نظیریں ہیں۔ (ت)

اب نہ رہی مگر وقت ملک میں نظر، اگر نوٹ کسی نے اسے ہبہ کیا تھا یا اس پر تصدق کیا یا بذریعہ وصیت یا مورث کے ترکہ میں اسے ملا یا اس نے کسی سے چھین لیا اور تاوان دے دیا یا کسی کا اس کے پاس امانت رکھا تھا اس سے منکر ہوکر تاوان دے کر بیچ لیا تو ان صورتوں میں اسے بیع مرابحہ کرسکتا ہے کہ ان سب وجوہ میں خود روپے اشرفی معین ہوتے ہیں جو ثمن خلقی ہیں نوٹ تو ثمن اصطلاحی ہے، پہلی چار صورتوں میں تو بازار کے بھاؤ سے اس کی قیمت بتاکر اس پر نفع لگائے مثلاً یہ نوٹ سَو روپے کا ہے میں نے تیرے ہاتھ اتنے روپے کے نفع پر بیچا اور پچھلی دو صورتوں میں جو کچھ تاوان دینا پڑا ہو وہ بتاکر اس پر نفع رکھے کہ یہ نوٹ مجھے اتنے میں پڑا اور اتنے نفع پر میں نے تیرے ہاتھ بیع کیا، درمختار میں ہے:

المرابحۃ بیع ماملکہ ولو بھبۃ او

مرابحہ اس چیز کی بیع ہے جس کا مالک بنا اگرچہ

---

[1] الہدایۃ کتاب البیوع باب السلم مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۹۴

[2] کفل الفقیہ الفاہم اما العاشر حاشیہ نوری کتب خانہ داتا دربار لاہور ص ۶۲

" " " " " " " منظمۃ الدعوۃ الاسلامیۃ لوہاری دروازہ ص ۴۸

ارث او وصیۃ او غصب[1]

ہبہ، میراث، وصیت یا غصب کے سبب سے مالک بنا ہو۔ (ت)

بحر میں ہے :

الغصب اذا ضمنہ جاز لہ بیعہ مرابحۃ وتولیۃ علی ماضمن وما ملکہ بھبۃ اوارث اووصیۃ اذا قومہ فلہ المرابحۃ علی القیمۃ اذا کان صادقا فی التقویم[2] اھ ملتقطا۔

غصب کا جب تاوان دے دیا تو اب اس تاوان پر غصب کی بیع بطور مرابحہ یا بطور تولیہ جائز ہے اور جس چیز کا ہبہ، میراث یا وصیت کے ذریعے مالک بنا جب اس کی قیمت مقرر کرے تو اس قیمت پر اس مملوک چیز کی بیع مرابحہ کرسکتا ہے بشرطیکہ قیمت مقرر کرنے میں سچا ہو اھ التقاط (ت)

اشباہ پھر ردالمحتار میں ہے :

تتعین ای الدراھم والدنانیر فی الامانات والھبۃ والصدقۃ والشرکۃ والمضاربۃ والغصب[3]

امانتوں، ہبہ، صدقہ، شرکت، مضاربہ اور غصب میں دراہم و دنانیر متعین ہوجاتے ہیں۔ (ت)

یونہی اگر یہ نوٹ بیع سلم سے مول لیا اس پر مرابحہ کرسکتا ہے مثلاً نوّے روپے کے بدلے سَو کی رقم کا نوٹ ایک مہینہ کے وعدہ پر خریدا یہ نوٹ معین ہوگیا لما قدمنا (اس دلیل کی وجہ سے جس کا ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں۔ ت) اب نوّے روپے اصل ثمن لگا کر اس پر نفع معین کرے سَو روپے اصل قیمت کو ٹھہرا کر اس پر نفع لگانا حرام ہوگا یونہی اگر نوٹ بیچنے اور خریدنے میں صاف تصریح کردی کہ خاص یہ نوٹ بعینہٖ اتنے کو بیچا کہ ایسی صریح تصریح سے ثمن اصطلاحی متعین ہوجاتا ہے تو جتنے کو لیا اتنے پر مرابحہ کرسکتا ہے اور صرف اس کے کہنے سے کہ یہ نوٹ اتنے کو بیچا معین نہ ہوگا جب تک عاقدین صاف تصریح نہ کریں کہ خاص اسی کی ذات سے عقدِ بیع کا متعلق کرنا مقصود ہے۔ تبیین الحقائق میں ہے :

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب المرابحۃ والتولیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵
[2] البحرالرائق " " " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۰۷
[3] ردالمحتار " " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲۹

صح البیع بالفلوس النافقۃ وان لم
یعین لانھا اموال معلومۃ صارت ثمنا
بالاصطلاح فجاز بھا البیع ووجب
فی الذمۃ کالدراھم والدنانیر وان
عینھا لا تتعین لانھا صارت
ثمنا باصطلاح الناس، ولہ ان
یعطیہ غیرھا لان الثمنیۃ لا تبطل
بتعیینھا لان التعیین یحتمل
ان یکون لبیان قدر الواجب
ووصفہ کما فی الدراھم، ویجوز
ان یکون لتعلیق الحکم بعینھا
فلا یبطل الاصطلاح بالمحتمل مالم
یصرحا بابطالہ بان یقولا
اردنا بہ تعلیق الحکم بعینھا
فحینئذ یتعلق العقد بعینھا
بخلاف ما اذا باع فلسا بفلسین
باعیانھما حیث یتعین
من غیر تصریح لانہ لو لم
یتعین لفسد البیع علی ما بینا
من قبل فکان فیہ ضرورۃ
تحریا للجواز وھنا یجوز علی
التقدیرین فلا حاجۃ الی ابطال
اصطلاح الکافۃ۔[1]

رائج پیسوں کے ساتھ بیع جائز ہے اگرچہ متعین نہ ہوں
کیونکہ وہ اموال معلومہ ہیں جو کہ اصطلاح کے سبب
سے ثمن بنے ہیں تو ان کے ساتھ بیع جائز ہوگی اور
یہ ذمہ پر ہونگے جیسا کہ دراہم ودنانیر کا حکم ہے اگر
ان کو متعین کرے تب بھی یہ متعین نہ ہونگے کیونکہ
یہ لوگوں کی اصطلاح سے ثمن بنے ہیں اور تعیین کے
باوجود اس کو دوسرے پیسے دینے کا اختیار رہے
کیونکہ ان کی تعیین سے ثمنیت باطل نہیں ہوتی
کیونکہ تعیین میں احتمال ہے کہ وہ واجب کی مقدار
اور وصف کو بیان کرنے کے لئے ہو اور یہ بھی ممکن ہے
حکم کو ان معین پیسوں کی ذات سے معین کرنے
کے لئے ہو چنانچہ محض احتمال سے اصطلاح باطل
نہیں ہوتی جب تک بائع اور مشتری اس کو
باطل کرنے کی تصریح نہ کریں بایں طور کہ وہ یوں
کہیں کہ ہم نے خاص انہی پیسوں سے حکم کو مطلق
کرنے کا ارادہ کیا ہے اس وقت خاص ان ہی
معین پیسوں سے عقد متعلق ہوگا بخلاف اس
صورت کے جب کسی نے دو معین پیسوں کے عوض
ایک پیسہ فروخت کیا کیونکہ یہاں بغیر تصریح کے وہ
متعین ہوجائیں گے اس لئے کہ اگر اس صورت
میں وہ متعین نہ ہوں تو بیع فاسد ہوگی اس وجہ سے
جو ہم نے پہلے بیان کر دی ہے تو اس میں تلاش
جواز کی ضرورت ہوئی اور یہاں دونوں صورتوں
میں بیع جائز ہوگی لہذا تمام کی اصطلاح کو باطل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ (ت)

[1] تبیین الحقائق کتاب الصرف المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ مصر ۴/۱۴۳

ہاں بغیر اس تصریح صریح کے جس طرح عام طور پر نوٹ کی خرید و فروخت ہوتی ہے نوٹ معین نہیں ہوتا یہاں تک کہ اگر یہ نوٹ سو روپے کو بیچا بائع کو اختیار ہے کہ یہ خاص نوٹ نہ دے اس کے بدلے اور کوئی نوٹ سَو کا دے دے جبکہ چلن میں اس کا مساوی ہو اور اگر ابھی یہ نوٹ مشتری کو نہ دینے پایا تھا کہ جل گیا پھٹ گیا تلف ہوگیا تو بیع باطل نہ ہوئی کہ خاص اس نوٹ کی ذات سے متعلق نہ تھی دوسرا دے تو اس عام طور کے خریدے ہوئے نوٹوں پر مرابحہ نہیں کر سکتا کہ وہ معین ہو کر اس کی ملکیت میں نہ آئے، کمابیناہ اٰنفا (جیسا کہ ابھی ہم نے بیان کیا ہے۔ت) اسی طرح اگر عورت کا مہر نوٹ قرار پائے تھے وُہ اس نے شوہر سے اپنے مہر میں پائے انھیں مرابحۃً نہیں بیچ سکتی کہ اثمان مہر میں متعین نہیں ہوتے۔ اشباہ پھر ردالمحتار میں ہے،

لایتعین فی المھر ولو بعد الطلاق قبل الدخول فترد مثل نصفه ولذا الزمھا زکٰوته لونصابا حولیا عندھا[1] اھ اقول والوجه فیه ان المھر ایضا معاوضة والاثمان لاتتعین فی المعاوضات وتتعین فیما وراءھا من التبرعات وفیھا الھبة والصدقة ومن الامانات ومنھا المضاربة والشرکة والوکالة والودیعة کلھا بعد التسلیم اما قبله فلا مطالبة ولا استحقاق وانما النظر فی تعین النقود وعدمه من

ثمن مہر میں متعین نہیں ہوتے اگرچہ دخول سے قبل طلاق کے بعد ہوں تو اس عورت میں مطلقہ نصف مہر کی مثل واپس کرے گی اسی وجہ سے اس عورت پر اس مہر کی زکوٰۃ واجب ہے اگر وہ نصاب کے برابر ہو اور سال بھر عورت کے پاس رہے اھ اقول (میں کہتا ہوں) وجہ اس میں یہ ہے کہ مہر معاوضہ ہے اور ثمن معاوضوں میں متعین نہیں ہوتے، جبکہ معاوضوں کے ماسوا یعنی تبرعات، امانات اور غصبات میں متعین ہوجاتے ہیں، ہبہ اور صدقہ تبرعات میں سے ہیں جبکہ مضاربت، شرکت، وکالت اور ودیعت امانات میں سے ہیں۔ ان سب میں تعین تسلیم کے بعد ہوتا ہے، قبل از تسلیم تو اس صورت میں نہ مطالبہ نہ کوئی استحقاق۔ نقود کے

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۱۲۹

الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام النقد ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/۱۵۹

هذہ الجھۃ کما فی احکام النقد من الاشباہ[1] اقول ولذا لم تتعین فی النذر اذ لیس مطالب الا بما فیہ قربۃ ولا قربۃ فی خصوص نقد او وقت او فقیر کما فی جامع الفصولین[2] من الفصل السابع عشر ومن الغصبیات و یلتحق بھا المقبوض فی الصرف اذا فسد بالتفریق قبل قبض بدل و فی البیع اذا فسد علی ما ھو الاصح لکونہ واجب الرد وفی الدعوی اذا ادعی اٰخر مالا فقضی لہ فقبض ثم اقرانہ کان مبطلا فیھا اما الدین المشترک اذا قبضہ احدھما یومر برد حصۃ صاحبہ من عین المقبوض اقول ان کان قبضہ بحق فامین اولا فغاصب فانحصر الامر فیما ابدیت من الضابط و للہ الحمد اتقنہ فانک لاتجدہ فی غیر ھذہ

تعین اور عدم تعین میں نظر صرف اسی جہت (بعد از تسلیم) سے ہے جیسا کہ اشباہ کی فصل احکام النقد میں ہے اقول اسی لئے نقود نذر میں متعین نہیں ہوتے کیونکہ مطالبہ صرف اس چیز کا ہوتا ہے جس میں قربت ہو جبکہ نقد یا وقت یا فقیر کے خاص ہونے میں کوئی قربت نہیں جیسا کہ جامع الفصولین فصل ۱۷ میں ہے، اور بیع صرف میں جس چیز پر قبضہ کیا جائے وُہ غصبیات کے ساتھ ملحق ہوجاتی ہے جبکہ بدل صرف پر قبضہ کرنے سے پہلے تفرق کی وجہ سے عقدِ صرف فاسد ہوجائے، اور مذہب اصح کے مطابق بیع فاسد میں بھی غصب سے ملحق ہے کیونکہ اس کا رَد کرنا واجب ہے اور یوں ہی دعوٰی میں ہے اگر کسی نے دوسرے پر کچھ مال کا دعوٰی کیا پھر فیصلہ کے حق ہونے اور قبضہ کرنے کے بعد اس نے اقرار کیا کہ وہ اس دعوٰی میں باطل پر تھا یعنی جھوٹا تھا، رہا دینِ مشترک تو اگر اس پر دو شریکوں میں سے ایک نے قبضہ کرلیا تو اس کو حکم دیا جائیگا کہ وہ عین مقبوض میں سے اپنے شریک کا حصہ اس کو دے اقول (میں کہتا ہوں) اگر اس نے حق کے ساتھ قبضہ کیا تو امین ہے اور اگر ناحق قبضہ کیا ہے تو غاصب ہے، چنانچہ جو ضابطہ میں نے بیان کیا ہے معاملہ اسی پر منحصر ہوا۔ اللہ تعالٰی

---

[1] الاشباہ والنظائر احکام النقد ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۵۹-۱۵۸

[2] جامع الفصولین الفصل السابع عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۰

السطور والحمدللّٰہ علی تواتر آلائہ بالوفور۔

کہ اس کو تو ان سطور کے غیر میں نہ پائیگا، اور مسلسل وافر نعمتوں کی عطا پر تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہی حمد ہے، اسے محفوظ کر لو کے لئے ہیں۔ (ت)

پھر جہاں نوٹ پر مرابحہ منع ہے اس کے یہ معنٰی ہیں کہ ملک اول کے لحاظ سے نفع مقرر نہیں کرسکتا ابتدائے بیع بے لحاظ سابق کرے جسے مساومہ کہتے ہیں، تو اختیار ہے جتنے کو چاہے بیچے اگرچہ دس کا نوٹ ہزار کو۔ بحر میں ہے:

قید بقولہ لم یرابح لانہ یصح مساومۃ لان منع المرابحۃ انما ھی للشبھۃ فی حق العباد لا فی حق الشرع وتمامہ فی البنایۃ۔[1]

ماتن نے یہ قید لگائی کہ وہ بیع مرابحہ نہیں کرسکتا کیونکہ بیع مساومہ اس میں صحیح ہے اس لئے کہ مرابحہ کی ممانعت حقوق العباد میں شبہہ کی وجہ سے ہے نہ کہ حق شرع میں۔ اس کی پوری بحث بنایہ میں ہے۔ (ت)

اور جہاں مرابحہ جائز ہے اور یوں مرابحہ کیا جس طرح سوال میں مذکور ہے کہ لکھی ہوئی رقم سے مثلاً فی روپیہ ایک آنہ زیادہ لوں گا تو اس کے لئے ضرور ہے کہ مشتری کو بھی اس کی رقم معلوم ہو اور جانے کہ مجموع یہ ہوا ورنہ اگر کسی ناخواندہ کے ہاتھ بیچا ہے معلوم نہیں کہ یہ نوٹ کتنے کا ہے اس صورت میں اگر اسی جلسہ بیع میں اسے علم ہوگیا کہ یہ مثلاً سو روپے کا ہے اور مجھے ایک سو چھ روپے چار آنے میں دیا جاتا ہے تو بعد علم اسے اختیار ہے کہ خریداری پر قائم رہے یا انکار کردے اور اگر ختم جلسہ بیع تک اسے علم نہ ہو تو بیع فاسد وحرام وواجب الفسخ ہوگئی اگرچہ بعد کو اسے علم ہوجائے۔ ردالمحتار میں ہے:

قال فی النھر ولو کان البدل مثلیا فباعہ بہ وبعشرہ ای بعشر ذلک المثلی فان کان المشتری یعلم جملۃ ذلک صح والا فان علم فی المجلس خیر والا فسد۔[2]

نہر میں کہا کہ اگر بدل مثلی ہے اور اس نے اس مثلی بدل اور مزید اسکے عشر یعنی اس مثلی کے دسویں حصہ کے عوض بیع کی، اس صورت میں اگر مشتری کو اس تمام کا علم ہے تو بیع صحیح ہے اور اگر علم نہیں تھا مگر اسی مجلس میں اس کو معلوم ہوگیا تو اسے اختیار ہے ورنہ فاسد ہوگی۔ (ت)

---

[1] البحرالرائق کتاب البیوع باب المرابحۃ والتولیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۱۱

[2] ردالمحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۵۴

16 ہدایہ باب المرابحہ میں ہے:

اذا حصل العلم فی المجلس جعل کابتداء العقد وصار کتأخیر القبول الٰی اٰخر المجلس، وبعد الافتراق قد تقرر فلا یقبل الاصلاح، ونظیرہ بیع الشیئ برقمہ[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

جب مشتری کو مجلس کے اندر ثمن کا علم حاصل ہوگیا تو اس کو ابتداء عقد کی طرح قرار دیا جائیگا اور یہ آخر مجلس تک قبول کو مؤخر کرنے کی مثل ہوگیا اور جدائی (تبدیلیٔ مجلس) کے بعد اگر علم ہوا تو اب چونکہ فساد مستحکم ہوچکا ہے لہذا یہ بیع اصلاح کو قبول نہیں کرے گی اور اس کی نظیر کسی شیئ کو اس کی لکھی ہوئی قیمت کے عوض فروخت کرنا ہے۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

---

[1] الہدایۃ کتاب البیوع باب المرابحۃ والتولیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/۷۶-۷۷

بَابُ التَّصَرُّفِ فِی الْمُبِیْعِ وَالثَّمَنِ

(مبیع اور ثمن میں تصرف کرنے کا بیان)

مسئلہ ۱۰۵: از بڑودہ پانگاہ قاسم حالہ مرسلہ سید و میاں حالہ ۱۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۰ھ

قدوۃ العلماء عمدۃ الفضلاء اس مسئلہ کبیر میں کیا ارشاد فرماتے ہیں ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا، چند روز کے بعد عورت نے اپنا مہر طلب کیا، خاوند اس کا کہنے لگا کچھ روپیہ اس وقت نقد مجھ سے وصول کرلے باقی روپیہ جو رہا ہے مکان اور زمین نرخ بازار سے خرید لے اور جو اس سے بھی باقی رہے قسط بقسط ماہ بماہ دیتا رہوں گا تیرا مہر بہرحال ادا کردوں گا، عورت اس بات پر راضی ہوئی، شرع شریف میں جائز ہے یا ناجائز ہے؟ مع مہر سند کتاب عبارت عربی و ترجمہ اردو خلاصہ تحریر فرمائیے گا اس کا صلہ آپ کو اللہ جل شانہ عطا کرے گا فقط۔

راقم سیدو میاں حالہ از بڑودہ

الجواب

یہاں تین باتیں ہیں: بعض[1] مہر کا بالفعل زرِ نقد سے ادا کرنا، بعض[2] کے عوض مکان و زمین نرخِ بازار پر دینا، باقی ماندہ کی قسط بندی ہونا۔ یہ تینوں امر شرعاً جائز ہیں، اوّل[1] تو خود ظاہر ہے اگرچہ شرعاً خواہ عرفاً مہر مؤجل عدت و طلاق یا ایسی اجل پر موعود ہو جو ہنوز نہ آئی مثلاً دس برس بعد دینا ٹھہرا تھا اس نے کُل یا بعض ابھی دے دیا عورت کو جبراً لینا ہوگا کہ اجل حق مدیون ہے، اور اسے

اس کے ساقط کرنے کا اختیار،

فی الزیلعی والخانیۃ والنھایۃ ثم الاشباہ ثم العقود الدریۃ الدین المؤجل اذا قضاہ قبل حول الاجل یجبر الطالب علی تسلیمہ لان الاجل حق المدیون فلہ ان یسقطہ[1]

زیلعی، خانیہ، نہایہ پھر اشباہ پھر عقود الدریہ میں ہے کہ مدیون اگر دین مؤجل کی ادائیگی اجل گزرنے سے پہلے کرے تو طالب (قرضخواہ) پر اس کی وصولی کے لئے جبر کیا جائے گا کیونکہ اجل مدیون کا حق ہے جسے ساقط کرنے کا اسے اختیار ہے۔ (ت)

اور ثانی[2] بھی جائز کہ اگرچہ اصل مقتضائے دین یہی ہے کہ جس چیز کا مطالبہ ہے وہی دی جائے، مثلاً روپے کے روپے ہی ادا کئے جائیں فی الاشباہ والدر وغیرھما الدیون تقضی بامثالھا[2] (اشباہ اور درر وغیرہ میں ہے کہ قرضے ان کی مثل سے ادا کئے جائیں۔ ت) مگر ماورائے سلم وصرف میں باہمی تراضی سے یہ بھی روا کہ دین کا معاوضہ دوسری چیز کرلیں،

فی رد المحتار طالب مدیونہ فبعث الیہ شعیرا قدرا معلوما وقال خذہ بسعر البلد والسعر لھما معلوم کان بیعا[3]۔

ردالمحتار میں ہے کہ کسی نے اپنے مقروض سے قرضے کا مطالبہ کیا تو اس نے معین مقدار میں جو بھیجے اور کہا کہ شہر کے بھاؤ کے مطابق لے لو اگر شہر کا بھاؤ دونوں کو معلوم ہے تو یہ بیع ہوگئی۔ (ت)

اور ثالث[3] کا بھی جواب واضح، اگرچہ اس وقت تک قسط بندی نہ تھی کہ برضامندی معجل کو مؤجل، غیر منجم کو منجم کرسکتے ہیں، یعنی جس دین کی نسبت قرار پایا تھا کہ فوراً دیا جائے گا پھر یہ ٹھہرالیں کہ اتنی مدت کے بعد دیا جائے گا یا اب تک قسطیں نہ تھیں اب قرار دے لیں کہ ماہانہ یا سالانہ قسط سے ادا ہوا کرے گا،

فی الکنز صح تاجیل کل دین غیر القرض[4] وفی الاشباہ الحال یقبل التاجیل

کنز میں ہے کہ قرض کے سوا ہر دین میں میعاد مقرر کرنا صحیح ہے اور اشباہ میں ہے دین حالی تاجیل

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب المداینات ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۴۸
[2] تتمۃ فی الفروق من الاشباہ والنظائر مع الاشباہ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۲/ ۶
[3] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲
[4] کنز الدقائق باب المرابحۃ والتولیۃ فصل صح بیع العقار ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۲۵

الا ماقدمناه[1] اھ یعنی ماذکر فی قولہ لیس فی الشرع دین لایکون الاحالا الارأس مال السلم وبدل الصرف والقرض والثمن بعد الاقالۃ ودین المیت وما اخذ بہ الشفیع العقار[2]۔

کو قبول کرتا ہے سوائے اس کے جس کا ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں اھ، اس سے مراد وہ ہے جس کا ذکر مصنف نے اپنے اس قول میں کیا کہ شرع میں کوئی دین ایسا نہیں جو فقط حالی ہو سوائے بیع سلم میں راس المال، بدل صرف، قرض، اقالہ کے بعد ثمن اور دین میت کے اور وہ جس کے بدلے شفیع نے جائداد لی۔ (ت)

مگر مکان زمین دینے میں اتنا لحاظ ضرور ہے کہ نرخِ بازار مرد وزن کو معلوم نہیں تو پہلے نرخ دریافت کرلیں، اس کے تعین کے ساتھ بیع واقع ہو کہ بازار کے بھاؤ سے یہ چیز ہزار روپیہ کی ہے تو شوہر عورت سے کہے میں نے اپنی یہ زمین و مکان تیرے ہزار روپے کے عوض میں تجھے دی، وہ کہے میں نے قبول کی، یہ نہ ہو کہ پہلے بیع ہولے اس کے بعد تحقیقات کرنے جائیں کہ بازار کا نرخ کیا ہے کہ اس صورت میں بوجہ جہالت ثمن بیع فاسد ہوجائے گی اور زن و مرد دونوں بسبب ارتکاب عقد فاسد گنہگار ہوں گے پھر اس بیع کا فسخ بوجہ فساد واجب ہوگا ہاں اگر اسی جلسۂ ایجاب و قبول میں نرخ بازار معلوم ہوجائے تو البتہ بیع صحیح ہوجائے گی اور مشتریہ کو بعد علم قیمت اس شئی کی لینے نہ لینے کا اختیار رہے گا مگر یہ امر موہوم ومشکل ہے، لہٰذا پہلے ہی دریافت کرکے بیع بطریق مذکور کریں،

فی الدر رفسد بیع ماسکت فیہ عن الثمن کبیعہ بقیمتہ[3] اھ ملخصا، وفی الھندیۃ اما شرائط الصحۃ فمنھا ان یکون الثمن معلوما علما یمنع من المنازعۃ فبیع المجہول جہالۃ تفضی الیھا غیر صحیح کبیع الشئی

در میں ہے کہ جس بیع میں ثمن سے سکوت اختیار کیا وہ فاسد ہے جیسے کسی شے کی بیع اس کی قیمت کے بدلے میں اھ تلخیص۔ ہندیہ میں ہے کہ صحتِ بیع کی شرائط میں سے ثمن کا اس طرح معلوم ہونا ہے کہ جھگڑا پیدا نہ ہو لہٰذا مجہول کی بیع ایسی جہالت کے ساتھ جو جھگڑے کا باعث بنے صحیح نہیں جیسے کسی شئی کو اس کی قیمت کے بدلے فروخت

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الدین ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۱۲

[2] ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ۲/ ۲۱۲

[3] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴

بقیمتہ اھ مختصرا وفیھا من ولی رجلا شیئا بما قام علیہ ولم یعلم المشتری بکم قام علیہ فسد البیع فان اعلمہ البائع فی المجلس صح البیع وللمشتری الخیار ان شاء اخذہ وان شاء ترکہ کذا فی الکافی[2] انتہی واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

کرنا اھ اختصار۔ اور اسی میں ہے کہ کسی شخص نے دوسرے کے ساتھ کسی شیئ کی تولیہ کی اتنے کے بدلے میں جتنے میں اس کو پڑی درانحالیکہ مشتری کو معلوم نہیں کہ بائع کو کتنے میں پڑی ہے تو بیع فاسد ہوگی، پھر اگر بائع نے مجلس کے اندر مشتری کو بتادیا تو بیع صحیح ہوجائے گی اور مشتری کو اختیار ہوگا اگر چاہے تو لے لے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے، یونہی کافی میں ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر ایک جائداد بیع کی جائے اور اسی مجلس خواہ دوسری مجلس میں بائع کل ثمن مشتری کو معاف کرے تو جائز ہے یا نہیں؟ اور اس معاف کرنے کے سبب وہ بیع بیع رہے گی اور اس کے احکام اس پر جاری ہوں گے یا ہبہ ہوجائے گی؟ بیّنوا توجروا

الجواب

بیشک جائز ہے کہ بائع کوئی چیز بیچے اور اس مجلس خواہ دوسری میں کل ثمن یا بعض مشتری کو معاف کردے اور اس معافی کے سبب وہ عقد عقد بیع ہی رہے گا اور اسی کے احکام اس پر جاری ہوں گے اس ابراء کے سبب ہبہ ٹھہر کر احکام ہبہ کا محل نہیں قرار پاسکتا کیونکہ ہبہ یا ابراء جو کچھ ہوا ثمن کا ہوا ہے نہ اس جائداد کا، اور لفظِ ثمن خود تحقق بیع کو متقضی ہے کہ اگر وہ بیع نہ تھی تو یہ ثمن کاہے کا تھا جو معاف کیا گیا،

فی الفتاوی العالمگیریۃ اذا حط کل الثمن او وھبہ او ابرأہ عنہ فان کان ذٰلک قبل قبض الثمن صح الکل ولکن لایلتحق باصل العقد وان کان بعد قبض الثمن صح الحط والھبۃ ولم یصح الابراء ھکذا فی المحیط[3]۔

فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے پورا ثمن گھٹادیا یا ہبہ کردیا یا بری کردیا اگر قبضے سے پہلے ایسا کیا تو سب صورتیں درست ہیں مگر یہ اصل عقد کے ساتھ لاحق نہیں ہوگا اور اگر ثمن پر قبضہ کے بعد ایسا کیا ہے تو گھٹانا اور ہبہ کرنا درست ہوگا مگر بری کرنا درست نہ ہوگا محیط میں ایسا ہی ہے۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع باب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۳

[2] " " " الباب المرابحۃ والتولیۃ " " ۳/۱۶۵

[3] " " " الباب السادس عشر " " ۳/۱۷۳

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سیدنا جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی:

قال غزوت مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم قال فتلاحق بی النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم وانا علی ناضح لنا قد اعیا فلا یکاد یسیر فقال لی مالبعیرك قال قلت اعیٰ قال فتخلف رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم فزجرہ ودعالہ فما زال بین یدی الابل قدامہا یسیر فقال لی کیف تری بعیرك قال قلت بخیر قد اصابتہ برکتك قال افتبیعنیہ قال فاستحییت ولم یکن لنا ناضح غیرہ قال فقلت نعم قال فبعنی قال فبعتہ ایاہ علی ان لی فقار ظہرہ حتی ابلغ المدینۃ فلما قدم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم المدینۃ غدوت علیہ بالبعیر فاعطانی ثمنہ وردہ علیّ[1] (ملتقطا)۔

انھوں نے کہا کہ میں ایک جہاد میں رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ گیا تو آپ مجھ سے آملے درانحالیکہ میں پانی لانے والے ایک اُونٹ پر سوار تھا جو تھک چکا تھا اور چلنے سے تقریباً عاجز ہوگیا تھا۔ آپ نے مجھے فرمایا کہ تیرے اُونٹ کو کیا ہُوا۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ کہتے ہیں میں نے عرض کی کہ تھک گیا ہے آپ نے پیچھے مُڑ کر اُونٹ کو جھڑکا اور اس کے لئے دُعا فرمائی تو وہ مسلسل تمام اونٹوں کے آگے چلنے لگا' پھر سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اُونٹ کو کیسا پاتے ہو؟ میں نے عرض کی کہ بہتر ہے اس کو آپ کی برکت پہنچی ہے آپ نے فرمایا کیا تم اسکو میرے پاس فروخت کروگے تو میں انکار سے حیا کیا جبکہ ہمارے پاس اور اونٹ نہ تھا تو میں نے وہ اونٹ اس شرط پر آپ کے ہاتھ بیچ دیا کہ میں مدینہ منورہ تک اس کی پشت پر سواری کروں گا۔ جب رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو میں اُونٹ لے کر آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہُوا آپ نے مجھے اُونٹ کے ثمن عطا فرمائے اور اونٹ بھی مجھے واپس کر دیا (ملتقطاً)۔ (ت)

دیکھو حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اُونٹ خرید کر قیمت بھی عطا فرمائی اور اونٹ بھی نہ لیا' یُوں ہی بائع کو روا ہے کہ مبیع بھی سپرد کردے اور ثمن بھی نہ لے۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] صحیح البخاری کتاب الجہاد باب الاستیذان الرجل الامام الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۱۶
صحیح مسلم کتاب المساقاۃ باب بیع البعیر واستثناء رکوبہ " " " ۲/ ۲۹

مسئلہ عہ

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں چند امور قابلِ لحاظ ہیں:

(۱) شرع مطہر میں عاقدین کی نیاتِ قلبیہ و اغراض باطنیہ پر بنائے کار نہیں بلکہ جو لفظ انھوں نے کہے ان کے معانی پر مدار ہے، صدہا مسائلِ شرع اس پر متفرع۔ اسی لئے اگر کسی عورت سے نکاح کرے اور اس کے دل میں عزم قطعی ہو کہ دو روز کے لئے نکاح کرتا ہوں تیسرے روز طلاق دے دوں گا تو وہ نکاح صحیح و نافذ رہتا ہے پھر اُسے اختیار رہتا ہے چاہے طلاق دے یا نہ دے، اور اگر عقدِ نکاح ہی اُن لفظوں سے واقع ہو تو باطل محض ہوجاتا ہے،

بنایۃ للعلامۃ العینی کتاب النکاح فصل المحرمات قال شیخنا زین الدین العراقی فی شرح جامع الترمذی نکاح المتعۃ المحرم اذخرج بالتوقیت فیہ اما اذا کان فی تعیین الزوج انہ لایقیم معہا الاسنۃ اوشھرا او نحو ذٰلك ولم یشترط ذٰلك فانہ نکاح صحیح[۱]۔

علامہ عینی کی تصنیف بنایہ کتاب النکاح، فصل محرمات میں ہے کہ ہمارے شیخ زین الدین عراقی نے جامع ترمذی کی شرح میں فرمایا کہ نکاحِ متعہ حرام ہے بشرطیکہ اس میں معین مدت کا اظہار کرے، اور اگر زوج نے محض اپنی نیت میں تعیین کی ہو کہ وہ اس عورت کو ایک سال یا ایک مہینہ وغیرہ مدت تک اپنی زوجیت میں رکھے گا لیکن بوقتِ نکاح شرط نہیں لگائی تو بیشک یہ نکاح صحیح ہے۔ (ت)

علٰی ہذا اگر کوئی شخص اپنا مکان زید کے ہاتھ بیچنا چاہے اور شفیع کے خوف سے لفظ بیع نہ کہے بلکہ یہ اس کو مکان ہبہ کردے اور وہ بقدر ثمن روپیہ اسے ہبہ کردے تو یہ ہبہ شرعاً ہبہ ہی رہے گا اور شفیع کا حق ثابت نہ ہوگا اگرچہ ان کی نیت مبادلہ مال بالمال تھی۔ عالمگیری مطبع احمدی جلد ششم صفحہ ۱۴۹،

یھب البائع الدار من المشتری ویشھد

بائع مکان مشتری کو ہبہ کردے اور اس پر گواہ

عہ اصل میں سوال درج نہیں۔ جواب سے سوال کی صورت سمجھی جاسکتی ہے۔

---

[۱] البنایۃ فی شرح الہدایۃ کتاب النکاح فصل فی نکاح المحرمات المکتبۃ الامدادیہ مکہ مکرمہ ۲/ ۶۷

علیہ ثم المشتری یھب الثمن من البائع ولیشھد علیہ وذکر فی حیل الاصل ثم المشتری یعوضہ مقدار الثمن فاذا فعلا ذٰلک لاتجب الشفعۃ لان حق الشفعۃ یختص بالمعاوضات[1]

قائم کردے پھر مشتری ثمن بائع کو ہبہ کرے اور اس پر گواہ قائم کرے اور حیل اصل میں مذکور ہے کہ پھر مشتری اس پر ثمن کے برابر عوض مقرر کرے، جب بائع اور مشتری نے ایسا کرلیا تو اب شفعہ ثابت نہیں ہوگا کیونکہ حق شفعہ تو معاوضات کے ساتھ مختص ہے (ت)

اسی طرح اگر کوئی شخص ایک شے مشاع ہبہ کرنا چاہے اور جانے کہ ہبہ بوجہ شیوع فاسد ہوجائیگا تو علماء فرماتے ہیں اس مشاع کو اس کے ہاتھ بیع کرے اور ثمن معاف کرے کہ اس کی غرض یعنی تملیک بلاعوض بھی حاصل ہوجائے گی، اور بدیں وجہ کہ یہ عقد شرعاً بیع ہے فاسد بھی نہ ہوگا، ردالمحتار حاشیہ درمختار مطبوعہ دارالاسلام قسطنطنیہ جلد ۴ ص ۷۷۲:

(فائدۃ) من اراد ان یھب نصف دار مشاعا یبیع منہ نصف الدار بثمن معلوم ثم یبرئہ عن الثمن بزازیہ[2]

(فائدہ) جو آدھا مکان غیر منقسم ہبہ کرنا چاہے تو وہ آدھا مکان موہوب لہ کے ہاتھ بیچ کر ثمن سے اس کو بری کردے، بزازیہ۔ (ت)

مدعیہ تسلیم کرتی ہے کہ صورتِ مقدمہ بعینہ یہی جزئیہ خاص ہے جس کا حکم فقہائے بالتصریح فرمادیا کیونکہ اس کی عرضی دعوٰی کا بیان ہے کہ یہ عقد ضعیف مشروط بشرائط تھا لہذا بیع کی طرف انتقال کیا گیا، واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) وکیلِ مدعیہ نے جو عبارتِ درمختار پیش کی کہ بطل حط الکل[3] (کُل کا گھٹا دینا باطل ہے۔ ت) علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے ردالمحتار میں اس کے معنی بیان فرما دئے کہ مراد یہ ہے کہ ہبہ ثمن بھی صحیح ہوگا اور عقد بھی صحیح رہے گا مگر یہ ہبہ اصل عقد سے ملتحق نہ ہوگا یعنی یہ نہ قرار پائے گا کہ سرے سے عقد بلا ثمن ہوا تھا تاکہ فساد لازم آئے یا بیع ہبہ ہوجائے بخلاف حط بعض کے کہ وہ اصل

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الحیل الفصل العشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴۲۱
[2] ردالمحتار کتاب الہبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۸
[3] درمختار کتاب البیوع فصل فی التصرف فی المبیع والثمن مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۸

عقد سے ملتحق ہوجاتا ہے سو کو بیچا پھر پچیس حط کردے تو یہ ٹھہرے گا گویا ابتداء پچھتر کو بیچا تھا۔ شامی مطبوعہ استنبول ج ۴ ص ۲۵۹؛

(قولہ) فبطل حط الکل ای بطل التحاقہ مع صحۃ العقد وسقوط الثمن عن المشتری خلافا لما توھمہ بعضھم من ان البیع یفسد اخذا من تعلیل الزیلعی بقولہ لان الالتحاق فیہ یؤدی الی تبدیلہ لانہ ینقلب ھبۃ او بیعا بلا ثمن فیفسد وقد کان من قصدھما التجارۃ بعقد مشروع من کل وجہ فالالتحاق فیہ یؤدی الی تبدیلہ فلا یلتحق بہ اھ فقولہ فلا یلتحق صریح فی ان الکلام فی الالتحاق وان قولہ فیفسد مفرع علی الالتحاق کما صرح بہ شرح الھدایۃ وقال فی الذخیرۃ اذا حط کل الثمن او وھب او ابرأ عنہ فان کان قبل قبضہ صح الکل ولا یلتحق باصل العقد وفی البدائع من الشفعۃ ولو حط جمیع الثمن یاخذ الشفیع بجمیع الثمن ولا یسقط عنہ شیئ لان حط کل الثمن لا یلتحق

قولہ یعنی ماتن کا قول کہ "کل کو گھٹا دینا باطل ہے" اس سے مراد یہ ہے کہ اس کو اصل عقد کے ساتھ لاحق کرنا باطل ہے باوجودیکہ عقد اور مشتری سے ثمن کا اسقاط دونوں صحیح ہیں، یہ حکم بعض لوگوں کے اس وہم کے خلاف ہے کہ بیع فاسد ہے، ان لوگوں نے زیلعی کی تعلیل سے استدلال کیا جو اس نے اپنے اس کلام میں بیان کی کہ یہ الحاق اصل عقد کی تبدیلی تک پہنچاتا ہے کیونکہ اس کے سبب سے بیع یا تو ہبہ بن جائے گی یا بیع بلا ثمن، تو اس طرح وہ فاسد ہوجائے گی؛ حالانکہ ان دونوں کا ارادہ ایسے عقد کے ذریعے تجارت تھا جو ہر لحاظ سے مشروع ہو اور الحاق چونکہ اس میں تبدیلی کا موجب ہے لہذا یہ عقد کے ساتھ ملحق نہ ہوگا اھ اس کا قول "فلا یلتحق" صریح ہے اس بات میں کہ کلام لاحق ہونے کے بارے میں ہے اور اس کا قول "فیفسد" اسی لحوق پر متفرع ہے جیسا کہ شرح ھدایہ میں اس کی تصریح کی گئی ہے، اور ذخیرہ میں کہا کہ جب بائع تمام ثمن گھٹا دے یا ہبہ کرے یا مشتری کو ثمن سے بری کردے اگر یہ ثمن پر قبضہ سے پہلے ہے تو سب درست ہے اور یہ اصل عقد کے ساتھ لاحق نہیں ہوگا۔ بدائع میں شفعہ کی بحث میں ہے کہ اگر بائع نے تمام ثمن گھٹا دیئے تو شفیع تمام ثمن کے بدلے لے سکتا ہے اس سے کچھ بھی ساقط نہ ہوگا کیونکہ تمام ثمنوں کا

باصل العقد لانه لو التحق لبطل البیع لانه یکون بیعا بلا ثمن فلم یصح الحط فی حق الشفیع وصح فی حق المشتری وکان ابراء له عن الثمن اھ زاد فی المحیط لانہ لاقی دینا قائما فی ذمته و تمامه فی فتاوی العلامة قاسم[1]۔

گھٹانا اصل عقد کے ساتھ لاحق نہیں ہوتا اس لئے کہ اگر یہ لاحق ہو تو بیع باطل ہو جائے گی کیونکہ یہ بیع بلا ثمن بن جائے گی، چنانچہ شفیع کے حق میں کل ثمن کا گھٹانا صحیح نہیں البتہ مشتری کے حق میں صحیح ہے اور یہ اس کو ثمن سے بری کرنا ہوا اھ۔ اور محیط میں زیادہ کیا کہ وہ اس دین کے مقابل ہوا جو اس کے ذمہ کے ساتھ قائم ہے، اس کی پوری بحث علامہ قاسم کے فتاوٰی میں ہے۔ (ت)

ملاحظہ کیا جائے کہ علامہ امین الملۃ والدین محمد بن عابدین آفندی شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے جو تحقیق انیق ارشاد فرمائی ہے کس قدر مدلل و مبرہن ہے اور وُہ بھی صرف اپنی ایجاد نہیں بلکہ کتب ائمہ سے اس پر نصوص صریحہ نقل فرمائیں جن سے صاحبِ درمختار وغیرہ علمائے کبار سلفاً و خلفاً استناد کرتے آئے ہیں ــــــ ذخیرہ کہ ایک عمدہ مشہور و مستند فتاوی ہے۔ یہ امام تصنیف امام ابوبکر بن مسعود بن احمد کاشانی جس کی نسبت علماء فرماتے ہیں: ھذا الکتاب جلیل الشان لم ار له نظیرا فی کتبنا (یہ عظیم الشان کتاب ہے جس کی نظیر ہماری کتابوں میں دکھائی نہیں دیتی۔ ت)، محیط جس کا اعتبار آفتاب نیم روز ہے، فتاوٰی علامہ قاسم بن قطلوبغا تلمیذ رشید امام علامہ کمال الدین محمد بن الھمام، تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق امام علامہ فقیہ محدث زیلعی، شرح الھدایۃ اور ان کے سوا اور کتابوں میں بھی یہ مسئلہ یونہی لکھا ہے جیسا علامہ محقق نے تحقیق فرمایا، مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر مطبوعہ استنبول جلد ۲ صفحہ ۷۵:

صح التصرف فی الثمن ببیع وھبة و تملیك ممن علیه بعوض وغیر عوض قبل قبضه، والحط منه ویثبت الحط فی الحال ویلتحق باصل العقد استنادا وفیه اشارة الی ان حط کل الثمن غیر ملتحق

ثمن میں قبضہ سے قبل تصرف صحیح ہے جیسے بیع، ہبہ، اور جس پر ثمن لازم ہے اس کو کچھ عوض کے ساتھ یا بلاعوض مالک بنانا، اور ثمن میں سے کچھ گھٹا دینا، اور یہ گھٹانا فی الحال ثابت ہوتا ہے اور اصل عقد کی طرف منسوب ہو کر اس کے ساتھ لاحق ہوتا ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ تمام ثمن کا گھٹانا

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی التصرف فی المبیع والثمن داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۶۷

بالعقد اتفاقا[1] اھ ملتقطا۔

اصل عقد کے ساتھ بالاتفاق لاحق نہیں ہوتا اھ اختصار۔ (ت)

شرح نقایہ مطبوعہ لکھنؤ ج ۳ صفحہ ۳۳۰:

صح التصرف فی الثمن والحط عنہ، ای صح للمشتری الالقاء کل المبیع اوبعضہ عن البائع وللبائع الالقاء کل الثمن او بعضہ عن المشتری وان لم یبق المبیع ولم یقبض الثمن فصح ان یقول حططت کلہ اوبعضہ عنک اووھبتہ منک او ابرأتک عنہ (الٰی قولہ) وان لم یلتحق باصل العقد[2]

ثمن میں تصرف اور اس کو گھٹانا درست ہے یعنی مشتری کے لئے کل یا بعض مبیع بائع سے گھٹانا اور اسی طرح بائع کے لئے کل یا بعض ثمن مشتری سے ساقط کردینا درست ہے اگرچہ مبیع باقی نہ رہا ہو اور ثمن پر قبضہ نہ کیا ہو تو یہ کہنا صحیح ہوگا کہ میں تجھ سے کل یا بعض گھٹادیا یا میں نے تجھ کو اس سے بری کردیا (اس کے اس قول تک) اگرچہ یہ اصل عقد کے ساتھ ملحق نہیں ہوگا۔ (ت)

خلاصۃ الفتاوٰی کتاب البیوع فصل ۱۳:

ولو وھب کل الثمن لایلتحق باصل العقد ولووھب بعض الثمن یلتحق[3]

اگر کل ثمن ہبہ کردیئے تو اصل عقد کے ساتھ ملحق نہ ہونگے اور اگر بعض ثمن ہبہ کئے تو ملحق ہوجائیں گے۔ (ت)

فتاوٰی ہندیہ مطبع احمدی جلد سوم صفحہ ۵۸:

اذا حط کل الثمن اووھبہ اوابرأہ عنہ فان کان ذٰلک قبل قبض الثمن صح الکل ولکن لایلتحق باصل العقد[4]

جب کسی نے کل ثمن گھٹادیئے یا ہبہ کردیئے یا مشتری کو اس سے بری کردیا اگر یہ ثمن پر قبضہ سے پہلے ہوا تو سب صورتیں درست ہیں لیکن یہ اصل عقد کے ساتھ ملحق نہیں ہوگا۔ (ت)

اور ان سب کتابوں سے صاحبِ درمختار رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اسی درمختار میں صدہا جگہ استناد کیا ہے

---

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب البیوع فصل فی بیان البیع قبل قبض المبیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۸۱-۸۰

[2] شرح النقایۃ

[3] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب البیوع الفصل الثالث عشر فی الثمن مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۹۴

[4] فتاوٰی ہندیہ 〃 الباب السادس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۷۳

سوا فتاوٰی ہندیہ کے کہ اس کی تالیف تصنیف درمختار سے متاخر ہے تو آب کالشمس فی النصف النہار روشن ہوگیا کہ طرف مقابل کا یہ عذر کہ بمقابلہ درمختار شامی کا کیا اعتبار، کتنی بے محل بات ہے، قطع نظر اس سے کہ جس نے علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی تحقیقاتِ لائقہ اور تدقیقاتِ فائقہ اس حاشیہ اور کتاب مستطاب عقود دریہ وغیرہما میں دیکھی ہیں وُہ ایسا لفظ ہرگز نہیں کہہ سکتا۔ اور علاوہ اس سے کہ علماء نے تصریح فرمادی ہے کہ درمختار ہرچند معتبر کتاب ہے مگر جب تک اس کے حواشی پاس نہ ہوں اس سے فتوٰی دینا جائز نہیں کیونکہ عبارت اس کی اکثر مقامات پر ایسی چیستاں ہے جس سے صحیح مطلب سمجھ لینا دشوار ہوتا ہے، ان سب باتوں سے قطع نظر کرکے جب اس قدر اکابر ائمہ مستندین صاحب درمختار کی تحقیق علامہ شامی کے بالکل مطابق ہے تو اس لفظ کا کون سا موقع رہا۔

(۳) اگر تسلیم کیا جائے کہ عبارتِ درمختار سے ظاہراً جو مطلب سمجھا گیا وہی صحیح ہے اور ان جماہیر ائمہ کی تحقیق کا کچھ اعتبار نہیں تاہم اس کے مفاد کو دعوٰی مدعیہ سے کیا علاقہ، اس سے اس قدر سمجھا گیا کہ ہبۂ ثمن باطل ہے نہ یہ کہ بیع فاسد و قابلِ فسخ ہے جیسا کہ دعوٰی مدعیہ ہے کاش یہ عبارت کہیں سے پیدا کی جاتی کہ بطل البیع بحط الکل (کل ثمن گھٹا دینے سے بیع باطل ہوگئی۔ ت) تو شاید قابلِ التفات ہوتی۔

(۴) وکیلِ مدعیہ نے جو عبارتِ عالمگیری پیش کی کہ اگر ہبۂ ثمن قبل قبول واقع ہوا تو عقد صحیح نہیں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ فتاوٰی خلاصہ کتاب البیوع فصل ۲:

فی مجموع النوازل رجل قال بعت منك ھذا العبد بعشرۃ دراھم ووھبت منك العشرۃ وقال الاٰخر اشتریت لایصح البیع کمالوباع بدون الثمن۔ وفی النوازل الشراء جائز ولم تجز الھبۃ۔

مجموع النوازل میں ہے ایک شخص نے دوسرے کو کہا کہ یہ غلام میں نے تیرے ہاتھ دس درہم کے عوض بیچا اور میں نے تجھے دس درہم ہبہ کیے دوسرے نے جواب میں کہا کہ میں نے خرید ا تو بیع صحیح نہ ہوگی جیسا کہ وہ بغیر ثمن کے بیچے، اور نوازل میں ہے کہ خریداری جائز ہے اور ہبہ ناجائز ہے (ت)

اور امام علامہ فقیہ النفس مالک التصحیح والترجیح فخر الملۃ والدین قاضی خان اوزجندی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اپنے فتاوٰی میں روایتِ صحت پر جزم کیا اور اسی کے ذکر پر اقتصار فرمایا دوسری روایت نقل بھی نہ فرمائی اور اسی روایت کو مدلل و مبرہن کیا۔ قاضیخان مطبوعہ مطبع العلوم جلد ۲ ص ۲۴۹ و ۳۴۴:

ل خلاصۃ الفتاوٰی کتاب البیوع الفصل الثانی مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۱۴

نظیرہ مالو قال بعتك ھذا الشیئ بعشرۃ دراھم ووھبت لك العشرۃ ثم قبل المشتری البیع جاز البیع ولا یبرأ المشتری عن الثمن لان الثمن لایجب الابعد قبول البیع فاذا ابرأ عن الثمن قبل القبول کان ابراء قبل السبب فلا یصح[1]۔

اس کی نظیر یہ ہے کہ اگر کسی نے کہا میں نے یہ چیز تمہارے ہاتھ دس درہم کے بدلے فروخت کی اور میں نے تیرے لئے دس درہم ہبہ کئے، پھر مشتری نے بیع کو قبول کرلیا تو بیع جائز ہے اور مشتری ثمن سے بری نہ ہوگا کیونکہ ثمن تو قبولِ بیع کے بعد ہی واجب ہوتے ہیں، اگر اس نے قبول سے پہلے مشتری کو ثمن سے بری کیا تو یہ سبب سے قبل بری کرنا ہوا لہذا صحیح نہ ہوگا۔ (ت)

اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ کسی قول پر اقتصار کرنا اس کے اعتماد کی دلیل ہے۔ ردالمحتار مطبوعہ قسطنطنیہ جلد پنجم صفحہ ٦٥٢:

الاقتصار علیہ یدل علی اعتمادہ[2]۔

اس پر اقتصار اس کے اعتماد پر دلالت کرتا ہے۔ (ت)

طحطاوی حاشیہ درمختار مطبوعہ بولاق دارالسلطنت مصر جلد ٤ ص ٣٢١:

الاقتصار علیہ یدل علی اعتمادہ[3]۔

اس پر اقتصار اس کے اعتماد پر دلالت کرتا ہے (ت)

اور یہ بھی تصریح فرماتے ہیں کہ کسی قول کو مدلل ومبرہن کرنا بھی اس کی ترجیح کی دلیل ہے، فتاوٰی حامدیہ مع التنقیح مطبوعہ مطبع سرکاری مصر جلد اول ص ١٦:

التعلیل دلیل الترجیح[4] وفیھا ھو المرجح اذھو المحلی بالتعلیل[5]۔

کسی کی علت بیان کرنا اس کی ترجیح کی دلیل ہے۔ اور اسی میں ہے کہ وہی راجح ہے کیونکہ وہ بیان دلیل سے مزین ہے (ت)

پس دو وجہ سے ثابت ہوا کہ امام قاضی خان نے صحتِ بیع پر اعتماد فرمایا اور اسی کو ترجیح دی اب علماء تصریح فرماتے ہیں کہ اس امام اجل کا ارشاد زیادہ اعتبار و اعتماد کے لائق اور ان کی تصحیح و ترجیح فائق ہے کہ انھیں رتبۂ اجتہاد حاصل تھا، حاشیہ جامع الفصولین للعلامہ خیرالدین الرملی

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب البیوع فصل فی احکام البیع الفاسد نولکشور لکھنؤ ٢/٣٤٩
[2] ردالمحتار علی الدرالمختار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ٥/٤٢٥
[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار " دارالمعرفۃ بیروت ٤/٣٢١
[4] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب النکاح حاجی عبدالغفار کتب خانہ ارگ بازار افغانستان ١/١٤
[5] " " " " " " " " " " " " " " ١/١٤

استاد صاحب الدر المختار:

علیك بما فی الخانیة فان قاضی خان من اهل التصحیح والترجیح[1]

جو خانیہ میں ہے اس کو قبول کرنا تجھ پر لازم ہے کیونکہ امام قاضی خان ترجیح و تصحیح والوں میں سے ہیں۔ (ت)

تصحیح القدوری للعلامہ قاسم:

مایصححه قاضی خان من الاقوال یکون مقدما علی مایصححه غیره لانه کان فقیه النفس[2]

جن اقوال کی تصحیح قاضی خان کردیں وہ مقدم ہوتے ہیں ان اقوال پر جن کی تصحیح دوسرے کریں کیونکہ امام قاضی خان فقیہ النفس ہیں (ت)

حاشیہ سید احمد طحطاوی علی الدر المختار مطبوعہ مصر جلد دوم ص ۲۵:

الذی یظهر اعتماد ما فی الخانیة قولهم ان قاضی خان من اجل مایعتمد علی تصحیحاته[3]

جو خانیہ میں ہے اس پر اعتماد ظاہر ہے فقہاء کے اس قول کی وجہ سے کہ قاضی خان ان جلیل القدر لوگوں میں سے ہیں جن کی تصحیحات پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ (ت)

غمز العیون والبصائر شرح الاشباہ والنظائر مطبوع مطبع مصطفائی دہلی ص ۲۷۵:

هذا القول صححه قاضی خان فینبغی اعتماده[4]

اس قول کو قاضی خاں نے صحیح قرار دیا ہے لہذا اس پر اعتماد کرنا چاہیے۔ (ت)

عقود الدریہ مطبوعہ مصر جلد دوم ص ۵۷:

مایصححه قاضی خان مقدم علی مایصححه غیره[5]

جس کی تصحیح قاضیخان فرمادیں وہ اس پر مقدم ہے جس کی تصحیح کوئی دوسرا کرے (ت)

---

[1] الآلی الدریۃ فی الفوائد الخیریۃ حاشیہ جلیلہ جامع الفصولین الفصل الثامن عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/۲۴۶
[2] غمز عیون البصائر بحوالہ تصحیح القدوری مع الاشباہ الفن الثانی، کتاب الاجارات ادارۃ القرآن کراچی ۲/۵۵
[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب النکاح فصل فی المحرمات دار المعرفۃ بیروت ۲/۲۵
[4] غمز عیون البصائر مع الاشباہ الفن الثانی کتاب الاجارات ادارۃ القرآن کراچی ۲/۵۵
[5] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب الاجارات حاجی عبدالغفار و پسران تاجران کتب قندھار افغانستان ۲/۴۳

17

لومات المسلم وله امرأة نصرانية فجاءت مسلمة بعد موته و قالت اسلمت قبل موته وقالت الورثة اسلمت بعد موته فالقول قولهم[1]

اگر کوئی مسلمان فوت ہوا اس حال میں کہ اس کی ایک نصرانی بیوی تھی جو اس کی موت کے بعد مسلمان تھی اور آئی اور کہا کہ میں اس کی موت سے پہلے اسلام لائی تھی جبکہ ورثاء میت کا کہنا ہے کہ یہ اس کی موت کے بعد اسلام لائی ہے تو ورثاء کا قول معتبر ہوگا۔ (ت)

بنایۃ العلامۃ العینی میں ہے :

لان الاسلام حادث والحادث یضاف الی اقرب الاوقات[2]

ورثاء کا قول اس لئے معتبر ہے کہ اسلام حادث ہے اور حادث کی اضافت اس کے قریب ترین وقت کی طرف کی جاتی ہے۔ (ت)

تو یہاں بھی ہبۂ ثمن حادث ہے پس قول مدعا علیہم کا معتبر رہے گا کہ یہ ہبہ بعد تمامی بیع واقع ہوا نہ ما بین الایجاب والقبول۔

(۶) خود مسئلہ پیش کردہ مدعیہ سے ثابت کہ اگر ہبہ بطریق اشتراط فی نفس العقد ہو تو مفسد بیع ہے ورنہ نہیں، تو اب حاصل اختلاف یہ ہوا کہ مدعیہ وجود شرط مفسد کا دعوٰی کرتی ہے اور مدعا علیہم اس کا انکار کرتے ہیں، اس خاص جزئیہ میں بھی علماء کی تصریح ہے کہ قول اس کا معتبر ہے جو شرط فاسد کا انکار کرتا ہے۔ خانیہ مطبوعہ مطبع العلوم جلد دوم ص ۲۵۱ میں ہے :

لو ادعی عبدا فی ید رجل انه اشتراه منه بالف درهم وقال البائع بعتك بالف درهم و شرطت ان لا تبیع ولا تهب اوادعی المشتری ذلك و انکرالبائع کان القول قول من ینکرالشرط الفاسد

اگر کسی شخص نے ایک غلام جو کہ دوسرے کے قبضہ میں ہے کے بارے میں دعوٰی کیا کہ میں نے اس سے یہ غلام ہزار درہم کے عوض خریدا ہے، اور بائع نے کہا کہ میں نے تیرے ہاتھ یہ غلام ہزار درہم کے عوض فروخت کیا اور یہ شرط لگائی کہ تو اس کو نہ تو بیچے گا اور نہ ہبہ کرے گا، یا مشتری نے اس شرط کا دعوٰی کیا اور بائع نے اس کا انکار کیا

[1] الہدایۃ شرح البدایۃ کتاب ادب القاضی فصل فی قضاء بالمواریث مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۴۷

[2] البنایۃ فی شرح الہدایۃ " " " " " المکتبۃ الامدادیہ مکہ مکرمہ ۳/ ۳۰۴

والبینة بینة الاٰخر وکذٰلك لوکان مکان الشرط الفاسد شرط الخمر والخنزیر[1]

تو اس کا قول معتبر ہوگا جو اس شرط فاسد کا منکر ہے اور گواہ دوسرے کے مقبول ہوں گے اور ایسا ہی حکم ہوگا اگر اس شرط فاسد کی جگہ خمر و خنزیر کی شرط ہو۔ (ت)

(۷) یہ بھی تسلیم کیا کہ نفسِ ایجاب میں معاف ہونا مذکور تھا مگر علمائے محققین ایسی جگہ صیغہ ماضی و مستقبل میں فرق فرماتے ہیں کہ اگر بصیغہ مستقبل تھا تو ناجائز اور بصیغہ ماضی تھا تو جائز، اور ظاہر ہے کہ دستاویز پیش کردہ مدعا علیہم میں لفظ ماضی مذکور ہے کہ ثمن بعوض حقوق فرزندی معاف کیا۔ فتاوٰی قاضیخان جلد ۲ ص ۲۳۹ میں ہے:

لوقال علی ان اھب لك من ثمنه کذا لایجوز، ولو قال بعت منك بکذا علی ان حططت عنك کذا وعلی ان وھبت لك کذا جاز البیع اھ[2] ملخصا۔

اگر کہا اس شرط پر تیرے ہاتھ بیع کی کہ تجھے اس کے ثمن سے اتنے ہبہ کروں گا تو بیع جائز نہ ہوگی اور اگر کہا کہ میں نے تیرے ہاتھ اتنے کو بیع کی اس شرط پر تجھ سے اتنا گھٹا دیا یا تجھے اتنا ہبہ کیا تو بیع جائز ہے اھ تلخیص (ت)

اور اسی طرح نوازل میں مذکور ہے اور اس سے خلاصہ میں یونہی نقل کیا اور خود عالمگیری مستند وکیل مدعیہ میں اسی طرح روایت کرکے مقرر رکھا کما مر (جیسا کہ گزرا۔ ت) اور سب میں بلا ذکر خلاف۔

(۸) علماء فرماتے ہیں کہ اگر کسی عقد کے صحت و عدم صحت سے سوال ہو تو اُسے صحت پر حمل کیا جائیگا اور یہ مان لیا جائے گا کہ تمام شرائطِ صحت مجتمع تھیں تاوقتیکہ فساد دلیل روشن سے ثابت نہ ہو مجرد احتمال کفایت نہیں کرتا۔ فتاوٰی خیریہ لنفع البریہ تصنیف امام خیر الملۃ والدین رملی استاذ صاحبِ درمختار مطبوعہ مطبع میری مصر جلد دوم صفحہ ۴۹:

الاصل صحته ففی البزازیة لوسئل عن صحته یفتی بصحته حملا علی استیفاء الشرائط اذا لمطلق

اصل عقد کی صحت ہے چنانچہ بزازیہ میں ہے کہ اگر صحتِ عقد کے بارے میں سوال کیا جائے تو اس بنیاد پر کہ اس میں تمام شرائط مجتمع تھیں

---

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب البیوع فصل فی احکام البیع الفاسد مطبع نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۵۰
[2] " " " فصل فی الشروط المفسدة " " " ۲/ ۳۴۴

اور اسی طرح اور کتب میں بھی تصریح ہے، پس ثابت ہُوا کہ مذہب راجح صحت بیع ہے اگرچہ ہبہ ثمن مابین الایجاب والقبول واقع ہوا ہو۔ لطف یہ ہے کہ وہی عالمگیری جس سے اس مسئلہ میں طرف مقابل کو استناد ہے، اسی کی جلد سوم ص ۷۴ پر بحوالہ خانیہ مرقوم:

لو قال بعت منك بكذا علی ان حططت منك كذا او قال علی ان وهبت لك كذا جاز البیع[1]

اگر کسی نے کہا کہ میں تیرے ہاتھ اتنے کے عوض بیع کرتا ہوں اس شرط پر کہ میں تجھ سے اتنے گھٹاؤں گا یا کہا اس شرط پر کہ میں تیرے لئے اتنا ہبہ کروں گا تو بیع جائز ہے (ت)

بالجملہ طرف مقابل کو کوئی محلِ استدلال نہیں رہا یہ کہ ہبہ بھی صحیح ہُوا یا نہیں؟ یہ دعوٰی مدعیہ سے جُدا بات ہے۔

(۵) بطریق تنزل عرض کیا جاتا ہے کہ اگر حکم عالمگیری ہی تسلیم کیا جائے تو حاصلِ اختلاف فریقین کا یہ ہوگا کہ آیا یہ ہبہ قبل قبول واقع ہُوا یا بعد۔ اب یہ دیکھا چاہئے کہ ایسی صورت میں علماء کون سے وقت کا اعتبار رکھتے ہیں مگر ہم تصریح پاتے ہیں کہ اصل حوادث میں یہ ہے کہ وقت قریب کی طرف اضافت کئے جائیں اور جو بعدیت کا قائل ہے اسی کا قول معتبر رکھا جائے گا اور یہ بھی تصریح ہے کہ یہ دلیل مدعا علیہم کو مفید ہے نہ مدعیوں کو۔ اشباہ والنظائر مطبع مصطفائی صفحہ ۶۰:

الاصل اضافة الحادث الی اقرب اوقاته[2]

اصل یہ ہے کہ حادث کی اضافت اس کے قریب ترین وقت کی طرف کی جائے۔ (ت)

فقہ میں بہت مسائل اس ضابطہ پر مبنی ہیں، تمثیلاً ایک عرض کیا جاتا ہے ایک عورت نصرانیہ ایک مسلمان کے نکاح میں تھی اس مسلمان کا انتقال ہُوا عورت نے دار القضا میں آکر دعوٰی کیا کہ میں مسلمان ہوں اور مورث کا ہنوز دم نہ نکلا تھا کہ میں اسلام لے آئی تھی مجھے اس کا ترکہ ملنا چاہیے، ورثہ نے کہا تُو اس وقت مسلمان ہوئی ہے جب اس کا دم نکل چکا تھا تجھے ترکہ نہیں پہنچتا، علماء فرماتے ہیں قول ورثہ کا معتبر رہے گا کیونکہ اسلام اس کا حادث ہے تو وقت قریب کی طرف اضافت کیا جائے گا جب تک اول کا ثبوت بیّنہ سے نہ ہو۔ ہدایہ مطبع مصطفائی جلد دوم ص ۱۳۲:

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۱۳۶

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثالثہ ادارۃ القرآن کراچی ۱/۹۴

يحمل على الكمال الخالی عن الموانع للصحة والله اعلم[1]۔ وفیہا جلد دوم صفحہ ۳۵ اذا سئل عن السوال ببیع مال باعہ ذوالمال جاز بلامراء مع انہ کان مجنونا فلا احد یقول بانہ صح الشراء[2]۔ وفیہا النظر الی العمل بعبارۃ المکلف اولی من اھدارھا والحاقہ بالحیوانات وکلامہ بجوارھا واللہ تعالٰی اعلم[3]۔

اس کی صحت کا فتوٰی دیا جائیگا کیونکہ مطلق کو موانع صحت سے خالی کمال پر محمول کیا جاتا ہے اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ اور اسی میں جلد دوم ص ۳۵ پر ہے: اگر ایسے مال کی بیع کے بارے میں سوال کیا جائے جس کو مال والے نے منعقد کیا ہے تو بلاشبہہ یہ جائز ہے اس کے باوجود کہ اگر وہ مجنون ہے تو کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ خریداری درست ہے۔ اسی میں ہے کہ مکلف کی عبارت کو قابلِ عمل بنانے پر نظر کرنا اس کو لغو قرار دینے اور مکلف کو حیوانوں اور اس کے کلام کو حیوانوں کے ڈکارنے کے ساتھ لاحق کرنے سے اولٰی ہے، اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

ملاحظہ ہو کہ جب مفتی کے لئے یہ حکم ہے کہ اصل صحت پر عمل کرے اور شرائط صحت کا اجتماع مان کر فتوٰی دے تو قاضی جس کی نظر صرف ظاہر پر مقتصر ہے اور احتمالات بعیدہ کا لحاظ اس کے منصب سے جُدا بات ہے وہاں تو اصل پر نظر رکھنا اولٰی واحق ہوگا خصوصًا یہاں کہ بائع مرحوم عالم دین تھے اور ان کا قصد تملیک کا ہونا ظاہر، تو موانع صحت سے احتراز کرنا ہی ان سے متوقع۔

(۹) علماء تصریح فرماتے ہیں جب عاقدین میں صحت وفساد کا اختلاف واقع ہو تو قول اس کا قول ہے جو مدعی صحت ہے۔ فتاوٰی قاضی خاں جلد دوم ص ۱۵۱:

اذا اختلف المتبائعان احدھما یدعی الصحۃ والاٰخر الفساد بشرط فاسد او اجل فاسد کان القول قول مدعی الصحۃ والبینۃ بینۃ مدعی الفساد باتفاق الروایات، وان کان مدعی

جب بائع اور مشتری میں اختلاف ہو ان میں سے ایک صحتِ عقد کا جبکہ دوسرا کسی شرط فاسد کی وجہ سے فسادِ عقد کا دعوٰی کرے تو قول صحت کے مدعی کا بہتر ہوگا اور گواہ فساد کے مدعی کے معتبر ہوں گے، اس پر تمام روایات میں اتفاق ہے۔

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الصلح دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۰۳
[2] " " کتاب الوکالۃ " " " ۲/ ۳۹
[3] " " کتاب الدعوٰی " " " ۲/ ۷۷

الفساد يدعى الفساد لمعنى فى صلب العقد بان ادعى انه اشتراه بالف درهم و رطل من خمر والاٰخر يدعى البيع بالف درهم، فيه روايتان عن ابى حنيفة رحمه الله تعالٰى فى ظاهر الرواية القول قول من يدعى الصحة ايضا والبينة بينة الاٰخر كما فى الوجه الاول وفى رواية القول قول من يدعى الفساد[1]

اگر فساد کا دعوٰی کرنے والا اصل عقد میں پائی جانیوالی کسی خرابی کے سبب سے فساد کا دعوٰی کرے مثلاً اگر وُہ دعوٰی کرے کہ اس نے یہ شَے ہزار درہم اور ایک رطل شراب کے عوض خریدی ہے جبکہ دوسرا دعوٰی کرے کہ اس نے ہزار درہم کے عوض فروخت کی، تو اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی سے دو روایتیں منقول ہیں، ظاہر الروایۃ میں ہے کہ قول مدعی صحت کا اور گواہ دوسرے کے معتبر ہیں جیسا کہ پہلی صورت میں بیان ہوا، اور ایک روایت میں یوں ہے کہ فساد کے مدعی کا قول معتبر ہوگا (ت)

اور اسی طرح فتاوٰی عالمگیری میں نقل کیا جلد ۳ ص ۵۲ ۔ خلاصہ کتاب البیوع فصل ۴:

لوادعى احدهما فساد العقد والاٰخر الصحة القول قول من يدعى الصحة[2] الخ۔

فتاوٰی صغرٰی میں ہے اگر بائع اور مشتری میں سے ایک نے فسادِ عقد کا جبکہ دوسرے نے صحتِ عقد کا دعوٰی کیا تو صحت کے مدعی کا قول معتبر ہوگا۔ (ت)

قابلِ لحاظ ہے کہ جب اصل بائع دعوٰی فساد کرتا تو اس کا قول تسلیم نہ ہوتا غیر کا کیونکر ہوگا۔

(۱۰) اتنی بات اور بھی لائقِ التفات ہے کہ مدعیہ کو اس کی گنجائش ہی نہیں کہ وہ ہبہ ثمن بسبیل اشتراط یا بلا اشتراط مابین الایجاب والقبول خواہ بعد القبول واقع ہونا مانے کیونکہ اس تقدیر پر مورث کا بیع و ہبہ کرنا ثابت ہوتا ہے اگرچہ وُہ کسی طور پر ہو اور یہ قول اس کی عرضِ دعوٰی و اظہار حلفی کے بالکل مناقض ہے اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ مناقض دعوٰی قابلِ تسلیم نہیں تو مدعا علیہم کا قول بلامعارض و لائقِ قبول ہے، واللہ تعالٰی اعلم وحکمہ جل مجدہ احکم۔

مسئلہ ۱۰۸: از ریاست رامپور مرسلہ جناب سیدنا در حسین صاحب ۵ شعبان ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنا ایک مکان سلمٰی کے ہاتھ جس سے پسرِ ہندہ کی شادی قرار پائی تھی بیع صحیح شرعی کیا اور زرِ ثمن کہ سلمٰی پر اس بیع سے واجب ہوا تھا سلمٰی کو بخوشی

---

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیوع فصل فی احکام البیع الفاسد مطبع نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۵۰
[2] خلاصۃ الفتاوٰی 〃 الفصل الرابع مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۴۸ و ۴۹

معاف کردیا اس عقد کی دستاویز بدیں خلاصہ تحریر ہوکر رجسٹری ہوگئی منکہ سعادت النساء بیگم زوجہ سید سعادت علی صاحب ساکن رام پور ہوں جو کہ ایک منزل مکان (چینیں وچپاں) واقع رامپور محدودہ ذیل مقبوضہ مملوکہ میرا ہے وُہ اب میں نے بحالتِ صحت نفس وثبات عقل بلااکراہ واجبار بطوع ورغبت اپنی سے جمیع حقوق و مرافق بعوض مبلغ آٹھ سوروپیہ چہرہ دار بدست مسماۃ سلمٰی بیگم بنت سید نادر حسین صاحب ساکنہ بریلی جس کا نکاح حسبِ خواہش میری سید سکندر شاہ پسر بطنی میرے سے قرار پایا ہے بیچا اور بیع کیا میں نے"

اور مکان مبیعہ پر مشتریہ مذکورہ کو مثل اپنی ذات کے مالک وقابض کردیا میں نے، اور زرثمن تمام کمال مشتریہ سے وصول پایا میں نے، یعنی ثمن اس کا بوجہ محبت فطری سید سکندر شاہ مذکور کے سلمٰی بیگم مشتریہ کو معاف کیا اور بخشا میں نے، اب مجھ کو اور قائم مقامان میرے کو دعوٰی زرثمن کا نہیں ہے اور نہ ہوگا تقابض البدلین واقع ہوا، اب مجھ بائعہ کو مکان مبیعہ سے کچھ سروکار نہ رہا، اگر کوئی سہیم یا شریک پیدا ہو تو جوابدہ میں بائعہ ہوں فقط، اس صورت میں یہ بیع شرعًا صحیح ہے یا نہیں؟ اور ہبندہ خواہ اس کے قائم مقاموں کو اس بیع پر کوئی رَد واعتراض ہے یا نہیں؟ اور یہ معافی ثمن بھی صحیح ہوئی یا نہیں؟ اور ہبندہ یا اس کے ورثہ کو اس معافی سے رجوع کا اختیار ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں وہ بیع مکان و معافیِ ثمن دونوں صحیح وتام وکامل ہیں ہبندہ خواہ اس کے کسی وارث یا قائم مقام کو نہ اس بیع ومعافی پر اعتراض پہنچتا ہے نہ ہرگز رجوع کا اختیار مل سکتا ہے، فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

اذا حط کل الثمن اووھبہ او ابرأہ عنہ فان کان ذٰلک قبل قبض الثمن صح الکل۔[1]

اگر پورا ثمن گھٹا دیا یا ہبہ کردیا یا اس سے بری کردیا اگر یہ ثمن پر قبضہ سے پہلے ہوا تو سب جائز ہے (ت)

نقایہ وشرح نقایہ میں ہے:

صح التصرف فی الثمن والحط عنہ ای صح للمشتری الفاء کل

ثمن میں تصرف اور اس کو گھٹانا صحیح ہے یعنی مشتری کے لئے درست ہے کہ وہ بائع سے پورا

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب السادس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۱۷۳

المبیع او بعضہ عن البائع وللبائع القاء کل الثمن او بعضہ عن المشتری[1]

یا بعض مبیع ساقط کردے اور بائع کیلئے درست ہے کہ وہ مشتری سے پورا یا بعض ثمن ساقط کردے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے،

لوحط جمیع الثمن صح فی حق المشتری وکان ابراء لہ عن الثمن[2] اھ بتلخیص۔

اگر بائع نے پُورا ثمن گھٹا دیا تو مشتری کے حق میں یہ صحیح ہوگا اور یہ بائع کی طرف سے مشتری کو ثمن سے بری کرنا قرار پائیگا اھ تلخیص (ت)

اشباہ والنظائر وغمز العیون میں ہے،

واللفظ لہ بخلاف الابراء فانہ لارجوع فیہ سواء وجد فیہ مانع من موانع الرجوع فی الھبۃ او لا۔[3] واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

لفظ غمز کے ہیں بخلاف ابراء کے کیونکہ اس میں رجوع کا حق نہیں کوئی رجوع سے مانع ہو، جیسے ہبہ یا مانع نہ ہو۔ واللہ سبحانہٗ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۹ ازسرنیاں ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۲ رجب ۱۳۳۱ھ

بکر کمھار سے جس وقت لوٹے مول لیتا ہے کہتا ہے مسجد کے لئے لئے جاتے ہیں زیادہ دینا، کمھار دو چار لوٹے پر زیادہ کا نام کردیتا ہے، اور اگر مسجد کا نام نہ لیا جائے جب بھی اسی قدر ملتے اور اگر بھاؤ سے زیادہ بھی دے تو زیادہ لوٹے کیسا ہے؟

الجواب

اگر وُہ اپنی خوشی سے زیادہ دے کوئی حرج نہیں، مگر کمھار اگر کافر ہے تو مسجد کے لئے اس سے مانگنا نہ چاہئے کہ گویا مسجد اور مسلمانوں پر احسان سمجھے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] شرح النقایۃ

[2] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی التصرف فی المبیع والثمن داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۶۷

[3] غمز عیون البصائر الفن الثالث ما افترق فیہ الھبۃ والابراء ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۴۸

مسئلہ ۱۱۰ آمدہ از دکان حمید اللہ و عبدالرحمٰن جفت فروش دہلی بازار فتحپوری ۹ رجب المرجب ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین کہ ہم لوگ تاجر کاریگروں سے جو مال خریدتے ہیں ایک پیسہ روپیہ کٹوتی کاٹ کر مال کی قیمت دیتے ہیں اور اس بات کا اعلان کاریگروں کو بیع سے پہلے کردیا گیا ہے، اس صورت میں یہ بیع شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ صورتِ ثانی اگر بائع کٹوتی سے راضی ہو تو کیا حکم اور اگر ناراض ہو تو کیا حکم؟ صورتِ ثالث یہ ہے کہ پیسہ روپیہ کاٹ کر جو مال خرید کیا جاتا ہے بیوپاری کو پورا ایک روپیہ کا بتاکر نفع فی روپیہ لیا جاتا ہے یعنی بیوپاری کو کٹوتی مجرا نہیں دی جاتی، یہ امر جائز ہے یا ناجائز؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

ناراضی کی حالت میں حرام ہے،

قال اللہ تعالٰی الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم[1] اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: مگر یہ کہ ہو وہ تمہارے درمیان تجارت باہمی رضامندی سے۔ (ت)

اور رضا سے ہو یا ناراضی سے، مال جتنے کو اسے پڑا اس سے زیادہ کو بتانا جائز نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۱ از ریاست رامپور مدرسہ مطلع العلوم مرسلہ محمد امام الدین صاحب ۱۵ صفر ۱۳۳۶ھ

مبیع میں زیادت ثمن بحسب آجال درست ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو بحسب اثمان و آجال مختلف ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کیا ہے؟

الجواب

درست ہے مع الکراہۃ اور اختلاف تراضی عاقدین پر۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۲ از شہر محلہ عقب کوتوالی مرسلہ شیخ مقبول احمد صاحب پسر شیخ علی جان صاحب

کلکتہ سے ہیں نے ایک بیوپاری کو عہ مال روانہ کیا اور وہ اس کے پاس پہنچا لیکن روپیہ بھول سے ہمارے یہاں کھاتے میں درج کرنے سے رہ گیا قریب دو سال کے اس بیوپاری نے ہم سے اب کہا کہ قریب عہ کے ایک رقم فاضل تمہاری ہمارے کھاتے سے برآمد ہوئی ہے اور تمہارے یہاں یہ رقم جمع نہیں، اب خدا معلوم کہ تمہاری غلطی ہے یا ہماری، اس سے بہتر کہ روپیہ ہم سے لے لو مگر اس کو اپنے مصرف میں نہ لانا خدا کی راہ میں صرف کرنا چنانچہ بیوپاری سے ہم نے

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

وعدہ کرلیا کہ یہ رقم ہم خیرات کردیں گے بیوپاری نے ہم سے قسم اس امر کی لی ہے کہ اگر اس رقم کی خیرات نہ کروگے تو تمھارے اوپر بوجھ رہے گا۔

الجواب

اگر اس رقم کا واجبی ہونا معلوم نہیں جب تو اس کا اپنے تصرف میں لانا ہرگز جائز نہیں سب خیرات کردیا جائے اور اگر معلوم ہے کہ ہماری یہ رقم اس پر آتی تھی لکھنے سے رہ گئی تھی تو اگرچہ وہ اس کا مال ہے اور اپنے صرف میں لانا حرام نہ ہوگا مگر جب اللہ کے لئے وعدہ کرچکا ہے تو اس سے پھرنا سخت شامت کا موجب ہے۔

قال اللہ تعالٰی فاعقبھم نفاقا فی قلوبھم الی یوم یلقونہ بما اخلفوا اللہ ما وعدوہ وبما کانوا یکذبون[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا، تو اللہ تعالٰی نے ان کی سزا میں ان کے دلوں میں نفاق رکھ دیا اس دن تک جب وہ اس کو ملیں گے اس سبب سے کہ انھوں نے خلاف ورزی کی اس وعدہ کی جو انھوں نے اللہ تعالٰی سے کیا تھا اور اس سبب سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر کے ہاتھ ایک اراضی بقیمت مبلغ چارسو روپے کی فروخت کی اور ایک سو پچاس روپیہ کی بابت بیعانہ زید نے بکر سے لے کر رسید تحریر کردی اور وعدہ کیا کہ بقیہ روپیہ وقت رجسٹری دستاویز لے کر بیعنامہ اندر مدت ایک سال کے تصدیق کرادوں گا، سوال یہ ہے کہ آیا شرعاً بیع منعقد اور مختتم ہوگی اور بقیہ زرثمن بکر کے ذمہ دین یا بیع فاسد ہوئی بوجہ مجہول غیر معلوم ہونے مدت ادائے زرثمن کے اور قرارداد مہلت ادائے ثمن بہرحال مفسد بیع ہے یا فقط صلب عقد میں مہلت کا شرط ہونا مفسد ہوتا ہے اور تجویز عدالت میں دو روایتیں کتاب بحرالرائق وفتاوٰی خیریہ کی بابت فاسد ہونے بیع کے بجہالت مدت ادائے ثمن کے درج ہوئی ہیں وہ یہ ہیں، بحرالرائق میں ہے:

صح بثمن حال وباجل معلوم قید بعلم الاجل لان جھالتہ تفضی الی النزاع فالبائع

بیع ثمن حالی کے بدلے اور میعاد معلوم کے ساتھ صحیح ہے، ماتن نے اجل کے ساتھ معلوم ہونے کی قید لگائی اس لئے کہ اجل کی جہالت جھگڑے کا

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۷۷

يطالبه فی مدة قريبة و المشتری يأباها فيفسد[1]

سبب بنتی ہے چنانچہ بائع قریبی مدت میں ثمن کا مطالبہ کرے گا اور مشتری اس سے انکار کریگا تو اس طرح فساد آئے گا۔ (ت)

فتاوٰی خیریہ میں ہے :

سئل فی رجل باع آخر جملا باثنين و ثلاثين غرشا مؤجلة عليه الی ثلث خيارات كل خيار ثلث الثمن فطلع الخيار ودفع له ثلثه ويطالبه بثلثيه قبل طلوع الخيارين مدعيا ان الاجل المذكور غير صحيح وانه يستوجب كل الثمن عاجلا فالحكم فی ذلك (اجاب) البيع المذكور فاسد[2]

ایک ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے دوسرے کے ہاتھ بتیس ۳۲ غرش (دو آنے کے برابر ایک سکّہ) کے عوض اونٹ بیچا اور اس پر تین خیاروں تک اجل مقرر کی ہر خیار میں تہائی ثمن دے گا پس ایک خیار کے طلوع ہونے پر اس نے بائع کو ثمن کا ایک تہائی دے دیا اور بائع دوسرے دو خیاروں کے طلوع سے قبل ہی باقی دو تہائی ثمن کا مطالبہ کرتا ہے درانحالیکہ وہ اس بات کا دعوٰی کرتا ہے کہ اجل مذکور درست نہیں اور اس بیع میں تمام ثمن معجل طور پر لازم ہوتا ہے تو اس صورت میں کیا حکم ہے (تو جواب دیا کہ) بیع مذکور فاسد ہے۔ (ت)

اور تجویز عدالت جو بقدر ضرورت درج ذیل ہے اس کا کیا جواب ہے :

عبارت تجویز عدالت بقدرِ ضرورت

بقواعد شرعیہ جہالت اجل ثمن موجب فساد بیع ہے اس لئے کہ مدعی نے دعوٰی میں تحریر کیا ہے کہ مدعا علیہ نے بیعانہ لے کر یہ وعدہ کیا کہ بقیہ روپیہ وقت رجسٹری دستاویز لے کر بیعنامہ اندر مدت ایک سال کے تصدیق کردوں گا، پس وعدہ ادائے ثمن بقیہ کا جو درمیان سال کے حسبِ دعوٰی مدعی قرار داد ہوا وہ بقید تاریخ معین مخصوص و مقید نہیں ہے اس کا اطلاق عموماً علی السویہ آغاز وعدہ سے تا اختتام جزو آخر روز سال مابین فریقین متضمن نزاع ہوسکتا ہے تو یہ بیع فاسد ہے فقط۔

---

[1] البحر الرائق کتاب البیع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۷۹/۵

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب البیوع باب البیع الفاسد دار المعرفۃ بیروت ۲۳۸/۱

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں بیع تام وصحیح ہے اور بقیہ ثمن ذمہ مشتری واجب۔ یہ قرار داد مہلت ادائے ثمن کسی طرح مفسدِ بیع نہیں، نہ بعد تمامی عقد، وان قلنا بالتحاقہ باصل العقد (اگرچہ ہم اس کے اصل عقد کے ساتھ لاحق ہونے کا قول کریں۔ ت) نہ نفس صلب عقد میں کہ یہ اجل معین ہے اور بیع اجل معین کے ساتھ صحیح ہے اس کے لئے خود وہی عبارت بحرالرائق منقولہ تجویز کافی ہے کہ صح بثمن حال وبا جل معلوم[1] (بیع درست ہے ثمن حالی کے ساتھ اور معلوم میعاد کے ساتھ۔ ت) اسے اجل مجہول سمجھنا اصلاً وجہ صحت نہیں رکھتا عرفاً لغۃً ہر طرح سال کے اندر اور ایک سال تک کا حاصل ایک ہے جس سے اجل کی تحدید ایک سال سے ہوتی ہے اور سال شئے معین ہے نہ کہ مجہول، اسی بحرالرائق میں اسی بحث میں ہے:

وفی السراج الوھاج الأجال علی ضربین معلومۃ ومجہولۃ فالمعلومۃ السنون والشھور والایام[2] الخ۔

السراج الوہاج میں مذکور ہے کہ میعادیں دو طرح کی ہیں معلوم اور مجہول۔ معلوم میعادیں سال، مہینے اور دن ہیں الخ (ت)

آغازِ وعدہ سے اختتام سال تک مشتری کو اختیار ادا ہونا مضر نہیں بلکہ عین مقصود تاجیل ہے کہ اجل اسی کے رفاہ کے لئے ہے کما فی الھدایۃ وغیرھا (جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں ہے۔ ت) اور اگر یہ مقصود کہ اس کا اطلاق ان تمام اجزاء کو شامل تو بائع ہر جز میں طلب کرسکتا ہے اور یہ مفضی الی النزاع ہے تو یہ محض باطل ہے جب وہ مشتری کو سال کے اندر ادا کی اجازت کرچکا تو جب تک سال کے اندر ہے اسے اختیارِ مطالبہ نہیں کہ وہ اسی اجازت تاخیر کے اندر داخل ہے وقد لزم التاجیل من جھتہ فلا یقدر ان یطالبہ (تحقیق اس کی طرف سے میعاد لازم ہوچکی ہے اب وہ ثمن کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔ ت) ہاں جب سال سے باہر جائے اس وقت اسے اختیارِ مطالبہ ہوگا اور اب مشتری کو کوئی عذر نہیں ہوسکتا پھر نزاع کہاں، اور خود عبارت بحرالرائق منقولہ تجویز سے ظاہر کہ اجل وہی مفسد ہے جو مفضی نزاع ہو۔ عبارتِ خیریہ کو یہاں سے کوئی تعلق نہیں کہ اس میں تین خیار تک بیع ہے اور خیار کوئی شئے معین نہیں بخلاف سال۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۴: از اردہ نگلہ ڈاک خانہ اچھنیرہ ضلع آگرہ مرسلہ صادق علی خاں ۲۸ شوال ۱۳۳۶ھ

ایک شخص غلہ اپنا نرخ بازار سے کم اس شرط پر دیتا ہے کہ قیمت کچھ عرصہ بعد لوں گا مثلاً بھاؤ

---

[1] البحرالرائق کتاب البیع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۷۹

[2] البحرالرائق کتاب البیع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۸۰

بازاری ۲۰ ثار ہے اور لوگوں کو ۱۶ ثار کے حساب سے دیتا ہے اس قرض دینے میں سُود تو نہیں ہوتا؟ جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب

یہ سُود نہیں، نہ اس میں کوئی حرج جبکہ برضائے مشتری ہو، اور اجل یعنی میعاد ادا معین کردی جائے،

قال اللہ تعالٰی الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم[1]

اللہ تعالٰی نے فرمایا: مگر یہ کہ ہو وُہ تمہارے درمیان تجارت تمہاری باہمی رضامندی سے۔ (ت)

غرض یہ بیع بلاکراہت ہے، ہاں خلاف اولویت ہے۔ فتح القدیر میں ہے:

لاکراھۃ الاخلاف الاولی فان الاجل قابلہ قسط من الثمن[2] واللہ تعالٰی اعلم۔

اس میں کراہت نہیں تاہم یہ خلاف اولٰی ہے کیونکہ اجل کے مقابل ثمن کا ایک حصّہ ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

[2] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

بابُ القرض

(قرض کا بیان)

مسئلہ ۱۱۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین کہ ایک شخص نے مبلغ سَو روپیہ اس شرط پر قرض لیا کہ پچیس روپے سالانہ منافع مقررہ بلانقصان کے دیتا رہوں گا اور جب جمع طلب کروگے تو تمہارا پورا روپیہ واپس کردُوں گا، جس شخص نے اس شرط کو قبول کرکے روپیہ دے دیا اس پر سُود خوری کا حکم ہے یا نہیں؟ اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہوگی یا ناجائز؟ بیّنوا توجروا (بیان کرو اجر دئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب

قطعی سُود اور یقینی حرام وگناہ کبیرہ وخبیث ومردار ہے۔ حدیث میں ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم
کل قرض جر منفعۃ فھو ربٰو[1]

رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا جو قرض نفع کو کھینچے وہ سُود ہے (ت)

ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنی سخت مکروہ ہے جس کے پھیرنے کا حکم ہے اور اسے امام کرنا گناہ، کما نص علیہ الامام الحلبی فی الغنیۃ[2] (جیسا کہ اس پر امام حلبی نے غنیہ میں نص فرمائی ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

[2] غنیۃ المستملی فصل فی الامامۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۳ - ۱۴

مسئلہ ۱۱۶ ۵ شوال ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے ملازم سے کہا پچاس روپے مجھے کسی سے قرض لادے، ملازم ایک مہاجن سے پچاس روپے یہ کہہ کر قرض لایا کہ میرے آقا کو ضرورت روپے کی ہے مہاجن نے غائبانہ بلا تصدیق پچاس روپے دے دیئے اور ملازم نے اپنا رقعہ اسے لکھ دیا بعدہٗ روپیہ آقا کو ادا کردیا اور بیان کیا کہ میں فلاں مہاجن سے یہ روپیہ آپ کے نام سے قرض لایا ہوں اور رقعہ اپنا دستخطی لکھ کر دے آیا ہوں، بعد چندے زید نے وہ ۵۰ اس ملازم کو دے دیئے، بعد بہت عرصہ کے تحقیق ہوا کہ روپیہ مہاجن کو نہیں پہنچا بلکہ ملازم نے خود اپنے تصرف میں کرلیا اور ملازم سے پوچھا تو وہ بھی اقرار کرتا ہے کہ روپیہ میں نے مہاجن کو نہیں دیا اور کہتا ہے یہ روپیہ تو میں اپنے رقعہ سے لایا تھا آقا سے مجھے ملنا چاہئے تھا، اس صورت میں وہ ۵۰ مکرر ذمہ زید کے واجب الادا ہیں یا نہیں؟ اور یہ ۵۰ کہ نوکر نے تصرف کرلئے اسے دینا آئیں گے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں اگر نوکر نے یوں قرض مانگا تھا کہ میرے آقا کو پچاس روپے قرض دے دے یا میرا آقا تجھ سے پچاس روپے قرض مانگتا ہے جب تو یہ قرض آقا کے ذمہ ہے اور اگر یوں مانگا تھا کہ میرے آقا کو پچاس روپے کی ضرورت ہے مجھے قرض دے یا میرے آقا کے لئے مجھے پچاس روپے قرض دے تو مہاجن کا قرض نوکر کے ذمہ ہوا۔ ردالمحتار میں ہے:

فی جامع الفصولین بعث رجلا یستقرضہ فاقرضہ فضاع فی یدہ فلو قال اقرض للمرسل ضمن مرسلہ، ولو قال اقرضنی للمرسل ضمن رسولہ، والحاصل ان التوکیل بالاقراض جائز لا بالاستقراض والرسالۃ بالاستقراض تجوز، ولو اخرج وکیل الاستقراض کلامہ مخرج الرسالۃ یقع القرض للآمر،

جامع الفصولین میں ہے کسی نے ایک شخص کو قرض لینے کے لئے بھیجا اس نے قرض لیا اور اس کے ہاتھ سے ضائع ہوگیا اگر اس نے قرض لیتے وقت یوں کہا کہ بھیجنے والے کے لئے قرض دے تو بھیجنے والا ضامن ہوگا، اور اگر کہا کہ بھیجنے والے کے لئے مجھے قرض دے تو اب قاصد ضامن ہوگا۔ حاصل یہ کہ قرض دینے کے لئے وکیل بنانا جائز نہ کہ قرض لینے کے لئے، اور قرض لینے کیلئے قاصد بھیجنا جائز ہے، اور اگر قرض لینے کے وکیل نے بطور قاصد کلام کیا تو قرض آمر کے لئے ہوگا اور

ولو مخرج الوکالۃ بان اضافہ الی نفسہ یقع للوکیل ولہ منعہ عن اٰمرہ اھ، قلت والفرق انہ اضاف العقد الی الموکل بان قال ان فلانا یطلب منك ان تقرضہ کذا صار رسولا والرسول سفیر ومعبر بخلاف ما اذا اضافہ الی نفسہ بان قال اقرضنی کذا او قال اقرضنی لفلان کذا فانہ یقع لنفسہ ویکون قولہ لفلان بمعنی لاجلہ، وقالوا انما لم یصح التوکیل بالاستقراض لانہ توکیل بالتکدی وھو لایصح، قلت ووجہہ ان القرض صلۃ وتبرع ابتداء فیقع للمستقرض اذ لاتصح النیابۃ فی ذلك فھو نوع من التکدی بمعنی الشحاذۃ ھذا ما ظھر لی اھ[1]۔

اگر اس نے بطور وکیل کلام کیا بایں طور اس کو اپنی ذات کی طرف منسوب کیا تو اس صورت میں قرض خود وکیل کے لئے واقع ہوگا اور اس کو اختیار رہوگا کہ وہ قرض آمر کو نہ دے اھ میں کہتا ہوں ان دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ جب اس نے عقد کو مؤکل کی طرف منسوب کیا مثلاً یُوں کہا کہ فلاں تجھ سے مطالبہ کرتا ہے کہ تُو اس کو اتنا قرض دے تو اس صورت میں وہ قاصد ہوگیا اور قاصد محض سفیر اور معبر ہوتا ہے بخلاف اس صورت کے کہ جب اس نے اپنی طرف نسبت کی اور کہا مجھے اتنا قرض دے یا کہا کہ مجھے فلاں کے لئے اتنا قرض دے تو یہ قرض خود اس کے لئے واقع ہوگا اور اس کے قول "فلاں کے لئے" کا مطلب ہوگا کہ فلاں کی وجہ سے۔ اور علماء نے کہا کہ قرض لینے میں وکیل بنانا اس لئے صحیح نہیں کہ یہ گداگری میں وکیل بنانا ہے جو کہ صحیح نہیں۔ میں کہتا ہُوں اس کی وجہ یہ ہے کہ قرض ابتداءً صلہ اور احسان ہے چنانچہ قرض مانگنے والے کے لئے واقع ہوگا کیونکہ اس میں نیابت درست نہیں تو اس طرح وہ تکدی بمعنی گداگری کی ایک قسم ہوگا، یہ وہ ہے جو میرے لئے ظاہر ہوا اھ (ت)

پھر اس صورت میں جبکہ نوکر نے وُہ روپے جو حقیقۃً اسی کی ملک ہو چکے تھے لاکر آقا کو دے دیئے اور اس نے اپنے صرف میں کئے اور ظاہر ہے کہ یہ دینا بروجہ ہبہ نہ تھا بلکہ بربنائے قرض و وجوب تقاضا و ادائے مثل تھا تو نوکر کا دین آقا کے ذمّہ رہا،

لان الاستقراض لما نفذ علی الخادم لاضافتہ الی نفسہ وقد اعطی علی وجہ التقاضی

کیونکہ قرض لینا اپنی ذات کی طرف منسوب کرنے کی وجہ سے خادم پر نافذ ہوگیا اور اس باہمی رضامندی سے وجوب تقاضا کے طور پر اپنے آقا کو

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی القرض داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۱۷۵

دون الهبة بالتراضی صار کفضولی شری مضیفا الی نفسه حتی نفذ علیه ثم اعطاہ من اشتری له واخذ منه الثمن حیث لایکون هذا اجازۃ للعقد السابق لان الاجازۃ انما تلحق الموقوف دون النافذ بل یکون عقدا جدیدا بینهما بالتعاطی کما فی الهدایة والدر المختار وغیرهما من الاسفار وذلك لکون الدفع بجهة البیع دون الهبة۔

دے دیا نہ کہ ہبہ کے طور پر، تو اس طرح وہ نوکر اس فضولی کی طرح ہوگیا جس نے اپنی ذات کی طرف نسبت کرتے ہوئے کوئی چیز خریدی یہاں تک کہ خریداری اس پر نافذ ہوگئی پھر وہ چیز نوکر نے اس شخص کو دے دی جس کے لئے اس نے خریدی اور اس سے ثمن وصول کرلئے، یہاں یہ عقد سابق کی اجازت نہ ہوگی اس لئے کہ اجازت تو عقد موقوف کو لاحق ہوتی ہے نہ کہ نافذ کو، بلکہ یہ باہمی لین دین سے ان دونوں کے درمیان ایک نیا عقد ہوگا جیسا کہ ہدایہ اور درمختار وغیرہ کتاب میں ہے، اور یہ بطور بیع دینے کی وجہ سے ہے نہ کہ بطور ہبہ۔ (ت)

اور ظاہر کہ جب روپے مہاجن کو نہ پہنچے تو اس کا قرض کسی طرح ادا نہ ہوا

لانه مال هلك قبل الوصول الی الطالب او الی وکیله فلا معنی للقضاء وبراءۃ الذمة۔

اس لئے کہ وُہ مال طالب یا اس کے وکیل تک پہنچنے سے قبل ہی ہلاک ہوگیا تو اب قرض کی ادائیگی اور اس سے بری الذمہ ہونے کا کوئی معنٰی نہیں (ت)

اب اگر واقع صورتِ اولٰی تھی تو مہاجن کا قرض زید پر رہا اور یہ روپے کہ زید نے نوکر کو ادائے دین کے لئے دیے اور اس نے اپنے صرف میں کرلئے اس کا تصرف بیجا اور حرام ہے اور نوکر پر اس کا تاوان لازم،

لکونه امینا خان واتلف وتعدی علیه فیما تصرف فصار ضمینا بعد ان کان امینا۔

کیونکہ وہ امین تھا اس نے خیانت کی اور امانت میں بیجا تصرف کرکے زیادتی کی تو اب وہ ضامن ہے جبکہ اس سے قبل وہ امین تھا۔ (ت)

اور اس کا یہ عذر کہ روپیہ تو میں اپنے رقعہ سے لایا تھا آقا سے مجھے ملنا چاہئے تھا محض نامقبول کہ جب آقا پر دین مہاجن کا تھا تو مہاجن کو پہنچنا چاہئے تھا یہ بیچ میں لے لینے والا کون تھا، اور اگر واقع صورت ثانیہ تھی تو مہاجن کا قرض نوکر کے ذمہ رہا زید سے کچھ تعلق نہیں اور یہ روپے کہ نوکر نے بربنائے مذکور اپنے

ل‍ه بحرالرائق کتاب البیع فصل فی بیع الفضولی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۴۹

سمجھ کر اٹھالئے بچا کئے کہ فی الواقع زید پر نوکر ہی کا دین تھا اور زید سے اسی کو ملنا چاہیے تھا فکان دائنا ظفر بجنس حقہ (وہ ایسا قرضخواہ ہوا جو اپنے حق کی جنس کو وصول کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ ت)
اب زید نوکر کے مطالبہ سے بری ہوگیا لانہ استوفی ماکان لہ (کیونکہ اس نے اپنا حق پورا وصول کرلیا۔ ت)
پس خلاصۂ حکم یہ ہے کہ اگر نوکر یہ کہہ کر لایا تھا کہ میرے آقا کو قرض دے تو مہاجن کے پچاس روپے زید پر قائم اور زید کے پچاس روپے نوکر پر لازم، اور اگر یہ کہہ کر لایا کہ مجھے آقا کے لئے قرض دے، تو مہاجن کے پچاس روپے نوکر پر واجب اور نوکر کے پچاس روپے جو آقا پر تھے ادا ہوگئے۔ غرض نوکر پر ہر طرح پچاس روپے کا مطالبہ ہے، پہلی صورت میں آقا دوسری میں مہاجن کا، اور زید پر پہلی صورت میں مہاجن کا مطالبہ ہے دوسری میں کسی کا نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۷ از سرنیاں ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۲ رجب ۱۳۳۱ھ

بھاؤ بکتا زید سے اناج خرید کیا مگر ادھار فصل پر بھاؤ بکتا جتنا روپیہ ادھار تھا اس کا زید نے مول لیا۔

الجواب

اگر زید نے بیچتے وقت شرط کرلی تھی کہ اس کی قیمت میں روپیہ نہ لوں گا بلکہ روپیہ کے عوض فصل کے بھاؤ سے ناج لوں گا، تو یہ ناجائز ہے اور اگر شرط نہ کی تھی اور فصل پر اس سے اپنا آتا ہوا روپیہ مانگا اس نے کہا روپیہ تو میرے پاس نہیں اس کا ناج لے لو، تو یہ جائز ہے جبکہ وہی ناج نہ ہو جو زید سے خریدا تھا یا وہی ہو تو اتنے ہی بھاؤ کو دیا جائے جتنے کو خریدا تھا ورنہ ناجائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۸ از دھوراجی ضلع کاٹھیاواڑ محلہ سپاہی گراں مرسلہ جناب حاجی عیسٰی خان محمد صاحب رضوی یکم ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ

ایک شخص کو ایک ہزار روپے کا نوٹ دس ماہ کے وعدہ سے گیارہ سو روپے کو دیا، قرضدار نے اپنے وعدہ پر قرض خواہ کو گیارہ سو روپے کے دوسرے نوٹ دے (وہی نہیں دیتے) تو جائز یا کیا؟ جواب سے سرفراز فرمائیں۔

الجواب

اگر ہزار روپے کا نوٹ قرض دیا اور بیسہ اوپر ہزار لینا ٹھہرا تو حرام ہے سُود ہے، ہاں اگر ہزار روپے کا نوٹ گیارہ سو روپے کو بیچا اور ادائے ثمن کا وعدہ مثلاً دس ماہ کا قرار پایا جب وعدہ کا دن آیا بائع نے زرثمن کا مشتری سے مطالبہ کیا اس نے کہا میرے پاس روپیہ نہیں گیارہ سو روپے کے نوٹ

زرِ ثمن کے بدلے لے لو، اس نے قبول کیا اور نوٹ اس کے عوض میں دے دے تو یہ جائز ہے وھی مسئلۃ شراء القرض من المستقرض (یہ مقروض سے قرض خریدنے کا مسئلہ ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۹ از پکسرا قواں ڈاک خانہ رسولپور ضلع رائے بریلی مسئولہ عبدالوہاب ۲۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید سے بکر نے ماہ کاتک میں بغرض تخم ریزی ایک من گیہوں لیا اور فصل کٹنے پر ماہِ چیت میں ایک من کا ایک من گیہوں واپس دیا یعنی کچھ کمی بیشی نہیں ہوئی جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جائز ہے،

عملا بقول الامام ابی یوسف من اعتبار العرف فی الکیل والوزن مطلقا وقد تعمل به الناس وشاع بینھم استقراض الحنطۃ وزنا ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

امام ابو یوسف کے قول پر عمل کرتے ہوئے کہ کیلی اور وزنی اشیاء میں مطلقاً عرف کا اعتبار ہے اور لوگوں کا اس پر عمل ہے اور گندم کو وزن کے اعتبار سے قرض لینا لوگوں میں رائج ہے، گناہ سے بچنے اور نیکی کی طاقت نہیں مگر بلند وعظمت والے معبود کی طرف سے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۰ و ۱۲۱ مسئولہ الف خاں مہتمم مدرسہ انجمن اسلامیہ قصبہ سانگوا ریاست کوٹہ راجپوتانہ بروز یکشنبہ ۳ شعبان ۱۳۳۴ھ

(۱) نوٹ قیمتی پچیس روپے کو ہمراہ یک صد یا پانصد روپے کے قریباً پچاس روپے کی قیمت پر بدست کسی ہندو یا مسلمان کے کسی مدت کے وعدہ پر بیع کرنا شرعاً درست ہے کہ نہیں؟ اسی طرح زیور طلائی یا کوئی پارچہ کسی شَے تجارت کو ہمراہ روپے ادھار میں زیادہ قیمت پر بیع کرنا اور تنہا نوٹ کو بھی اصلی قیمت سے زیادہ ادھار میں بیع کرنا درست ہے کہ نہیں؟

(۲) غلہ تجارتی کو ادھار میں موجودہ نرخ سے زیادہ قیمت پر بیع کرنا درست ہے کہ نہیں؟

الجواب

(۱) قرض لینے والا بضرورت قرض قرض کے ساتھ کم مالیت کی شَے زیادہ قیمت کو اس طرح خریدے کہ وہ بیع اس قرض پر مشروط ہو تو بالاتفاق حرام ہے،

لان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نہی عن بیع وشرط[1] | کیونکہ نبی صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بیع اور شرط سے منع فرمایا ہے۔ (ت)

خواہ یہ شرط نصاً ہو یا دلالۃً لان المعروف کالمشروط[2] (کیونکہ معروف، مشروط کی طرح ہوتا ہے۔ ت) اور اگر عقدِ قرض پہلے ہوا اور یہ بیع اس میں نصاً یا دلالۃً مشروط نہ ہو تو اس میں اختلاف ہے، بعض علماء اجازت دیتے ہیں کہ یہ بیع بشرط القرض نہیں بلکہ قرض بشرط البیع ہے اور قرض شروط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا، اور راجح یہ ہے کہ یہ بھی ممنوع ہے کہ اگرچہ شرط مفسد قرض نہیں مگر یہ وہ قرض ہے جس کے ذریعہ سے ایک منفعت قرض دینے والے نے حاصل کی اور یہ ناجائز ہے۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں، کل قرض جر منفعۃ فہو ربٰو[3] (جو قرض نفع کھینچے وہ سود ہے۔ ت) لہٰذا ان سب صورتوں کو ترک کیا جائے اور قرض کا نام ہی نہ لیا جائے اور خالص بیع ایک وعدہ معینہ پر ہو اب نوٹ کی بیع روپے کے عوض جائز ہوگی اگرچہ دس کا نوٹ سو کو بیچے، اور دونوں صورتوں میں فرق وہی ہے جو قرآن عظیم نے فرمایا کہ:

واحل اللہ البیع وحرم الربٰو[4] | اللہ تعالٰی نے بیع کو حلال اور سُود کو حرام کیا۔ (ت)

مگر چاندی سونے کی بیع اب بھی جائز نہ ہوگی اور نوٹ کی جائز ہوگی۔

قال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم[5] | نبی کریم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ کہ جب بدلین مختلف نوعوں کے ہوں تو جیسے چاہو بیع کرو۔ (ت)

اور یہ زیادہ قیمت دینا اگرچہ بحالتِ قرض ہے بوجہ بیع جائز ہے اگرچہ اولٰی نہیں، درمختار میں ہے:

شراء شیئ بثمن غال لحاجۃ القرض | کسی چیز کو حاجت قرض کی وجہ سے مہنگے داموں

---

[1] نصب الرایۃ کتاب البیوع باب البیع الفاسد المکتبۃ الاسلامیۃ لصاحبہا الریاض ۴/۱۷
[2] فتح القدیر کتاب البیوع باب المرابحۃ والتولیۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/۱۳۴
[3] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۲ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/۲۳۸
[4] القرآن الکریم ۲/۲۷۵
[5] نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ کتاب البیوع المکتبۃ الاسلامیہ لصاحبہا الریاض ۴/۴

یجوز ویکرہ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ خریدنا جائز اور مکروہ ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

(۲) درست ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۲: از چھاؤنی بانس بریلی بنگلہ ۲۴ ملازم میجر اسٹور صاحب مسئولہ جناب شکور محمد صاحب خانساماں
۹ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

میں ایک شخص کا کھیت مبلغ پچیس روپے میں گروی رکھتا ہوں اپنے پاس، عرصہ دو سال کے بعد وہ شخص اپنا کھیت مبلغ پچیس روپے ہم کو دے کر واپس لے گا اور دو سال تک اس کھیت میں جوت کر اور اس میں محنت کرکے جو ہماری طبیعت چاہے وہ ہم بوئیں گے مثلاً چنا، گیہوں اور مکا وغیرہ، تو جو فصل اس میں ہوگی وہ ہماری ہے، اور سرکاری لگان بھی ہم دیں گے جو اس کی باقی ہے، اور بعد دو برس کے وہ پورے پورے مبلغ پچیس روپے واپس دے کر اپنا کھیت واپس لے لے گا، اب از راہ مہربانی اور عنایت پروری کے ساتھ یہ تحریر کریں کہ یہ بیاج تو نہیں ہُوا؟ اگر بیاج ہوگیا تو نہ رکھوں اور اگر بیاج نہ ہوا ہو تو رکھ لوں۔ خوب اچھی طرح سمجھا کر تحریر کردو کیونکہ ایک صاحب اس میں رائے دیتے ہیں کہ یہ بیاج ہوگیا، اب آپ کی رائے پر ہے یہ معاملہ، اگر بیاج ہوگیا تو ہم بھی اپنا کھیت دوسرے کے پاس نہ گروی رکھیں۔

الجواب

یہ نہ شرعاً رہن ہے نہ کسی طرح سُود۔ رہن کے لئے ضرور یہ ہے کہ وہ شیئ رہن رکھنے والے کی ملک ہو یا مالک نے اسے رہن کی اجازت دی ہو غیر کی ملک بے اس کی اجازت کے رہن نہیں ہوسکتی، یہاں دونوں صورتیں نہیں، ظاہر ہے کہ کھیت کاشتکار کی مِلک نہیں زمیندار کی ملک ہے اور زمیندار نے اس کے رہن کی اجازت نہ دی کہ اس کی طرف سے وہ اجارہ میں ہے وہ اس کی اُجرت یعنی لگان لے گا والرھن والاجارۃ عقدان متنافیان لایجتمعان (رہن اور اجارہ دو ایسے عقد ہیں جو ایک دوسرے کے منافی ہیں آپس میں جمع نہیں ہوسکتے۔ ت) تو اتنے زمانے کے لئے یہ زمیندار سے ذکر کردے کہ مثلاً دو برس تک یہ زمین میری کاشت میں رہے گی اور میں لگان دوں گا وہ اجازت دے دے گا اب یہ کاشت اور اس کا محاصل سب بلاشبہہ حلال ہوگا پہلے کاشت کار کو جتنا روپیہ قرض دیا ہے اسی قدر اس سے واپس لے زائد نہ لے تو یہ صورت کسی طرح سود نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی القرض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۰

مسئلہ ۱۲۳ تا ۱۲۴ از جائس ضلع رائے بریلی محلہ زیر مسجد مکان حاجی ابراہیم مرسلہ ولی اللہ صاحب
۲ ربیع الاول شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں،

سوال اوّل: خراب اناج کھلانا اور فصل پر اچھا اناج لینا جائز ہے یا نہیں؟

سوال دوم: چاول یا گیہوں پر روپیہ دینا نرخ کاٹ کر کہ فصل پر اس نرخ سے لیں گے فصل نہ ہوئی تو اس روپیہ کو اسی بھاؤ سے جوڑ کر زیادہ کرکے یعنی جب اس بھاؤ کو جوڑا تو اب روپیہ زیادہ ہو دوسری فصل پر چھوڑ دینا یا گائے بیل لگالینا جائز ہے یا نہیں؟ فقط

الجواب

(۱) اگر اس نے ناج ناقص کر دیا اور یہ شرط نہ تھی کہ عمدہ لوں گا قرضدار نے اپنی خوشی سے عمدہ ناج دے دیا اسی قدر جتنا قرض لیا تھا تو اس میں مضائقہ نہیں اور اگر اسی شرط پر قرض دے کہ خراب دیتا ہوں اس کے برابر یا کم یا زائد عمدہ لوں گا، تو یہ ناجائز ہے،

لکونه خلاف حکم الشرع من ان الدیون تقضی بامثالها ولم یجز التقیض ایضا لان الشرط المساواة قدرا والجید والردی فیه سواء۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

کیونکہ یہ شرع کے اس حکم کے خلاف ہے کہ قرضوں کی ادائیگی ان کی مثل کے ساتھ ہوتی ہے اور کمی بھی جائز نہیں کیونکہ اس میں مقدار کے اعتبار سے مساوات شرط ہے، عمدہ اور گھٹیا اس میں برابر ہیں، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۲) ناج پر روپیہ نرخ کاٹ کر دینا اگر انھیں لفظوں سے ہو کہ فصل پر اس نرخ سے لیں گے، تو نرا وعدہ ہے جس کا وفا کرنا ناج والے پر لازم نہیں اور اگر یوں ہے کہ اتنا ناج اس بھاؤ سے اتنے روپیہ کا خریدا تو یہ بیع سلم ہے اس کی سب شرطیں پائی گئیں تو جائز ہے ورنہ حرام۔ پھر بہرحال جب وہ ناج نہ دے سکے تو اس قرار داد بھاؤ کے حساب سے روپیہ یا اس کے بدلے گائے وغیرہ کوئی شے لینا قطعی حرام ہے،

لحدیث لا تأخذ الا سلمك او رأس مالك[1] واللہ تعالٰی اعلم وعلمه اتم واحکم۔

اس حدیث کی وجہ سے بیع سلم کی مبیع یا راس المال کے علاوہ مت لے، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۹
تبیین الحقائق " " المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۴/ ۱۱۸

مسئلہ ۱۲۵ از مارہرہ شریف ضلع ایٹہ مرسلہ شیخ شان الٰہی ۵ جمادی الاولٰی ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر زید عمرو کو دس روپے کا نوٹ قرض دے اور اس وقت یا کچھ دنوں کے بعد عمرو بارہ۱۲ روپے نقد ادا کرے تو اس پر سُود کا اطلاق ہوسکتا ہے نہیں، اور زید و عمرو گنہگار ہُوئے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اگر قرض دینے میں یہ شرط ہُوئی تھی تو بیشک سُود و حرام قطعی و گناہِ کبیرہ ہے، ایسا قرض دینے والا ملعون اور لینے والا بھی اسی کے مثل ملعون ہے اگر بے ضرورتِ شرعیہ قرض لیا ہو۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں،

کل قرض جر منفعة فھو ربٰو[1]۔ رواہ الحارث بن ابی اسامة عن امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم۔

قرض پر جو نفع حاصل کیا جائے وہ سُود ہے۔ (اسے حارث بن ابواسامہ نے امیر المومنین حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کیا۔ ت)

متعدد احادیث صحیحہ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں،

لعن اللہ اٰکل الربٰو وموکلہ وکاتبہ وشاھدہ[2]۔ رواہ احمد وابوداؤد والترمذی وابن ماجة بسند صحیح عن ابی مسعود واحمد والنسائی وابدل شاھدہ بمانع الصدقة بسند صحیح عن امیر المومنین علی رضی اللہ تعالٰی عنہما وھو عند مسلم عنہ بلفظ لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

اللہ کی لعنت سُود کھانے والے پر اور سُود کھلانے والے پر اور سُود کا کاغذ لکھنے والے اور اس کے گواہ پر۔ (اس کو امام احمد، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے صحیح سند کے ساتھ سیدنا ابومسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا، اور امام احمد اور نسائی نے صحیح سند کے ساتھ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا مگر اس میں لفظ شاھد کے بدلے مانع صدقہ کے لفظ ہیں اور

---

[1] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

[2] مسند امام احمد بن حنبل دار الفکر بیروت ۱/ ۳۹۳
سنن ابوداؤد کتاب البیوع باب فی اٰکل الربا آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۱۷
جامع الترمذی 〃 باب ماجاء فی اٰکل الربٰو امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۱۴۵

أکل الربا و موکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء[1]۔ یہ امام مسلم کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ان لفظوں کے ساتھ مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے سُود کھانے والے، کھلانے والے، لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی، اور فرمایا کہ وہ سب برابر ہیں۔ (ت)

اور اگر شرط نہ ٹھہری تھی بلکہ دس روپے کا نوٹ قرض لیا کہ اس کے عوض دس ہی روپے کا نوٹ ادا کیا جائے گا، پھر عمرو کے دل میں خیال آیا کہ نوٹ کے بدلے دس اور دو روپے اپنی طرف سے احساناً بڑھا کر بارہ روپے دے دے تو یہ جائز و احسان ہے یا زید نے مثلاً اس سے اپنے قرض کا نوٹ مانگا اس کے پاس نہ تھا بارہ روپے اس کے عوض دینے پر فیصلہ ہُوا تو اس کی دو صورتیں ہیں، اگر نوٹ عمرو خرچ کر چکا تو بالاتفاق بلاشبہہ جائز ہے جبکہ روپے اسی جلسے میں دے دئے جائیں ورنہ ناجائز ہو جائے گا اور اگر وہی نوٹ اس کے پاس بدستور موجود ہے اور اسی نوٹ موجود کے عوض روپے دیئے تو ہمارے امام اعظم و امام محمد رضی اللہ تعالٰے عنہما کے نزدیک مطلقاً ناجائز ہے عقد باطل ہے زید پر لازم ہے کہ روپے عمرو کو پھیر دے، ہاں نوٹ موجود کے بدلے روپے نہ دے بلکہ قرض لینے کے باعث جو اس کے ذمہ پر نوٹ لازم ہوا ہے اس کے عوض دے تو دونوں امام ممدوح کے طور پر جائز ہے مگر یہ شکل اخیر عوام کے تصور و خیال میں نہیں ہوتی کہ باوصف بقائے نوٹ وہ عین و دین میں فرق کریں اور بجائے مافی الید مافی الذمہ کا عوض دینا لینا مراد رکھیں، درمختار میں ہے:

یملك المستقرض القرض بنفس القبض عندھما ای الامام ومحمد خلافا للثانی، فیجوز شراء المستقرض القرض ولو قائما من المقرض بدراھم مقبوضۃ فلو تفرقا قبل قبضھا بطل لانہ افتراق عن دین بدین بزازیۃ[2] اھ ملخصا۔

مقروض محض قبضہ کرنے سے ان دونوں یعنی امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک قرض کا مالک ہو جاتا ہے بخلاف امام ابو یوسف کے، لہذا (طرفین کے نزدیک) مقروض کا دراہم مقبوضہ کے بدلے میں قرض دہندہ سے قرض کو خریدنا جائز ہے اگرچہ قرض موجود ہو اگر وہ دونوں شخص دراہم مذکورہ پر قبضہ سے قبل جُدا ہو گئے تو یہ خریداری باطل ہوگی کیونکہ یہ دین سے جُدا ہونا ہے، بزازیہ، اھ تلخیص۔ (ت)

---

[1] صحیح مسلم کتاب المساقاۃ باب الربا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷

[2] درمختار کتاب البیوع فصل فی القرض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۰-۳۹

ردالمحتار میں ہے:

بیان ذلک انه تارة یشتری ما فی ذمته للمقرض وتارة ما فی یده ای عین مااستقرضه فان کان الاول ففی الذخیرة اشتری من المقرض الکر الذی له علیه بمائة دینار جاز لانه دین علیه لا بعقد صرف ولا سلم، فان کان مستهلکا وقت الشراء فالجواز قول الکل لانه ملکه بالاستهلاک وعلیه مثله فی ذمته بلا خلاف وان کان قائما فکذلک عندهما وعلی قول ابی یوسف ینبغی ان لا یجوز لانه لا یملکه ما لم یستهلکه فلم یجب مثله فی ذمته، فاذا اضاف الشراء الی الکر الذی فی ذمته فقد اضافه الی معدوم فلا یجوز اھ وهذا ما فی الشرح، وان کان الثانی ففی الذخیرة ایضا استقرض من رجل کرا وقبضه ثم اشتری ذلک الکر بعینه من المقرض لا یجوز علی قولهما لانه ملکه بنفس القبض فیصیر مشتریا

اس کا بیان یہ ہے کہ مقروض کبھی تو اس چیز کو خریدتا ہے جو قرض دہندہ کے لئے اس کے ذمہ پر ہے اور کبھی بعینہ اسی قرض کو خریدتا ہے جو اس کے قبضہ میں موجود ہے، اگر پہلی صورت ہو تو اس کے بارے میں ذخیرہ میں ہے کہ مقروض نے قرض دہندہ سے سو دینار کے عوض کُر (غلہ) خریدا جو قرض دہندہ کے لئے مقروض کے ذمہ پر لازم ہے تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ اس پر دین ہے جو کہ عقد صرف اور عقد سلم کے سبب سے نہیں ہے پھر اگر مقروض نے بوقتِ شراء قرض ہلاک کردیا ہے تو اس صورت میں سبھی نے جوازِ شراء کا قول کیا ہے کیونکہ وہ ہلاک کرنے کے سبب سے قرض کا مالک ہوگیا اور بلا خلاف اس کی مثل اس کے ذمے لازم ہے اور اگر بوقتِ شراء قرض مقروض کے پاس موجود ہے تو بھی طرفین کے نزدیک یہی حکم (جواز) ہے جبکہ امام ابویوسف کے قول پر مناسب ہے کہ جائز نہ ہو کیونکہ ان کے نزدیک جب تک وہ قرض کو ہلاک نہ کرے مالک نہیں ہوگا لہذا اس کی مثل مقروض کے ذمہ پر لازم نہ ہوگی اھ یہ وہ ہے جو شرح میں ہے، اور اگر دوسری صورت ہے تو اس کے بارے میں بھی ذخیرہ میں ہے کہ کسی شخص سے ایک کُر قرض لیا پھر اس پر قبضہ کرکے بعینہ وہی کُر اس مقروض نے قرض دہندہ سے خرید لیا تو طرفین کے قول پر جائز نہیں کیونکہ وہ مقروض محض قبضہ کرنے سے قرض کا مالک ہوچکا ہے

ملك نفسه اما على قول ابی یوسف فالکُر باق على المقرض فیصیر المستقرض مشتریا ملك غیرہ فیصح[1]

تو اب وہ اپنی ہی ملک کا خریدار ہوگیا لیکن امام ابویوسف کے قول پر چونکہ وہ کُر قرض دہندہ کی ملک پر باقی ہے، چنانچہ مقروض ملک غیر کا خریدار رہوا لہٰذا یہ خریداری صحیح ہے۔ (ت)

اسی میں ہے :

فی البزازیۃ من اٰخر الصرف اذا کان له علی اٰخر طعام او فلوس فاشتراہ من علیه بدراھم وتفرقا قبل قبض الدراھم بطل وھٰذا ممایحفظ[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

بزازیہ باب الصرف کے آخر میں ہے کہ اگر کسی کا دوسرے کے ذمے اناج یا پیسے لازم ہیں پھر مقروض نے اس سے کچھ دراہم کے بدلے وہ اناج یا پیسے خرید لئے اور دراہم پر قبضہ سے پہلے ہی یہ دونوں شخص متفرق ہوگئے تو خریداری باطل ہے، یہ بات قابل حفظ ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۶ از الہ آباد دائرہ شاہ اجمل صاحب مرسلہ مولوی محمد صاحب محدی برادر مولانا مفتی اسد اللہ خاں صاحب مرحوم ۲۲ ربیع الآخر ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عوض قرضۂ یا فتنی مورث کے منجملہ وارثان کے صرف ایک وارث نے جائداد غیر منقولہ از اں مدیون خرید کرکے مدیون کو کل قرضۂ یافتنی مورث سے بری کردیا، مطابق شرع مذہب اہل سنت وجماعت دیگر وارثان کو وارث مذکور سے جو خریدار جائداد مدیون ہے بقدر حصہ رسدی زر قرضۂ یافتنی مورث کے نقد دلایا جائے گا یا جائداد خریدہ وارث مذکور متروکۂ مورث متصور ہوکر دیگر وارثان کو بھی بقدر سہام مفروضہ حصہ جائداد دلایا جائیگا۔ بیّنوا مشرحا ومدللا مع سند الکتاب، توجروا عند اللہ الملك العزیز الوھاب (تفصیل سے مدلل اور حوالہ کتب کے ساتھ بیان فرمائیں اللہ تعالٰی بادشاہ غالب بہت عطا فرمانے والے کے ہاں اجر دئے جاؤ گے۔ ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی القرض داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۷۳

[2] ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ۴/ ۱۷۴

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں ظاہر ہے کہ بائع مدیون کا مقصود یہی ہوگا کہ جائداد سب ورثہ کے حصص دین میں دے اُن میں ہر ایک بقدر اپنے حصّہ کے جائداد بعوض دین پائے کہ مدیون اسے دے کر دین سے بری ہو اور مشتری بھی جبکہ دین مشترک میں لیتا ہے تو دیانۃً اس سے یہی امید کہ تنہا اپنے ہی لئے نہ خریدی ہو مگر واقع بارہا اس کے خلاف ہوتا ہے اور عبارتِ سوال سے کچھ نہیں کھلتا کہ بیع کس کے نام واقع ہوئی تنہا ایک شخص کا مشتری ہونا اسے مستلزم نہیں کہ مشتری لہ بھی تنہا وہی ہو، یوں ہی ثمن کسی مال مشترک بشرکت ملک بلکہ خاص ملکِ غیر ہی کو قرار دینا اس کی دلیل نہیں کہ شرا مشترک یا غیر کے لئے ہو،

فی الخیریة لایلزم من الشراء من مال الاب ان یکون المبیع للاب[1]

فتاوٰی خیریہ میں ہے کہ باپ کے مال سے کسی شیئ کو خریدنے سے لازم نہیں آتا کہ مبیع باپ کے لئے ہو۔ (ت)

لہذا ہمیں ہر احتمال پر کلام لازم اگر اس عقد میں کلام عاقدین مختلف واقع ہوا یعنی بائع نے اپنی برأت تامہ کے لئے سب ورثہ کی طرف اضافت کی اور مشتری نے اپنی منفعت کے واسطے صرف اپنی خصوصیت رکھی مثلاً اس نے کہا میں نے یہ جائداد تم سب کے ہاتھ تمھارے دین میں بیع کی اس نے کہا میں نے اپنے لئے خریدی جب تو بیع ہی نہ ہوئی کہ ایجاب وقبول متخالف رہے،

فی البحرالرائق عن فروق الکرابیسی لوقال اشتریت لفلان بکذا والبائع یقول بعت منك بطل العقد فی اصح الروایتین والفرق انه خاطب المشتری والمشتری یسترد لغیرہ فلایکون جوابا فکان شطر العقد[2]

بحرالرائق میں فروق الکرابیسی سے منقول ہے کہ اگر کسی نے کہا کہ میں نے اتنے کے عوض یہ شیئ فلاں کے لئے خریدی، اور بائع نے کہا کہ میں نے تیرے ہاتھ فروخت کی، تو دو روایتوں میں سے زیادہ صحیح روایت کے مطابق عقد باطل ہوگا، فرق یہ ہے کہ بائع نے مشتری کو مخاطب بنایا جبکہ مشتری اس کو غیر کی طرف لوٹانا چاہتا ہے تو یہ مشتری کا جواب نہ ہوا تو اس طرح یہ آدھا عقد ہوا (یعنی دو میں سے صرف ایک رکن پایا گیا)۔ (ت)

---

[1] الفتاوی الخیریۃ کتاب البیوع فصل فی القرض دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۱۹

[2] بحرالرائق 〃 فصل فی بیع الفضولی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۴۹

اس صورت میں جائداد مدیون کو واپس اور ورثہ کا دین اس پر قائم، صرف مشتری کہ بری کر چکا اگر اس کا ابرا اس عقد سے جُدا واقع ہوا یعنی دین بطور خود معاف کر دینا چاہا ہو، اور اگر اس کی طرف سے بھی کوئی ابرائے جداگانہ واقع نہ ہُوا اسی شرائے جائداد بعوض دین کی بنا پر دعوٰی سے اسے بری کیاہے تو اس کا بھی دین بدستور باقی رہا وقد اوضحناہ وفصلناہ فی المداینات من فتاوٰنا (اس کی وضاحت وتفصیل ہم اپنے فتاوٰی میں مداینات کی بحث میں بیان کرچکے ہیں۔ت) اور اگر مشتری نے اپنے ہی لئے خریدی اور بائع نے بھی اسی کے ہاتھ بیچی سب ورثہ کی طرف اضافت نہ کی تو بیع اسی مشتری کے لئے تمام ہوگئی دیگر ورثہ کا جائداد میں کچھ حق نہیں، ہاں زرثمن میں اس دین کا محسوب ہونا ان کی اجازات جائزہ شرعیہ پر موقوف رہے گا، جو اجازت دے گا اس کے حصہ دین سے بائع بری اور اس قدر روپیہ اجازت دہندہ کے لئے لازم بذمہ مشتری اور خود مشتری کے حصہ دین سے تو بائع بری ہو ہی چکا یہ اجازت دیگر ورثہ کہ یہاں درکار ہوئی اجازت نقد ہے نہ اجازت عقد، عقد تو بنام مشتری تام و نافذ ہولیا یہاں تک کہ اگر کوئی شخص اپنے لئے کچھ خریدے اور اس کا ثمن کسی غیر کا غلام یا مکان قرار دے تو وہاں بھی صرف اس بنا پر کہ یہ من وجہ شراء ہے اور شراء مشتری پر نافذ عقد بنام مشتری تمام ہو جاتا ہے حالانکہ وہ من وجہ بیع ہے اور بیع مال غیر غیر نافذ و موقوف، تو یہاں من کل وجہ شراء ہے اس کا مشتری پر نفاذ اوضح واجلی ہے۔

فی البحرالرائق ان کان الثمن عرضا کان مملوکا للفضولی واجازۃ المالك اجازۃ نقد لا اجازۃ عقد لانہ لما کان العوض متعینا کان شراء من وجہ والشراء لایتوقف بل ینفذ علی المباشران وجد نفاذا، فیکون ملکالہ، وباجازۃ المالك لاینتقل الیہ بل تاثیر اجازتہ فی النقد لا فی العقد ثم یجب علی الفضولی مثل المبیع ان کان مثلیا والا فقیمتہ[1] الخ۔

البحر الرائق میں ہے ثمن اگر سامان ہو تو فضولی کا مملوک ہوگا اور مالک کی اجازت اجازتِ نقد ہے نہ کہ اجازتِ عقد، کیونکہ عوض جب متعین ہے تو یہ من وجہ شراء ہے اور شراء موقوف نہیں ہوتی بلکہ مباشر پر نافذ ہو جاتی ہے اگر وہ نفاذ کی راہ پائے تو یہ مشتری کی ملک ہوا اور مالک کی اجازت سے یہ مالک کی طرف منتقل نہیں ہوگا بلکہ اس کی اجازت نقد میں اثر کرے گی نہ کہ عقد میں، پھر فضولی پر مبیع کی مثل واجب ہوگی اگر وہ مثلی ہے ورنہ اس کی قیمت واجب ہوگی الخ (ت)

---

[1] البحرالرائق کتاب البیوع فصل فی بیع الفضولی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۴۸

اور ورثہ سے جو اجازت نہ دے گا اسے اختیار رہے کہ اپنے تمام حصۂ دین کا مطالبہ مدیون پر رکھے خواہ جس قدر حصۂ دین مشتری نے بذریعہ شراء وصول پایا اسے جمیع سہام پر تقسیم کرکے بقدر اپنے سہم کے روپے کا مطالبہ مشتری اور باقی کا مدیون سے رکھے مثلاً نوے روپے دین تھے اور زید، عمرو، بکر تین بیٹے وارث۔ زید نے مدیون سے جائداد بعوض دین مورث اپنے نام خریدلی تو اس نے اپنے تیس روپے پالئے عمرو نے یہ تصرف جائز رکھا وہ اپنے پورے تیس روپے زید سے لے لے بکر نے اجازت نہ دی وہ چاہے تو کامل تیس روپے مدیون سے لے خواہ از انجا کہ دین مشترک سبب واحد یعنی ارث سے ناشی تھا اور زید نے اپنا حصہ اس سے پالیا بقدر ثلث یعنی دس روپے زید سے لے باقی بیس کا مطالبہ مدیون پر رکھے جائداد پر دعوٰی نہیں کرسکتا مگر یہ کہ زید اپنی خوشی سے اسے حصہ رسد جائداد دے اور وہ قبول کرلے،

فی الدرالمختار الدین المشترك بسبب متحد کدین موروث اذا قبض احدھما شیأ منہ شارکہ الاٰخر فیہ ان شاء او اتبع الغریم فلو اشتری بنصفہ شیأ ضمنہ شریکہ الربع لقبضہ النصف بالمقاصۃ او اتبع غریمہ لبقاء حقہ فی ذمتہ[1] اھ مختصرا وفی الھندیۃ ولو اشتری بنصیبہ ثوبا فللشریك ان یضمنہ نصف ثمن الثوب ولا سبیل لہ علی الثوب فان اجتمعا جمیعا علی الشرکۃ فی الثوب فذلك جائز کذا فی السراج الوھاج[2]۔

درمختار میں مذکور ہے دو شخصوں میں سبب واحد کے مشترک دین ہو جیسے دین موروث ہو اور ان دونوں میں سے ایک نے اگر کچھ دین مشترک وصول کرلیا تو دوسرا اگر چاہے تو اس میں شریک ہوجائے یا پھر مدیون کا پیچھا کرے، اور دونوں میں سے ایک شریک نے نصف دین کے بدلے مدیون سے کوئی چیز خریدی تو یہ خریدنے والا شریک دوسرے کو دین کے چوتھائی کا تاوان دے کیونکہ اس نے نصف دین پر قبضہ کیا ہے دین کے ثمن میں مجرا ہونے کے سبب سے یا پھر دوسرا شریک مدیون کا پیچھا کرے کیونکہ اس کا حق مدیون کے ذمے پر باقی ہے اھ مختصرا۔ ہندیہ میں ہے کہ اگر ایک شریک نے اپنے حصے کے بدلے میں مدیون سے کپڑا خریدا تو دوسرے شریک کو حق حاصل ہے کہ وہ اس کو آدھے کپڑے کے ثمن کا ضامن ٹھہرائے اور کپڑے پر اس کا کوئی حق نہ ہوگا اور اگر وہ دونوں کپڑے کی شرکت پر متفق ہوجائیں تو یہ جائز ہے السراج الوہاج میں یونہی ہے۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الصلح فصل فی دعوی الدین مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۴۳

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشرکۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۳۳۷

اور اگر یہ عقد شرا سب وارثوں کے لئے واقع ہوا مثلاً مدیون نے کہا میں نے تم سب ورثہ کو یہ جائداد دین میں دی مشتری نے کہا میں نے سب کی طرف سے خریدی یا سب کے لئے لی' یا اسی قدر کہا کہ میں نے قبول کی کہ مذہب صحیح پر ایک ہی کلام میں اضافت الی الغیر توقف عقد کے لئے بس ہے جبکہ کلام غیر میں اس کا خلاف نہ ہو،

فی البزازیۃ والبحر وغیرھما الصحیح انہ اذا اضیف العقد فی احد الکلامین الی فلان یتوقف علی اجازتہ[1] اھ واما عدم التخالف فقد مناہ عن البحر عن الفروق ان الاصح عند التخالف البطلان قلت وھو مراد وجیز الکردری بقولہ لوقال اشتریت لفلان وقال البائع بعت منک الاصح عدم التوقف[2] اھ وقد عرض ھھنا وھم للعلامۃ الشامی فی رد المحتار نبھنا علیہ فیما علقنا علیہ وباللہ التوفیق۔

بزازیہ اور بحر وغیرہ میں مذکور ہے صحیح یہ ہے کہ جب دو کلاموں میں سے صرف ایک میں عقد کی اضافت فلاں کی طرف کی گئی ہو تو عقد اس کی اجازت پر موقوف ہوگا، رہا مخالفت کا نہ ہونا تو ہم بحر سے بحوالہ فروق پہلے بیان کر چکے ہیں کہ بائع و مشتری کے کلاموں میں مخالفت کی صورت میں زیادہ صحیح یہ ہے کہ وہ عقد باطل ہوگا، میں کہتا ہوں کہ وجیز الکردری کے اس قول سے یہی مراد ہے کہ اگر مشتری نے کہا میں نے فلاں کے لئے خریدا اور بائع نے کہا میں نے تیرے ہاتھ بیچا تو زیادہ صحیح یہ ہے کہ عقد موقوف نہیں ہوگا اھ یہاں پر علامہ شامی کو ردالمحتار میں ایک وہم عارض ہوا ہم نے ردالمحتار پر اپنی تحریر کردہ تعلیقات میں اس پر تنبیہ کردی، اور توفیق اللہ تعالٰی ہی کی طرف سے ہے۔ (ت)

تو اس صورت میں اگر مشتری باقی سب ورثہ کی طرف سے وصایۃً یا ولایۃً یا وکالۃً اس شرار کا اختیار رکھتا تھا جب تو ظاہر کہ عقد تمام وکمال فوراً نافذ اور سب ورثہ حصہ رسد جائداد میں شریک اور مدیون سب کے دین سے بری لانہ تصرف من لہ التصرف فتم ونفذ من دون توقف (کیونکہ یہ اس کا تصرف ہے جس کو تصرف کا اختیار ہے تو بلا توقف تام و نافذ ہوگیا۔ ت) ورنہ اگر ورثہ میں کوئی قاصر ایسا ہے جس پر کسی کو اس شرار کا اختیار شرعی نہیں جس طرح آج کل بہت یتیم ہوتے ہیں جن کے نہ باپ، نہ دادا، نہ اُن کا وصی، نہ وصی الوصی، نہ ان بلاد میں قاضی شرع، نہ سلطان اسلام، اور ان کے سوا

---

[1] البحر الرائق کتاب البیع فصل فی بیع الفضولی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۴۹/۶

[2] الفتاوی البزازیۃ علی ہامش الفتاوی الھندیۃ کتاب البیوع الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۴۰۳

ماں بھائی چچا وغیرہم یتیم کے لئے جائداد خریدنے کے مجاز نہیں تو اس کی طرف سے اس خریداری کی اجازت دینے والا کوئی نہیں اور فضولی سے جو عقد ایسا صادر ہو کہ وقتِ عقد جس کا مجیز نہیں وہ باطل ہوتا ہے،

فی الدر کل تصرف صدر منه وله مجیز ای من یقدر علی اجازته حال وقوعه انعقد موقوفا وما لا مجیز له حالة العقد لا ینعقد اصلا[1]

در میں مذکور ہے ہر وہ تصرف جو فضولی سے صادر ہوا اور عقد کے وقت اس کا کوئی مجیز یعنی کوئی ایسا شخص موجود ہے جو اس کی اجازت دے سکتا ہے تو اس عقد کا انعقاد اس کی اجازت پر موقوف ہوگا اور جس تصرف کا بوقتِ عقد کوئی مجیز موجود نہ ہو وہ بالکل منعقد نہیں ہوگا۔ (ت)

تو مشتری کا اس نابالغ کی طرف سے قبول، نہ قبول نافذ ہے نہ قبول موقوف بلکہ محض باطل ہے اور باطل معدوم، تو ایجاب سب کے لئے تھا اور قبول بعض کی طرف سے نہ پایا گیا یا یوں کہئے کہ ایجاب کل بیع کا تھا اور قبول بعض کا ہوا بہرحال ایجاب وقبول مختلف ہوکر عقد راسًا باطل ہوگیا کل جائداد مدیون کو واپس اور دین بدستور مذکور صورت اولٰی قائم،

فی ردالمحتار عن البحر الرائق الموجب اذا اتحد وتعدد المخاطب لم یجز التفریق بقبول احدهما بائعا کان الموجب او مشتریا وعلی عکسه لم یجز القبول فی حصة احدهما[2] اھ وفیهما شرط العقد موافقة الایجاب للقبول فلو قبل غیر ما اوجبه او بعضه او بغیر ما اوجبه او ببعضه لم ینعقد الا فی الشفعة[3] الخ۔

ردالمحتار میں البحر الرائق کے حوالے سے مذکور ہے کہ ایجاب کرنے والا اگر ایک ہو اور مخاطب متعدد ہوں تو تفریق جائز نہیں کہ ان دونوں میں سے ایک قبول کرے چاہے ایجاب کرنے والا بائع ہو یا مشتری ہو، اور اگر اس کے برعکس ہو تو ان دونوں میں سے ایک کے حصہ میں قبول جائز نہیں اھ انہی دونوں کتابوں میں مذکور ہے کہ قبول کا ایجاب کے موافق ہونا شرط ہے بایں طور کہ مشتری اسی چیز کو قبول کرے جس کا بائع نے ایجاب کیا مشتری اس کے غیر یا اس کے بعض کو قبول کرے یا جو ثمن بائع نے

---

[1] الدرالمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱

[2] ردالمحتار دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۹

البحر الرائق کتاب البیع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۶۸ - ۲۶۷

[3] ردالمحتار کتاب البیوع دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵

بحر الرائق کتاب البیع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۵۸

ایجاب میں ذکر کیا مشتری اس کے غیر یا اس کے بعض کے بدلے قبول کرے تو سوائے شفعہ کے منعقد نہیں ہوا الخ (ت)

اور اگر یہ دونوں صورتیں نہیں یعنی نہ سب ورثہ پر مشتری کا یہ تصرف نافذ نہ ان میں کوئی ایسا جس پر کسی کا ایسا تصرف نافذ، تو شرائے مشتری اور نیز اس کے حق میں جس کی طرف سے اس کا قبول نافذ ہے نافذ ولازم باقی ورثہ کے لئے خود ان کی خواہ ان کے وصی یا وصی مجاز کی اجازت پر موقوف جو اجازت دے گا وہ بھی بقدر حصہ اس جائداد کا مالک ہوگا اور جو رد کرے گا اس کے حق میں رد ہو جائیگا کما ھو شان عقد الفضولی (جیسا کہ عقد فضولی کی شان ہے۔ ت) اب بحالتِ رد بعض صورت یہ ہوگی کہ جائداد جو بائع نے بصفقہ واحدہ بیع کی تھی اس کی بعض مبیع رہی اور بعض مبیع سے نکل گئی اس میں اس پر تفریق صفقہ قبل تمام ہوگی جس پر وہ مجبور نہیں ہوسکتا،

اما التفریق فظاھر وکذا کونہ قبل التمام فکیف تم صفقۃ موقوفۃ قبل الاجازۃ الاتری ان للمشتری لہ الرد بدون قضاء ولا رضاء ولذا کان خیار الشرط مانعا تمامھا کما نص علیہ فی الفتح[1] وغیرہ، قال فی الدر المختار الاصل ان رد البعض یوجب تفریق الصفقۃ وھو بعد التمام جائز لا قبلہ فخیار الشرط والرؤیۃ یمنعان تمامھا وخیار العیب یمنعہ قبل القبض لا بعدہ[2] الخ قلت ولذا لزم بیعہ ممن

لیکن تفریق تو ظاہر ہے یونہی اس کا قبل از تمام ہونا کیونکہ اجازت پر موقوف عقد اجازت سے قبل کیسے تمام ہوسکتا ہے کیا تو نہیں دیکھتا کہ جس کے لئے خریداری ہوا اس کو قضاء و رضاء کے بغیر ہی رد کا اختیار ہے، اسی لئے خیار شرط تمامیت صفقہ سے مانع ہے جیسا کہ فتح وغیرہ میں منصوص ہے۔ درمختار میں ہے اصل یہ ہے کہ بعض کو رد کرنا تفریق صفقہ کا موجب ہے اور وہ تمامیت صفقہ کے بعد جائز ہے نہ کہ اس سے پہلے، چنانچہ خیار شرط اور خیار رؤیت تمامیت صفقہ سے مانع ہیں جبکہ خیار عیب قبضہ سے پہلے مانع ہے قبضہ کے بعد مانع نہیں الخ میں کہتا ہوں

---

[1] فتح القدیر کتاب البیوع باب خیار الرؤیۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۵۴۳
ردالمحتار " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۷۰
[2] درمختار " " مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵

هو اصیل وفضولی الرد ممن شری لہ بل تحتمل الاجازۃ فلم یتحقق من البائع الرضی بتفریق الصفقۃ والرد معیبا بعیب الشرکۃ قال فی الھدایۃ اذا اشتری الرجلان غلاما علی انھما بالخیار فرضی احدھما فلیس للاٰخران یردہ لان المبیع خرج من ملکہ غیر معیب بعیب الشرکۃ فلو ردہ احدھما ردہ معیبا بہ وفیہ الزام ضرر زائد ولیس من ضرورۃ اثبات الخیار لھما الرضا برد احدھما لتصور اجتماعھما علی الرد[1] اھ مختصرا وفی الدر المختار لیس لاحدھما الانفراد اجازۃ اوردا اختلافا لھما مجمع[2]۔

لازم دین کو فروخت کرنا اس شخص سے جو اصیل ہے اور فضولی بھی، فضولی ہونے کی حیثیت سے جس کے لئے خریدا اس کو رَد کرنے بلکہ جائز کرنے کا اختیار ہے تو اندریں صورت بائع کی طرف سے سودے کے متفرق ہونے اور شرکت عیب کے ساتھ رَد کرنے پر رضا نہ پائی گئی، ہدایہ میں فرمایا کہ جب دو شخصوں نے ایک غلام خریدا اس شرط پر کہ دونوں کو خیارِ شرط حاصل ہوگا پھر ان میں سے ایک راضی ہوگیا تو دوسرے کو رَد کرنے کا اختیار نہیں کیونکہ غلامِ مبیع بائع کی ملک سے اس حال میں نکلا تھا کہ اس میں عیب شرکت نہیں تھا، اب اگر دونوں میں سے ایک اس کو واپس کرے تو اس حال میں واپس کریگا کہ اس میں شرکت کا عیب موجود ہے اور اس میں بائع پر ضرر زائد لازم کرنا ہوا، اور بائع کی طرف سے ان دونوں کو خیار دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وُہ ان میں سے ایک کے رَد کرنے پر راضی ہو کیونکہ ان کے رَد پر جمع ہونے کا احتمال موجود ہے اھ مختصر، درمختار میں ہے دونوں میں سے ایک کو انفرادی طور پر اجازت یا رَد کا اختیار نہیں بخلاف صاحبین کے، مجمع۔ (ت)

لہذا اسے اختیار ہوگا کہ کل جائداد واپس لے اور دین بدستور مذکور سابق اس پر لازم رہے خواہ اس ضررِ تفرق کو گوارا کرکے جس نے رَد کیا اس کا حصہ پھیرلے باقی میں بیع مقبول رکھے اس تقدیر پر جنھوں نے رَد کیا انھیں وہی اختیار مذکور دیا جائے گا کہ خواہ اپنے حصص دین کا مطالبہ

---

[1] الہدایۃ کتاب البیوع باب خیار الشرط مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/۴۰-۳۹

[2] الدر المختار " " مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۳

مدیون سے رکھیں خواہ ان پانے والے شریکوں یعنی مشتری وغیرہ نے (جن جن کے لئے عقد لفعل مشتری خواہ اُن کے یا اُن کے اولیا یا اوصیا کی اجازت سے نافذ ہوا) جو کچھ دین بمعاوضۂ جائداد وصول پا لیا اس قدر روپے سے اپنا حصہ رسد مطالبہ ان پانیوالوں سے کریں باقی کا اصل مدیون سے رکھیں کما سبق (جیسا کہ پیچھے گزرا۔ ت) مثلاً تصویر مسطور میں زید نے سب ورثہ کے لئے خریدی عمرو نے اجازت دی زید و عمرو بعوض دین دو ثلث جائداد کے مالک ہوئے بکر نے کہ اسے جائز نہ رکھا چاہے تو اپنے تیس پورے مدیون سے لے خواہ دس دس زید و عمرو سے لے جو اپنے ساٹھ وصول پا چکے ہیں باقی دس کا مطالبہ مدیون پر رکھے، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۲۷: از الہ آباد دائرہ اجمل شاہ صاحب مرسلہ مولوی محمد صاحب محمدی ۱۳ جمادی الآخر ۱۳۱۴ھ

متعلقہ مسئلہ سابقہ

بعالیخدمت جناب مولٰنا المجید دام فضلکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

جو فتوٰی آپ نے مرحمت فرمایا اس میں عبارات ذیل ہیں بسبب علالت طبیعت میں استخراج عبارت مذکورہ من الکتب کی طرف متوجہ نہ ہو سکا اور لڑکوں کی تلاش سے وہ عبارتیں کتاب میں نہ ملیں، مجبورانہ خدمت گرامی میں بکمال منت ملتمس ہوں کہ براہ عنایت کریمانہ تحریر فرمائیے کہ عبارات مذکورہ کس باب و فصل میں ہیں ممنون منت ہوں گا، والتسلیم!

فی الدر المختار الدین المشترك بسبب متحد کدین موروث اذا قبض احدھما[1] الخ (ملخصا) فی الھندیۃ ولو اشتری بنصیبہ ثوبا فللشریك ان یضمنہ[2] الخ۔

درمختار میں ہے کہ دین مشترک جو سبب واحد کے ساتھ ہو جیسے دین موروث، تو دونوں میں سے ایک شریک جب قبضہ کرلے الخ ہندیہ میں ہے کہ جب ایک شریک نے مدیون سے اپنے حصے کے بدلے میں کپڑا خریدا تو دوسرے شریک کو حق حاصل ہے کہ وہ اس سے ضمان لے الخ (ت)

الجواب

مولانا المکرم الاکرم اللہ تعالٰی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، عبارت درمختار کتاب الصلح

---

[1] الدر المختار کتاب الصلح فصل فی دعوی الدین مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۴

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشرکۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۳۳۷

19
19

فصل فی دعوی الدین اور عبارت ہندیہ کتاب الشرکۃ الباب السادس فی المتفرقات میں ہے والسلام۔

مسئلہ ۱۲۸ ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے فی روپیہ انیس سیر کے حساب سے روپے قرض لئے لیکن غلہ بہم نہ کرسکا تو دائن نے اُس سے بجائے غلہ کے زرنقد بحساب نرخ بازار لے لیا تو نرخ بازار قرضہ پر جو افزود ہے آیا جائز ہے یا ناجائز؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

ناجائز اور حرام قطعی اور نرا سُود ہے،

فی الحدیث قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کل قرض جر منفعۃ فھو ربٰو[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

حدیث میں ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو قرض نفع کھینچے سُود ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۲ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

بابُ الرّبٰو

(سُود کا بیان)

مسئلہ ۱۲۹ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ جس چیز کی جنس اور تول دونوں ایک نہ ہوں اس کو باختیار اپنے خلاف بازار نرخ کرنا اور وعدہ پر بیچنا درست ہے یا نہیں؟ مثلاً چاندی سونا عوض سونے کے یا چونے یا غلے کے عوض بیچے تو اس میں ادھار دینا اور تھوڑے مال کو بہت کے عوض میں بیچنا درست ہے یا نہیں؟ اور اگر وعدہ پر بیچے تو کس قدر مدت کا وعدہ شرعاً جائز ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب

اندازہ شرعی جو دربارہ ربٰو معتبر ہے دو قسم ہے: کیل یعنی ناپ اور وزن بمعنی تول، اور حلت و حرمت کا قاعدہ کلیہ یہاں چار صورت میں بیان ہوتا ہے:

صورت اولٰی: جو دو چیزیں اندازہ میں مشترک ہیں یعنی ایک ہی قسم کے اندازہ سے ان کی تقدیر کی جاتی ہے مثلاً دونوں وزنی ہیں یا دونوں کیلی، اور دونوں ہیں بھی ایک جنس کے، مثلاً گیہوں گیہوں یا لوہا لوہا، تو ایسی دو چیزوں کی آپس میں بیع اسی وقت صحیح ہے جب دونوں اپنے اسی اندازہ میں جو شرعاً یا عرفاً ان کا مقرر ہے بالکل برابر ہوں اور ان میں کوئی ادھار بھی نہ ہو، اور اگر ایسی دو چیزیں ایک طرف دونوں ادھار ہوں یا اپنے اس اندازہ مقرر میں برابر نہ کی گئیں اب خواہ سرے سے اندازہ ہی نہ کیا گیا یا اندازہ کیا مگر کمی بیشی رہی یا برابری تو کی مگر دوسری قسم کے اندازہ سے کی مثلاً جو تول کی چیز تھی اسے ناپ کے برابر کیا

یا جو ناپ کی تھی اسے تول کر یکساں کیا تو یہ بیع محض ناجائز اور ربٰو قرار پائے گی۔

صورت ثانیہ : جو دو چیزیں ہم جنس تو ہیں مگر اندازہ میں مشترک نہیں خواہ دونوں طرف اندازہ معہودہ سے خارج ہیں جیسے گلبدن گلبدن، تنزیب تنزیب، گھوڑا گھوڑا کہ کیل و وزن سے ان کی تقدیر نہیں ہوتی، کپڑے گزوں سے بکتے ہیں اور گھوڑے شمار سے، یا ایک طرف فقط اندازہ ہو اور دوسری سمت خارج جیسے تلوار لوہے کے ساتھ یا بکری کا گوشت زندہ بکری کے ساتھ کہ ہرچند ہم جنس ہیں مگر لوہے اور گوشت کی طرف اندازہ ہے کہ تُل کر بکتے ہیں اور تلوار اور بکری کی طرف اندازہ نہیں گنتی شمار کی چیزیں ہیں تو ان صورتوں میں تفاضل یعنی کمی بیشی تو جائز ہے مگر ایک یا دونوں کا دین ہونا جائز نہیں۔

صورت ثالثہ : جو دونوں چیزیں ایک قسم کے اندازہ میں تو شریک ہوں مثلاً دونوں کیلی ہیں یا دونوں وزنی مگر ہم جنس نہیں، جیسے گیہوں جَو کے ساتھ، یا لوہا تانبے کے ساتھ، تو یہاں بھی وہی حکم کہ تفاضل روا، اور نسیہ حرام سوا سونے چاندی کے کہ ہرچند وزن کی چیزیں ہیں مگر بیع سلم کے طور پر انھیں نقد دے کر اشیائے موزونہ لوہا تانبا چونا زعفران وغیرہا ادھار خریدنا بسبب حاجت کے بالاجماع جائز ہے اگرچہ ایک ہی قسم کے اندازہ میں شریک ہیں۔

صورت رابعہ : جو دو چیزیں ہم جنس ہوں نہ ایک قسم کے اندازہ میں شریک، اب خواہ دونوں اصلاً داخل اندازہ کیل و وزن نہ ہوں جیسے گھوڑا کپڑا، یا ایک داخل ہو ایک خارج جیسے گھوڑا گیہوں، یا دونوں داخل ہوں مگر ایک قسم کے اندازہ سے ان کی تقدیر نہ ہوتی ہو بلکہ ایک کیلی ہو دوسری وزنی جیسے چاول کھجوریں، تو ایسی صورتوں میں تفاضل و نسیہ دونوں حلال ہیں۔

فائدہ : سونے چاندی کا ادھار ہونا یونہی دفع ہو سکتا ہے کہ ان پر قبضہ کر لیا جائے مثلاً یہ سونا بعوض اس چاندی کے بیچا اور بائع نے چاندی اور مشتری نے سونے پر قبضہ نہ کیا اور جدا ہو گئے وہ بیع جائز نہیں اور ان کے سوا اور چیزوں میں فقط معلوم معین ہونا شرط ہے قبضہ ضرور نہیں مثلاً یہ گیہوں بعوض اس جَو کے بیچے اور دونوں بے قبضہ کئے جدا ہو گئے بیع صحیح ہے اور یہ جو اور گیہوں ادھار نہ کہلائیں گے۔

فائدہ : چار چیزوں کو رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیلی فرمایا ہے :

(۱) گیہوں (۲) جَو (۳) چھوہارے (۴) نمک

یہ چاروں ہمیشہ کیلی رہیں گی اگرچہ لوگ انھیں وزن سے بیچنے لگیں تو اب اگر گیہوں کے بدلے گیہوں برابر تول کر بیچے تو حرام ہوگا بلکہ ناپ میں برابر کرنا چاہیے۔ اور دو کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نے وزنی فرمایا ہے: (۱) سونا (۲) چاندی ــــ یہ ہمیشہ وزنی رہیں گے، ان چیزوں کے سوا بنائے کار عرف وعادت پر ہے، جو چیز عرف میں تل کر بکتی ہے وہ وزنی ہے اور جو گزوں یا گنتی سے بکتی ہے وہ اندازہ سے خارج ع

مسئلہ ۱۳۰: ۲۱ رجب المرجب ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک صاحب نے بیان فرمایا کہ سُود کھانا اپنی ماں کے ساتھ زنا کرنے سے بدتر ہے اور سُود کا ایک روپیہ لینا اتنی اتنی بار زنا کرنے سے سخت تر ہے، یہ امر صحیح ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

بیشک صحیح ہے، اس باب میں احادیث کثیرہ وارد ہیں:

حدیث (۱) کہ فرماتے ہیں صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من اکل درھما من ربو فھو مثل ثلث وثلثین زنیة، ومن نبت لحمه من السحت فالنار اولی به[1]۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط والصغیر وصدرہ ابن عساکر عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما۔

ایک درم سود کا کھانا تینتیس زنا کے برابر ہے اور جس کا گوشت حرام سے بڑھے تو نارِ جہنم اس کی زیادہ حق ہے (اس کو طبرانی نے معجم اوسط اور صغیر میں اور ابن عساکر نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ ت)

حدیث (۲ و ۳) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لدرھم یصیبه الرجل من الربا اعظم عند اللہ من ثلثة وثلثین زنیة یزنیھا فی الاسلام[2]۔ رواہ الطبرانی

بیشک ایک درم کہ آدمی سُود سے پائے اللہ عزوجل کے نزدیک سخت تر ہے تینتیس زنا سے کہ آدمی اسلام میں کرے۔ (اس کو طبرانی نے

ع جواب یہاں تک دستیاب ہوا۔

---

[1] المعجم الاوسط للطبرانی حدیث ۲۹۶۸ مکتبۃ المعارف ریاض ۳/۴۵۱

[2] الدرالمنثور بحوالہ الطبرانی تحت آیۃ ۲/۲۷۹ منشورات قم ایران ۱/۳۶۷

الترغیب والترھیب عن عبداللہ بن سلام حدیث ۱۲ مصطفی البابی مصر ۳/۶

مجمع الزوائد باب ماجاء فی الربا دارالکتاب بیروت ۴/۱۱۷

فی الکبیر عن عبداللہ بن مسعود ایضا عن عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

معجم کبیر میں عبداللہ بن مسعود سے نیز عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ ت)

حدیث (۴) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

درھم ربا یاکلہ الرجل وھو یعلم اشد عند اللہ من ستۃ وثلثین زنیۃ[1]۔ رواہ احمد بسند صحیح والطبرانی فی الکبیر عن عبداللہ بن حنظلۃ غسیل الملئکۃ۔

سود کا ایک درم کہ آدمی دانستہ کھائے اللہ تعالٰی کے نزدیک چھتیس زنا سے سخت تر ہے (اس کو امام احمد نے سند صحیح کے ساتھ اور طبرانی نے معجم کبیر میں عبداللہ بن حنظلہ غسیلِ ملائکہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

حدیث (۵) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان الدرھم یصیبہ الرجل من الربا اعظم عند اللہ فی الخطیئۃ من ست وثلثین زنیۃ یزنیھا الرجل[2]۔ رواہ ابن ابی الدنیا فی ذم الغیبۃ والبیہقی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

ایک درم کہ آدمی سود سے پائے اللہ تعالٰی کے نزدیک مرد کے چھتیس بار زنا کرنے سے گناہ میں زیادہ ہے۔ (اس کو ابن ابی الدنیا نے غیبت کی مذمت میں اور بیہقی نے انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

حدیث (۶) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لدرھم ربا اشد جرما عند اللہ من سبع وثلثین زنیۃ[3]۔ رواہ الحاکم فی الکنی عن ام المؤمنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا۔

بیشک سود کا ایک درم اللہ عزوجل کے یہاں سینتیس زنا سے بڑھ کر جرم ہے۔ (اس کو حاکم نے کنیتوں کے باب میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔ ت)

حدیث (۷) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الربا سبعون حوبا ایسرھا کالذی ینکح

سود ستر گناہ ہے جن میں سب سے آسان تر اس شخص

---

[1] المعجم الاوسط حدیث ۲۷۰۳ مکتبۃ المعارف ریاض ۳/ ۳۳۰
مسند احمد بن حنبل حدیث عبداللہ بن حنظلہ دارالفکر بیروت ۵/ ۲۲۵
[2] الترغیب والترھیب بحوالہ ذم الغیبۃ والبیہقی باب الترھیب من الربا مصطفی البابی مصر ۳/ ۷
[3] کنز العمال بحوالہ الحاکم فی الکنی حدیث ۹۷۸۰ موسسۃ الرسالہ بیروت ۴/ ۱۰۹

امه[1]، وفی روایة سبعون بابا ادناها کالذی یقع علی امه[2]، رواه ابن ماجة وابن ابی الدنیا فی ذم الغیبة وابن جریر وسرواه البیهقی بسند لاباس به باللفظ الثانی کلهم عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه۔

کی طرح ہے جو اپنی ماں سے نکاح کرے۔ (اور ایک روایت میں ہے کہ سود کے ستر دروازے ہیں جن میں سے ادنی یہ ہے کہ وہ اپنی ماں پر پڑے۔ (اس کو ابن ماجہ اور ابی الدنیا نے ذم الغیبۃ میں اور ابن جریر نے اور بیہقی نے اس کو ایسی سند کے ساتھ روایت کیا جس میں کوئی حرج نہیں ساتھ لفظ ثانی کے تمام نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

حدیث (۸) کہ فرماتے ہیں صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان الربا ابواب الباب منه عدل سبعین حوبا ادناه فجرة کاضطجاع الرجل مع امه[3]۔ رواه ابن مندة وابو نعیم عن الاسود بن وهب بن عبد مناف بن زهرة الزهری القرشی خال النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم ورضی الله تعالٰی عنه۔

بیشک ربا کے کئی دروازے ہیں ان میں سے ایک دروازہ برابر ستر گناہ کے ہے جن میں سب سے ہلکا گناہ ایسا ہے جیسے اپنی ماں کے ساتھ ہم بستر ہونا (اس کو ابن مندہ اور ابونعیم نے نبی کریم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ماموں حضرت اسود بن وہب بن عبد مناف بن زہرہ الزہری القرشی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

حدیث (۹) کہ فرماتے ہیں صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الربا احد وسبعون بابا او قال ثلثة وسبعون حوبا ادناها مثل اتیان الرجل امه[4]۔ رواه عبد الرزاق عن رجل من الانصار

سُود اکہتر دروازے ہے یا فرمایا تہتر گناہ ہے جن میں سب سے ہلکا ایسا ہے جیسے آدمی کا اپنی ماں سے جماع کرنا (اس کو امام عبدالرزاق نے انصار کے

---

[1] سنن ابن ماجہ باب التغلیظ فی الربا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۶۵
شعب الایمان حدیث ۵۵۱۹ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۳۹۴/۴
[2] " " ۵۵۲۰ " " " ۳۹۴/۴
[3] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ بحوالہ ابن مندہ ترجمہ ۱۷۲ اسود بن وہب دار صادر بیروت ۴۶/۱
[4] المصنف لعبد الرزاق باب ماجاء فی الربا حدیث ۱۵۳۴۵ المکتب الاسلامی بیروت ۳۱۴/۸

رضی اللہ تعالٰی عنہم۔

ایک مرد سے روایت کیا رضی اللہ تعالٰی عنہم۔ت)

حدیث (۱۰) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الربا اثنان وسبعون بابا ادناھا مثل اتیان الرجل امہ۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط بسند صحیح عن البراء بن عازب رضی اللہ تعالٰی عنہ۔[1]

سُود کے بہتر دروازے ہیں ان میں سے کمتر ایسا ہے جیسے اپنی ماں سے صحبت کرنا (اس کو طبرانی نے سند صحیح کے ساتھ معجم اوسط میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث (۱۱) کہ فرماتے ہیں صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان ابواب الربا اثنان وسبعون حوبا ادناھا کالذی یاتی امہ فی الاسلام۔[2] رواہ الطبرانی فی الکبیر عن عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

بیشک سود کے دروازے بہتر گناہ ہیں سب میں کمتر ایسا ہے جیسے اسلام میں اپنی ماں سے زنا کرنا (اس کو طبرانی نے معجم کبیر میں سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث (۱۲) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الربا ثلث وسبعون بابا ایسرھا مثل ان ینکح الرجل امہ۔[3] رواہ الحاکم وقال صحیح علی شرطھا والبیہقی عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

سُود کے تہتر دروازے ہیں سب میں ہلکا اپنی ماں سے زنا کے مثل ہے (اس کو حاکم نے روایت کیا اور فرمایا کہ یہ بخاری ومسلم کی شرط پر صحیح ہے اور امام بیہقی نے اس کو سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث (۱۳) کہ فرماتے ہیں صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان الربا نیف وسبعون بابا اھونھن بابا مثل من اتی امہ فی الاسلام

سُود کے کچھ اُوپر ستر دروازے ہیں ان میں سب سے ہلکا ایسا ہے کہ مسلمان ہوکر اپنی ماں سے زنا کرنا

---

[1] المعجم الاوسط للطبرانی حدیث ۷۱۴۷ مکتبۃ المعارف ریاض ۸/۷۴

[2] کنز العمال بحوالہ طب عن عبداللہ بن سلام حدیث ۹۷۶۵ موسسۃ الرسالہ بیروت ۴/۱۰۵

[3] المستدرک کتاب البیوع دارالفکر بیروت ۲/۳۷

شعب الایمان للبیہقی حدیث ۵۵۱۹ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۴/۳۹۴

ودرهم من ربا اشد من خمس وثلثین زنیة۔[1] رواہ البیہقی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

اور سود کا ایک درم پینتیس زنا سے سخت تر ہے۔ (اس کو بیہقی نے سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ ت)

حدیث (۱۴) سیدنا امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہم فرماتے ہیں:

الربا سبعون بابا اھونہا مثل نکاح الرجل امہ۔[2] رواہ ابن عساکر بسند صحیح۔

سود ستر دروازے ہیں ان میں آسان تر اپنی ماں سے زنا کے مثل ہیں۔ (اس کو ابن عساکر نے صحیح سند کے ساتھ روایت فرمایا۔ ت)

حدیث (۱۵) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

الربا ثلث وسبعون حوبا اصغرھا حوبا کمن اتی امہ فی الاسلام ودرھم من الربا اشد من بضع وثلثین زنیة۔[3] رواہ ابن ابی الدنیا والبغوی وغیرھما وصدرہ عند عبدالرزاق بلفظ بضعة وسبعون۔[4]

سود بہتّر گناہ ہے سب سے چھوٹا بحالتِ اسلام اپنی ماں سے زنا کی طرح ہے اور سود کا ایک درم کئی اُوپر تیس زنا سے سخت تر ہے۔ (اس کو ابن ابی الدنیا اور بغوی وغیرہ نے روایت کیا، اور امام عبدالرزاق کے ہاں لفظ بضع وسبعون کے ساتھ ہے۔ ت)

حدیث (۱۶) سیدنا عبداللہ بن سلام فرماتے ہیں:

الربا ثلث وسبعون حوبا ادناھا حوبا کمن اتی امہ فی الاسلام ودرھم من الربا کبضع وثلثین زنیة۔[5]

سود میں تہتّر گناہ ہیں سب سے کم ایسا جیسے اسلام میں اپنی ماں سے جماع کرنا اور سود کا ایک درم چند اور تیس زنا کے مانند ہے (اس کو

---

[1] الدر المنثور بحوالہ البیہقی فی الشعب تحت آیۃ ۲/۲۷۹ منشورات قم ایران ۲/۹۶
الترغیب والترھیب " " " الترھیب من الربا حدیث ۱۶ مصطفی البابی مصر ۳/۸
[2] المنتقی لابن الجارود عن ابی ہریرۃ حدیث ۶۴۷ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ص ۲۱۸
[3] الترغیب والترھیب بحوالہ ابن ابی الدنیا والبغوی " ۱۲ " " " " ۳/۷
شرح السنۃ للبغوی باب وعید آکل الربا حدیث ۲۰۵۳ المکتب الاسلامی بیروت ۸/۵۴
[4] المصنف لعبد الرزاق باب ماجاء فی الربا " ۱۵۳۴۶ " " " " ۸/۳۱۴
[5] " " " " " ۱۵۳۴۴ " " " " ۸/۳۱۴

رواہ عبدالرزاق۔ (امام عبدالرزاق نے روایت کیا۔ت)

حدیث (۱۷) کعب احبار فرماتے ہیں:

لان ازنی ثلثا وثلثین زنیۃ احب الیّ من ان اٰکل درھما ربا یعلم اللہ انی اکلتہ حین اکلتہ ربا۔[1] رواہ الامام احمد عنہ بسند جید۔

بیشک مجھے اپنا تینتیس بار زنا کرنا اس سے زیادہ پسند ہے کہ سود کا ایک درم کھاؤں جسے اللہ عزوجل جانے کہ میں نے سود کھایا ہے۔ (اس کو امام احمد نے سند جید کے ساتھ روایت کیا ہے۔ت)

والعیاذ باللہ تعالٰی، اللہ تعالٰی مسلمانوں کو ہدایت بخشے آمین۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۰: ۲۷ رجب روز دوشنبہ ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مقروض ہے اور اس قدر محتاج ہے کہ قوتِ روزمرہ بھی بدشواری میسر آتا ہے اب چاہتا ہے کہ کچھ روپیہ سودی قرض لے کر کچھ روزگار کرے تاکہ صورت ادائے قرض کی ظہور میں آئے اور کچھ قوت بسری میں لائے، پس یہ امر مباح ہے یا نہیں؟ اور جو شخص ایسے اصل روپیہ کی ضمانت کرے گنہگار ہوگا یا نہیں، بینوا توجروا

الجواب

سود جس طرح لینا حرام ہے دینا بھی حرام ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لعن اللہ اٰکل الربو وموکلہ وکاتبہ وشاھدہ۔[2] رواہ احمد وابوداؤد

اللہ کی لعنت سود کھانے والے اور کھلانے والے اور اس کا کاغذ لکھنے والے اور اس کی گواہی

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل حدیث عبداللہ بن حنظلہ دارالفکر بیروت ۵/ ۲۲۵

[2] صحیح مسلم کتاب المساقات باب الربا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷
سنن ابوداؤد کتاب البیوع آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۱۷
جامع الترمذی ابواب البیوع امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۴۵
سنن ابن ماجہ ابواب التجارات باب التغلیظ فی الربا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۶۶
مسند احمد بن حنبل عن ابن مسعود دارالفکر بیروت ۱/ ۳۹۳ و ۴۰۲ و ۴۰۹ و ۴۵۳
〃 〃 عن علی کرم اللہ وجہہ 〃 ۱/ ۸۳ و ۱۰۷ و ۱۳۳ و ۱۵۰
سنن النسائی کتاب الزینۃ نور محمد کارخانہ کراچی ۲/ ۲۸۰

والترمذی وابن ماجة والطبرانی فی الکبیر وزادوھم یعلمون[1] کلھم عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنه ونحوہ عند احمد والنسائی عن علی کرم اللہ تعالٰی وجھه سند اھما صحیحان وبمعناہ عند مسلم فی صحیحه و زادوھم سواء[2]۔

کرنیوالے پر (اس کو امام احمد، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔ طبرانی نے معجم کبیر میں یہ زیادہ کیا کہ وہ جانتے ہوں کہ یہ سود ہے۔ ان تمام ائمہ نے اس کو سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا، امام احمد اور نسائی کے نزدیک اسی کی مثل سیدنا حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے مروی ہے اور ان دونوں کی سندیں صحیح ہیں، اس کے ہم معنی امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا اور یہ اضافہ کیا کہ وہ سب برابر ہیں۔ ت)

مگر شریعتِ مطہرہ کا قاعدہ مقرر ہے کہ الضرورات تبیح المحظورات (ضرورتیں ممنوعات کو مباح کردیتی ہیں۔ ت) اسی لئے علماء فرماتے ہیں محتاج کو سودی قرض لینا جائز ہے،

فی الاشباہ والنظائر وفی القنیة والبغیة یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح[3] اھ قال فی الغمز وذلك نحو ان یقترض عشرة دنانیر مثلا ویجعل لربھا شیئا معلوما فی کل یوم ربحا[4] اھ۔

الاشباہ والنظائر، قنیہ اور بغیہ میں ہے کہ محتاج کے لئے سُود پر قرض لینا جائز ہے اھ غمز میں فرمایا اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً وہ دس دینار قرض لے اور قرض دہندہ کے لئے یومیہ کچھ نفع مقرر کرے اھ (ت)

اقول محتاج کے یہ معنی جو واقعی حقیقی ضرورت قابل قبول شرع رکھتا ہو کہ نہ اس کے بغیر چارہ ہو نہ کسی طرح بے سودی روپیہ ملنے کا یارا ورنہ ہرگز جائز نہ ہوگا جیسے لوگوں میں رائج ہے کہ اولاد کی شادی کرنی چاہی سَو روپے پاس ہیں ہزار روپے لگانے کو جی چاہا تو سو سودی نکلوائے یا مکان رہنے کو موجود ہے دل پکے محل کو ہوا سودی قرض لے کر بنایا یا سو دو سو کی تجارت کرتے ہیں قوت اہل وعیال بقدر کفایت ملتا ہے نفس نے بڑا سوداگر بننا چاہا پانچ چھ سو سودی نکلوا کر لگا دیئے یا گھر میں زیور وغیرہ موجود ہے جسے بیچ کر روپیہ حاصل کرسکتے ہیں نہ بیچا بلکہ سودی قرض لیا وعلٰی ہذا القیاس صدہا صورتیں ہیں کہ یہ ضرورتیں نہیں تو ان میں حکم جواز نہیں ہوسکتا اگرچہ لوگ اپنے زعم میں ضرورت سمجھیں

---

[1] مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی فی الکبیر، باب ماجاء فی الربا، دارالکتاب بیروت ۴/ ۱۱۸ [2] صحیح مسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷
[3] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۶
[4] غمز عیون البصائر " " " " " "

ولہذا قوت اہل وعیال کے لئے سودی قرض لینے کی اجازت اسی وقت ہوسکتی ہے جب اس کے بغیر کوئی طریقہ بسر اوقات کا نہ ہو نہ کوئی پیشہ جانتا ہو نہ نوکری ملتی ہے جس کے ذریعہ سے دال روٹی اور موٹا کپڑا محتاج آدمی کی بسر کے لائق مل سکے ورنہ اس قدر پا سکتا ہے تو سودی روپے سے تجارت پھر وہی تونگری کی ہوس ہوگی نہ ضرورت قوت، رہا ادائے قرض کی نیت سے سودی قرض لینا، اگر جانتا ہے کہ اب ادا نہ ہوا تو قرضخواہ قید کرائے گا جس کے باعث بال بچوں کو نفقہ نہ پہنچ سکے گا اور ذلت وخواری علاوہ، اور فی الحال اس کے سوا کوئی شکل ادا نہیں تو رخصت دی جائیگی کہ ضرورت محقق ہولی حفظ نفس و تحصیل قوت کی ضرورت تو خود ظاہر، اور ذلت[عــہ] ومطعونی سے بچنا بھی ایسا امر ہے جسے شرع نے بہت مہم سمجھا اور اس کے لئے بعض محظورات کو جائز فرمایا مثلاً شریر شاعر جو امراء کے پاس قصائد مدح لکھ کر لیجاتے ہیں کہ خاطر خواہ انعام نہ پائیں تو ہجو سنائیں انھیں اگرچہ وہ انعام لینا حرام ہے اور جس چیز کا لینا جائز نہیں دینا بھی روا نہیں، پھر یہ لوگ کہ اپنی آبرو بچانے کو دیتے ہیں خاص رشوت دیتے ہیں اور رشوت صریح حرام، بایں ہمہ شرع نے حفظ آبرو کے لئے انھیں دینا دینے والے کے حق میں روا فرمایا اگرچہ لینے والے کو بدستور حرام محض ہے،

فی الدر المختار لاباس بالرشوۃ اذا خاف علی دینہ (عبارۃ المجتبی لمن یخاف) والنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یعطی الشعراء ولمن یخاف لسانہ (فقد روی الخطابی فی الغریب عن عکرمۃ مرسلا قال اتی شاعر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال یا بلال اقطع لسانہ عنی فاعطاہ اربعین درھما) ومن السحت ما یاخذہ شاعر

درمختار میں ہے کہ جب کسی کو اپنے دین کے بارے میں خوف ہو تو اس کے لئے رشوت دینے میں کوئی حرج نہیں (مجتبٰی کی عبارت میں ہے جسے خوف ہو) نبی کریم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم شاعروں کو اور جن کی زبان درازی کا خوف ہوتا ان کو عطا فرماتے تھے (خطابی نے غریب میں حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالٰے عنہ سے مرسلاً روایت کیا عکرمہ نے کہا کہ ایک شاعر نبی کریم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس آیا تو حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا اے بلال! اس کی زبان مجھ سے قطع کرو۔ چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ تعالٰے عنہ نے اس کو چالیس درہم

[عــہ] ظاہر ہے کہ یہ ذلت ظلماً پہنچے گی کہ مفلس کو مہلت دینی شرع نے واجب کی ۱۲ منہ

لشعر (لانه انما یدفع له عادة قطعا للسانه فلوکان ممن یؤمن شرہ فالظاھر ان مایدفع له حلال بدلیل دفعه علیه السلام بردته لکعب لما امتدحه بقصیدته المشھورۃ تأمل[1] اھ ملخصا مختلطا بردالمحتار۔

دے دے) حالانکہ شاعر جو کچھ شعر کی وجہ سے لیتا ہے وُہ حرام ہے (کیونکہ عادتاً جو کچھ اس کو دیا جاتا ہے وہ اس کی زبان درازی روکنے کے لئے ہوتا ہے چنانچہ اگر کوئی شاعر ایسا ہو جس کے شر سے امن ہو تو ظاہر یہ ہے کہ اس کو جو کچھ دیا جائے وہ حلال ہے اس پر دلیل حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا حضرت کعب رضی اللہ تعالٰی عنہ کو اپنی چادر مبارک عطا فرمانا ہے جب حضرت کعب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے آپ کی بارگاہِ اقدس میں اپنا مشہور قصیدہ پیش کیا) اھ تلخیص باختلاط ردالمحتار (ت)

اور اگر اس مفلس قرضدار کو قرضخواہ کی طرف سے اس قسم کے اندیشے نہیں بلکہ صرف حساب آخرت پاک کرنا چاہتا ہے تو ایسی حالت میں سُودی قرض لینے کی اجازت مقاصد شرع سے سخت بعید ہے قرضدار جب مفلس ہو تو شرع قرضخواہ پر واجب کرتی ہے کہ انتظار کرے اور جب تک اسے استطاعت نہ ہو مہلت دے،

قال اللہ تعالٰی وان کان ذوعسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ۔[2]

اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اگر قرضدار تنگدست ہو تو اس کو کشادگی اور آسانی مہیا ہونے تک مہلت دو۔ (ت)

اور قرضدار کو حکم دیتی ہے کہ حتی الامکان ادا میں کوشش کرے اور ہر وقت سچے دل سے ادا کی نیت رکھے مفلسی کو پروانہ معافی نہ ٹھہرالے کہ اب ہم سے کوئی کیا لے گا، جب ایسی سچی نیت رکھے گا اور اپنی چلتی فکر ادا میں جو بروجہ شرعی ہوگی نہ کرے گا تو اس سے زیادہ شرع اسے تکلیف نہیں دیتی،

قال اللہ تعالٰی لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا۔[3]

اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالٰی کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی وسعت کے مطابق۔ (ت)

پھر اگر اسی حال پر مرگیا اور ادا نہ ہوسکا تو امید قوی ہے کہ ارحم الراحمین جل جلالہ درگزر فرماکر

---

[1] درمختار کتاب الحظروالاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۵۳
ردالمحتار " " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۲۷۲
[2] القرآن الکریم ۲/۲۸۰ [3] القرآن الکریم ۲/۲۸۶

قرضخواہ کے مطالبہ سے نجات بخشے گا۔ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں :

من اخذ اموال الناس یرید اداءھا ادی اللّٰہ عنہ، ومن اخذ یرید اتلافھا اتلفہ اللّٰہ[1] اخرجہ احمد والبخاری وابن ماجۃ عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ۔

جو لوگوں کے مال بہ نیتِ ادا لے اللہ تعالٰی اس کی طرف سے ادا فرمادے اور جو تلف کر دینے کے ارادے سے لے اللہ تعالٰی اسے ہلاک کرے۔ (امام احمد، بخاری اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسکی تخریج فرمائی۔ت)

اور فرماتے ہیں صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم :

من ادان دینا ینوی قضاءہ اداہ اللّٰہ یوم القیٰمۃ[2] اخرجہ الطبرانی فی الکبیر عن میمونۃ بنت الحارث رضی اللّٰہ تعالٰی عنہا باسناد صحیح۔

جو کوئی دین لے کہ اس کے ادا کی نیت رکھتا ہو اللہ تعالٰی روزِ قیامت اس کی طرف سے ادا فرمادے گا (طبرانی نے معجم کبیر میں سند صحیح کے ساتھ حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ تعالٰی عنہا سے اس کی تخریج فرمائی۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم :

من حمل من امتی دینا ثم جھد فی قضائہ ثم مات قبل ان یقضیہ فانا ولیہ[3] رواہ احمد باسناد جید وابویعلی والطبرانی فی الاوسط عن ام المؤمنین الصدیقۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہا۔

میرا جو امتی کسی دین کا بار اٹھائے پھر اس کے ادا میں کوشش کرے پھر بے ادا کے مرجائے تو میں اس کا ولی وکفیل کار ہوں (اس کو امام احمد نے اسناد جید کے ساتھ اور ابو یعلٰی اور طبرانی نے معجم اوسط میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔ت)

اور ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں :

---

[1] صحیح البخاری کتاب فی الاستقراض الخ باب من اخذ اموال الناس الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۲۱

[2] المعجم الکبیر حدیث ۱۰۴۹ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲۳/۴۳۲ ، حدیث ۲۰۷۲ ، ۲۴/۲۸

[3] مسند احمد بن حنبل عن عائشہ رضی اللہ عنہا دار الفکر بیروت ۶/۷۴ و ۱۵۴
المعجم الاوسط للطبرانی حدیث ۹۳۳۴ مکتبۃ المعارف الریاض ۱۰/۱۵۸

من تداین بدین وفی نفسه وفاؤہ ثم مات تجاوز الله عنه وارضی غریمه بماشاء[1] الحدیث۔ رواہ الحاکم و بنحوہ الطبرانی فی الکبیر عن ابی امامۃ رضی الله تعالٰی عنه۔

جوکسی دین کا معاملہ کرے اور دل میں اس کے ادا کا ارادہ رکھے پھر مرجائے تو اللہ تعالٰی اس سے درگزر فرمائے اور اس کے قرضخواہ کو جیسے چاہے راضی کرے الحدیث (اس کو حاکم نے روایت کیا اور اسی کی مثل طبرانی نے معجم کبیر میں ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

غرض بعد نیک نیتی کے پاکی حساب کی ویسے ہی امید ہے باقی شرع مطہر سے اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی کہ ادائے قرض کے لئے کسی ناجائز طریقے سے مال حاصل کرنے کو جائز فرمایا ہو اور بیشک سودی قرض لینا ناجائز طریقہ ہے بلکہ علماء تو یہاں تک تصریح فرماتے ہیں کہ عورت اگر مارے سے بھی نماز نہ پڑھے طلاق دے دے اگرچہ اس کا مہر دینے پر قادر نہ ہو کہ اللہ تعالٰی سے اس حال پر ملنا کہ اس کا مطالبہ مہر اس کی گردن پر ہو اس سے بہتر ہے کہ ایک بے نمازی عورت سے صحبت کرے،

فی الغنیۃ الزوج له ان یضرب زوجته علی ترك الصلوۃ وان لم تنته عن ترکها بالضرب یطلقها ولو لم یکن قادرا علی مهرها ولان یلقی الله تعالٰی ومهرها فی ذمته خیرله من ان یطأ امرأۃ لاتصلی[2]۔

غنیہ میں ہے کہ شوہر کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی بیوی کو نماز چھوڑنے پر مارے اور اگر مارنے کے باوجود وہ نماز چھوڑنے سے باز نہیں آتی تو طلاق دے دے اگرچہ اس کو مہر کی ادائیگی پر قدرت نہ ہو کیونکہ اللہ تعالٰی کو اس حال میں ملنا کہ اس کی بیوی کا مہر اس کے ذمہ پر ہو بہتر ہے اس سے کہ ایسی عورت سے صحبت کرے جو نماز نہیں پڑھتی۔ (ت)

دیکھو عورت کا نماز نہ پڑھنا اس کا کوئی گناہ نہیں جبکہ وہ اس کی ہدایت و تنبیہ کسی طرح نہیں مانتی بایں ہمہ اسے گوارا نہ کیا گیا اور قرضدار مرنے کو اس سے آسان سمجھا تو سودی قرض لینا کہ خود اس کا گناہ ہے کیونکر گوارا کیا جائے گا اور قرضدار مرنا اس کی نسبت آسان نہ ہوگا ھذا کله ماظهرلی وارجوان یکون صوابا ان شاء الله تعالٰی (یہ سب وہ ہے جو مجھ پر ظاہر ہوا اور میں امید کرتا ہوں کہ ان شاء اللہ تعالٰی یہ درست ہوگا۔ ت) رہی ضمانت وہ درحقیقت قرض ملنے پر اعانت ہے اگر اس محتاج کو سودی قرض لینا شرعاً جائز تھا تو اصل روپے کی ضمانت میں کوئی حرج نہیں کہ جائز بات میں ایک مسلمان بھائی کی

---

[1] المستدرک للحاکم کتاب البیوع باب من تداین بدین الخ دارالفکر بیروت ۲/ ۲۲
[2] غنیۃ المستملی احکام المساجد مسائل شتی سہیل اکیڈمی لاہور ص ۶۲۱

مدد کرتا ہے اور ناجائز تھا تو ہرگز اصل کی بھی ضمانت نہ کرے کہ یہ معصیت پر اعانت ہوگی،

قال اللہ تعالیٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان[1] اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: گناہ اور ظلم پر تعاون مت کرو۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت) واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۳۲ ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے کچھ روپیہ سودی نکلوایا دو شخص ضامن ہوئے اب گناہگار زیادہ کون ہے؟ وہ شخص جس نے سود پر دیا اب توبہ کرتا ہے اور سود کو واپس دینا چاہتا ہے تو یہ توبہ اس کی قبول ہوگی یا نہیں؟ اور وہ سود کے گناہ سے پاک ہوگا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

بغیر سخت مجبوری کے جسے شرع بھی مجبور رکھے سودی قرض لینا حرام ہے، اور اسی طرح اس کے کام میں کسی طرح کی شرکت ہو باعثِ گناہ ہے اور حدیث صحیح میں ھم سواء[2] فرمایا یعنی وہ سب نفسِ گناہ میں برابر ہیں، اور سود سے توبہ کے یہی معنی ہیں کہ جس قدر سود لیا واپس دے اور اللہ عزوجل سے آئندہ کے لئے سچے دل سے نادم ہو کر عہد کرے، جو ایسا کرے گا اس کی توبہ بیشک قبول ہوگی ھو الذی یقبل التوبۃ عن عبادہ[3] (وہ وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ ت) اور وہ سود کے گناہ سے پاک ہوجائے گا التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ[4] (گناہ سے توبہ کرنے والا ایسے ہے جیسے اس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو۔ ت) واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم۔

مسئلہ ۱۳۳ تا ۱۳۸ از شاہجہان پور محلہ خلیل مرسلہ محمد اعزاز حسین خاں مہتمم مدرسہ اسلامیہ ۲۶ محرم ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیانِ شرع متین اس صورت میں کہ:

(۱) زید نے اپنی حیات میں کچھ روپیہ سود پر قرض دیا اور قبل وصول روپیہ کے زید مرگیا اب ورثاء زید کو تاریخ وفات زید تک کا سود لینا جائز ہے یا نہیں؟

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۲

[2] صحیح مسلم کتاب المساقات باب الربا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷

[3] القرآن الکریم ۴۲/ ۲۵

[4] السنن الکبرٰی للبیہقی کتاب الشہادات دارصادر بیروت ۱۰/ ۱۵۴

سنن ابن ماجہ ابواب الزہد باب ذکر التوبہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۲۳

(۲) زید نے روپیہ قرض سود پر دے کر دیوانی سے مع سود ڈگری حاصل کی تھی اور حسبِ ضابطہ کچہری ۸ فیصدی سود تا ادائے روپیہ اور بھی ڈگری میں لکھا جاتا ہے بعد مرنے زید کے ورثاء اسکے دونوں قسم کا سُود لے سکتے ہیں اور شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

(۳) زید نے پرامیسری نوٹ خریدے تھے اور گورنمنٹ سے ساڑھے چار روپیہ فیصدی سالانہ سود لیا کرتا تھا زید مرگیا ورثاء زید کو حسبِ ضابطہ کچہری اول سارٹیفکیٹ وراثت لینا ضرور ہے اور بغیر اس کے ورثاء نہ سود نوٹوں کا پاسکتے ہیں اور نہ ان کو فروخت کرسکتے ہیں اور سارٹیفکیٹ لینے میں قریب تین ہزار روپیہ کے کچہری میں صرف ہوگا ورثاء زید چاہتے ہیں کہ گورنمنٹ نوٹوں تک سود لے کر سارٹیفکیٹ کے لینے میں خرچ کردیں یعنی گورنمنٹ سے لے کر پھر اسی کو واپس کردیں پس ورثاء زید تاریخ انتقال زید تک سود نوٹوں کا لے سکتے ہیں یا آئندہ کا بھی لے سکتے ہیں یا مطلق ناجائز ہے ؟

(۴) عمرو نے پرامیسری نوٹ ایک لاکھ کے خریدے اور پرامیسری نوٹوں کا قاعدہ ہے کہ گورنمنٹ اصل روپیہ کبھی نہیں دیتی بلکہ ساڑھے چار روپیہ فی صدی سالانہ سود دیا کرتی ہے ہاں اگر مالک چاہے تو دوسرے خریداروں کے ہاتھ فروخت کرے اور نرخ نوٹوں کا کبھی کم ہوتا ہے اور کبھی زیادہ جیسے آجکل سو روپیہ کا پرامیسری نوٹ ایک سو آٹھ روپیہ کو فروخت ہوتا ہے پس اگر عمرو بھی اپنے ایک لاکھ روپیہ کے پرامیسری فیصدی آٹھ روپیہ کے نفع سے فروخت کرے یا نرخ سے دو روپیہ زیادہ نفع پر بیع ڈالے تو یہ بیع درست ہے یا نہیں ؟

(۵) کسی شخص نے دو ہزار کی ڈگری کچہری سے حاصل کی جس میں ایک ہزار اصل ہے اور ایک ہزار سود، وہ شخص کسی کے ہاتھ یا وارث اس کا بعوض بارہ سو کے وہ ڈگری فروخت کر ڈالے تو کیسا ہے؟

(۶) اوپر کی صورتوں میں جو جو رقم کہ سود کی قرار دی گئی اگر اس میں سے کُل یا بعض لے کر مدرسۂ اسلامیہ میں دے دی جائے تو شرعاً کیا اس کی حالت ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

(۱) حرام قطعی ہے،

قال المولٰی سبحانہ وتعالٰی یایہا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربٰوان کنتم مؤمنین ○ فان لم تفعلوا فاْذنوا بحرب

مولا سبحانہ وتعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سُود باقی رہا ہے چھوڑ دو اگر تم مسلمان ہو پھر جو ایسا نہ کرو تو خبردار ہو جاؤ خدا و رسول کے لڑنے سے یا اعلان کردو

من اللہ و رسولہ[1] اللہ و رسول سے لڑائی کا۔

یہ اس بقیہ کی نسبت ارشاد ہوا جو تحریم سے پہلے کا رہ گیا تھا مسلمانوں نے خیال کیا یہ تو حرمت سے پیشتر کا ہے اسے لے لیں آئندہ سے باز رہیں گے اس پر یہ حکم آیا صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم نے کہا ہم میں خدا و رسول سے لڑنے کی طاقت نہیں، وہ بقیہ بھی چھوڑ دیا نہ کہ معاذ اللہ یہ بقیہ شقیہ کہ سرے سے بعد تحریم الٰہی کے لینا دینا ٹھہرا، اور اس کا لینے والا اللہ عزیز مقتدر قہار اور اس کے رسول جلیل جبار جل جلالہ و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے لڑائی کا پورا سامان کرلے اور قرآن پر ایمان رکھتا ہو تو یقین جانے کہ خدا و رسول عزّ مجدہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے لڑنے والا سخت ہلاکت میں پڑنے والا ہے والعیاذ باللہ رب العٰلمین (اللہ کی پناہ جو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے۔ ت) ورثہ اس چیز کے مستحق ہوتے ہیں جو مورث کی ملک اور اس کا ترکہ ہو یہ سود نامسعود نہ ملک نہ ترکہ اس کا مطالبہ کس ذریعہ سے پہنچ سکتا ہے واللہ الہادی ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

(۲) کسی قسم کا نہیں لے سکتے۔ دونوں قطعی حرام ہیں، حدیث میں ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں، سود کے ستر، اور ایک حدیث میں بہتر، اور دوسری میں تہتر دروازے ہیں' ان سب میں ہلکا ایسا ہے جیسے آدمی ماں سے زنا کرے۔

الحاکم عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الربا ثلث وسبعون بابا ایسرھا مثل ان ینکح الرجل امہ[2] الطبرانی فی الاوسط عن البراء بن عازب رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الربا اثنان وسبعون بابا ادناھا مثل اتیان الرجل

حاکم نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور انھوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا کہ سُود کے تہتر دروازے ہیں ان میں سے سب سے ہلکا ایسے ہے جیسے کوئی شخص اپنی ماں سے زنا کرے۔ طبرانی نے معجم اوسط میں سیدنا براء ابن عازب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سُود کے بہتر دروازے ہیں ان میں سے کمترین ایسے ہے جو کوئی مرد اپنی ماں سے

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۹ - ۲۷۸

[2] المستدرک للحاکم کتاب البیوع دارالفکر بیروت ۲/ ۳۷

امه[1]، ابن ماجة والبیھقی باسناد لاباس به واللفظ له عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم الربا سبعون بابا ادناھا کالذی یقع علی امه[2]۔

زنا کرے۔ ابن ماجہ اور بیہقی نے ایسی اسناد کے ساتھ اس کو روایت کیا جس میں کوئی حرج نہیں اور لفظ بیہقی کے ہیں۔ سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سُود کے ستّر دروازے ہیں ان میں سے کمتر ایسا ہے جیسے کوئی مرد اپنی ماں سے زنا کرے (ت)

توجو شخص سود کا ایک پیسہ لینا چاہے اگر رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کا ارشاد مانتا ہے تو ذرا گریبان میں منہ ڈال کر پہلے سوچ لے کہ اس پیسہ کا نہ ملنا قبول ہے یا اپنی ماں سے ستّر ستّر بار زنا کرنا، واللہ الہادی۔

(۳) سود لینا حرام قطعی وکبیرہ وعظیمہ ہے جس کا لینا کسی طرح روا نہیں ہوسکتا ہاں مال مباح شرعی یا اپنا دیا ہوا حق بقدر حق بہ نیت تحصیل مباح یا وصول حق نہ بہ نیت ربا وغیرہ امور محرمہ لینا جائز ہے اگرچہ کسی عذر کے سبب کسی ناجائز نام کو اس کے حصول کا ذریعہ کیا جائے،

وھذا مسألة جلیلة دقیقة لایتنبه الا بتوفیق اللہ تعالٰی وستفصلھا یوما ان شاء الملك العلام جل وعلا۔

یہ بڑی جلالت وعظمت کا حامل دقیق مسئلہ ہے سوائے اللہ تعالٰے کی توفیق کے اس پر آگاہی نہیں ہوسکتی، ہم ان شاء اللہ تعالٰی کسی دن اس کو مفصل بیان کریں گے۔ (ت)

(۴ و ۵) زائد برابر کم کسی مقدار کو اصلاً بیع نہیں کرسکتا کہ ان دونوں صورت میں حقیقۃً غیر مدیون کے ہاتھ دین کا بیچنا ہے اور وہ شرعاً باطل۔ اشباہ میں ہے:

بیع الدین لایجوز ولو باعه من الدین اووھبه جاز[3] واللہ تعالٰی

دین کی بیع جائز نہیں اور اگر کوئی مدیون پر دین کو بیچے یا اس کو ہبہ کردے تو جائز ہے، واللہ تعالٰی

---

[1] المعجم الاوسط للطبرانی حدیث ۷۱۴۷ مکتبۃ المعارف ریاض ۸/۷۴

[2] سنن ابن ماجہ باب التغلیظ فی الربا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۱۶۵

شعب الایمان حدیث ۵۵۲۰ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۴/۳۹۴

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الدین ادارۃ القرآن کراچی ۲/۲۱۳

اعلم وحکمہ سبحانہ احکم۔ اعلم وحکمہ سبحانہ احکم (ت)

(۶) جواباتِ سابقہ سے واضح جہاں جس طرح لینا جائز دینا جائز جہاں نہیں نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۹ ۶ جمادی الاولٰی ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کہتا ہے یہاں ہنود سے سُود لینا جائز ہے مسلمانوں سے نہیں، یہ قول کیسا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

سُود لینا نہ مسلمان سے جائز نہ ہندو سے،

لاطلاق قولہ تعالٰی وحرم الربٰوا[1] مایؤخذ من الحربی فی دار الحرب فمال مباح لیس بربا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اس ارشادِ باری تعالٰی کے اطلاق کی وجہ سے کہ "اور اللہ تعالٰی نے سُود کو حرام کردیا" لیکن جو کچھ دارالحرب میں حربی سے لیا جائے تو وہ مباح مال ہے سود نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۰ مرسلہ محمد عنایت حسین سررشتہ دار سابق شفاخانہ ضلع برکی ۳۰ ربیع الثانی ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید سے اگر کسی بنئے نے کوئی رقم ناجائز مثل سود وغیرہ کے لی ہو جس کے وصول کرنے پر اسے قدرت نہ تھی اور وہ نہ بہ نیت سود بلکہ اس حق کو وصول کرنے کے لئے اس کی کوٹھی میں کچھ روپیہ اتنا جمع کرے اور جو رقم ماہوار اس پر ملے اسے اپنے آتے ہوئے میں مجرا سمجھا جائے یہاں تک کہ وہ حق پورا نکل آئے، اس کے بعد اپنا روپیہ واپس لے لے، اسی طرح بادشاہ یا حاکم نے کوئی محصول یا ٹیکس یا مالگزاری یا اسٹام یا جرمانہ وغیرہ اس سے یا عام رعایا سے ایسے طریقہ پر لیا ہو جو شرعًا ناجائز یا حدِ شرع سے زیادہ ہو اور اس مقدار ناجائز تک وصول کرنے کے لئے اپنے ذاتی روپیہ یا عام مسلمانوں کے چندہ کا روپیہ شاہی بنک میں جمع کرکے حقدار مذکور اس سے نیت وصول حق کے ساتھ بے نیت سود حاصل کرے اور پہلی صورت میں اسے اپنے صرف خاص اور چندہ کی صورت میں ان مصارف مسلمین میں جن کے لئے وہ چندہ وصول کیا گیا تھا صرف کردے تو یہ شرعًا جائز ہے یا نہیں؟ اور اسے سود لینا کہیں گے یا کیا؟ بیّنوا توجروا۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

الجواب

سود حرام قطعی وکبیرۂ عظیمہ ہے جس کا لینا کسی حال روا نہیں ہوسکتا مگر حقیقۃً سود لینا ہو یا سود لینے کی نیت کہ ایسا قصد معصیت بھی معصیت ہے اگرچہ فعل واقع میں معصیت نہ ہو جیسے شربت براہِ غلط شراب سمجھ کر پینا کہ وُہ حقیقۃً حلال سہی پر یہ تو اپنے نزدیک مرتکب گناہ ہوا اور جہاں نہ حقیقت نہ نیت صرف نام ہی نام ہے وہ بھی بضرورت، تو اسے بالبداہۃ اس معصیت سے کچھ علاقہ نہ رہا کما لایخفی (جیسا کہ مخفی نہیں۔ت) پس ریاست خواہ غیر ریاست جس شخص پر جس کا کوئی حق عام یا خاص ہو اور وہ بوجہ مجبوری قانون یا کسی وجہ سے اس طور پر وصول نہ ہوسکے مثلاً تمادی عارض ہے یا مدیون منکر اور گواہ نہیں یا گواہ دیئے کچہری نہ مانی ڈسمس کردی یا کسی نے کچھ رقمیں خلافِ شرع اس سے لیں اور یہ انھیں واپس لینے پر قادر نہیں جیسے بنئے نے سُود، قاضی نے رشوت وغیرہما اور وُہ دوسرے طریقہ ناجائز شرعی کے نام سے ملتا ہو کہ اس میں ممانعت قانونی وغیرہ موانع نہ ہوں تو اس طریقۂ ناجائزہ کے نام کو صرف اس مقدار تک جہاں تک اس کا حق ہے ذریعۂ وصول بنانا جبکہ کسی امر ممنوع کی طرف منجر نہ ہو اور قصد ونیت میں اپنا حق لینا ہو نہ اس طریقۂ ممنوعہ کا مرتکب ہونا شرعًا جائز ہے کہ اس صورت میں نہ اس امر ناجائز کی حقیقت نہ اس کی نیت نہ قانونی ممانعت جس سے دنیوی تحفظ کیا جائے ربا وغیرہ امور محرمہ کے معانی ربا و محرمات ہیں، نہ مجرد الفاظ بے معنی، ولہذا علماء فرماتے ہیں:

لاربا بین المولی وعبدہ لان العبد ومافی یدہ ملک لمولاہ فلا یتحقق الربٰو[1] وکذا لاربا بین شریکی المفاوضۃ وکذا العنان[2] کما فی الھدایۃ والدر وغیرھما من الاسفار الغر۔

مالک اور اس کے غلام کے درمیان کوئی سود نہیں ہوتا کیونکہ غلام اور جو کچھ اس کے قبضہ میں ہو وہ مالک کی مِلک ہوتا ہے لہذا سود متحقق نہیں ہوتا اسی طرح شرکت مفاوضہ اور شرکت عنان کے دو شریکوں کے درمیان بھی سُود نہیں ہوتا جیسا کہ ہدایہ اور درمختار وغیرہ روشن کتابوں میں ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

---

[1] الہدایۃ باب الربٰو مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۷

[2] درمختار کتاب البیوع باب الربا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۳

الاصل ان المستحق بجهة اذا وصل الی المستحق بجهة اخری اعتبر واصلا بجهة مستحقه ان وصل الیه من المستحق علیه[1]

قاعدہ یہ ہے کہ جو چیز ایک جہت سے مستحق ہو جب وہ شخص مستحق کو پہنچے دوسری جہت سے تو وہ جہت مستحقہ سے واصل سمجھی جائے گی بشرطیکہ وہ مستحق علیہ کی طرف سے مستحق کو پہنچی ہو۔ (ت)

یہاں تک کہ علماء نے تحصیل مال مباح جس میں پہلے سے اس کا کوئی حق مستقر نہیں بحیلۂ نام طرق ممنوعہ مثل ربا وقمار وغیرہا جائز رکھی بشرطیکہ وُہ طریقہ صاحبِ مال کی رضامندی سے برتا گیا یعنی لوٹ غدر سے پاک وجُدا ہو،

کما نصوا علیہ فی ربا المستامن و مقامرة الاسیر فی ردالمحتار عن السیر الکبیر وشرحہ اذا دخل المسلم دار الحرب بامان فلا باس بان یاخذ منهم اموالهم بطیب انفسهم بای وجہ کان لانہ انما اخذ المباح علی وجہ عری عن الغدر فیکون طیبا لہ والاسیر و المستامن سواء حتی لو باعهم درهما بدرهمین اومیتة بدراهم او اخذ مالا منهم بطریق القمار فذلک کلہ طیب لہ[2] اھ ملخصًا۔

جیسا کہ فقہاء نے مستامن کے سُود اور قیدی کے جوا کے بارے میں اس پر نص فرمائی ہے، ردالمحتار میں سیر کبیر اور اس کی شرح کے حوالے سے مذکور ہے جب کوئی مسلمان امان لے کر دار الحرب میں داخل ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ حربیوں کا مال ان کی رضامندی سے کسی بھی طریقے سے لے کیونکہ اس نے مالِ مباح ایسے طریقے سے لیا جو کہ دھوکہ سے خالی ہے لہذا یہ اس کے لئے حلال ہے، قیدی اور مستامن برابر ہیں، یہاں تک کہ اگر کسی نے ان پر دو درہموں کے عوض ایک درہم بیچا یا کچھ درہموں کے عوض مردار بیچا یا جُوئے کے ذریعے ان کا مال لے لیا تو یہ سب اس کے لئے حلال ہے اھ تلخیص۔ (ت)

اور حضرت امیر المومنین امام المتقین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا کفارِ مکّہ سے بنام شرط باجازت حضور پُر نور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مال حاصل فرمانا حالانکہ شرط شرعًا روا نہیں، دلیل واضح ہے

---

[1] درمختار | کتاب البیوع | باب البیع الفاسد | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/ ۲۸
[2] ردالمحتار | " | باب الربا | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۴/ ۱۸۸

کہ نام ناجائز امر جائز کو ناجائز نہیں کردیتا،

کما افادہ فی الفتح وغیرہ نقلا عن المبسوط مستدلا لمذھبنا فی ھذا الباب۔

جیسا کہ مبسوط سے نقل کرتے ہوئے فتح وغیرہ میں اس کا فائدہ دیا ہے اس باب میں ہمارے مذہب سے استدلال کرتے ہوئے۔(ت)

تو احیائے حق ثابت مجرد کسی اسم بے مسمّی کے باعث کیونکر ممنوع ہوسکتا ہے،

ھذا مایعرفہ کل فقیہ والمسئلۃ مسئلۃ الظفر المنصوص علیھا فی الوھبانیۃ والقنیۃ والدر وغیرھا۔

یہ وہ ہے جس کو ہر فقیہ جانتا ہے اور مسئلہ تو مسئلہ ظفر ہے جس پر وہبانیہ، قنیہ اور درر وغیرہ میں نص کی گئی ہے(ت)

زیادت ایضاح مقام یہ ہے کہ اصل حکم حقائق پر ہے نہ کہ الفاظ پر، مثلاً اگر کوئی شخص زید سے اپنا آٹا ہوا لے اور اس کا نام ربا رکھے تو وہ ربا یا حرام نہ ہوجائے گا یا دو قسم کے قرض ہوں ایک کی قسطوں کے ساتھ دوسرے کا بھی ایک حصہ برضائے مدیون خواہ بحالتِ انکار بلا رضا لے لیا کرے تو وہ بھی ہرگز ربا نہیں ہوسکتا اگرچہ بلفظ ربا تعبیر کرے کہ حقیقت ربا یعنی فضل خال عن العوض مستحق بالعقد (وہ عوض جو ایسی زیادتی سے خالی ہو جس کا استحقاق بذریعہ عقد ہو۔ت) اس پر صادق نہیں، ہاں اگر یہ اپنی جہالت سے اسے حقیقتِ ربا سمجھے اور یہی جان کر اس کے لینے کا مرتکب ہو تو اگرچہ سُود لینے کا اس پر گناہ نہیں کہ جو اس نے لیا وہ سود عنداللہ نہیں مگر بقصد مخالفت شرع کسی فعل کا کرنا ضرور اس کے حق میں معصیت جداگانہ ہوگا کہ یہ تو اپنے زعم میں حکمِ الٰہی کا خلاف ہی کررہا ہے، ولہذا علماء فرماتے ہیں اگر دور سے کسی کپڑے کو زن اجنبیہ سمجھ کر بہ نگاہِ بد اس کی طرف نظر کرے گا گنہگار ہوگا اگرچہ واقع میں وہ خالی کپڑا ہے کہ یہ تو اپنے نزدیک نافرمانیِ خدا پر اقدام کررہا ہے، میزان الشریعۃ الکبرٰی کتاب البیوع باب مایجوز بیعہ ومالایجوز میں ہے:

لونظر انسان الی ثوب موضوع فی طاق علی ظن انہ امرأۃ اجنبیۃ فانہ یحرم علیہ[1]

اگر کسی انسان نے طاق میں رکھے ہوئے کپڑے کو اجنبی عورت سمجھ کر نظر بد سے دیکھا تو یہ اس کے لئے حرام ہے(ت)

اور جب یہ دونوں نہ ہوں تو رہا نرا نام، تو وہ بھی جب بے ضرورت وحاجت محض بطور لہو ولعب وہزل

---

[1] میزان الکبرٰی کتاب البیوع باب مایجوز بیعہ ومالایجوز مصطفی البابی مصر ۲/ ۶۷

ہو مگر وہ ہونا چاہئے جیسے اپنی عورت کو ماں یا بہن کہنا کہ اس کا نام رکھنے سے نہ وہ حقیقۃً اس کی ماں بہن ہو جائے گی،

ان امھاتھم الا الّٰئی ولدنھم۔[1]

نہیں ہیں ان کی مائیں مگر وہ جنھوں نے ان کو جنا۔ (ت)

نہ اس کی مقاربت میں اس پر اصلاً کوئی مواخذہ کہ اس کہنے سے وہ اس پر حرام نہ ہوگی،

ابوداؤد فی سننہ عن ابی تمیمۃ الھجیمی ان رجلا قال لامرأتہ یااخیۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اختک ھی فکرہ ذٰلک ونھی عنہ۔[2] قال فی الفتح الحدیث افاد کونہ لیس ظھارا حیث لم یبین فیہ حکما سوی الکراھۃ والنھی۔[3]

امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں ابوتمیمہ ہجیمی سے روایت کیا کہ ایک مرد نے اپنی بیوی کو کہا کہ اے میری بہن، تو رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کیا یہ تیری بہن ہے، آپ نے اس کی اس بات کو ناپسند جانا اور اس سے منع فرمایا۔ فتح میں کہا کہ حدیث اس قول کے ظہار نہ ہونے کا فائدہ دیتی ہے کیونکہ اس میں ناپسندیدگی اور ممانعت کے سوا کوئی حکم بیان نہیں کیا گیا۔ (ت)

ہاں صرف اتنی قباحت ہوگی کہ اس نے بے کسی ضرورت و مصلحت کے ایک جائز و حلال شے کو حرام نام سے تعبیر کیا،

کما قال اللہ تعالٰی وانھم لیقولون منکرا من القول وزورا۔[4]

جیسا کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا، اور بیشک وہ بُری بات اور جھوٹ کہتے ہیں۔ (ت)

پھر اگر مصلحت ہو تو یہ قباحت بھی نہ رہے گی،

کقول سیدنا ابراھیم علٰی نبینا الکریم وعلیہ وعلٰی سائر الانبیاء افضل الصلوٰۃ

جیسا کہ سیدتنا حضرت سارہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے بارے میں سیدنا حضرت ابراہیم کا فرمانا

---

[1] القرآن الکریم ۵۸/ ۲

[2] سنن ابی داؤد کتاب الطلاق باب فی الرجل یقول لامرأتہ یا اختی آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۰۱

[3] فتح القدیر باب الظہار مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۹۱

[4] القرآن الکریم ۵۸/ ۲

والتسلیم لسیدتنا سارة رضی اللہ تعالٰی عنھا انھا اختی۔[1]

کہ بیشک یہ میری بہن ہے، ہمارے نبی کریم، حضرت ابراہیم اور تمام انبیاء کرام پر بہترین درود وسلام ہو۔ (ت)

پھر علماء نے تو یہاں مصلحت اخذ مباح تک معتبر رکھی نہ کہ مصلحت احیائے حق وازالۂ مظالم کہ بالبداہۃ اس سے اٴید واتم ہے اور بالفرض کوئی مصلحت نہ بھی ہو تاہم اس مال کے حل وطیب میں اصلاً شک نہیں،

کما علمت وقد انتظمه اطلاق قولهم لاربا بین المولٰی وعبدہ ولا بین شریکی المفاوضة والعنان کما لایخفی۔

جیسا کہ تُو جان چکا ہے، اور تحقیق فقہاء کے اس قول کا اطلاق اس کو شامل ہے کہ مالک وغلام کے درمیان اور مفاوضہ وعنان کے دو شریکوں کے درمیان کوئی سود نہیں جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ (ت)

اور یہیں سے ظاہر ہوگیا کہ اس مسئلہ میں ماخوذ منہ کا کافر حربی خواہ محل اخذ کا دارالحرب ہونا ضرور نہیں کما تشھد به مسائل المولی والشرکاء (جیسا کہ مالک اور شریکوں کے مسئلے اس پر گواہ ہیں۔ت)

صرف انتفائے حقیت وقصد ربا درکار ہے کہ اس کے بعد نہ عنداللہ ارتکاب حرام نہ اپنے زعم میں مخالفتِ شرع پر اقدام علماء نے کہ مسئلہ حربی میں قید دارالحرب ذکر فرمائی اس کا منشاء اخراج مستامن ہے کہ اس کا مال مباح نہ رہا۔ ردالمحتار میں ہے:

قوله ثمّ ای فی دارالحرب قید به لانه دخل دارنا بامان فباع منه مسلم درهما بدرهمین لایجوز اتفاقا ط عن المسکین۔[2]

ماتن کا قول "وہاں" یعنی دارالحرب، یہ قید اس لئے کہ اگر کوئی حربی ہمارے ملک میں امان لے کر داخل ہوا پھر کسی مسلمان نے اس کے ہاتھ ایک درہم دو درہموں کے عوض فروخت کیا تو بالاتفاق ناجائز ہے ط نے مسکین سے نقل کیا۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

لاربا بین المسلم والحربی فی دارالحرب بخلاف المستامن منهم لان ماله

مسلمان اور حربی کے درمیان دارالحرب میں کوئی سود نہیں بخلاف حربی مستامن کے کیونکہ

---

[1] الدرالمنثور بحوالہ ابویعلٰی عن ابی سعید تحت آیۃ بل فعلہ کبیرھم منشورات مکتبۃ آیۃ العظمی قم ایران ۴/ ۳۲۱

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربا داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۸

صار محظورا بعقد الامان[1] اھ ملخصا۔

عقد امان کی وجہ سے اس کا مال ممنوع ہوگیا اھ تلخیص (ت)

فتح القدیر میں مبسوط سے ہے :

اطلاق النصوص فی المال المحظور وانما یحرم علی المسلم اذا کان بطریق الغدر فاذا لم یاخذ غدرا فبای طریق اخذہ حل بعد کونہ برضا بخلاف المستامن منہم عندنا لان مالہ صار محظورا بالامان فاذا اخذہ بغیر الطریق المشروعۃ یکون غدرا[2]۔

نصوص کا اطلاق ممنوع مال میں ہے حربی کا مال مسلمان پر صرف اس صورت میں حرام ہوتا ہے جب وہ دھوکے سے لے، چنانچہ جب اس نے دھوکہ کے بغیر لیا چاہے جس طریقے سے لیا ہو تو اس کے لئے حلال ہے بشرطیکہ اس حربی کی رضامندی سے لیا ہو بخلاف حربی مستامن کے دارالاسلام میں کیونکہ اس کا مال امان کی وجہ سے ممنوع ہوگیا لہذا اس کو اگر جائز طریقے کے علاوہ لیا ہو تو دھوکہ ہوگا۔ (ت)

بالجملہ حقیقت ربا اموال محظورہ میں متحقق ہوتی ہے کما سمعت انفا (جیسا کہ تُو نے ابھی سُنا ہے۔ ت) اور مال اصحاب دیون و مظالم بقدر دیون و مظالم محظور نہیں اگر جنس حق سے ہو جیسا کہ اکثر صور مستفسرہ میں ہے تو بالاجماع ورنہ علی المفتی بہ لفساد الزمان، درمختار میں ہے :

لیس لذی الحق ان یاخذ غیر جنس حقہ وجوزہ الشافعی وھو الاوسع[3]۔

صاحب حق کے لئے روا نہیں کہ اپنے حق کی جنس کا غیر لے جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اس کو جائز قرار دیا اور اس میں زیادہ وسعت ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے :

قولہ وجوزہ الشافعی قدمنا فی کتاب الحجر ان عدم الجواز کان فی زمانہم اما الیوم فالفتوی علی الجواز[4] اھ وفیہ من کتاب الحجر

ماتن کا قول کہ "امام شافعی نے اس کو جائز قرار دیا" ہم اس کو کتاب الحجر میں بیان کرچکے ہیں کہ عدم جواز ان کے زمانے میں تھا لیکن آج کل فتوٰی جواز پر ہے اھ، اور اسی میں کتاب الحجر

---

[1] الہدایہ کتاب البیوع باب الربا مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۷

[2] فتح القدیر باب الربا مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۷۸

[3] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۳

[4] ردالمحتار " " " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۷۱

عن العلامة الحموی عن العلامة المقدسی عن جدہ الجمال الاشقر عن الامام الاخصب انہ قال فی شرح القدوری ان عدم جواز الاخذ من خلاف الجنس کان فی زمانھم لمطاوعتھم فی الحقوق والفتوی الیوم علی جواز الاخذ عند القدرۃ من ای مال کان لاسیما فی دیارنا لمداومتھم العقوق[1]۔

میں علامہ حموی سے منقول ہے انھوں نے علامہ مقدسی سے انھوں نے اپنے دادا جمال اشقر سے انھوں نے امام اخصب سے نقل کیا انھوں نے شرح قدوری میں کہا کہ تحقیق غیر جنس سے حق لینے کا عدم جواز ان کے زمانے میں تھا حقوق میں ان کی پاسداری کی وجہ سے جبکہ آج کل فتوٰی جواز پر ہے جب کسی بھی مال سے لینے پر قادر ہو خصوصًا ہمارے شہروں میں بسبب ان کی دائمی نافرمانی کے اھ (ت)

تنویر الابصار میں ہے:

من لہ حظ فی بیت المال ظفر بما وجد لبیت المال فلہ اخذہ دیانۃ[2]۔

جس کا بیت المال میں حق ہو اور اس نے بیت المال کا مال پایا دیانت کے اعتبار سے اس کو لینا جائز ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

وللمودع صرف ودیعۃ مات ربھا ولاوارث لنفسہ او غیرہ من المصارف[3]۔

جس کے پاس ودیعت رکھی گئی ہے وہ ودیعت کو اپنی ذات یا دیگر مصارف میں صرف کرسکتا ہے جبکہ ودیعت رکھنے والا فوت ہوگیا ہو اور اس کا کوئی وارث نہ ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

عن شرح الوھبانیۃ عن البزازیۃ عن الامام الحلوانی لانہ لواعطاھا لبیت المال لضاع لانھم

شرح وہبانیہ میں بحوالہ بزازیہ امام حلوانی سے منقول ہے، اس لئے کہ اگر اس نے ودیعت بیت المال کو دے دی تو وہ ضائع ہوجائیگی

---

[1] ردالمحتار کتاب الحجر داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۹۵
[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب مسائل شتی مجتبائی دہلی ۲/ ۳۴۳
[3] " " " کتاب الزکوٰۃ باب العشر " ۱/ ۱۴۰

لایصرفون مصارفه فاذاکان من اھلہ صرفہ الی نفسہ وان لم یکن من المصارف صرفہ الی المصرف[1] اھ۔

کیونکہ بیت المال والے مصارف میں خرچ نہیں کرتے لہذا اگر وہ خود مصارف میں سے ہے تو اپنی ذات پرصرف کرے اور اگر وُہ خود مصارف میں سے نہیں ہے تو کسی اور مصرف میں خرچ کرے اھ (ت)

ان تقریروں سے خوب روشن ہوگیا کہ حاشٰ للہ ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے ہرگز کسی صورت ربا کو حلال نہ ٹھہرایا یہ غیر مقلدوں کا محض افترا ہے بلکہ ان مواقع میں کہ حکم جواز ہے وجہ یہ کہ وُہ ربا ہی نہیں اپنا حق یا کوئی مال مباح ایک ذریعہ جائزہ سے حاصل کرنا ہے اگرچہ بضرورت و مصلحت اس شخص نے اسے کسی لفظ سے تعبیر کیا ہو لہذا علماء ان مسائل میں لا ربا (کوئی سود نہیں۔ت) فرماتے ہیں نہ یحل الربا (سود حلال ہے۔ت) والعیاذ باللہ تعالٰی۔

تنبیہ: اگرچہ ہمارے کلام سابق سے تبیین ہُوا کہ مسلم وحربی میں دار الحرب میں نفی ربا، بربنائے انتفائے عصمت و وجود اباحت ہے نہ بربنائے انتفائے شرف دار مگر تتمیم فائدہ کو اس مطلب کی مزید توضیح کرتے ہیں فاقول وباللہ التوفیق (پس میں کہتا ہوں اور اللہ تعالٰی ہی سے توفیق ہے۔ت) اگر اس سے یہ مقصود کہ تحریم محرمات بوجہ شرف دار تھی دار الحرب میں کہ یہ شرف مفقود حرمت مفقود، ولہذا وہاں غصب و ربا حلال و موجب ملک ہے تو بداہۃً باطل، احکامِ الہیہ دارٌ دون دارٍ (ایک ملک سوائے دوسرے ملک کے۔ت) پر موقوف نہیں، نہ اختلافِ زمین کسی حرام شَے کو حلال کرسکتا ہے،

فان العباد للہ والبلاد للہ والحکم للہ والملک للہ، تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعلمین نذیرا[2]، وقال اللہ تعالٰی وحیث ما کنتم فولوا وجوھکم

کیونکہ تمام بندے اور شہر اللہ تعالٰی کے ہیں، حکم اور بادشاہی اللہ تعالٰی کی ہے، برکت والا وُہ ہے جس نے حق و باطل میں فرق کرنیوالی کتاب اپنے بندے پر نازل فرمائی تاکہ وہ تمام جہانوں کے لئے ڈر سنانے والا ہوجائے، اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور جہاں کہیں تم ہو اپنے

---

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب العشر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۵۶
[2] القرآن الکریم ۲۵/۱

شطر المسجد الحرام[1]، وقال الله تعالٰی فاقتلوھم حیث ثقفتموھم[2]، وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جعلت لی الارض مسجدا وطھورا فایما رجل من امتی ادرکتہ الصلاۃ فلیصل[3]۔

چہروں کو مسجد حرام کی طرف پھیرلو۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان کو قتل کرو جہاں کہیں ان کو پاؤ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے لئے زمین کو مسجد اور پاک کرنیوالی بنادیا گیا ہے چنانچہ میری امت کے کسی شخص پر جب نماز کا وقت ہوجائے تو نماز پڑھے (جہاں بھی ہو)۔ (ت)

یہاں تک کہ مذہب معتمد میں کفار خود بھی مخاطب بالفروع ہیں

حتی العبادات اداءً واعتقادا فیعذبون علی ترك الاداء ایضا، لقولہ تعالٰی قالوا لم نك من المصلین الی قولہ تعالٰی وکنا نکذب بیوم الدین[4]۔

یہاں تک کہ عبادات کی ادائیگی اور اعتقاد کے اعتبار سے چنانچہ ادائیگی چھوڑنے پر بھی ان کو عذاب دیا جائے گا بدلیل اللہ تعالٰی کے اس ارشاد کے کہ وہ کفار کہیں گے ہم نمازی نہیں تھے (اس لئے عذاب میں مبتلا ہیں) اللہ تعالٰی کے ارشاد "اور ہم قیامت کے دن کو جھٹلاتے تھے" تک۔ (ت)

آخر دار الحرب میں غدر بالاجماع حرام، یونہی زنا لعدم جریان الاباحۃ فی الابضاع (کیونکہ شرمگاہوں میں اباحت جاری نہیں ہوتی۔ ت) فتح میں مبسوط سے بعد عبارت مذکورہ منقول

وبخلاف الزنا ان قیس علی الربا لان البضع لایستباح بالاباحۃ بل بالطریق الخاص اما المال فیباح بطیب النفس بہ واباحتہ[5]۔

بخلاف زنا کے اگر اس کو سُود پر قیاس کیا جائے کیونکہ فرج (شرمگاہ) اباحت سے مباح نہیں ہوتی بلکہ خاص طریقے (نکاح) سے، رہا مال تو وہ خوشدلی سے دینے کے سبب سے اور اباحت سے مباح ہوجاتا ہے۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۴۴
[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۱ و ۴/ ۹۱
[3] السنن الکبرٰی للبیہقی کتاب الصلوٰۃ باب اینما ادرکتك الصلوٰۃ دار صادر بیروت ۲/ ۴۳۳
[4] القرآن الکریم ۷۴/ ۴۳ تا ۴۶
[5] فتح القدیر باب الربا مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۷۸

ولہذا مسلم مستامن سے عقد ربا قطعاً حرام اگرچہ شرف دار ملتقی ہے لوجود العصمۃ (عصمت کے پائے جانے کی وجہ سے۔ ت) اور مسلم غیر مہاجر سے حلال لانعدام العصمۃ (عصمت کے معدوم ہونے کی وجہ سے۔ ت) درمختار میں ہے:

وحکم من اسلم فی دارالحرب ولم یہاجر کحربی فللمسلم الربو معہ خلافا لہما لان مالہ غیر معصوم فلو ھاجر الینا ثم عاد الیھم فلاربا اتفاقا[1] جوھرۃ۔

جو شخص دارالحرب میں اسلام لایا اور ہجرت نہ کی اس کا حکم حربی والا ہے یعنی مسلمان اس سے سود لے سکتا ہے بخلاف صاحبین کے کیونکہ اس کا مال معصوم نہیں، اگر وہ ہجرت کرکے ہماری طرف یعنی دارالاسلام میں آگیا پھر ان کی طرف یعنی دارالحرب میں لَوٹ گیا تو اب بالاتفاق سود نہیں (یعنی سُود جائز نہیں) جوہرہ (ت)

توہر زمین وبقعہ بالیقین محل جریان احکام الٰہیہ جل وعلا ہے ہاں احکام قضا دارالحرب بلکہ دار البغی میں بھی بسبب انقطاع ولایت نافذ نہیں ان کے عدم سے حلت وحرمت فی نفسہا مختلف نہیں ہوسکتی، ولہذا علماء نے جہاں حکم قضاء کی نفی فرمائی اس کے ساتھ ہی حکم دیانت کا اثبات فرمایا،

فی الدر ادانہ حربی او بعکسہ او غصب احدھما صاحبہ وخرجا الینا لم نقض لاحد بشیئ ویفتی المسلم برد المغصوب دیانۃ لاقضاء لانہ غدر وکذا الحکم فی حربیین فعلا ذلک ثم استامنا لما بینا[2] اھ ملخصا۔

درمختار میں ہے: حربی نے مستامن کو مدیون کیا یا اس کے برعکس یعنی مسلمان مستامن نے حربی کو مدیون کیا یا ان میں سے ایک نے دوسرے کا مال غصب کیا اور دونوں ہماری طرف یعنی دارالاسلام میں نکل آئے تو ہم ان میں سے کسی کیلئے کسی شے کا حکم نہیں کرینگے اور مسلمان کو ردِ مغصوب کا فتوٰی دیا جائیگا دیانت کے اعتبار سے نہ کہ قضاء کے اعتبار سے، کیونکہ دین کی عدم ادائیگی دھوکہ ہے، اور یہی حکم ان دو حربیوں کا ہے جنھوں نے فعل مذکور کیا پھر (دارالاسلام میں داخل ہوکر) مستامن ہوگئے اسی دلیل کی وجہ سے جس کو ہم نے بیان کیا اھ تلخیص (ت)

تبیین الحقائق میں ہے:

لان القضاء یستدعی الولایۃ ویعتمدھا

کیونکہ قضاء ولایت کا تقاضا کرتی ہے اور اس پر

---

[1] درمختار باب الربا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۳

[2] ؍؍ باب المستامن ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۱/ ۳۴۶

ولاولایة وقت الادانة اصلا اذ لاقدرة للقاضی فیه علی من ھو فی دار الحرب[1] الخ۔

اعتماد کرتی ہے جبکہ ادانت (مدیون بنانے) وقت کی ولایت تو یہاں بالکل نہیں کیونکہ اس میں قاضی کو اس شخص پر قدرت نہیں جو دارالحرب میں ہے الخ (ت)

پس ثابت ہوا کہ کوئی حرام بوجہ انتفائے شرف دار حلال نہیں ہوسکتا تو دار الحرب میں کسی شے کی حلت فی نفسہ اس کی حلت ہے کہ باختلاف دار مختلف نہ ہوگی۔ رہا وہاں امور مذکورہ کا حلال ہونا وہ ہرگز اس بناء پر نہیں کہ یہ محرمات وہاں حلال ہیں بلکہ وجہ یہ کہ ان محرمات کی حقیقت عصمت ومحظوریت پر مبنی کما نص علیہ فی المبسوط کما تقدم (جیسا کہ اس پر مبسوط میں نص کی گئی ہے جیسے گزر چکا ہے۔ت) اور وہ وہاں معدوم تو حقیقۃً ان کی حقیقت ہی ان صورتوں میں منتفی اگرچہ مجرد صورت واسم باقی ہو اور حکم حقیقت پر ہے نہ کہ اسم وصورت پر کما لایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) اور اگر یہ مقصود کہ امور مذکورہ اگرچہ حقیقۃً محرمات نہیں مگر دار الاسلام میں بوجہ شرف دار ان کا صرف نام وصورت ہی حرام، تاہم بالیقین باطل کہ بداہۃً مدار احکام حقائق ہیں نہ کہ اسم بے مسمی، ورنہ معاملہ مولٰی وعبد وشرکاء مفاوضہ وشرکاء عنان کہ اسم مجرد وہاں بھی موجود، ہرگز جائز نہ ہوتا، نہ مسئلہ ظفر بالحق میں اخذ بالجبر و اخذ خفیۃً کی اجازت ہوتی کہ صورت غصب وسرقہ یقیناً ہے گو حقیقت بوجہ عدم محظوریت منتفی صورت سرقہ کا جواز تو عبارات سابقہ میں گزرا اور صورت غصب کی حلت یہ ہے:

قال فی الدر وحیلة الجواز ان یعطی مدیونه الفقیر زکاته ثم یاخذھا عن دینه ولو امتنع المدیون مدیدہ واخذھا لکونه ظفر بجنس حقه[2]

در میں کہا جواز کا حیلہ یہ ہے کہ دائن اپنے فقیر مدیون کو اپنی زکوٰۃ دے پھر دین کے عوض اس سے وہی دی ہوئی زکوٰۃ لے لے اگر مدیون رکاوٹ ڈالے تو اس کا ہاتھ پکڑے اور جبراً لے لے کیونکہ یہ اپنے حق کی جنس وصول کرنے پر کامیابی ہے۔ (ت)

وبالجملہ یہ دونوں مقدمے کہ دار الحرب حرام کو حلال نہیں کرتی اور دار الاسلام کسی ایسے اسم بے مسمی کو حرام نہیں فرماتی، تصریحات بے شمار سے واضح آشکار، تو مانحن فیہ میں تفرقہ بین دار و دار کی طرف کوئی سبیل نہیں۔ یونہی صورت غصب وسرقہ و نام عقد فاسد سے فرق ناممکن کہ اگر مجرد العلم وصورت محرم ہو تو غصب و سرقہ کیوں محرم نہ ہوئے اور نہ ہو تو نام عقد فاسد کیوں حرام کرنے لگا بلکہ غصب و سرقہ تو عقد فاسد سے اشد و اخبث ہیں کہ یہ بعد

---

[1] تبیین الحقائق باب المستامن المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۳/ ۲۶۶

[2] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۰

قبض مفید ملک ہوجاتے ہیں اگرچہ بروجہ خبیث، اور وہ اصلاً مورثِ ملک نہیں، ھذا ما عندی والعلم بالحق عند ربی (یہ وہ ہے جو میرے پاس ہے اور حق کا علم میرے پروردگار کے پاس ہے۔ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۳۱ ازشہر کہنہ ۲۹ ربیع الاول شریف ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے کچھ روپے بکر سے مدتِ معینہ پر قرض لئے اور وقت روپیہ لینے کے کچھ ذکر سُود وغیرہ کا نہ ہوا بلکہ زید نے صاف کہہ دیا کہ بلاسودی لیتا ہوں اور وقت دینے روپے کے کچھ اور روپے بدلے اس کے احسان کے زیادہ کر دیئے، تو یہ روپے جو زیادہ دیئے یہ سُود میں داخل ہیں یا طریقہ سنّت کا ہے یا مستحب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جبکہ زیادہ دینا نہ لفظاً موعود نہ عادۃً معہود، تو معنی ربا یقیناً مفقود خصوصاً جبکہ خود لفظوں میں نفی ربا کا ذکر موجود، بلکہ یہ صرف ایک نوعِ احسان وکرم ومروّت ہے اور بیشک مستحب وثابت بہ سنّت لحدیث صحیح البخاری وصحیح مسلم عن جابر بن عبد اللہ الانصاری رضی اللہ تعالٰی عنہما قال اتیت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وکان لی علیہ دین فقضانی وزادنی (ملخصا) ولحدیثھما عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال کان لرجل علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سن من الابل فجاءہ یتقاضاہ فقال اعطوہ فطلبوا سنہ فلم یجدوا لہ الا سنا فوقھا

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث کی وجہ سے کہ سیدنا حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا میرا آپ پر کچھ قرض تھا آپ نے وہ ادا فرمادیا اور کچھ زیادہ بھی مجھے عنایت فرمایا۔ اور ان دونوں کی اس حدیث کی وجہ سے کہ سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے انھوں نے فرمایا کہ ایک شخص کا نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر ایک عمر کا اونٹ قرض تھا وہ شخص خدمتِ اقدس میں آیا اور قرض کا تقاضا کرنے لگا، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا کہ اس کو اونٹ دے دو،

۱؎ صحیح البخاری کتاب الاستقراض باب حسن القضاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۲

فقال اعطوه فقال اوفیتنی اوفاك الله فقال النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم ان خیارکم احسنکم قضاءً[1] ولحدیث قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم لوزان زن وارجح[2] رواہ احمد والاربعة وابن حبان والحاکم عن سوید بن قیس العبدی رضی الله تعالٰی عنه قال الترمذی حسن صحیح وقال الحاکم صحیح وھذا الوزان فی مکة ورواہ الطبرانی فی الاوسط[3] وابویعلی فی المسند وابن عساکر عن ابی ھریرة رضی الله تعالٰی عنه وھذا الوزان فی المدینة۔

تلاش کرنے پر اس کے اونٹ جیسا اونٹ نہ ملا مگر اس سے بہتر عمر کا اونٹ ملا، تو آپ نے فرمایا کہ یہی اونٹ اس شخص کو دے دو۔ اس شخص نے کہا آپ نے مجھے بھرپور عطا فرمایا ہے اللہ تعالٰی آپ کو بھرپور عطا فرمائے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا، تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرض کی ادائیگی میں تم سے بہتر ہے۔ اور اس حدیث کی وجہ سے جس میں نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے وزن کرنیوالے سے فرمایا کہ وزن کر اور ترازو کو جھکا (یعنی قدرے زیادہ دے) اس کو امام احمد، سنن اربعہ، ابن حبان اور حاکم نے سوید بن قیس عبدی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا، امام ترمذی نے کہا یہ حسن صحیح ہے۔ امام حاکم نے کہا یہ صحیح ہے اور یہ وزن کرنے والا مکہ مکرمہ میں تھا، اور اس کو طبرانی نے معجم اوسط میں، ابویعلٰی نے مسند میں اور ابن عساکر نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور یہ وزن کرنے والا مدینہ منورہ میں تھا۔ (ت)

مگر محل اس کا وہاں ہے کہ یا تو وہ زیادت قابلِ تقسیم نہ ہو مثلاً ساڑھے نو روپے آتے تھے دس پورے دیئے کہ اب بقدر نصف روپے کی زیادتی ہے اور ایک روپیہ دوپارہ کرنے کے لائق نہیں یا قابلِ تقسیم ہو تو جدا کرکے دے، مثلاً دس آتے تھے وہ دے کر ایک روپیہ احساناً الگ دیا ان صورتوں میں وہ زیادتی بکر کے لئے حلال ہوجائے گی اور اگر قابلِ تقسیم تھی اور یوں ہی مخلوط ومشاع دی مثلاً دس آتے تھے گیارہ یکمشت دیئے دس آتے ہیں اور ایک احساناً تو نہ ہبہ صحیح ہوگا نہ بکر اس زیادت کا مالک۔ عالمگیری میں ہے:

رجل دفع الی رجل تسعة دراھم وقال | ایک مرد نے دوسرے کو نو درہم دیئے اور کہا

---

[1] صحیح البخاری کتاب الاستقراض باب حسن القضاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۲۲

[2] مسند امام احمد بن حنبل حدیث سوید بن قیس رضی اللہ عنہ دارالفکر بیروت ۴/۳۵۲
جامع الترمذی ابواب البیوع ۱/۱۵۶ والمستدرک کتاب البیوع ۲/۳۰

[3] المعجم الاوسط حدیث ۶۵۹۰ المکتبۃ المعارف الریاض ۷/۳۰۷

ثلثة قضاء من حقك و ثلثة هبة لك وثلثة صدقة فضاع الکل یضمن ثلثة الھبة لانھا ھبة فاسدة ولا یضمن ثلثة الصدقة لان صدقة المشاع جائزة الا فی روایة کذا فی محیط السرخسی[1]، واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

تین تیرے حق کی ادائیگی ہیں تین تیرے لئے ہبہ اور تین صدقہ ہیں، پھر سب ضائع ہوگئے تو ہبہ کے تین درہموں کا وہ ضامن ہوگا کیونکہ یہ فاسد ہبہ ہے اور صدقہ کے تین درہموں کا ضامن نہیں ہوگا کیونکہ صدقہ مشاع جائز ہے سوائے ایک روایت کے، محیط سرخسی میں یونہی ہے۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۲ تا ۱۴۴ از موضع دیورنیاں

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) سُود دینا مسلمان کو درست ہے یا نہیں؟

(۲) ہنود سے سود لینا درست ہے یا نہیں؟

(۳) دستاویز میں سود تحریر کرانا اگرچہ اس کے لئے نیت نہ ہو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

(۱) ہرگز درست نہیں مگر جب کوئی خاص ضرورت شدیدہ ہو جسے شرع بھی ضرورت مانے اور بغیر سُود دیئے چارہ نہ ہو۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم

(۲) ہندو مسلمان کسی سے درست نہیں۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم

(۳) نادرست کہ جھوٹی تہمت گناہ اپنے اوپر لگانی ہے۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۵ از شہر کہنہ ۲۹ جمادی الاولٰی ۱۳۱۴ھ

ایک موضع کے اسامیان کو کچھ غلّہ بغرض تخم ریزی کے دیا گیا اور اس غلہ کا بہ نرخ بازار روپیہ اسامی کے ذمہ قائم کر دیا گیا مگر اس وقت میں اسامی سے یہ امر طے نہ کیا گیا کہ کس نرخ سے بحساب فی روپیہ غلّہ جو آئندہ پیدا ہوگا وہ اس اسامی سے لیا جائیگا، فصل پر وُہ غلّہ یعنی ساٹھی سترہ سیر کی فروخت ہوئی اور اب تیرہ سیر کی فروخت ہوتی ہے اور اسامی سے فصل پر بحساب ۲۵ سیر فی روپیہ ساٹھی لی گئی، آیا یہ کارروائی جائز ہوئی یا ناجائز؟ اگر ناجائز ہے تو کیا طریقہ برتا جائے اور کس نرخ

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الہبۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۳۷۹

سے غلہ لیا جائے کہ وُہ جائز ہو؟ بیّنوا توجروا

الجواب

اگر اس وقت کوئی ناجائز عقد نہ ہُوا تھا نہ بعد کو کسی جبر و تعدی سے آسامی نے دیا بلکہ بخوشی سترہ سیر کے حساب سے غلہ ان روپوں کا دے دیا تو لینا جائز ہے ورنہ حرام۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۴۶: ۸ رمضان المعظم ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو روپیہ کفار کے خزانہ میں جمع کیا جائے اس کا سود لینا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب

سود لینا قطعاً حرام ہے، اللہ عزوجل نے مطلقاً فرمایا:

واحل اللہ البیع وحرم الربٰو[1] اللہ نے حلال کی بیع اور حرام کیا سود۔

اس میں رب العزت جل جلالہ نے کوئی تخصیص نہ فرمائی کہ فلاں سے سود لینا حرام اور فلاں سے حلال ہے بلکہ مطلقاً حرام فرمایا اور وہ مطلقاً ہی حرام ہے کافر سے ہو خواہ مسلم سے۔ ہاں اپنا کسی پر آتا ہُوا یا اور کوئی مال جائز شرعی کسی حیلہ شرعیہ سے حاصل کرنا دوسری بات ہے والتفصیل فی فتاوٰنا (اور تفصیل ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ت) واللہ سبحٰنہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۷: از مارہرہ مطہرہ ضلع ایٹہ مرسلہ حضرت سید ارتضا حسین صاحب ۱۴ رجب ۱۳۱۶ھ

بنک سے سُود لینا جائز یا ناجائز؟ زیادہ نیاز

الجواب

سُود لینا مطلقاً حرام ہے، قال اللہ تعالٰی وحرم الربٰو[2] (اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اور اللہ تعالٰی نے سُود کو حرام کیا۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۸: ۸ جمادی الاولٰی ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عہ روپے کا مال اپنے روپیہ سے عمرو کو دلوا دیا اور کہا کہ میں تم سے لعہ رُوں گا اس میں نفع جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

---

[1] و [2] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

الجواب

نرا سُود اور حرام ہے، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۹ از اوجین مرسلہ حاجی محمد یعقوب علی خاں صاحب ۲۴ شعبان ۱۳۱۵ھ

جب جنس وقدر دونوں پائے جائیں تو امام اعظم کے نزدیک نسیہ وفضل دونوں حرام ہیں تو اگر کوئی ایک من گیہوں ایک من گیہوں سے دست بدست بیچے تو اس تجارت میں بائع ومشتری کو کیا فائدہ ہُوا اور اس سے یہ بھی پایا گیا کہ کسی کو گیہوں یا جَو یا جوار یا چنا وغیرہ کی ضرورت پڑی اور اس نے اس سے کہا کہ مجھ کو ایک من گیہوں وغیرہ بطریق ادھار دے دے میں تجھ کو چند روز میں دے دوں گا تو یہ بھی سُود میں داخل ہوگیا اور یہ ضرورت ہر کس وناکس کو پیش آتی ہے اس مسئلہ میں جو حکم تحقیق ہو بیان فرمائیں۔ بیّنوا توجروا

الجواب

قرض تو ایک دوسرا عقد ہے بیع کے سوا جسے شرع مطہر نے حاجات ناس کے لئے جائز فرمایا غلہ کیا بڑا قرض تو روپے کا ہوتا ہے روپیہ خود اموال ربویہ سے ہے کہ روپے کے عوض روپیہ یا چاندی ہو تو قدر وجنس دونوں موجود اور فضل ونسیہ دونوں حرام مگر روپیہ قرض لینا جائز ہی ہے اور خود غلہ قرض لینا صحیح حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت ہے اور رب العزت جل وعلا فرماتا ہے:

یایھا الذین اٰمنوا اذا تداینتم بدین الی اجل مسمی فاکتبوہ[۱] الاٰیۃ۔
اے ایمان والو! جب تم ایک مقررہ مدت تک کسی دَین کا لین دین کرو تو اس کو لکھ لیا کرو۔ (ت)

اور اموال ربویہ میں شرع مطہر نے وصف کا اعتبار ساقط فرمایا ہے ولہذا ان کا جید و ردی یکساں ہے اور اختلافِ اوصاف اختلافِ اغراض وحاجات ناس کا باعث ہوسکتا ہے مثلاً ایک قسم کی چیز زید کو مطلوب ہے اس کے پاس اس قسم کی نہیں دوسری قسم کی ہے اور اس قسم کی شے عمرو کے پاس ہے اُسے اس قسم کی مطلوب ہے جو زید کے پاس ہے تو باہم دست بدست یکساں برابر مبادلہ کرکے ہر ایک اپنے مطلوب کو پہنچ سکتا ہے معہذا یہ صورت بھی ہے کہ مثلاً زید کے منہ سے قسم نکل گئی کہ یہ گیہوں جو اپنے پاس ہیں نہ کھائے گا اب اگر وہ ان گیہوں کو عمرو کے گندم سے دست بدست برابر بدل لے

---

[۱] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۲

توقسم بھی پوری ہوگی اور کوئی حرج بھی لازم نہ آئے گا۔ علاوہ بریں شرع نے دست بدست برابر بیع کرنا واجب تو نہ کیا یہ فرمایا ہے کہ اگر ان چیزوں کی باہم بیع کرنی ہو تو یوں کرو جسے نہ کرنی ہو نہ کرے کوئی شرعی ایجاب تو نہیں۔ واللہ سبحٰنہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵۰ از لاہور مسجد بیگم شاہی مرسلہ مولوی احمد الدین صاحب یکم ذی القعدہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارہ میں کہ اس ملک میں اہل ہنود سے بیاج لینا جائز ہے یا نہیں؟ بعض کہتے ہیں کہ نصارٰی سے بوجہ اہل کتاب ہونے کے بیاج لینا نادرست ہے، ایسے خیال والوں کے پیچھے نماز پڑھنی درست ہے یا نہیں؟

الجواب

سود مطلقاً حرام ہے،

قال اللہ تعالٰی وحرم الربوٰا[1]

اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور اللہ تعالٰی نے سود کو حرام کیا۔ (ت)

ہاں جو مال غیر مسلم سے کہ نہ ذمی ہو نہ مستامن بغیر اپنی طرف سے کسی عذر اور بدعہدی کے ملے اگرچہ عقود فاسدہ کے نام سے اسے اسی نیت سے نہ نیت ربا وغیرہ محرمات سے لینا جائز ہے اگرچہ وہ دینے والا کچھ کہے یا سمجھے کہ اس کے لئے اس کی نیت بہتر ہے نہ کہ دوسرے کی، لکل امرئ ما نوی[2] (ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔ ت) پھر بھی جس طرح بُرے کام سے بچنا ضرور ہے بُرے نام سے بچنا بھی مناسب ہے ایاك و بالسوء الظن (بدگمانی سے بچ۔ ت) ان تمام احکام میں مشرک و مجوسی و کتابی سب برابر ہیں جبکہ نہ ذمی و مستامن ہوں نہ عذر کیا جائے بلکہ یہی شرط کافی ہے کہ ان دونوں کو بھی حاوی ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۱ از قصبہ حسن پور ضلع مراد آباد مرسلہ محمد شیر علی خاں مورخہ ۷ ذوالحجہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین بدیں امر کہ ہر دو فریق کہ باہمی رضامندی پر سود (بیاج) کہاں تک جائز ہے یا نہیں، اور اگر نہیں تو کس صورت میں اور کیوں؟ مفصل تحریر فرمائیے۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[2] صحیح البخاری کتاب الایمان باب ما جاء ان الاعمال بالنیۃ والحسبۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳

الجواب

اگر باہمی رضامندی سے سُود جائز ہو سکے گا تو زنا بھی جائز ہو سکے گا اور سُور بھی جائز ہو سکے گا جبکہ سور کا مالک اس کے کھانے پر راضی ہو، اللہ و رسول کے غضب میں کسی کی رضامندی کو کیا دخل، صحیح حدیث میں فرمایا کہ سُود کھانا تہتر بار اپنی ماں سے زنا کرنے سے زیادہ سخت ہے۔ کیا باہمی رضامندی سے ماں کے ساتھ ۷۳ بار زنا جائز ہو سکتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۵۲ از شہر بانسمنڈی مسئولہ محمد صدیق بیگ صاحب ۲۵ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سود کیا چیز ہے اور کس کس صورت میں سود ہو جاتا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

وُہ زیادت کہ عوض سے خالی ہو اور معاہدہ میں اس کا استحقاق قرار پایا ہو سود ہے مثلاً سَو روپے قرض دئے اور یہ ٹھہرا لیا کہ پیسہ اُوپر سَو لے گا تو یہ پیسہ عوض شرعی سے خالی ہے لہذا سود حرام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۵۳ از مدرسہ منظر الاسلام بریلی مسئولہ اختر حسین طالبعلم ۵ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی پنواڑی یا سرمہ فروش کو دس یا پانچ روپے کوئی شخص دے اور اس سے کہے کہ جب تک میرا روپیہ تمہارے ذمّہ رہے مجھے پان بقدر خرچ روزانہ کے دیا کرو اور جب روپیہ واپس کر دو گے تو مت دینا یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ اور نہیں تو جواز کی کون سی صورت ہے؟

الجواب

یہ صورت خاص سُود اور حرام ہے، سود کے جواز کی کوئی شکل نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵۴ تا ۱۵۵ از بریلی بازار مسئولہ عزیز الدین خاں سوداگر ۲۷ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسئلوں میں کہ:

(۱) ایک مسلمان اور ایک ہندو کو دس روپیہ کا نوٹ دیا آیا ہندو مسلمان دونوں سے اس کا نفع جو قرار پایا ہے لیا جائیگا یا نہیں؟

(۲) ہندو سے نقد قرض سودی لینا مسلمان کو جائز ہے یا نہیں؟ یا کچھ زیور رکھ کر روپیہ سودی لینا مسلمان کو ہندو سے جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

(۱) دس کا نوٹ اگر زیادہ کو بیچا تو ہندو مسلمان دونوں سے لینا جائز اور اگر قرض دیا اور زیادہ لینا قرار پایا تو مسلمان سے حرام قطعی اور ہندو سے جائز جبکہ اسے سُود سمجھ کر نہ لے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) سُود جس طرح لینا حرام ہے یونہی دینا بھی حرام جب تک سچی حقیقی مجبوری نہ ہو، زیور اگر اپنا ہے تو اسے رہن رکھ کر سودی روپیہ نکلوانا حرام کہ یہ مجبوری نہ ہوئی، زیور بیچ کیوں نہیں ڈالتا، اور اگر دوسرے سے رہن رکھنے کے لئے مانگ کر لیا ہے اور پاس کوئی ایسی چیز نہیں جسے بیچ کر کام نکال سکے اور قرض لینے کی سچی ضرورت و مجبوری ہے تو جائز ہے۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۵۶ از شہر بریلی مرسلہ شوکت علی صاحب ۵ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا حکم ہے اہلِ شریعت کا اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر سے دس روپیہ اس شرط پر مانگے کہ میں فصل پر گندم ۱۵ مار دوں گا اور خالد نے بکر سے دس روپیہ اس شرط پر مانگے کہ جو نرخ بازار فصل پر ہوگا اس نرخ سے دس روپیہ کے گندم دوں گا، بکر نے کہا کہ میرے پاس اس وقت روپیہ نہیں ہے تم دونوں شخص دس دس روپیہ کے گندم جو اس وقت ۱۰ مار کا نرخ لے جاؤ۔ دونوں شخص رضامندی سے گندم حسب شرائط بالا کے گے اور فروخت کر کے دس دس روپے اپنے صرف میں لائے، اب زید کو فصل پر فی روپیہ ۱۵ مار گندم حسبِ وعدہ اور خالد کو فی روپیہ ۱۲ مار گندم نرخ بازار دیتے ہوئے یہ بیع جائز ہوئی یا نہیں؟ اور اگر بکر خالد کو روپیہ حسب شرائط بالا یعنی جو فصل پر نرخ ہوگا دوں گا دیتا تو جائز ہوتا یا نہیں؟

الجواب

یہ صورت حرام قطعی اور خالص سُود ہے، ڈھائی من گیہوں جو اس نے دیئے ان سے زیادہ لینا حرام حرام۔ اور اگر روپیہ دیتا تو اس میں دو صورتیں تھیں، روپیہ قرض دیتا اور یہ شرط ٹھہرالیتا کہ ادا کے وقت گیہوں دیں تو یہ شرط باطل تھی، زید و خالد پر صرف اتنا روپیہ ادا کرنا تھا اور اگر گیہوں کی خریداری کرتا اور روپیہ پیشگی دیتا تو یہ صورت بیع سلم کی تھی اگر اس کے شرائط پائے جاتے جائز ہوتی ورنہ حرام۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۵۷ از شاہجہان پور محلہ خلیل مرسلہ حاجی محمد اعزاز حسین خاں صاحب ۱۶ ربیع الاول ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اشتہار دیا ہے کہ میں ایک روپیہ میں تیس روپیہ کی گھڑی دیتا ہوں لیکن اس شرط سے کہ جو شخص میرا ٹکٹ ایک روپیہ کو خریدے اس کے نام پانچ ٹکٹ میں بھیجوں گا جب وہ پانچ ٹکٹ پانچ روپیہ کو فروخت کر کے وہ پانچ روپیہ مع ان کے پانچ خریداروں کے

ناموں کے میرے پاس بھیج دے پھر میں ان پانچوں خریداروں کے پاس پانچ پانچ ٹکٹ بھیجوں گا جبکہ ان میں سے ہر ایک شخص اپنے اپنے ٹکٹ فروخت کرکے مبلغ پچیس روپیہ میرے پاس بھیج دیں گے تو میں تیس روپیہ کی گھڑی اس مقدم الذکر شخص کے پاس بھیج دوں گا اور پھر وہ شخص اشتہار دینے والا ان پچھلے پچیس خریداروں میں سے ہر ایک کے نام پانچ پانچ ٹکٹ بھیج دے گا جبکہ یہ اپنے اپنے ٹکٹ فروخت کرکے روپیہ اس کے پاس بھیج دیں گے جب وہ ان پانچ شخصوں کے پاس تیس تیس روپیہ کی گھڑی بھیجے گا جنھوں نے مقدم الذکر شخص سے ٹکٹ خریدے تھے غرضکہ اسی سلسلہ میں جبکہ اس کے پاس تیس روپیہ پہنچ جائیں گے تو وہ حسب ترتیب ایک شخص کو گھڑی بھیجتا رہے گا، تو ہر شخص کو گھڑی ایک روپیہ میں ملے گی مگر بایں شرط کہ اس کے ذریعہ سے تیس روپیہ کے ٹکٹ اس شخص کے فروخت ہوجائیں اور وہ ٹکٹ دراصل بطور ایک سند و وثیقہ خریداری کے ہیں کیونکہ اس ٹکٹ پر لفظ کوپن اس نے لکھا ہے جس کا ترجمہ سودی اقرارنامہ لکھا ہے جس سے ظاہر ہے کہ یہ ٹکٹ مبیعہ نہیں بلکہ اقرارنامہ ہے اس بات کا کہ بعوض ایک روپیہ تیس روپیہ کی شے اشیاء مبیعہ سے جس کی وہ خریدار درخواست کرے بلحاظ شرائط مذکورہ ومندرجہ اشتہار ملے گی پس اس معاملہ مذکورہ سے کسی شے کا لینا شرعًا جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو یہ عقد عقد بیع ہے یا کیا؟ اور اگر بیع ہے تو اس میں کوئی دوسرا عقد مثل توکیل و دلالی و اخذ اجرت وغیرہ مندرج ہے یا نہیں، اور ثمن وہ ایک روپیہ ہے یا مع اس زیادتی مذکورہ کے، اگر مع زیادتی ہے تو یہ بیع بطریق بیع چھٹی مروجہ ممنوعہ شرعیہ کے معنی میں ہوگی گو ایک لخت سب چھٹی نہ ہوں متفرقًا متفرقًا ہوں یا اس معنی میں نہیں پھر یہ بیع باندراج شرائط مذکورۂ بالا جائز ہوگی یا نہیں بحوالہ شرعیہ دلائل معتبرہ جواب مرحمت فرمایا جائے اور نقل اشتہار بغرض ملاحظہ ہمرشتہ سوال ہذا ہے بیّنوا لله توجروا عند الله۔

نقل اشتہار بغرض ملاحظہ ذیل میں تحریر کی جاتی ہے: قیمتی تیس روپیہ صرف ایک روپیہ کو لندن واچ کمپنی کمرشیل بلڈنگ لکھنؤ سونے چاندی یا دھات کی جیبی گھڑیاں کلاک اور زیور وغیرہ، تم کو یہ سند ملے گی جس کے واسطے تم نے صرف ایک روپیہ خرچ کیا ہے اور ان ٹکٹوں کو جو کہ ان میں شامل ہیں ایمان کے ساتھ فی ٹکٹ ایک روپیہ فروخت کروا اپنے دوستوں اور ملاقاتیوں میں ان میں سے ٹکٹ فروخت کرو جس قدر کہ تم سے ہوسکے اور پھر جب تم اس سند کو مع اس روپیہ کے جو تم نے فروخت کرکے وصول کیا ہے ہمارے پاس بھیجو گے ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہم تم کو ایک چیز ان چیزوں میں سے جو کہ اوپر بیان کی گئیں جس کے تم مستحق ہوگے (ہماری فہرست نمونہ کی دیکھ لو) جبکہ شرائط مفصلہ ذیل پوری ہوں گی ہم بھیجیں گے، شرط اول تم ہمارے پاس نام اور پتہ صاف قلم سے ان شخصوں کے جس کے ہاتھ تم نے ٹکٹ

فروخت کئے ہیں بھیجو گے۔ شرط دوسری ان میں سے ہر ایک شخص سے ہم بذریعہ تحریر کے دریافت کریں گے اپنے اطمینان کے واسطے کہ آیا تم نے ان شخصوں کے ہاتھ فروخت کیا ہے یا نہیں۔ تیسری شرط وہ شخص ہمارے پاس اپنی سند مع اس روپیہ کے جو کہ انھوں نے اپنے ٹکٹ فروخت کرکے وصول کیا ہے ہمارے پاس بھیجیں گے، اگر تم یا تمھارے دوست پانچوں ٹکٹ نہ فروخت کرسکیں تاہم تم ہماری ایک چیز کے عمدہ چیزوں میں سے مستحق ہو گے اگرچہ چار یا تین یا دو یا صرف ایک ہی ٹکٹ بموجب شرائط بالا کے فروخت ہوا ہو خوب غور کرلو کہ تم صرف ایک روپیہ اپنی جیب سے خرچ کرکے اس کے عوض میں بموجب شرائط بالا کے اپنے آپ کو مستحق کرتے ہو خالص سونے کی جیبی گھڑی کا یا کلاک کا جس کی قیمت تیس روپیہ ہو گی ہم تمھارے ساتھ ایمانداری سے کام کرتے ہیں اور ہم کو یقین ہے کہ تم بھی ہمارے ساتھ ایمانداری کرو گے ہم تم پر اعتبار کرتے ہیں ہمارے مال میں سے جس چیز کو جی چاہے بموجب نمونہ کی فہرست کے ہندوستان، برما، سیلون میں جانچ کراکے اطمینان کرالو۔

ترجمہ اس ٹکٹ کا جو ایک روپیہ کو فروخت ہوتا ہے، تیس روپیہ کی قیمت کا مال صرف ایک روپیہ کو خریدنے والے کو اس ٹکٹ کے ایک سند مع پانچ ٹکٹوں کے ملے گی جن کو کہ فی ٹکٹ اس کو ایک روپیہ میں فروخت کرنا چاہئے بعدہٗ ہمارے پاس اس کی قیمت یعنی پانچ روپیہ وصول شدہ بذریعہ منی آرڈر یا چیک کے بھیجنا چاہئے اور تقسیم کرنا چاہئے جیسا کہ سند پر لکھا ہے ٹکٹ کے لفظ کو کوپن لکھا ہے جس کا ترجمہ ڈکشنری میں سودی اقرارنامہ لکھا ہے، فقط۔

الجواب

معاملہ مذکورہ محض حرام وقمار، ہزاراں ہزار محرمات بے شمار کا تودہ وانبار، بلکہ حراموں کا سلسلہ ناپیداکنار، طرفہ اختراع ابلیس مکار ہے،

قال اللہ تعالٰی وکذٰلک جعلنا لکل نبی عدوا شیٰطین الانس والجن یوحی بعضھم الٰی بعض زخرف القول غرورا ولوشاء ربک ما فعلوہ فذرھم ومایفترون ۝ ولتصغٰی الیہ افئدۃ الذین لایؤمنون بالاٰخرۃ

اللہ تعالٰی نے فرمایا، اسی طرح ہم نے ہر نبی کیلئے کچھ دشمن بنائے شیطان آدمی اور جن کہ ایک دوسرے کے دل میں جھوٹی بات طمع کی ہوئی ڈالتے ہیں ایک تو فریب دینے کو (اور تیرا رب چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے تو تو چھوڑ دے انھیں اور ان کے باندھنے جھوٹ کو) دوسرے اس لئے کر جھک آئیں اس باطل کی طرف ان کے دل

ولیرضوہ ولیقترفوا ما ھم مقترفون[1] | جنھیں آخرت پر ایمان نہیں اور اسے پسند کریں اور اس کے ذریعہ سے کمالیں جو انھیں کمانا ہے۔

آخرت میں وبال وعذاب اور دنیا میں، مثلاً صورتِ مسئولہ میں کوئی روپے اور کوئی گھڑی یا گہنا وغیرہ اور کوئی خسرالدنیا والاخرۃ[2] (دنیا و آخرت میں اس نے گھاٹا پایا۔ ت) کہ روپیہ گیا اور کچھ نہ ملا،

قل أاللہ اذن لکم ام علی اللہ تفترون[3] | اے نبی! تُو ان لوگوں سے فرما کیا اللہ نے تمھیں اس کی پروانگی دی ہے یا خدا پر بہتان اٹھاتے ہو۔

یعنی پروانگی تو ہے نہیں ضرور افتراء ہی ہے،

ام لھم شرکاء شرعوا لھم من الدین مالم یأذن بہ اللہ[4] | کیا ان کے لئے کچھ ساختہ خدا ہیں جنھوں نے ان کو وہ دین گھڑ دیا جس کی اجازت اللہ نے نہ دی۔

اللہ عزوجل مسلمانوں کو شیطان کے فریب سے بچائے، آمین! اس اجمال کی تفصیل مجمل یہ کہ حقیقت دیکھئے تو معاملہ مذکورہ بغرض مقاصد ٹکٹ فروش و ٹکٹ خراں ہرگز بیع وشراء وغیرہ کوئی عقد شرعی نہیں بلکہ صرف طمع کے جال میں لوگوں کو پھانسنا اور ایک امید موہوم پر پانسا ڈالنا ہے اور یہی قمار ہے، پر ظاہر کہ اس طمع دلائی ہوئی گھڑی یا گہنے وغیرہ کی خرید و فروخت کا تو اصلاً نہ ذکر نہ اس شئ کی جنس ہی متعین، بلکہ تاجر کہتا ہے جب ایسا ہوگا تو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تم کو ایک چیز ان چیزوں سے بھیجیں گے، یہ وعدہ ہے اور بیع عقد، اور وعدہ و عقد میں زمین و آسمان کا بُعد۔ اب رہی سند اور ٹکٹ، سند تو خود مع قیمت واپس مانگتا ہے اور بیع میں مبیع مع قیمت واپس ہونے کے کوئی معنی نہیں، علماء نے صبی لایعقل البیع والشراء (وہ بچہ جو بیع وشراء کی سمجھ نہیں رکھتا۔ ت) کی پہچان لکھی کہ چیز لے کر پیسہ بھی واپس مانگنے لگے فیعلم انہ لایعرف معنی المبادلۃ وما البیع الامبادلۃ (پس معلوم ہوگیا کہ وہ مبادلہ کا معنی نہیں جانتا اور بیع تو ہے ہی مبادلہ۔ ت) ہاں ٹکٹ کی بیع کا نام لیا مگر اس پر وہ عبارت چھاپی جس نے صاف بتادیا کہ یہ مبیع نہیں ایک

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۳-۱۱۲
[2] القرآن الکریم ۲۲/ ۱۱
[3] القرآن الکریم ۱۰/ ۵۹
[4] القرآن الکریم ۴۲/ ۲۱

اقراری سند ہے جس کے ذریعہ سے ایک روپے والا بعد موجود شرائط تیس روپے کا مال تاجر سے لے سکے گا اگر ٹکٹ ہی بکتا تو خریدار کیا ایسے احمق تھے کہ روپیہ دے کر دو انگل کا محض بیکار پرچہ کاغذ مول لیتے جسے کوئی دو کوڑی کو بھی نہ پُوچھے گا، لاجرم بیع وغیرہ سب بالائے طاق ہے بلکہ تاجر تو یہ سمجھا کہ مفت گھر بیٹھے میرے مال کی نکاسی میں جان لڑا کر سعی کرنیوالے ملک بھر میں پھیل جائیں گے اور محض بے وقت مُنہ مانگے دام پے درپے آیا کرینگے نوکر دام لے کر کام کرتے ہیں اور غلام بے دام، مگر یہ ایسے پھنسیں گے کہ آپ دام دیں گے اور میرا کام کرینگے، انسان کسی امر میں دو ہی وجہ سے سعی کرتا ہے خوف یا طمع، یہاں دونوں مجتمع ہوں گے، ایک کے تیس ملنے کی طمع میں جس نے ایک ٹکٹ لے لیا اس پر خواہی نخواہی لازم ہوگا کہ جہاں سے جانے پانچ احمق اور پھانسے چھ تو یہ نقد بلا معاوضہ آئے اب وہ نو گرفتار پانچ ہیں ہر ایک اسی تیس کی طمع اور اپنا روپیہ مفت مارے جانے کے خوف سے اور پانچ پانچ پر ڈورے ڈالے گا یونہی یہ سلسلہ بڑھتا رہے گا اور ملک بھر کے بے عقل میرا مال نکلنے میں بجان ساعی ہو جائیں گے پھر جب تک سلسلہ چلا فبہا گھر بیٹھے بے محنت دُونے ڈیوڑھے چھناچھن آرہے ہیں اور جہاں تھکا تو اپنا کیا گیا، ان ٹکٹ خروں کا گیا جنھوں نے روپے کو ہوا خریدی، ہمیں یوں بھی صد ہا مفت بچ رہے، بہرحال اپنا احمق کہیں نہیں گیا، تاجر کے تو یہ منصوبے تھے ادھر مشتری سمجھا کہ گیا تو ایک اور ملے تو تیس لاؤ قسمت آزمادیکھیں یہاں تک تری تھی اب کہ دو پیہ بھیج چکے مارے جانے کا خوف بھی عارض ہوگیا اور ہر طرح لازم ہُوا کہ اوروں پر جال ڈالیں اپنا روپیہ ہرا ہو دوسرے سُوکھے گھاٹ اتریں تو اتریں، یونہی یہ امید و بیم کا سلسلہ قمار ترقی پکڑے گا، اول کے دو چار کچھ حرام مال کی جیت میں رہیں گے آخر میں بگڑے گا جس جس کا بگڑے گا یہی اکل مال بالباطل ہے جسے قرآن عظیم نے حرام فرمایا کہ:

یاایھا الذین اٰمنوا لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل[1] — اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور پر مت کھاؤ (ت)

یہی غرر و خطر و ضرار و ضرر میں پڑنا اور ڈالنا ہے جس سے صحاح احادیث میں نہی ہے، یہ معاملہ چٹھی سے بدرجہا بدتر ہے وہاں ہر ایک بطور خود اس قمار و گناہ میں پڑتا ہے اور یہاں ہر پہلا اپنے نفع کیلئے دوسرے پانچ کا گلا پھانسے گا تو وہاں صرف خطر تھا یہاں خطر و ضرر و ضرار و غش سب کچھ ہے، اور رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] القرآن الکریم ۴/۲۹

لیس منا من غشنا[1] رواہ مسلم واحمد وابوداؤد وابن ماجۃ والحاکم عن ابی ھریرۃ والطبرانی فی الکبیر عن ضمیرۃ رضی اللہ تعالٰی عنھما۔

جو مسلمانوں کے خلافِ خیرخواہی معاملہ کرے وہ ہمارے گروہ سے نہیں (اس کو امام مسلم، احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ اور امام حاکم نے سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور طبرانی نے معجم کبیر میں سیدنا حضرت ضمیرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔)

ایک حدیث میں ہے:

لیس منا من غش مسلما اوضرہ اوماکرہ[2] رواہ الامام الرافعی عن امیرالمومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجھہ۔

ہم میں سے نہیں جو کسی مسلمان کی بدخواہی کرے یا اسے ضرر پہنچائے (اس کو امام رافعی نے سیدنا امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے روایت کیا ہے۔ت)

احادیث اس باب میں حدِتواتر پر ہیں اور خود ان امور کی حرمت ضروریاتِ دین سے ہے کما لایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) حقیقتِ امر تو یہ تھی اور صورتِ الفاظ پر نظر کیجئے تو ٹکٹ کی خرید وفروخت ہے۔ اول تو اس کے مال ہونے ہی میں کلام ہے کہ وہ جس کی طرف طبائع میل کریں اور وقتِ حاجت کے لئے ذخیرہ رکھا جائے، یہ ٹکٹ دونوں وصف سے خالی ہے، کشف الکبیر و بحرالرائق و ردالمحتار میں ہے:

المراد بالمال مایمیل الیہ الطبع ویمکن ادخارہ لوقت الحاجۃ[3]

مال سے مراد وہ چیز ہے جس کی طرف طبیعتیں میلان کریں اور اس کو حاجت کے وقت کیلئے ذخیرہ کیا جاسکتا ہو۔ (ت)

اس تقدیر پر تو یہ بیع سرے سے محض باطل ہوگی لانہ مبادلۃ مال

---

[1] صحیح مسلم | کتاب الایمان | قدیمی کتب خانہ کراچی | ۱/۷۰
مسند امام احمد بن حنبل | مسند ابوہریرہ رضی اللہ عنہ | دارالفکر بیروت | ۲/۴۱۷
سنن ابوداؤد | کتاب البیوع | آفتاب عالم پریس لاہور | ۲/۱۳۳
[2] کنزالعمال بحوالہ الرافعی عن علی | حدیث ۹۵۰۲ | موسسۃ الرسالہ بیروت | ۴/۶۰
[3] بحرالرائق | کتاب البیوع | ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۵/۲۵۶

بمال[1] کما فی الکنز والملتقی وغیرھما (اس لئے کہ بیع تو ایک مال کے بدلے دوسرا مال لینے کا نام ہے جیساکہ کنز اور ملتقی وغیرہ میں ہے۔ ت) اور بالفرض مال ہو تو متعدد شرائط فاسدہ پر مشتمل ہے، وقد نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن بیع وشرط[2]۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بیع اور شرط سے منع فرمایا۔ (ت)

تو عقد بوجوہ فاسد ہوا اور ہر فساد جداگانہ حرام ہے پھر یہ سلسلۂ غش و فساد وحرام، تو ادھر ٹکٹ خروں میں یکے بعد دیگرے مستمر چلا ادھر ایسے جو جس کی شے ملی اس کی جنس تک معین نہ تھی نہ صرف اس کے عمل پر ملی کہ اس کا کام تو پانچ ٹکٹ بکنے پر منتہی ہوگیا اور اس وعدۂ طمع میں چیز کا مستوجب اس وقت ہوگا کہ پھر وہ بکیں اور پانچ ان کے اور پانچ پانچ ان پانچ کے وصول ہوں، یہ ہرگز اسی اول کا عمل نہیں تو اگر اجارہ ہوتا بوجوہ خود فاسد اور اپنی مشروط بیع کا مفسدہ ہوتا مگر حقیقۃً وہ صرف طمع دہی اور از قبیل رشوت ہے، غرض اس معاملۂ حرام در حرام کے مفاسد بکثرت ہیں اور ان سب سے سخت تر وہ لفظ ہے کہ ہم تمہارے ساتھ ایمانداری سے کام کرتے ہیں' ایسے شدید گناہوں اختراعی راہوں کو ایمانداری کا کام بتانا ان اصل گناہوں سے کتنے درجے زائد ہے جبکہ یہ اشتہار دینے والا کوئی مسلمان ہو کہ اب یہ تحصیل حرام بلکہ تحسین حرام ہے والعیاذ باللہ رب العٰلمین واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۸ تا ۱۵۹: از بدایوں سوتھہ محلہ مرسلہ مولوی حامد بخش صاحب خان بہادر ۷ رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ

جناب مولٰنا و مقتدانا حامی سنت دامت برکاتہم، بعد تمنائے حصول قدمبوسی مدعا نگار ہوں کہ سوالاتِ مندرجہ ذیل کا جواب باصواب جو مطابق احکام شریعت ہو مرحمت فرمائیے تاکہ گمراہان کی رہبری ہووے:

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید وبکر دو شخصوں نے اپنا سعہ عہ کا مملوکہ مال واسباب اتنے ہی حصص میں تقسیم کیا جس قدر کی مالیت کا وہ کل مال تھا اور فروخت کا یہ طریقہ رکھا کہ ہر شخص جو اس کی خریداری کے واسطے حصہ دار ہوچکا اس کو ایک چٹھی دے دی گئی اور سب چٹھیاں جمع ہوجانے پر بروئے قرعہ اندازی سب سے اول چٹھی نکلنے والے کو عسہ عہ کا مال ایک روپیہ کے چٹھی پر ملا اور دوسرے شخص کو دس کا اور تیسرے شخص کو صہ روپیہ اور چوتھے شخص کو دو روپیہ کا اور باقی ۶۶ چٹھی والے خریداروں کو آخر نمبر تک ۸ عہ کا مال فی ٹکٹ دیا گیا آیا یہ طریقہ بیع

---

[1] ملتقی الابحر کتاب البیوع موسسۃ الرسالۃ بیروت ۲/ ۵

[2] نصب الرایۃ " المکتبۃ الاسلامیۃ الریاض الشیخ ۴/ ۱۷

موافق احکامِ شریعت ہے یا نہیں ؟

(۲) ڈاک خانہ سرکاری کے سیونگ بنک میں یا دوسرے انگریزی تجارتی بنکوں میں زید نے کچھ روپیہ داخل کیا جس پر بہ شرح معینہ اس کو گورنمنٹ نے یا تاجر انگریز نے منافع ادا کیا تو جمع کرنے والا شخص مطابق احکامِ شریعت اس منافع کو لینے کا مستحق ہے یا نہیں ؟

الجواب

(۱) یہ صورت قطعی حرام ہے اور نرا قمار، اور بائع و مشتری سب کے لئے استحقاق عذاب نار۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۲) سود مطلقاً حرام ہے قال اللہ تعالٰی وحرم الربٰو[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی نے سود کو حرام کیا۔ ت) مگر جس کے یہاں روپیہ جمع کیا اگر اس پر کوئی مطالبہ شرعاً آتا تھا اور وہ اور طور پر نہ مل سکتا تھا اس نام سے وصول ہو جائیگا تو اپنے اس حق کی نیت سے قدر حق تک لے لینے کا استحقاق ہے اور اگر کچھ نہ آتا تھا مگر کوئی مال مباح بلا غدر و بلا ارتکاب جرم برضامندی ہاتھ آتا ہو تو بہ نیت مباح اسے لینا لینے والے کو مباح ہے اگرچہ دینے والا کسی نام سے تعبیر کرے اس مسئلہ کی تحقیق کامل بھی فتاوٰی فقیر میں ہے واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۶۰: از بریلی محلہ کنگھی ٹولہ مرسلہ محمد رضا علی ۵ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو کو روپیہ اس شرط پر دیا کہ چار ماہ کے بعد تم سے روپیہ مذکور کے پچیس مار گندم لیں گے، یہ جائز ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر روپیہ قرض دیا اور یہ شرط کرلی کہ چار مہینے کے بعد ایک روپے کے پچیس مار گیہوں لیں گے اور نرخ بازار پچیس سیر سے بہت کم ہے تو یہ محض سود اور سخت حرام ہے۔ حدیث میں ہے:

کل قرض جر منفعۃ فھو ربٰو[2] جو قرض نفع کو کھینچے وہ سود ہے۔ (ت)

اور اگر گیہوں خریدے اور قیمت پیشگی دی ہے تو بیع سلم ہے اگر سب شرائط بیع سلم کے

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[2] کنز العمال بحوالہ الحارث عن علی حدیث ۱۵۵۱۶ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

ادا کرلی ہیں تو جائز ہے اگرچہ روپے کے دس من گیہوں ٹھہر جائیں ورنہ حرام ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۶۱ مرسلہ احمد شاہ خاں از موضع نگریا سادات

زید نے کچھ روپے قرض واسطے تجارت کے عمرو کو دئے اور آپس میں یہ ٹھہرالیا کہ علاوہ قرض کے روپوں کے جس قدر منافع تجارت میں ہو اس میں سے نصف ہمارا اور نصف تمہارا، تو یہ سود ہوا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

یہ سود اور حرام قطعی ہے، ہاں اگر روپیہ اسے قرض نہ دے بلکہ تجارت کے لئے دے کہ روپیہ میرا اور محنت تیری اور منافع نصفا نصف، تو یہ جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۶۲ از پٹیالہ مارواڑ محمد عبدالرحمٰن سوداگر چرم ۲۱ ذی القعدہ ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آیا سرزمین ہندوستان میں بحالت موجودہ مسلمانوں کو اپنی دینی اور قومی حالت سنوارنے کی غرض سے سُود کا لین دین غیر مسلم سے شرعًا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

سود لینا دینا مطلقًا حرام ہے، قال اللہ تعالٰی وحرم الربٰو[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور اللہ تعالٰی نے سود کو حرام کیا۔ ت) حدیث صحیح میں ہے:

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اکل الربٰو وموکلہ وکاتبہ وشاھدہ وقال ھم سواء[2]	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی سود کھانے والے اور سود دینے والے اور سود کا کاغذ لکھنے والے اور اس پر گواہی دینے والوں پر۔ اور فرمایا وہ سب برابر ہیں۔

اللہ کی لعنت کے ساتھ دینی حالت سنورے گی یا اور بدتر ہوگی، اور قومی دنیوی حالت سنبھلنا بھی معلوم، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

یمحق اللہ الربٰو ویربی الصدقٰت[3]	اللہ مٹاتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے زکوٰۃ کو۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[2] صحیح مسلم باب الربٰو قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۶

جسے اللہ تباہ و برباد کرے وہ کیونکر بڑھ سکتا ہے، اور بالفرض کچھ دن کو ظاہری نگاہ میں بڑھے بھی تو جتنا بڑھے گا اللہ کی لعنت بڑھے گی ؎

میاد ادلِ آن فرومایہ شاد   کہ از بہر دنیا دہد دین بباد

(اس کمینے کا دل خوش نہ ہو جس نے دنیا کی خاطر دین کو برباد کیا۔ت)

اگر قرآن عظیم پر ایمان ہے تو سود کا انجام یقیناً تباہی وخسران ہے۔ سائل لین دین پوچھتا ہے، مسلمانوں کے پاس مال کہاں اور کفار بڑے بڑے مالدار، انھیں آپ سے سودی قرض لینے کی کیا ضرورت ہوگی، اور اگر ہو بھی تو ان کی قوم کے ہزاروں لینے دینے کو موجود ہیں اور سود دینے میں قوم کا نفع ہے یا کفار کا، سود دینے سے قومی حالت سنورتی تو لاکھوں مسلمان بنیوں کو سود دیتے اور اپنی جائدادوں کو تباہ کرتے ہیں ہزار کا مال دو ڈھائی سو میں بہ جاتا ہے کیا اسی کو حالت سنورنا کہتے ہیں، نفع لینے کی بعض جائز صورتیں نکل سکتی ہیں جن میں کچھ کا ذکر ہمارے فتاوی اور بہت کا ہمارے رسالہ نوٹ میں ہے کہ مع ترجمہ چھپ رہا ہے مگر کسی کو نری کا کام فقط نفع لینے سے نہیں چلتا اسے دینا بھی ضرور پڑتا ہے، اور معاملہ جب کفار سے ہو تو ان تینوں صورتوں کی پابندی دشوار ہے جن پر جواز کا مدار ہے اور یوں سود دینا اگرچہ کافر کو ہو قطعاً حرام و استحقاقِ نار ہے، ہاں اگر نوٹ کا طریقہ جو ہم نے اس رسالہ میں لکھا تجار میں رائج ہو جائے تو بلاشبہہ سود لینے دینے کی آفت اٹھ جائے اور لین دین کا عام بازار شرعی جواز کے ساتھ کھل جائے، وباللہ التوفیق، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶۳: از شہر بریلی محلہ ملوک پور مسئولہ عبدالغنی صاحب تاجر ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ محبوب اللہ کی دکان ایک بقال کے پاس چار سو روپیہ میں رہن ہے اور محبوب اللہ فی صدی ایک روپیہ ماہوار سود کا ادا کرتے ہیں اب ایک شخص محبوب اللہ کی دوسری دکان میں مبلغ دس روپیہ کرایہ پر بیٹھتا ہے محبوب اللہ اس کرایہ دار سے کہتا ہے کہ مجھ کو تم چار سو روپیہ دے دو میں بقال کو ادا کردوں گا اور تم چار سو روپیہ کی دستاویز تحریر کرالو میں تم کو کرایہ میں کمی کردوں گا اس صورت میں جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر ہمیشہ کے لئے کمی کردے اور صاف صاف قرض میں تحریر کردیں کہ کچھ نفع اس پر لیا دیا نہ جائیگا یہ کمی صرف اس احسان کے بدلے میں احسان ہو قرض کا منافع نہ ہو تو حرج نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶۴ از ریودر براہ آبو مرسلہ ٹھیکیدار آنول موسی منشی صاحب ۱۴ رجب ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اناج کا بدلنا بھی دوسرے اناج سے جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً مکی ایک من دو ماہ پہلے دی بعد میں دو ماہ کے ایک من گندم لیتے ہیں اس شرط سے لین دین یہاں کے مسلمان کرتے ہیں، یہ بدلنا بھی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

ایک ناج دوسرے ناج سے نقد بدلنے میں کوئی حرج نہیں اور جب جنس بدلی ہوئی ہے تو کمی بیشی جائز ہے اور ایک طرف سے اب دیا گیا اور دوسری طرف سے ایک مدت کے بعد دینا ٹھہرا تو یہ بیع سلم کے شرائط کا محتاج ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶۵ از جوہر کوٹ بارکھان ملک بلوچستان مرسلہ قادر بخش صاحب ۱۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

چہ میفرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ نرخ بازار سہ پوسٹہ فی روپیہ است اکنوں شخصے بمیعاد تا سہ ماہ یا زیادہ کم از نرخ بازار دو پوسٹہ فی روپیہ فروخت میکند آیا جائز است یا مکروہ؟

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ بازار کا بھاؤ تین پوسٹہ فی روپیہ ہے، اب ایک شخص تین ماہ یا زیادہ کی میعاد پر بازار کے بھاؤ سے کم دو پوسٹہ فی روپیہ کے حساب سے فروخت کرتا ہے، کیا شرعاً جائز ہے یا مکروہ؟ (ت)

الجواب

جائز است، واللہ تعالٰی اعلم۔

جائز ہے، اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے (ت)

مسئلہ ۱۶۶ از سید پور ڈاکخانہ وزیر گنج ضلع بدایوں مرسلہ آغا علی خاں صاحب مورخہ ۱۶ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

اگر ساہوکار اپنے مسلمان روزگاری سے سود نہ لے بلکہ کچھ اضافہ لفظ سود سے بدلنے اور مسلمان کو اس سے محفوظ کرنے کی غرض سے آڑھت پر کرلے تو مسلمان اس مسئلہ سود سے بچ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

سُود کا لفظ فقط حرام نہیں بلکہ سُود کی حقیقت حرام ہے اسے اضافہ کے لفظ سے تعبیر کرنا نہ اسے سُود ہونے سے بچالے گا نہ حرمت میں فرق آئے گا، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۶۷ تا ۱۷۰ عبدالحکیم خان دکاندار محلہ کٹکوئی ریاست رامپور

(۱) زید نے بکر کے ہاتھ ۲۴ روپیہ کی اشرفی فروخت کی ۱۲ روپیہ تو بکر نے اسی وقت دے دئے ۱۲ کا وعدہ کیا چنانچہ دوچار روز کے بعد وہ بھی دے دئے۔

(۲) زید نے بکر سے ایک روپیہ کے دام مانگے اور روپیہ دیا بکر نے آٹھ آنے پیسے اسی وقت دے دئے اور دو یوم کے بعد دو چونیاں دے دیں۔

(۳) زید نے بکر سے ایک روپیہ دے کر پیسے مانگے، بکر نے ایک اٹھنی اس وقت دے دی باقی کے بابت دو یوم کا وعدہ کیا چنانچہ تین یوم کے بعد ۸ کے پیسے دے دئے۔

(۴) زید نے ایک آنہ کا سودا بکر سے لیا، بکر نے کہا کہ اس وقت باقی روپیہ کے پیسے نہیں ہیں پھر لے لینا، بکر کو زید نے روپیہ دے دیا اور دو روز کے بعد باقی کے پیسے لے لئے، ان سب صورتوں میں کوئی صورت ربا کی ہے یا نہیں ہے؟

الجواب

(۱) یہ حرام ہے کہ سونے چاندی کے مبادلہ میں دست بدست ہونا شرط ہے۔

(۲) اگر زید نے روپے کے پیسے مانگے اور روپیہ دے دیا اس نے آٹھ آنے پیسے اب دے دئے اور باقی پیسوں کے بدلے دو دن کے بعد چونیاں اٹھنی دی تو جائز ہے کہ روپے اور پیسوں کے مبادلہ میں ایک طرف سے قبضہ کافی ہے کما حققناہ فی کفل الفقیہ الفاھم (جیسا کہ ہم نے کفل الفقیہ الفاہم میں اس کی تحقیق کی ہے۔ ت) اور اگر زید ہی نے روپے کے ۸ پیسے اور دو چونیاں مانگیں جو اس نے دوسرے وقت دیں یہ حرام ہے لاشتراط الصرف یدا بید (کیونکہ بیع صرف میں ہاتھوں ہاتھ لینا شرط ہے۔ ت)

(۳) یہ صورت جائز ہے کہ پیسوں میں ایک طرف کا قبضہ ہوگیا اور اٹھنی میں دونوں طرف کا۔

(۴) یہ بھی بدلیل مذکور جائز ہے جبکہ باقی کے پیسے لینے ٹھہرے جیسا کہ سوال میں ہے۔

مسئلہ ۱۷۱ از صید پور ضلع رنگپور بنگال مرسلہ محمود خان صاحب لسینجر سپرنٹنڈنٹ ۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ

فدوی ریلوے میں بعہدہ لسینجر سپرنٹنڈنٹ ملازم ہے ہر ماہ مشاہرہ سے کچھ روپیہ ریلوے کاٹ لیتی ہے اور وہ روپیہ بعد ترک ملازمت مع کچھ سود کے دیا جاتا ہے جو ریلوے کا سرکلر ہے لہذا یہ روپیہ اپنے صرف میں یا کسی کار خیر میں لا سکتا ہے یا نہیں؟ مدرسہ دیوبند سے لاعلمی سے میں نے دریافت کیا تھا وہاں سے جائز قرار دیا گیا ہے بعد میں معلوم ہوا کہ وہاں کا فتوٰی ہم لوگوں کے

واسطے قابلِ وثوق نہیں ہے لہذا حضور کی خدمت میں التماس ہے کہ جواب سے سرفراز فرمایا جاؤں۔

الجواب

اللہ عزوجل نے سود کو حرام فرمایا اور اس میں کوئی تخصیص مسلم وکافر کی نہیں رکھی، مطلق ارشاد ہوا ہے وحرم الربٰو[1] (اور اللہ تعالٰی نے سود کو حرام کردیا۔ ت) تو اسے سود قرار دے کر لینا جائز نہیں اور اگر کسی کمپنی میں کوئی مسلمان بھی حصہ دار ہو تو مطلقاً اس زیادہ روپیہ کا لینا حرام ہے، اور اگر کوئی مسلمان حصہ دار نہیں تو سود کی نیت کرنا ناجائز ہے بلکہ یوں سمجھے کہ ایک مال مباح بلاغدر مالکوں کی خوشی سے ملتا ہے یوں اس کے لینے میں فی نفسہ کوئی حرج نہیں اور اسے چاہے اپنے صرف میں لائے چاہے کارِ خیر میں لگائے کما حققناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کی ہے۔ ت)

واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۷۲: سائل حافظ محمد نور الحق محلہ پنجابیاں پیلی بھیت ۲۵ صفر ۱۳۳۱ھ

مخدومی و مکرمی جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب دام مجدہٗ، بعد سلام مسنون التماس یہ ہے کہ ایک شخص مسمی وزیر نے انتقال کیا منجملہ اور وارثوں کے دو لڑکیاں نابالغ اس نے چھوڑیں، اس کے مال میں چار سو روپیہ نقد ان لڑکیوں کے حصہ میں علاوہ کل روپیہ ایک شخص دیگر نے اماناً اس سے اس وعدہ پر لیا کہ ہم تم کو پانچ روپیہ ماہوار اس روپیہ کا منافع دیتے رہیں گے، اور اس روپیہ کے اطمینان کی غرض سے اس شخص روپیہ لینے والے نے اپنا مکان اس روپیہ کے بالعوض رہن کردیا اور اس کا رہن نامہ لکھا گیا مگر رہن نامے میں مضمون یہ ہے کہ مبلغ چار سو روپے معرفت مسماۃ بنے بیگم ہمارے پاس اماناً یافتنی ہر دو نابالغہ کے جمع ہوئے ہیں جو تا بلوغ ہر دو نابالغہ کے ہمارے پاس جمع رہیں گے چونکہ زرِ امانت کی کوئی تحریر باضابطہ بغرض اطمینان کے متجانب ہمارے کہ مسماۃ کے پاس نہیں ہیں، لہذا ہم بموجب تحریر ہذا کے اقرار کرتے ہیں کہ زرِ مذکورہ تا بلوغ ہر دو مذکور نابالغان کے جمع رہیں گے اور اس کا سُود بشرح فیصدی ۱۵ ماہواری کے حساب سے نابالغان کو ماہ بماہ بلاعذر وحیلہ کے ادا کرتے رہیں گے اور واسطے اطمینان زرِ مذکور کے ایک مکان مستغرق ومکفول دستاویز ہذا کرتے ہیں تا بیباق زر مذکور کے بجائے دیگر منتقل نہیں کریں گے، اگر کریں تو ناجائز ہو، لہذا یہ رہن نامہ سودی بحق نابالغان دختران وزیر کے لکھ دیں کہ سند ہو۔

تو اب امر دریافت طلب یہ ہے کہ شخص مذکور جس نے روپیہ لیا تھا اس نے انتقال کیا اور ماہواری جو مقرر کیا تھا وہ نہیں دیا اب وہ نابالغان اپنا روپیہ اس مکان سے لیں گی مگر اصل کے چار سو روپیہ سے جو ایک سو روپیہ زائد اس وقت تک ہوگیا ہے وہ بھی لے سکتی ہیں یا نہیں کیونکہ ان نابالغان کو یا اس کے

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

اور کسی وارث کو یہ معلوم نہ تھا کہ دستاویز کے اندر وہ پانچ روپیہ ماہوار سُود دیا گیا ہے وہ بھی بھی ہوتی تھیں کہ ہم کو پانچ روپیہ ماہوار کرایہ مکان یا اس روپیہ کے منافع میں سے دیا جائے گا اگر وہ سو روپیہ جو اصل سے زائد ہے لے لیں تو کوئی مواخذہ تو ان کے ذمہ میں نہ ہوگا اور وہ عند اللہ گنہگار تو نہ ہوں گی، اور یہ بھی امر قابل تحریر ہے کہ وہ نہایت ہی غریب ہیں اور کوئی معاش بھی ان کے پاس نہیں ہے اگر کوئی صورت ایسی ہو کہ وہ اسے لے سکتی ہیں اور ان کے ذمہ کوئی مواخذہ اُخروی نہ ہو تو نہایت ہی بہتر ہوگا کیونکہ ان کے بہت سے کام نکلیں گے۔

الجواب

وہ روپیہ ہر طرح سُود اور حرام ہے اس کا لینا کسی حال میں جائز نہیں ہو سکتا ہے، سود لکھا گیا تو حرام ہے، منافع سمجھا تو سود ہے، مکان کا کرایہ جانا تو باطل ہے، مالک مکان غیر مالک سے کرایہ پرلے اس کے کوئی معنیٰ نہیں، بہرحال وہ سود ہے، ہاں اگر وہ شخص جس نے یہ روپیہ امانۃً لیا اور اس پر پانچ روپے ماہوار دینا مقرر کیا ہندو وغیر اقوام سے ہو تو یہ سو روپیہ زائد اس کے قرار داد سے ملتے ہیں ایک مال مباح سمجھ کر لینا جائز ہے سود سمجھ کر لینا حرام۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۷۳: از کتھیل ضلع کرنال مرسلہ فضل قدیر صاحب طالب علم مدرسہ اسلامیہ ۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ

گورنمنٹ کی نگرانی میں پنجاب و مدراس کے دیہات میں زرعی بنک کھولے جاتے ہیں زراعتی بنک کی غرض سے سودخوری نہیں ہوتی بلکہ سُود خور مہاجنوں سے قطع متعلق ہوتا ہے سرکاری نام اس بنک کا انجمن امداد قرضہ ہے (ہیئت اس کی یہ ہے) کہ گاؤں کے لوگ بطور حصہ داری کے دس روپیہ سالانہ فی آدمی دس سال تک اس اپنی انجمن میں جمع کرتے رہتے ہیں اور اسی انجمن سے حسبِ ضرورت سودی قرض بھی لیتے رہتے ہیں مگر قرض لینے کا حق محض حصہ داروں کو ہے غیر حصہ دار کو ہرگز ہرگز نہیں دیا جاتا، مقروض جو کچھ رقم سود اس بنک کو دے گا وہ رقم بحصہ رسد اس مقروض کے حصہ میں بھی آئے گی گویا سود دہندہ سود گیرندہ بھی ہے اس انجمن کے پاس دس سال کے بعد کافی سرمایہ جمع ہو جاتا ہے تو سود بہت کم یا بالکل موقوف کر دیا جاتا ہے، یہ بنک زراعتی ہے یہ بنک جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

حرام حرام حرام قطعی، یقینی حرام۔ دس برس تو بہت ہوتے ہیں سود ایک لمحہ ایک آن کو حلال نہیں ہو سکتا، احکامِ الٰہیہ کسی کی ترمیم سے بدل نہیں سکتے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

واحل اللّٰه البیع وحرم الربٰو[1] اور اللہ تعالٰی نے بیع کو حلال اور سود کو حرام کیا۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

صحیح حدیث میں ہے:

لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم اکل الربٰو وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء[1]

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی سود کھانیوالے اور سود کھلانیوالے اور سود کا کاغذ لکھنے والے اور اس پر گواہیاں کرنیوالوں پر اور فرمایا وہ سب برابر ہیں (ت)

یہاں تک کہ سُود دہندہ ہی سود گیرندہ بھی ہے معنی یہ کہ ڈبل ملعون ہے جو براہ شامت نفس اس کا ارتکاب کریں اور حرام جانیں وہ فاسق فاجر ہیں، اور جو حلال سمجھیں وہ مرتد کافر، والعیاذ باللہ تعالٰی، ہاں اگر اس میں بھی اسی طریقہ بیع نوٹ کا اجراء کریں جو ہم نے تحریر سابق میں ذکر کیا تو بلاوقت اس حرام قطعی سے بچ جائیں مگر حلال حرام کی آج فکر کسے ہے الا ما رحم ربی ان ربی لغفور رحیم[2] (مگر وہ جس پر میرا رب رحم فرمائے، بیشک میرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۷۴: از نجیب آباد ضلع بجنور بازار چوک مرسلہ عبدالرزاق وعبدالغفور خیاطان
۱۷ جمادی الاولٰی ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسلمان اہل السنۃ والجماعت پکا حنفی اگر یہ شخص مذکور کفار مثل نصارٰی وہنود ورافضی وخارجی سے سود لے اور کفار مذکور کی رضا سے لے بطور تجارت روپیہ کمانے کو اور نیز اس مسلمان سود گیرندہ کی یہ نیت ہو کہ کسی وقت میں کسی مسلمان سے سُود نہ لیا جائے تو اس صورت میں اس مسلمان کو کفار مذکورہ سے سود لینا جائز ہے یا ناجائز جو حکم شرع شریف ہو بلاتاویل وبلاخوف ملامت علمائے خاص وعام ارسال فرمایا جائے، فقط، بیّنوا توجروا۔

الجواب

اللہ عزوجل نے مطلق فرمایا: وحرم الربٰو[3] اللہ نے سود حرام کیا۔ اس میں تخصیص مسلم کافر، سنّی، بدمذہب کسی کی نہیں۔ سود لینا کسی سے حلال نہیں، جو حلال ہے وُہ سود نہیں، اور جو سود ہے وہ حلال نہیں، کافر غیر ذمی کا مال بلاغدر جو حاصل ہو وہ مال مباح سمجھ کر لینا حلال ہے سود جان کر لینا حرام،

---

[1] صحیح مسلم کتاب المساقاۃ والمزارعۃ باب الربٰو قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷
[2] القرآن الکریم ۱۲/ ۵۳
[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

قصدِ معصیت خود معصیت ہے، مثلاً کافر سے کوئی مال سو روپیہ کو خریدا اور قیمت دبالی یا دھوکا دے کر کھوٹے دام دے یہ ناجائز ہے کہ خلافِ معاہدہ ہُوا،

قال اللہ تعالیٰ یایھا الذین اٰمنوا اوفوا بالعقود[1] — اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ایمان والو! اپنے قول پُورے کرو (ت)

اور اگر چاندی کا دوسو روپیہ بھر مال سو روپیہ کو مول لیا اور یہ سمجھا کہ سو روپیہ ہی کے بدلے سو روپے ہوگئے باقی کافر کا مال بلاغدر اس کی مرضی سے ملتا ہے تو جائز جبکہ وہ کافر ذمی مستامن نہ ہو اس کی تفصیل ہمارے فتوٰی ۱۳۱۱ھ میں ہے جو آپ کے خوف ملامت سے بیس سال پہلے لکھا گیا، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۷۵ تا ۱۷۶ از فتح آباد ضلع امرتسر تحصیل ترنتارن مسئولہ مولوی محمد عنایت اللہ صاحب صابری و محمد اسمٰعیل چشتی صابری قادری ۴ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) ایک بنک سودی مسلمانان نے ان شرائط پر قائم کیا ہے کہ جو کوئی اس میں داخل ہو اور ممبر بنے اول ایک روپیہ داخلہ اور مبلغ عہ پہلی قسط بعدہ دس روپے سالانہ داخل کرتا جائے بعد دس سال کے اپنا اصلی روپیہ مع سود فی صدی فی ماہ ۱۲ر کے حساب سے مل جائے گا اور ہر ایک ممبر کو جب ضرورت ہو اپنی حیثیت موجب ۱۲ر سیکڑہ سُود پر روپیہ لے سکتا ہے پھر قسطوں سے ادا کرتا جائے، کہتے ہیں کہ یہ بنک غریب مسلمانوں کے لئے بنایا گیا ہے مگر ممبر کے سوا جو کہ داخلہ نہ دے روپیہ نہیں ملتا یعنی عام مسلمانوں کو نہیں ملتا، ہماری مسجد کا امام بھی اس میں شامل و داخل ہے وہ کہتا ہے کہ میں اپنے روپے کا سود نہ لوں گا مجھ پر حرام ہے ضرورت کے وقت سُود دیا گیا چنانچہ ضرورت کے وقت ہم لوگ آگے بھی تو اہل ہنود کو دیتے ہیں جیسا کہ لینا حرام ہے ایسا دینا بھی تو حرام ہے جب ہم لوگ دیتے ہیں تو لینے میں کیا قباحت، لینا دینا برابر ہے، میں اب داخل ہوچکا ہوں چھوڑ نہیں سکتا۔

(۲) کہتا ہے جو مسلمان ڈاکخانہ سرکاری میں روپیہ جمع کرا کر سُود لیتے ہیں وُہ کیوں کھاتے ہیں وُہ جائز ہے، ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

---

[1] القرآن الکریم ۵/۱

الجواب

وُہ بنک حرام قطعی ہے، اور یہ قواعد سب شیطانی ہیں، اور اس کا ممبر بننا حرام ہے، اور سُود دینا اور لینا ضرور برابر ہیں، صحیح مسلم میں امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے ہے:

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اٰکل الربٰو وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء[1]

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی سود کھانے والے اور سود کھلانے والے اور اس کے لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر، اور فرمایا وُہ سب برابر ہیں۔ (ت)

تو امام مذکور کا اس بنک کی ممبری قبول کرنا گناہ وحرام ہوا،

قال اللہ تعالٰی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان[2]

اللہ تعالٰی نے فرمایا: گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے سے تعاون مت کرو (ت)

حدیث میں ہے:

من مشی مع ظالم لیعینہ وھو یعلم انہ ظالم فقد خلع من عنقہ ربقۃ الاسلام[3]

جو دانستہ ظلم پر اعانت کرے اس نے اسلام کی رسی اپنی گردن سے نکال دی (ت)

اور شک نہیں کہ سود لینا ظلم شدید ہے اور اس کا ممبر بننا اور اس کے ان سود خوروں کو روپیہ دینا اس ظلم شدید پر اعانت ہے اور معین مثل فاعل ہے ولہذا کاتب پر بھی لعنت فرمائی، تو اس کا رکن بننے والا اور اس کے لئے روپیہ دینے والا ضرور کاتب سے بدرجہا زائد لعنت کا مستحق ہوگا اور امام مذکور کا اس پر اصرار حرام پر اصرار اور اعلانیہ فسق واستکبار ہے، اور فاسق معلن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی اور اسے امام بنانا گناہ اور اسے معزول کرنا واجب اور جتنی اس کے پیچھے پڑھی ہوں ان کا پھیرنا لازم، پھر اگر بلاضرورت شرعیہ محض جاہلانہ ضرورتوں کے لئے سودی قرض لے گا تو ضرور وہ بھی سود کھانے کے مثل ہوگا

---

[1] صحیح مسلم کتاب المساقات والمزارعۃ باب الربٰو قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷

[2] القرآن الکریم ۵/ ۲

[3] المعجم الکبیر حدیث ۶۱۹ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱/ ۲۲۷

شعب الایمان " ۷۶۷۵ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۶/ ۱۲۲

اور یہ لعنت کا دوسرا حصہ ملے گا اور عوام کے فعل سے سند لانا اور حکم الٰہی کے مقابل اسے سنانا محض جہالت و ضلالت ہے۔ ہاں اگر محض مجبوری شرعی کے لئے سودی روپیہ بقدر ضرورت قرض لے تو وہ اس سے مستثنیٰ ہے کہ مواضع ضرورت شرع نے خود استثنا فرمادئے ہیں؛

قال اللّٰہ تعالٰی واتقوا اللّٰہ ما استطعتم[1]، وقال تعالٰی لا یکلف اللّٰہ نفسا الا وسعہا[2]۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور ڈرو اللہ تعالٰی سے جس قدر تم استطاعت رکھتے ہو۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں بناتا۔ (ت)

درمختار میں ہے؛

یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح[3]

محتاج کے لئے سودی قرض لینا جائز ہے۔ (ت)

مگر اسے سند بناکر سودخوروں کی اعانت اور سودی کمپنی کی رکنیت نہ حرام ہونے سے بچ سکتی ہے نہ لعنت الٰہی سے بچا سکتی ہے لہذا امام مذکور کی نسبت حکم وہی ہے جو اوپر گزرا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ از قصبہ بیسلپور محلہ درگاہ پرشاد از مکان فخر الدین صاحب رئیس و ممبر جنگی مرسلہ حافظ شمس الدین ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

سود لینا کسی قوم سے مسلمان کو جائز ہے یا نہیں؛ اور سود کس قسم سے ہوتا ہے؛ مشرح بیان فرمایا جائے، کسی بنک میں روپیہ جمع کرکے ان سے سود وصول کرنا بموجب اس کی شرح کے جائز ہے یا نہیں، یا کسی انجمن کا روپیہ ڈاکخانہ میں جمع کرکے ان سے سود لے سکتا ہے یا نہیں، یا کوئی تجارت اس طرح کی کرے کہ جو اس قدر روپیہ جمع کرے اس کو اتنے سیکڑہ کا سود دینگے نقصان کا وہ شریک نہیں اور راس کو نقصان سے کچھ مطلب نہیں اور روپیہ جمع کرنے والا سود جان کرنہ لے اور نقصان بھی نہ دے تو وہ حلال ہے یا حرام یا کسی دکاندار کو کچھ روپیہ بموجب نفع کے دے نقصان کا شریک نہ ہو وہ نفع حلال ہے یا نہیں؛

الجواب

سود لینا مطلقاً حرام ہے مسلمان سے ہو یا کافر سے، بنک سے ہو یا تاجر سے، جتنی صورتیں سوال میں بیان کیں سب ناجائز ہیں قرض دے کر اس پر کچھ نفع بڑھا لینا سود ہے یا ایک چیز کو اس کی جنس کے بدلے ادھار بیچنا یا دو چیزیں کہ دونوں تول سے بکتی ہوں یا دونوں ناپ سے، ان میں ایک کو دوسرے سے

---

[1] القرآن الکریم ۶۴/ ۱۶ [2] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۶
[3] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۶

ادھار بدلنا یا ناپ خواہ تول کے چیز کو اس کی جنس سے کمی بیشی کے ساتھ بیچنا مثلاً سیر بھر کھرے گیہوں سوا سیر ناقص گیہوں کے عوض بیچنا یہ صورتیں سود کی ہیں اور جو شرعاً سود ہے۔ اس میں یہ نیت کرلینا کہ سُود نہیں لیتا ہوں کچھ اور لیتا ہوں محض جہالت ہے، ہاں وہاں یہ نیت کام دے سکتی ہے جو واقع میں سود نہ ہو اگرچہ دینے والا اُسے سود ہی سمجھ کر دے، مثلاً یہاں کسی کافر کے پاس اس کی دکان یا کوٹھی یا بنک میں بشرطیکہ اس میں کوئی مسلمان شریک نہ ہو روپیہ جمع کردیا اور اس پر جو نفع کافر نے اپنے دستور کے موافق دیا اسے اپنے روپیہ کا نفع اور سود خیال کرکے نہ لیا بلکہ یہ سمجھ کر لیا کہ ایک مال مباح برضائے مالک ملتا ہے تو اس میں حرج نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۷۸: ولو اشتری مکیلا کیلا حرم بیعہ واکلہ حتی یکیلہ (اگر کسی نے کیلی شے کیل کے طور پر خریدی تو جب تک کیل نہ کرے اس کی بیع اور اس کا کھانا حرام ہے۔ت) اس سے سمجھ میں یہ آتا ہے جو چیز مکیل خریدی جائے پھر گھر میں اگر اسے ناپ لے پھر صرف کرے اس بنا پر دودھ خرید کر پھر اپنے گھر میں آکر ناپ کرلینا چاہیے یا نہیں؛

الجواب

یہ اس صورت میں ہے کہ چیز تول یا ناپ سے خریدی اور بائع نے اس کے یا اس کے وکیل کے سامنے نہ تولی تو اسے تولنا لازم ہے اس کا تصرف ناجائز ہے اور اگر اس کے یا اس کے وکیل کے سامنے تولی تو دوبارہ تولنے کی حاجت نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۷۹: مسئولہ مولوی حشمت علی صاحب مدرس مدرسہ اہل سنت بریلی ۲۷ جمادی الآخر ۱۳۳۲ھ

حضور! ایک مسلمان زمیندار کے روپے سے اگر کوئی ہندو مثلاً پٹواری یا کٹواریا تحصیت اسامیوں سے سُود لے کر اپنے صرف میں کرے مگر زمیندار نہ اس سے اس پر کچھ کہے اور نہ خود اس میں سے کوئی پیسہ لے اور یہ لوگ زمیندار کے روپے سے اسامیوں سے یہ کہہ کر سُود لیں کہ اگر تم زمیندار کا روپیہ بر فصل ادا نہ کیا کروگے تو تم سے اس کا سُود لیا جائے گا، تو اس صورت میں زمیندار شرعاً کسی گناہ کا مستحق ہوگا یا نہیں، اور زمیندار کو اس حالت میں اپنے ملازم ہنود کو منع کرنا لازم ہوگا یا نہیں کہ اس زمیندار کا بھی اتنا نفع ہے کہ اس کا روپیہ ہر فصل پر وصول ہوجاتا ہے اور کوئی دقت اسے پیش نہیں آتی، سود کے خوف سے اسامی فوراً روپیہ وصول کر دیتے ہیں ورنہ کئی کئی سال تک بقایا نہیں وصول کرتے حالانکہ ان کے پاس روپیہ ہوتا ہے مگر بعض سرکش زمیندار کے دق کرنے کو نہیں دیتے اور جب وہ نالش کرتا ہے تو فوراً کچہری میں روپیہ اسی روز داخل کر دیتے ہیں اور زمیندار کا نقصان کرواتے ہیں، ان پریشانیوں سے بچنے کی کوئی

صورت حضور عطا فرمائیں ورنہ ان سے بچنے کے واسطے اکثر مسلمان ظاہر ظہور میں مرتکب حرام ہوتے ہیں۔

الجواب

اسامیاں مسلمان ہیں تو یہ عمل قطعاً حرام ہے اور جبکہ زمیندار کو اس پر اطلاع ہے تو اسے سکوت حرام ہے ازالہ منکر فرض ہے خصوصاً جب اپنے نفع کے لئے خاموش ہو تو یوں راضی ہے اور رضا بالکبیرہ خود ہی کبیرہ ہے بلکہ کبھی اس سے بھی سخت تر، اور اگر اسامیاں یہاں کے مشرکین ہیں کہ ذمی نہیں نہ سلطنتِ اسلام سے مستامن، تو زمیندار خواہ ان سے یہ قاعدہ جاری کرے کہ جس پر بقایا ٹوٹے گی اس پر ہر مہینہ اتنا حرجہ لیا جائیگا و تحقیق الکلام فی فتاونا (تحقیق کلام ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ت) اسے بھی سود سمجھ کر لینا جائز نہیں لقولہ تعالٰی وحرم الربٰو[1] (اللہ تعالٰی کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ، اللہ تعالٰی نے سُود کو حرام کیا۔ت) بلکہ ان کی ایذارسانی کے معاوضہ میں ایک مال مباح سمجھ کر لے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ مسئولہ ولایت حسین صاحب جامع مسجد بریلی ۷ رجادی الاخری ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وحامیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی زوجہ نے انتقال کیا زید بعد فراغت خرچ تجہیز وتکفین کے خرچ فاتحہ وسوم نہیں رکھتا ہے یا زید اپنی لڑکی کی شادی کرنا فرض سمجھتا ہے اور فرض ہے مگر اتنا خرچ نہیں ہے کہ فرض ادا کرے تو مجبور ہو کر زید نے اپنے دوست عمرو سے اس معاملہ کا تذکرہ کیا، عمرو نے کچھ زیور زید کو دیا اور یہ کہا کہ اس کو رہن کرکے تم اس قرض یا فاتحہ وغیرہ سے فارغ ہوجاؤ، زید زیور لے کر برائے رہن چلا اور عمرو وہیں رہا، ایک دوست راستہ میں جو خالد تھا زید نے اس سے تمام معاملہ کی کیفیت بیان کی خالد سُن کر خاموش ہو رہا، زید نے خالد سے کہا کہ جلد چلو اور یہ زیور رہن کرکے روپیہ لائیں، خالد زید کے ہمراہ چلا، زید کو ایک شخص اور ملا جس کا نام محمود ہے اور وہ اس معاملہ سے واقفیت رکھتا ہے اور محمود کو یہ نہیں معلوم کہ خالد اور زید کہاں جارہے ہیں، محمود بھی ہمراہ ہولیا، یہ تینوں شخص دکانِ مرتہن پر پہنچے اور زید نے وہ زیور رہن کرکے بشرح سود روپیہ لے کر واپس ہمراہ آئے اور اس روپیہ سے کاربرآری کی، کرسکتے تھے یا نہیں؟ میت کو ثواب پہنچا یا نہیں؟ یا اس لڑکی کی شادی میں کوئی نقص ہوا یا نہیں؟ اور ان چار اشخاص میں کون کون مرتکب عذاب کا ہوا؟

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

الجواب

فاتحہ سوم یا لڑکی کی شادی کے لئے سودی قرض لینا حرام ہے، زید ضرور مرتکب گناہ کبیرہ و مستحق عذاب ہوا، یونہی عمرو بھی جس نے اس حرام کے لئے زیور دیا، یونہی خالد بھی جسے اس نے رہن رکھنے کے لئے کہہ کر اپنے ساتھ لیا، رہا محمود جبکہ اسے معلوم نہ تھا کہ یہ کہاں جارہے ہیں ساتھ جانے میں اس پر گناہ نہ ہوا مگر وہاں جاکر معلوم ہونے پر اگر اس نے کسی طرح اس میں مدد دی یا تائید کی تو وہ بھی ویسا ہی مرتکب گناہ ہوا مگر اصل نکاح میں اس سے خلل نہیں آتا اور مال حرام لے کر فاتحہ کا ثواب پہنچنا مشکل ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۸۱ ۱۸۲ از جلالپور دھئی ڈاکخانہ خاص ضلع رائے بریلی مرسلہ منشی علی حسین خاں پوسٹ ماسٹر ۲۰ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) تبادلہ گیہوں یا دھان یا جو یا چنا وغیرہ شکر قند یا آلو یا میوہ سے زیادتی یا کمی کے ساتھ جائز ہے یا ناجائز؛ رواج و اعتبار ہند شکر قند و آلو و میوہ من حیث قدر وزنی ہے اعتبار عند الفقہاء کیا ہے گیہوں وغیرہ باعتبار فقہا من حیث قدر کیلی ہے تغایر جنس ظاہر ہے تغایر قدر میں نہیں معلوم کیا ہے؛

(۲) گیہوں کو گیہوں سے یا جو سے یا جو کو جو سے اور گیہوں سے مساوی یا کم زائد بدلنا اس طرح پر کہ خریف میں دے اور ربیع میں وصول کرے، کیسا ہے؟

الجواب

(۱) گیہوں، جو، چنے سے آلو، شکر قند، میووں کی خرید و فروخت کم بیش کو بلا شبہہ جائز ہے کہ جنس مختلف ہے اور گیہوں اور جو سے قدر بھی یقیناً مختلف، اور جو میوے مثلاً آم یا شکر قند جہاں عددی ہوں وہاں چنے سے بھی اور قدر مختلف نہ بھی ہو تو فقط اختلاف جنس کی بیشی کو مباح کرتا ہے،

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

نبی کریم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جب "بدلین" دو مختلف نوعوں کے ہوں تو جیسے چاہے فروخت کرو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] نصب الرایۃ لاحادیث الہدایۃ کتاب البیوع مکتبہ اسلامیہ ریاض ۴/۴

(۲) گیہوں کی گیہوں یا جَو کی جَو سے تبدیل کمی بیشی کے ساتھ ہو تو حرام، اور ایک طرف سے نقد اور دوسری طرف سے ادھار ہو تو حرام، اور گیہوں کی جَو سے تبدیل نقدوں کمی سے حلال اور ادھار مطلقاً حرام۔ فان احدی العلتین من القدر والجنس تحرم النسئة واجتماعھما التفاضل۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔ کیونکہ دو علتوں یعنی قدر و جنس میں سے ایک علت کا وجود ادھار کو اور دونوں کا پایا جانا زیادتی کو حرام کرتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۸۳-۱۸۴ از اودے پور میواڑ راجپوتاں مسئولہ قاضی یعقوب محمد سب انسپکٹر پولیس ۸ شوال ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام رحمہم اللہ مسائل ذیل میں کہ:

(۱) رافضی بوہرے کافر ہیں یا مرتد؟ بہر دو صورت اگر مسلمان ان کے ساتھ یا ہندو کافر کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کرے مثلاً ہزار یا پانچ سو روپیہ تجارت کے لئے رافضی کو دے اس شرط پر کہ گڑ اور شکر میں نقصان کی صورت نہیں ہوا کرتی ہے الّا شاذ و نادر تو میں تجھ سے ڈیڑھ یا دُو روپیہ فیصدی ماہوار کے حساب سے نفع نقصان کا اوسط نکال کر تیری دکان سے خواہ نقد یا سامان خوردنی لیتا رہوں گا اور یہ مضمون بطور شرط کاغذ پر لکھوا کر اور عرصہ تک اسی طرح باہمی معاملہ آپس میں جاری رہے اور راس المال محفوظ سمجھ کر بعوض نفع حسبِ قرارداد شرط باہمی اشیائے خوردنی و پوشیدنی لیتا رہے اور مابقی نفع کا حساب کرکے نقد لے تو جائز ہے یا ناجائز؟ اور ناجائز ہوگا تو سُود ہوگا یا کیا؟

(۲) اسی طرح کافر کو اگر مال دُو مہینہ کے وعدہ پر قرض فروخت کرے اور اس کے ہاتھ سے اپنے بہی کھاتے میں لکھوا لے کہ دو مہینہ میں روپیہ نہ ادا کروں تو بوقت ادائے روپیہ فی صد ۸ر یا عہ ماہوار اس مال کے نفع کا زائد ادا کروں گا، یہ جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا بسند الکتاب وتوجروا عند اللہ یوم الحساب (کتاب کے حوالہ سے بیان کرو اللہ تعالٰی کی طرف سے یومِ حساب کو اجر دئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب

بوہرے رافضی مرتد ہیں اور ہر مرتد کافر ہے بلکہ کافروں کی بدتر قسم، یہاں کے ہندو وغیرہ جتنے کفار ہیں ان میں نہ کوئی ذمی ہے کہ سلطنتِ اسلام میں مطیع الاسلام و جزیہ گزار ہو کر رہتے نہ مستامن ہیں کہ بادشاہِ اسلام سے کچھ دنوں کے لئے امان لے کر دار الاسلام میں آئے اور جو کافر نہ ذمی ہو نہ مستامن سوا غدرؔ بدعہدی کے کہ مطلقاً ہر کافر سے بھی حرام ہے باقی اس کی رضا سے اس کا مال جس طرح ملے جس عقد کے

نام سے ہو مسلمان کے لئے حلال ہے، وقد فصلناہ فی فتاوٰنا بما لامزید علیہ (ہم اس کو اپنے فتاوٰی میں تفصیل سے بیان کرچکے ہیں جس پر مزید اضافہ کی گنجائش نہیں۔ ت) ہدایہ وفتح القدیر وغیرہما میں ہے:

ان مالھم مباح فی دارھم فبای طریق اخذہ المسلم اخذ مالا مباحا اذا لم یکن فیہ غدر[1]۔ کفار کا مال دارالحرب میں مباح ہے لہٰذا اس کو سوائے دھوکا کے جس طریقے سے بھی مسلمان نے لیا اس نے مالِ مباح لیا (ت)

دوسری صورت بھی جائز ہے جس کا جواز جواب اول سے واضح ہے البتہ ان سب صورتوں میں یہ لحاظ رہے کہ ذی عزت متقی آدمی جسے جاہل عوام اپنی نافہمی کے سبب ایسی صورتوں میں معاذ اللہ سود خور مشہور کریں اسے احتراز مناسب ہے کہ جیسے بُرے کام سے بچنا ہے یونہی بُرے نام سے بچنا چاہیے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۸۵ تا ۱۸۶: از اودے پور میواڑ بڑا بازار مسئولہ چھیپا بخشا جی محمود ۸ رمضان ۱۳۳۹ھ

بعالی خدمت فیضدرجت، غوثِ دوران قطبِ زمان، مجددِ ہذا الاوان، حضرت مولٰنا الحاج مولوی مفتی احمد رضا خاں صاحب مدظلہ العالی! ماقولکم ایہا العلماء الکرام رحمکم اللہ تعالٰی (اے علمائے کرام، اللہ آپ پر رحم فرمائے، آپ کیا فرماتے ہیں۔ ت)

(۱) کفار ہنود کو ہزار دو ہزار یا کم زیادہ کا دو مہینہ کے وعدہ پر قرض کپڑا فروخت کیا، کپڑا دیتے وقت اس سے یہ ظاہر کردیا گیا کہ اگر دو مہینہ کے وعدہ پر روپیہ نہ ادا کیا تو میں تجھ سے فی صد ایک روپیہ نفع زیادہ لوں گا یا یوں کہہ دیا جائے کہ مثلاً دو مہینے کے وعدہ پر اس کپڑے کی قیمت سو روپے اور اگر اس وعدہ پر نہ آئے تو ایک سو ایک روپے ہوں گے یہ اس لئے کہ کفار مسلمانوں کے روپوں کا وعدہ پر ادا کرنے کی فکر نہیں رکھتے، جائز ہوگا یا ناجائز؟

(۲) نوٹ سو سو روپیہ کے مثلاً روپیہ یا بارہ آنہ زیادتی پر یعنی ایک سو ایک یا ایک سو بارہ آنے پر ایک مہینہ کے بعد واپس روپیہ لینا کرکے دئے گئے وہ نوٹ تو اس کے کام میں آگئے مگر مہینہ ہونے پر وہ بدلے میں روپیہ نہ دے اور نوٹ دے تو لینا جائز ہے یا روپیہ ہی لیا جائے؟ بیّنوا توجروا۔

---

[1] الہدایۃ کتاب البیوع باب الربٰو مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۷

الجواب

(۱) یہاں کے کفار سے ایسی شرط جائز ہے لانھم غیر اھل ذمۃ ولا مستامن (کیونکہ نہ تو وہ ذمی ہیں نہ مستامن۔ ت) مگر یہ زیادت جو ملے اسے سود سمجھ کر نہ لے بلکہ مال مباح۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۲) یہاں کے کفار سے جس طور ہو جائز ہے،

لان مالھم مباح فی دارھم فبای طریق اخذہ المسلم اخذ مالا مباحا اذا لم یکن فیہ غدر کما فی الھدایۃ[1] وغیرھا۔

اس لئے کہ کفار کا مال دار الحرب میں مباح ہے لہذا جس طریقے سے بھی مسلمان نے اس کو لیا تو اس نے مباح مال لیا بشرطیکہ دھوکا بازی نہ ہو، جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں ہے (ت)

اور مسلمان کو اگر سَو روپیہ کا نوٹ قرض دیا اور شرط کرلی کہ مہینہ بھر بعد بارہ آنے یا ایک پیسہ زائد لوں گا تو حرام اور سُود ہے،

لان کل قرض جر منفعۃ فھو ربٰو[2]

کیونکہ جو قرض نفع کو کھینچے وہ سُود ہے (ت)

اور اگر سو روپیہ کا نوٹ مسلمان کے ہاتھ اس کی مرضی سے ایک سو ایک یا ایک سو دس روپیہ کو مہینہ بھر کے وعدہ پر بیچا تو حلال ہے،

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم[3]

نبی کریم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا، جب نوعیں مختلف ہوں تو جیسے چاہو فروخت کرو (ت)

پھر اگر وعدہ کے وقت اس کے پاس روپیہ نہیں اور وہ نوٹ اور ایک روپیہ یا دس روپے یا ایک نوٹ سَو کا اور ایک ایک روپیہ یا دس روپیہ کا دے تو لینا جائز ہے بشرطیکہ یہ نوٹ وہی نہ ہو جو اس نے بیچا تھا لان شراء ماباع باقل مماباع قبل نقد الثمن لایجوز (کیونکہ اپنی ہی فروخت کی ہوئی شے کو ثمن کی ادائیگی سے قبل اس ثمن سے کم پر خریدنا جس پر پہلے فروخت کی ناجائز ہے۔ ت) ہاں اگر مشتری نے اس کو خرچ کردیا تھا اور پھر جدید سبب سے مشتری کے پاس واپس آیا اور اب وہی نوٹ بائع کو دیتا ہے تو لینا جائز۔ ردالمحتار میں ہے:

---

[1] الہدایۃ کتاب البیوع باب الربٰو مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۷

[2] کنزالعمال حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۶/ ۲۳۸

[3] نصب الرایۃ لاحادیث الھدایۃ کتاب البیوع مکتبہ اسلامیہ ریاض ۴/ ۴

ولوخرج عن ملك المشتری ثم عاد الیه بحکم ملك جدید کاقالۃ اوشراء او ھبۃ اوارث فشراء البائع منه بالاقل جائز لا ان عاد الیه بما ھو فسخ بخیار رؤیۃ اوشرط قبل القبض اوبعده بحر عن السراج[1]۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

اگر مبیع مشتری کی ملک سے خارج ہوگیا پھر جدید سبب سے مشتری کے پاس لوٹا جیسے اقالہ، خریداری، ہبہ یا میراث کے طور پر۔ اب بائع کا اس سے پہلے ثمن سے کم پر خریدنا جائز ہے' اور اگر مبیع دوبارہ مشتری کی ملک میں خیار شرط یا خیار رؤیت کی وجہ سے بیع کے فسخ ہونے پر واپس آیا چاہے قبضہ سے پہلے یا بعد' تواب بائع کے لئے جائز نہیں کہ پہلے ثمن سے کم پر اس سے خریدے۔ بحر نے سراج سے روایت کیا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ از ریاست فریدکوٹ ضلع فیروزپور مطبع سرکاری مرسلہ محمد علی ۲۷ صفر ۱۳۳۸ھ

شریعت غرا کا حکم ہے اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کے پاس خالص بیاج کی آمدنی ہے اور ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ بیاج کے حرام ہونے کا عقیدہ رکھتے ہوئے اگر کوئی شخص سُود لیتا رہے تو اس کی اس خالص بیاج کی آمدنی کو صدقات خیرات بالخصوص تعمیر مساجد میں لگانا حلال وجائز ہے اور اس کے اس آمدنی کے ایسے مصارف میں لگانے کے لئے اس کا عقیدہ ہی بس ہے بیاج علانیہ لیاجارہا ہے آمدنی جس کا مسئلہ دریافت ہے خالص بیاج ہے۔

الجواب

سود حرام قطعی ہے اور اس کی آمدنی حرام قطعی اور خبیث محض ہے۔ اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اللّٰہ طیب لایقبل الا طیبا[2]۔ بیشک اللہ پاک ہے' پاک ہی کو قبول کرتا ہے۔ (ت)

حرام کے لئے فقط اس کی حرمت کا اعتقاد کافی نہیں، ورنہ حرام خوری وحرام کاری میں کیا فرق ہے وہاں بھی صرف اعتقاد حرمت کافی ہو بلکہ ربو تو زنا سے بھی بدرجہا بدتر ہے، بکثرت صحیح حدیثوں میں ارشاد ہوا:

الربو ثلثۃ وسبعون بابا ایسرھا ربو تہتر گناہوں کا مجموعہ ہے جس میں سب سے

---

[1] ردالمحتار باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۱۴

[2] صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب ان اسم الصدقۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۶

مثل ان ینکح الرجل امه[1] رواه الحاکم فی المستدرك بسند صحیح عن عبد الله بن مسعود رضی الله تعالٰی عنہ۔

ہلکا گناہ یہ ہے کہ آدمی ماں سے زنا کرے۔ (اس کو امام حاکم نے مستدرک میں سند صحیح کے ساتھ سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

بلکہ علماء نے یہاں تک فرمایا کہ مالِ حرام فقیر کو دے کر ثواب کی امید رکھنا کفر ہے، اور اگر فقیر کو معلوم ہو کہ اس نے مالِ حرام دیا ہے اور اس کے لئے دُعا کرے اور وہ آمین کہے تو دونوں نئے سرے سے کلمۂ اسلام پڑھیں اور تجدیدِ نکاح کریں۔ محیط و عالمگیریہ و جامع الفصولین وغیرہا میں ہے:

تصدق علی الفقیر شیئا من المال الحرام ویرجو الثواب کفر ولو علم به الفقیر و دعا له وامن المعطی کفرا[2]

کسی نے مال حرام میں سے کچھ فقیر پر صدقہ کیا اس حال میں کہ وہ اس سے ثواب کی امید کرتا ہے تو کافر ہوگیا اور اگر فقیر کو معلوم ہو کہ یہ مال حرام ہے اس کے باوجود اس نے دینے والے کو دُعا دی اور دینے والے نے اس پر آمین کہی تو دونوں کافر ہوگئے۔ (ت)

زرِحرام والے کو یہ حکم ہوتا ہے کہ جس سے لیا اُسے واپس دے وہ نہ رہا اس کے وارثوں کو دے پتہ نہ چلے تو فقراء پر تصدق کرے یہ تصدق بطور تبرع و احسان وخیرات نہیں بلکہ اس لئے کہ مالِ خبیث میں اسے تصرف حرام ہے اور اس کا پتہ نہیں جسے واپس دیا جاتا لہٰذا دفع خبث و تکمیل توبہ کے لئے فقراء کو دینا ضرور ہوا اس غرض کے لئے جو مال دفع کیا جائے وُہ مساجد وغیرہ امورِ خیر میں صرف کرکہ خبیث ہے اور یہ مواضع خبیث کا مصرف نہیں، ہاں فقیر اگر لے کر بعد قبول وقبضہ اپنی طرف سے مسجد میں دے دے تو مضائقہ نہیں۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم هو لها صدقة ولنا هدیة[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

نبی اکرم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا یہ اس (حضرت بریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا) کیلئے صدقہ ہے اور ہمارے لئے ہدیہ ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] المستدرک علی الصحیحین کتاب البیوع دار الفکر بیروت ۲/ ۳۷

[2] جامع الفصولین الفصل الثامن والثلاثون فی مسائل کلمات الکفر اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۰۸

[3] صحیح البخاری کتاب الفرائض باب الولاء لمن اعتق قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۹۹

مسئلہ ۱۸۸: از ورو ڈاکخانہ خاص ضلع نینی تال مرسلہ عبداللہ صاحب ۶ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ روپیہ کے سترہ آنے یا ساڑھے سولہ آنے ٹھہرا کر دو چار روز میں لینا کیسا ہے؟

الجواب

روپیہ قرض دیا اور یہ ٹھہرا لیا کہ سوا سولہ آنے لیں گے' یہ سود و حرام قطعی ہے اور اگر روپیہ سترہ آنے یا سولہ آنے کا برضائے مشتری بیچا اور قیمت چار دن یا دو دن یا دس برس بعد دینی ٹھہری تو یہ جائز ہے جبکہ روپیہ اسی جلسہ میں دے دیا گیا ورنہ بیع باطل ہو جائے گی،

لکونہ افتراقا عن دین بدین ویکفی قبض احد الجانبین کما حققناہ فی کفل الفقیہ۔

کیونکہ افتراق ہے دین سے دین کے بدلے میں اور ایک جانب سے قبضہ کا پایا جانا کافی ہے جیسا کہ اس کی تحقیق ہم نے کفل الفقیہ میں کردی ہے۔(ت)

اور اگر روپے کے سترہ آنے یا سولہ آنے خریدے اور پیسے چار دن بعد دینے ٹھہرے تو یہ ناجائز ہے کہ یہ بیع سلم ہوئی اور بیع سلم میں ایک مہینے سے کم مدت مقرر کرنی جائز نہیں بہ یفتی زیلعی ودر وھو المعتمد بحر وھو المذھب نھر (اسی پر زیلعی اور در فتوی دیتے ہیں اور یہی معتمد ہے (بحر) اور یہی مذہب ہے (نہر)۔ت) ہاں ایک مہینے یا زیادہ کی مدت مقرر کریں اور روپیہ اسی جلسہ میں دے دیں اور باقی سب شرائط بیع سلم کے پائے جائیں تو جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۸۹: از شہر محلہ ملوکپور مسئولہ محمد حسن خاں صاحب ۲۳ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

عمرو تجارت پارچہ کی کرتا ہے، اس کا پارچہ کا روپیہ زید کے ذمہ چاہیے تھا' عرصہ جس کو دو ڈھائی برس کا ہو گیا تھا بلا سودی' عمرو سود نہیں کھاتا ہے، عمرو کو بے حد ضرورت لاحق ہوئی، عمرو نے زید سے طلب کیا، زید نے انکار کیا اور وعدہ چار ماہ کا کیا، عمرو نے کہا کہ اگر آپ اب مجھے نہ دو گے تو میری ذات رسوائی ہو گی تب کیا نتیجہ ہوگا۔ زید کا بڑا بھائی خالد تھا اس سے سفارش کرائی تب زید نے کہا کہ بکر جو میرا عزیز ہے اس سے میں نے ابھی تھوڑا زمانہ ہوا ۲۴ سو روپیہ دستاویز لکھ کر قرض لئے تھے وہ روپیہ میں نے ادا کر دیا حسب معاہدہ بلا سود رسیدات آگئی ہیں دستاویزات انھی کے پاس ہیں اگر وہ دے دیں تو رسیدیں واپس دے دوں دستاویز وہی پھر برقرار رہے گی وہ تم کو روپیہ دے دیں، عمرو خالد کو ہمراہ لے کر بکر کے پاس گیا بکر سے کہا وہ راضی نہ ہوا تب عمرو نے کہا

آپ دوسو مجھے کم دے دیں میری عزت جاتی رہے گی بغیر روپیہ کے ملنے کے، میں ۲۶سو لے کر ۲۸سو کی رسید لکھنے کو تیار رہوں، یہ آپ کو فائدہ ہو جائیگا، بکر نے کہا کہ تم کہیں اور سے لے لو میں ضمانت کردوں گا۔ عمرو نے ایک کافر سے کہا کہ تین ماہ کے واسطے ۲۶سو روپے دے دے وہ سو روپیہ سود کے طلب کرتا تھا، عمرو نے بکر سے کہا کہ یہ سو بھی آپ لے لیں آپ ہی دے دیں ۲۵سو روپے اور رسید ۲۸سو کی لیں میری ضرورت بہت شدید ہے اور خوشامد و رامد کی، خالد نے کہا سُنا بکر راضی ہوگیا مگر یہ کہا کہ زید ایک خط لکھ دے کہ یہ روپیہ تین ماہ میں واپس کروں گا اگر نہ دُوں تو مع سود کے چار ماہ میں دوں گا اور ایک رقعہ پانچ سو کا لکھ دیں کہ اگر چار ماہ میں بھی نہ ادا ہو تو پانچویں ماہ مجھ کو اس رقعہ کا مطالبہ وصول کرنے کا حق حاصل ہوگا اور سود دستاویز کا بھی۔ چنانچہ زید نے رقعہ تاوانی باضابطہ لکھ دیا بکر کو اور خط معاہدہ کا بھی، اور رسیدات واپس دے دیں، بکر نے عمرو کو ۲۵سو دیا ۲۸سو کی رسید لی، دو سو کمی کے کاٹے، اور سو دسو روپے، جملہ تین سو اور چودہ سو نقد زید کو دے دیئے یا کسی اپنے لا دیئے، اس نے پورے چودہ سو نقد دے بلا کسی کاٹ چھانٹ کے ۲۸سو کی رسید ۱۴سو نقد، یوں ۴۲سو ہوگئے۔ عمرو نے رسید لکھتے وقت یہ کہا بکر سے کہ میں بہت غریب ہوں یہ سو روپے تو سُود کے میں نے کاٹ دیئے مگر یہ دوسو روپے کمی والے محض ان کی وجہ سے کہ انھوں نے (زید نے) نہ دیئے اور میری بغیر اس کے ذلت ہے بمجبوری کمی کر کے لئے ہیں کہ حضور بغیر اس کے نہ دیتے اگر زید تین ماہ میں نہ دیں اور چوتھے ماہ میں دیں تو حضور یہ سود دستاویز جو حضور کو وصول ہوگا یہ معاوضہ ان کمی والے دوسو روپے کے میرا حق ہوگا وہ مجھ کو ملے جو دوسو سے زائد ہوگا وہ حضور لیں کیونکہ میں تو انھیں کے بالعوض دے رہا ہوں وہ حضور مجھ کو دیں تین ماہ میں واپس ہو روپیہ تو حسب معاہدہ بلا سود ہے میری تقدیر سے وہ چار ماہ میں دیں تو سود کی رقم ضرور لے کر مجھے دیں سود کہ میرا حق ہے مجھ کو جائز ہے زید نے وہ روپیہ حسب معاہدہ ادا نہ کیا بلکہ پانچ ماہ بعد ادا کیا بکر نے سود تو دستاویز کا نہ لیا جو دوسو ڈھائی روپیہ ہوتا تھا زید کو چھوڑ دیا مگر رقعہ تاوانی پانسو کا وصول کر لیا یعنی ۴۲سو کے ۴۷سو وصول کر لئے بعد وصول کے عمرو طالب ہے بکر سے کہ مجھے ان پانچ سو میں سے دوسو دیجئے کیونکہ حضور نہ چھوڑتے تو وہ مجھے ملتے آپ نے چھوٹی رقم نہ لی بڑی لی لہٰذا مجھ کو دوسو دیجئے گا، بکر نے کہا کہ مجھ کو یاد نہیں یہ معاہدہ ہوا تھا تب خالد نے یاد دلایا کہ ہوا تھا اب بکر نے عمرو سے کہا کہ اگر شرع شریف حکم خدا و رسول سے مجھ کو وہ رقم دوسو کی تمہاری اور بلکہ سو روپے سُود کے جو میں نے تم سے لئے ہیں جائز ہیں تو میں نہ دوں گا اور اگر مجھ کو وہ حرام ہیں تو میں تین سو کے تین سو دینے کو تیار

رہوں، بکر کبھی سود نہیں کھاتا ہے اور ہزاروں روپے اپنے عزیزوں کو دوستوں کو قرض بلا سُود دیتا ہے۔ اس سبب سے بکر دریافت کرتا ہے مرقومہ بالا صورتوں میں کون سی رقم مجھ کو جائز ہے یا کُل ناجائز ہے؟ عنداللہ مواخذہ کس رقم کا ہوگا اور کس کا نہ ہوگا؟ اور کونسی رقم سُود ہوگی اور کونسی سُود نہ ہوگی یا کُل سُود ہوگی؟ اور عنداللہ میں گنہگار رہوں گا؟ عمرو شریعت کے حکم کے موافق تین سو یا دو سو یا ایک سو کس رقم کے واپس لینے کا مستحق ہے یا کسی رقم کے واپس پانے کا مستحق نہیں ہے یا کل واپس پانے کا مستحق نہیں ہے؟

الجواب

اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

یاایھاالذین اٰمنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما[1]

اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال بلا وجہ شرعی نہ کھاؤ ہاں تجارت میں آپس کی رضا سے نفع اٹھانے کی ممانعت نہیں اور اپنی جانیں ہلاکت میں نہ ڈالو بیشک اللہ تم پر مہربان ہے (ت)

بکر نے جو وہ پانسو زید سے لئے حرام اور قطعی سُود ہیں اور جو عمرو کو ۲۵ سو دیئے اور عمرو نے ۲۸ سو کی رسید لکھ دی یہ تین سو بھی سود اور حرام قطعی ہیں، حدیث میں ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کل قرض جرمنفعۃ فھو ربٰو[2]

جو قرض نفع کھینچے وہ سود ہے۔ (ت)

قرض پر جو کچھ زیادہ لیا جائے سود ہے، بکر پر فرض ہے کہ زید کے پانچسو واپس کرے اور عمرو سے صرف پچیس سو لے ایک پیسہ زیادہ حرام ہے اور اگر لیا ہے تو اسے بھی واپس دے، عمرو کا ان پانسو میں سے دوسو مانگنا بھی حرام ہے کہ وہ مال حرام ہے اس کا کہنا کہ سود کی رقم اسے دو میرا حق ہے مجھے جائز ہے، بہت سخت اشد کلمہ ہے، عمرو پر لازم ہے کہ توبہ و تجدید اسلام و تجدید نکاح کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۹۰: از قصبہ چتوڑ گڑھ میواڑ مرسلہ ڈاکٹر شیخ فضیلت حسین صاحب ۷ا جمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی عمر ساٹھ سال کی ہے مدۃ العمر میں بوقتِ افلاس جب نقد روپیہ کی ضرورت پڑتی تو سود پر قرض لے کر کام چلاتا رہا اگرچہ سود کا دینا بھی شرعاً ممنوع ہے مگر

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

[2] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

قرض ملنے کی بجز اس کے دوسری صورت نہ تھی اب اس وقت زید کے پاس ایک ہزار روپیہ نقد ہے جس کی زکوٰۃ کے ۲۵ سالانہ فرض ہوتے ہیں اگر تجارت وغیرہ کرکے صورتِ ترقی پیدا نہ کرے تو چند ہی سال میں ۲۵ روپیہ سال نہ ادا کرتے کرتے اصل رقم ہی ختم ہوتی ہے، بباعث ضعیفی بذاتِ خود تجارت وغیرہ کر نہیں سکتا زمانہ کی وہ حالت کہ نہ نوکر قابلِ اعتبار، نہ شریکِ امانت دار، بلکہ جو ملا دغا باز یا مکّار، تو زید چاہتا ہے کہ کافروں مشرکوں کے زیورات طلائی و نقرئی بطور رہن رکھ کر روپیہ دے کر ماہانہ یا سالانہ بطور منافع ٹھہرالے تو شرعاً کیا قباحت ہے، بعض علماء نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا ہے جیسا کہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب اپنے فتاوٰی میں ارشاد فرماتے ہیں یا بعض علماء دارالحرب تو قرار نہیں دیتے مگر یہاں کے کافروں کو حربی سمجھ کر ان کے مال غیر محفوظ فرماتے ہیں، بہر دو صورت اگر کافروں سے ایسے معاملات کئے جائیں یا ہنڈوی لکھوا کر روپیہ دے کر فائدہ اٹھالے مثلاً للعہ ۹۹ یا ساڑھے ننانوے روپیہ دے کر سو روپیہ کی ہنڈوی اس سے لکھوالے میعاد مقررشدہ پر سو روپیہ لے کر اس کی تحریر کردہ ہنڈوی اسے واپس کردے کہ زکوٰۃ کا ادا کرنا بھی نہایت ہی ضروری فرض ہے، قرآن شریف میں جو اللہ عزوجل جلالہ نے ربا حرام فرمایا ہے اس میں ربا کی کیا تعریف ہے، زمانہ نزول آیۂ شریفہ میں عربستان میں ربا کس قسم کے سُود کو کہتے تھے، اسی طرح یہاں کے کافر و مشرک سوداگر غلّہ وغیرہ ارزانی میں خرید کر بند رکھتے ہیں اور گرانی کے منتظر رہتے ہیں اور بحالت مجبوری مسلمانوں کو بھی انھیں سے خریدنا پڑتا ہے تو اگر زید بھی ایسا ہی کیا کرے تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب

قدرتی طور پر ہے کہ غلّہ فصل پر ارزاں اور بیچ پر گراں ہوتا ہے اس سے فائدہ اٹھانا منع نہیں، غلہ بند رکھنا وہ منع ہے جس سے شہر پر تنگی ہوجائے۔ ہندوستان بلاشبہہ دارالاسلام ہے اسے دارالحرب کہنا صحیح نہیں، جو کافر مطیع اسلام نہ ہو نہ سلطنتِ اسلام میں مستامن ہو بلا غدر و بدعہدی اس سے کوئی نفع حاصل کرنا ممنوع نہیں مگر گروی اور ہنڈوی کا طریقہ صورت سُود ہے اور اسے سود ہی کہتے ہیں اور حتی الوسع بُرے نام سے بھی بچنا چاہئے اس سے بہتر نوٹ کی بیع ہے دس کا نوٹ بارہ یا پندرہ یا جتنے پر باہم رضامندی ہو بیچنا جائز ہے تو دس کا نوٹ قرض دے اور پیسہ اوپر دس ٹھہرائے یہ سُود ہے اور دس کا نوٹ سَو کو بیچے یہ جائز ہے، اور اگر کوئی فرق پوچھے تو اس کا جواب قرآن عظیم نے دیا ہے: واحل اللہ البیع وحرم الربٰو[1] اللہ نے حلال کی بیع اور حرام کیا سُود۔ سُود

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

کا یہی طریقہ عرب میں جاری تھا جسے حرام فرمایا گیا:

الربا فضل خال عن العوض مستحق بالعقد۔[1] ربا اس زیادتی کو کہتے ہیں جو عوض سے خالی ہو اور اس کا استحقاق عقد سے ہوا ہو۔ (ت)

یعنی عقد میں کسی ایسی زیادت کے لے جانے کی شرط کی جائے جس کے مقابلہ میں شرعًا کوئی عوض نہ ہو، یہ زیادت جنس متحد میں ظاہر ہوتی ہے بحالت نسیہ اتحاد قدر میں بھی جس کی تفصیل فقہ میں ہے اور جو زیادہ مفصل بیان چاہے ہماری کتاب کفل الفقیہ الفاہم دیکھئے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۹۱: مسئولہ عبداللہ احمد سوداگر امراؤتی برار شنبہ ۲۲ شعبان ۱۳۳۴ھ

اللہ جل شانہ نے اپنے کلام پاک قرآن مجید میں سود خوری کی سختی سے وعید فرمائی ہے اور بیشک قرآن حکیم کے اوامر و نواہی انسان کے لئے دارین میں سُود مند ہیں اس کے ہر فرمان پر ہمارا سرِ تسلیم خم ہے مگر مزید اطمینان کے لئے استفسار کرنے کی ضرورت پڑی کہ سُود دینا اور سود لینا دونوں قطعی حرام ہیں، میرے ناقص خیال میں ہزار میں سے ایک شخص بھی ایسا مشکل سے نکلے گا جو مقدم الذکر دو بلاؤں میں سے کسی ایک میں مبتلا نہ ہوا، تجارت کے کاروبار شاید ہی بغیر سُود کے انجام پائیں، یہ ایک قابلِ غور بات ہے کہ فی زمانہ شرح سُود اس قدر کم ہے کہ دینے والا خوشی سے ادا کرتا ہے اس پر کسی طرح کا بار نہیں پڑتا ہے کیونکہ اس کو فی صدی آٹھ آنے دینا پڑتا ہے تو ان روپوں سے تجارت کرکے سیکڑے دس پیدا کرتا ہے اس لئے لینے والا اور دینے والا دونوں فائدہ اٹھاتے ہیں، تو معروض یہ ہے کہ اس آیت کا شانِ نزول کیا ہے، ربا کے جواز و عدم جواز میں کیا راز مضمر ہے، اور اتنی سختی کے ساتھ ممانعت کی کیا باعث ہے، مفصل تحریر فرماکر کمترین کو مطمئن فرمائیں، بغیر سُود کے آجکل بیوپار کرنا مشکل نہیں تو محال ضرور ہے، خاص کر کے ولایت کی تجارت کا دارومدار ہی سُود پر ہے مثلًا بمبئی میں ولایت کی ہنڈوی کا بھاؤ آج پندرہ روپے ہے تو کل پونے پندرہ تو پرسوں ساڑھے پندرہ، تو پھر ایسی حالت میں سُود سے بچنا کیسے ہوسکتا ہے جبکہ لاکھوں کا لین دین ہوتا ہے چونکہ آج کل تجارت زیادہ تر غیر قوموں کے ہاتھ میں ہے تو ان کے ساتھ باہم خرید و فروخت میں بغیر لئے دئے کے چل نہیں سکتا، تو اس آیت کا یہ مفہوم ہے کہ مسلمان اعلٰی پیمانہ

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربٰو داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۷۶
الہدایۃ باب الربٰو مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۰
ملتقی الابحر " مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۲/ ۳۷

پر تجارت نہ کریں صرف قُوتِ بسری کے لئے کچھ تھوڑا بہت کر لیا کریں جس طرح بنی اسرائیل پر اونٹ کا گوشت اور چربی وغیرہ حرام کر دی گئی تھی، آج کل تجارت میں بڑا نقص یہ بھی ہے کہ مال زیادہ تر ادھار بکتا ہے، تو ایسی حالت میں اگر خریدار کے ذمہ سُود نہ لگایا جائے تو شاید وہ مہینے میں دینے والا برس بھر میں مشکل سے ادا کرے کافروں کے ذمہ جو سود عائد ہوتا ہے وہ ان سے وصول کر کے غریب مسلمان کو جو تعلیمی اخراجات کے بار کے متحمل نہیں ہو سکتے اور بے علمی کی وجہ سے اکثر مسلمانوں کے لڑکے آوارہ ہو جاتے ہیں اور رذیل پیشہ اختیار کر کے بے عزتی کی زندگی بسر کرتے ہیں بلکہ نان شبینہ کے محتاج ہو جاتے ہیں ایسے محتاج مسلمانوں کے تعلیمی امدادی فنڈ میں دیا جائے تو کیا قباحت ہے کیونکہ تین دن کے فاقہ پر حرام بھی کھانا حلال ہو جاتا ہے۔ سود خوار اور سُود دینے والے کے لئے اس قدر عتاب انگیز کلمات لکھے گئے ہیں کہ اس کے یہاں کھانا تو درکنار اس کے سایہ میں بیٹھنا بھی ایک سخت گناہ ہے، پھر ایسی حالت میں جبکہ دنیا بھر میں ہزار میں سے ایک بھی اس وقت سے بری نہیں کیا حال ہو گا یہ ممالک اسلامیہ میں بھی بنک کھولے گئے ہیں اور برابر لین دین ہوتا ہے البتہ طبقۂ علماء ومشائخ اس سے محترز ہے مگر جب وعظ نصیحت کے لئے نکلتے ہیں تو ان بیچاروں کو بھی سفر میں جن کے یہاں کھانے پینے کا اتفاق ہوتا ہے اکثر سود لینے یا دینے والے ہوتے ہیں پھر مجبوری سے کہو یا خوشی سے مگر میں نے کسی عالم یا مشائخ کو اس بارے میں کسی طرح کا اعتراض نکالتے نہیں دیکھا ہے ماسوا اس کے کہ مدرسوں اور دینی امورات کیلئے جو چندے وصول کئے جاتے ہیں ان میں شاید ہی کسی ایسے کا چندہ ہو جو اس بلا سے بچا ہوا ہو، مورخ خلکان نے امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کے ضمن میں ایک حکایت لکھی ہے کہ امام صاحب سے شہاب الدین غوری نے ایک کثیر رقم قرض لی تھی جب اس کو ادا کیا تو صلہ کے طور پر بہت بڑی رقم اضافہ کر کے دی تھی تو اس زیادہ کی رقم کو کیا کہنا چاہئے اور اس طرح لینا بھی جائز ہے کیا؟ فقط۔

الجواب الملفوظ

سُود حرام قطعی ہے اور اس پر سخت شدید وعیدیں قرآن واحادیث صحیحہ متواترہ میں وارد اور یہ کہ وہ کیوں حرام ہوا اور اس قدر اس پر سختی کیوں ہے اس کے جواب قرآن عظیم نے دو جواب عطا فرمائے، ایک عام اور ایک خاص، عام تو یہ کہ:

لایسئل عما یفعل وھم یسئلون[1] اللہ جو کچھ کرے اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں

---

[1] القرآن الکریم ۲۱/ ۲۳

ان الحکم الا للّٰہ[1]، لہ الحکم و الیہ ترجعون[2]، وما کان لمؤمن و لا مؤمنۃ اذا قضی اللہ و رسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یعص اللہ و رسولہ فقد ضل ضلالا مبینا[3]۔

اور سب سے سوال ہوگا، حکم نہیں مگر اللہ کو اسی کی حکومت ہے اور تمھیں اسی کی طرف پھرنا، کسی مسلمان مرد یا عورت کو یہ گنجائش نہیں کہ جب اللہ اور رسول کسی بات میں کچھ حکم کریں تو انھیں کچھ اپنا اختیار باقی رہے اور جو اللہ و رسول کے حکم پر نہ چلے بیشک وہ صریح گمراہی میں بھٹکا۔

اور خاص کیے کافروں نے اعتراض کیا تھا انما البیع مثل الربٰو[4] بے شک بیع سُود کی مثل ہے۔ ت) تم جو خرید و فروخت کو حلال اور سود کو حرام کرتے ہو ان میں کیا فرق ہے بیع میں بھی تو نفع لینا ہوتا ہے، اس کا جواب ارشاد فرمایا:

واحل اللہ البیع وحرم الربٰو[5] اللہ نے حلال کی بیع اور حرام کیا سُود۔

تم ہوتے ہو کون، بندے ہو سر بندگی خم کرو، حکم سب کو دئے جاتے ہیں، حکمتیں بتانے کے لئے سب نہیں ہوتے، آج دنیا بھر کے ممالک میں کسی کی مجال ہے کہ قانون ملکی کسی دفعہ پر حرف گیری کرے کہ یہ بیجا ہے یہ کیوں ہے یُوں نہ چاہئے یوں ہونا چاہئے تھا جب جھوٹی فانی مجازی سلطنتوں کے سامنے چون وچرا کی مجال نہیں ہوتی تو اس ملک الملوک بادشاہ حقیقی ازلی ابدی کے حضور کیوں اور کس لئے کا دم بھرنا کیسی سخت نادانی ہے والعیاذ باللہ تعالٰی۔ سود لینا مطلقاً عموماً قطعاً سخت کبیرہ ہے اور سُود دینا اگر بضرورت شرعی و مجبوری ہو تو جائز ہے، درمختار میں ہے:

یجوز للمحتاج الاستقراض بالربٰو[6]۔ محتاج سود پر قرض لے سکتا ہے۔ (ت)

ہاں بلا ضرورت جیسے بیٹی بیٹے کی شادی یا تجارت بڑھانا یا پکا مکان بنانے کے لئے سودی روپیہ لینا حرام ہے، سود خور کے یہاں کھانا نہ چاہئے مگر حرام و ناجائز نہیں جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ یہ چیز جو ہمارے سامنے کھانے کو آئی بعینہٖ سود ہے مثلاً ان گیہوؤں کی روٹی جو اس نے سود میں لئے تھے یا

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۵۷
[2] القرآن الکریم ۲۸/ ۸۸
[3] " ۳۳/ ۳۶
[4] " ۲/ ۲۷۵
[5] " ۲/ ۲۷۵
[6] الاشباہ والنظائر بحوالہ القنیہ الفن الاول، القاعدۃ الخامسہ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۶

سود کے روپے سے اس طرح خریدی گئی ہے کہ اس پر عقد و نقد جمع ہوگئے یعنی سود کا روپیہ دکھا کر اس کے عوض خریدی اور وہی روپیہ اسے دے دیا، جب تک یہ صورتیں تحقیق نہ ہوں وہ کھانا حرام ہے نہ ممنوع۔

فی الھندیۃ عن الذخیرۃ عن محمد بہ ناخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینہ[1]۔

فتاوٰی ہندیہ میں بحوالہ ذخیرہ امام محمد سے منقول ہے کہ ہم اسی (قولِ جواز) کو لیتے ہیں جب تک بعینہٖ کسی شے کا حرام ہونا معلوم نہ ہوجائے (ت)

تو نہ خلق پر تنگی ہے نہ علماء پر اعتراض، ہاں تجارت حرام کے دروازے آج کل بکثرت کھلے ہیں ان کی بندش کو اگر تنگی سمجھا جائے تو مجبوری ہے وُہ تو بیشک شرع مطہر نے ہمیشہ کیلئے بند کئے ہیں جو آج بے قیدی چاہے کل نہایت سخت شدید قید میں گرفتار ہوگا اور جو آج احکام کا مقید رہے کل بڑے چین کی آزادی پائے گا۔ دنیا مسلمان کے لئے قیدخانہ ہے اور کافر کے لئے جنت۔ مسلمانوں سے کس نے کہا کہ کافروں کی اموال کی وسعت اور طریق تحصیل آزادی اور کثرت کی طرف نگاہ پھاڑ کر دیکھے، اے مسکین! تجھے تو کل کا دن سنوارنا ہے،

یوم لاینفع مال ولا بنون، الا من اتی اللّٰہ بقلب سلیم[2]۔

جس دن نہ مال نفع دے گا نہ اولاد، مگر جو اللہ کے حضور سلامت والے دل کے ساتھ حاضر ہوا۔

اے مسکین! تیرے رب نے پہلے ہی تجھے فرمادیا ہے،

ولا تمدن عینیک الٰی ما متعنا بہ ازواجا منھم زھرۃ الحیٰوۃ الدنیا لنفتنھم فیہ ورزق ربک خیر وابقٰی[3]۔

اپنی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھ اس دنیوی زندگی کی آرائش کی طرف جو ہم نے کافروں کے کچھ مردوں عورتوں کے برتنے کو دی تاکہ وہ اس کے فتنہ میں پڑے رہیں اور ہماری یاد سے غافل ہوں اور تیرے رب کا رزق بہتر ہے اور باقی رہنے والا۔

چندہ کا جواب اوپر آگیا کہ اگر ہم کو تحقیق سے معلوم ہو کہ یہ روپیہ جو دے رہا ہے بعینہٖ سود کا ہے تو لینا حرام ورنہ جائز۔ ربا اس صورت میں متحقق ہوتا ہے کہ عقد میں مشروط ہو اگرچہ شرط نصًّا ہو یا عرفًا ہو

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲

[2] القرآن الکریم ۲۶/ ۸۸ و ۸۹

[3] " " ۲۰/ ۱۳۱

ورنہ احساناً قرارداد سے زائد دینا نہ ربا ہے نہ جرم۔ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک پاجامہ خریدا اور قیمت کی چاندی وزن کرنیوالے سے ارشاد فرمایا: زن وارجح[1] تول اور زیادہ دے۔ یہ احسان ہے، وما علی المحسنین من سبیل[2] (احسان کرنے والوں پر کوئی راہ نہیں۔ت) پھر امام رازی پر کیا اعتراض ہے سود لینا شرع نے مطلقاً حرام فرمایا ہے مسلم سے ہو یا کافر سے، قال اللہ تعالیٰ وحرم الربٰو[3] (اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کیا۔ت) اس میں کوئی تخصیص نہیں مگر مدار اعمال نیت پر ہے اگر کسی کافر کا مال کہ نہ ذمی ہو نہ مستامن، بلا غدر و بدعہدی اور بغیر کسی نیت ناجائز کے حاصل ہو تو بہ نیت شے مباح اسے لینا ممنوع نہیں اگرچہ وہ دینے والا اپنے ذہن میں سود ہی سمجھ کر دے یہ مال مساجد و مدارس و مصارف یتامیٰ میں بھی صرف ہوسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۹۲ ازمقام کٹھور ضلع سورت حاجی محمد سلیمان کڑوا بروز یکشنبہ ۲۹ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ فی زمانناٹراموے و ریلوے کمپنی و دیگر کارخانہ جات کے حصص جسے یہاں کی اصطلاح میں شیئر کہتے ہیں خریدے جاتے ہیں اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک کمپنی ٹراموے یا ریلوے یا کارخانہ پارچہ بافی یا آہن سازی یا کسی اور تجارت کے لئے قائم کی جاتی ہے اور اس کا سرمایہ مقرر کرکے اس کے حصص فروخت کئے جاتے ہیں اور اس کے کارکنان بھی تنخواہ دار مقرر کئے جاتے ہیں جو حسب منصب کام کرتے ہیں اور ششماہی یا سالانہ اس کے نفع نقصان کا حساب شائع کرتے ہیں اور نفع بھی حصہ رسد تقسیم کرتے ہیں اور کچھ روپیہ نفع میں سے جمع بھی رہتا ہے جو سود پر بھی دیا جاتا ہے اور اس کا سود بھی نفع میں شامل کرکے حصہ داروں کو تقسیم کیا جاتا ہے اور ضرورت کے وقت سودی روپیہ بھی لیا جاتا ہے اس کا سود اصل رقم یا نفع میں سے دیا جاتا ہے اور ان حصص کی قیمت کمپنی کے نفع نقصان کے اعتبار سے بڑھتی گھٹتی رہتی ہے حصہ داران اپنے حصہ کو اسی بھاؤ سے فروخت کردیتے ہیں لیکن فروخت کی یہ صورت ہوتی ہے کہ بائع دلال سے کہتا ہے کہ میں اپنی فلاں کمپنی کا حصہ فروخت کرنا چاہتا ہوں تو دلال کہتا ہے کہ آج

---

[1] سنن ابوداؤد کتاب البیوع باب فی الرجحان فی الوزن آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۱۸
[2] القرآن الکریم ۹/ ۹۱
[3] " ۲/ ۲۷۵

یہ بھاؤ ہے پھر اگر بائع کو اس بھاؤ سے فروخت کرنا ہوتا ہے تو دلال کو کہہ دیتا ہے کہ بیچ دو، تو وہ کسی کو بیچ دیتا ہے، یہاں مشتری کسی چیز پر قبضہ نہیں کرتا ہے بلکہ صرف کمپنی والوں سے دلال بائع کے نام کی جگہ مشتری کا نام لکھوا کر دے دیتا ہے، یہاں قابل غور یہ امر بھی ہے کہ اگر مشتری کمپنی والوں سے اپنے حصص کے عوض کمپنی کے اسباب تجارت میں سے کوئی شے طلب کرے تو کمپنی والے وہ شئی اسے نہیں دیتے اور نہ اسے اس کے دام واپس کرتے ہیں البتہ وہ جس وقت حصہ فروخت کرنا چاہے تو بازاری بھاؤ سے اسی وقت مذکورہ بالا طریق سے فروخت ہوجاتا ہے اور اسے اسی وقت روپیہ مل بھی جاتا ہے، اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ یہ حصص خریدنے عند الشرع جائز ہیں یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو یہ کس بیع میں داخل ہے اور اس میں زکوٰۃ حصص کی قیمت پر لازم آتی ہے یا منافع پر؟ بینوا توجروا۔

الجواب الملفوظ

ظاہر ہے کہ حصہ روپوں کا ہے اور وہ اتنے ہی روپوں کو بیچا جائے گا جتنے کا حصہ ہے یا کم زائد کو بیچا گیا تو ربا اور حرام قطعی ہے، اور اگر مساوی ہی کو بیچا گیا تو صرف ہے جس میں تقابض بدلین نہ ہوا یوں حرام ہے پھر حصہ داروں کو جو منافع کا سود دیا جاتا ہے وہ بھی حرام ہے، غرض یہ معاملہ حرام در حرام محض حرام ہے حصص کی قیمت شرعاً کوئی چیز نہیں بلکہ اصل کے روپے جتنے اس کے کمپنی میں جمع ہیں، یا مال میں اس کا جتنا حصہ ہے، یا منفعت جائزہ غیر ربا میں اس کا جتنا حصہ ہے اس پر زکوٰۃ لازم آئے گی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۳ از بہرائچ درگاہ شریف مسئولہ عظیم الدین مدرس افسر مدرسہ مسعودیہ بروز پنجشنبہ ۲۲ صفر ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو کو کچھ روپیہ مختلف شرح سود پر بدفعات قرض دیا اور اس روپیہ میں کوئی جائداد مرہون نہیں تھی اس کے بعد خالد پسر زید نے عمرو کی جائداد بخیال اپنے وارث ہونے کے خرید کیا، کل زر قرض اصل مع سود زرثمن جائداد میں مجرا لیا، پس سوال یہ ہے کہ خالد و عمرو جو دونوں سنی المذہب ہیں اور حدود شرعیہ سے نکلنا نہیں چاہتے، ایسی صورت میں خالد کو رقم سود حلال و مباح ہے یا حرام ناجائز ہے اور خالد خیرات و صدقہ کر دینے کے عذر سے یا عمرو کے مبتلائے اسراف ہوجانے کے احتمال سے رقم سود واپس نہیں کرنا چاہتا، یہ عذر اس کا کیسا ہے؟ جواب مع دلائل مہربانی فرماکر تحریر فرمائیے، فقط۔

الجواب

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

یاایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وذروا مابقی من الربٰو، فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ[1]

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہا چھوڑدو پھر اگر ایسا نہ کرو تو اللہ ورسول سے لڑائی کا اعلان کردو یعنی اللہ ورسول سے لڑنے کو تیار ہوجاؤ اگر سود نہیں چھوڑتے۔

خالد پر ایک حبہ سود کا لینا حرام ہے، حدیث میں فرمایا: "جس نے دانستہ ایک درم سود کا لیا اس نے گویا چھتیس[2] بار اپنی ماں سے زنا کیا"۔ بکثرت احادیث صحیحہ میں ہے کہ سُود تہتر گناہوں کا مجموعہ ہے ایسرھا مثل ان ینکح الرجل امہ[3] ان سب میں ہلکا یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے زنا کرے۔ صحیح حدیث میں ہے:

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اٰکل الربٰو وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء[3]

لعنت فرمائی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سود لینے والے اور کاغذ لکھنے والے اور اس پر گواہیاں کرنے والوں پر، اور فرمایا وہ سب برابر ہیں۔

اور یہ عذر کہ خیرات کرے گا یا عمرو مسرف ہے محض اغوائے شیطانی ہے، اسراف اگر وہ کرے تو گناہ اس پر ہوگا اس کا مال ضائع ہوگا دوسرے کو گناہ سے بچانے کے لئے خود اللہ ورسول سے لڑائی مول لینا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی لعنت قبول کرنا عقل ودین سے کیا علاقہ رکھتا ہے اور خیرات کا عذر تو اور بھی بدتر ہے خیرات کرنے کے لئے حرام مال لینا اس عورت کے مثل ہے جو تصدق کے لئے اجرت پر زنا کرائے کہ خیرات کرے گی۔ ردالمحتار میں ہے:

کمطعمۃ الایتام من کد فرجھا ، لك الویل لاتزنی ولاتتصدقی[4]

جیسے وہ عورت کہ اپنی فرج کی کمائی سے یتیموں کو کھانا دے، تیری خرابی ہو نہ زنا کر نہ خیرات دے۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۹-۲۷۸

[2] المستدرک للحاکم کتاب البیوع دارالفکر بیروت ۲/ ۳۷

[3] صحیح مسلم کتاب المساقاۃ والمزارعۃ باب الربٰو قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷

[4] ردالمحتار

بلکہ خالد کی سعادت یہ ہے کہ اس کے باپ نے جس قدر سود لیا ہے وہ بھی واپس دے اگر اللہ تعالٰی سے ڈرتا اور حدود شرع میں رہنا چاہتا ہے تو راہ یہ ہے اور ہدایت اللہ تعالٰی کے ہاتھ ۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۹۴ از مقام بمبئی سیتارام بلڈنگ کوٹھی صاحب عبداللہ علی رضا صاحب مسئولہ سرور خاں ۱۳ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ

مصدر فیض وحسنات مکرم ومعظم بندہ اعلٰحضرت مولانا قبلہ دام ظلکم ، السلام علیکم !

برادرم محمد عبدالعزیز خاں نے کلکتہ سے آنجناب سے جان کے بیمہ کی نسبت دریافت کیا تھا، آنجناب نے ناجائز کا فتوٰی دیا ، مذکور فتوٰی کو انھوں نے میرے پاس بھجدیا دیکھنے سے معلوم ہوا کہ سوال ان کا ناقص ہے دوبارہ بغرض تحقیق مسئلہ مذکورہ مفصلاً پیش ہوتا ہے ، امیدوار جواب باصواب ہوں ۔

ایک بیمہ کمپنی میں جس کے مالک ومختار سب کے سب نصرانی المذہب ہیں علاوہ دریا و آگ کے بیمہ کے جان کا بیمہ بھی ہوتا ہے ، صورتیں اس کی متفرق ہیں :

پہلی صورت میں تمام عمر ایک مقررہ فی بیمہ اتارنے والا کمپنی مذکورہ کو تمام عمر ہر سال دیتا رہے اور اس کے مرنے کے بعد اس کے وارثوں کو بیمہ کی رقم دی جاتی ہے مثلاً تیس سال کی عمر کے شخص نے ہزار روپیہ کی رقم کے لئے اپنا بیمہ اتارا تو سالانہ فیس اس کو اٹھائیس روپیہ دینا پڑے گا اور اس کے مرنے کے بعد کمپنی اس کے وارثوں کو پورا ایک ہزار دے دے گی مثلاً آج کسی شخص نے بیمہ کمپنی سے معاہدہ کیا اور پہلے سال کی فیس دی اس کے بعد دو مہینہ یا دو سال یا چار سال کے بعد مرگیا تو بیمہ کی پوری رقم ایک ہزار روپیہ اس کے وارثوں کو مل جائے گی ۔

دوسری صورت یہ ہے کہ معدودے فی فقط چند سال تک سال کمپنی مذکور کو دیتا رہا اور اس کے مرنے پر اس کے وارثوں کو بیمہ کی رقم پوری ایک ہزار روپیہ دی جائیگی ، یہ پہلی صورت سے اچھی ہے ، چند سال فی بھرنے کے بعد بھرنا نہیں ہوتا ہے مثلاً ایک شخص کی عمر تیس سال ہے اور ساٹھ سال کی عمر تک کمپنی کو سالانہ ساڑھے تیس روپیہ فیس دیتا رہے اور پھر نہ دے تو اس کے وارثوں کو بعد موت بیمہ کی رقم دی جائے گی ، اگر بیمہ اتارنے والا قبل مدت کے مرگیا تو بیمے کی طرف سے اسکے وارثوں کو پوری رقم بیمہ کی ایک ہزار روپیہ دی جائے گی ۔

تیسری صورت ، کوئی شخص جو بیمہ اتارتا ہے وہ آئندہ اپنے بڑھاپے میں مثلاً پچیس سال یا ساٹھ سال یا باسٹھ سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد بیمہ کی ہوئی رقم خود وصول کرنا چاہتا ہے اس عمر تک بیمہ اتارنے والا زندہ رہا تو رقم مذکور اسی کو ملے گی ہر بڑھاپے عمر کی فیس جدا ہے مثلاً تیس سال کی عمر کا شخص ساٹھ سال

کی عمر کو پہنچنے کے بعد ایک ہزار چاہتا ہے تو سالانہ اس کی فیس ساڑھے چونتیس روپے ہے، اگر وہ زندہ رہا تو سالانہ اس کو فیس مذکورہ دینا ہوگا اور اس کو ساٹھ سال کی عمر میں بیمہ کی رقم ایکہزار ملے گی اس درمیان میں بیمہ اتارنے والا مرگیا تو پوری رقم بیمہ کی ایک ہزار روپیہ اس کے وارثوں کو مل جائے گی۔

چوتھی صورت: یہ صورت تیسری صورت سے ملتی جلتی ہے، فرق یہ ہے کہ اس صورت میں بیمہ اتارنے والے کو فقط بیس سال تک فیس دینی پڑتی ہے اس کے بعد پھر دینا نہیں پڑتا اس کی فیس تیسری صورت سے ذرا زیادہ ہے مثلاً تیس سال کی عمر کا شخص ساٹھ سال میں ایکہزار روپیہ چاہتا ہے تو اس کو سالانہ بیالیس روپیہ دینا ہوگا بیس سال کے بعد پھر دینا نہ ہوگا، جب وہ ساٹھ سال کی عمر کو پہنچے گا تو کمپنی اس کو بیمہ کی رقم دے دیگی یعنی مبلغ ایکہزار روپیہ، اس اثناء میں وہ مرگیا تو اس کے وارثوں کو پورا ایک ہزار روپیہ مل جائے گا۔

کوئی شخص مذکورہ بالا صورتوں کا بیمہ لینے کے بعد چند سال بیمہ کی فیس دیتا رہا اس کے بعد دینا نہ چاہا ہے یا دے نہ سکا اور کمپنی سے روپیہ جو بھرا ہے واپس چاہتا ہے تو فقط نصف رقم فیس ادا کردہ اس کو ملے گی، مثلاً دس سال تک دیتا رہا اندازاً جملہ چار سو ہوا یا زیادہ ہوا یا کم ہوا اب وہ کمپنی سے اپنا معاہدہ منسوخ کراکر جو روپیہ بھرا ہے واپس چاہتا ہے تو فقط نصف رقم چار سو کی دو سو ملے گی اگر واپس نہ چاہا تو مدت مقررہ گزرنے پر جس کو وہ انتخاب کیا ہو بوقت معاہدہ بیمہ کی رقم بالمناسبۃ ملے گی مثلاً چوتھی صورت کا بیمہ کسی نے لیا پانچ سال تک فی دیتا رہا اس کے بعد دے نہ سکا یا دینا نہ چاہا تو اس کو پاؤ رقم کی دے کی رسید ملے گی یعنی ۲۵۰ روپیہ اس کو یا تو بشرطِ حیات ساٹھ سال کی عمر میں مذکورہ روپیہ ۲۵۰ ملے گا یا بعد موت اس کے وارثوں کو ملے گا، بیمہ کی فیس جداجدا ہے جتنی عمر کم ہوگی اتنی فیس کم ہوگی بڑی عمر کے لئے زیادہ فیس ہے، یہ حساب بیمہ اتارنے کے وقت کیا جاتا ہے اور بیمہ اتارنے کے وقت جو عمر رہتی ہے اس کی فیس تمام عمر یا بڑھاپے کی عمر تک بھرنا ہوگا جس کو وہ پسند کرے۔ بالا مذکور صورتوں سے روپیہ جمع کرنا اور بیمہ کمپنی سے معاہدہ کرنا اور کمپنی مذکورہ سے وصول کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ سائل حنفی المذہب ہے لہٰذا فتوٰی بھی اسی مذہب پر ہو۔ والسلام

الجواب

یہ بالکل قمار ہے اور محض باطل کہ کسی عقدِ شرعی کے تحت میں داخل نہیں، ایسی جگہ عقودِ فاسدہ بغیر عذر کے جو اجازت دی گئی وہ اس صورت سے مقید ہے کہ ہر طرح ہی اپنا نفع ہو اور یہ ایسی کمپنیوں میں کسی طرح متوقع نہیں لہٰذا اجازت نہیں کما حقق المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر (جیسا کہ محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں تحقیق فرمائی۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۵ ازموضع درؤ ضلع پیلی بھیت مرسلہ عبدالعزیز خاں صاحب ۳ رجب ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فروخت غلہ نسیہ ساتھ نقصان نرخ کے بشرط ادائیگی وقت خرمن گاہ جس طرح کہ فی زمانہ زمیندار کیا کرتے ہیں مثلاً اسامی نے تخم واسطے کاشتکاری زمیندار سے طلب کیا اس نے نرخ سے دو تین سیر کم کرکے دے دیا اور اس کی قیمت اس کے ذمہ واجب الادا کرکے وقت بٹائی کے وصول کرلیا خواہ روپیہ لے لیا یا اناج جس کو ہندی میں بیج کھاد کہتے ہیں آیا اس قسم کی بیع جائز ہے یا ناجائز؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

قرضوں نرخ موجود سے کم بیچنے میں مضائقہ نہیں جبکہ باہم تراضی ہو مگر یہ ضرور ہے کہ نرخ و قیمت و وعدۂ ادائے قیمت سب وقت بیع معین کردئے جائیں اور غلے کے بدلے غلہ نہ بیچے مثلاً بارہ سیر کا بک رہا ہے اس نے دس من غلہ دس سیر کے حساب سے دو مہینے کے وعدے پر چالیس روپے کو بیچا کوئی حرج نہیں، اور اگر یہ ٹھہرا کر غلہ اتنے غلے کے عوض بیچا جو آج کے بھاؤ سے اتنے روپوں کا فصل پر ہو تو حرام اور سود ہے یُونہی وقت خرمن گاہ کا وعدہ بھی بیع میں جائز نہیں ہے اگر عقد بیع میں یہ میعاد مذکور ہوگی بیع فاسد و گناہ ہوگی، ہاں اگر نفس عقد میں قرضوں کا ذکر نہ تھا پھر قرار پایا کہ یہ روپے جو مشتری پر لازم آئے وقت خرمن ادا کئے جائیں گے تو جائز ہے۔

فی الدر المختار لایصح البیع بثمن مؤجل الی قدوم الحاج والحصاد للزرع والدیاس للحب والقطاف للعنب لانھا تتقدم وتتاخر ولو باع مطلقا عن ھذہ الآجال ثم اجل الثمن الدین الیھا صح التاجیل کما لو کفل الی ھذہ الاوقات لان الجھالۃ الیسیرۃ متحملۃ فی الدین والکفالۃ[1] اھ مختصراً۔

درمختار میں ہے کہ بیع اس ثمن کے بدلے صحیح نہیں جس کی میعاد حاجیوں کے آنے یا کھیت کاٹنے یا غلہ گاہنے یا انگور توڑنے کے ساتھ مقرر کی گئی ہو کیونکہ یہ اوقات مقدم ومؤخر ہوتے رہتے ہیں ہاں اگر ان اوقات کا ذکر کئے بغیر بیع کی پھر ثمن دین کو ان اوقات کے ساتھ مؤجل کردیا تو مدت مقرر کرنا صحیح ہے جیسا کہ کوئی شخص اوقاتِ مذکورہ تک ضامن بنے کیونکہ تھوڑی سی جہالت دین اور ضمانت میں قابلِ برداشت ہے اھ مختصراً (ت)

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷

پھر بہر حال یہ اس سے انھیں قرار یافتہ ۳۶ روپوں کے لینے کا مستحق ہوگا وقتِ خرمن جبر نہیں کرسکتا کہ اب اس وقت کے بھاؤ سے اُتنے روپوں کا جو غلہ ہو اوہ دے یہاں تک کہ اگر عقد میں یہ شرط کر لی تھی کہ چالیس روپے زرِ ثمن کے عوض فصل پر جو بھاؤ ہوگا اس کے حساب سے غلہ لیا جائیگا تو بیع فاسد و حرام ہو جائے گی

لفساد الشرط و صفقتین فی صفقة و الافتراق عن دین بدین فی ما شرط من معاوضة الثمن بالحب مع جھالة قدر المبیع فی ھذہ المعاوضة۔

کیونکہ اس میں فساد شرط، ایک سوٹے میں دو سودوں کا اجتماع اور جدا ہونا ہے دین سے دین کے بدلے میں اس چیز میں جو اس نے وقت خرمن پر معاوضہ ثمن کی شرط لگائی باوجودیکہ اس معاوضہ میں مبیع کی مقدار مجہول ہے (ت)

ہاں اگر فصل پر مشتری کہے میرے پاس روپیہ نہیں آج کے نرخ بازار سے کہ فریقین کو معلوم ہے ان روپوں کے بدلے غلہ لے لو تو جائز ہے کما نص علیہ العلماء و بیناہ فی فتاونا (جیسا کہ اس پر علماء نے نص فرمائی ہے اور ہم نے اس کو اپنے فتاوٰی میں بیان کیا۔ ت)

مسئلہ ۱۹۶: مرسلہ وحید الدین صاحب محلہ اردو بازار بھاگلپور سٹی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندوستان دار الاسلام ہے یا دار الحرب اور دونوں کی تعریفیں کیا ہیں، ہندوستان میں غیر اقوام سے سود لینا جائز ہے یا نہیں؟ جو شخص سود لیتا ہے یا سودی تمسکات کی تحریر کی اجرت سے اپنی اوقات گزاری کرتا ہو ایسے شخص کے یہاں کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

ہندوستان دار الاسلام ہے، دار الاسلام وہ ملک ہے کہ فی الحال اس میں اسلامی سلطنت ہو یا اب نہیں تو پہلے تھی، اور غیر مسلم بادشاہ نے اس میں شعائر اسلام مثل جمعہ و عیدین و اذان و اقامت و جماعت باقی رکھے اور اگر شعائر کفر جاری کئے اور شعائر اسلام یک لخت اٹھا دئے اور اس میں کوئی شخص امان اول پر باقی نہ رہا اور وہ جگہ چاروں طرف سے دار الاسلام سے گھری ہوئی نہیں تو دار الحرب ہو جائے گا جب تک یہ تینوں شرطیں جمع نہ ہوں کوئی دار الاسلام دار الحرب نہیں ہو سکتا۔ سُود لینا نہ مسلمان سے حلال ہے نہ کافر سے۔ سود خور اور تمسک لکھنے والا اور اس پر گواہی کرنیوالے سب ایک حکم میں ہیں[1]، جو کھانا سامنے لایا اگر معلوم ہو کہ یہ بعینہٖ سُود کا ہے تو اس کا کھانا حرام اور اگر سود کا روپیہ دکھا کر یا پہلے دے کر اس کے عوض کھانے کی چیز خریدی جب ناجائز ہے ورنہ جائز

---

[1] صحیح مسلم کتاب المساقات باب الربٰو قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۲۷

نہیں مگر ایسے لوگوں سے اختلاط نامناسب ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۹۷: از گودنا ڈاکخانہ ریولگنج ضلع سارن مدرسہ حمیدیہ مرسلہ منشی عبدالحمید صاحب ناظم مدرسہ مذکورہ ۱۸ شوال ۱۳۳۱ھ

مایقول السادۃ الفضلاء ھل یجوز اخذ الربا عن اھل الحرب فی الھند سواء کانوا ھنودا ام نصرانیین او غیرھم ممن لا ذمۃ لھم علینا۔

کیا فرماتے ہیں بزرگ فضلاء کہ کیا ہندوستان میں اہلِ حرب سے سود لینا جائز ہے؟ چاہے وہ ہندو ہوں یا نصرانی ہوں یا ان کے علاوہ جن کا ذمہ ہم پر لازم نہیں (یعنی ذمی نہیں)۔ (ت)

الجواب

الھند بحمدہ تعالٰی دار الاسلام لبقاء کثیر من شعائر الاسلام ومابقی علقۃ منھا تبقی دار الاسلام دار الاسلام لان الاسلام یعلو ولا یعلٰی اما اخذ الربا فانہ لایجوز مطلقا لاطلاق نصوص التحریم وماذکروا من جواز اخذ الفضل فی دار الحرب فلیس من باب الربا فی شیئ لان الربا انما یکون فی مال معصوم ومال اھل دار الحرب غیر معصوم حتی من اسلم منھم ثمہ ولم یھاجر الینا فاخذ ذٰلک اخذ مال مباح لا اخذ ربا، ولذا یقول المحققون لاربا فی دار الحرب لانہ یجوز اخذ الربا فیھا

ہندوستان الحمدللہ دارالاسلام ہے کیونکہ اس میں بہت سے شعائرِ اسلامی باقی ہیں اور جب تک ان شعائرِ اسلامیہ کا تعلق باقی رہے دارالاسلام دارالاسلام ہی رہتا ہے اس لئے کہ اسلام غالب ہوتا ہے مغلوب نہیں ہوتا۔ رہا سود کا لینا تو وہ نصوصِ تحریم کے اطلاق کی وجہ سے مطلقاً حرام ہے اور فقہاءِ کرام نے جو دارالحرب میں زیادہ لینے کے جواز کا ذکر کیا ہے وہ سود کے قبیلہ سے نہیں ہے کیونکہ سود مالِ معصوم میں ہوتا ہے اور اہلِ حرب کا مال معصوم نہیں یہاں تک کہ اگر اہلِ حرب میں سے کوئی شخص وہاں ہی مسلمان ہوا اور ہجرت کرکے ہماری طرف دارالاسلام میں نہیں آیا تو اس کا مال لینا مالِ مباح کا لینا ہے نہ کہ سود کا لینا۔ اسی لئے محققین فرماتے ہیں کہ دارالحرب میں کوئی سود نہیں، یوں نہیں فرماتے کہ وہاں سود

---

[1] صحیح البخاری کتاب الجنائز باب اذا اسلم الصبی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۰

كما يقولون لا ربا بين السيد وعبده لانه يجوز للسيد اخذ الربا من عبده، فانما اطلق عليه اسم الربا نظرا الى الصورة، وانما الاحكام للحقائق وهذا الحكم يعم كل حربي غير مستامن ولو في دار الاسلام لان المناط عدم العصمة وهو يشملهم جميعا، فلا يحرم علينا معهم الا الغدر، فاذا جاوزته واخذت منهم ما اخذت باسم اى عقد اردت فقد اخذت مالا مباحا لاتبعة عليك فيه كما راهن الصديق الاكبر عليه الرضوان الاكبر كفار مكة في غلبة الروم واخذ مالهم باذنه عليه وعلى أله افضل الصلوٰة والسلام، فانما جاز لعدم العصمة والا لكان قمارا محرما، فهذا هو الاصل المطرد في هذا الباب ومن اتقنه تيسر عليه استخراج الجزئيات وقد فصلنا القول فيه في فتاونا نعم هنا دقيقتان يجب التنبه لهما الأولى: ينبغي التحرز عن مواقف التهم ممن جاهر باخذ الفضل منهم

لینا جائز ہے جیسا کہ وہ فرماتے ہیں کہ مالک اور اس کے غلام کے درمیان کوئی سود نہیں، بہ ایں کہ مالک کا غلام سے سود لینا جائز ہے، اس پر سود کا اطلاق محض صورت کے اعتبار سے ہے اور احکام تو حقائق کے لئے ہوتے ہیں (نہ کہ صورت کے لئے) اور یہ حکم مذکور ہر حربی غیر مستامن کو شامل ہے اگرچہ وہ دارالاسلام میں ہو کیونکہ اس حکم کا دارومدار مال کے معصوم نہ ہونے پر ہے اور وہ (عدمِ عصمت) تمام غیر مستامن حربیوں کو شامل ہے چنانچہ ہم پر ان کے ساتھ سوائے دھوکا بازی کے کچھ حرام نہیں، اور جب تو دھوکا بازی سے اعراض کرتے ہوئے ان کا مال جس عقد کے نام سے چاہے لے تو بیشک تو نے مال مباح لیا اس میں تجھ پر کوئی مواخذہ نہیں جیسا کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے غلبۂ روم کے بارے میں کفارِ مکہ سے شرط لگائی اور نبی اقدس صلے اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہٖ وسلم کی اجازت سے اس شرط پر کفارِ مکہ کا مال لے لیا کیونکہ ان کا مال معصوم نہیں ورنہ تو یہ جوا ہے جو کہ حرام ہے۔ اس باب میں یہ قاعدہ کلیہ ہے جس نے اس کو مستحکم کر لیا اس پر جزئیات کا استخراج آسان ہو گیا اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس پر مفصل گفتگو کی ہے، ہاں یہاں دو باریک باتیں ہیں جن پر متنبہ ہونا ضروری ہے، پہلی بات یہ ہے کہ تہمت کی جگہوں سے بچنا چاہیے۔ جس شخص نے اعلانیہ طور پر حربیوں سے زیادتی مال وصول کی اور

بالنیۃ الصحیحۃ المذکورۃ انما یاخذ حلالا ولکن یتھمہ العوام باکل الربا فینبغی التحرز عنہ لذوی الھیئات فی الدین والثانیۃ ان من الصور المباحۃ ما یکون جرما فی القانون ففی اقتحامہ تعریض النفس للاذی والاذلال وھو لایجوز فیجب التحرز عن مثلہ وما عدا ذلک مباح سائغ لاحجر فیہ، نعم من اخذ منھم الفضل ونوی اخذ الربا فھو الذی قصد المعصیۃ و انما الاعمال بالنیات ولکل امرئ مانوی[1]، کما نصوا علیہ فی من تعمد النظر من بعید الی ثوب موضوع فی الطاق ظنا منہ انھا امرأۃ اجنبیۃ حیث یاثم بما قصد وان کان النظر الی الثوب مباحا فی نفسہ، وھو سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

نیت اس کی صحیح ہے جس کا ذکر ہوا تو بیشک وُہ حلال مال لیتا ہے۔ لیکن عوام اس پر سود کھانے کی تہمت لگائیں گے لہذا دینی اعتبار سے صاحبِ حیثیت لوگوں کو اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔ دُوسری بات یہ ہے کہ مباح صورتوں میں سے بعض قانونی طور پر جرم ہوتی ہیں ان میں ملوث ہونا اپنی ذات کو اذیت و ذلت کے لئے پیش کرنا ہے اور وہ ناجائز ہے، اس طرح کی صورتوں سے بچنا ضروری ہے اور اس کا ماسوا مباح وجائز ہے اس میں کوئی ممانعت نہیں، ہاں جس نے حربیوں سے زیادہ مال بنیت سُود لیا تو اس نے گناہ کا قصد کیا اور اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی، جیسا کہ فقہاءِ کرام نے اس شخص کے بارے میں اس پر نص کی ہے جس نے طاق میں رکھے ہوئے کپڑے کو دُور سے غیر محرم عورت سمجھتے ہوئے قصداً اس کی طرف نظر کی کیونکہ اس نے اپنے قصد میں گناہ کیا اگرچہ کپڑے کو دیکھنا فی نفسہٖ مباح ہے۔ (ت)

وھو سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۰: از لکھنؤ بازار جھاؤلال مکان ۳۷ مسئولہ سید عزیز الرحمان ۱۱ رمضان ۱۳۳۹ھ

ما قولکم رحمکم اللہ (آپ کا کیا فرمان ہے اللہ آپ پر رحم کرے۔ت) ربا کی حرمت نصوصِ صریحہ سے ثابت ہے مگر قرآن مجید میں ربا کی کوئی تفسیر نہیں کی گئی، ایامِ جاہلیت میں جو ربا عام طور پر شائع تھا وُہ یہ تھا کہ لوگ ایک دوسرے سے میعاد معینہ پر قرض لیتے تھے اور میعاد

[1] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲

گزر جانے پر مدیون راس المال پر اضافہ گوارا کرتا یا پہلے ہی سے دونوں میں معاہدہ ہوجاتا تھا اُسی راس المال پر اس افزائش کو اضافہ کرکے پھر اس پر سود لگایا جاتا تھا جیسا کہ اس زمانے میں مہاجنی کا طریقہ ہے اس صورت کے حرام ہونے میں کوئی شبہہ نہیں مگر اب اس زمانے میں معاملات کی نئی صورتیں پیدا ہوگئی ہیں جیسے بنک یا لائف انشورنس کمپنی یا ریلوے اور ملوں کے حصے وغیرہ جو تاجرانہ کاروبار کرتے ہیں ان میں جو شخص روپیہ جمع کرتا ہے وہ درحقیقت قرض نہیں دیتا اور جو نفع اس کو ملتا ہے وہ درحقیقت سود نہیں ہوتا بلکہ وہ اس تجارت میں ایک گونہ شرکت ہے اور جو سود مقرر ہوتا ہے اگرچہ وہ بلفظ سود ہو مگر درحقیقت سود نہیں ہے بلکہ وہ اس کاروبار کا نفع ہے جو منتج ہوتا ہے اور قرآن مجید میں کہیں منتج نفع کی حرمت وارد نہیں اور نہ اس کی کوئی وجہ معلوم ہوتی ہے اس واسطے کہ جو شخص تجارتی حساب سمجھنے کی اہلیت نہ رکھتا ہو اس کو بغیر اس کے چارہ نہیں ہے کہ وُہ فیصدی تین یا پانچ روپیہ پہلے سے منتج کرکے لیا کرے خصوصاً اس زمانے میں جبکہ کروروں روپیہ کے شرکت سے تجارتی کاروبار کھولے جاتے ہیں اور شرکار کی جانب سے ڈائرکٹروں کی جماعت کاروبار چلانے اور حساب وکتاب رکھنے اور منافع مشخص کرنے اور ریزرو فنڈ (محفوظ) کے قائم رکھنے کے لئے مقرر کئے جاتے ہیں جو درحقیقت ان شرکار کی طرف سے وکیل ہوتے ہیں تو جو منافع بعد پس انداز کرنے ریزرو فنڈ کے ان وکیلوں نے تجویز کیا ہو وہ سود نہیں ہوسکتا اور نہ ایسے کاروبار میں روپیہ داخل کرنے کو قرض کہا جاتا ہے علاوہ اس کے ربا کی حرمت کی جو علت آیہ کریمہ لا تظلمون ولا تظلمون[1] (نہ تم ظلم کرو اور نہ ظلم کئے جاؤ۔ ت) میں بیان فرمائی گئی ہے وہ اس پر کسی طرح صادق نہیں آتی۔ ضرورت ہے کہ علمائے کرام اس پر غور فرماکر جواب تحریر فرمائیں تاکہ اس زمانہ میں مسلمان جس کشمکش میں مبتلا ہیں اس سے نجات پائیں۔

الجواب

یہاں چار ہی صورتیں متصور ہیں، کام میں لگانے کے لئے یہ روپیہ دینے والا بغرض شرکت دیتا ہے یا بطور ہبہ یا عاریۃً یا قرض۔ صورتِ ہبہ تو یہاں بداہۃً نہیں اور شرکت کا بطلان اظہر من الشمس، شرکت ایک عقد ہے جس کا مقتضیٰ دونوں شریکوں کا اصل ونفع دونوں میں اشتراک ہے ایک شریک کے لئے معین تعداد زر مقرر کرنا قاطع شرکت ہے کہ ممکن کہ اسی قدر نفع ہو تو کل نفع کا یہی مالک ہوگیا، دوسرے شریک کو کچھ نہ ملا تو ربح (نفع) میں شرکت کب ہوئی۔ جوہرہ نیرہ وتنویر الابصار میں ہے:

الشرکۃ عبارۃ عن عقد بین   شرکت نام ہے اصل ونفع میں دو شریک ہونیوالوں

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۹

المتشارکین فی الاصل والربح[1] تنویر و شرح مدقق علائی۔

کے درمیان عقد کا ، تنویر و شرح مدقق علائی۔ (ت)

درمختار میں ہے :

شرطھا ای شرکۃ العقد عدم مایقطعھا کشرط دراھم مسماۃ من الربح لاحدھما لانہ قدلایربح غیرالمسمی و حکمہا الشرکۃ فی الربح[2]

شرکتِ عقد کی شرط اس چیز کا نہ پایا جانا ہے جو شرکت کو قطع کرے جیسے دو شریکوں میں سے ایک کے لئے نفع میں سے معین درہموں کی شرط کیونکہ کبھی ان معینہ درہموں کے علاوہ کوئی نفع ہی نہیں ہوتا اور شرکت عقد کا حکم نفع میں شرکت ہے۔ (ت)

اگر ایک سرمایہ سے تجارت ہوئی پھر اس میں سَو حصہ دار اور شریک ہوئے اور ہر ایک کیلئے دس دس روپے نفع کے لینے ٹھہرے اور اس سال ایک ہی ہزار کا نفع ہوا تو یہ ہزار تنہا یہی سو حصہ دار لیں گے یہ شرکت نہیں لُوٹ ہے ، شرکت کا مقتضٰی یہ ہے کہ جیسے نفع میں سب شریک ہوتے ہیں نقصان ہو تو وہ بھی سب پر ہر ایک کے مال کی قدر پڑے ۔ ردالمحتار میں ہے :

ثم یقول فما کان من ربح فھو بینھما علی قدر رؤس اموالھما وما کان من وضیعۃ او تبعۃ فکذلك ولاخلاف ان اشتراط الوضیعۃ بخلاف قدر راس المال باطل واشتراط الربح متفاوتا صحیح فیما سیذکر[3]

پھر کہے ، جو بھی نفع ہوگا وہ دونوں کے درمیان ان کے سرمائے کی مقدار کے حساب سے ہوگا یوں ہی حکم نقصان کا بھی ہوگا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ سرمائے کی مقدار کے خلاف نقصان کی شرط لگانا باطل ہے اور نفع میں تفاوت کی شرط لگانا صحیح ہے اس کی دلیل ہم عنقریب ذکر کریں گے۔ (ت)

یہاں اگر نقصان ہو جب بھی ان حصہ داروں کو اس سے غرض نہ ہوگی وہ اپنے ہزار روپے لے چھوڑیں گے یہ شرکت ہوئی یا غصب ، اصل مقتضائے شرکت عدل و مساوات ہے قال اللہ تعالٰی فھم شرکاء فی الثلث[4]

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار | کتاب الشرکۃ | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/ ۳۷۰
[2] درمختار | " | " | ۱/ ۳۷۱
[3] ردالمحتار | " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۳/ ۳۳۷
[4] القرآن الکریم ۴/ ۱۲

(اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: وہ سب ترکہ کے تیسرے حصہ میں شریک ہیں۔ ت) فرض کیجئے کہ اصل سرمایہ ان سو حصوں سے دوچند تھا اور اس سال پندرہ سو روپے کے نفع ہوئے تو یہ نصف والے ایک ہزار لیں گے اور دوچند والوں کو صرف پانسو ملیں گے آدھے کو دونا اور دونے کو آدھا، یہ عدل ہوا یا صریح ظلم۔ بالجملہ اس عقد مخترعہ کو شرکت شرعیہ سے کوئی علاقہ نہیں، اب نہ رہے مگر عاریت یا قرض، عاریت ہے جب بھی قرض ہے کہ روپیہ صرف کرنے کو دیا اور عاریت میں شے بعینہٖ قائم رہتی ہے۔ درمختار میں ہے:

عارية الثمنين قرض ضرورة استهلاك عينهما[1]
ثمنوں (سونے اور چاندی) کی عاریت قرض ہے کیونکہ اس میں عین کو ہلاک کرنا لازم ہے (ت)

بہرحال یہاں نہیں مگر صورتِ قرض اور اس پر نفع مقرر کیا گیا یہی سود ہے اور یہی جاہلیت میں تھا، حدیث میں ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کل قرض جر منفعة فھو ربٰو[2]
قرض پر جو نفع حاصل کیا جائے وہ ربا ہے۔

قرآن کریم اس نفع منع کی تحریم سے ساکت نہیں خود سائل نے علت تحریم ربا تلاوت کی لاتظلمون ولا تظلمون[3] (نہ تم ظلم کرو اور نہ ظلم کئے جاؤ۔ ت) اور یہاں تظلمون و تظلمون دونوں ہیں، ان مذکور صورتوں میں کہ ہزار ہی نفع کے ہوئے اور سب ان سو حصہ داروں نے لئے یا نفع کے پندرہ سو ہوئے اور نصف والوں نے دونے لئے، یہ ظالم ہیں اور وہ مظلوم، اور اگر پانچ ہزار نفع کے ہوئے تو ان نصف والوں کو پانچواں حصہ ملا اور ان دوچند ہی والوں کو چہار چند، یہ مظلوم ہوئے اور وہ ظالم، اور اگر یہ حصے سرمایہ سے بھٹے تو ظلم اشد ہے اور دونے اور آدھے کو چار۔ اب ایک صورت اگر یہ خیال کی جائے کہ اصل سرمایہ ان حصوں سے جدا نہ ہو انھیں حصوں سے تجارت شروع ہوئی، مثلاً سو اشخاص نے سو سو روپے ملا کر دس ہزار سے تجارت کی اور ہر شریک کے لئے دس دس روپے نفع منع قرار پایا۔ یہ صورت ظاہر کردے گی کہ وہ قرارداد ظلم و جبریت تھا یا محض جہل و حماقت۔ فرض کیجئے ایک سال پانچ ہی سو نفع کے ہوئے تو یہ سو پر دس دس کرکے کیسے بٹیں، کیا پانسو کہیں سے غصب کرکے ملائے جائیں گے یا پچاس ہی کو دے کر

---

[1] درمختار | کتاب العاریۃ | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/ ۱۵۶
[2] کنز العمال | حدیث ۱۵۵۱۶ | مؤسسۃ الرسالہ بیروت | ۶/ ۲۳۸
[3] القرآن الکریم | ۲/ ۲۷۹

پچاس کورے چھوڑ دئے جائیں گے اور وہ کون سے پچاس ہوں گے جن کو دیں گے اور وہ کون سے پچاس ہوں گے جن کو محروم رکھیں گے۔ فرض کیجئے دو ہزار نفع کے ہوئے تو دس دس بانٹ کر ہزار بچیں گے یہ کسی راہ چلتے کو دے جائیں گے یا اسی تجارت میں لگادئے جائیں گے، اگر اسی میں لگائیں گے تو سب کی طرف سے یا بعض کی طرف سے، ثانی میں وہ بعض کون ہوں گے اور ان کو کیوں زیادہ ملا اور اول پر سب کو بیس بیس ملے اور ٹھہرے تھے دس دس خلاف قرارداد عقد کیونکر ہوا۔ لاجرم عقل ہو تو یہی ماننا پڑے گا کہ جس سال ہزار نفع کے ہوں گے سب دس دس پائیں اور پانسو تو سب پانچ پانچ اور دو ہزار تو سب بیس بیس، اور کچھ نہ ہو تو کوئی کچھ نہیں، اور نقصان ہو تو سب پر حصہ رسد۔ یہی عدل ہے اور یہی مقتضائے شرکت اور یہی شرکت شرعیہ، اور وہ نفع منتزع رجماً بالغیب ٹھہرالینا محض جہل وحماقت تھا بالجملہ شرع مطہر سے آنکھ بند کرنا شر ہی لاتا ہے، خیر ہمہ تن خیر وہی ہے جو شرع مصطفٰے ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

مسئلہ ۱۹۹ از جالندھر محلہ راستہ متصل مکان ڈپٹی احمد جان صاحب مرسلہ محمد احمد خان صاحب ۲۰ شوال ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں ایک شخص کو سرکاری بنک گھر سے اس کے روپوں کا سُود آتا ہے آیا یہ شخص سرکار سے سود لے لے اور آپ نہ کھائے اور محتاج اور غریبوں کو تقسیم کردیا کرے یا کسی مفلس تنگدست کے گھر جس کو پانی کی قلت ہو کنواں لگوادے آیا وہ شخص از روئے شرع شریف سود خوروں اور گنہگاروں میں شمار تو نہ ہوگا اور ان مفلسوں اور محتاج گھر والوں کے واسطے نقد وغیرہ اس سود سے لینی اور اس کو کنوئیں کا پانی پینا درست ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب معتبرہ بیان فرمائیں۔

الجواب

سُود لینا مطلقاً حرام ہے،

قال اللہ تعالٰی وحرم الربٰو[1] وقال تعالٰی وذروا ما بقی من الربٰو[2]۔

اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے سُود کو حرام کیا۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ چھوڑ دو جو باقی رہا ہے سود سے (ت)

تو یہ شخص جس نے سود کی نیت سے لیا اپنی نیت فاسدہ پر گنہگار رہا، ہاں جبکہ وہ روپیہ برضامندی گورنمنٹ حاصل کیا اور گورنمنٹ کی طرف سے یا اس سے لینے والوں کو کسی ضرر کے پہنچنے کا اندیشہ نہیں

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵ [2] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۸

توفقراء وغرباء اسے نہ یہ سمجھ کر کہ سُود کا روپیہ ہے بلکہ یہ جان کر کہ از خزانہ برضائے حاکم وقت حاصل ہوا ہے لے سکتے ہیں ان کے لئے طیب وحلال ہے یونہی اس سے بنوایا ہوا کُنواں،

كما فصلناه فی فتاونا المسألة مسألة الظفر المنصوص عليه من الدرو غيره من الاسفار الغر۔	جیسا کہ اس کو ہم نے اپنے فتاوٰی میں مفصل بیان کیا ہے، یہ مسئلہ اپنے حق کو کسی طریقے سے حاصل کر لینے میں کامیابی کا مسئلہ ہے جس پر درر وغیرہ کتابوں میں اس پر نص کی گئی ہے (ت)

واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم حکمہ احکم۔

مسئلہ ۲۰ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے ڈاکخانہ میں روپیہ جمع کیا مگر میرا ارادہ سُود لینے کا نہ تھا بلکہ میں نے منع کیا کہ سودی نہ جمع کرنا بعد کو جب عرصہ ہوگیا تو میں روپیہ لینے کے واسطے ڈاکخانہ گیا تو اس نے مع سود روپیہ مجھ کو واپس دیا میں نے انکار کیا کہ میں سُود نہ لوں گا، اس نے کہا کہ ہم بھی واپس نہیں کرسکتے سود تم کسی محتاج کو دے دینا، اس میں عالموں کی کیا رائے ہے اور شرع کا کیا حکم ہے، آیا وہ روپیہ محتاج کو دینا ثواب ہے یا نہیں؟ کیونکہ سرکار اس روپیہ کو واپس نہیں لیتی ہے اور ہمارے بھی کسی کام کا نہیں، اس حالت میں محتاج کو دیں یا کیا کریں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جبکہ اس نے نہ سود لینا چاہا نہ اصلاً اس کا قرارداد کیا بلکہ صراحۃً منع کردیا، نہ اب سود لینا مقصود تو فقراء کو پہنچانے کی نیت سے وہ روپیہ جو گورنمنٹ سے بلا غدر وعہد شکنی بلکہ بخوشی ملتا ہے لینا اور لے کر مساکین مستحقین کو پہنچا دینا ضرور موجبِ ثواب ہے،

لان فيه الاحسان بالمساكين، والله يحب المحسنين[1]، وانما الاعمال بالنيات وانما لكل امرئ ما نوى[2]، و قد قال صلى الله تعالٰى عليه	کیونکہ اس میں مسکینوں پر احسان اور مستحقین کو ان کا حق پہنچانا ہے، اور اللہ تعالٰی احسان کرنیوالوں سے محبت فرماتا ہے، اور بیشک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۵

[2] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

وسلم من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلینفعہ[1] رواہ مسلم عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

کہ اس نے نیت کی۔ اور تحقیق رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جو اپنے بھائی کو نفع پہنچانے کی طاقت رکھتا ہو تو اس کو چاہئے کہ وُہ اپنے بھائی کو نفع پہنچائے۔ (اس کو امام مسلم نے سیدنا حضرت جابر رضی اللہ تعالٰے عنہ سے روایت فرمایا۔ اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ ت)

مسئلہ ۲۰۱: از میرگنج مرسلہ ابوالحسن صاحب ۶ شعبان ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سیونگ بنک یعنی ڈاکخانہ جات سرکاری میں روپیہ جمع کرنا اور اس کا سُود ۴ فیصدی جو حسبِ قاعدہ سرکاری جمع کنندہ کو ملتا ہے لینا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

سُود مطلقاً حرام ہے قال اللہ تعالٰی وحرم الربٰو[2] (اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: حرام کیا ہے اللہ تعالٰے نے سود کو۔ ت) ہاں اگر کسی کا اپنا مطالبہ واجبہ یا مباح جائزہ زید پر آتا ہو اور ویسے نہ ملے تو صرف بقدر مطالبہ جس طریقہ کے نام سے مل سکے لے سکتا ہے کہ اس صورت میں یہ اپنا حق لیتا ہے نہ کہ کوئی چیز ناجائز، دینے والے کا اسے ناجائز نام سے تعبیر کرنا یا سمجھنا اسے مضر نہ ہوگا جبکہ اس کی نیت صحیح اور حق جائز و واجب ہے واللہ یعلم السر واخفی (اللہ تعالٰے رازوں اور پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے۔ ت) اس امر میں مسلم و غیر مسلم سب کا حکم یکساں ہے بشرطیکہ غدر نہ کرے فتنہ نہ ہو۔

قال اللہ تعالٰی والفتنۃ اکبر من القتل[3] واللہ تعالٰی اعلم۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا: فتنہ قتل سے بڑا (گناہ) ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۰۲: مرسلہ شیخ علاء الدین صاحب از میرٹھ لال کرتی ۱۳ شعبان المعظم ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے کچھ روپیہ بنک میں جمع کیا اس کے بعد اس کے ورثہ سے عمرو نے اسے ناجائز جان کر بنک کو نوٹس دے دیا کہ میرا کل روپیہ دے دو۔ بنک والوں نے

---

[1] صحیح مسلم کتاب السلام باب استحباب الرقیۃ من العین الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۲۴

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[3] " ۲/ ۲۱۷

اپنے ضابطہ کے موافق ایک سال میں دینے کا وعدہ کیا عمرو کو روپیہ کی ضرورت ہوئی بنک سے منگایا، بنک والوں نے اسے قرض قرار دے کر دیا کہ عمرو کو عمرو کا روپیہ وہ ابھی نہیں دیتے اب بعد تمامی سال بنک والے اپنے اس قرض کا سود عمرو سے لیں گے اور عمرو کے روپیہ کا ابتداء سے سود اسے دیں گے وہ مقدار اس سے بہت زائد ہوگی جو وہ عمرو سے لیں گے تو بعد منہائی عمرو ہی کو زائد ملے گا لیکن عمرو قصد مصمم کرچکا ہے کہ نہ لونگا اس صورت میں اسے کہنا جائز ہوگا یا نہیں کہ ہم نہ سود لیں گے نہ دیں تم اپنے یہاں حساب کر لو۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اللّٰھم لک الحمد (اے اللہ! تیرے لئے ہی حمد ہے۔ ت) شرع مطہر میں سود لینا مطلقاً اور بے ضرورت و مجبوری شرعی دینا بھی دونوں حرام ہیں مگر مال مباح جب بلا غدر و بے ارتکاب جرائم برضا مندی ملتا ہو تو اسے نہ بہ نیت سود بلکہ اسی نیت مباح سے لینے میں حرج نہیں،

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی[1] وقد حققنا المسئلۃ بما لامزید علیہ بتوفیق اللہ تعالٰی فی فتاونا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی اور ہم اس مسئلہ کی تحقیق اللہ تعالٰی کی توفیق سے اپنے فتاوٰی میں اس انداز سے کردی ہے کہ اس پر اضافہ کی ضرورت نہیں۔ (ت)

دینے والے کا اسے اپنے زعم میں سود سمجھنا اسے مضر نہ ہوگا جبکہ وہ نہ واقع میں سود نہ لینے والے کو سود مقصود،

الاتری الی قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لکل امرئ مانوی[2]، فقد جعل کلا ونیتہ وقال تعالٰی لایضرکم من ضل اذا اھتدیتم[3] وقال تعالٰی

کیا تو نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کی طرف نہیں دیکھتا کہ ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ تحقیق حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہر شخص کو اس کی نیت کے ساتھ چھوڑدیا، اور اللہ تعالٰی

---

[1] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

[2] " " " " ۱/ ۲

[3] القرآن الکریم ۵/ ۱۰۵

قل کل یعمل علیٰ شاکلتہ[1] نے فرمایا تمھیں نقصان نہیں پہنچاتا وہ جو گمراہ ہوا جبکہ تم خود ہدایت پر ہو۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے (میرے محبوب) آپ فرمادیں کہ ہر ایک اپنے طریقے پر عمل کرتا ہے۔ (ت)

مگر یہ اس صورت میں ہے کہ بنک میں کوئی مسلمان شریک نہ ہو، اور اگر مسلمان بھی حصہ دار ہوں تو ضرور ہے کہ یہ روپیہ جس قدر اسے زیادہ ملے گا اتنا یا اس سے زائد اس کا ان پر آتا ہو اس آتے ہوئے میں اس زیادت کو محسوب کرلے مثلاً اسی بنک سے پہلے بھی متعدد بار اس نے قرض لیا تھا جس کا سود سب بار کا پانسو روپے بنک کو پہنچ چکے ہیں اور اب اسے جو کچھ وہ بنام سود دینگے وہ اسی قدر یا اس سے کم ہے تو اسے لینا جائز ہے اور نیت اس آتے ہوئے کے واپسی کی کرکے جو قانوناً اس صورت کے سوا بلا رضامندی کے دوسری طرح واپس نہ لے سکتا تھا، اور اگر وہاں مسلمان شریک ہیں اور اس کا پہلے سے کچھ نہیں آتا یا اس رقم سے جو اسے ملے گی کم آتا ہے اور وہ خواہی نخواہی اسے یہ زیادت دیں گے تو اسے اور مسلمانوں کی جانب سے لے جن سے ان لوگوں نے سود لیا تھا،

لانھم ماموروں شرعا بود ما اخذوا منھم الیھم وھم لایردون والمسلمون لایقدرون علی ان یستردوا فیکون ھذا عونا لاخوانہ۔

کیونکہ اہل حرب مسلمانوں سے لیا مال انھیں واپس کرنے کے مامور ہیں حالانکہ وہ واپس نہیں کرتے اور مسلمان ان سے واپس لینے کی طاقت نہیں رکھتے تو اس طرح اسکے بھائیوں کی مدد ہوگی۔ (ت)

پھر جس قدر اپنا آتا تھا خود لے سکتا تھا باقی واجب ہے کہ فقراء پر تصدق کردے،

لانہ سبیل کل مال صالح لایعلم مستحقہ کما فی الدرالمختار وغیرہ من معتمدات الاسفار۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

کیونکہ یہ سبیل ہے ہر مال صالح میں جس کا مستحق معلوم نہ ہو جیسا کہ درمختار وغیرہ قابل اعتماد کتابوں میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۰۳: ملک بنگالہ ضلع نصیر آباد مرسلہ مولوی تمیز الدین صاحب ۸ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اوّل سود کھاتا تھا اب اس نے توبہ کرلی کہ اب میں سُود نہیں لوں گا اور نہ سُود لیا پہلا جو مال اس کے پاس سودی ہے اس کا خرچ کرنا اپنے حوائج میں جائز ہے یا نہیں اور اس کے ورثاؤں کو وہ مال حلال ہے یا حرام؟

---

[1] القرآن الکریم ۱۷/ ۸۴

الجواب

سود میں جو مال ملتا ہے وہ سود خور کے قبضہ میں آکر اگرچہ اس کی ملک ہوجاتا ہے،

لان ھذا ھو حکم العقود الفاسدۃ و ذھل الفاضل الشامی فی العقود الدریۃ۔

کیونکہ عقود فاسدہ کا یہی حکم ہے اور علامہ فاضل شامی سے عقود دریہ میں بھول ہوئی۔ (ت)

مگر وہ ملک خبیث ہوتی ہے اس پر فرض ہوتا ہے کہ ناپاک مال جن جن سے لیا ہے انھیں واپس دے وہ نہ رہے ہوں تو ان کے وارثوں کو دے وہ بھی نہ ملیں تو تصدق کردے، بہرحال اپنے حوائج میں اسے خرچ کرنا حرام ہوتا ہے اگر اپنے خرچ میں لائے گا تو وہ اب بھی سُود کھا رہا ہے اور اس کی توبہ جھُوٹی ہے،

لانہ لم یندم علی الماضی وما ترک فی الاٰتی ولم یمح الباقی فلم یوجد شیئ من ارکان التوبۃ۔

کیونکہ وُہ گزشتہ پر نادم نہیں ہوا اور آئندہ کے لئے اس کو چھوڑا نہیں اور نہ ہی باقی کو مٹایا تو اس طرح ارکان توبہ میں سے کوئی بھی نہیں پایا گیا (ت)

وارث کو اگر معلوم ہو کہ اس کے مورث نے فلاں فلاں شخص سے اتنا اتنا مال حرام لیا تھا تو انھیں پہنچادے اور اگر سب معلوم ہو کہ بعینہٖ یہ روپیہ جو اس صندوق یا اس تھیلی میں ہے خالص مال حرام ہے تو اسے فقراء پر تصدق کردے اور اگر سب مخلوط ہے اور جن سے لیا وہ بھی معلوم نہیں تو وارث کے لئے جائز ہے اور بچنا افضل ہے۔ درمختار میں ہے،

الحرمۃ تتعدد مع العلم بھا الا فی حق الوارث وقیدہ فی الظھیریۃ بان لایعلم ارباب الاموال[1]

حرمت کا اگر علم ہو تو وہ منتقل ہوتی ہے سوائے وارث کے حق کے، اور ظہیریہ میں حق وارث کے ساتھ یہ قید لگائی کہ وہ وارث مال کے مالکوں کو نہ جانتا ہو (تب اس کے لئے حلال ہے)۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے؛

الحاصل انہ ان علم ارباب الاموال وجب ردّہ علیھم، والا فان علم عین الحرام لایحل لہ ویتصدق بہ بنیۃ صاحبہ وان کان مالا

حاصل یہ کہ اگر وارث مال کے اصل مالکوں کا علم رکھتا ہو تو ان کا مال انھیں لوٹانا اس پر واجب ہے ورنہ اگر اس مال کے بعینہٖ حرام ہونے کا اسے علم ہے تو اس کے لئے حلال نہیں بلکہ مالک کی طرف سے

---

[1] الدرالمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۹

مختلطا مجتمعا من الحرام ولا یعلم اربابه ولاشیئا منه بعینه حل له حکما والاحسن دیانۃ التنزہ عنہ[1]

نیت کرتے ہوئے صدقہ کرے اور اگر مال حرام حلال سے مخلوط ہے اور وہ وارث اس کے مالکوں کو نہیں جانتا، نہ ہی بعینہ اس کے حرام ہونے کا اس کو علم ہے تو وہ حکماً اس کے لئے حلال ہے مگر دیانت کے اعتبار سے اس سے بچنا ہی زیادہ بہتر ہے۔ (ت)

نیز درمختار میں ہے:

ولایبطل حق الفسخ (ای فی البیع الفاسد) بموت احدھما (ای احد العاقدین) فیخلفہ الوارث بہ یفتی[2] اقول فافاد ان انتقال الملك فی الملك الخبیث لایزیل الخبث ویجب علی الوارث فسخہ فان لم یفعل اجبر القاضی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

بیع فاسد میں بائع یا مشتری کی موت کے سبب سے حق فسخ باطل نہیں ہوتا، چنانچہ مرنے والے کا وارث اس کا قائم مقام ہوگا اور اسی پر فتوٰی دیا جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس کلام نے اس بات کا فائدہ دیا کہ ملك خبیث میں ملك کا منتقل ہونا خبث کو زائل نہیں کرتا لہذا وارث پر واجب ہے کہ بیع فاسد کو فسخ کرے اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو قاضی اس پر جبر کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۰۴: ملك بنگالہ ضلع نصیر آباد مرسلہ مولوی تمیز الدین صاحب ۸ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سود خور کے ساتھ میل جول کرنا اور شادی اور پنچایت میں بلانا جائز ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب وبادلیل جواب عنایت فرمائیں۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

سُود خور کہ علانیہ سود کھائے اور توبہ نہ کرے، باز نہ آئے، اس کے ساتھ میل جول نہ چاہیے اسے شادی وغیرہ میں نہ بلایا جائے،

قال اللہ تعالٰی واما ینسینك الشیطٰن

اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اگر شیطان تجھے بھلادے

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۰

[2] الدرالمختار " " مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۹

فلاتقعد بعد الذکری مع القوم الظلمین[1] تو یاد آنے پر ظالم قوم کے ساتھ مت بیٹھ۔ واللہ تعالیٰ
واللہ تعالیٰ اعلم۔ اعلم (ت)

مسئلہ ۲۰۵: از ریاست کشن گڈھ متصل اجمیر شریف مہاراجہ اسکول بھٹرڈ ماسٹر مسئولہ سید امانت علی صاحب
۷ ربیع الآخر ۱۳۳۱ھ

شادی و زندگی کا بیمہ کرنا یا کروانا جائز ہے یا ناجائز؟ آپ کے شاگرد رامپوری مولوی صاحب نے جو کہ اجمیر شریف میں عرصہ سے قیام پذیر ہیں دریافت کرنے پر یہ جواب دیا کہ میرے خیال سے تو یہ حرام نہیں ہے انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ میرے مولٰنا مولوی احمد رضا خان صاحب سے دریافت کرلینا چاہئے میں امید کرتا ہوں کہ آپ بافادۂ اہلِ اسلام بصورتِ فتوٰی ارسال فرماکر ممنون و مشکور فرمائیں گے۔ اس بیمہ کا قانون بھی گورنر جنرل کی کونسل سے ۱۳۱۲ھ میں پاس ہوگیا مگر ہنوز اس پر کوئی اعتراض نہ ہوا۔ پراسپکٹس اردو سالانہ رپورٹ بزبان انگریزی جناب کے ملاحظہ کے لئے روانہ کرتا ہوں۔

الجواب

یہ نرا قمار ہے اس میں ایک حد تک روپیہ ضائع بھی جاتا ہے اور وہ منافع موہوم جس کی امید پر دین اگر ملے بھی تو کمپنی بیوقوف نہیں کہ گرہ سے ہزار ڈیڑھ ہزار دے بلکہ وہ وہی روپیہ ہوگا جو اوروں کا ضائع گیا اور ان میں مسلمان بھی ہوں گے تو کوئی وجہ اس کی حلت کی نہیں،

قال اللہ تعالیٰ لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل[2] واللہ تعالیٰ اعلم۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طور پر مت کھاؤ۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ ۲۰۶: کابلی علاوہ مسلمانوں کے غیر قوم سے جو سُود لیتے ہیں ان کے یہاں کھانا پینا، ان کے پیچھے نماز پڑھنا یا رسم رکھنا کیسا ہے؟

الجواب

یہ مسئلہ ایسا نہیں کہ ایسی شدت کا برتاؤ ان سے برتا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۰۷: از سید ایوب علی صاحب محلہ بہاری پور کاسگرہ، بریلی

زید نے کچھ روپیہ بکر کو دس سال کی مدت پر سودی قرض دیا اور اس کا کاغذ رجسٹری ہوگیا۔ جب

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۶۸
[2] " ۲/ ۱۸۸

اہل محلہ کو اس کی خبر ہوئی اور تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ اس کے علاوہ دو ایک مکان بھی زید کے پاس لوگوں کے رہن ہیں اور ان سے کرایہ وصول کرتا ہے اس پر اہل محلہ نے زید سے پوچھا جس کا اقرار زید نے کیا اور کہا کہ میرا ارادہ سُود لینے کا نہیں کاغذ میں یہ شرط سود کی بقواعد تعزیرات ہند لکھادی ہے پھر کہا اس کی مدت تو دس سال ہے جب وہ وقت آئے گا میں زرِ سود نہ لوں گا اور مکانوں کی نسبت کہا کہ اس کا روپیہ میں اپنی بیٹی کو دے دیتا ہوں اور بیٹی نے کہا کہ میں کرایہ مکان میں دیتی ہوں اپنے پاس نہیں رکھتی، اور یہ اقبال تمام واقعات کا جب کیا جب دیکھا کہ اہل محلہ چھوڑنے پر آمادہ ہیں بلکہ بعض نے چھوڑ بھی دیا، ایسی صورت میں زید کے یہاں کھانے پینے سے احتراز کیا جائے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

صورت مذکورہ میں زید ضرور سود خور ہے اس سے احتراز کیا جائے، اس سے میل جول ترک کیا جائے، اس کے بہانے جھوٹے ہیں، کرایہ کہ وہ لیتا ہے یقیناً سُود ہے، اس نے سُود لیا چاہے خود کھائے یا بیٹی کو دے، قانون کی کوئی دفعہ ایسی نہیں ہے جو قرض میں سود لکھانا ضرور ہو یہ سود خور کذابوں کا جھوٹا عذر ہے اور یہ کہنا کہ لکھالیا ہے لیں گے نہیں، ایسا ہے کہ کوئی یہ کہے غلیظ منہ میں لیا ہے نگلیں گے نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۸: از مارہرہ مطہرہ ضلع ایٹہ حضرت سید برکات حسن صاحب ۲۴ رجب ۱۳۱۸ھ

ایک شخص چھ سَو روپے قرض لیتا ہے اور جائداد روپیہ دینے والے کو دیتا اور اس کا حق الخدمت یا حق التحصیل مثلاً سَو یا پچاس روپے مقرر کرتا ہے لفظ سُود سے دونوں بچنا چاہتے ہیں یہ عقد رہن ہے قرض تو ہے نہیں، قرض میں عوض نہیں ہوتا ہے، الحاصل رہن صحیح ہوجائے اس کی شکل فرمادیجئے اور روپیہ لینے والا دینے والے کو جو کچھ دینا چاہتا ہے اس کو دینا اور اس کو لینا جائز ہوجائے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

یہ رہن نہیں ہوسکتا، گاؤں سے انتفاع بطریق اجارہ ہوتا ہے کہ زمین مزارعین کے پاس اجارے میں ہے اور اجارہ و رہن دو عقد منافی ہیں باہم جمع نہیں ہوسکتے، مزارعین کے اجارے میں ہونا زمین پر ان کا قبضہ چاہے گا لاستحالۃ الانتفاع بدون القبض (کیونکہ بغیر قبضہ کے نفع حاصل کرنا محال ہے۔ت) اور مرہون ہونا مرتہن کا قبضہ چاہے گا لقولہ تعالٰی فرھٰن مقبوضۃ[1] (تو رہن قبضہ کیا ہوا۔ت) اور دو مختلف قبضے شے واحد پر وقت واحد میں محال ہیں، ہاں زید مستقرض عمرو مقروض سے روپیہ قرض لے لے اور

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۳

عمرو کو اپنے گاؤں پر بطور کارندگی نوکر رکھ لے معمولی تنخواہ اگرچہ پانچ روپے ہوتی ہو اس کی دس بیس پچاس چالیس جس قدر ماہواری مناسب جانے اور باہم تراضی ہو مقرر کردے مگر اتنا لحاظ کرے کہ تنخواہ توفیر کو محیط نہ ہوجائے کیلا یخرج من اجارات الناس (تاکہ لوگوں کے اجاروں سے خارج نہ ہوجائے۔ ت) اس قدر اسے لینا بہت اکابر کے نزدیک حلال ہوگا باقی توفیر کو مالک کو دیا کرے جب دین ادا ہوجائے زید عمرو کو موقوف کردے،

فی الھندیۃ عن البزازیۃ استیجار المستقرض المقرض علی حفظ عین متقوم قیمتہ ازید من الاجارۃ کالسکین والمشط والمعلقۃ کل شھر بکذا، اختلف فیہ الائمۃ المتاخرون فقیل یجوز بلاکراھۃ منھم الامام محمد بن سلمۃ والامام الصاحب الکامل مولانا حسام الدین علیا بادی وجلال الدین ابوالفتح محمد بن علی وصاحب الھدایۃ وقد وقع علی الجواز اجلۃ الائمۃ[1]۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

ہندیہ میں بزازیہ کے حوالے سے مذکور ہے، مقروض کا کسی ایسی قیمتی معین شئی کی حفاظت کے لئے قرض دہندہ کو اجرت پر رکھنا جس شئی کی قیمت اجرت سے زیادہ ہو جیسے چھری، کنگھی اور چمچہ کہ ہر ماہ اتنی اجرت دے گا، اس میں متاخرین ائمہ کا اختلاف ہے، بعض نے کہا ہے کہ بلاکراہت جائز ہے ان میں امام محمد بن سلمہ، امام صاحب کامل مولانا حسام الدین علیا بادی، جلال الدین ابوالفتح محمد بن علی اور صاحب ہدایہ شامل ہیں اور تحقیق جلیل القدر ائمہ کرام جواز پر متفق ہوئے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۰۹: ۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

زید عمرو سے ڈیڑھ سو روپیہ بے سودی لینا چاہتا ہے قرض، اور عمرو کو یہ منظور ہے کہ اسے کچھ نفع جائز شرعی طور پر مل جائے اور سود نہ ہو اس صورت میں کیا کیا جائے؟

الجواب

علمائے کرام نے اس کی متعدد صورتیں تحریر فرمائی ہیں از انجملہ بہت آسان طریقہ یہ ہے کہ زید جو قرض لینا چاہتا ہے عمرو کے ہاتھ کوئی مال مثلاً برتن یا کپڑا ڈیڑھ سو روپے کو بیچے عمرو خرید لے اور ڈیڑھ سو روپیہ زرثمن کے زید کو دے دے بعدہٗ اسی جلسہ خواہ دوسرے جلسہ میں عمرو یہی مال زید کے ہاتھ دو سو روپیہ

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارۃ الباب الثانی والثلاثون نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۵۲۲

کو مثلاً بوعدۂ ایک سال بیچے زید خریدے اور اب اس زرِ ثمن کے عوض چاہے تو عمرو کے پاس رہن بھی رکھ دے اس صورت میں زید کی چیز زید کے پاس آ گئی اور اسے ڈیڑھ سو روپیہ مل گئے اور اس پر عمرو کے دو سو روپے واجب ہو گئے عمرو اس رہن سے کچھ انتفاع نہ کرے ورنہ سود ہو جائے گا۔ فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے :

رجل له علی رجل عشرة دراهم فاراد ان یجعلها ثلثة عشر الٰی اجل قالوا یشتری من المدیون شیئا بتلك العشرة و یقبض المبیع ثم یبیع من المدیون بثلثة عشر الی سنة فیقع التحرز عن الحرام، و مثل هذا مروی عن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه و سلم انه امر بذٰلك[1] الخ۔ والله تعالٰی اعلم۔

ایک شخص کے دوسرے پر دس درہم قرض ہیں وہ چاہتا ہے کہ ایک معینہ مدت تک تیرہ درھم ہو جائیں۔ علماء نے فرمایا ہے وہ مقروض سے ان ہی دس درھم میں کوئی چیز خریدے اور مبیع پر قبضہ کرلے پھر وہی چیز تیرہ درھم کے بدلے ایک سال کے ادھار پر مقروض کے ہاتھ فروخت کرے تو اس طرح سے حرام سے اجتناب ہو جائے گا، اور اسی کی مثل رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۱۰: ایک شخص سو روپے قرض لیا چاہتا ہے دوسرا دیا چاہتا ہے، روپے کے دینے والے کو سود لینے سے انکار ہے اور روپیہ کے لینے والے کو سود دینے سے انکار ہے، کس طریقہ پر دستاویز تحریر کرائی جائے اور ہندو سے لینا نہیں چاہتے مگر روپیہ دینے والے کو بلا کسی نفع کے دینا منظور نہیں ہے۔

الجواب

اس کی بہت سی صورتیں ہیں، ایک سہل صورت یہ ہے کہ دینے والا قرض نہ دے بلکہ اس کے ہاتھ نوٹ بیچے، مثلاً سو روپے یہ لینا چاہتا ہے اور سال بھر کا وعدہ ہے اور دینے والا نفع لینا چاہتا ہے تو سو روپے کا نوٹ اس کے ہاتھ ایک سال کے وعدہ پر مثلاً ایک سو بارہ روپے کو بیچے، پھر اگر وہ سال کے اندر مثلاً چھ مہینے میں روپیہ دے دے تو صرف ایک سو چھ لے، اس سے زیادہ

---

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب البیوع فصل فیما یکون فرارا عن الربٰو نولکشور لکھنؤ ۲/۴۰۶

لینا حرام ہے یونہی اور کوئی چیز جو بازار کے عام بھاؤ سے سَو روپے کی ہو ایک سو بارہ کو بیچے اس کا بھی یہی حکم ہے۔ درمختار میں ہے :

قضی المدیون الدین المؤجل قبل الحلول لایاخذ من المرابحۃ التی جرت بینھما الا بقدر مامضی من الایام[1]

مقروض نے میعادی قرضہ میعاد سے پہلے ادا کر دیا تو قرض دہندہ اس سے وہ نفع نہ لے جو ان کے درمیان طے پایا تھا مگر صرف اتنے دنوں کے حساب سے نفع لے سکتا ہے جتنے دن گزر چکے ہیں (ت)

دوسرے یہ کہ سو روپے اسے قرض دے اور قرض لینے والا دینے والے کے پاس اپنی کوئی چیز مثلاً چاقو یا تھالی امانت رکھے اور دینے والے سے کہے میری اس چیز کی حفاظت کرمیں اس کی حفاظت پر ایک روپیہ یا ۴ یا ۲ یا دس روپے ماہوار جو ٹھہر جائے دوں گا مگر جو شَے اس کے پاس رکھے اس کی قیمت اس اجرت سے زیادہ ہو روپے مہینہ پر رکھے تو روپے سے زیادہ قیمت کی چیز ہو۔ عالمگیریہ میں ہے :

استیجار المستقرض المقرض علی حفظ عین متقوم قیمتہ ازید من الاجرۃ کالسکین والمشط والمعلقۃ کل شھر بکذا، اختلف فیہ الائمۃ المتاخرون فقیل یجوز بلاکراھۃ منھم الامام محمد بن سلمۃ والامام الصاحب الکامل مولانا حسام الدین علیابادی و جلال الدین ابوالفتح محمد بن علی وصاحب الھدایۃ وقد وقع علی الجواز اجلۃ الائمۃ۔[2]

مقروض کسی ایسی قیمتی معین شَی کی حفاظت کے لئے قرض دہندہ کو معین ماہانہ اجرت پر مقرر کرے جس کی قیمت اجرت سے زیادہ ہے مثلاً چاقو، کنگھی اور چمچ وغیرہ، تو اس میں متاخرین ائمہ کے درمیان اختلاف ہوا، بعض نے بلاکراہت جواز کا قول کیا ان میں امام محمد بن سلمہ، امام صاحب کامل مولانا حسام الدین علیابادی، جلال الدین ابوالفتح محمد بن علی اور صاحب ہدایہ شامل ہیں، اور تحقیق جلیل القدر ائمہ کرام نے جواز پر اتفاق کیا ہے (ت)

اور اس کے سوا اور صورتیں ہیں کہ ہم نے کفل الفقیہ میں ذکر کیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۱۱: مسئولہ محمد حسین خاں بریلی شہر کہنہ ۳ شوال المکرم

جناب مولوی صاحب قبلہ وکعبہ دارین مدظلہ اللہ آداب! بصد نیاز گزارش ہے کہ مجھ سے ایک

---

[1] درمختار باب مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۱

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارۃ الباب الثانی والثلاثون نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۵۲۲

شخص قرضہ چاہتا ہے اور بالعوض اس کے اپنا مکان وہ شخص رہن کرنا چاہتا ہے مجھ کو روپے دینے میں اور دوسرے کی حاجت نکالنے میں کچھ عذر اور انکار نہیں ہے کیونکہ روپیہ اللہ نے جبکہ دیا ہے تو دوسرے کی حاجت براری ہونے پر امید ہے کہ اللہ بھی خوش ہوگا مگر اس قدر ہے کہ سُود کھانا نہیں چاہتا ہُوں اب اس میں گزارش ہے وہ جائداد بالعوض روپیہ کے دخلی رہن کر دیں یا کس طرح سے روپیہ دوں کہ سود سے بچوں کیونکہ میں اہل اسلام ہوں۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

دخلی رہن بھی سود اور حرام ہے بلکہ سبیل یہ ہے کہ آپ محض بلا سُود و بلا رہن روپیہ قرض دیجئے پھر اس سے اپنا کوئی برتن مثلاً وہ مدیون آپ کو دے کہ اس کی حفاظت کرو حفاظت کا اتنا ماہوار مثلاً ایک روپیہ یا دس روپے تمھیں وہی جائیگی یوں اس حفاظت کی اجرت کا روپیہ لینا حلال ہوگا اور اگر مکان ہی چاہئے تو وہ کوئی برتن وغیرہ مثلاً دس روپے مہینے اجرت پر آپ کو حفاظت کے لئے دے اور آپ اس کا مکان مثلاً دس روپے یا کم و بیش کو جتنا کہ قرار پائے اسی سے کرایہ پر لیجئے حفاظت کی اجرت ماہوار اس پر واجب ہوگی اور مکان کا کرایہ آپ پر، پھر اگر دونوں اجرتیں برابر ہیں تو باہم آپ دونوں کا معاملہ برابر ہوگیا، نہ آپ اسے روپیہ دیں نہ وہ آپ کو، آپ اس کی چیز کی حفاظت کریں اور اس کرایہ کے مکان میں رہیں اور اگر برابر نہیں تو جس پر زیادہ ہے وہ قدر زائد ادا کرتا رہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۱۲ ۱۱ شعبان ۱۳۳۵ھ

چہ می فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ حکام ریاست بہاولپور برائے مخلصی مسلمانان از قرض ہندوان در ہر موضع و دِہ بنک تجویز کردہ اند بایں طور کہ چند معتبران موضع را ممبر آں بنک نمودہ می گویند کہ از ہر کس حسب حیثیت روپیہ داخل بنک کنانیدہ نزد خود جمع سازید و ازاں روپیہ خاصۃً داخل کنندہ را و بدیگرے را بوقت حاجت ولے قرض میعادی بسود لیسر دادہ باشید و عند المیعاد

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا ارشاد فرماتے ہیں کہ ریاست بہاولپور کے حکام نے ہندوؤں کے قرض سے مسلمانوں کو رہائی دلانے کے لئے ہر بستی اور گاؤں میں بنک تجویز کیا ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ اس بستی کے چند معتبروں کو بنک کا ممبر ظاہر کرکے کہتے ہیں کہ ہر شخص سے اس کی حیثیت کے مطابق روپے بنک میں داخل کراکے اپنے پاس جمع رکھو، پھر انہی خاص روپوں میں سے داخل کرنے والے کو یا دوسرے کو بوقتِ ضرورت تھوڑے سے سود پر میعادی قرض کے طور پر دیں اور

آں روپیہ مع سود از وصول نمودہ بایں طرز دیگرے را وپس اخیر رامی دہید از سود دادۂ شما آں جائداد شما ترقی پذیرد و برآمدگی حاجات مسلمانان از مال خویش بسہولت گردد وضرورت باستقراض از ہندوان نماند۔ پس در شرع شریف روپیہ دادن یا گرفتن ازیں بنک چہ حکم دارد، چونکہ دریں امر عامہ مسلمانان از حکام مامور ند و مجبور، از آں اگر حیلۂ جواز فعل ایشاں ایما فرمودہ شود امید کہ قرین ماجوریت عنداللہ و مشکوریت من خلق اللہ خواہد شد۔

میعاد گزرنے پر وہ روپے سود سمیت اس سے واپس لیں اور پھر اسی طرح کسی دوسرے شخص کو اسی طریقے سے قرض دیں اسی طرح یکے بعد دیگرے حاجتمندوں کو سود پر قرض دیتے جائیں تاکہ تمہارے ادا کردہ سود سے تمہاری جائداد ترقی اختیار کرے اور مسلمانوں کی حاجات ان کے اپنے مال سے بآسانی پوری ہوں اور ہندوؤں سے قرض لینے کی ضرورت نہ پڑے۔ شرع شریف میں اس بنک کو روپیہ دینا اور اس سے لینا کیا حکم رکھتا ہے چونکہ اس معاملہ میں عام مسلمان حاکموں کی طرف سے مامور اور مجبور ہیں اس لئے اگر ان کے اس فعل کے جواز کی طرف کوئی اشارہ فرمایا جائے تو امید ہے کہ اللہ تعالٰی کے ہاں ماجور اور مخلوق کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہوں گے۔ (ت)

الجواب

ربا گرفتن حرام قطعی بالاجماع و کبیرہ و شدیدہ است و ربا دادن محتاج بحاجت شرعیہ صحیحہ را رخصت کردہ اند فی الدرالمختار یجوز للمحتاج الاستقراض بالربٰو[1]، حاصل ایں بنک آنست کہ حرامے کہ ہندوان می خورند بیاید تا مسلمانان خورند ولاحول ولاقوۃ الا باللہ کارکنان ایں بنک اگر درد دین دارند صورتے مہیا است کہ بہ مقصد رسند و از حرام وارہند ہر کہ مثلاً صد روپیہ دام خواہد زر ندہند کاغذ زر کہ نوٹ نامند بدہند و آں ہم دام ندہند کہ بر دام ہرچہ سودے گیرد ربا باشد

سُود لینا بالاتفاق حرام قطعی اور سخت کبیرہ گناہ ہے اور سُود دینے کی محتاج کو حاجت شرعیہ صحیحہ کے وقت اجازت دی گئی ہے۔ درمختار میں ہے کہ محتاج کو سود پر قرض لینا جائز ہے، اس بنک کا حاصل یہ ہے کہ جو حرام ہندو کھاتے ہیں وہ حاصل ہو جائے تاکہ اس کو مسلمان کھائیں۔ گناہ سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت نہیں سوائے اللہ تعالٰی کی توفیق کے، اس بنک کے کارکن اگر دین کا درد رکھتے ہیں تو ایک ایسی صورت مہیا ہے کہ وہ اپنے مقصد تک رسائی بھی حاصل کریں اور حرام سے خلاصی بھی پالیں، جو کوئی مثال کے طور پر سو روپیہ قرض چاہتا ہے اس کو زر نہ دیں بلکہ وہ کاغذ دیں جس کا نام نوٹ ہے

[1] الاشباہ والنظائر بحوالہ القنیہ الفن الاول القاعدۃ الخامسہ ادارۃ القرآن کراچی ۱/۱۲۶

وحرام، فی الحدیث عن علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کل قرض جر منفعۃ فھو ربٰو[1] بلکہ نوٹ صدروپیہ بہر ربحے کہ باہم تراضی شود بمیعاد و اجل مسمی بدست او فروشند مثلاً بیک صد و دہ روپیہ بوعدہ یک سال ایں ربح ربح بیع باشد و ربح بیع حلال است و ربح قرض حرام قال اللہ تعالٰی قالوا انما البیع مثل الربٰو واحل اللہ البیع وحرم الربٰو[2] ایں مسئلہ را در کتاب کفل الفقیہ الفاھم ہرچہ تمام تر رنگ تفصیل دادہ ایم بایں وجہ ہم ربح حلال بدست آید وہم آں مستقرض بمراد خود برسد۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اور وُہ بھی بطور قرض مت دیں کیونکہ قرض پر جو بھی نفع لے گا وُہ سود اور حرام ہوگا۔ حدیث میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ نبی کریم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جو قرض نفع کھینچے وہ سود ہے۔ بلکہ سُو روپے کا نوٹ اس نفع کے لئے جس پر دونوں باہم رضا مند ہوں مدت مقررہ تک اس کے ہاتھ فروخت کریں مثلاً وہ سو کا نوٹ ایک سال کے لئے ایک سو دس روپے کے بدلے فروخت کریں تو اس طرح یہ نفع بیع کا نفع ہوگا اور بیع کا نفع حلال ہے جبکہ قرض کا نفع حرام۔ اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: کہا ان لوگوں نے کہ بیع تو سود کی طرح ہی ہے جبکہ اللہ تعالٰی نے بیع کو حلال کیا اور سُود کو حرام۔ اس مسئلہ کو ہم نے اپنی کتاب "کفل الفقیہ الفاہم" میں مکمل طور پر تفصیلی رنگ دیا ہے، اس طریقے سے حلال نفع بھی ہاتھ آئیگا اور وہ قرض لینے والا بھی اپنے مقصد کو حاصل کرلے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۱۳: مرسلہ احمد خاں صاحب وکیل دربار مارواڑ متعینہ ریذیڈنسی اودے پور میواڑ ۳ شعبان ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین دریں باب کہ گورنمنٹ جو قرضہ کا منافع دے رہی ہے اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

سود کی نیت سے لینا جائز نہیں لاطلاق قولہ عزوجل وحرم الربٰو[3] (کیونکہ اللہ تعالٰی کا یہ ارشاد کہ "اللہ تعالٰی نے سود کو حرام کیا" مطلق ہے۔ ت) اور اگر کسی گورنمنٹ پر اس کی رعیت خواہ

---

[1] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۶/۲۳۸

[2] القرآن الکریم ۲/۲۷۵

[3] " " "

اور شخص کا شرعًا کچھ آتا ہے اس میں وصول سمجھنا بلاشبہہ روا لانہ ظفر بجنس حقہ کما فی ردالمحتار[1] وغیرہ (اس لئے کہ یہ اپنے حق کی جنس کو حاصل کرنے کی کامیابی ہے جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ میں ہے۔ ت) یونہی اگر بیت المال میں حقدار ہو تو اس میں لے سکتا ہے کما فی ردالمحتار عن السید السمہودی وغیرہ (جیسا کہ سید سمہودی وغیرہ سے ردالمحتار میں ہے۔ ت) اور اگر کچھ نہ ہو اور اسے سُود نہ سمجھے بلکہ یہ تصور کرے کہ ایک جائز مال برضائے مالک بلاغدر و بدعہدی ملتا ہے تو وہ بھی روا ہے کما حققناہ فی فتاونا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کر دی ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔ اصل حکم یہ ہے مگر اہل تقوٰی خصوصًا مقتدا ارکو ان دو صورتوں خصوصًا اخیرہ سے احتراز چاہئے کہ ناواقف اسے متہم نہ کریں، حدیث میں ہے: اتقوا مواضع التھم[2] (تہمت کی جگہوں سے بچو۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۴: از بریلی محلہ چک مرسلہ محمد رضا قادری متصل چوکی جنگی رجب ۱۳۲۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے مراؤ کو کچھ روپیہ واسطے بونے چنا کے لئے دیا اور بروقت دینے روپیہ کے اس مراؤ سے ٹھہرالیا کہ جنا فصل کاٹنے پر فی روپیہ تین سیر چنا زائد بازار کے نرخ سے تم سے لے جائیں گے،

فصل کاٹنے پر مراؤ نے بجائے چنے کے جتنا روپیہ زائد ہوا بالعوض چنے کے دیا۔ اب ایسی صورت میں اس روپیہ کا کیا کیا جائے اور روپیہ دینے والے کو اول اس کا علم نہ تھا لہذا اب معلوم ہونے پر اس زائد روپیہ کو علیحدہ رکھ لیا گیا ہے جو حکم ہو اس کی تعمیل بسروچشم کی جائے کیونکہ ایمان ہے تو سب کچھ ہے ورنہ کچھ نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

ایسا عقد شرعًا ضرور ناجائز ہے مگر اگر وہ مراؤ کافر ہے جیسا کہ یہی ظاہر ہے تو یہ روپیہ کہ بغیر غدر اسے ملا اسے واپس دینا ضرور نہیں البتہ اور بہتر یہ ہے کہ فقیر مسلمان پر تصدق کر دے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] ردالمحتار — کتاب الزکوٰۃ — داراحیاء التراث العربی بیروت — ۲/ ۱۲
[2] کشف الخفاء — حدیث ۸۸ — مؤسسۃ الرسالہ بیروت — ۱/ ۴۵

مسئلہ ۲۱۵ از لکھنؤ مدرسہ فرقانیہ مرسلہ مولوی سید مظفر صاحب مدرس مدرسہ مذکور
۱۲ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

زید نے عمرو کو چھ سات ہزار روپیہ قرض دیا اور قرض دینے کے وقت زید کا ارادہ اشارۃً یا کنایۃً یا صراحۃً سود لینے کا نہ تھا اور وعدہ عمرو نے ادائیگی روپیہ کا دو ماہ کا کیا تھا بعد میں رقعہ تحریر کیا گیا تو اس میں سود اس وجہ سے زید نے لکھوایا کہ قانون مروجہ گورنمنٹی کے رقعہ مذکورہ ناجائز نہ ہو اور ضرورت کے وقت بیکار نہ ہو عمرو نے دو ماہ کی جگہ پندرہ ماہ میں نصف روپیہ تو بمشکل تمام زید کو ادا کیا اور نصف نہیں حتی کہ قریب سال کے ہوگئے چونکہ میعادِ رقعہ تین سال ہوتی ہے اس لئے زید کو عمرو کی نالش کرنی پڑی تو اس نالش کرنے میں زید کا روپیہ بہت سا خرچ ہوا اور زید کی ڈگری عمرو پر مع سود کچہری مجاز سے ہوگئی اور عمرو نے اصل روپیہ مع سود داخل کچہری بھی کر دیا تو اب عند الشرع زید کو اپنا روپیہ مع سود لینا جائز ہے یا نہ؟ اگر کل سود سے پرہیز کرے تو بقدر اپنے خرچ نالش کے لینا جائز ہوگا یا نہ؟ اور روپیہ کچہری سے کل زید کو بلا سود واپس بھی نہیں مل سکتا تو ایسی مجبوری میں زید کو اپنا روپیہ مع سود لینا جائز ہوگا اور اگر کچہری سے روپیہ اس کو مع سود ملا تو کیا طریقہ احتراز کا ہوگا؟ اور بقدر اپنے خرچ کچہری کے نکال کر باقی کو صدقہ کر دے یا اصل مالک کو واپس؟ مجموعہ فتاوی مولوی عبدالحی لکھنوی میں عدم جواز کا فتوی لکھا ہوا ہے کہ مدعی مسبب ہے نہ مباشر، اور ضمان مباشر پر ہوتا نہ کہ مسبب پر، جیسا کہ واقفِ فقہ پر مخفی نہیں، جواب مع حوالہ کتب و دلائل کے تحریر ہو۔

جوابِ دیوبندی

اس صورت میں زید کو اپنا اصل روپیہ رکھ کر باقی جو سود کے نام سے وصول ہوا ہے عمرو کو واپس کر دینا چاہیے کیونکہ خرچہ مقدمہ کا مدعا علیہ سے وصول کرنے نہ کرنے کے بارے میں اختلاف ہے، ایک یہ ہے کہ قول جو مولانا عبدالحیؒ صاحب نے لکھا ہے، اور دوسرا یہ کہ بصورت تعنت مدعا علیہ اور بلا نالش کسی طرح وصول نہ ہو سکنے کی صورت میں خرچہ مدعا علیہ سے لیا جائے تو صورت مذکورہ میں چونکہ مدعی نے محض قانونی قاعدہ کو پیشِ نظر رکھ کر نالش کی ہے اور عمرو کا کوئی تعنت اور سرکشی و انکار ظاہر نہیں ہوا اس لئے زید کو مناسب نہیں کہ وہ عمرو مدعا علیہ سے خرچہ وصول کرے، واللہ تعالٰی اعلم۔ کتبہ عزیز الرحمن عفی عنہ مفتی مدرسہ دیوبند ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ

الجواب

سود کا ایک حبہ لینا حرام قطعی کہ سود لینے والے پر اللہ و رسول کی لعنت ہے۔ صحیح حدیث وں

میں فرمایا:

الربا ثلثة وسبعون حوبا ایسرھن کان یقع الرجل علی امہ[1] سود کھانا تہتر گناہوں کا مجموعہ ہے جن میں سب سے ہلکا گناہ یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے زنا کرے۔ (ت)

دوسری حدیث میں ہے:

من اکل درھم ربا وھو یعلم کان کمن زنی بامہ ستا وثلثین مرۃ[2] جو دانستہ ایک درہم سود کھائے وہ اس کے مثل ہو جس نے چھتیس بار اپنی ماں سے زنا کیا۔ (ت)

ایک درم تقریباً یہاں کے ۴/ کے برابر ہوتا ہے جس کے اٹھارہ پیسے ہوئے تو فی دھیلا ایک بار ماں سے زنا ہوا۔ اگر وہ اس بیان میں سچا ہے کہ کچہری سے بلاسود روپیہ اسے نہیں مل سکتا تھا تو روپیہ واپس لے اور اس میں سے صرف اپنا زرِ اصل اٹھالے باقی تمام و کمال عمرو کو واپس دے مدعا علیہ سے خرچہ لینا بھی مطلقاً حرام ہے اگرچہ اس نے تعنت کیا ہو، اسے مختلف فیہ بتانا دیوبندی مفتی کا کذب محض ہے ہرگز کسی کتاب میں اس کا جواب نہیں، خرچہ کہ اس سے کچہری نے لیا دو حال سے خالی نہیں اس کے نزدیک حقاً لیا یا ظلماً لیا، اگر حقاً لیا تو اس کا معاوضہ دوسرے سے کیا جاتا ہے اور اگر اس کے نزدیک ظلماً لیا تو کونسی شریعت کا مسئلہ ہے کہ مظلوم دوسرے پر ظلم کرے، عقد نہیں وراثت نہیں مال مباح نہیں کوئی وجہ شرعی اس سے لینے کی نہیں تو نہ ہو مگر باطل، اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل وتدلوا بھا الی الحکام لتاکلوا فریقا من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون[3] آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق مت کھاؤ اور اس کو حاکموں کے پاس اس نیت سے مت لے جاؤ کہ تم لوگوں کا کچھ مال جان بوجھ کر گناہ کے ساتھ کھا جاؤ۔ (ت)

عقود الدریہ میں ہے:

---

[1] المستدرک کتاب البیوع دار الفکر بیروت ۲/ ۳۷
شعب الایمان حدیث ۵۵۱۹ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۴/ ۳۹۴
[2] المعجم الاوسط للطبرانی حدیث ۲۷۰۳ مکتبۃ المعارف الریاض ۳/ ۲۳۰
الترغیب والترہیب الترہیب من الربا حدیث ۱۲ مصطفی البابی مصر ۳/ ۷
[3] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۸

رجل کفل اٰخر عند زید بدین معلوم ثم طالبه زید به والزمه به لدی القاضی فطلب الرجل من زید ان یمھله به فابی الاان یدفع له الرجل قدرما صرفه فی کلفة الالزام فدفع له ثم دفع له المبلغ المکفول به ویرید الرجل مطالبة زید بما قبضه زید منه من کلفة الالزام فله ذٰلک[1] واللّٰه تعالٰی اعلم۔

ایک شخص دوسرے شخص کا معین قرض کے بارے میں زید کے پاس ضامن بنا پھر زید نے ضامن شخص سے اس قرض کا مطالبہ کیا اور قاضی کے پاس اس پر اس کا لزوم ثابت کیا اب اس شخص (ضامن) نے زید سے مہلت مانگی تو زید نے اس وقت تک مہلت دینے سے انکار کردیا جب تک وہ زید کو اس مقدمہ پر کیا ہوا خرچہ نہ دے چنانچہ اس نے زید کو وہ خرچہ دے دیا، پھر وہ قرض بھی زید کو اس نے ادا کردیا جس کا وہ ضامن بنا تھا، اب وہ ضامن شخص چاہتا ہے کہ زید نے جو مقدمہ کا خرچ اس سے لیا تھا زید سے اس کا مطالبہ کرے تو اس کو ایسا کرنے کا حق ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۱۶: از بمبئی دکان الیس کریم نمبر ۹ مسئولہ مولوی عبدالعلیم صاحب میرٹھی ۱۵ صفر ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مبین و مفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ کسی مسجد کے کرایہ کے روپے ورثار واقفہ مکان کے مقدمہ دائر کرنے کے سبب کورٹ کے رسیور یعنی محافظ کے پاس جمع ہیں آٹھ ہزار روپوں کی مذکور محافظ نے پرامیسری نوٹیں خریدیں جب مقدمہ ورثار واقفہ اور متولیان مسجد نے آپس میں اتفاق کرکے کورٹ سے (کنسنٹ ڈگری لی) یعنی مقدمہ اٹھالیا اس وقت محافظ مذکور کے پاس سے پرامیسری نوٹوں کا بیاج سالانہ سیکڑے ساڑھے تین ٹکے کے حساب سے ایک ہزار اٹھارہ روپے چودہ آنے دو پائی نقد اور چار ہزار ایک سو سینتالیس روپے نو آنے نقد بابت کرایہ متولیان مسجد کو دیئے۔ متولیان مسجد کے قبضہ میں مذکور نوٹیں کئی مہینوں تک مسجد کی تجوری میں رہیں جن کے رہنے سے مذکور نوٹوں کا ایک سو باسٹھ روپیہ آٹھ آنہ دس پائی بیاج بڑھا، اکثر متولیان مسجد نے آپس میں اتفاق کرکے یہ ٹھہراؤ کیا کہ موجودہ جنگ کے سبب آپس میں اطمینان نہ ہونے کی وجہ قیمت اس وقت کم ہوتی ہے اور آئندہ اس سے بھی کم ہونے کا خوف ہے اس وجہ سے مذکور نوٹوں کو جلد فروخت کیا جائے اس وقت ایک متولی نے ترمیم کی کہ موجودہ جنگ کی وجہ سے ان کی قیمت کم ہوتی ہے اس لئے فی الحال فروخت نہ کریں، جنگ ختم ہونے کے بعد مذکور نوٹوں کی پوری قیمت آئے گی اس وقت فروخت کیا جائے کہ

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الکفالۃ حاجی عبدالغفار قندھار افغانستان ۱/ ۳۰۸

مسجد کا نقصان بھی نہ ہوگا، اس ترمیم کی کسی نے تائید نہیں کی اور مذکورہ نوٹوں کو فروخت کرنے کے لئے ناظر مسجد کو اجازت دی اور اس وقت یہ بھی ٹھہراؤ کیا کہ مذکورہ بیاج کے روپیوں کو مسجد کے دفتر میں بیاج کے نام سے درج کیا جائے اس وقت ایک متولی نے ترمیم کی کہ جس تاریخ کو مذکور نوٹیں محافظ نے خرید کی ہیں اس تاریخ سے جس تاریخ کو بکیں ________ اس تاریخ تک مذکور نوٹوں کے بیاج کے روپے مسجد کے دفتر میں بیاج کے نام سے جمع نہیں کئے جائیں بلکہ وہ رقم مذکور محافظ کے حوالے کئے جائیں (مذکور محافظ گبر پارسی ہے) مذکور ترمیم کی بھی کسی نے تائید نہیں کی، کیا متولیانِ مسجد مذکور بیاج کی رقم کو لینا اور مسجد کے دفتر میں بیاج کے نام سے درج کرنا شرعاً جائز ہے؟ دیگر ہماری گورنمنٹ عالیہ مذکورہ نوٹوں کی جو اصل قیمت ہے وہی سمجھتی ہے اور اسی کے موافق آج تک مذکور نوٹوں کا بیاج پورا دے رہی ہے کیا اس وجہ سے مذکور بیاج کی رقم کو مذکور نوٹوں کی پوری قیمت نہ ملنے کی وجہ سے مذکور نوٹوں کی گھٹی ہوئی رقم میں داخل کر سکتے ہیں؟ دیگر متولیانِ مسجد کو مذکور بیاج کے روپے مذکور محافظ سے مسجد کے لئے لینا یا ورثاء واقف کے شرعی حصہ میں بطور رضامندی باہمی کے دینا جائز ہے یا نہیں؟ لہذا از راہ ہمدردی ملی واحساسِ دینی مذکورہ بالا کی بابت شرعی حکم بصورتِ فتوٰی تحریر فرما کر مسلمانوں کو ورطۂ گمراہی سے نجات دیں اور خداوند عالم سے دینی واخروی اجر حاصل فرمائیں وماعلینا الا البلاغ خیرخواہ اسلام۔

الجواب

سود حرام ہے قال اللہ تعالٰی وحرم الربٰو[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا، اللہ تعالٰی نے سود کو حرام کیا۔ت) مسجد اسے قبول نہیں کر سکتی،

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان اللہ طیب لایقبل الا طیبا[2]۔

نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: بیشک اللہ تعالٰی پاک ہے اور وہ قبول نہیں فرماتا مگر پاک کو۔(ت)

مسجد کے دفتر میں سود کے نام سے جمع کرنا اسے نجاست سے آلودہ کرنا ہے، قیمت اگر گھٹ گئی تو گورنمنٹ نے کوئی مال مسجد کا نہ لے لیا جس کے تاوان میں یہ رقم لی جائے ملازم کورٹ کو اس کا دینا کوئی معنی نہیں رکھتا کہ وہ کسی طرح اس روپے کا مستحق نہیں۔ سود سمجھ کر لینے کا جواب تو یہ ہے، ہاں اگر نہ اُسے سود سمجھیں

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[2] السنن الکبرٰی للبیہقی کتاب صلوٰۃ الاستسقاء، باب الخروج من المظالم الخ دار صادر بیروت ۳/ ۳۴۶
صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۶

وسود کہیں، نہ سود کے نام سے دفترِ مسجد میں جمع کریں بلکہ یہ جانیں کہ گورنمنٹ اپنی خوشی سے بغیر ہمارے غدر کے (کہ غدر شرعًا حرام ہے) ایک مال زائد ہمیں مسجد کے لئے دیتی ہے تو اس کے لینے اور مسجد میں صرف کرنے اور دفترِ مسجد میں بنام "رقم زائد از گورنمنٹ" لکھنے میں کوئی حرج نہیں،

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انما الاعمال بالنیات و انما لکل امرئ ما نوی[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک عملوں کا دارو مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

---

[1] صحیح البخاری باب کیف بدؤ الوحی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲

رسالہ

كِفْلُ الفقيهِ الفاهِم فى اَحكامِ قِرطاسِ الدّراهِم[۱۳۲۴]

(کاغذی نوٹ کے احکام کے بارے میں سمجھدار فقیہ کا حصّہ)

مسئلہ ۲۱۷

ما قولكم دام طولكم فى هذا القرطاس المسكوك المسمى بالنوط والسؤال عنه فى مواضع الاول هل هو مال ام سند من قبيل الصك، الثانى هل تجب فيه الزكوٰة اذا بلغ نصابا فاضلا وحال عليه الحول ام لا، الثالث هل يصح مهرا، الرابع هل يجب القطع بسرقته من حرز، الخامس هل يضمن بالاتلاف بمثله او بالدراهم، السادس هل يجوز بيعه بدراهم او دنانير او فلوس، السابع اذا استبدل

آپ کا کیا ارشاد ہے آپ کا فضل ہمیشہ رہے اس کاغذ کے باب میں جس پر سکّہ ہوتا ہے اور اسے نوٹ کہتے ہیں، اور اس میں متعدد باتیں دریافت کرنی ہیں، اوّل کیا وہ مال ہے یا دستاویز کی طرح کوئی سند، دوم جب وہ بقدر نصاب ہوا اور اس پر سال گزرجائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں، سوم کیا اُسے مہر مقرر کرسکتے ہیں، چہارم اگر کوئی اسے محفوظ جگہ سے چرائے تو اس کا ہاتھ کاٹنا واجب ہوگا یا نہیں، پنجم اگر اسے کوئی تلف کردے تو عوض میں اسے نوٹ ہی دینا ٹھہرے گا یا رُپے، ششم کیا روپوں یا اشرفیوں یا پیسوں کے عوض اس کی بیع جائز ہے، ہفتم اگر مثلاً کسی کپڑے سے

بثوب مثلا یکون مقایضۃ او بیعا مطلقا، الثامن ھل یجوز اقراضہ وان جاز فیقضی بالمثل او بالدراھم، التاسع ھل یجوز بیعہ بدراھم نسیئۃ الی اجل معلوم، العاشر ھل یجوز السلم فیہ بان تعطی الدراھم علی نوط معلوم نوعا وصفۃ یؤدی بعد شھر مثلا الحادی عشر ھل یجوز بیعہ بازید مما کتب فیہ من عدد الروبیات کان یباع نوط عشرۃ باثنی عشر او عشرین او بانقص منہ کذلک، الثانی عشر ان جاز ھذا فھل یجوز اذا اراد زید استقراض عشرۃ روبیات من عمرو ان یقول عمرو لا دراھم عندی ولکن ابیعک نوط عشرۃ باثنی عشرۃ ربیۃ منجمۃ الی سنۃ تؤدی کل شھر ربیۃ وھل ینھی عن ذلک لانہ احتیال فی الربا وان لم ینہ فما الفرق بینہ و بین الربا حتی یحل ھذا ویحرم ذلک مع ان المآل وھو حصول الفضل واحد فیھما افیدونا الجواب توجروا یوم الحساب۔

اسے بدلیں تو یہ بیع مطلق ہوگی یا مقایضہ (جس میں دونوں طرف متاع ہوتی ہے)، ہشتم کیا اسے قرض دینا جائز ہے اور اگر جائز ہے تو ادا کرتے وقت نوٹ ہی دیا جائے یا روپے، نہم کیا روپوں کے عوض ایک وعدہ معینہ پر قرضوں اس کا بیچنا جائز ہے، دہم کیا اس میں بیع سلم جائز ہے یوں کہ روپے پیشگی دے جائیں کہ مثلاً ایک مہینہ کے بعد اس قسم کا اور ایسا نوٹ لیا جائے گا، یازدہم کیا یہ جائز ہے کہ جتنی رقم اس میں لکھی ہے اس سے زائد کو بیچا جائے مثلاً دس کا نوٹ بارہ یا بیس کو یا اسی طرح اس سے کم، دوازدہم اگر یہ جائز ہے کہ جب زید عمرو سے دس روپے قرض لینا چاہے تو عمرو کہے روپے تو میرے پاس نہیں ہیں ہاں میں دس کا نوٹ بارہ کو سال بھر کی قسط بندی پر تیرے ہاتھ بیچتا ہوں کہ تو ہر مہینے ایک روپیہ دیا کرے، کیا اس کو منع کیا جائے گا کہ یہ سُود کا حیلہ ہے، اور اگر منع کیا جائے تو اس میں اور ربا میں کیا فرق ہے کہ یہ حلال ہو اور وہ حرام، حالانکہ مآل دونوں کا ایک ہے یعنی زیادتی کا ملنا، ہمیں جواب سے فائدہ بخشو قیامت کے دن تمہیں اجر ملے۔

الجواب

اللھم لک الحمد یا وھاب صل وسلم علی السید الاواب وعلی الہ و

الٰہی! تیرے ہی لئے حمد ہے اے بہت عطا فرمانیوالے! درود وسلام بھیج ان سردار پر جو تیری طرف بہت رجوع فرمانے والے ہیں اور ان کے

ازواجه والاصحاب اسئلك هداية
الحق والصواب، اعلم وفقني الله
واياك وتولّی هداي وهداك
ان النوط من احدث الاشياء واجدّها
لن تجد له ذكرا ولا اثرا في شیٔ من مؤلفات
العلماء حتی العلامة الشامی ومن ضاهاه
من العلماء الماضين قريبا ولكن الائمة
شكر الله تعالٰی مساعيهم الجميلة و
افاض علينا من بركاتهم الجليلة
قد بيّنوا الملة الحنفية بيانا شافيا ليس
دونه خفاء وقد اضحت بحمد الله تعالٰی
غراء بيضاء ليلها كنهارها فاصلوا اصولا و
فصلوا تفصيلا وذكروا كليات تنطبق علی
ما لا يحصی من جزئيات فالحوادث وان ابت
النهاية لا تكاد تخرج عما افادونا من
الدراية ولن يخلوا الوجود ان شاء
الملك الودود عمن يقدره المولی
سبحنه وتعالٰی علی استخراج تلك
الخبايا والاسترباح من تلك العطايا والمزايا
نعم من الافهام بعيد وقريب والانسان
يخطی ويصيب وما العلم الا نور يقذفه
الله فی قلب من يشاء من
عباده فلا حيلة الا التجاء الی
توفيقه سبحنه وارشاده
وحسبنا الله ونعم الوكيل

آل و ازواج و اصحاب پر میں تجھ سے حق و راستی کی
رہنمائی چاہتا ہوں جان اللہ تعالٰی مجھے اور تجھے توفیق
دے اور میری اور تیری ہدایت کا والی ہو کہ نوٹ ایک
سب سے زیادہ جدید اور نوپیدا چیز ہے تو تالیفات
علماء میں اس کا اصلاً نام و نشان نہ پائیگا یہانتک
کہ علامہ شامی اور ان کے مثل جن کا زمانہ ابھی قریب
گزرا لیکن ہمارے اماموں نے (اللہ ان کی نیک
کوششیں ٹھکانے لگائے اور ان کی عظیم برکتوں کا
ہمیں فیض پہنچائے) اس دین حنیف کا شافی بیان
فرمادیا جس میں اصلاً پوشیدگی نہیں تو بحمد اللہ شریعت
ایسی روشن چمکتی ہوگئی کہ اس کی رات بھی دن کی طرح
ہے تو انھوں نے قواعد مقرر فرمائے اور ہر بات جدا جدا
دکھا دی اور ایسے کلیے ذکر فرمائے کہ بیشمار جزئیوں پر
منطبق آئیں تو نئی پیدا ہونے والی باتیں اگرچہ ختم ہونا
نہیں مانتیں مگر وہ علم جو ائمہ ہم کو دے گئے ہیں اس
سے کوئی باہر رہتی نہیں معلوم ہوتی اور اللہ نے چاہا
تو زمانہ ایسوں سے خالی نہ ہوگا جسے اللہ تعالٰی ان
پوشیدہ باتوں کے نکالنے اور ان بخششوں اور
فضیلتوں سے نفع اٹھانے پر قدرت دے ہاں فہم
بعضے بعید ہوتے ہیں اور بعضے قریب، اور آدمی خطا
بھی کرتا ہے اور صواب بھی، اور علم تو اسی نور کا
نام ہے جو اللہ تعالٰی اپنے جس بندے کے چاہے
قلب میں القا فرماتا ہے تو سوا اس کے کوئی چارہ
نہیں کہ اللہ عزوجل کی توفیق و ہدایت کی طرف التجا
کی جائے اور اللہ ہم کو کافی ہے اور بہت اچھا کام

وعليه ثم على رسوله التعويل جل وعلا وتكرم وصلى الله تعالٰى عليه وسلم **فاقول** وبالله التوفيق وبه الوصول الٰى ذرى التحقيق اول اسئلتك اصل اسئلتك واذا علمت حقيقة هذا القرطاس تضحت الاحكام كلها من دون التباس، اما اصله فمعلوم انه قطعة كاغذ والكاغذ مال متقوم وما زادته هذه السكة الارغبة للناس اليه وزيادة فى صلوح ادخاره للحاجات وهذا معنى المال اى مايميل اليه الطبع ويمكن ادخاره للحاجة كما فى البحر والشامى وغيرهما، ومعلوم ان الشرع لم يرد بحجر المسلم عن التصرف فى قطعة قرطاس كيفما كانت كما ورد به فى الخمر والخنزير وهذا هو مناط التقوم كما فى ابن عابدين[1] وفيه عن التلويح المال ما من شانه ان يدخر للانتفاع وقت الحاجة والتقويم يستلزم المالية[2]، وفيه

بنانے والا اور اسی پر اور پھر اس کے رسول پر بھروسا، وُہ بزرگی وبلندی وکرم والا اور ان پر اس کے درود سلام **فاقول** (تو میں کہتا ہوں) اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے اور اسی سے تحقیق کی بلندیوں تک پہنچنا، آپ کا پہلا سوال آپ کے سب سوالوں کی اصل ہے اور جب اس کاغذ کی حقیقت معلوم ہوجائیگی تو سب احکام واضح ہوجائینگے جن میں کوئی شبہہ نہ رہے گا، اس کی اصل تو معلوم ہے کہ وُہ کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے اور کاغذ مال متقوم ہے اور اس سکہ نے اسے کچھ زیادہ نہ کیا مگر یہی کہ لوگوں کی رغبتیں اس طرف بڑھ گئیں اور وقت حاجت کے لئے اٹھا رکھنے کا زیادہ لائق ہوگیا اور مال کے یہی معنی ہیں یعنی وہ جس کی طرف طبیعت میل کرے اور حاجت کے لئے اٹھا رکھنے کے قابل ہو، جیسا کہ بحر وشامی وغیرہما میں ہے اور معلوم ہے کہ شرع مطہر نے کبھی مسلمان کو اس سے نہ روکا کہ وُہ اپنے پارہٴ کاغذ میں جس طرح چاہے تصرف کرے جیسا کہ شراب وخوک کے بارے میں نہی وارد ہوئی اور مال کے قیمت والے ہونے کا اسی پر مدار ہے جیسا کہ ردالمحتار میں ہے، اور اسی میں تلویح سے نقل فرمایا مال وُہ چیز ہے جس کی شان یہ ہو کہ وقتِ حاجت اس سے نفع لینے کے لئے اٹھا رکھا جائے اور قیمت والا ہونا مال ہونے کو مستلزم ہے، اور اسی میں

---

[1] و [2] ردالمحتار کتاب البیوع دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/۳

عن البحر عن الحاوی القدسی المال اسم لغیر الآدمی خلق لمصالح الآدمی وامکن احرازہ والتصرف فیہ علی وجہ الاختیار[1] اھ وقد قال المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولا یکرہ[2] اھ وھذہ ان حققت جزئیۃ النوط اتی بھا ھذا الامام قبل حدوثہ بخمسمائۃ سنۃ، فانہ ھو الکاغذ الذی یباع بالف ولا غرو فکم من مثل ھذہ الکرامات لعلمائنا الکرام نفعنا اللہ تعالٰی ببرکاتھم فی الدنیا والاٰخرۃ اٰمین، فلا ریب ان النوط بنفسہ مال متقوم یباع ویشتری ویوھب ویورث ویجری فیہ جمیع مایجری فی الاموال **اقول** ومن الظن بل من اردء الشکوک توھم انہ سند من قبیل الصکوک ای ان السلطنۃ التی تروج ھذہ القراطیس تستدین من اخذیھا الدراھم وتعطیھم ھذہ تذکرۃ لدیونھم ولمقادیرھا فاذا

بحوالہ بحرالرائق حاوی قدسی سے ہے، مال آدمی کے سوا ہر شے کا نام ہے جو آدمی کی مصلحتوں کے لئے پیدا کی گئی اور اس قابل ہو کہ اسے محفوظ رکھیں اور باختیار خود اس میں تصرف کریں اور بیشک محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا اگر کوئی اپنے کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے کو بیچے تو بلا کراہت جائز ہے انتہی، اور اگر تحقیق کیجئے تو یہ بعینہٖ نوٹ کا جزئیہ ہے کہ ان امام نے اس کی پیدائش سے پانچسو برس پہلے فرما دیا کہ یہ وہ کاغذ ہے جو ہزار کو بکتا ہے اور کچھ اچنبھا نہیں ایسی کرامتیں ہمارے علمائے کرام سے بکثرت ثابت ہوئیں اللہ ہمیں ان کی برکتوں سے دنیا و آخرت میں نفع پہنچائے، آمین! تو کوئی شک نہیں کہ نوٹ بذاتِ خود قیمت والا مال ہے کہ بکتا ہے اور مول لیا جاتا ہے اور ہبہ کیا جاتا ہے اور وراثت میں آتا ہے اور جتنی باتیں مال میں جاری ہیں سب اس میں جاری ہوتی ہیں **اقول** (میں کہتا ہوں) اور گمان فاسد بلکہ نہایت بدتر شک میں سے ہے یہ وہم کہ نوٹ دستاویز کے قبیل سے کوئی سند ہے یعنی وہ سلطنت جو ان کاغذوں کو رائج کرتی ہے ان کے لینے والوں سے روپے قرض لیتی ہے اور یہ ان کے قرضوں اور انکی مقداروں کی یادداشت ان کو دیتی ہے تو جب وہ لوگ

---

[1] رد المحتار | کتاب البیوع | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۴/ ۳
[2] فتح القدیر | کتاب الکفالۃ | مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر | ۶/ ۳۲۴

جاؤا بها الى السلطنة قضتهم ديونهم
واخذت قراطيسها وان اعطوها
غيرهم من الرعايا فهم يستدينون
من اولئك الاخرين ويحيلونهم على
السلطنة ويعطونهم تلك التذكرة
عَلَما على الاحالة كي يتوصلوا بها
الى اخذ مثل ديونهم من السلطنة
المديونة لمدينيهم وهكذا كلما
تداولت الايدي تكررت
الادانات والحوالات هذا معنى
كونه سندا وكل طفل عاقل
يعلم ان هذه المعاني
مما لا يخطر ببال احد
من المتعاملين بها و
لا يقصدون قط بهذا
التداول ادانة ولا استدانة
ولاحوالة ولا يذهب خاطرهم
الى شئ من ذلك اصلا ولا ترى
احدهم قط يذكر في دفتر
ديونه على الناس من اخذ الدراهم
منه باعطاء النوط ولا يقول
له مدة عمره انك استدنت مني كذا
فاقضني وخذ تذكرتك مني ولا في دفتر ديون
الناس عليه من اخذ هو الدراهم منه واعطاه
النوط ولا يذكر لاحد في حياته ولا عند مماته

سلطنت کے پاس وُہ نوٹ لے کر آئیں ـــــ
ـــــــ سلطنت ان کے قرض
ادا کر دیتی اور اپنے کاغذ واپس لیتی ہے اور اگر نوٹ
لینے والے رعیت میں اوروں کو نوٹ دیں تو وہ ان
دوسروں سے روپے قرض لیتی ہیں اور اپنا قرضہ
سلطنت پر اتار دیتے ہیں اور اس حوالہ کی نشانی
کو یہی یادداشت کا کاغذ ان کو دے دیتے ہیں تاکہ
ان کے ذریعہ سے ان دوسروں نے جو قرض اُن پہلوں
کو دیا تھا اسے سلطنت سے وصول کر سکیں جو ان
پہلوں کے مقروضوں کی مدیون ہے اور یونہی جتنے
الٹ پھیر نوٹوں کے ہوں قرض اور حوالے مکرر
ہوتے چلے جاتے ہیں اس کے سند ہونے کے یہ معنی

ہیں اور ہر سمجھ وال بچہ بھی جانتا ہے کہ جتنے لوگ نوٹ
کا معاملہ کرتے ہیں کسی کے دل میں ان باتوں کا
خطرہ بھی نہیں گزرتا اور کبھی اس الٹ پھیر سے
قرض دینے یا لینے یا حوالہ کا قصد نہیں کرتے اور
کبھی ان باتوں میں سے کسی طرف ان کا خیال
نہیں جاتا اور تو ان میں کبھی کسی کو نہ دیکھے گا کہ اپنے
قرض کے بہی کھاتے میں اس کا نام لکھے جس نے
نوٹ دے کر اس سے روپے لئے اور اپنی زندگی
بھر اس سے یہ نہیں کہتا کہ تو نے مجھ سے قرض لیا ہے
ادا کر دے اور اپنی یادداشت مجھ سے لے لے
اور جو اوروں کا اس پر دینا آتا ہے اس میں بھی
اس کا نام کبھی نہیں لکھتا جسے نوٹ دے کر اس نے
روپے لئے اور اپنی زندگی بھر یا مرتے وقت یہ نہیں

ان لفلان علی کذا فاقضوہ وخذوا تذکرتی منه والظلمة المهتکة المعتادة باکل الربا جهارا لا یدینون احدا درهما الا ربا یوضع علیه کل شهر ما لم یقض وتراهم یاخذون النوط ویعطون الدراهم ولا یطلبون علیها فلسا واحدا لا علی شهر ولا علی سنین ولو علموا انه ادانة لما ترکوه قطعا، فالحق انهم جمیعا انما یقصدون المبادلة والبیع والشراء ومن اخذ النوط یعلم قطعا انه ملکه بالدراهم ومن اعطاہ یعلم قطعا انه اخرجه من ملکه بالدراهم وصاحبه یعدہ من ماله وکنزہ کالنقدین والفلوس ویدخرہ ویهبه ویوصی به ویتصدق فلا یفهمون الا البیع ولا یقصدون الا البیع والناس عند مقاصدهم وانما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ ما نوی[1]، فمن المتیقن الذی لا یحوم حومة شبهة انه عند الناس مال

کہتا کہ فلاں کا مجھ پر اتنا آتا ہے اسے ادا کر دینا اور میری یادداشت اس سے لے لینا اور وہ ظالم بیباک جو سود علانیہ کھانے کے عادی ہوئے ہیں ایک روپیہ کسی کو قرض نہ دیں گے جب تک تا ادائے دین اس پر ماہوار سود نہ مقرر کرلیں اور تو انھیں دیکھے گا کہ نوٹ لے کر روپے دیتے ہیں اور اس پر ایک پیسہ بھی نہیں مانگتے نہ مہینے پیچھے نہ برسوں بعد، اور اگر وہ جانتے کہ یہ قرض دینا ہے تو ہرگز نہ چھوڑتے، تو حق یہ ہے کہ وہ سب کے سب اس سے مبادلہ اور خرید و فروخت ہی کا قصد کرتے ہیں جو نوٹ لیتا ہے وہ یقیناً جانتا ہے کہ میں روپے دے کر اس کا مالک ہوگیا اور جو نوٹ دیتا ہے وہ یقیناً جانتا ہے کہ میں نے روپے لے کر نوٹ اپنی ملک سے خارج کر دیا اور نوٹ لینے والا اسے روپوں اشرفیوں پیسوں کی طرح اپنا مال اور اپنی جمع سمجھتا ہے اور اسے جوڑ کر رکھتا ہے اور ہبہ کرتا ہے اور اس میں وصیت کرتا ہے اور تصدیق کرتا ہے تو وہ بیع ہی سمجھتے ہیں اور بیع ہی کا قصد کرتے ہیں اور لوگوں کے معاملات وہی سمجھے جائیں گے جو ان کے مقصود ہیں اور اعمال کا مدار نیت ہی پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جو اس نے نیت کی تو ایسے یقین سے ثابت ہے جس کے گرد شبہہ کو اصلاً بار نہیں کہ نوٹ لوگوں کے نزدیک

---

[1] صحیح البخاری باب کیف بدء الوحی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲

متقوم محرز مدخر مرغوب فیہ یباع ویشتری ویجری فیہ کل ما فی المال جری اما ما تری من علو اثمانہ فقطعۃ بعشرۃ واخری بمائۃ واخری بالف **فاقول** قدمنا عن الفتح ان قطعۃ قرطاس تصلح ان تباع بالف و ذلک بالتراضی بین العاقدین فقط فکیف اذا تراضی علیہ امم من الناس وجعلوا ھذہ القطعات بھذہ الاثمان اصطلاحا منھم علا ان الضرب السلطانی لہ قیمۃ عند الشرع ایضا الا تری ان من سرق عشرۃ دراھم مضروبۃ قطع ومن سرق تبرا غیر مضروب وزنہ قدر عشرۃ ولا تبلغ قیمتہ عشرۃ مضروبۃ لم یقطع کما نص علیہ فی الھدایۃ[1] وغیرھا عامۃ کتب المذھب والفلوس المضروبۃ المقدرۃ بربیۃ ان اخذت قدرھا وزنا من النحاس لا یساوی ربیۃ قطعا بل قد لا یساوی نصفھا بل تری مثل ذلک فی الفضۃ فقد کانت فی قریب من الزمان فضۃ تساوی

قیمت والا مال ہے جو محفوظ رکھا جاتا ہے جمع کیا جاتا ہے اس کی طرف رغبت ہوتی ہے بیچا جاتا ہے اور مول لیا جاتا ہے اور جو مال میں جاری ہے سب اس میں جاری ہوتا ہے اور یہ جو تم اس کی بڑی بڑی قیمتیں دیکھتے ہو کہ ایک نوٹ دس کا اور دوسرا سو کا اور تیسرا ہزار کا **اقول** (میں کہتا ہوں) ہم فتح القدیر سے بیان کر آئے کہ کاغذ کا ایک ٹکڑا ہزار کو بک سکتا ہے اور اس کے لئے صرف اتنا درکار ہے کہ بائع و مشتری دونوں راضی ہوں تو اس کا کیا کہنا جس پر گروہ کے گروہ راضی ہوں اور ان قطعوں کی یہ قیمتیں اپنی اصطلاح سے ٹھہرالیں علاوہ بریں سکہ شاہی شرع کے نزدیک بھی قیمتی ہے کیا نہیں دیکھتا کہ جو شخص دس درہم سکہ کے چرائے ہاتھ کاٹا جائے گا اور جو ایسی چاندی بے سکہ کی چرائے جس کا وزن دس درہم بھر ہو اور اس کی قیمت سکہ کے دس درہم تک نہ پہنچی اس کا ہاتھ نہ کٹے گا، جیسا کہ ہدایہ وغیرہ عام کتب مذہب میں تصریح ہے اور ایک روپے کے سکہ دار پیسے جتنے آتے ہیں اگر تو ان کے وزن کا تانبا لے تو ہرگز ایک روپے کا نہ ہوگا بلکہ بعض وقت اٹھنی کا بھی نہ ہوگا بلکہ ایسی حالت چاندی میں بھی دیکھو گے ابھی تھوڑا زمانہ گزرا ہے کہ دو روپے بھر چاندی ہمارے ملک میں ایک روپے کو

---

[1] الھدایۃ کتاب السرقۃ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/ ۵۱۸

ربیتین وزنا بربیة واحدة فی بلادنا
وکانت الجهلة یشترون ولا یعلمون
ما فیه من وبال الربا فاذا حصل
بالضرب التضعیف فالضعف والاضعاف
سواء ومن الجلی عند کل من ورد
ولو عابر سبیل مشرع الشرع الجلیل او
منهل العقل السلیم ان الشئ التافه جدا
ربما یعرض له ما یجعله اعلی من الوف
امثاله ورب ما اشتریت جاریة بمائتی الف
واکثر ولا یرغب فی اخری بثلثین درهما
مع ان الاوصاف لاقسط لها من الثمن حتی
الاطراف مالم تصر مقصودة بالاتلاف فما
ھی الا ثمن الذات زادته الاوصاف لزیادة
الرغبات ارأیتک ان کانت ورقة کاغذ فیها
نفیس عجیب نادر غریب وکان رجل یطلبه
ویعرف قدره فاشتراها بعشرة الاف
هل فیه من خلاف کلا بل حلال طیب
بنص القراٰن والاجماع من دون نکیر
ولا نزاع، قال تعالٰی الا ان
تکون تجارة عن تراض منکم[1]
فهذه العشرة الالاف ما هی ثمن المکتوب
فانه لا مالیة له اصلا کما نص علیه
فی الهدایة وسائر الکتب المعللة وهذا

بکتی تھی اور جاہل لوگ خریدتے تھے اور نہیں جانتے تھے
کہ اس میں سُود کا کیسا وبال ہے تو سکہ سے جب
دُونا دُون قیمت ہوگئی تو دوچند اور ہزار چند سب یکساں،
اور ہر شخص کہ شرع مطہر یا عقل سلیم کے گھاٹ گزرا ہے،
اگرچہ راہ چلتا ہوا، اس پر روشن ہے کہ ایک شئی
نہایت حقیر میں ایک وصف لگ جاتا ہے کہ اسے
اس جیسی ہزاروں سے بیش بہا کر دیتا ہے اور بارہا
ایک کنیز دولاکھ روپے اور اس سے زائد کو خریدی
گئی اور دوسری کو کوئی تیس روپے کو نہیں پوچھتا
حالانکہ اوصاف کے لئے ثمن میں سے کوئی حصہ
نہیں یہاں تک کہ ہاتھ پاؤں جب تک کہ بالقصد
ہلاک کئے جائیں وہ ثمن ذات ہی کا ہے جسے
رغبتیں بڑھنے کے سبب اوصاف نے بڑھادیا بھلا
بتا تو کہ ایک ورق کاغذ ہو جس میں ایک علم نفیس
عجیب وغریب نادر ہو اور ایک شخص اس علم کا
طلبگار ہو اور اس کی طلب جانتا ہو وہ اس ورق
کو دس ہزار میں خرید لے تو کیا کوئی اس میں خلاف
ہے ہرگز نہیں بلکہ حلال طیب ہے اس پر قرآن عظیم
کا نص اور بلاانکار ومنازعت اجماع قائم ہے،
رب عزوجل فرماتا ہے مگر یہ کہ کوئی سودا تمھارے
آپس کی خوشی کا ہو اور یہ دس ہزار اس لکھے ہوئے
علم کی قیمت نہیں کہ وہ تو مال کے قبیل ہی سے نہیں
جیسا کہ ہدایہ اور باقی تمام کتب میں تصریح ہے جن میں

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

نصها ولا قطع فی سرقة المصحف و ان کان علیه حلیة لانه لامالیة له علی اعتبار المکتوب واحرازه لاجله لاللجلد والاوراق والحلیة وانما هی توابع، ولا فی الدفاتر کلها لان المقصود مافیها وذلک لیس بمال الادفاتر الحساب لان مافیها لایقصد بالاخذ فکان المقصود الکواغذ اھ[1] ملتقطا فتبین ان الورقة الواحدة هی التی بلغ ثمنها لما فیها عشرة الاف فایّ غرو فی بلوغ قیمة نوط عشرة او اکثر لاجل ما کتب فیه مما استجلب رغبات الناس الیه وای حجر من الشرع علیه وبالجملة فالمسألة اوضح من ان تحتاج الی ایضاح والی کم تبتغی المصباح وقد اسفر الاصباح **ثم اقول** بل حقیقة الامر ان الاموال کما فی البحر وغیره اربعة اقسام، الاول ثمن بکل حال وهوالنقدان

مسائل مع دلائل مذکور ہیں اور یہ ہدایہ کی عبارت ہے قرآن مجید چرانے میں ہاتھ نہ کاٹا جائے گا اگرچہ اس پر سونا چڑھا ہو اس لئے کہ لکھے ہوئے کے اعتبار سے تو وہ از قبیل مال ہی نہیں اور اس کا محفوظ رکھنا اس مکتوب ہی کی غرض سے ہے نہ کہ جلد اور ورقوں اور نقوش زر کے لئے یہ چیزیں تو تابع ہیں اور کسی قسم کے دفتر کی چوری میں ہاتھ نہ کاٹا جائے گا کہ ان سے مقصود وہ ہے جو ان میں لکھا ہے اور وہ مال نہیں مگر حساب کی بہیاں کہ ان میں جو لکھا ہے وہ دوسرے کے کام کا نہیں ہوتا جو اس کا لینا مقصود ہو تو ضرور کاغذ ہی مقصود ہوئے انتہی ملخصاً، تو کھل گیا کہ ایک ورق کاغذ ہی کی قیمت اس کی تحریر کے باعث دس ہزار کو پہنچ گئی تو اس میں کیا تعجب ہے کہ اس لکھائی کے سبب نوٹ کی قیمت دس یا زائد کو پہنچ جائے جس کے باعث لوگوں کی رغبتیں اس کی طرف کھنچ گئیں اور شرع سے اس پر کون سی روک ہے، خلاصہ یہ کہ مسئلہ اس سے زیادہ روشن ہے کہ روشن کرنے کا حاجتمند ہو اور کہاں تک تو چراغ مانگے جائے گا حالانکہ صبح روشن ہوگئی **ثم اقول** (پھر میں کہتا ہوں) اصل بات یہ ہے کہ مال چار قسم ہے جیسا کہ بحرالرائق وغیرہ میں ہے، اول وہ کہ ہر حال میں ثمن ہی ہے اور وہ سونا چاندی

[1] الہدایۃ کتاب السرقۃ باب مایقطع فیہ ومالایقطع المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/ ۲۱-۵۲۰

فانهما اثمان ابدا صحبتها الباء
اولا وقوبلا بجنسها اولا وعدهما
العرف من الاثمان اولا كالمصوغ
منهما فانه بسبب ما اتصل به من
الصنعة لم يبق ثمنا صريحا و
ولهذا يتعين فی العقد ومع ذلك
بیعه صرف یشترط فیه ما یشترط
فی الصرف لانهما خلقا للثمنية
ولا تبديل لخلق الله، والثانی
مبيع بكل حال كالثياب
والدواب فانها وان
صحبتها الباء وقوبلت بما
تشاء لا تثبت دينا فی الذمة
وهذا هو المعنی بالثمنية
فلا يرد ان فی المقايضة
كلا من العرضين ثمن
من وجه هكذا وجه ابن عابدين
جوابا عن ايراد العلامة الطحطاوی
اقول وفيه ان المصوغ
من الحجرين ايضا
لايثبت دينا فی الذمة بل
يتعين فی العقود كما
تقدم عن البحر فان سلم
هذا ورد النقض علی ذلك
فليتأمل والاظهر عندی الجواب

ہیں کہ ہمیشہ ثمن ہی رہیں گے خواہ انکے عوض کوئی چیز بیچی یا انکو کسی
چیز کے عوض بیچا کہیں خواہ اپنی جنس سے
بدلے جائیں یا غیر جنس سے خواہ اہل عرف انھیں
ثمن کہیں یا نہیں جیسے چاندی سونے کے برتن وغیرہ
کہ وہ اس گھڑت کے سبب جو ان میں ہوئی خالص
ثمن نہ رہے ولہذا عقد بیع میں متعین ہوجائینگے
اور باینہمہ ان کی بیع شرعاً صرف ٹھہرے گی
(یعنی ثمن سے ثمن کا بیچنا) اور جو شرائط صرف کے
وہ سب اس کے مشروط ہوں گے اس لئے کہ
چاندی سونا ثمن ہونے کے لئے ہی بنائے گئے اور
اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز بدلی نہیں جاتی۔ قسم دوم وہ
جو ہر حال مبیع ہے جیسے کپڑے، چوپائے کہ اگر
ان کے عوض کوئی چیز بیچنا کہیں اور ان کا مبادلہ
کسی شئی کے ساتھ ہو وہ کبھی ذمہ پر دین ہوکر
لازم نہ ہوں گے، اور ثمن ہونے کے یہی معنی ہیں
تو یہ اعتراض وارد نہ ہوگا کہ بیع مقایضہ (جس میں
متاع کے بدلے متاع بیچی جاتی ہے) اس میں
دونوں متاع ایک وجہ سے ثمن ہیں، اعتراض علامہ
طحطاوی کے جواب میں علامہ شامی نے اسی طرح
توجیہ فرمائی، **اقول** (میں کہتا ہوں) اس
میں یہ اعتراض ہے کہ چاندی سونے کی گھڑی ہوئی
چیز مثلاً برتن یا گہنا یہ بھی ذمہ پر دین نہیں ہوتے
بلکہ عقد میں متعین ہوجاتے ہیں جیسا کہ بحرالرائق
سے گزرا، تو اگر یہ تقریر سالم رہے تو اس پر نقض
وارد ہوگا، فتأمل، اور میرے نزدیک صاف جواب

بان کل سلعة فی المقایضة مبیع ایضا ولایمکن ان تصیر ثمنا محضا و ان کان لها وجهة الی الثمنیة من حیث ان البیع لایقوم الا بالبدلین بخلاف القسم الاٰتی فانه تارة یصیر ثمنا بحتا و اخری مبیعا خالصا فمعنی القسمین انه لاینفك عنه کونه ثمنا اوکونه مبیعا لشیئ من الاحوال وان اعتراہ وجهة اخری ایضا فی بعض الحال ثم قوله کالثیاب ان سلها ارسالا واقرہ الشرح والحواشی والمراد المختلفة افرادها مالیة والا کانت من الثالث حیث امکن ضبطها بذکر جنس کقطن وکتان وصنعة کعمل الشام و مصر ورقة اوغلظة و ذرع طولا وعرضا ووزن ان بیعت به و بذا یجوز السلم فیها کما عرف فی محلة والثالث مالوصف فی ذاته ثمن تارة و مبیع اخری ولا اقول کقول التنویر ثمن من وجه مبیع من وجه[1] لیعود حدیث المقایضة **اقول** و انما زدت لوصف فی ذاته احترازا عن قسم الرابع فانه

یہ ہے کہ بیع مقایضہ میں ہر شے مبیع بھی ہے اور ثمن خالص نہیں ہوسکتی اگرچہ اس کا ایک رُخ ثمنیت کی طرف بھی ہے اس لئے کہ بیع بغیر ثمن ومبیع دونوں کے نہیں ہوسکتی بخلاف قسم آئندہ کے کہ وہ کبھی خالص ثمن ہوتی ہے اور کبھی خالص مبیع، تو ان دونوں قسموں کے معنی یہ ہیں کہ اس کا ثمن یا مبیع ہونا کسی حال اس سے جُدا نہ ہو اگرچہ بعض اوقات اسے دوسرا رُخ بھی عارض ہو، پھر وُہ جو کپڑوں کی مثال گزری مصنف نے اسے یونہی مطلق چھوڑا اور شرح و حواشی میں اسے برقرار رکھا اور مراد وہ کپڑے ہیں جو مالیت میں ایک سے نہ ہوں، ورنہ تیسری قسم میں ہوں گے جبکہ ان کا ضبط ہو سکے ذکر جنس سے جیسے رُوئی اور کتان یا کارخانہ کے ذکر سے جیسے شام و مصر کا کام، یا پتلی اور دبیز ہونے سے یا طول وعرض کی پیمائش سے یا وزن سے اگر تول کر بیچے جاتے ہوں اور اسی بنا پر ان میں بیع سلم یعنی بدلی جائز ہے جیسا کہ اپنے محل میں معلوم ہوچکا ہے۔ قسم سوم وہ جن کی ذات میں کوئی ایسا وصف ہے جس کے سبب کبھی ثمن کبھی مبیع ہوتے ہیں اور میں ویسا نہیں کہتا جیسا تنویر میں فرمایا کہ ایک جہت سے ثمن ہو اور ایک جہت سے مبیع کہ مقایضہ کی بات پلٹ پڑے۔ **اقول** (میں کہتا ہوں) میں نے یہ قید کہ اس کی ذات میں کوئی وصف ایسا ہو اس لئے بڑھا دی کہ

---

[1] درمختار باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/۵۷

ايضاً يصير مرة ثمنا واخرى لا ، لا لوصف في ذاته بل للاصطلاح وعدمه وهذه هي المثليات فانها اما ان تقابل باحد النقدين او لا على الاول مبيعات مطلقا سواء دخلتها الباء اولا وتعينت اولا كقولك بعتك هذا الذهب بكرّ بُرّ او بهذا الكرّ فالكرّ مبيع مطلقا والبيع في صورة التعيين مطلق وفي غيره سلم يشترط فيه شرائطه وعلى الثاني اما ان تدخلها الباء اولا على الاول اثمان مطلقا تعينت اولا كبعتك هذا الثوب بكرّ برّ او بهذا الكرّ والبيع مطلق في الوجهين والكرّ يثبت في الذمة وعلى الثاني ان تعينت فاثمان كبعتك هذا الكر بهذا الثوب اولا فمبيعات كبعتك كرا بهذا العبد والبيع سلم بشروطه والحاصل ان المثلي ان قوبل بحجر فمبيع مطلقا والا فان دخلته الباء فثمن مطلقا والا فان تعين فثمن اولا

قسم چہارم نکل جائے کہ وہ بھی تو کبھی ثمن ہوتی ہے کبھی نہیں لیکن کسی اپنے وصف کے سبب نہیں بلکہ اصطلاح وعدم اصطلاح کی بنا پر۔ اور یہ وہ اشیاء ہیں جن کو مثلی کہتے ہیں اب ان کا مقابلہ یا تو چاندی سونے سے ہوگا یا اور چیز سے، پہلی صورت میں مطلقاً مبیع ہیں چاہے خرید و فروخت میں ان کو عوض ٹھہرایا ہو یا سونے چاندی کو، اور یہ شے مثلی معین ہو یا غیر معین جیسے کوئی یوں کہے میں نے یہ سونا اتنے من گیہوں کو بیچا یا ان گیہوؤں کے عوض بیچا تو گیہوں بہر حال مبیع ہے پھر وہ گیہوں اگر معین ہے تو بیع مطلق ہے اور اگر غیر معین ہے تو سلم کہ اس کے شرائط لازم ہوں گے اور دوسری صورت میں ان کے عوض کوئی چیز بیچنا کہی یا ان کو کسی شے کے عوض بیچنا کہا پہلی تقدیر پر ہر حالت میں ثمن ہوں گے خواہ معین ہوں یا نہیں جیسے یوں کہا کہ میں نے یہ کپڑا اتنے گیہوؤں یا ان گیہوؤں کے عوض بیچا اور بیع بہر حال مطلق ہے چاہے یہ معین ہوں یا نہیں اور وہ گیہوں ذمہ پر لازم ہونگے بر تقدیر دوم اگر یہ چیزیں معین ہوں تو ثمن ہیں جیسے یوں کہا کہ میں نے یہ گیہوں اس کپڑے کے عوض بیچے اور معین نہ ہوں تو مبیع ہیں جیسے یوں کہے کہ میں نے اتنے من گیہوں اس غلام کے بدلے بیچے اور بیع سلم ہے اس کے شرائط کے ساتھ، اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ مثلی چیز اگر سونے چاندی کے مقابل ہو تو مطلقاً مبیع ہے ورنہ اگر اس کے عوض بیچنا کہیں

فمبيع وهذا ايضاح ما حرر الشامی مع احسن ضبط لا يوجد فيه والرابع ما هو سلعة بالاصل وثمن بالاصطلاح كالفلوس فما دام يروج فكثمن والا عاد لاصله و لا شك ان المصطلحين اذا ارادوا ان يجعلوا سلعة ثمنا لابد لهم ان يرجعوا فی تقديرها الی الثمن الخلقی فان ما بالعرض لا يتقوم الا بما بالذات فيجعلون اربعة وستين من الفلوس الهندية او احدى وعشرين من الهللات العربية بربية وهكذا فی غيرها، وهم فی ذلك بالخيار يصطلحون كيف يشاؤن اذ لا مشاحة فی الاصطلاح، وقد كان قبل نحو عشرين سنة فی الديار الهندية قسمان من الفلوس يروجان احدهما مضروب والاٰخر قطعة نحاس مستطيلة الشكل نحو ضعف الفلس المضروب فی الوزن، وكان من المضروب اربعة وستون بربية لا تزيد ولا تنقص ومن الاٰخر مختلف السعر، وربما صار ثمانون منه بربية الی ان كسد ونفد فكل ذلك راجع الی الاصطلاح ولا حجر فيه من جهة الشرع الشريف اذا علمت هذا فالنوط هو من القسم الرابع سلعة باصله لانه قرطاس وثمن بالاصطلاح لانه

تو مطلقاً ثمن ہے ورنہ اگر معین ہو تو ثمن ہے اور غیر معین ہو تو مبیع یہ اس کا ایضاح ہے جو علامہ شامی نے یہاں منقح فرمایا مگر ایسے نفیس ضبط کے ساتھ جو شامی میں نہیں، قسم چہارم وہ یہ کہ حقیقۃً کوئی متاع ہو اور اصطلاحاً ثمن جیسے پیسے تو وہ جب تک چلتے ہیں ثمن ہیں ورنہ اپنی اصل کی طرف لوٹ جائیں گے اور اصلاً شبہہ نہیں کہ اہلِ اصطلاح جب کسی چیز کو ثمن کرنا چاہیں تو انھیں ان کے اندازہ میں ثمن پیدائشی کی طرف رجوع کرنے ناگزیر ہے کہ عرضی چیز کا قیام تو ذاتی ہی سے ہوتا ہے تو ۶۴ ہندی پیسے یا ۲۱ عربی ہللے ایک روپے کے قرار دیتے ہیں یوں ہی اس کے ماسوا میں، اور اختیار ہے جیسے چاہیں اصطلاح مقرر کریں کیونکہ اصطلاح میں کوئی روک ٹوک نہیں، ۲۰ برس پہلے ہندوستان میں دو طرح کے پیسے رائج تھے ایک سکہ زدہ (ڈبل) دوسرے تانبے کے لمبے ٹکڑے وزن میں ڈبل پیسے سے قریب، دونے کے (منصوری) ڈبل پیسے روپیہ کے ۶۴ سے نہ زائد ہوتے ہیں نہ کم، اور منصوری کا بھاؤ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے اور کبھی ایک روپے کے اسّی ہو جاتے تھے یہاں تک کہ چلن نہ رہا اور جاتے رہے تو یہ سب اصطلاح کی جانب راجع ہے اور اس میں شرع مطہر کی طرف سے کوئی روک نہیں۔ جب یہ معلوم ہو لیا تو نوٹ چوتھی قسم سے ہے، اصل میں یہ ایک متاع ہے اس لئے کہ ایک پرچہ کاغذ ہے اور اصطلاح میں ثمن ہے اس لئے کہ اس کے ساتھ ثمن کا سا

يعامل به معاملة الاثمان وهذه الرقوم المكتوبة
عليه تقديرات ثمنية بالثمن الاصلی
كما علمت ، فهو اصطلاح لامضايقة
فيه ولا يسأل له عن وجه وتوجيه
وقد تبين بهذا التقرير والحمد لله
الفتاح القدير حقيقة النوط وانما
سائر الاحكام بها منوط، فاذن
لايعتری ان شاء الله تعالٰی فی ابانة شیئ من
الاحكام اشكال والحمد لله المهيمن المتعال۔

اما السوال الاول

فقد بان الجواب مع المزيد ولا احتياج
الی ان نزيد۔

واما الثانی

فاقول نعم تجب فيه الزكوٰة بشروطها
لما علمت انه مال متقوم بنفسه
وليس سند او تذكرة للدين
حتی لايجب اداؤها ما لم يقبض
خمس نصاب ولاحاجة فيه الٰی نية التجارة
لان الفتوی علی ان الثمن المصطلح
تجب فيه الزكوٰة ما دام
رائجا بل لا انفكاك له عن
نية التجارة لانه لاينتفع به
الا بالمبادلة كما لايخفی فی فتاوٰی
قارئ الهداية الفتوی
علی وجوب الزكوٰة فی

معاملہ کیا جاتا ہے اور یہ رقمیں کہ اس پر مرقوم
ہیں یہ اس کی ثمنیت کا ثمن اصلی سے اندازہ ہے
جیسا کہ معلوم ہوچکا تو ایک اصطلاح ہے اس
میں کچھ مضائقہ نہیں نہ اس کی وجہ توجیہ دریافت
کی جائیگی، بحمد اللہ القدیر اس تقریر سے نوٹ
کی حقیقت واضح ہوگئی اور تمام احکام اسی پر مبنی
تھے تو ان شاء اللہ تعالٰی اب کوئی دشواری کسی
حکم کے اظہار میں آڑے نہ آئے گی، اور سب
خوبیاں اللہ کو جو ہر چیز کا نگہبان ہے بلندی والا۔

جواب سوال اول

مع شئ زائد واضح ہولیا اور بڑھانے کی ضرورت
نہیں۔

جواب سوال دوم

فاقول (تو میں کہتا ہوں) ہاں نوٹ میں زکوٰۃ
اپنی شرطوں کے ساتھ واجب ہے اس لئے کہ آپ
نے جان لیا کہ وہ خود قیمتی مال ہے دستاویز و
رسید قرض نہیں کہ جب تک نصاب کا پانچواں حصہ
قبضہ میں نہ آئے زکوٰۃ دینا واجب نہ ہو اور نوٹ
میں نیتِ تجارت کی بھی حاجت نہیں اس لئے
کہ فتوٰی اس پر ہے کہ ثمن اصطلاحی جب تک
رائج ہے زکوٰۃ اس میں واجب ہے بلکہ نوٹ کو
نیت تجارت سے اصلاً جدائی نہیں کہ بغیر مبادلہ
اس سے نفع لے ہی نہیں سکتے جیسا کہ ظاہر ہے
فتاوی علامہ قاری الہدایہ میں ہے فتوٰی اس
پر ہے کہ پیسے جب تک رائج ہیں ان پر زکوٰۃ واجب

الفلوس اذا تعومل بها اذا بلغت ما تساوی مائتی درهم من الفضة او عشرین مثقالا من الذهب[1] اھ والنوط المستفاد قبل تمام الحول یضم الی نصاب من جنسه او من احد النقدین باعتبار القیمة کاموال التجارة۔

واما الثالث

فاقول نعم یصح مهرا لما علمت اذا کانت قیمته وقت العقد سبع مثاقیل من فضة فان اقل یتم کما فی العروض۔

واما الرابع

فاقول یجب القطع بشروطه من تکلیف ونطق وبصر وحرز تام وغیرها اذا بلغت قیمته کلا یومی السرقة والقطع عشرة دراهم مضروبة جیادا وذلک کله لما بینا انه مال متقوم بنفسه۔

واما الخامس

فاقول نعم یضمن باتلاف بمثله ولا یجبر المتلف

جبکہ دو سو درہم چاندی یا بیس مثقال سونے کی قیمت کو پہنچے ہوں انتہی اور نوٹ جو سال زکوٰۃ تمام ہونے سے پہلے ملے وہ اپنی جنس کے نصاب یا قیمت لگا کر سونے چاندی سے ملایا جائے گا جیسا تجارتی مال کا حکم ہے۔

جواب سوال سوم

فاقول (تو میں کہتا ہوں) ہاں وُہ مہر ہوسکتا ہے اسی بنا پر کہ آپ جان چکے جبکہ وقت عقد اس کی قیمت سات مثقال چاندی ہو اگر کم ہوگی تو پوری کی جائے گی جس طرح اسباب میں ہے۔

جواب سوال چہارم

فاقول (تو میں کہتا ہوں) نوٹ کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا جب کہ اس کی شرطیں پائی جائیں یعنی چور عاقل بالغ ہو، گونگا نہ ہو، اندھا نہ ہو، نوٹ پوری حفاظت کی جگہ رکھا ہو، اور اس کے سوا جو شرائط ہیں اور جس دن چرایا تھا اور جس دن کاٹیں دونوں دن اس کی قیمت دس درہم سکہ دار کھرے تک پہنچے اور یہ سب اُسی بنا پر ہے کہ ہم بیان کر آئے کہ وہ بذاتِ خود ایک قیمت والا مال ہے۔

جواب سوال پنجم

فاقول (تو میں کہتا ہوں) ہاں کوئی کسی کا نوٹ تلف کردے تو اس کے تاوان میں نوٹ

---

[1] فتاوٰی قاری الہدایۃ

على اداء الدراهم خاصة لان النوط
عددی غیر متفاوت اصلا اذا اتحد
دار ضربه، نعم اذا اختلف ولو
اتحدت السلطنة فربما تختلف
القيمة وذلك ان النوط اله آباد
او اله آباد وكلكتة يروج في ممالك
الهند المشرقية الشمالية اكثر
مما يروج نوط بمبئی و بالعكس
وربما يشترى نوط مكان في اخر
بنقص عدة آنات من رقمه
المكتوب عليه فلا يعد احدهما مثل الأخر
الا اذا استويا رواجا۔

واما السادس

فاقول نعم يجوز كما تعامله
الناس في عامة البلاد وقد
علمت تحقيقه۔

تنبيه: كنت قنعت في الجواب بهذا
القدر لوضوح الامر بما قررته في
الصدر فاذا انهيت الرسالة بلغني
عن بعض[عه] الافاضل انه حفظه الله
تعالى قال مذاكرة لا مجادلة ان العلامة
ابن عابدين ذكر في رد المحتار
تفريعا على ان من شروط انعقاد البيع كون
المعقود عليه مالا متقوما انه لم ينعقد بيع
كسرة خبز لان ادنى القيمة التي تشترط

ہی دینا آئے گا اور تلف کنندہ کو خاص روپیہ ادا
کرنے پر مجبور نہ کیا جائے گا کہ نوٹ وہ چیز ہے جس کا
لین دین گن کر ہوتا ہے اور دو نوٹوں میں اصلاً
تفاوت نہیں سمجھا جاتا ہے جبکہ وہ ایک ٹکسال کے
ہوں، ہاں ٹکسال جب مختلف ہو تو اگرچہ سلطنت
ایک ہو اکثر قیمت مختلف ہو جاتی ہے اور یہ
اس لئے کہ نوٹ الٰہ آباد یا الٰہ آباد وکلکتہ کا چلن
مشرقی شمالی ممالک ہند میں بمبئی کے نوٹ سے
زیادہ ہے و بالعکس اور بیشتر ایک جگہ کا نوٹ
دوسرے مقام پر کچھ آنوں کی کمی سے لیا جاتا ہے
تو ایک دوسرے کے برابر شمار نہ کیا جائے گا
تاوقتیکہ چلن میں برابر نہ ہوں۔

جواب سوال ششم

فاقول (پس میں کہتا ہوں) ہاں جائز ہے
جیساکہ تمام شہروں میں عمل درآمد ہے اور تم اس
کی تحقیق جان چکے۔

تنبیہ: میں نے جواب میں اسی پر اکتفار
کی تھی اس لئے کہ ابتدائے کلام میں جو تقریر گزری
اس سے امر واضح ہو چکا تھا پھر جب میں رسالہ
تمام کر چکا مجھے بعض علماء سلمہ اللہ تعالیٰ سے خبر پہنچی
کہ انھوں نے بطور مذاکرہ نہ بطور مجادلہ یہ فرمایا کہ
علامہ ابن عابدین نے ردالمحتار میں اس مسئلہ پر
کہ بیع منعقد ہونے کی شرط مبیع کا مال متقوم ہونا
ہے یہ تفریع ذکر کی کہ ایک ٹکڑے روٹی کی بیع باطل
ہے کہ جواز بیع کے لئے کم سے کم ایک پیسہ قیمت

عـه یعنی فاضل حامد احمد محمد جداوی سلمہ ۱۲۔

لجواز البیع فلس اھ[1] و معلوم ان
ھذا القدر من القرطاس لایساوی
فلسا ای فیکون البیع باطلا غیر منعقد اصلا
فضلا عن الحرمۃ والکراھۃ **اقول** و باللہ
التوفیق ھذا قالہ قبل ان یطالع رسالتی
ولذلک وددت انہ سلمہ ربہ طالعھا
واطلع علی ما فیھا والجواب ظاھر
بملاحظۃ قولہ لایساوی فلسا
فبونٌ بیّن بین لا یساوی ولم یکن
یساوی لانہ الاٰن یساوی مائۃ
والفا والنظر للحال لا للاصل
الاترٰی ان بیع اوانی الخزف
والطین کبارھا وصغارھا
من الحب والجفنۃ الی نحو
راس الشیشۃ شائع ذائع بین
عامۃ المسلمین ولم ینکرہ
احد مع ان اصلہ تراب والتراب
لیس بمال بل لو نظر للاصل لعادت
مسألۃ الفلس المتمسک بھا علی نفسھا
بالنقص لما علمت ان قطعۃ نحاس بوزن
فلس لاتساوی فلسا قط بل لا تبلغ
نصفہ ایضا ولذا اولعت المجازفون
باصطناع قوالب کقالب دار الضرب

ہونا شرط ہے انتہی، اور ظاہر ہے کہ اتنا ٹکڑا کاغذ
کا ایک پیسہ کی قدر نہیں تو نوٹ کی بیع باطل ہونا چاہئے
کہ اصلاً ہوئی ہی نہیں، حرام یا مکروہ ہونا تو درکنار،
اقول وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق
اللہ تعالٰی سے ہے) ان عالم نے یہ بات میرا رسالہ
دیکھنے سے پہلے کہی اور اسی لئے میں نے تمنا کی کہ
کاش وہ میرا رسالہ دیکھ لیتے اور اس کے مضامین پر
مطلع ہوتے اور اعتراض کا جواب تو خود ان کے اس
کہنے ہی سے ظاہر ہے کہ یہ پرچہ کاغذ ایک پیسہ کا
نہیں کہ ان دونوں باتوں میں کھلا فرق ہے کہ ایک
پیسہ کا نہیں یا ایک پیسہ کا نہ تھا اس لئے کہ اب
تو وہ سو روپے اور ہزار روپے کا ہے اور شے کی
حالت موجودہ دیکھی جاتی ہے نہ یہ کہ اصل میں کیا تھی،
کیا نہیں دیکھتے کہ پکی اور کچی مٹی کے برتن چھوٹے بڑے
گولی اور کونڈے سے لے کر چلم تک ان کی بیع تمام
مسلمانوں میں رائج ومعروف ہے اور کوئی اس پر
انکار نہیں کرتا حالانکہ ان کی اصل مٹی ہے اور مٹی
مال نہیں اگر اصل کو دیکھیں تو وہ پیسہ کا مسئلہ خود
اپنے ہی نفس کا ناقص ہوگا اس لئے کہ تمہیں معلوم
ہوچکا کہ تانبے کا پتر جو وزن میں ایک پیسہ کے
برابر ہو ہرگز ایک پیسے بلکہ دھیلے کا بھی نہیں ہوتا اور
اسی لئے بیباکوں کو پیسہ ڈھالنے کی بہت لت ہوتی
ہے ٹکسال کی طرح سانچا بنا کر تانبا گلا کر اس میں

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/۵

يذيبون النحاس ويقلبونه فيها فيصير
فلوسا ويربحون به ضعف ما خسروا
ويقولون انه انفع من ضرب الربابي
فبالنظر للاصل لايساوي الفلس نفسه
فلسا فلايكون مالا متقوما فكيف يكون
قيمة وثمنا ومن تأمل حديث
ورقة علم الذي قدمنا علم ان
الشئ انما ينظر اليه بما هو عليه
الأن لابما قد كان الاترى ان العالم معظم
شرعا وعقلا وعرفا ولا نظر الى انه في الاصل
من الذين قال الله تعالٰى فيهم والله الذي
اخرجكم من بطون امهتكم لا تعلمون
شيئًا[١] وما ذلك الا لانه بحدوث
وصف فيه صار متقوما عند الله و
عند الناس بعد ان لم يكن وكذلك
ورقة العلم لما تجدد فيها من
كتابة ذلك العلم وكذلك النوط
لما حدث فيه بذلك الرقم والطبع
ما استجلب الرغبات اليه للنفع
وصار يميل اليه الطبع ويجرى
فيه البذل والمنع ولا قيمة للايراد بانه
لايمشي في كل البلاد فان هذا
ليس من لوازم المالية عند احد

ڈالتے ہیں کہ پیسہ ہو جاتا ہے اور اس میں جتنا خرچ
ہوتا ہے اس سے دونا نفع مل جاتا ہے اور اسے
روپے ڈھالنے سے زیادہ نافع بتاتے ہیں تو اصل
پر نظر کرنے سے خود ایک پیسہ ایک پیسے کا نہیں
تو مال متقوم نہ ہوا تو کیونکر قیمت اور ثمن ہو سکتا ہے
اور ورق کی بات کہ اوپر گزری جو اسے دیکھے گا
یقین کریگا کہ شے کی حالت موجودہ دیکھی جاتی ہے
نہ کہ حالتِ گزشتہ، کیا نہیں دیکھتے کہ شرع میں
عقل میں عرف میں عالم کی تعظیم ہے اور اس پر
نظر نہیں کہ وہ اصل میں ان لوگوں سے ہے جن
کی نسبت رب عزوجل نے فرمایا کہ اللہ وہ ہے جس
نے تمھیں تمھاری ماؤں کے پیٹ سے اس حال پر
پیدا کیا کہ تم کچھ نہ جانتے تھے تو یہ اسی سبب سے
ہے کہ اس میں ایک وصف ایسا پیدا ہو گیا
جس کے سبب خالق وخلق سب کے نزدیک اس کو
وہ عزت ہوگئی جو پہلے نہ تھی اور ایسے ہی وہ علم کا
ورق اس وجہ سے کہ اس میں وہ علم لکھ دیا گیا اور
ایسے ہی نوٹ جس میں چھاپے کے سبب وہ بات
پیدا ہوگئی جس نے نفع کے باعث رغبتوں کو
اس کی طرف کھینچ دیا اور طبیعتیں اس کی طرف میل
کرنے لگیں اور اس میں دینا اور روکنا جاری ہوا اور
یہ اعتراض کچھ حقیقت نہیں رکھتا کہ نوٹ سب شہروں
میں نہیں چلتا کہ یہ تو کسی کے نزدیک مالیت کو لازم

بل هذا هو حال اكثر العملة المضروبة الا ترى ان الخمسات والعشرات والهللات الرائجة ههنا لاتروج فی الهند اصلا وكذلك لاتمشی فلوس الهند هنا بخلاف النوط فان نوط الهند نافق ههنا بالمشاهدة وبعض النقصان لايمنع المشی ولايوجب الكساد بل قد اصطرفت انا فی ذی الحجة هذا بهذا البلد الامين نوطا افرنجيا معلما برقم خمسمائة ربية بثلثة وثلثين جنيها وخمس ربابی وهذا ثمنه سواء بسواء فالجنيهات باربعمائة وخمس وتسعين وهی مع الخمس خمسمائة ربية وقد قال فی الكفاية اوائل باب البيع الفاسد ان صفة المالية للشیء بتمول كل الناس او بتمول البعض اياه[1] اھ ومثله فی فتح القدير، وفی رد المحتار عن البحر الرائق عن الكشف الكبير المال مايميل اليه الطبع ويمكن ادخاره لوقت الحاجة والمالية تثبت بتمول الناس كافة او بعضهم[2] اھ فتبين ان الفرع المذكور المتمسك به لامساس له بما نحن فيه ولكن العبد الضعيف

نہیں بلکہ سکّہ کی اکثر چیزوں کا یہی حال ہے کیا نہیں دیکھتے کہ خمسے اور عشرے اور ہللے جو یہاں (عرب شریف میں) رائج ہیں ہند میں اصلاً نہیں چلتے اور ایسے ہی ہندوستان کے پیسے یہاں نہیں چلتے بخلاف نوٹ کے کہ ہندوستان کا نوٹ یہاں آنکھوں دیکھا رائج ہے اور کچھ کم کو بکنا چلنے کے منافی نہیں، نہ اس سے بے رواجی لازم ہے بلکہ میں نے اسی ذی الحجہ میں اسی امان والے شہر (مکہ معظمہ) میں ایک انگریزی نوٹ جس پر پانسو کی رقم لکھی تھی تینتیس اشرفی اور پانچ روپے کو بھنایا اور یہ اس کا پورا ثمن ہُوا کہ وہ اشرفیاں چارسو پچانوے روپے کی ہوئیں اور وہ ان پانچ روپوں سے مل کر پورے پانسو ہوگئے اور بیشک کفایہ کی اوائل باب بیع فاسد میں فرمایا کہ شیئ کا مال ہونا یُوں ہوتا ہے کہ سب لوگ اُسے مال بنائیں یا بعض انتہی، اور ایسا ہی فتح القدیر میں ہے اور ردالمحتار میں بحوالہ بحرالرائق کشف کبیر سے نقل کیا کہ مال وہ ہے جس کی طرف طبیعت میل کرے اور وقت حاجت کے لئے اس کا اٹھا رکھنا ممکن ہو اور مالیت یوں ثابت ہوتی ہے کہ سب لوگ یا بعض اسے مال بنائیں انتہی، تو ظاہر ہوگیا کہ وہ پیسہ کا مسئلہ جس سے ان عالم نے تمسک کیا ہمارے مسئلہ نوٹ سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا مگر بندۂ ضعیف

---

[1] الکفایۃ مع فتح القدیر باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۴۳

[2] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳

یحب ان یکشف الحجاب عن حالہ ایضا کیلا یغتربہ فی محل اٰخر مع مافیہ من تحجیر ما وسعہ الشرع المطھر **فاقول** وبہ استعین اصل الفرع للقنیۃ فرد المحتار نقلہ عن البحر والبحر نقلہ عنھا وتبعہ تلمیذہ العلامۃ الغزی وبالغ حتی ادخلہ فی متنہ فی متفرقات البیوع قبل الصرف مع خلو اصلہ اعنی الغرر والدرر عنہ وقد ردہ شارحہ العلامۃ العلائی الی القنیۃ بل اعترف بہ المصنف نفسہ فی شرحہ منح الغفار فقال بعد ایرادہ متنا نقلہ فی القنیۃ ایضا اھ[1] ای کما نقل المسألۃ قبلہ فیھا وھی صح بیع خرء حمام کثیر وھبتہ، والقنیۃ مشھورۃ بضعف الروایۃ وصرحوا انھا اذا خالفت المشاھیر لم تقبل بل قد نصوا انھا اذا خالفت القواعد لم تقبل مالم یعضدھا نقل معتمد من غیرھا والعبرۃ بالمنقول عنہ لا بالناقل وبکثرۃ

دوست رکھتا ہے کہ اس مسئلہ کا حال بھی کھول دے تاکہ کہیں دوسری جگہ کوئی اس سے دھوکا نہ کھائے باوصف اس وقت کے جو اس میں ہے کہ اس نے ایسی چیز کو تنگ کردیا جسے شرع مطہر نے وسیع فرمایا تھا **اقول** وبہ استعین (میں کہتا ہوں اور اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوں) اصل اس مسئلہ کی قنیہ سے ہے ردالمحتار نے اسے بحر سے نقل کیا اور بحر نے قنیہ سے اور ان کے شاگرد علامہ غزی نے ان کی متابعت کی اور یہاں تک مبالغہ کیا کہ اس مسئلہ کو اپنے متن تنویر الابصار کی متفرقات البیوع میں کتاب الصرف سے کچھ پہلے داخل فرمایا حالانکہ تنویر کی اصل یعنی دررو غرر اس سے خالی ہے اور اس کے شارح علامہ علائی نے اسے قنیہ ہی کی طرف پھیر دیا بلکہ خود مصنف نے اس کی شرح منح الغفار میں اس کا اعتراف فرمایا متن کی اس عبارت کے بعد فرمایا کہ اسے بھی قنیہ میں نقل کیا ہے انتہی یعنی جیسے اس سے پہلا مسئلہ بھی قنیہ میں منقول ہے اور وہ یہ ہے کہ کبوتر کی بیٹ جو کثیر ہو اس کی بیع و ہبہ صحیح ہے اور قنیہ مشہور ہے کہ اس کی روایتیں ضعیف ہوا کرتی ہیں اور علمائے نے تصریح فرمائی کہ قنیہ جب مشہور کتابوں کی مخالفت کرے مقبول نہ ہوگی بلکہ نص فرمائی ہے کہ قنیہ اگر قواعد کی مخالفت کرے تو مقبول نہ ہوگی جب تک اس کی تائید میں کوئی اور نقل معتمد نہ پائی جائے اور اعتبار منقول عنہ کا ہوتا ہے نہ ناقل کا اور نقلوں

---

[1] منح الغفار شرح الدر المختار

النقول لاتدفع الغرابة اذا لم یکن مستندھم الا واحدا کما بینت کل ذلك فی کتابی فی اداب المفتی سمیته فصل القضاء فی رسم الافتاء وحکم فی الظھیریة استحباب القیام بعد سجود التلاوة مثل ما قبله ونقله مافی التتارخانیة والغنیة والمضمرات وعنھا فی البحر ومشی علیه فی الدر وغیرہ ومع ذلك حکم فی البحر انه غریب قال الشامی وجه غرابته انه انفرد بذکرہ صاحب الظھیریة ولذا اعزہ من بعدہ الیھا فقط[1] اھ وانت تعلم ان فرع القنیة لم یرزق من النقول ھذا القدر ایضا ولا القنیة کالظھیریة فانی تغرب عنه الغرابة ویالیته لم یکن الا غریبا فیکون کالشاذ لکنه کالمنکر لان کلتا المخالفتین نقدوقته مخالفة المشاھیر ومخالفة قواعد الشرع المنیر، اما الاولی فلقد کان ناھیك فیھا قول الفتح والشرنبلالی والطحطاوی ورد المحتار وغیرھا من معتمدات الاسفار لوباع کاغذة بالف یجوز[2] وجزاھم ﷲ الحسنی وزیادة

کی کثرت سے مسئلہ کی غرابت دفع نہیں ہوتی جبکہ ایک ہی منقول عنہ ان سب کا منتہٰی ہو جیسے کہ میں نے ان تمام باتوں کا بیان اپنی اس کتاب میں کردیا جو آداب مفتی میں لکھی جس کا نام میں نے فصل القضا فی رسم الافتاء رکھا، اور ظہیریہ میں حکم فرمایا کہ سجدۂ تلاوت کے بعد بھی قیام مستحب ہے جیسا اس سے پہلے اور یہ مسئلہ اس سے تتارخانیہ اور قنیہ اور مضمرات نے نقل کیا اور ان سے بحر میں اور در وغیرہ میں اسی پر چلے باوصف اس کے بحر میں حکم فرمایا کہ وہ غریب ہے۔ علامہ شامی نے فرمایا، اس کی غرابت کی وجہ یہ ہے کہ تنہا ظہیریہ نے اس مسئلہ کو ذکر کیا اور اسی واسطے بعد والوں نے فقط اسی کی طرف اُسے نسبت کیا انتہی، اور تو جانتا ہے کہ قنیہ کے اس مسئلہ کو اتنی نقول بھی نصیب نہ ہوئیں اور نہ قنیہ مثل ظہیریہ کے ہے تو غرابت اس سے کہاں جائیگی اور کاش وہ صرف غریب ہی ہوتا تو حدیث شاذ کے مثل ہوتا مگر یہ تو مثل حدیث منکر کے ہے اس لئے کہ دونوں مخالفین اس کی نقدوقت ہیں کتب مشہورہ کی بھی مخالفت اور قواعد شرع روشن کی بھی مخالفت پہلی مخالفت کے ثبوت کو یہی بس تھا کہ فتح القدیر اور شرنبلالی اور طحطاوی اور رد المحتار وغیرہ معتمد کتابوں میں فرمایا اگر ایک کاغذ ہزار روپے کو بیچا تو جائز ہے تو اللہ تعالٰی انھیں بھلائی اور اس سے زیادہ

[1] رد المحتار باب سجود التلاوۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۵۱۵
[2] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/۳۲۴

علیٰ زیادة تاء الوحدة فی کاغذة
لکن ههنا شیئ اٰخر اجل و اکبر
لا یود و لا یرام و لا یمس غبارہ
الاوهام وهو اجماع ائمتنا
جمیعا فی الروایات الظاهرة
عنهم و اطباق متون المذهب
وشروحه و فتاواه علی جواز
بیع تمرة بتمرتین و جوزة
بجوزتین وزاد فی الفتح و
الدر ابرة بابرتین وکل احد یعلم
ان لیس شیئ منها یساوی
فلسا ففی بلادنا تکون عدة صالحة
من التمر بفلس و هو ههنا
ارخص وکذلک الجوز وهو ارخص
فی بلادنا و ثمه تجد الابر بفلس
من ثمان الی خمس وعشرین
فهذه مخالفة بینة لجمیع المشاهیر
بل لنصوص جمیع ائمة المذهب
والمحقق حیث اطلق وان رجح
روایة المعلی عن محمد بکراهة
تمرة بتمرتین لکنه لاجل
التفاضل لا لان تمرة لا یساوی
فلسا فلو باع تمرة من

جزا دے کر انھوں نے کاغذ میں تائے وحدت
بڑھادی (یعنی ایک کاغذ) لیکن یہاں تو ایک
اور چیز ہے نہایت جلیل وعظیم کہ نہ رَد ہوسکے نہ اس
پر کوئی آنکھ اٹھا سکے نہ اوہام اس کی گرد پائیں،
اور وہ یہ ہے کہ ہمارے تمام ائمہ نے ان روایات
میں جو ان سے متواتر و مشہور ہیں اجماع فرمایا ہے
اور متون و شروح و فتاویٰ مذہب کا اتفاق ہے
کہ ایک چھوہارا دو چھوہاروں کو اور ایک اخروٹ
دو اخروٹوں کو بیچنا جائز ہے اور فتح القدیر[1]
درمختار میں یہ بھی زائد کیا کہ دو سوئیوں کے بدلے
ایک سوئی، اور ہر شخص جانتا ہے کہ ان میں سے
کوئی چیز ایک پیسہ کی نہیں ہوتی ہمارے شہروں
میں معقول گنتی کے چھوہارے ایک پیسہ کے ہوتے
ہیں اور یہاں اور بھی سستے ہیں اور ایسے ہی اخروٹ
اور ہمارے شہروں میں زیادہ ارزاں ہیں اور ہندوستان
میں ایک پیسہ کی آٹھ سے لے کر پچیس سوئیاں ملتی ہیں
تو اس مسئلہ فقیہ کی یہ صریح مخالفت ہے تمام کتب
مشہورہ بلکہ نصوص جمیع ائمہ مذہب سے اور محقق
علی الاطلاق (امام ابن ہمام) نے اگرچہ امام محمد
سے امام معلی کی اس روایت کو ترجیح دی کہ دو
چھوہاروں کے بدلے ایک چھوہارا بیچنا مکروہ ہے
مگر وہ کراہیت ایک جانب زیادتی کے سبب سے
ہے نہ اس لئے کہ چھوہارا ایک پیسہ کی قیمت کا

[1] درمختار باب الربوٰ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۴۱

البرنی بتمرة من الجنيب مثلاً لم تمسه رواية المعلی ولا ترجيح المحقق ثم الرواية ايضا لا تقول الا بالكراهة فاين البطلان و عدم الانعقاد الذی كنتم تدعون واما الثانية فاقول اكثر تعيش الفقراء فی مملكة الهند علی كبرها واتساعها (فان عمارتها عرضا من ثمان درج شمالية عن خط الاستواء الی خمس وثلثين درجة وطولا من ست وستين درجة شرقية عن قرنیچ الی اثنتين و تسعين درجة) انما هو بالمبايعات باجزاء فلس نصف وربع وثمن وغيرها فرب فقير يشتری لادامه شيئا من البقول بنصف فلس ويصب فيه دهن الشيرج بنصف فلس والتوابل الثلث جميعا بربع فلس والثوم والبصل معا بربع فلس وكذا الملح بربع فلس فيتهيؤ له الادام فی فلسين الا ربعا ويأكله غداء وعشاء ويشتری لسراجه الدهن بنصف فلس يكفيه من المساء الی قريب نصف الليل وقربة كبيرة من الماء العذب بنصف فلس وقد كانت قبيل هذا بثلث فلس وتجد علبة الكبريت بنصف فلس و يشتری لعياله من الذ فواكه

نہیں ہوتا تو اگر مثلاً ایک چھوہارا قسم برنی کا قسم جنیب کے ایک چھوہارے سے بیچے تو اس سے نہ روایت معلی کو کچھ تعلق ہوگا نہ ترجیح محقق کو، پھر وہ روایت بھی تو اتنا ہی کہتی ہے کہ مکروہ ہے بیع باطل اور اصلاً منعقد نہ ہونا جس کا تمہیں دعویٰ تھا وہ کہاں گیا، رہی دوسری مخالفت **اقول** (میں کہتا ہوں) ملک ہند کہ اس قدر کبیر و وسیع ہے (جس کا عرض خطِ استواء سے شمال کی جانب آٹھ درجے سے پینتیس درجے تک ہے اور طول گرینچ سے (کہ لندن کی رصدگاہ ہے) شرق کی جانب چھیاسٹھ درجے سے بانوے درجے تک ہے) اس میں اکثر فقراء کی معیشت اسی خرید و فروخت سے ہے جو پیسے کے حصے دھیلے چھدام دمڑی وغیرہ سے ہوتی ہے تو بہتیرے فقیر اپنے سالن کے لئے کوئی ساگ دھیلے کا خرید لیتے ہیں اور اس میں دھیلے کا تلوں کا تیل ڈالتے ہیں اور تینوں مسالے چھدام کے اور لہسن پیاز چھدام کے اور یونہی چھدام کا نمک، تو پونے دو پیسے میں اس کی ہانڈی تیار ہو جاتی ہے اور اسے صبح و شام دو وقت کرکے کھالیتا ہے اور اپنے چراغ کے لئے دھیلے کا تیل خریدتا ہے جو شام سے آدھی رات تک اس کے لئے کافی ہوتا ہے اور میٹھے پانی کی بڑی مشک دھیلے کو، اور تھوڑا ہی زمانہ گزرا کہ پیسے کی تین مشکیں تھیں، اور دیا سلائی کی ڈبیا تمہیں دھیلے کو مل جائے گی اور اپنے بال بچوں کے لئے ہندوستانی میووں میں سب سے

7/7

الهند المشهورة عند العرب باسم العنب بفتح العين وسكون النون وبالفارسية آنبة وبالهندية أم جملة كثيرة بنصف فلس وكذا من الجاموت ومن التمر الهندي بربع فلس، وان كان متعودا بالتامول والتتن فيكفيه ليوم بليلة الورق بنصف فلس والفوفل والكاث والتنباك الماكول كل بربع س بع فتنقضي حاجة يومه في فلس وربع وان كان يشرب الدخان فيكفيه التتن بنصف فلس وامثال ذلك اشياء كثيرة تباع باجزاء الفلس حتى الثمن ونصف الثمن ولولا ذلك لضاق الامور وثقل على اخفاء ذات اليد بحيث لا يطيقون ولو ابطلنا تلك البياعات الشائعة في الألف مؤلفة من المسلمين والزمناهم ان لا يشتروا شيئا باقل من فلس قط مع ان حاجاتهم تندفع بالربع وبالثمن لكان هذا من وضع الاصر عليهم وما جاءت هذه الشريعة السمحة السهلة الغراء الا برفعه، وربما لا يجدون هذا القدر من الفلوس فان الادام الذي كان تهيأ في فلس واحد وثلثة ارباع فلس الا ان لا يتأتى الا في ثمانية فلوس والتامول التام في فلس وربع لا يتم الا في اربعة فلوس وقس عليه فاذا لم يجد لادامه الا فلسين والزمتموه ثمانية

مزہ دار میوہ (جسے اہل عرب عنب بفتح عین و سکون نون، کہتے ہیں اور فارسی میں انبہ اور ہندی میں آم) بہت سے ایک دھیلے کو اور ایسے ہی جامن اور املیاں چھدام کو، اور اگر پان تمباکو کا عادی ہے تو اسے ایک رات دن کیلئے کفایت کرینگے دھیلے کے پان اور کتھا اور چھالیا اور کھانے کا تمباکو چھدام چھدام کے تو اس کی ایک دن کی حاجت سوا پیسے میں نکل جائیگی اور اگر حقہ پیتا ہو تو دھیلے کی تمباکو کافی ہے اور اسی طرح بہت چیزیں پیسہ کے حصوں سے بکتی ہیں یہاں تک کہ دمڑی اور آدھی اور ایسا نہ ہو تو معاملہ تنگ ہو جائے اور کم استطاعت والوں پر ایسا گراں گزرے کہ اٹھا نہ سکیں اور یہ بیعیں کہ ہزاراں ہزار مسلمانوں میں شائع ہیں اگر ہم باطل کر دیں اور ان پر لازم کریں کہ کبھی کوئی چیز پیسہ سے کم کی نہ خریدیں حالانکہ ان کی حاجتیں چھدام اور دمڑی میں پوری ہو جاتی ہیں تو یہ ان پر بھاری بوجھ ڈالنا ہوگا اور یہ روشن اور نرم آسان شریعت تو نہ آئی مگر بوجھ کے دفع کرنے کو بلکہ اکثر اوقات اتنے پیسے انھیں ملیں گے بھی نہیں اس لئے کہ وہ سالن جو پونے دو پیسے میں تیار ہوتا تھا اب دو آنے سے کم میں نہیں تیار ہوگا اور پان کہ سوا پیسے میں جس کا کام پورا ہوتا تھا اب ایک آنہ میں ہوگا اور اسی پر قیاس کرو تو وہ جب اپنی ہانڈی کے لئے دو پیسے سے زائد نہ پائے اور تم اس پر دو آنے لازم کرو تو بتاؤ کیا کرے آیا روکھا

فماذا اتامرون ایکتفی بسف الدقیق او قضم
خبز الشعیر وحدہ بدون ادام یصلحہ و
یسیغہ ویعین علی ھضمہ والمعتادون
بالادام وھم الناس کلھم او جلھم
لو اکتفوا بھذا لم یلائمھم
واورث اسقاما فیھم فان ترک
العادۃ عداوۃ مستفادۃ ام یتکفف
والتکفف ذل وحرام ام یغصب
وفی الغصب اشد الغضب والانتقام
ام یؤمر البیاعون والبقالون
والسقاؤن ان یعطوہ جمیع حاجاتہ مجانا
لانھا لا تساوی فلسا وما لا یساوی
فلسا فلیس بمال ولا قیمۃ
لہ فھم کیف یرضون بھذا
وان رضوا فلا ترجیح لفقیر
علٰی فقیر فلیعطوا کلا حوائجہ
فتذھب متاجرھم بلا شیئ
فاذن لا سبیل الا فتح باب
البیع وقد فتحہ القرآن
بقولہ تعالٰی مطلقا واحل اللہ
البیع[1]، وقولہ تعالٰی الا
ان تکون تجارۃ عن تراض منکم[2]، و

آٹا پھانکے یا جَو کی خشک روٹی چبائے جس کے ساتھ
کوئی سالن ایسا نہ ہو کہ اس کی اصلاح کرے اور
اسے نگلنے کے قابل بنائے اور اس کے ہضم پر
اعانت کرے اور جنھیں سالن کی عادت پڑی ہوئی
ہے اور تمام آدمی یا اکثر ایسے ہی ہیں اگر اس پر قناعت
کریں تو انھیں راس نہ آئے اور ان میں بیماریاں پیدا
کردے کہ عادت کا چھوڑنا خود اپنے ساتھ عداوت کرنا
ہے یا یہ کہتے ہو کہ بھیک مانگے اور بھیک مانگنا ذلت
حرام ہے یا دوسروں کا مال چھین لے اور چھیننے میں
سخت غضب اور سزا ہے یا بیچنے والوں اور ترکاری
فروشوں اور بہشتیوں کو حکم دیا جائے گا کہ ان کی تمام
حاجت کی چیزیں انھیں مفت دے دیں اس لئے
کہ وہ ایک پیسہ کی قیمت کی نہیں اور جو ایک پیسہ کی
نہیں وہ مال نہیں اور نہ اس کی کوئی قیمت، تو بیچنے والے
اس پر کیونکر راضی ہونگے، اور اگر راضی ہو جائیں تو ایک
فقیر کو دوسرے فقیر پر ترجیح نہیں تو چاہئے کہ ہر ایک
کو اس کی ضروریات مفت دیں تو ان کی تجارتیں یونہی
جاتی رہیں تو ثابت ہوا کہ کوئی راستہ نہیں ہے سوا اس
کے کہ بیع کا دروازہ کھولا جائے اور بیشک قرآن عظیم
نے اسے اس مطلق ارشاد سے کھولا ہے کہ "حلال
کی اللہ تعالٰی نے بیع"، اور اس ارشاد سے "مگر یہ کہ
کوئی سودا ہو تمہاری آپس کی رضامندی کا"، اور

---

[1] القرآن الکریم ۲/۲۷۵

[2] " ۴/۲۹

وماكان شرع البيع الا لدفع تلك الشنائع ففي تحجيره وقد وسعه الله اعادة لها وعود على مقصود الشرع بالنقض قال المحقق في الفتح لو لم يشرع البيع سببا للتمليك في البدلين لاحتاج ان يؤخذ على التغالب والمقاهرة او السؤال والشحاذة او يصبر حتى يموت وفي كل منها ما لا يخفى من الفساد وفي الثاني من الذل والصغار ما لا يقدر عليه كل احد ويزري بصاحبه فكان في شرعيته بقاء المكلفين المحتاجين ودفع حاجاتهم على النظام الحسن[1] اھ ومعلوم ان الشرع لم يحد في هذا حدا انما احل البيع وهو مبادلة مال بمال الخ والمال كما مر ما يميل اليه الطبع ويمكن ادخاره لوقت الحاجة وهذا صادق قطعا على ما قصصنا مما يساوي نصف فلس وربعه فايجاب ان لا يكون الا بفلس لا يكون الا تحكما وزيادة في الشرع فكيف يقبل ثم لعل لقائل ان يقول لم يات الشرع بتقدير الفلس وهو مختلف باختلاف الزمان والمكان

بیع کا مشروع کرنا انھیں قباحتوں کے دفع کرنے کو تھا تو اس کے تنگ کرنے میں حالانکہ اللہ تعالٰی اسے واسع فرما چکا ہے انھیں قباحتوں کا پلٹ آنا ہے اور مقصود شرع پر اس کے توڑنے کے ساتھ عود کرنا ہے، محقق نے فتح القدیر میں فرمایا اگر بیع ثمن و مبیع دونوں کی تملیک کا سبب بناکر جائز نہ کی جاتی تو حاجت پڑتی کہ یا تو زبردستی یا دھینگا دھینگی لیتے یا بھیک مانگتے یا آدمی صبر کرتا یہاں تک کہ مرجائے اور ان سب باتوں میں کھلا ہُوا فساد ہے بھیک میں وہ ذلت وخواری ہے جس پر ہر شخص قادر نہیں اور آدمی کو حقیر کرتی ہے تو بیع کی مشروع کرنے میں محتاج مکلفوں کی بقا ہے اور عمدہ انتظام کے ساتھ اُن کی حاجتوں کو پُورا کرنا ہے انتہی، اور معلوم ہے کہ شرع مطہر نے اس بارہ میں کوئی حد مقرر نہ فرمائی بس بیع حلال کی ہے اور وہ ایک مال کا دوسرے مال سے بدلنا ہے الخ اور مال جیسا کہ گزرچکا وہ چیز ہے جس کی طرف طبیعت میل کرے اور وقت حاجت کے لئے اس کا اٹھا رکھنا ممکن ہو اور یہ تعریف یقینًا ان چیزوں پر صادق ہے جو ہم نے اوپر بیان کیں جو دھیلے اور چھدام کو آتی ہیں تو یہ واجب کرنا کہ پیسہ سے کم کو بیع نہ ہوگا مگر زبردستی حکم اور شرع پر زیادت تو کیونکر مقبول ہو پھر شاید کہنے والا کہہ سکے کہ شریعت نے پیسہ کی مقدار مقرر فرمائی نہیں اور وہ وقت اور جگہ کے بدلنے سے

---

[1] فتح القدیر کتاب البیوع مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/۴۵۵

ولاسبیل الی اعتبار کل فی محلۃ لما تقدم ان المالیۃ تثبت بتمول البعض فوجب الفحص کل حین عن اصغر فلس یروج فی الدنیا وفیہ حرج والحرج مدفوع بالنص فافہم وقال فی الکفایۃ اول البیع الفاسد قد تثبت صفۃ التقوم بدون المالیۃ فان حبۃ من الحنطۃ لیست بمال حتی لایصح بیعہا وان ابیح الانتفاع بہا شرعا لعدم تمول الناس ایاہ[1] اھ مثلہ فی الکشف الکبیر والبحر الرائق ورد المحتار وقال فی الفتح مکان حبۃ حبات ولم نر احدا منہم ذکر ان مادون مایساوی فلسا لیس بمال و کان مبنی الفرع علی انہ لم یکن فی زمنہ ثمن دون الفلس او لم یجدہ فی تقدیرات الشرع فحکم بان مادونہ لیس بشیئ کما حکم فی الاسرار بان مادون الحبۃ من الذھب والفضۃ لاقیمۃ لہ[2] کما نقل عنہا فی الفتح لانہم لم یعرفوا

بدلتا ہے اور اس طرف راہ نہیں کہ ہر جگہ وہیں کا پیسہ معتبر ہو کہ اوپر گزر چکا کہ مالیت بعض کے مال بنانے سے بھی ثابت ہوجاتی ہے تو واجب ہوا کہ ہر وقت اس کی تلاش کریں کہ تمام دنیا میں سب سے چھوٹا پیسہ کون سا ہے اور اس میں حرج ہے اور حرج کو نص نے دفع فرمایا ہے فافہم اور بیشک کفایہ کے شروع باب باب بیع فاسد میں فرمایا کہ کبھی شے میں باقیمت ہونے کی صفت بغیر مالیت بھی ثابت ہوجاتی ہے کہ گیہوں کا ایک دانہ مال نہیں ہے یہاں تک کہ اس کی بیع صحیح نہیں اگرچہ اس سے نفع حاصل کرنا شرعاً جائز ہے اس لئے کہ لوگ اسے مال نہیں سمجھتے انتہی، اور ایسا ہی کشف کبیر و بحر الرائق و ردالمحتار میں ہے اور فتح القدیر میں ایک دانہ کی جگہ چند دانے فرمایا اور ہم نے ان میں سے کسی کو یہ فرماتے نہ دیکھا کہ ایک پیسے سے کم کی چیز مال نہیں اور شاید اس مسئلہ قنیہ کی بناء اس پر ہو کہ ان کے زمانے میں پیسے سے کم کوئی ثمن نہ تھا یا یہ کہ شرع مطہر نے جو اندازے مقرر فرمائے ان میں پیسے سے کم نہ پایا تو یہ حکم لگا دیا کہ ایک پیسے سے کم کی جو چیز ہو وہ کچھ نہیں جیسے اسرار میں حکم فرمایا کہ جو چاندی یا سونا رتی بھر سے کم ہو اس کی کچھ قیمت نہیں جیسا کہ ان سے فتح القدیر میں نقل فرمایا اس لئے کہ ان علماء نے چاندی سونے

---

[1] الکفایۃ مع فتح القدیر باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۴۲
[2] رد المحتار بحوالۃ الفتح القدیر باب الربٰو داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۰

لهما مقدارا دون الحبة وقد عرفت فى دیارنا الى ثمن حبة وقيمة ذهب يساوى ثمن حبة فى بلادنا الان فلسان اى نحو هللة واحدة ههنا وهو لا شك مال متقوم فكيف بما فوقه مما يساوى ربع حبة ونصفها وازيد منه الى حبة وكما حكم كثيرون بان مادون نصف صاع خارج عن المعيار فيجوز فيه التفاضل مع اتحاد الجنس وعليه تتفرع مسألة حفنة بحفنتين وقدرده المحقق فى الفتح قائلا لايسكن الخاطر الى هذا بل يجب بعد التعليل بالقصد الى صيانة اموال الناس تحريم التفاحة بالتفاحتين والحفنة بالحفنتين اما ان كانت مكاييل اصغر منها كما فى ديارنا من وضع ربع القدح وثمن القدح المصرى فلا شك وكون الشرع لم يقدر بعض المقدرات الشرعية فى الواجبات المالية كالكفارات وصدقة الفطر باقل منه لايستلزم اهدار التفاوت المتيقن[1] الخ واقره فى البحر والنهر

کے لئے رتی سے کم کوئی اندازہ نہ پہچانا اور ہمارے شہر میں اس کا اندازہ رتی کے آٹھویں حصہ (ایک چاول) تک معروف ہے اور آج کل ہمارے یہاں چاول بھر سونے کی قیمت دو پیسے ہے یعنی یہاں کے ایک ہللہ کے قریب، وہ بلا شبہہ قیمت والا مال ہے نہ کہ وہ جو اس سے بھی زیادہ ہے جو پاؤ رتی یا نصف رتی یا اس سے زائد کا ہو ایک رتی تک اور جیسے بہت علماء نے حکم فرمایا کہ نصف صاع سے جو کم ہو وہ اندازہ سے باہر ہے تو اس میں ایک چیز اپنی جنس کے بدلے کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز ہے اور وہ مسئلہ کہ ایک لپ گیہوں دو لپ کے بدلے بیچنا جائز ہے اسی پر متفرع ہے اور محقق نے فتح القدیر اس کا رد کیا یہ فرماتے ہوئے کہ اس حکم پر دل کو اطمینان نہیں ہوتا بلکہ جب حرمت کی وجہ لوگوں کا مال محفوظ رکھنا ہے، تو اس پر نظر کرکے واجب ہے کہ دو سیب کے بدلے ایک سیب اور دو لپ کے بدلے ایک لپ کا بیچنا حرام ہو اگر نصف سے چھوٹے پیمانے پائے جاتے ہوں جیسے ہمارے دیار مصر میں چہارم پیالہ اور پیالہ کا آٹھواں حصہ مقرر ہے جب تو کوئی شک نہیں اور یہ بات کہ شرع نے واجبات مالیہ مثل کفارہ وصدقہ فطر میں جو اندازے مقرر فرمائے ہیں ان میں نصف صاع سے کم کوئی اندازہ نہ رکھا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ تفاوت جو یقیناً معلوم ہے بے اثر کردیا جائے الخ اور محقق کے اس کلام کو بحر اور نہر

---

[1] فتح القدير باب الربو مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/۵۳-۱۵۲

والشرنبلالیة والدر والحواشی وغیرھا وھوحسن وجیه کذٰلك نقول ھٰھنا یجب بعد تعریف المال بما مر ان یکون کل ما ذکرنا مما لا یساوی فلسا مالا متقوما اما ان کانت اثمان اصغرمن فلس کما فی دیارنا من وضع ربع الفلس و ثمن الفلس فلا شك، وکون الشرع لم یذکر ما دون فلس لا یستلزم اھدار المالیة المتیقنة ۔ فھذا ما عندی والعلم بالحق عند ربی، واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم ۔

واما السابع

فاقول قد اذناك انه ثمن اصطلاحی فاستبداله بالثوب لایکون مقایضة بل بیعا مطلقا ولایتعین النوط بل یلزم فی الذمة کالفلوس ۔

واما الثامن

فاقول نعم یجوز اقراضه لما تقدم انه مثلی ولا یقضی الا بالمثل لانه شان القرض بل کل دین لا یقضی الا بمثله الا ان یتراضیا۔

اور شرنبلالیہ اور در مختار اور حواشی وغیرہا میں مقرر رکھا اور وُہ اچھا اور موجہ کلام ہے ایسا ہی ہم یہاں کہتے ہیں کہ جب مال کی تعریف وہ ٹھہری جو اوپر گزری تو واجب ہے کہ جتنی چیزیں اوپر ذکر کیں جو ایک پیسہ کی نہ تھیں سب قیمت والے مال ہونگے تو اگر پیسہ سے چھوٹے ثمن پائے جاتے ہوں جیسے ہمارے شہروں میں چھدام اور دمڑی مقرر ہیں جب تو شک نہیں اور یہ کہ شرع مطہر نے پیسہ سے کم کا ذکر نہ فرمایا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو مالیت یقیناً معلوم ہے باطل کر دی جائے ۔ یہ وہ ہے جو میرے پاس ہے اور حق کا علم میرے رب کے پاس ہے، واللہ سبحانہ، وتعالیٰ اعلم ۔

جواب سوال ہفتم

فاقول (میں کہتا ہوں) ہم تمھیں بتا چکے ہیں کہ نوٹ ثمن اصطلاحی ہے تو کپڑے سے اس کا بدلنا مقایضہ نہ ہوگا بلکہ بیع مطلق ہوگا اور خاص کوئی معین نوٹ دینا نہ آئے گا بلکہ پیسوں کی طرح ذمہ پر لازم ہوگا ۔

جواب سوال ہشتم

فاقول (پس میں کہتا ہوں) ہاں نوٹ قرض دینا جائز ہے اس لئے کہ اوپر گزر چکا کہ وُہ مثلی ہے اور مثل ہی کے دینے سے ادا کیا جائے گا کہ قرض کی یہی شان ہے بلکہ کوئی دین ادا نہیں کیا جاتا مگر اپنے مثل سے مگر یہ کہ طرفین (کسی دوسری چیز کے لینے دینے پر) راضی ہوجائیں ۔

واما التاسع

فاقول نعم یجوز اذا قبض النوط فی المجلس کیلا یفترقا عن دین بدین وتحقیق ذلك ان بیع النوط بالدراھم کالفلوس بھا لیس بصرف حتی یجب التقابض فان الصرف بیع ما خلق للثمنیة بما خلق لھا کما فسرہ به البحر والدر وغیرھما ومعلوم ان النوط والفلوس لیست کذلك وانما عرض لھا الثمنیة بالاصطلاح مادامت تروج والا فعروض و بعد مکونه صرفا صرح فی ردالمحتار عن البحر عن الذخیرة عن المشائخ فی باب الربا نعم لکونھا اثمانا بالرواج لابد من قبض احد الجانبین والاحرم لنھیه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم عن بیع الکالئ بالکالئ والمسئلة منصوص علیھا فی مبسوط الامام محمد واعتمدہ فی المحیط(عـه) والحاوی والبزازیة والبحر والنھر

جواب سوال نہم

فاقول (تو میں کہتا ہوں) ہاں جائز ہے جبکہ اسی جلسہ میں نوٹ پر قبضہ کرلیا جائے تاکہ طرفین دین کے بدلے دین بیچ کر جدا نہ ہوں اور تحقیق اس مسئلہ کی یہ ہے کہ روپوں کے بدلے نوٹ بیچنا بیع صرف نہیں جیسے روپے کے بدلے پیسے تاکہ دونوں طرف کا قبضہ شرط ہو اس لئے کہ صرف یہ ہے کہ جو چیز ثمن ہونے کے لئے پیدا کی گئی ہے اسے ایسی ہی چیز کے ساتھ بیچیں جیسا کہ اس کی یہ تعریف بحر و در وغیرہ میں فرمائی اور معلوم کہ نوٹ اور پیسے ایسے نہیں ان میں تو ثمن ہونا اصطلاح کے سبب عارض ہوگیا جب تک چلتے رہیں ورنہ وہ متاع ہیں اور اس کے بیع صرف نہ ہونے کی ردالمحتار باب ربا میں بحر، اس میں ذخیرہ، اس میں مشائخ سے تصریح فرمائی، ہاں اس لئے کہ وہ چلن کے سبب ثمن ہے دونوں طرف میں سے ایک کا قبضہ ضرور ہے ورنہ حرام ہوجائے گا اس لئے کہ نبی صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دین سے دین کو بیچنے سے منع فرمایا ہے۔ مبسوط امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی میں اس مسئلہ کی تصریح ہے اور اسی پر اعتماد کیا محیط اور حاوی اور بزازیہ اور بحر اور نہر

عـه: ای محیط الامام السرخسی انتہی منه

۱؎ درمختار باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۵

وفتاوی الحانوتی والتنویر والهندیة وغیرھا وھو مفاد کلام الاسبیجابی کما نقله الشامی عن الزین عنه ففی الھندیة عن المبسوط اذا اشتری الرجل فلوسا بدراھم و نقد الثمن ولم تکن الفلوس عند البائع فالبیع جائز اھ[1] وفیھا عن الحاوی وغیرہ لو اشتری مائة فلس بدرھم فقبض الدرھم ولم یقبض الفلوس حتی کسدت لم یبطل البیع قیاسا ولو قبض خمسین فلسا فکسدت بطل فی النصف و لو لم تکسد لم یفسد وللمشتری ما بقی من الفلوس اھ[2] و فیھا عن محیط السرخسی نحوہ و فیھا عن الذخیرة لو اشتری فلوسا او طعاما بدراھم حتی لم یکن العقد صرفا وتفرقا بعد قبض احد البدلین حقیقة یجوز اما اذا حصل الافتراق بعد قبض احد البدلین حکما لا غیر لا یجوز سواء کان العقد صرفا ولم یکن بیانه فیما اذا کان له علیه فلوس او طعام فاشتری من علیه الفلوس او الطعام الفلوس او الطعام بدراھم وتفرقا

اور فتاوٰی حانوتی اور تنویر اور دُرر اور ہندیہ وغیرہا میں، اور وہی مفاد ہے کلام امام اسبیجابی کا جیسا کہ شامی نے بحوالہ البحر اُن سے نقل کیا، ہندیہ میں مبسوط سے ہے کہ کسی نے روپوں کے عوض پیسے خریدے روپے تو اس نے دے دئے اور پیسے بائع کے پاس نہ تھے تو بیع جائز ہے انتہی، نیز عالمگیری میں حاوی وغیرہ سے ہے جب ایک روپے کے سو پیسے خریدے روپے پر تو اس نے قبضہ کرلیا اور پیسوں پر اس کا قبضہ نہ ہوا یہاں تک کہ ان کا چلن جاتا رہا تو قیاس یہ ہے کہ بیع باطل نہ ہو اور اگر پچاس پیسوں پر قبضہ کرچکا تھا اس کے بعد چلن جاتا رہا تو نصف میں بیع باطل ہوجائیگی اور اگر چلن رہے تو بیع فاسد نہ ہوگی اور خریدنے والا باقی پیسے لے لے گا انتہی، نیز اسی میں محیط سرخسی سے اسی کے مثل ہے اسی میں ذخیرہ سے ہے اگر روپے کے بدلے پیسے یا غلہ خریدا یہاں تک کہ وہ عقد صرف نہ ہوا اور بائع مشتری ایک ہی طرف کا حقیقۃً قبضہ ہوکر جدا ہوگئے تو جائز ہے ہاں اگر کسی طرف کا قبضہ حقیقۃً نہ ہُوا صرف ایک طرف کا حکماً ہوا تو جائز نہیں خواہ وہ عقد صرف ہو یا نہ ہو، بیان اس کا یہ ہے کہ ایک شخص کا دوسرے دوسرے پر پیسہ یا غلّہ آتا تھا تو اس نے جس پر پیسہ یا غلہ آتا ہے انہی پیسوں یا غلہ کو روپے سے خرید لیا اور روپے دینے

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الصرف الفصل الثالث فی بیع الفلوس نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۲۴
[2] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۳/ ۲۲۵

قبل نقد الدراھم کان العقد باطلا
وھذا فصل یجب حفظه والناس عنه
غافلون[1] اھ وفیہا عنہا اعطی رجلا درھما
وقال اعطنی بنصفه کذا فلسا و بنصفه
درھما صغیرا فھذا جائز فان تفرقا
قبل قبض الدرھم الصغیر والفلوس
فالعقد قائم فی الفلوس منتقض فی
حصة الدرھم وان لم یکن دفع الدرھم
الکبیر حتی افترقا بطل البیع فی الکل[2] اھ
وفیہا عنہا اشتری بفلوس واعطی
الفلوس وافترقا ثم وجد فیہا فلسا
لاینفق فردہ فاستبدله ففی ھذہ الصورۃ
اذا کانت الفلوس ثمن متاع
لایبطل العقد سواء کان المردود
قلیلا او کثیرا استبدل اولم یستبدل وان کانت
الفلوس ثمن الدراھم مقبوضة فرد
الذی لاینفق واستبدل اولم یستبدل
فالعقد باق علی الصحة وکذلك لو وجد
الکل فی ھذہ الصورۃ لاینفق وردھا
واستبدل ویستبدل فالعقد باق
علی الصحة وان لم
تکن الدراھم مقبوضة ان وجد کل

سے پہلے جدا ہوگئے تو بیع باطل ہوگئی، اس مسئلہ کا
یاد رکھنا واجب ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں انتہی،
اور اسی میں ذخیرہ سے ہے کسی کو ایک روپیہ دیا اور
کہا کہ آدھے کے اتنے پیسے دے دے اور آدھے
کی اٹھنی تو یہ جائز ہے پھر اگر اٹھنی اور پیسوں پر قبضہ
سے پہلے وہ دونوں جدا ہوگئے تو پیسوں میں بیع برقرار
ہے اٹھنی کے حصہ میں باطل ہوگئی اور اگر روپیہ بھی
نہیں دیا تھا ویسے ہی دونوں جدا ہوگئے تو اٹھنی اور
پیسے سب میں باطل ہوگئی انتہی و نیز اسی میں اس
سے ہے کوئی چیز پیسوں کو خریدی اور پیسے دے دئے
اور دونوں جدا ہوگئے پھر بائع نے ان میں ایک پیسہ
کھوٹا پایا اسے واپس دیا اور اس کے بدلے اور
پیسہ لیا تو اس صورت میں یہ پیسے اگر کسی متاع کے
ثمن تھے تو عقد باطل نہ ہوا خواہ وہ جو واپس دئے
تھوڑے پیسے تھے یا زیادہ، اور بدلے میں دوسرے
پیسے لئے یا نہیں، اور اگر وہ پیسے روپوں کے ثمن
تھے اب اگر روپوں پر قبضہ ہوچکا تھا اس صورت
میں کھوٹا پھیرا اور اس کے بدلے میں کھرا لیا یا نہ لیا
تو عقد بدستور صحیح ہے اسی طرح اس صورت میں سب
پیسے کھوٹے پائے اور واپس دئے اور ان کے عوض
کھرے لئے یا ابھی نہ لئے جب بھی بیع صحیح رہے گی،
اور اگر روپوں پر قبضہ نہیں ہوا تھا اگر سب پیسے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۰۲

[2] " کتاب الصرف الفصل الثالث " " " ۳/ ۲۲۵

الفلوس لاینفق فردھا بطل العقد فی
قول ابی حنیفة استبدل فی مجلس
الرد اولم یستبدل وقالا ان استبدل
فی مجلس الرد فھو صحیح علی حالہ
وان لم یستبدل انتقض وان کان
البعض لاینفق فردھا فالقیاس ان ینتقض
العقد بقدرہ لکن اباحنیفة رحمہ اللہ
تعالٰی استحسن فی القلیل اذا ردہ واستبدل
فی مجلس الرد ان لاینتقض العقد اصلا و
اختلفت الروایات عن ابی حنیفة رحمہ اللہ
تعالٰی فی تحدید القلیل ففی روایة
اذا زاد علی النصف فکثیر وما
دونہ قلیل وفی روایة النصف کثیر وفی
روایة اذا زاد علی الثلث[1] اھ کلھا ملخصًا،
وانما اکثرنا النقول عن الذخیرة
لانہ سیاتی عنھا نقل خلاف فی
بیع فلس بفلسین فلیکن علی
ذکر منك انہ جزم فی مسألتنا
ھذہ اعنی بیع الفلوس بالدراھم فی
غیر موضع بالجواز ولم یلم ھٰھنا
بذکر خلاف اصلا، وفی
تنویر الابصار والدرالمختار باع
فلوسا بمثلھا او بدراھم او بدنانیر

کھوٹے پائے اور واپس دے تو بیع امام اعظم کے
نزدیک باطل ہوگئی اگرچہ اسی مجلس میں کھرے بدل
لئے ہوں یا نہیں اور صاحبین فرماتے ہیں اگر اسی
مجلس میں کھرے بدل لئے تو بیع بدستور صحیح ہے اور
اگر نہ لئے تو بیع ٹوٹ گئی اور کچھ پیسے کھوٹے پاکر واپس
دئے تو قیاس یہ ہے کہ اتنے میں بیع باطل ہوجائے
مگر امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ استحساناً فرماتے ہیں
کہ اگر واپس دئے ہوئے پیسے تھوڑے ہوں اور
اسی جلسے میں بدلے کے پیسے لے لئے جائیں تو عقد
اصلاً نہ ٹوٹے گا اور یہ کہ تھوڑے کتنے کو کہیں اس میں
امام صاحب سے روایتیں مختلف آئیں، ایک
روایت میں ہے کہ نصف سے زائد کثیر ہیں اور اس
سے کم قلیل، اور ایک روایت میں یہ ہے کہ نصف
بھی زائد ہے، اور ایک روایت میں تہائی سے زیادہ
ہو تو کثیر ہے انتہی ملخصاً۔ اور ہم نے ذخیرہ سے نقول
بکثرت اس واسطے ذکر کیں کہ اس سے ایک نقل
اس کے مخالف آنے والی ہے ایک پیسہ دو پیسے سے
بیچنے کے مسئلہ میں تو یہ تجھے یاد رہے کہ ذخیرہ نے
ہمارے اس مسئلہ یعنی روپوں کے عوض پیسے بیچنے
کے بارے میں متعدد جگہ جواز پر جزم فرمایا ہے اور
یہاں اصلاً کسی ذکر خلاف کے قریب بھی نہ گئے اور
تنویر الابصار ودرمختار میں ہے کہ پیسوں یا روپوں
یا اشرفیوں کے عوض پیسے بیچے اور ایک طرف کا

---

[1] فتاوی ہندیۃ کتاب البیوع الفصل الثالث فی بیع الفلوس نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۶-۲۲۵

فان نقد احدھما جاز وان تفرقا بلاقبض احدھما لم یجز ۱ھ[1] وبالجملة فالمسئلة ظاھرة والنقول متوافرة وان خالفھا العلامة قارئ الھدایة فی فتاواہ فشرط التقابض وحرم النسیئة وھذا نصھا (سئل) ھل یجوز بیع مثقال من الذھب بقنطار من الفلوس نسیئة ام لا، (اجاب) لایجوز بیع الفلوس الی اجل بذھب او فضة لان علماءنا نصوا علٰی انه لایجوز اسلام موزون فی موزون الا اذا کان الموزون المسلم فیه مبیعا کزعفران او غیرہ والفلوس لیست من المبیعات بل صارت اثمانا ۱ھ[2] وردہ العلامة الحانوتی حین سئل عن بیع الذھب بالفلوس نسیئة فاجاب بانه یجوز اذا قبض احد البدلین لما فی البزازیة لو اشتری مائة فلس بدرھم یکفی التقابض من احد الجانبین قال ومثله مالو باع فضة او ذھبا بفلوس

قبضہ ہوگیا تو جائز ہے اور اگر کسی طرف کا قبضہ نہ ہوا کہ دونوں جدا ہوگئے تو ناجائز ہے انتہی، الحاصل مسئلہ ظاہر ہے اور نقلیں وافر ہیں اگرچہ علامہ قاری الہدایہ نے اپنے فتاوٰی میں اس کی مخالفت فرمائی کہ دونوں جانب کا قبضہ شرط کیا اور کسی طرف ادھار ہونے کو حرام ٹھہرایا اس کی عبارت یہ ہے (سوال ہوا) کہ آیا ایک مثقال سونا پیسوں کی ڈھیری سے ادھار بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ (جواب دیا) کہ پیسے سونے یا چاندی کے عوض ادھار بیچنا ناجائز ہے اس لئے کہ ہمارے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ دو چیزیں جو تول کر بیچی جاتی ہوں (جیسے سونا چاندی تانبا) ان میں ایک کو دوسرے سے بدلی جائز نہیں مگر اس صورت میں کہ وہ موزوں چیز جو بذریعہ سلم وعدہ پر لینی ٹھہری ہے مبیع ہو قسم ثمن سے نہ ہو جیسے زعفران وغیرہ اور پیسے جنس مبیع سے نہیں ہیں بلکہ ثمن ہوگئے ہیں انتہی، اور علامہ حانوتی نے اس کا رد فرمایا جبکہ ان سے پیسوں کے عوض سونا اور ادھار بیچنے کی نسبت سوال ہوا، جواب دیا کہ جائز ہے، اگر دونوں میں سے ایک کا قبضہ ہوگیا اس لئے کہ بزازیہ میں ہے کہ اگر ایک روپے کے سو پیسے خریدے تو ایک جانب کا قبضہ کافی ہے پھر فرمایا اگر اسی طرح چاندی یا سونا پیسوں کو بیچیں

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع باب الربٰو مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۲

[2] ردالمحتار بحوالہ فتاوٰی قاری الہدایہ " داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۴

كما فی البحر عن المحیط قال فلا یغتر بما فی فتاوی قاری الهدایة[1] اھ واجاب عنه فی النهر بان مراده بالبیع السلم والفلوس لها شبه بالثمن ولا یصح السلم فی الاثمان ومن حیث انها عروض فی الاصل اکتفی بالقبض من احد الجانبین[2] اقول وھذا ھو المستفاد من تعلیله بان علمائنا نصوا علی انه لا یجوز اسلام موزون فی موزون الخ لکن لم یقنع به العلامة ابن عابدین فی رد المحتار واجاب بحمل ما فی فتاوی قاری الهدایة علی ما دل علیه کلام الجامع الصغیر من اشتراط التقابض من الجانبین قال فلا یعترض علیه بما فی البزازیة المحمول علی ما فی الاصل[3] یعنی المبسوط ونقل قبیله عن البحر عن الذخیرة ان محمدا ذکر مسئلة بیع فلس بفلسین باعیانهما فی صرف الاصل ولم یشترط التقابض و ذکر فی الجامع ما یدل علی انه

جیسا کہ بحر میں محیط سے ہے فرمایا تو وہ جو فتاوی قاری ہدایہ میں واقع ہوا اس سے دھوکا نہ کھایا جائے انتہی، اور اس اعتراض کا نہر میں یہ جواب دیا کہ یہاں قاری ہدایہ کی مراد بیع سے بدلی ہے اور پیسوں کو ایک مشابہت ثمن سے ہے اور ثمن کی ثمن سے بدلی صحیح نہیں اور اس حیثیت سے کہ پہلے اصل میں متاع ہیں ایک جانب کا قبضہ کافی سمجھا گیا **اقول** (میں کہتا ہوں) یہی ان کی اس دلیل سے مستفاد ہے کہ ہمارے علماء نے نص فرمایا کہ دو چیزیں جو وزن سے بیچی جاتی ہوں ان میں بدلی جائز نہیں الخ مگر علامہ ابن عابدین نے رد المحتار میں اس پر قناعت نہ فرمائی اور یوں جواب دیا کہ علامہ قاری ہدایہ کا کلام اس مسئلہ پر محمول ہے جو کلام جامع صغیر سے مفہوم ہوتا ہے کہ دونوں طرف سے قبضہ شرط ہے اور کہا تو اب اس مسئلہ بزازیہ سے اعتراض نہ ہوگا کہ وہ اس پر محمول ہے جو مبسوط امام محمد میں ہے اور اس سے پہلے بحوالہ بحر ذخیرہ سے نقل کیا کہ امام محمد نے مبسوط کی کتاب الصرف میں ایک پیسہ دو پیسے معین کے بدلے بیچنے کا مسئلہ ذکر فرمایا اور طرفین کا قبضہ شرط نہ کیا اور جامع صغیر میں وہ عبارت ذکر فرمائی جو دلالت کرتی ہے کہ وہ

---

۱ رد المحتار بحوالہ الحانوتی باب الربا دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/۱۸۴
۲ " " النہر " " " " "
۳ رد المحتار کتاب البیوع " " " " "

شرط فمنهم من لم یصحح الثانی لان التقابض مع التعیین شرط فی الصرف ولیس به ومنهم من صححه لان الفلوس لها حکم العروض من وجه وحکم الثمن من وجه فجاز التفاضل للاول واشترط التقابض للثانی[1] اھ اقول وباللہ التوفیق ما جنح الیہ الشامی تبعا للبحر تبعا للذخیرۃ من دلالۃ کلام الجامع الصغیر علی اشتراط التقابض فللعبد الضعیف فیہ تأمل قوی وانی راجعت الجامع فوجدت نصہ ھکذا محمد عن یعقوب عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم رجل باع رطلین من شحم البطن برطل من الیۃ او باع رطلین من لحم برطل من شحم البطن او بیضۃ ببیضتین او جوزۃ بجوزتین او فلسا بفلسین او تمرۃ بتمرتین یدا بید باعیانھا یجوز وھو قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی وقال محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ لایجوز فلس بفلسین ویجوز تمرۃ بتمرتین[2] اھ

شرط ہے تو مشائخ میں بعض نے اس حکم ثانی کی تصحیح نہ کی کہ تعیین کے ساتھ دونوں طرف کا قبضہ بیع صرف میں شرط ہے اور یہ وہ نہیں اور بعض نے اس کی تصحیح کی اس لئے کہ پیسوں کے لئے ایک جہت سے متاع کا حکم ہے اور ایک جہت سے ثمن کا تو پہلی جہت کے سبب کمی بیشی جائز ہوئی اور دوسری کے سبب طرفین کا قبضہ شرط ہوا انتہی، **اقول** وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ سے ہے) وہ جس کی طرف شامی نے باتباع بحر اور بحر نے باتباع ذخیرہ میل کیا کہ جامع صغیر کا کلام قبضہ طرفین شرط ہونے پر دلالت کرتا ہے بندہ ضعیف کو اس میں تامل قوی ہے اور میں نے جامع کی طرف رجوع کی تو اس کی عبارت یوں پائی امام محمد روایت کرتے ہیں امام ابو یوسف سے اور وہ امام اعظم سے رضی اللہ تعالٰی عنہم، ایک شخص نے پیٹ کی دو رطل چربی ایک رطل چکتی کو یا دو رطل گوشت ایک رطل چربی کو یا ایک انڈا دو انڈے یا ایک اخروٹ دو اخروٹ یا ایک پیسہ دو پیسے یا ایک چھوہارا دو چھوہارے کو دست بدست کہ دونوں معین ہوں تو جائز ہے اور یہی قول ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا ایک پیسہ دو پیسے کو جائز نہیں اور ایک چھوہارا دو چھوہارے کو جائز ہے ختم ہوا ان کا

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربا دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/۱۸۴

[2] الجامع الصغیر " باب البیع فیما یکال او یوزن مطبع یوسفی لکھنؤ ص ۹۷

كلامه الشريف قدس سره المنيف فمحل الاستناد انما هو قوله رحمه الله تعالٰى يدا بيد لكن قد علم من مارس الفقه ان هذا اللفظ ليس نصا صريحا فى التقابض بالبراجم الاترى علمائنا رحمهم الله تعالٰى فسروه فى الحديث المعروف بالعينية كما قال فى الهداية ومعنى قوله صلى الله تعالٰى عليه وسلم يدا بيد عينا بعين كذا رواه عبادة بن الصامت رضى الله تعالٰى عنه[1] اھ كيف وقد قال اصحابنا رضى الله تعالٰى عنهم ان التقابض انما يشترط فى الصرف واما ما سواه مما يجرى فيه الربا فانما يعتبر فيه التعيين كما فى الهداية[2] وغيرها وقال فى التنوير المعتبر تعيين الربوى فى غير الصرف بلا شرط تقابض[3] قال فى الدر حتى لو باع برا ببر بعينهما وتفرقا قبل القبض جاز[4] اھ فان

کلام شریف پاک کیا گیا ان کا سر معظم، تو موضع سند ان کا یہی قول ہے کہ دست بدست مگر جس نے فقہ کی مزاولت کی ہے اسے معلوم ہے کہ یہ لفظ اس میں صاف نص نہیں کہ دونوں جانب کا قبضہ ہاتھوں سے ہوجائے کیا نہیں دیکھتے کہ ہمارے علماء رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین نے اس لفظ کو ربا کی حدیث مشہور میں تعیین کے ساتھ تفسیر کیا جیسا کہ ہدایہ میں فرمایا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشاد میں لفظ دست بدست کے یہ معنی ہیں کہ دونوں جانب تعین ہوجائے (کسی طرف دین نہ رہے) جیسا کہ عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ نے روایت کیا انتہی، اور یہ کیونکر نہ ہو حالانکہ ہمارے اصحاب رضی اللہ تعالٰی عنہم نے فرمایا کہ قبضہ طرفین صرف صرف میں شرط ہے اور اس کے سوا اور صورتیں جن میں ربا جاری ہوسکتا ہے ان میں فقط تعین شرط ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں ہے اور تنویر الابصار میں ہے کہ جس مال میں ربا کا احتمال ہے وہاں ماورائے صرف میں مال کا فقط عین ہونا معتبر ہے قبضہ طرفین شرط نہیں، درمختار میں فرمایا یہاں تک کہ

---

[1] الہدایۃ کتاب البیوع باب الربا مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۳-۸۲
[2] " " " ۳/ ۸۲
[3] الدر المختار شرح تنویر الابصار " مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۱
[4] " " " " " ۲/ ۴۱

28 حمل قوله هذا في العبارة التي ذكرنا على التقابض واستجلب منه اشتراط ذلك في فلس بفلسين كان ايضا مشترطا في تمرة بتمرتين وبيضة ببيضتين وجوزة بجوزتين عند من يقول ان القيد راجع للمسائل جميعا كالنهر والدر وغيرهما فان المسائل كلها مسوقة سياقا واحدا الاسيما في عبارة الجامع فان القيد مذكور فيه بعد تمرة بتمرتين وانما ذكر فلسا بفلسين قبله، وهذا لم يقل به ائمتنا فوجب حمله على اشتراط التعيين وكان قوله رضي الله تعالٰى عنه باعيانها تفسيرا لقوله يدا بيد والا لكان حشوا مستغنى عنه لاطائل تحته اصلا فان التقابض فيه التعين وان يد فذكره بعدٗ لغو ولذا لما نقل الامام برهان الدين صاحب الهداية رحمه الله تعالٰى هذه المسئلة عن الجامع الصغير اسقط عنها تلك الكلمة واقتصر على ذكر العينية حيث قال قال (اي محمد كما صرح به العلامة بدر العيني في البناية) يجوز بيع البيضة

اگر گیہوں کے بدلے گیہوں بیچے اور ان دونوں کو معین کردیا اور بے قبضہ کئے ہوئے جدا ہوگئے تو جائز ہے انتہی، تو امام محمد کا یہ قول عبارت مذکورہ میں اگر قبضہ طرفین پر حمل کیا جائے اور اس سے یہ مطلب نکالا جائے کہ پیسوں کی باہم بیع میں قبضہ طرفین شرط ہے تو خرموں اور انڈوں اور اخروٹوں کی باہم بیع میں بھی اس کا شرط ہونا لازم آئے گا ان کے نزدیک جو کہتے ہیں کہ یہ قید ان تمام مسائل کی طرف راجع ہے جیسے نہر الفائق اور در مختار وغیرہما اس لئے کہ وہ سب مسئلے ایک ہی روش پر بیان میں آئے ہیں خصوصاً عبارت جامع صغیر میں کہ اس میں تو یہ قید بیع خرما کے بعد مذکور ہے اور پیسوں کی بیع اس سے پہلے ذکر فرمائی ہے اور یہ ہمارے ائمہ میں سے کسی کا قول نہیں، تو واجب ہوا کہ دست بدست بمعنی تعیین لیں اور امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ارشاد کہ معین ہوں اس دست بدست کی تفسیر ہو ورنہ محض بیکار بھرتی ہوگا جس کا کچھ فائدہ نہیں کہ قبضہ طرفین میں تعین مع زیادت ہے تو اس کے بعد اس کا ذکر فضول ہے اس لئے جب امام برہان الدین صاحب ہدایہ نے جامع صغیر سے اس مسئلہ کو نقل کیا تو دست بدست کا لفظ اس سے ساقط فرمادیا اور صرف تعیین کا ذکر کیا جہاں کہ ہدایہ میں کہا کہ فرمایا (یعنی امام محمد جیسا کہ علامہ بدر الدین عینی نے بنایہ میں تصریح کی)[1] ایک انڈا

---

[1] البنایۃ فی شرح الہدایۃ کتاب البیوع باب الربو المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ۳/ ۱۵۴

بالبیضتین والتمرۃ بالتمرتین والجوز بالجوزتین ویجوز بیع الفلس بالفلسین باعیانھما[1] اھ فظھر ظھور الشمس فی رابعۃ النھار ان لیس فی الجامع دلیل علٰی ما فھم ھٰؤلاء الاعلام وان فرض فمع احتمال الغیر احتمالا اظھر وانزھر لایرد ولایرام ولاحجۃ فی المحتمل بخلاف عبارۃ الاصل فانھا نص ای نص فی عدم اشتراط التقابض کما سمعت فعلیہ فلیکن التعویل والتوفیق باللہ الملک الجلیل، ثم لایخفی علیك ان ھذا کلہ کان مماشاۃ منامع العلامۃ الشامی والمقصود ابانۃ مفاد الجامع والا فالحق ان فتوی العلامۃ سراج الدین مابھا حاجۃ الی حمل کلام الجامع علی اشتراط التقابض ولا ھو مدعاہ[ع۱] ولا علیہ[ع۲] توقف لما ادعاہ فانہ

دو انڈے اور ایک خرما دو خرمے اور ایک اخروٹ دو اخروٹ کو بیچنا جائز ہے اور ایک پیسہ دو پیسے معین کو جائز ہے انتہی، تو پہروں چڑھے آفتاب کی طرح روشن ہوگیا کہ جامع صغیر میں اس پر کچھ دلالت نہیں جو یہ اکابر سمجھے اور اگر فرض بھی کرلی جائے تو اس کے ساتھ دوسرا احتمال بھی موجود ہے ظاہر تر روشن تر کہ نہ رَد ہونہ اس کی طرف کوئی بُرا قصد کرسکے اور احتمالی بات حجت نہیں ہوتی بخلاف عبارت مبسوط کے کہ وہ قبضہ طرفین شرط نہ ہونے میں نص اور کیسی نص ہے جیسا کہ سُن چکے تو اسی پر اعتماد ہونا چاہئے اور توفیق اللہ عظمت والے بادشاہ کی طرف سے ہے، پھر اتنا معلوم رہے کہ یہ سب کچھ ہماری طرف سے علامہ شامی کے ساتھ ان کی روش پر چلنا تھا اور مقصود مفاد جامع صغیر کا ظاہر کرنا ورنہ حق یہ ہے کہ فتوٰی علامہ قاری الہدایہ کو اس کی طرف حاجت نہیں کہ عبارت جامع کو قبضہ طرفین شرط کرنے پر محمول کیجئے اور نہ وہ اُن کا مدعٰی ہے اور نہ اس پر ان کا دعوٰی موقوف

[ع۱] لانہ سلمہ سلما وانتم للصرف تصرفون اھ منہ۔

[ع۲] لان السلم لایجوز فی الثمن سواء کان فیما یشترط فیہ التقابض کثمن فی ثمن اولا کبیع فی ثمن اھ منہ۔

[ع۱] کہ وہ تو اسے سلم مان رہے ہیں اور تم صرف کی طرف پھرتے ہو ۱۲ منہ

[ع۲] کہ ثمن میں سلم اصلاً جائز نہیں چاہے اس چیز میں ہو جس میں دونوں طرف کا قبضہ شرط ہے جیسے ثمن میں ثمن کی بدلی یا ایسا نہ ہو جیسے ثمن میں مبیع کی بدلی ۱۲ منہ

---

[1] الہدایۃ کتاب البیوع باب الربٰو مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۳

انما حرم النسيئة وحرمتها لا توجب[1] عينية الجانبين ايضا فضلا عن التقابض الا ترى ان بيع ثوب بدرهم حالا ليس بنسيئة ولا فيه العينيتان نعم ايجاب العينية من الجانبين يوجب تحريم النسيئة لان التاجيل للترفية فی التحصيل والعين متحصلة بالفعل فلو استدل له بعبارة الجامع على هذا الوجه لكان[2] له وجه وسلم من الاعتراض المذكور واذن اقول وبالله التوفيق لا يخفى عليك ان اشتراط العينية من الجانبين فی الربويات وهی المكيلات والموزونات دون المعدودات كما نص عليه فی سلم الفتح وغيره حيث قال انما يمتنع ذلك فی اموال الربا اذا قوبلت بجنسها والمعدود ليس منها اھ كما قال فی البحر تحت

کہ وُہ تو ادھار کو حرام بتا رہے ہیں اور اس کی حرمت دونوں طرف عین ہونے کو بھی واجب نہیں کرتی نہ کہ قبضۂ طرفین، کیا نہیں دیکھتے کہ کوئی کپڑا ایک روپے نقد کو بیچا نہ تو ادھار ہے نہ اس میں دونوں جانب عین، ہاں دونوں طرف عینیت کا واجب کرنا ادھار کی حرمت لازم کرتا ہے اس لئے کہ وعدہ مقرر کرنا اس غرض سے ہوتا ہے کہ شئی کے حاصل کرنے میں آسانی ہو اور عین خود ہی فی الحال حاصل ہے تو اگر جامع کی عبارت سے علامہ قاری الہدایہ کے اس طرز پر استدلال کیا جاتا تو اس کی ایک وجہ ہوتی ہے اور اعتراض مذکور سے محافظت رہتی اور اب میں کہتا ہوں اور اللہ ہی سے توفیق ہے تم پر ظاہر ہے کہ دونوں طرف سے تعین کی شرط اموالِ ربا میں ہے اور وہ وہ چیزیں ہیں جو ناپ تول سے بکتی ہیں نہ وہ کہ گنتی سے جیسا کہ فتح القدیر[1] وغیرہ کی باب السلم میں تصریح ہے جہاں آیا کہ صرف اموال ربا میں منع ہے جبکہ اپنی جنس کے ساتھ بیچے جائیں اور گن کر بکنے کی چیزیں اموال ربا میں سے نہیں انتہی، جیسا کہ کنز کے اس قول کی شرح میں

---

[1] وانما كانت توجب لو كان انتفاء النسئة مستلزما لوجود العينيين وليس كذلك بل قد ينتفيان معا كما فی المثال المذكور ١٢ منه۔

[2] لكونه دليلا على الحكم الذی افتی

[1] واجب تو جب کرتی کہ ادھار نہ ہونے کو دونوں طرف معین ہونا لازم ہوتا اور ایسا نہیں بلکہ کبھی دونوں باتیں معدوم ہوتی ہیں کہ نہ ادھار ہو نہ دونوں جانب عین جیسے مثال مذکور میں ۱۲ منہ

[2] کہ وہ اس حکم پر دلیل ہوتا جس کا انھوں نے

(باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] فتح القدیر باب البیع باب السلم مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/۲۰۸

قول الکنز "وحلا بعدمھما ای الفضل والنساء عند انعدام القدر والجنس فیجوز بیع ثوب ھروی بمرویین نسیئۃ والجوز بالبیض نسیئۃ"[1] و قال تحت قولہ "یعتبر التعیین دون التقابض فی غیر الصرف من الربویات"

جب دونوں نہ ہوں تو دونوں حلال ہیں بحر الرائق میں فرمایا یعنی جب قدر و جنس دونوں نہ ہوں تو زیادتی اور ادھار دونوں حلال ہیں تو ہرات کے بنے ہوئے ایک کپڑے کو مرو کے بنے ہوئے دو کپڑوں کے عوض ادھار بیچنا جائز ہے اور انڈوں کے عوض اخروٹ ادھار بیچنا اور کنز نے جو فرمایا کہ سوا صورت صرف کے اموال ربا میں تعیین معتبر ہے نہ کہ قبضہ طرفین اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

بہ وھو عدم الجواز وان جاء من قبل الصرفیۃ دون السلمیۃ و من ھذا الباب ما فی الھندیۃ عن المحیط حیث ذکر مسائل شراء المستقرض الکر القرض من المقرض بمائۃ وانہ یجوز اذا شری ما فی ذمتہ ونقد الثمن فی المجلس والا لا لافتراقھما عن دین بدین ثم قال کذلک الجواب فی کل مکیل وموزون غیر الدراھم والفلوس اذا کان قرضا[2] اھ فجعل الفلوس مما لا یجوز شراؤہ دینا فی الذمۃ بثمن مفقود کما فی الحجرین والصحیح ما قدمنا عن الھندیۃ عن

فتوٰی دیا یعنی ناجائز ہونا اگرچہ یہاں صرف کے سبب ہوا نہ کہ سلم کی جہت سے، اور اسی باب سے ہے جو ہندیہ میں محیط سے ہے و لہٰذا جہاں انھوں نے اس کے مسائل ذکر کئے ہیں کہ غلّہ قرض لینے والا اس قرض غلّہ کو قرض دینے والے سے سو روپے کو مول لے اور یہ کہ وہ جائز ہے جبکہ وہ غلّہ خرید لے جو اس کے ذمّہ پر لازم ہوا ہے (نہ بعینہٖ وہ غلّہ جو غلہ قرض آیا ہے) اور قیمت اسی جلسے میں ادا کر دی ہو ورنہ حرام ہوگا کہ دونوں طرف ادھار چھوڑ کر جُدا ہو گئے پھر فرمایا ہر ناپ تول کی چیز میں یہی حکم ہے سوا روپے اشرفی پیسوں کے جب وہ قرض ہوں انتہی' تو پیسوں کو بھی روپوں، اشرفیوں کی طرح انھیں چیزوں میں سے قرار دیا کہ جب وہ ذمّہ پر قرض ہوں تو ان کا خریدنا ناجائز ہے

(باقی اگلے صفحہ پر)

[1] بحر الرائق کتاب البیوع باب الربٰو ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۲۹

[2] فتاوٰی ہندیۃ الباب التاسع عشر فی القرض الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۰۵

بیانه ماذكره الاسبیجابی بقوله واذا تبایعا كیلیا بكیلی او وزنیا بوزنی كلاهما من جنس واحد او من جنسین مختلفین فان البیع لایجوز حتی یكون كلاهما عینا اضیف الیه العقد وهو حاضر اوغائب بعد ان یكون موجودا فی ملكه[1] الخ وانما عللوا وجوبها فی فلس بفلسین بان لو باع فلسا بعینه بفلسین بغیر عینهما امسك البائع الفلس المعین وطالبه بفلس اٰخر او سلم الفلس المعین وقبضه بعینه مع فلس اٰخر لاستحقاقه فلسین فی

کے نیچے بحر نے فرمایا بیان اس کا وہ ہے جو امام اسبیجابی نے اپنے اس قول میں ذکر کیا کہ جب ناپ کی چیز ناپ کی چیز سے یا تول کی چیز تول کی چیز سے بیچی خواہ دونوں ایک جنس کی ہوں یا دو جنس مختلف تو بیع جائز نہ ہوگی مگر اس شرط سے کہ وہ دونوں ایک معین چیز ہوں جس پر عقد وارد کیا گیا خواہ وہیں حاضر ہوں یا غائب، ہاں اس کی ملک میں موجود ہونا چاہئے الخ پیسوں کی باہم بیع میں جو عینیت کو واجب کیا اس کی یہی دلیل بیان فرماتے ہیں کہ اگر ایک پیسہ معین دو پیسے غیر معین کے عوض بیچے گا تو بائع کو اختیار ہوگا کہ وہ معین پیسہ رکھ چھوڑے اور مشتری سے ایک پیسہ اور مانگے یا وہ معین پیسہ مشتری کو دے کر پھر وہی پیسہ مع ایک اور پیسے کے اس سے واپس لے کیونکہ مشتری

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

الذخیرۃ ان المنع فی غیر الصرف مختص بما اذا لم یقبض شیئ من البدلین قبضا حقیقیا وان قبض حکما اما اذا قبض احدھما حقیقۃ جاز ومثله فی ردالمحتار عن الوجیز وبالجملة جعله صرفا صرف له عما نص علیه عامة الاصحاب فی غیر ما کتاب، واللہ تعالٰی اعلم۔

اگرچہ قیمت اسی جلسے میں ادا ہوجائے اور صحیح وہ ہے جو ہم بحوالہ ہندیہ ذخیرہ سے نقل کرچکے کہ ماسوا صرف میں منع صرف یہ ہے کہ دونوں طرف میں سے کسی پر حقیقۃً قبضہ نہ کریں اگرچہ ایک پر قبضہ حکمی ہو (جیسے ذمہ پر کا قرض کہ حکماً مقبوض ہے) مگر جب ایک پر قبضہ ہوجائے تو جائز ہے اور ایسا ہی ردالمحتار میں وجیز سے ہے غرض یہ کہ اسے صرف ٹھہرانا اس سے پھرنا ہے جس پر ہمارے عام علماء نے متعدد کتابوں میں نص فرمایا واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] بحرالرائق کتاب البیوع باب الربا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ٦/١٣٠

ذمته فيرجع اليه عين ماله و يبقى الفلس الأخر خاليا عن العوض وكذا لو باع فلسين باعيانهما بفلس بغير عينه قبض المشترى الفلسين ودفع اليه احدهما مكان ما استوجب عليه فيبقى الأخر فضلا بلاعوض استحق بعقد البيع كما في الفتح[1] و نحوه في العناية وغيرها وهذه العلة لاجريان لها في الدراهم بالفلوس نسيئة كما لايخفى فضلا من النوط بالدراهم فعبارة قارئ الهداية احسن محمل لها ما ذكر في النهر ويكون اذن مبنيا على رواية نادرة عن محمد رحمة الله تعالى عليه كما سيأتي و ان لم يسلم فهي فتوى من دون سند ولا[ع] تعلم له سلفا فيها وهو لم يستند لنقل

کہ ذمہ پر اس کے دو پیسے آتے ہیں تو بائع کا اپنا مال تو اسی کی طرف بعینہٖ لوٹ آیا اور دوسرا پیسہ بلامعاوضہ رہ گیا اور یونہی اگر دو معین پیسے ایک غیر معین پیسہ کو بیچے تو مشتری دونوں پیسے لے لے گا اور اس کے ذمہ جو ایک پیسہ لازم ہوا ہے اس کی ادا کو انھیں میں سے ایک پیسہ بائع کو پھیر دے گا تو دوسرا پیسہ زائد رہ گیا بے ایسے معاوضہ کے جس کا استحقاق عقد بیع سے ہوا ہو جیسا کہ فتح القدیر میں ہے اور اس کے مثل عنایہ وغیرہ میں ہے اور ادھار پیسوں کے بدلے روپیہ بیچنے میں یہ علت جاری نہیں ہوسکتی جیسا کہ پوشیدہ نہیں، نہ کہ روپوں کے بدلے نوٹ بیچنے میں، تو عبارت قاری الہدایہ کا سب سے بہتر محمل وہ ہے جو نہر میں ذکر کیا اور اس وقت وہ ایک روایت نادرہ پر مبنی ہوگی جو امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے آئی ہے جیسا کہ عنقریب اس کا بیان آتا ہے اور اگر یہ نہ مانیں تو وہ علامہ کا ایک فتوٰی ہے جس کے ساتھ کوئی سند نہیں اور نہ اس میں ان سے پہلے ان کا کوئی مستند معلوم نہ وہ اس پر کسی نقل سے سند لائے

ع: ای بالوجه الذی ذکروا ان صرف الی الصرف فقد علمت ماله من الضعف الصرف اھ منه۔

ع: یعنی اس طریقے سے جو انھوں نے ذکر کیا اور اگر صرف کی طرف پھیرو تو تمھیں معلوم ہوچکا جو اس میں نرا ضعف ہے ۱۲ منہ

---

[1] فتح القدیر کتاب البیوع باب الربا مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۶۲

وما تجشم له الشامی فقد علمت حاله فکیف یعارض به ما تطابقت علیه کلمات اولئك الاجلة الکرام الذین قصصتهم علیك و امامهم فیها نص محمد فی الاصل فهو القول **ثم اقول** علا ان ما ذکر العلامة قاریٔ الهدایة ذهولین صریحین عن مسائل المذهب ذهول عما نص علیه علماؤنا ان الفلوس بالاصطلاح خرجت عن الوزنیة الی العددیة و ذهول عما نصوا علیه ان ثمنیتها تبطل باصطلاح العاقدین وان بطلانها لا یبطل الاصطلاح علی العددیة وکل ذلك منصوص علیه فی الهدایة[1] وغیرها وهذا نصها و لهما ان الثمنیة فی حقهما تثبت باصطلاحهما و اذا بطلت الثمنیة تتعین بالتعیین و لا یعود وزنیا لبقاء الاصطلاح علی العد اھ و سنلقی علیك ان محمدا ایضا سلّم فی السلم بطلان الثمنیة و انما انکرہ فی البیع لعدم الدلیل

اور وُہ جو اُن کے لئے علامہ شامی نے تکلف کیا اُس کا حال معلوم ہوچکا تو اُس سے کیونکر معارضہ ہوسکتا ہے اُس حکم کا جس پر اُن اکابر کرام کے کلمات متفق ہیں جن کے اسماء گرامی اوپر مذکور ہُوئے اور اُس میں اُن کا امام مبسوط میں امام محمد کا نص ہے تو وہی قول فیصل ہے **ثمّ اقول** (پھر میں کہتا ہوں) علاوہ بریں وُہ جو امام قاری الہدایہ نے ذکر کیا اُس میں مسائل مذہب سے صاف دُو ذہول ہیں ایک ذہول تو اُس سے جو ہمارے علمائ نے تصریح فرمائی کہ پیسے اصطلاح کے سبب وزن کی چیز ہونے سے خارج ہو کر گنتی کی چیز ہوگئے، اور دوسرا ذہول اُس سے جو علماء نے نص فرمایا کہ پیسوں کا ثمن ہونا بائع و مشتری کی اپنی اصطلاح سے باطل ہوجاتا ہے اور ثمنیت کے بطلان سے وُہ اصطلاح جو ٹھہری ہوئی ہے کہ پیسے گنتی کی چیز ہیں باطل نہیں ہوتی، ان تمام باتوں کی ہدایہ وغیرہ میں تصریح ہے، ہدایہ کی عبارت یہ ہے امام اعظم اور امام ابویوسف کی دلیل یہ ہے کہ ثمنیت بائع ومشتری کے حق میں ان کی اصطلاح سے ثابت ہوتی ہے اس لئے کہ اوروں کو ان پر کچھ ولایت نہیں تو وُہ اپنی اصطلاح میں اسے باطل بھی کرسکتے ہیں اور جب ثمن ہونا باطل ہوگیا تو معین کئے سے معین ہوجائیں گے اور اس سے تول کی چیز نہ ہوجائیں گے کہ گنتی پر اصطلاح باقی ہے اھ اور عنقریب ہم تمھیں

---

[1] الہدایہ کتاب البیوع باب الربو مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/۸۳

فهو مجمع عليه بين ائمتنا فاذن اسلام احد النقدين في الفلوس ليس سلما في ثمن ولا اسلام موزون في موزون بل موزون في عددي متقارب مثمن ولا باس به باجماع علمائنا رحمهم الله تعالٰی، وبالجملة فالعبد الضعيف لا يعلم لهذه الفتوى وجه صحة اصلا تأمل لعل لكلامه وجها لست احصله بفهمي السخيف ولعلي انا الاولٰی بالخطأ من هذا العلامة العريف رحمه الله تعالٰی، **ثم اقول** ولئن سلمنا فلنا ان نقول ما ذكر انما يتمشى في الفلوس اما النوط فليس بموزون اصلا فان الورقات لا توزن عرفا قط فلم يشملها المعيار كحفنة من حب وذرة من ذهب فمسئلتنا هذه سالمة عن الخلاف على كل حال والحمد لله ذي الجلال هكذا ينبغي التحقيق والله ولي التوفيق۔

بتائیں گے کہ امام محمد نے بھی سلم میں بطلان ثمنیت تسلیم فرمالیا ہے ہاں بیع میں دلیل نہ ہونے کے سبب اس کا انکار کیا ہے تو اس پر ہمارے سب اماموں کا اجماع ہے تو اس حالت میں روپے یا اشرفی سے پیسوں کی بدلی کرنا ثمن کی بدلی نہیں اور نہ باہم تول کی دو چیزوں میں بدلی بلکہ تول کی چیز کے عوض ایک متاع عددی کی بدلی ہے جس کے افراد باہم مشابہ ہیں اور ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالٰی کا اجماع ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں، الحاصل بندۂ ضعیف اس فتوٰی کے لئے اصلاً کوئی وجہِ صحت نہیں جانتا، تأمل کر، شاید ان کے کلام کے لئے کوئی ایسی وجہ ہو کہ میں اپنی فہم سست سے اسے نہیں سمجھا اور کیا عجب کہ بہ نسبت ان علامہ کثیر المعرفۃ رحمہ اللہ تعالٰی کے میں ہی غلطی سے زیادہ قریب ہوں۔ **ثم اقول** (تو میں کہتا ہوں) اگر تسلیم بھی کرلیں تو ہمیں اس کہنے کا اختیار ہے کہ وہ جو علامہ نے ذکر فرمایا وہ پیسوں ہی میں جاری ہوتا ہے اور نوٹ تو اصلاً وزن کی چیز نہیں اس لئے کہ کاغذ کے پرچے عرف میں کبھی تولے نہیں جاتے تو معیار انہیں شامل نہ ہوتی جیسے غلہ سے ایک ہتھیلی بھر اور سونے سے ایک ذرہ، تو ہمارا یہ مسئلہ بہرحال مخالفت سے محفوظ ہے اور حمد اللہ کے لئے جو بزرگی والا ہے ایسی ہی تحقیق ہونی چاہئے اور توفیق کا مالک اللہ ہے۔

واما العاشر

فاقول نعم یجوز السلم فی النوط و قد یقال لا یجوز فانه ثمن و لاسلم فی الاثمان کما تقدم عن النھر والتحقیق ان ھذا انما یبتنی علی روایة نادرة عن محمد و الا فالمنصوص علیه فی المتون جواز السلم فی الفلوس وانما لا یجوز فی الاثمان الخلقیة وھی النقدان لاغیر لعدم قدرة العاقدین علی ابطال ثمنیتھما بخلاف الاثمان الاصطلاحیة قال فی التنویر و الدر (یصح ای السلم فیما امکن ضبط صفته) کجودته و ردائته (ومعرفة قدرہ ککیل و موزون و) خرج بقوله (مثمن) الدراھم و الدنانیر لانھما اثمان فلم یجز فیھا السلم خلافا لمالك (وعددی متقارب کجوز و بیض وفلس[1] الخ قال ابن عابدین قوله و فلس الاولی وفلوس لانه مفرد لا اسم جنس، قیل

جواب سوالِ دہم

فاقول (تو میں کہتا ہوں) ہاں نوٹ میں بدلی جائز ہے اور کبھی کہا جاتا ہے کہ جائز نہ ہو اس لئے کہ نوٹ ثمن ہے اور ثمن میں بدلی جائز نہیں جیسا کہ نہر سے گزرا، اور تحقیق یہ ہے کہ یہ قول صرف ایک روایتِ نادرہ پر مبنی ہے جو امام محمد سے آئی ورنہ متون میں تو یہ نص ہے کہ پیسوں میں بدلی جائز ہے ہاں جو ثمن ہونے کے لئے پیدا کئے گئے اُن میں جائز نہیں اور وہ صرف چاندی سونا ہے وبس، اس لئے کہ بائع و مشتری ان کی ثمنیت باطل کرنے پر قدرت نہیں رکھتے بخلاف اُن چیزوں کے جو اصطلاحًا ثمن قرار پائی ہیں۔ تنویر الابصار اور درمختار میں فرمایا سَلَم جائز ہے ہر اس چیز میں جس کی صفت کا انضباط ہو سکے جیسے اُس کا کھرا اور کھوٹا ہونا اور اس کا اندازہ پہچان سکیں جیسے ناپ اور تول کی چیز، اور یہ جو مصنف نے فرمایا کہ وہ چیز ثمن نہ ہو اس سے روپے اور اشرفی نکل گئے اس لئے کہ وہ ثمن ہیں تو اُن میں بدلی جائز نہیں امام مالک کا اس میں خلاف ہے یا گنتی سے بکنے کی چیز ہو تو ایسی ہو کہ اُس کے افراد باہم قریب قریب ہوتے ہوں جیسے اخروٹ اور انڈے اور پیسے الخ علامہ شامی نے فرمایا کہ مصنف نے جو پیسہ کہا اولیٰ یہ ہے کہ پیسے کہیں اس لئے کہ فلس واحد کا صیغہ ہے، اسم جنس نہیں،

---

[1] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۷

وفیہ خلاف محمد لمنعہ بیع الفلس بالفلسین الا ان ظاہر الروایۃ عنہ کقولہما وبیان الفرق فی النہر وغیرہ اھ[1] فکان النہر انما ابداہ تاویلا لفتوٰی قارئ الہدایۃ حتی یحصل لہ مستند ولو فی النوادر ولم یرد بہ تعویلا علیہ، وفی الہدایۃ وکذا فی الفلوس عددا وقیل ہذا عند ابی حنیفۃ وابی یوسف رحمہما اللہ تعالٰی وعند محمد لایجوز لانہا اثمان ولہما ان الثمنیۃ فی حقہما باصطلاحہما فتبطل باصطلاحہما قال فی الفتح ای یجوز السلم فی الفلوس عددا ہکذا ذکرہ محمد رحمہ اللہ تعالٰی فی الجامع من غیر ذکر خلاف فکان ہذا ظاہر الروایۃ عنہ و قیل بل ہذا قول ابی حنیفۃ وابی یوسف اما عندہ فلایجوز بدلیل منعہ بیع الفلس بالفلسین فی باب الربٰو لانہا اثمان واذا کانت اثمانا لم یجز السلم فیہا لکن ظاہر الروایۃ

بعض نے کہا کہ اس مسئلہ میں امام محمد کا خلاف ہے اس لئے کہ وُہ دو پیسوں کو ایک پیسہ بیچنا منع فرماتے ہیں مگر روایت مشہورہ ان سے بھی مثل قول امام اعظم اور ابو یوسف کے ہے اور فرق کا بیان نہر وغیرہ میں ہے انتہی تو گویا نہر نے یہ بات فتوی قاری الہدایہ کی تاویل کے لئے ظاہر کی تاکہ اُس کے لئے کوئی سند ہوجائے اگرچہ نوادر میں اور اس سے اُس پر اعتماد کرنا نہ چاہا، اور ہدایہ میں ہے یونہی پیسوں میں بدلی جائز ہے اُن کی گنتی مقرر کرکے، اور کہا گیا کہ کہ یہ امام اعظم اور امام ابو یوسف کے نزدیک ہے اور امام محمد کے نزدیک جائز نہیں اس لئے کہ پیسے ثمن ہیں اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ ثمن ہونا بائع و مشتری کے حق میں ان کی اصطلاح کی بناء پر ہے تو اُن کی اصطلاح سے باطل بھی ہوجائے گا، فتح القدیر میں فرمایا پیسوں میں گنتی سے بدلی جائز ہے اسی طرح امام محمد نے جامع میں ذکر فرمایا اور کسی خلاف کا نام نہ لیا، تو یہی امام محمد سے روایت مشہورہ ہوئی اور بعض نے کہا کہ یہ قول شیخین کا ہے امام محمد کے نزدیک جائز نہیں اس دلیل سے کہ وہ دو پیسوں کو ایک پیسہ سے بیچنا منع فرماتے ہیں کہ وُہ ثمن ہیں اور جب وہ ثمن ہوئے تو ان میں بدلی جائز نہ ہوئی مگر روایت مشہورہ میں

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب السلم داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۲۰۳
[2] الہدایہ 〃 〃 مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/۹۳

عنه الجواز والفرق له بين البیع و السلم ان من ضرورة السلم کون المسلم فیه مثمنا فاذا اقدما علی السلم فقد تضمن ابطالهما اصطلاحهما علی الثمنیة و یصح السلم فیها علی الوجه الذی یتعامل فیها به وھو العد بخلاف البیع فانه یجوز ورودہ علی الثمن فلا موجب لخروجها فیه عن الثمنیة فلا یجوز التفاضل فامتنع بیع الفلس بالفلسین[1] اھ اقول لکن فی الفرق نظر فان محمدا لا یقول بخروجها عن الثمنیة بمجرد قصد العاقدین مع اتفاق سائر الناس علیها قال فی الھدایة یجوز بیع الفلس بالفلسین باعیانهما عند ابی حنیفة و ابی یوسف رحمهما اللہ تعالٰی وقال محمد رحمه اللہ تعالٰی لا یجوز لان الثمنیة تثبت باصطلاح الکل فلا تبطل باصطلاحهما و اذا بقیت اثمانا لاتتعین فصار کما اذا کانا بغیر اعیانهما و کبیع الدرھم بالدرھمین ولهما ان الثمنیة فی حقهما تثبت باصطلاحهما الخ[2]

امام محمد سے بھی جواز ہی ہے اور بیع اور بدلی میں وہ یہ فرق کرتے ہیں کہ بدلی میں تو یہ امر ضرور ہے کہ جو چیز وعدہ پر لینی ٹھہرے وہ ثمن نہ ہو تو جب انھوں نے پیسوں کی بدلی پر اقدام کیا تو ضمناً اُن کی اصطلاح ثمنیت کو باطل کردیا اور اُن کی بدلی اُسی طور پر جائز ہے جس طرح اُن میں معاملہ کیا جاتا ہے یعنی گن کر بخلاف بیع کہ وہ ثمن پر بھی وارد ہوسکتی ہے تو بیع میں ان کو ثمنیت سے خارج کرنے کا کوئی موجب نہیں تو کمی بیشی جائز نہ ہوئی اور ایک پیسہ کی دو پیسے سے بیع منع ٹھہری انتہی **اقول** (میں کہتا ہوں) مگر اس فرق میں اعتراض ہے اس لئے کہ امام محمد اس کے قائل ہی نہیں کہ صرف عاقدین کے ارادہ سے وہ ثمنیت سے خارج ہوجائیں حالانکہ باقی تمام لوگ اس کے ثمن ہونے پر متفق ہیں، ہدایہ میں فرمایا کہ امام اعظم و امام ابویوسف کے نزدیک ایک پیسہ دو پیسے معین کو بیچنا جائز ہے اور امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا جائز نہیں اس لئے ان کا ثمن ہونا سب لوگوں کی اصطلاح سے ثابت ہوا تھا تو صرف ان دو کی اصطلاح سے باطل نہ ہوجائیگا اور جبکہ وہ ثمنیت پر باقی رہے تو متعین نہ ہوں گے تو یہ ایسا ہی ہوگیا جیسے ایک پیسہ دو پیسے غیر معین کو بیچ لیا اور جیسے ایک معین روپیہ دو معین روپے کو بیچ لیا اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ ثمنیت عاقدین کے حق میں ان کی اصطلاح سے ثابت

---

[1] فتح القدیر کتاب البیوع باب السلم مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۲۰۹
[2] الھدایہ کتاب البیوع باب الربٰو مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۳

آخر ما تقدم وقد اقره المحقق فی
الفتح وقررہ علی ھذا النھج
فکیف یقول محمد ھھنا ان اقدامھما
علی السلم ابطال منھما لاصطلاح
الثمنیة الاان یقال ان ھذا رجوع
عن التعلیل الاول ولم یکن
عن نص محمد وانما ابداہ المشایخ
وظھر الاٰن بھذا الفرق ان الوجه
لمحمد لم یکن ذٰلک بل ھو ایضا قائل
بان لھما ابطال الاصطلاح فی حقھما
ولکن اذا ثبت ھذا عنھما
وقد ثبت فی السلم لان المسلم
فیه لایکون ثمنا قط فاقدامھما
علی جعلھا مسلما فیھا دلیل
علی الابطال ولم یثبت فی
البیع اذلیس من ضرورته ان
لایکون المبیع ثمنا فلم یثبت منھما
ابطال الاصطلاح فبقیت اثمانا فلم
تتعین فبطل البیع وھذا التقریر علی
ھذا الوجه ربما یمیل الی ترجیح
قول محمد فی البیع فافھم
واللّٰه تعالٰی اعلم۔

ہوتی ہے آخر تقریر گزشتہ تک اور بیشک محقق نے
اسے فتح القدیر میں مقرر رکھا اور اسی طور پر اس کی
تقریر کی تو امام محمد یہاں کس طرح فرمائیں گے کہ عاقدین
کا ان کی بدلی پر اقدام کرنا ان کی اصطلاح ثمنیت
کو باطل مان لینا ہے مگر یہ کہا جائے کہ یہ پہلی تعلیل
سے رجوع ہے اور وہ تعلیل خود امام محمد سے منقول
نہ تھی مشائخ نے پیدا کی تھی اور اب اس فرق سے
ظاہر ہوا کہ امام محمد کے نزدیک وجہ وہ نہ تھی بلکہ وہ
بھی اسی کے قائل ہیں کہ عاقدین کو اپنے حق میں
ثمنیت باطل کرنے کا اختیار ہے مگر یہ جب ہے
کہ عاقدین سے ابطال ثمنیت کا ارادہ ثابت ہوجائے
اور وہ بدلی میں ضرور ثابت ہوگیا اس لئے کہ اُس
میں جو چیز وعدہ پر لینی ٹھہرے وہ کبھی ثمن نہیں
ہوسکتی تو پیسوں میں بدلی پر اُن کا اقدام ان کی
ثمنیت باطل کرنے کی دلیل ہے اور بیع میں ان کا
یہ ارادہ ثابت نہ ہوا کہ اُس میں بیع کا ثمن نہ ہونا
کچھ ضرور نہیں تو عاقدین سے ابطال اصطلاح
ثابت نہ ہوا تو پیسے بحال خود ثمن رہے تو متعین
نہ ہوئے تو بیع باطل ہوئی اور یہ تقریر اس طرز
پر بھی اس طرف جھکے گی کہ مسئلہ بیع میں امام
محمد کے قول کو ترجیح دی جائے، تو غور کرو،
واللہ تعالٰی اعلم۔

عہ یشیر الی الجواب بان الحاجة الی

عہ یہ اس جواب کی طرف اشارہ ہے کہ عقد صحیح

(باقی برصفحہ آئندہ)

واما الحادی عشر

فاقول نعم يجوز بيعه بازيد من رقمه وبانقص منه كيفما تراضيا لما علمت ان تقديرها بهذه المقادير انما حدث باصطلاح الناس وهما لا ولاية للغير عليهما كما تقدم عن الهداية والفتح فلهما ان يقدرا بما شاءا من نقص وزيادة وقد تم الجواب بهذا القدر عند كل من له سلامة الفكر وقد افتيت به مرارا وافتى عليه نا[illegible] من كبار علماء الهند كالفاضل الكامل محمد ارشاد حسين الرامفوری رحمه الله تعالى

جواب سوال یازدہم

فاقول (تو میں کہتا ہوں) ہاں نوٹ پر جتنی رقم لکھی ہے اُس سے زیادہ یا کم کو جتنے پر رضامندی ہوجائے اُس کا بیچنا جائز ہے اس لئے کہ اوپر معلوم ہوچکا کہ نوٹ کا ان مقداروں سے اندازہ کرنا صرف لوگوں کی اصطلاح سے پیدا ہوا ہے اور بائع ومشتری پر اُن کے غیر کی کوئی ولایت نہیں، جیسا کہ ہدایہ وفتح القدیر سے گزرا تو اُن دونوں کو اختیار ہے کہ کم زیادہ جتنا چاہیں اندازہ مقرر کرلیں جو شخص فکرِ سلیم رکھتا ہے اُس کے نزدیک جواب اتنے ہی سے پورا ہوگیا اور میں نے بارہا اس پر فتوی دیا اور اکابر علمائے ہند سے متعدد عالموں کا یہی فتوی ہوا جیسے فاضل کامل مولوی محمد ارشاد حسین صاحب رامپوری رحمۃ اللہ تعالی علیہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تصحیح العقد یکفی قرینة علی ذلک ولا یلزم کون ذلک ناشیا عن نفس ذات العقد کمن باع درهما ودینارین بدرهمین ودینار یحمل علی الجواز صرفا للجنس الی خلاف الجنس مع ان نفس ذات العقد لا تابی مقابلة الجنس بالجنس واحتمال الربا کتحققه فما الحامل علیه الا حاجة التصحیح وکم له من نظیر اھ منه۔

کرنے کی حاجت اس پر کافی قرینہ ہے اور اس کا خود ذات عقد کی طرف سے ناشئ ہونا کچھ ضرور نہیں جیسے کوئی ایک روپیہ اور دو اشرفیاں دو روپوں اور ایک اشرفی کو بیچے تو اسے صورتِ جواز پر حمل کریں گے جنس کو غیر جنس کی طرف پھیر کر حالانکہ خود ذات عقد میں جنس کے مقابل جنس ہونے سے انکار نہیں اور سود کا شُبہ مثل حقیقت کے ہے تو اس پر یہی حاجت تصحیح عقد کا باعث، اور اس کی نظیریں بکثرت ہیں ۱۲ منہ۔

وغیرہ وما خالفنی فیھا الا رجل[عہ] من لکنؤ ممن یعدّ من الاعیان ویشار الیہ بالبنان ولم اطلع علی خلافہ الا بعد موتہ لمّا طبعت وریقات باسم فتاواہ ولو راجعتہ فی حیاتہ لرجوت ان یرجع لان الرجل کان اذا عرّف عرف واذا عرف انصرف فالاٰن ان یدك بیانا بعد بیان لایبقی ان شاء اللّٰہ للحق الا القبول والاذعان **فاقول اولاً** نص علماؤنا قاطبۃ ان علۃ حرمۃ الربا القدر المعھود بکیل او وزن مع الجنس فان وجد احرم الفضل والنسأ وان عدما حلا وان وجد احدھما حل الفضل وحرم النسأ وھذہ قاعدۃ غیر منخرمۃ وعلیھا تدور جمیع فروع الباب ومعلوم ان لا اشتراك فی النوط والدراھم فی جنس ولا قدر اما الجنس فلان ھذا قرطاس وتلك فضۃ واما القدر فلان الدراھم

وغیرہ اور اس میں میرا خلاف نہ کیا مگر لکھنؤ کے ایک شخص[عہ] نے جو عمائد سے گنے جاتے اور ان کی طرف انگلیاں اٹھتیں اور مجھے اُن کے خلاف پر اطلاع نہ ہوئی مگر ان کی موت کے بعد جبکہ کچھ مختصر ورق اُن کے فتاوٰی کے نام سے چھپے اور اگر میں ان کی زندگی میں اس بارے میں اُن سے گفتگو کرتا تو اُمید تھی کہ وہ رجوع کر لیتے کہ اُن صاحب کی عادت تھی جب سمجھائے جاتے تو سمجھ لیتے اور جب سمجھ لیتے تو واپس آتے اور اب میں تجھے ایضاح کے بعد اور ایضاح زیادہ کروں جو ان شاء اللہ تعالٰی حق کے لئے نہ باقی رکھے سوا قبول و تسلیم کے، **فاقول** (تو میں کہتا ہوں) **اوّلاً** ہمارے جمیع علماء رحمہم اللہ تعالٰی نے تصریح فرمائی کہ حرمتِ ربا کی علت وہ خاص اندازہ یعنی ناپ یا تول ہے اتحادِ جنس کے ساتھ، تو اگر قدر و جنس دونوں پائی جائیں تو بیشی اور ادھار دونوں حرام ہیں، اور اگر وہ دونوں نہ پائی جائیں تو حلال ہیں، اور اگر دونوں میں سے ایک پائی جائے تو بیشی حلال اور ادھار حرام ہے، اور یہ ایک عام قاعدہ ہے جو کہیں منتقض نہیں اور بابِ ربا کے جمیع مسائل اسی پر دائر ہیں اور معلوم ہے کہ نوٹ اور روپوں میں شرکت نہ قدر میں ہے نہ جنس میں، جنس میں تو اس لئے نہیں کہ یہ کاغذ ہے اور وہ چاندی اور قدر میں اس لئے نہیں کہ روپے تول کی

[عہ] یعنی المولوی عبدالحی اللکنوی اھ منہ

[عہ] جن کو مولوی عبدالحی صاحب کہا جاتا ہے ۱۲ منہ

موزونۃ ولا قدر للنوط اصلا لا مکیل و
لا موزون فیجب ان یحل الفضل والنسأ
جمیعا فاذن لیس النوط من الاموال
الربویۃ اصلا وسنزیدک تحقیق الامر فی
ذلک عن قریب ان شاء اللہ تعالٰی **وثانیا**
قال فی ردالمحتار وغیرہ کلما حرم الفضل
حرم النسأ ولاعکس وکلما حل النسأ حل
الفضل ولاعکس[1] اھ وقد اقمنا البرھان
القاطع فی جواب التاسع علی حل النسأ
ھٰھنا فوجب حل الفضل و
انتظر ما یأتی **وثالثا** ھذا سیدنا
رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم
یقول اذا اختلفت ھذہ الاصناف فبیعوا
کیف شئتم[2] رواہ مسلم عن عبادۃ بن
الصامت رضی اللہ تعالٰی عنہ فمن
الحاجر بعد اذن رسول اللہ
صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم
ورابعا ھذہ دلائل واضحۃ لاتخفٰی
حتی علی الصبیان والاٰن اٰتیک بشیئ
یکون لک فیہ مجال تکلم بحسب
عقلک ثم اکشف الحجاب لابانۃ الصواب
فاقول ارأیتک ھل لیس من المعلوم عندک

چیز ہیں اور نوٹ نہ تول کی نہ ناپ کی، تو واجب ہوا
کہ بیشی اور ادھار دونوں جائز ہوں، تو ظاہر ہوا کہ
نوٹ سرے سے مال ربا ہی سے نہیں اور ہم
ان شاء اللہ تعالٰی عنقریب زیادہ تحقیق بیان
کریں گے **ثانیاً** ردالمحتار وغیرہ میں فرمایا جہاں
بیشی حرام ہوتی ہے ادھار بھی حرام ہے اور
اس کا عکس نہیں[1] اور جہاں اُدھار حلال ہو بیشی بھی
حلال ہوتی ہے اور اس کا عکس نہیں انتہی اور ہم
جواب سوال نہم میں دلیل قطعی قائم کرچکے ہیں کہ
نوٹ میں ادھار جائز ہے تو واجب ہوا کہ بیشی
بھی حلال ہو اور آئندہ تقریر کے منتظر رہو ــــ
ثالثاً یہ ہمارے سردار رسول اللہ صلے اللہ
تعالٰی علیہ وسلم کہ فرما رہے ہیں جب جنس مختلف ہو
تو جیسے چاہو بیچو[2] یہ حدیث صحیح مسلم میں عبادہ بن
صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے تو رسول اللہ
صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اجازت کے بعد منع
کرنے والا کون ہے، **رابعاً** یہ تو ایسی روشن
دلیلیں ہیں کہ بچے پر بھی مخفی نہ رہیں اور اب میں
تجھ سے ایک ایسی چیز بیان کروں جس میں تجھے
اپنی عقل کے لائق کچھ کلام کی گنجائش ہو پھر اظہار صواب
کے لئے اس کا پردہ کھولوں **فاقول** (تو میں
کہتا ہوں) بھلا بتا تو کیا تجھے اور ہر ذی عقل کو معلوم

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربوٰ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۷۹-۱۸۰
[2] صحیح مسلم " " قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۵

وعند کل من لہ عقل ان المال الذی یکون فی السعر العام المعروف المجمع علیہ من الناس بعشرۃ دراھم یجوز لکل احد ان یبیعہ برضا المشتری بمائۃ او یعطیہ بفلس واحد ولاحجر فی شیئ من ذٰلک عن الشرع المطہر قال تعالٰی الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم[1]، وقد قال فی الفتح کما تقدم ان لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولایکرہ[2] وکل احد یعلم ان قطعۃ قرطاس لاتبلغ قیمتہ الفا ولامائۃ ولادرھما واحدا قط فما ذٰلک الا لان القیمۃ والثمن متغایران ولا یجب علیھما التقید بھا فیما ثامنا بل لھما ان یقدرا الثمن باضعاف القیمۃ او بجزء من مائۃ جزء لھا فان قلت ھذا فی السلعۃ اما النوط فثمن اصطلاحا قلت اولا فکان ماذا وقد ابنت الجواب بقولک اصطلاحا فان اصطلاح غیرھما لیس مکرھا لھما فضاع الفرق وضاء الحق وثانیا ان سلمنا انھما

نہیں کہ وہ مال کہ عام بھاؤ سے سب کے نزدیک دس روپے کی قیمت کا ہے ہر شخص کو جائز ہے کہ خریدار کی رضامندی سے اسے سَو روپے کو بیچے یا ایک پیسہ کو دے دے اور شرع مطہر کی طرف سے اس بارے میں کوئی روک نہیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے، مگر یہ کہ کوئی سودا ہو تمھاری آپس کی رضامندی کا۔ اور بیشک فتح القدیر میں فرمایا جیسا کہ اوپر گزرا کہ اگر ایک کاغذ ہزار روپے کو بیچا جائز ہے اور اصلاً مکروہ بھی نہیں، اور ہر شخص جانتا ہے کہ کاغذ کے ایک ٹکڑے کی قیمت ہرگز نہ ہزار روپے تک پہنچتی ہے نہ سَو تک نہ ایک روپے تک، تو اس کا یہی سبب ہے کہ قیمت اور ثمن جدا جدا چیزیں ہیں اور بائع و مشتری پر قیمت (یعنی بازار کے بھاؤ) کی پابندی ثمن میں لازم نہیں (یعنی جو ان کے باہم قرار داد ہوا) بلکہ انھیں اختیار ہے کہ بازار کے بھاؤ سے کئی گنے زائد پر رضامندی کرلیں یا اس کے سوویں حصہ پر، اب اگر تُو کہے کہ یہ تو متاع کا حکم ہے اور نوٹ تو اصطلاح میں ثمن ہے میں کہوں گا اوّلاً پھر کیا ہوا تُو نے اصطلاحاً کہہ کر خود ہی جواب ظاہر کردیا کہ اوروں کی اصطلاح عاقدین کو مجبور نہیں کرتی تو فرق ضائع ہوا اور حق واضح ہوگیا ثانیاً ہم نے مانا

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹
[2] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

لایقدران علی ابطال الثمنیة فمن
این لك ان الاثمان الاصطلاحیة
لایمکن التغییر فیہا عن التقدیر
المصطلح الا تری ان فلوس ربیة
متعینة بتعیین العرف ابدا فکل
صبی عاقل یعقل ان ربیة بست
عشرة آنة لا بخمس عشرة ولا بسبع
عشرة ثم ہذا التعیین العرفی وکونہا اثمانا
مصطلحة لایحرم علی العاقدین النقص
والزیادة قال فی التنویر وشرحہ للعلائی
من اعطی صیرفیا درھما کبیرا فقال اعطنی بہ
نصف درھم فلوسا ونصفا الاحبة صح ویکون
النصف الاحبة بمثلہ وما بقی بالفلوس اھ[1]
ولفظ الہدایة لوقال اعطنی بنصفہ
فلوسا وبنصفہ نصفا الاحبة جاز[2]
وثالثا اعلم ان الثمن الاصطلاحی
ہذان حجران ثمنان خلقة و
لا یقدر احد علی ابطال ثمنیتہما
وقد عقل کل من عقل
ان الدینار یساوی ابدا عدة
دراھم ولا یوجد دینار قط یقوم
بدرھم واحد ومع ذلك نص ائمتنا

کہ عاقدین ابطالِ ثمنیت پر قادر نہ ہوں تو یہ تو نے
کہاں سے نکالا کہ اصطلاحی ثمنوں کی مقدار مصطلح سے
تغییر جائز نہیں، کیا تمہیں دیکھتا کہ ایک روپے کے
پیسے عرف کی تعیین سے ہمیشہ متعین رہتے ہیں کہ
ہر سمجھ والا بچہ جانتا ہے کہ ایک روپیہ سولہ آنے
کا ہے نہ پندرہ کا، نہ سترہ کا۔ پھر یہ عرفی تعیین اور
پیسوں کا ثمن اصطلاحی ہونا بائع و مشتری پر
کمی بیشی حرام نہیں کرتا۔ تنویر الابصار اور اُس کی
شرح درمختار میں فرمایا جس نے صراف کو ایک روپیہ
دیا اور کہا اس کے عوض مجھے آٹھ آنے کے پیسے
دے دے اور ایک سکہ کہ اٹھنی سے رتی بھر
کم ہو تو ایسی بیع جائز ہے روپے کی اتنی چاندی
جو اس چھوٹے سکہ کے برابر ہو وہ تو اس سکہ کے
عوض رہے گی اور باقی کے عوض پیسے انتہی، اور
ہدایہ کی عبارت یُوں ہے کہ اگر کہا آٹھ آنے پیسے
دے دو اور رتی کم اٹھنی تو جائز ہے ثالثاً ثمن
اصطلاحی سے اوپر چل یہ ہیں سونا چاندی کہ
اصل پیدائش میں ثمن ہیں اور کوئی شخص ان کی
ثمنیت باطل کرنے پر قادر نہیں اور ہر عاقل جانتا
ہے کہ اشرفی ہمیشہ کئی روپے کی ہوتی ہے اور
ہرگز کوئی اشرفی نہ پائی جائے گی جو ایک روپے
قیمت کی ہو اور باوصف اس کے ہمارے ائمہ نے

---

[1] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع باب الربٰو مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۷
[2] الہدایۃ کتاب الصرف مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۱۲

ان بیع دینار بدرھم صحیح لا ربا فیہ
وما ذلك الا لان الجنس اذا اختلف
حل التفاضل واختلاف جنس النوط
والربا بی مما لا یجھلہ الا مجنون
قال فی الھدایۃ والدر وعامۃ
الاسفار الغر صح بیع درھمین
ودینار بدرھم ودینارین
بصرف الجنس بخلاف
جنسہ وکذا بیع احد عشر
درھما بعشرۃ دراھم ودینار اھ[1]
قال ابن عابدین فتکون
العشرۃ بالعشرۃ والدرھم
بالدینار اھ[2] فاذا صح بیع ربیۃ
بجنیہ قیمتہ بالعرف العام خمس
عشرۃ ربیۃ ولم یکن
ربا فکیف یکون بیع نوط
مرقوم علیہ رقم عشرۃ باثنتی
عشرۃ ربیۃ ربا ما ھذا الا
بھت بحت فان قلت ماذکرتم من المسائل
وان صح البیع فیھا لکنہ مکروہ والمکروہ
ممنوع فلا یحل وان صح کذا ھذا قال فی
الھدایۃ لو تبایعا فضۃ بفضۃ او ذھبا بذھب

تصریح فرمائی کہ ایک اشرفی ایک روپے کی بیچنا
صحیح ہے اور اس میں اصلاً ربا نہیں اور اس
کے سوا اس کا کوئی سبب نہیں کہ جب جنس مختلف
ہوں تو کمی بیشی جائز ہے اور نوٹ اور روپوں
کی جنس مختلف ہونا ایسی بات ہے جس سے کوئی
مجنون ہی ناواقف ہو۔ ہدایہ اور درمختار اور عام
نورانی کتابوں میں فرمایا دو روپوں اور ایک اشرفی
کو ایک روپے اور دو اشرفی کے عوض بیچنا درست
ہے کہ ہر جنس اپنی مخالف جنس کے مقابل
کردی جائے گی اسی طرح گیارہ روپوں کو دس
روپے اور ایک اشرفی کے عوض بیچنا انتہی،
ردالمحتار میں فرمایا دس روپے تو دس روپے
بدلے ہوجائیں گے اور گیارھویں روپے کے
بدلے ایک اشرفی انتہی، تو جب ایک روپیہ
ایک اشرفی کو بیچنا درست ہوا جس کی قیمت
عام طور پر پندرہ روپے ہیں اور ربا نہ ہوا
تو دس کا نوٹ بارہ کو بیچنا کیونکر سود ہوگا، یہ
تو بڑا بہتان ہے، اگر تو کہے کہ یہ جو مسئلے تم
نے ذکر کیے ان میں اگرچہ بیع صحیح ہے مگر
مکروہ ہے اور مکروہ ممنوع ہوتا ہے تو حلال
نہ ہوگا اگرچہ صحیح ہوا ایسے ہی یہاں ہے، ہدایہ
میں فرمایا اگر سونے کو سونے یا چاندی کو چاندی

[1] الہدایہ کتاب الصرف مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/۹۔۱۰۸
الدرالمختار کتاب البیوع باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/۵۵
[2] ردالمحتار " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/۲۳۹

واحد هما اقل ومع اقلهما شیئ
أخر تبلغ قیمته باقی الفضة جاز
البیع من غیر کراهیة وان لم تبلغ
فمع الکراهة وان لم یکن قیمة
کالتراب لایجوز البیع لتحقق الربا
اذ الزیادة لایقابلها عوض فیکون
ربا[1] اھ واقرہ فی الفتح والشروح
والبحر ورد المحتار وغیرها ومعلوم
ان مطلق الکراهة ینصرف
الی کراهة التحریم بل قال
عبد الحلیم علی الدرر بعد نقل
المسئلة واحالة تفصیلها علی الفتح
ما نصہ اذا عرفت هذا فما یتداول فی
الدولة العثمانیة من بیع
قرش واحد بثمانین درهما
عثمانیا لم یجز لزیادة القرش
ولوکان مع الدراهم نحو
فلس جاز مع الکراهة فالواجب
علی المحتاط تسویتهما وزنا
اویکون قیمة ما کان
مع الدراهم قدر قیمة
الزیادة حتی یخلص عن
عهدة الکراهة اھ[2] فقد صرح

سے بچا اور ایک طرف کم ہے اور اس کے ساتھ
کوئی اور چیز شامل ہے جس کی قیمت باقی چاندی
کے برابر ہے جب تو بیع بلاکراہت جائز ہے اور
اگر اُتنی قیمت کی نہیں تو کراہت کے ساتھ اور
اگر اس کی قیمت کچھ نہیں جیسے مٹی تو اب بیع
جائز ہی نہ ہوگی کہ سُود موجود ہے اس لئے کہ
جتنی زیادتی ایک طرف رہی اُس کے مقابل دوسری
طرف کچھ نہیں تو سُود ہوگا انتہی ، اور اس کلام
کو فتح القدیر اور دیگر شروح اور بحر اور رد المحتار
وغیرہ میں برقرار رکھا اور معلوم ہے کہ لفظ کراہت
جب مطلق بولتے ہیں تو اس سے کراہت
تحریم مراد ہوتی ہے بلکہ فاضل عبد الحلیم نے حاشیہ
درر میں یہ مسئلہ نقل کیا اور اس کی تفصیل کو
فتح القدیر پر حوالہ کرکے یُوں کہا جب تجھے یہ
معلوم ہوچکا تو وُہ جو سلطنت عثمانیہ میں رائج ہے
کہ ایک ایک قرش اسّی روپے عثمانی کو بیچتے
ہیں جائز نہیں اس لئے کہ قرش زائد ہے اور
اگر روپوں کے ساتھ مثلاً ایک پیسہ ہو تو کراہت
کے ساتھ جائز ہے تو احتیاط والے پر واجب ہے
کہ ان دونوں کا وزن برابر کرلے یا وُہ چیز جو
روپوں کے ساتھ ملائی جائے اتنی قیمت کی ہو
جس قدر قرش میں روپوں پر زیادتی ہے تاکہ
کراہت سے عہدہ برآ ہو انتہی ، تو انھوں نے

[1] الهدایۃ کتاب البیوع باب الصرف مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۰۹
[2] حاشیۃ الدرر لعبد الحلیم

بالوجوب فکان فی خلافہ کراھۃ تحریم وکفی بھا للتأثیم، قلت جئت لك بتقریر الاعتراض بما لو ابدیتہ من نصك لعلك لم تقدر علی احسن منہ الاٰن اسمع الجواب بتوفیق الوھاب عزجلالہ اما اولاً فلانہ این ذھب عنك فرق الخلق والاصطلاح فان مالیۃ الذھب وکونہ اعزمن اضعاف وزنہ من الفضۃ امر خلقی لامدخل فیہ لفرض احد وتقدیرہ ففی مقابلۃ دینار بدرھم ینقدح رجحان المالیۃ فی کل ذھن بخلاف النوط فان تقدیرہ لعشرۃ مثلا انما ھو مجرد اصطلاح من الناس والا فنفس القرطاس لایساوی درھما ولو عشرۃ فان نظرت الی الاصل فبیع ما قدر بعشرۃ ایضا رجحان عظیم فی المالیۃ وان نظر الی الاصطلاح فاصطلاح غیر حاکم علی العاقدین کما اسمعناك نص الھدایۃ والفتح فاذا قدرہ الناس لعشرۃ وما ھو فی اصلہ الا بفلس مثلاً فما المانع لھما ان یقدراہ باثنی عشر فصاعدا او ثمانیۃ فما دونھا فلا مساس لھٰذہ المسألۃ بما نحن فیہ واما ثانیا فلان کلامھم فی مقابلۃ الجنس بالجنس اذ فیہ یظھر الفضل الاتری الی قولہ

وجوب کی تصریح کردی تو اس کا خلاف مکروہ تحریمی ہوا اور گناہ کے لئے کراہت تحریم کافی ہے، میں کہوں گا کہ تیرے لئے میں نے اس اعتراض کی اس طور پر تقریر کردی کہ اگر تو اپنی طرف سے کرتا تو شاید اس سے بہتر نہ کرسکتا اور اب وہاب جل جلالہ کی توفیق سے جواب سُن اوّلاً پیدائش اور اصطلاح کا فرق تیرے ذہن سے کدھر جاتا رہا کہ سونے کی مالیت اور اس کا چاندی سے کئی گنا ہونا ایک خلقی بات ہے جس میں کسی کے فرض وقرارداد کو دخل نہیں تو ایک اشرفی ایک روپے سے بدلنے میں مالیت کی زیادتی ہر ذہن میں آجائے گی بخلاف نوٹ کے کہ مثلاً اس کی قیمت دس روپے ہونا صرف لوگوں کی اصطلاح سے ہے ورنہ خود کاغذ تو نہ ایک روپیہ کا ہے نہ روپے کے دسویں حصہ کا، تو اگر تو اصل کو دیکھے تو دس کا نوٹ دس کو بیچنے میں بھی مالیت میں زیادتی ہے اور اگر اصطلاح کو دیکھیں تو اصطلاح بائع ومشتری پر حاکم نہیں جیسا کہ ہم نے تجھ کو ہدایہ وفتح القدیر کا نص سنادیا تو جب لوگوں نے اسے دس کا قرار دے لیا اور وہ اپنی اصل میں مثلاً ایک ہی پیسے کا ہے تو بائع ومشتری کو اس سے کون منع کرتا ہے وہ اسے بارہ یا زیادہ یا آٹھ یا اس سے بھی کم کا ٹھہرالیں تو اس مسئلہ کو ہماری بحث سے کوئی علاقہ نہیں، ثانیاً اُن کا کلام اس صورت میں ہے جب جنس کے بدلے جنس ہو کہ اُسی میں زیادتی ظاہر ہوتی ہے تو کیا تُو نے ہدایہ کا یہ قول نہ دیکھا

تبايعا فضة بفضة او ذهبا بذهب واحدهما
اقل[1] ولم يقل تبايعا فضة بذهب
واحدها اقل مالية بالسعر المعهود فاذا
قوبل الذهب بالذهب المساوى له
ظهر الفضل وحينئذ يميز العقل ان
المضاف هل يبلغ مقدار هذا الفضل
اولا بخلاف النوط بالدراهم فانهما
جنسان مختلفان فانى يظهر
الفضل، ومتى يطابق الفرع
الاصل قال فى الفتح الربا هو
الفضل المستحق لاحد المتعاقدين
فى المعاوضة الخالى عن
عوض شرط فى العقد، وعلمت
ان الخلو فى المعاوضة
لايتحقق الا عند المقابلة بالجنس[2] اھ
وقد قال سيدنا رسول الله صلى
الله تعالى عليه وسلم اذا
اختلف النوعان فبيعوا كيف شئتم[3]
فهذا اطلاق منه صلى الله تعالى
عليه وسلم وهو الشارع واليه
المرجع واليه المفزع فمن

جب چاندی چاندی سے یا سونا سونے سے بیچا
اور ایک طرف کمی ہے، اور یوں نہ فرمایا کہ سونے کو
چاندی سے بیچا اور نرخ معروف کے اعتبار سے
ایک طرف مالیت کم ہے تو سونا اپنی برابر کے سونے
کے برابر جب کیا جائے گا زیادتی ظاہر ہو جائیگی
اور اُس وقت عقل یہ تمیز کرے گی کہ وہ چیز جو کم کے
ساتھ ملائی گئی ہے اس زیادت کے قدر کو پہنچتی ہے
یا نہیں بخلاف اُس کے کہ نوٹ روپوں کو بیچیں کہ وہ
دو جنس مختلف ہیں تو زیادتی کدھر سے ظاہر ہو گی
اور یہ فرع اس اصل کے کیونکر مطابق آئے گی،
فتح القدیر میں فرمایا، ربا وہ زیادتی ہے کہ عقد
معاوضہ میں عاقدین میں سے کسی کو اس کا مستحق قرار
دیا جائے اور اس زیادتی کے مقابل کوئی عوض
اس عقد میں شرط نہ کیا گیا ہو اور تجھے معلوم ہو گیا کہ عوض
سے خالی ہونا اسی وقت متحقق ہو گا جبکہ شے کا اس
کے جنس سے مقابلہ کیا جائے انتہی۔ اور بیشک
ہمارے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا
جب دو چیزیں مختلف قسم کی ہوں تو جیسے چاہو بیچو۔
تو یہ نبی کریم صلے اللہ تعالٰی کی طرف سے اجازت
ہے اور حضور ہی صاحبِ شرع ہیں اور حضور ہی کی
طرف رجوع اور حضور ہی کے یہاں پناہ، تو

---

[1] الہدایہ — کتاب الصرف — مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۰۹
[2] فتح القدیر — کتاب البیوع — باب الربا — مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۵۱
[3] نصب الرایۃ لاحادیث الہدایۃ — کتاب البیوع — المکتبۃ الاسلامیۃ لصاحبہا الریاض ۴/ ۴

حجرة بعده ما سوغه فيرد عليه
ولا يسمع، واما ثالثا فان الكراهة
فيما اذا لم يبلغ المضموم قيمة
الفضل انما اثرت عن محمد
اما الامام الاعظم والهمام الاقدم
وصاحب المذهب الاكرم رضي الله تعالٰى
عنه فقد نص على عدم الكراهة
فيه قال في الفتح بعد ذكر المسألة
قيل لمحمد كيف تجده في قلبك
قال مثل الجبل ولم تروا الكراهة
عن ابي حنيفة بل صرح في الايضاح انه
لا باس به عند ابي حنيفة اھ[۱] وسيأتي
في مثله عن البحر عن القنية عن
البقالي ان عدم الكراهة هو مذهب
ابي حنيفة وابي يوسف معا رضي الله
تعالٰى عنهما وفي الهندية قبيل الكفالة
عن محيط السرخسي عن محمد رحمه الله
تعالٰى انه قال لو باع الدرهم بالدرهم
وفي احدهما فضل من حيث الوزن وفي
الأخر فلوس جاز ولكن اكرهه لان الناس
يعتادون التعامل بمثل هذا ويستعملونه
فيما لا يجوز، وقال ابو حنيفة رحمه
الله تعالٰى لا باس به لانه

نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی جائز کی ہوئی چیز کو جو
منع کرے تو اس کا منع کرنا اسی پر رَد کردیا جائے گا
اور مسموع نہ ہوگا، ثالثاً جس حالت میں کم کے
ساتھ ملائی ہوئی چیز کی قیمت مقدار زیادت کو نہ پہنچے
حکم کراہت صرف امام محمد سے مروی ہے اور امام اعظم
ہمام اقدم صاحبِ مذہب اکرم رضی اللہ تعالٰی
عنہ نے تصریح فرمائی کہ اُس میں کچھ کراہت نہیں،
فتح القدیر میں اس مسئلہ کو ذکر کرکے فرمایا امام محمد سے
عرض کی گئی کہ اس کو آپ اپنے نزدیک کیسا پاتے ہیں؟
فرمایا پہاڑ کی طرح گراں، اور امام اعظم سے کراہت
مروی نہیں بلکہ ایضاح میں تصریح فرمائی کہ اُس میں
امام اعظم کے نزدیک کچھ حرج نہیں انتہی۔ اور اس
صورت کی مثل میں عنقریب بحر سے بحوالہ قنیہ آتا
ہے کہ امام بقالی نے فرمایا کہ اس میں کراہت نہ ہونا
امام اعظم اور امام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہما دونوں
کا مذہب ہے اور فتاوٰی عالمگیری میں کفالت سے
کچھ پہلے بحوالہ محیط امام سرخسی امام محمد سے ہے کہ
اگر ایک روپیہ ایک روپیہ کو بیچا اور ایک وزن میں
زیادہ ہے اور کم وزن والے کے ساتھ کچھ پیسے ہیں
تو جائز ہے مگر میں اُسے مکروہ سمجھتا ہوں کہ لوگ اس
قسم کے معاملے کے عادی ہوجائیں گے پھر ناجائز
جگہ بھی یہ کاروائی کرنے لگیں گے اور امام اعظم نے
فرمایا اس میں کچھ حرج نہیں اس واسطے کہ اُسے یوں

---

[۱] فتح القدیر کتاب الصرف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/۲۷۱

امکن تصحیحه بان یجعل الفضل بازاء الفلوس[1] و بالجملة النقل عن الامام فاش مستفیض و معلوم ان العمل والفتوی علی قول الامام علی الاطلاق الا لضرورة کتعامل بخلافه و نحوه وقد فصلناه فی کتاب النکاح من العطایا النبویة بمالامزید علیه، واما رابعا وهو الطراز المعلم فلان الحق ان هذه الکراهة لیست[عہ] الا کراهة تنزیه

صحیح ٹھہرانا ممکن ہے کہ وہ زیادتی پیسوں کے مقابل ہوجائے، بالجملہ امام سے یہ روایت مشہور و معروف ہے اور معلوم ہے کہ عمل و فتوٰی ہمیشہ قولِ امام پر ہے مگر کسی ضرورت سے، جیسے کہ عمل درآمد مسلمانوں کا اُس کے خلاف پر ہوگیا ہو، اور ایسی ہی بات ہم نے العطایا النبویہ کی کتاب النکاح میں ایسی مفصل بیان کی ہے جس سے زیادہ کوئی بیان نہیں۔ رابعًا اور وہی سب سے زیادہ چمکتی بات ہے حق یہ کہ یہ کراہت صرف کراہت تنزیہی ہے کراہت کے

عہ **اقول** محمد و ما ادرٰك ما محمد، محمد سید مسود محرر المذهب المسدد قال فی الجامع الکبیر الذی هو من کتب ظاهر الروایة اذا کانت هذه الدراهم صنوفا مختلفة منها ما ثلثاها فضة و منها ما ثلثاها صفر و منها نصفها فضة فلا باس ببیع احدها بالاٰخر متفاضلا یدا بید بصرف فضة هذا الی صفر ذلك و بالعکس کما لو باع صفرا او فضة بصفر وفضة و لا یجوز نسیئة لانه یجمعهما الوزن وهما ثمنان فیحرم النساء و اما اذا باع جنسا منها بذلك الجنس متفاضلا

اقول (میں کہتا ہوں) محمد، اور تُو نے کیا جانا کیا محمد، محمد سردار ہیں سردار کئے گئے، مذہب مستقیم کی تحریر و تلخیص فرمانے والے، وُہ جامع کبیر میں (کہ کتب ظاہر الروایۃ سے ہے) فرماتے ہیں جب کھوٹے روپے مختلف قسم کے ہوں کسی میں دو تہائی چاندی ہو، کسی میں دو تہائی پیتل، کسی میں آدھوں آدھ چاندی، تو ان میں ایک قسم کا روپیہ دوسری قسم کے رُپے سے کمی بیشی کے ساتھ بیچنے میں کچھ حرج نہیں جبکہ دست بدست ہو اس لئے کہ اس کی چاندی اس کے پیتل سے بیچنا قرار دینگے اور اس کی چاندی اس کے پیتل سے جیسے کوئی شخص پیتل اور چاندی پیتل اور چاندی کے بدلے بیچے، ہاں اُدھار بیچنا روا نہ ہوگا کہ دونوں کو وزن شامل ہے اور دونوں ثمن ہیں تو اُدھار حرام ہے۔ رہا ان میں کسی قسم کا روپیہ

(باقی برصفحہ آئندہ)

ولا تغتر بالاطلاق فانهم ربما يطلقون ‏ مطلق چھوڑنے سے دھوکا نہ کھانا کہ فقہاء بارہا اسے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

فلو الفضة غالبة لا یجوز لان المغلوب ساقط الاعتبار فکان الکل فضة فلا یجوز الا مثلا بمثل ولو الصفر غالبا او کانا سواء جاز متفاضلا صرفا للجنس الی خلاف جنسه ویشترط کونه یدا بید[1] نقله فی الفصل السادس من بیوع الذخیرة وقال وعلی هذا قالوا اذا باع من العدلیات التی فی زماننا واحدا باثنین یجوز یدا بید[2] اھ اقول و اباحة التفاضل یشمل واحدا باثنین و بمائة وبالوف فلیکن واحد مما ثلثاه صفر فی الوزن ثلثة ارباع ما نصفه فضة فیکون ثلثا ذاك و نصف هذا مساویین فی الوزن وبیع واحد من ذالك بعشرة آلاف من هذا یدا بید ولا بد من

اسی قسم کے روپے سے کمی بیشی کو بیچا اس میں اگر اس روپے میں چاندی کا حصہ زیادہ ہے تو جائز نہیں کہ مغلوب اعتبار سے ساقط ہے تو گویا وہ نری چاندی ہے تو برابری کو بیچنی جائز ہوگی اور اگر پیتل زیادہ یا دونوں برابر ہیں تو کمی بیشی جائز ہوگی، اسی طرح کہ ہر ایک کی چاندی دوسرے کے پیتل کے کے مقابلہ کریں گے اور دست بدست ہونا ضروری ہوگا کہ دونوں طرف چاندی بھی ہے فقط پیتل نہیں کر باعیا نہا ہونا یعنی تعیین شرط ہوگی اسے فتاوی ذخیرہ کی کتاب البیوع فصل ششم میں نقل کیا اور کہا اسی بنا پر مشائخ نے فرمایا کہ ہمارے زمانے میں جو کھوٹے روپے عدلی نام سے چلتے ہیں ان میں ایک روپیہ دو روپوں سے دست بدست بیچنا جائز ہے انتہی۔ اقول (میں کہتا ہوں) اور جب کمی بیشی روا ہوئی تو جیسے ایک روپیہ دو روپے کو بیچنا ویسے ہی سو، ویسے ہی ہزاروں کو۔ اب فرض کیجئے کہ وہ روپیہ جس میں دو تہائی پیتل ہے تول میں اس روپے کا پونا ہے جس میں آدھی چاندی ہے تو اس کی دو تہائی اور اس کا آدھا تول میں برابر ہونگے اور ان میں کا ایک روپیہ ان میں کے دس ہزار روپوں کو دست بدست بیچا اور یہ ضرور ہے کہ

[1] الجامع الکبیر [2] فتاوی ذخیرہ کتاب البیوع فصل ششم

(باقی برصفحہ آئندہ)

ویریدون بہ ماھو اعم من التنزیہ
والتحریم وربما یطلقون ولا
یریدون بہ الا کراھۃ تنزیہ
کمالا یخفی من عاشر نفائس عرائس
کلماتھم وقد نصوا علیہ فی غیر
موضع قال فی رد المحتار
قبیل باب الشھید ماذکرہ غیرہ
(ای غیر الامام الطحطاوی) من
کراھۃ الوطء والقعود ای علی القبور الخ
یراد بہ کراھۃ التنزیہ عہ فی غیر
قضاء الحاجۃ وغایۃ

مطلق چھوڑتے ہیں اور اُس سے مراد وہ معنی ہوتے
ہیں جو کراہت تنزیہی اور تحریمی دونوں کو عام ہیں
اور بارہا مطلق بولتے ہیں اور اُس سے صرف کراہت
تنزیہیہ مراد لیتے ہیں جیسا کہ اس پر پوشیدہ نہیں
جس نے ان کے کلمات کی نفیس دُلہنوں کے ساتھ
زندگی بسر کی ہے اور علماء نے اس معنی کی متعدد
مواضع میں تصریح فرمائی ردالمحتار میں باب شہید
سے کچھ پہلے ہے امام طحطاوی کے سوا اور علماء نے
جو قبروں پر پاؤں رکھنے اور بیٹھنے کی کراہت ذکر فرمائی
ہے الخ قضائے حاجت کے سوا اور صورتوں میں اس
سے کراہت تنزیہ مراد ہے اور زیادہ سے زیادہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

صرف الجنس الی خلافہ فکانت عشرۃ
آلاف من الفضۃ بواحد من الصفر
وای ارباء فی المالیۃ تزید اکثر من
ھذا وھذا محرر المذھب محمد ناصا
علی انہ لاباس فوجب ان لاتکون الکراھۃ
ان کانت الا کراھۃ تنزیہ ولا کلام
لاحد بعد نص صاحب المذھب فعلیک
بہ وباللہ التوفیق ۱۲ منہ۔

عہ ھذا اما مال الیہ ھنا فالحق کراھۃ
التحریم کما حققتہ فی رسالتی
"الامر باحترام المقابر" وقد اعترف بہ

جنس کو خلاف جنس کے مقابل ٹھہرائیں تو چاندی
کے دس ہزار پیتل کے ایک کو بکے اس سے زیادہ
مالیت میں اور کیا بیشی چاہتا ہے اور یہ محرر مذہب
ہیں کہ صاف فرما رہے ہیں کہ اس میں کوئی حرج
نہیں تو واجب ہوا کہ اس میں اگر کراہت ہو
تو صرف کراہت تنزیہ ہوا اور خود صاحب مذہب
کی تصریح کے بعد کسی کو کلام کی کیا گنجائش ہے تو
اسی پر جم جاؤ اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے ۱۲ منہ

عہ یہ وہ حکم ہے جس کی طرف علامہ شامی یہاں
مائل ہوئے اور حق یہ ہے کہ قبر پر پاؤں رکھنا یا بیٹھنا
مکروہ تحریمی ہے جیسا کہ میں نے اپنے رسالہ

(باقی بر صفحہ آئندہ)

مافیہ اطلاق الکراھۃ علی مایشمل المعنیین وھذا کثیر فی کلامھم و منہ قولھم مکروھات الصلوٰۃ[1] اھ بل قال فی الدر المختار فی فصل الاستنجاء تحت قول الماتن یکرہ للمرأۃ امساک صغیر لبول نحو القبلۃ الخ ھذہ تعم التحریمیۃ والتنزیھیۃ[2] اھ وقال الشامی فی مکروھات الوضوء لیست الکراھۃ مصروفۃ الی التحریم مطلقا[3] اھ، وقال قبلہ بقلیل تحت قولہ ومکروھہ ھو ضد المحبوب قد یطلق علی الحرام وعلی المکروہ تحریما وعلی المکروہ تنزیھا ثم نقل عن البحر ان المکروہ فی ھذا الباب نوعان ماکرہ

اس متن میں یہ ہوا کہ کراہت ایک ایسے معنی پر بولی گئی جو تحریم وتنزیہ دونوں کو شامل ہے اور یہ ان کے کلام میں بکثرت ہے اسی باب سے ہے فقہا کا مکروہاتِ نماز فرمانا انتہی بلکہ درمختار کی فصل استنجا میں مصنف کے اس قول کے نیچے کہ عورت کو مکروہ ہے کہ بچے کو پیشاب کے لئے قبلہ کی طرف بٹھائے الخ یہ فرمایا کہ کراہت تحریم وتنزیہ دونوں کو عام ہے انتہی اور شامی نے مکروہاتِ وضو میں فرمایا کراہت مطلقاً تحریم ہی کی طرف نہیں پھیری جاتی انتہی۔ اور اس سے کچھ پہلے جہاں مصنف نے کہا کہ وضو کے مکروہ یہ یہ ہیں یہ فرمایا کہ مکروہ ضد ہے محبوب کی، اور وہ کبھی حرام پر بولا جاتا ہے اور کبھی مکروہ تحریمی پر اور کبھی مکروہ تنزیہی پر، پھر بحرالرائق سے نقل کیا کہ مکروہ اس باب میں دو قسم ہیں ایک مکروہ تحریمی اور جب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ھذا المحقق اعنی الشامی فی کتابہ ھذا فی فصل الاستنجاء اذ قال انھم نصوا علی ان المرور فی سکۃ حادثۃ فی المقابر حرام[4] اھ منہ ۱۲۔

الامر باحترام المقابر[12] میں اس کی تحقیق کی اور بیشک محقق شامی خود اپنی کتاب کی فصل استنجاء میں اس کے معترف ہوئے کہ فرمایا علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ قبروں میں جو نیا راستہ نکلا ہو اس میں چلنا حرام ہے ۱۲ منہ۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ الجنائز داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۶۰۶

[2] درمختار شرح تنویر الابصار فصل الاستنجاء مطبع مجتبائی دہلی ۱/۵۷

[3] ردالمحتار کتاب الطہارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۹۰

[4] ردالمحتار کتاب الطہارۃ فصل فی الاستنجاء " " " ۱/۲۲۹

تحریما وھو المحمل عند اطلاقھم الکراھة والمکروہ تنزیھا وکثیرا ما یطلقونه کما فی شرح المنیة فحینئذ اذا ذکروا مکروھا فلابد من النظر فی دلیله فان کان نھیا ظنیا یحکم بکراھة التحریم الا لصارف فان لم یکن نھیا بل مفید الترك الغیر الجازم فھی تنزیھیة[1] اھ ملخصا قلت ومن الاخیر قول المتون کالتنویر وغیرہ یکرہ امامة عبد[2]، فی الدر تنزیھا[3]، قال ابن عابدین لقوله فی الاصل امامة غیرھم احب الی بحر عن المجتبی والمعراج[4] اھ اذا علمت ھذا وجب الفحص عن الدلیل انه الی ای الکراھتین یمیل کما افادہ البحر فی البحر فرأیناھم یستدلون علی الکراھة المذکورة بوجھین لا یفید شیئ منھما کراھة التحریم وانما

وہ کراہت کو مطلق رکھتے ہیں تو اسی پر محمول ہوتی ہے، دوسرا مکروہ تنزیہی اور بکثرت اسے بھی مطلق چھوڑتے ہیں جیسا کہ شرح منیہ میں ہے اور جب بات یہ ہے تو جس وقت فقہا کسی شیئ کو مکروہ کہیں تو اس کی دلیل پر نظر لازم ہوگی اگر وُہ دلیل کوئی ظنی نہی ہے تو کراہت تحریم کا حکم دیں گے مگر کسی اور دلیل کے باعث جو اس سے پھیر دے، اور اگر وہ دلیل نہی نہ ہو بلکہ غیر قطعی ترک چاہتی ہے تو وہ کراہت تنزیہی ہے انتہی ملخصًا، میں کہتا ہوں شکل اخیر سے ہے متون مثل تنویر وغیرہ کا یہ قول کہ غلام کی امامت مکروہ ہے، درمختار میں فرمایا تنزیہًا، شامی نے کہا اس کے تنزیہی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ امام نے مبسوط میں فرمایا ان کے غیر کی امامت مجھے زیادہ پسند ہے یہ بحرالرائق میں مجتبٰی اور معراج سے ہے انتہی، جب تجھے یہ معلوم ہولیا تو واجب ہوا کہ دلیل تلاش کریں کہ وُہ دونوں کراہتوں میں کس طرف جُھکتی ہے جیسا کہ دریائے علم نے بحرالرائق میں افادہ فرمایا اب ہم نے علماء کو دیکھا کہ اس کراہت پر دو وجہ سے استدلال کرتے ہیں اور اُن میں کوئی بھی کراہتِ تحریم کا فائدہ نہیں دیتی اُن کی نہایت

---

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۸۹
[2] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۳
[3] " " " " " ۱/۸۳
[4] ردالمحتار " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۳۷۶

قصارا بهما التنزیه قال فی العنایة
الکراهة اما لانه احتیال لسقوط
الربا فیصیر کبیع العینة فی اخذ الزیادة
بالحیلة واما لانه یفضی الی ان
یالف الناس فیستعملوا ذلک فیما لایجوز[1] اھ
ونقل فی الفتح عن الایضاح الوجه
الثانی ثم قال وهکذا ذکر فی المحیط
ایضا ثم قال وقیل انما کرهه لانهما
باشرا الحیلة الی اٰخر[2] مامر فی
الوجه الاول وصاحب العنایة بعد ذکر
الوجهین عاد فحصر فی الوجه الاول
حیث قال الکراهة انما هی للاحتیال
لسقوط ربا الفضل[3] اھ وعلیه اقتصر
فی الکفایة قال انما کره لانه احتیال
لسقوط الربا بان یأخذ الزیادة بالحیلة
فیکره کبیع العینة فانه مکروه لهذا[4] اھ
وانت تعلم ان فی الوجه الثانی
ترک ما لا بأس به حذرا
مما به بأس فهو مقام
الورع وترک الورع لا یوجب
کراهة تحریم وقد قال

صرف کراہت تنزیہ ہے۔ عنایہ میں فرمایا کراہت
یا تو اس لئے ہے کہ وہ دفع ربا کا حیلہ ہے تو بیع
عینہ کے مثل ہو جائے گا کہ حیلہ کرکے زیادہ لیا اور
یا اس لئے ہے کہ لوگ اس کے خوگر ہو جائیں گے
تو پھر ناجائز جگہ بھی ایسی کارروائی کرنے لگیں گے
انتہی، اور فتح القدیر میں ایضاح سے وجہ دوم
نقل فرمائی، پھر فرمایا کہ اسی طرح محیط میں ذکر
کیا، پھر فرمایا بعض کہتے ہیں اس لئے مکروہ ہوا
کہ انھوں نے ایک حیلہ کیا وہی تقریر جو وجہ اول
میں گزری اور صاحب عنایہ نے دونوں وجہیں
ذکر کرکے بالآخر وجہ اول میں حصر کر دیا جہاں کہ
فرمایا کراہت صرف اس وجہ سے ہے کہ انھوں
نے اسی سے زیادتی ربا کے دفع کا حیلہ کیا انتہی

اور اسی پر کفایہ میں اقتصار فرمایا کہ وہ صرف
اس لئے مکروہ ہے کہ وہ ربا ساقط کرنے کا حیلہ ہے
تاکہ حیلہ سے زیادت حاصل کرے تو مکروہ ہوگا
جیسے بیع عینہ کہ وہ بھی اسی سبب سے مکروہ ہے
انتہی، اور تو جانتا ہے کہ وجہ دوم کا حاصل تو
صرف اس قدر ہے کہ خرابی کے ڈر سے اس چیز
کو چھوڑے جس میں خرابی نہیں تو یہ مقام ورع کا
ہے اور ورع چھوڑنے میں کراہت تحریمی نہیں آتی

---

1 العنایة علی ہامش فتح القدیر کتاب الصرف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/۲۷۱-۲۷۲
2 فتح القدیر " " " " " ۶/۲۷۱
3 العنایة علی ہامش فتح القدیر " " " " ۶/۲۷۲
4 الکفایة مع فتح القدیر " " " " " ۶/۲۷۱

يفضي الى ان يالفوه فيستعملوه فيما لايجوز فافاد ان هذا استعماله فيما يجوز و انما كره خشية التجاوز الى ما لا يجوز و اما الوجه الاول فابين و اظهر فان الاحتيال لسقوط الربا فرار عنه وهو غير ممنوع بل الممنوع الوقوع فيه وقد علّم علماؤنا رحمهم الله تعالٰى عدة حيل لتحصيل الفضل من دون حصول الربا وقد عقد لها الامام فقيه النفس قاضي خان في فتاواه فصلا مستقلا فقال فصل فيما يكون فرارا عن الربا وقال فيه رجل له على رجل عشرة دراهم فاراد ان يجعلها ثلثة عشر الى اجل قالوا يشتري من المديون شيئا بتلك العشرة و يقبض المبيع ثم يبيع من المديون بثلثة عشر الى سنة فيقع التحرز عن الحرام ومثل هذا مروي عن رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم انه امر بذلك[1] اھ ومثله في البحر عن الخلاصة عن النوازل للامام الفقيه ابي الليث رحمه الله تعالٰى ثم قال في الخانية

اور خود فرمایا کہ وہ اس طرف لیجائے گی کہ اس کے عادی ہوجائیں تو ناجائز جگہ بھی اُسے برتنے لگیں تو صاف بتادیا کہ یہ کاروائی جائز جگہ پر ہے اور کراہت فقط اس خوف سے ہوئی کہ بڑھ کر ناجائز تک نہ پہنچ جائیں، رہی پہلی وجہ وُہ اور بھی زیادہ واضح و روشن ہے کہ ربا ساقط کرنے کے لئے حیلہ کرنا تو ربا سے بھاگنا ہے اور وہ منع نہیں بلکہ ممنوع تو ربا میں پڑنا ہے اور بیشک ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالٰی نے اس کے متعدد حیلے تعلیم فرمائے ہیں کہ زیادہ لیں اور سود نہ ہو، اور امام فقیہ النفس قاضی خاں نے اپنے فتاوٰی میں اس کے لئے ایک مستقل فصل وضع کی، فرمایا کہ یہ فصل ہے اُن باتوں کے بیان میں جو سُود سے گریز ہیں اور اس میں ایک حیلہ یہ بیان فرمایا کہ ایک شخص کے دوسرے پر دس روپے آتے تھے اس نے یہ چاہا کہ میں دس کے تیرہ کرلوں ایک میعاد تک، علماء نے فرمایا کہ وُہ مدیون سے اُن دس کے عوض کوئی چیز خرید لے اور اس پر قبضہ کرلے پھر وہی چیز اس مدیون کے ہاتھ سال بھر کے وعدہ پر تیرہ روپے کو بیچ ڈالے تو حرام سے بچ جائے گا اور اس کا مثل نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہُوا کہ حضور نے ایسا کرنے کا حکم دیا انتہی، اور اسی طرح بحرالرائق میں بحوالہ خلاصہ، نوازل امام فقیہ ابواللیث رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے ہے۔ پھر خانیہ میں (دوسرا حیلہ) یہ فرمایا

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیوع باب فی بیع مال الربٰو نولکشور لکھنؤ ۲/۴۰۶

رجل طلب من رجل دراهم ليقرضه
بده دوازده فوضع المستقرض متاعا
بين يدي المقرض فيقول للمقرض
بعت منك هذا المتاع بمائة درهم
فيشتري المقرض و يدفع اليه
الدراهم و يأخذ المتاع ثم يقول المستقرض
بعني هذا المتاع بمائة وعشرين
فيبيعه ليحصل للمستقرض مائة
درهم ويعود اليه متاعه و يجب
للمقرض عليه مائة وعشرون
درهما والاوثق والاحوط ان
يقول المستقرض للمقرض بعد
ما قرر المعاملة كل مقالة
وشرط كان بيننا فقد تركته ثم
يعقدان بيع المتاع[1] اھ ثم قال فان
كان المتاع للمقرض وليس
للمستقرض شيء و يريد ان
يقرضه عشرة بثلثة عشر
الى اجل فان المقرض
يبيع من المستقرض سلعة
بثلثة عشر ويسلم السلعة الى
المستقرض ثم ان المستقرض
يبيع السلعة من اجنبي بعشرة

ایک شخص نے دوسرے سے کچھ روپے قرض مانگے
اس طور کہ دینے والے کو دس کے بارہ ملیں تو یوں
چاہئے کہ قرض لینے والا دینے والے کے سامنے
کوئی متاع رکھے اور اس سے کہے میں نے یہ متاع
تیرے ہاتھ سو روپے کو بیچی قرض دینے والا خرید لے
اور روپے اسے دے دے اور متاع پر قبضہ
کرلے پھر قرض لینے والا اس سے کہے یہ متاع میرے
ہاتھ ایک سو بیس روپے کو بیچ ڈال وہ بیع کردے
تاکہ قرض لینے والے کو سو روپے مل جائیں اور
اُس کی متاع بھی اس کے پاس واپس آئے اور
قرض دینے والے کے اس پر ایک سو بیس لازم آئیں
اور زیادہ اطمینان و احتیاط کی بات یہ ہے کہ قرض
لینے والا قرض دینے والے سے معاملہ مذکورہ کی
قرارداد کرکے یوں کہہ دے کہ جو کچھ گفتگو اور شرط
ہمارے آپس میں ٹھہری تھی وہ میں نے چھوڑ دی
پھر متاع کی خرید و فروخت کریں انتہی۔ تیسرا حیلہ
یہ فرمایا کہ وہ متاع بھی قرض دینے والے کی ہو قرض
لینے والے کے پاس کوئی متاع بھی نہیں اور دینے والا
چاہتا ہے کہ دس روپے قرض دے اور کسی میعاد
پر تیرہ روپے اس سے وصول کرے تو قرض دینے
والا لینے والے کے ہاتھ کوئی متاع تیرہ روپے کو
بیچے اور متاع اُس کے قبضہ میں دے دے پھر
قرض لینے والا اس متاع کو کسی اجنبی کے ہاتھ دس

---

[1] فتاوی قاضی خاں کتاب البیوع باب فی بیع مال الربٰو نولکشور لکھنؤ ۲/ ۴۰۶

ویدفع السلعة الی الاجنبی ثم الاجنبی یبیع السلعة من المقرض بعشرۃ ویأخذ بعشرۃ منه ویدفعها الی المستقرض فیبرأ الاجنبی من الثمن الذی کان علیه للمستقرض و فتصل السلعة الی المقرض بعشرۃ و للمقرض علی المستقرض ثلثة عشر الی اجل[1] اھ ثم قال وحیلة اخری ان یبیع المقرض سلعة بثلثة عشر الی اجل معلوم و یدفع السلعة الی المستقرض ثم یبیعه المستقرض من الاجنبی ثم ان المستقرض یقیل البیع مع الاجنبی قبل القبض اوبعدہ ثم یبیعها المستقرض من المقرض بعشرۃ و یاخذ العشرۃ فیحصل للمستقرض عشرۃ وعلیه للمقرض ثلثة عشر و تصل السلعة الی المقرض والمقرض وان صار مشتریا ما باع باقل مما باع قبل الثمن الا ان ذلک جائز لتخلل البیع الثانی وهو البیع الذی جری بین المستقرض و الاجنبی[2] اھ ثم قال وحیلة اخری ان

روپے کو بیچے اور وہ متاع اُس اجنبی کو دے دے وہ اجنبی قرض دینے والے کے ہاتھ دس کو بیچ ڈالے اور وہ اجنبی اُس سے دس روپے لے کر قرض لینے والے کو دے دے تو اجنبی پر جو قرض لینے والے کا دَین تھا وہ اُتر جائے گا اور وہ متاع قرض دینے والے کے پاس دس میں پہنچ جائیگی اور قرض لینے والے پر اُس کے تیرہ روپے ایک وعدہ پر لازم ہوجائیں گے انتہی ۔ چوتھا حیلہ یہ فرمایا کہ قرض دینے والا لینے والے کے ہاتھ کوئی متاع ایک معین وعدہ پر تیرہ روپے کو بیچے اور اس کے قبضہ میں دے دے اور قرض لینے والا اسے کسی اجنبی کے ہاتھ بیچے پھر قرض لینے والا اُس اجنبی کے ساتھ بیع فسخ کرے خواہ متاع اس کے قبضہ میں دی ہو یا نہ دی ہو پھر قرض لینے والا دینے والے کے ہاتھ اُسے دس کو بیچے تو قرض لینے والے کو دس روپے ملیں گے اور دینے والے کے اُس پر تیرہ لازم ہوں گے اور متاع دینے والے کے پاس پہنچ جائے گی قرض دینے والے نے اس صورت میں اگرچہ اپنی بیچی ہوئی چیز اوائے ثمن سے پہلے جس قدر کو بیچی تھی اُس سے کم کو خرید لی مگر یہاں یہ جائز ہے اس واسطے کہ بیچ میں دوسری بیع آگئی وہ جو قرض لینے والے اور اجنبی میں ہوئی انتہی ۔ پھر ایک حیلہ یہ فرمایا کہ

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیوع باب فی بیع مال الربٰو نولکشور لکھنؤ ۲/۴۰۶

[2] " " " " " ۲/۴۰۷

يبيع المقرض من المستقرض سلعة بثمن
مؤجل و يدفع السلعة الى المستقرض
ثم ان المستقرض يبيعها من غيره
باقل مما اشترى ثم ذلك الغير يبيعها
من المقرض بما اشترى لتصل السلعة
اليه بعينها و يأخذ الثمن و يدفعه
الى المستقرض فيصل المستقرض
الى القرض و يحصل الربح للمقرض اهـ[1]
اقول هذه هى الحيلة الثالثة المارة
قال و هذه الحيلة هى العينة التى
ذكرها محمد رحمه الله تعالى و
مشايخ بلخ بيع العينة فى زماننا
خير من البيوع التى تجرى فى
اسواقنا وعن ابى يوسف رحمه الله تعالى
انه قال العينة جائزة ماجورة
وقال اجره لمكان الفرار من
الحرام اهـ ثم قال رجل له
عشرة دراهم صحاح فاراد
ان يبيعها باثنى عشر درهما
مكسرة لا يجوز لانه ربا فان
اراد الحيلة يستقرض من
المشترى اثنى عشر درهما
مكسرة ثم يقضيه عشرة جيادا ثم ان

قرض دینے والا لینے والے کے ہاتھ کوئی متاع
ادھار بیچے اور متاع اس کے قبضہ میں دے دے
پھر قرض لینے والا اُس متاع کو کسی اور کے ہاتھ
اُتنے سے کم کو بیچے جتنے کو خریدی پھر وہ دوسرا شخص
اس قرض دینے والے کے ہاتھ اتنے کو بیچے جتنے
کو خود خریدی تاکہ وہ متاع بعینہا اُسے پہنچ جائے
اور اُس سے قیمت لے کر قرض لینے والے کو دیدے
تو قرض لینے والے کو قرض مل جائیگا اور دینے والے
کو نفع حاصل ہوجائیگا انتہی ، **اقول** (میں کہتا
ہوں) یہ وہی تیسرا حیلہ ہے جو گزر چکا ، امام قاضیخان
نے فرمایا کہ اس حیلہ کا نام بیع عینہ ہے جس کو امام
محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے ذکر فرمایا اور مشائخ بلخ نے
فرمایا کہ بیع عینہ ان بیعوں سے کہ ہمارے بازاروں
میں آج کل رائج ہیں بہتر ہے ، اور امام ابو یوسف
رحمہ اللہ تعالٰی سے روایت ہے کہ انھوں نے
فرمایا عینہ جائز ہے اور اس پر ثواب ملے گا اور
فرمایا ثواب کی وجہ یہ ہے کہ اس میں حرام یعنی سود
سے بھاگنا ہے انتہی ۔ پانچواں حیلہ یہ فرمایا کہ
ایک شخص کے پاس دس روپے صحیح ہیں وہ چاہتا
ہے کہ ان کو بارہ روپے پھوٹے ہوؤں سے بیچے
تو جائز نہیں کہ سود ہے پھر اگر وہ حیلہ چاہے تو
یہ چاہیے کہ مشتری سے بارہ روپے پھوٹے ہوئے
قرض لے پھر دس کھرے اس کو ادا کرے پھر وہ

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب البیوع باب فی بیع مال الربٰو نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۰۷

المقرض یبرئه من درهمین فیجوز ذلك[1] اھ
ثم قال ولو کان له علی رجل عشرة دراهم
مسکرة الی اجل فلما حلّ الاجل جاء
المدیون بتسعة صحاح فقال هذه
التسعة بتلك العشرة لا یجوز لانه
ربا فان اراد الحیلة یأخذ التسعة
بالتسعة ویبرئه عن الدرهم الباقی
فان خاف المدیون ان لا یبرئه عن
الدرهم الباقی یدفع الی صاحب الدین
تسعة دراهم صحاحا وفلسا او شیئا
یسیرا عوضا من الدرهم الباقی جاز ذٰلك و
یقع الامن[2] اھ وفیها فوائد لا تخفی
علیك وسنمر علیها فیما یأتی ان شاء
الله تعالٰی وکفانا تشبیهه فی الوجه
الاول ببیع العینة وقولهم فانه
مکروه لهذا وذٰلك لانه لا یکره
الا تنزیها فکذا هذا ولا یهولنك
قول محمد انه یجده
مثل الجبل[3] فانه قال مثله
بل اشد منه فی العینة
وما ثبت لها الا الکراهة

اُسے باقی دو روپے معاف کر دے تو یہ جائز ہے،
چھٹا حیلہ یہ فرمایا اگر کسی شخص پر دس روپے پھوٹے ہوئے
ایک وعدہ پر آتے تھے جب وعدہ کا وقت آیا
مدیون نو روپے کھرے لایا اور کہا کہ اُن دس کے
بدلے یہ نو ہیں تو یوں جائز نہیں اس لئے کہ
سُود ہے، تو اگر حیلہ چاہے تو نو کے بدلے نو
لے لے اور ایک معاف کر دے پھر اگر مدیون کو اندیشہ
ہو کہ وہ ایک جو باقی رہا یہ معاف نہ کرے گا تو
قرض خواہ کو نو روپے کھرے اور ایک پیسہ یا کوئی
اور تھوڑی سی چیز اس باقی روپے کے عوض دے دے
تو اب جائز ہوگا اور وہ اندیشہ جاتا رہے گا انتہی،
اور اس عبارت میں وہ فائدے ہیں جو تجھ پر
پوشیدہ نہ رہیں گے اور آئندہ تقریر میں ان شاء اللہ
ہم اُوپر گزر کریں گے اور ہم کو یہی کافی ہے کہ وجہِ
اوّل میں اسے بیع عینہ سے تشبیہ دی اور علماء
نے فرمایا وہ بھی اسی وجہ سے مکروہ ہے اور یہ
اس لئے کہ بیع عینہ نہیں مگر مکروہ تنزیہی، تو
ایسے ہی یہ بھی، اور امام محمد کا یہ ارشاد کہ وہ ان
کے نزدیک پہاڑ کی طرح گراں ہے تجھے ہول میں
نہ ڈالے کہ انھوں نے ایسا ہی کہا بلکہ اس سے
بھی سخت تر بیع عینہ میں فرمایا ہے اور اس کے لئے

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیوع باب فی بیع مال الربٰو نولکشور لکھنؤ ۲/۴۰۷
[2] " " " " ۲/۴۰۷
[3] فتح القدیر کتاب الصرف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/۲۷۱

التنزیہ قال فی ردالمحتار عن
الطحطاوی عن ابی یوسف العینۃ جائزۃ
ماجور من عمل بھا کذا فی
مختار الفتاوی ھندیۃ وقال محمد
ھذا البیع فی قلبی کامثال الجبال ذمیم
اخترعہ اکلۃ الربا وقال علیہ الصلوۃ
والسلام اذا تبایعتم بالعین واتبعتم
اذناب البقر ذللتم وظھر علیکم
عدوکم، قال فی الفتح ولاکراھۃ
فیہ الاخلاف الاولٰی لما فیہ
من الاعراض من مبرۃ القرض اھ[1]
واقرہ علیہ فی البحر والنھر
والدر والشرنبلالیہ وغیرھا
وقال ایضا فی فتح القدیر قال
ابویوسف لایکرہ ھذا البیع
لانہ فعلہ کثیر من الصحابۃ
رضی اللہ تعالٰی عنھم وحمدوا علی
ذلک ولم یعدوہ من الربا اھ[2]
اقول قول ابی یوسف فعلہ کثیر
من الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم
مرسل اصولی فانہ عندنا
مالم یتصل سندہ مطلقا

ثابت نہ ہوئی مگر کراہت تنزیہ، ردالمحتار میں طحطاوی
اُس میں عالمگیری اُس میں مختار الفتوٰی اس میں
امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے ہے کہ عینہ جائز
ہے اس کے کرنیوالے کو ثواب ملے گا، اور امام محمد
رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا اس بیع کی برائی میرے
قلب میں پہاڑوں کے برابر ہے اسے سود خوروں نے
ایجاد کیا، اور نبی صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا
جب تم بطور عینہ خرید و فروخت کرو اور بیلوں کی
دُم کے پیچھے چلو تو ذلیل ہو جاؤ گے اور تمھارا دشمن
تم پر غالب آجائے گا۔ فتح القدیر میں فرمایا عینہ
میں کوئی کراہت نہیں سوا خلاف اولٰی کے، اس
لئے کہ اس میں قرض دینے کے اچھے سلوک سے
رُوگردانی ہے اھ۔ اور اسے بحرالرائق اور
نہرالفائق اور درمختار اور شرنبلالیہ وغیرہا نے
برقرار رکھا نیز فتح القدیر میں ہے امام ابویوسف
نے فرمایا یہ بیع مکروہ نہیں اس لئے کہ بہت سے
صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم نے اُسے کیا اور اُس کی
تعریف کی اور اسے سُود نہ ٹھہرایا انتہی **اقول**
(میں کہتا ہوں) امام ابویوسف کا فرمانا کہ اسے
بہت سے صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم نے کیا،
اصولِ فقہ کی اصطلاح پر حدیث مرسل ہے کہ
ہمارے نزدیک مرسل ہر اس حدیث کو کہتے ہیں جس

---

[1] ردالمحتار کتاب الصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۲۴۳
[2] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/۳۲۴

والفرق بین انواعه وتسمیتها
مرسلا ومنقطعا ومقطوعا ومعضلا
مجرد اصطلاح من المحدثین
لافادة ما یقع فیه من الصور، اما
الحکم فمتحد عندنا وهو القبول
اذا کان من ثقة کما حققناه فی کتابنا
منیر العین فی حکم تقبیل الابهامین ١٣
ونص علیه فی مسلم الثبوت وغیره
وای ثقة اوثق ترید من ابی یوسف
فاذا صح عن کثیر من الصحابة
رضی الله تعالٰی عنهم فعله و
مدحه لایعدل عنه لان مذهب
امامنا رضی الله تعالٰی عنه تقلیدهم
رضی الله تعالٰی عنهم وقد امرنا
رسول الله صلی الله تعالٰی علیه
وسلم باقتدائهم اما
الحدیث اذا تبایعتم بالعینة[1]،
رواه احمد وابوداؤد والبزار
وابویعلی والبیهقی عن
نافع عن ابن عمر رضی الله تعالٰی عنهما قال
ابن حجر سنده ضعیف وله عند احمد
اسناد اخر امثل من هذا[2] اھ

کی سند متصل نہ ہو اور اُس کے اقسام میں فرق
کرنا اور اُن کے جدا جدا نام مرسل و منقطع و مقطوع
و معضل رکھنا یہ محدثین کی نری اصطلاح ہے جس
سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اس میں کتنی صورتیں
ہوتی ہیں، رہا حکم وہ ہمارے نزدیک ایک ہے
اور وہ یہ ہے کہ ثقہ اگر کوئی حدیث مرسل لائے تو
مقبول ہے جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب منیر العین
فی حکم تقبیل الابہامین میں اس کی تحقیق بیان کی اور
مسلم الثبوت وغیرہ میں اس کی تصریح فرمائی اور
امام ابو یوسف سے بڑھ کر تجھے اور کون سا ثقہ
درکار ہے، تو جب بکثرت صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی
عنہم سے اس کا کرنا اور اس کی تعریف ثابت ہوئی
تو اس سے عدول نہ ہوگا اس لئے کہ ہمارے امام
رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب صحابہ رضی اللہ تعالٰی
عنہم کی تقلید ہے اور بیشک رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی
علیہ وسلم نے ہمیں ان کی پیروی کا حکم دیا، رہی وہ
حدیث کہ جب تم بطور عینہ خرید و فروخت کروگے
اسے امام احمد و ابوداؤد و بزار و ابویعلٰی و بیہقی نے
نافع سے انھوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی
عنہما سے روایت کیا امام ابن حجر نے فرمایا اس
کی سند ضعیف ہے اور امام احمد کے یہاں اس
کی ایک سند اور ہے اس سے بہتر انتہی۔

---

[1] سنن ابوداؤد باب فی النہی عن العینۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۳۴
مسند احمد بن حنبل مروی از عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۴۲، ۸۴

[2] میزان الاعتدال

وفی سندہ ابو عبدالرحمٰن الخراسانی اسحٰق بن اسید الانصاری، قال ابن ابی حاتم لیس بالمشھور وقال ابو حاتم لایشتغل بہ وقال الذھبی جائز الحدیث[1] ثم اعادہ فی الکنی فعد الحدیث من مناکیرہ[2] وقال فی التقریب فیہ ضعف[3] اھ۔ و بالجملۃ لاینزل عن درجۃ الحسن وقد رمز الامام السیوطی فی الجامع الصغیر لحسنہ وجاء من طرق کثیرۃ عقد لھا البیھقی بابا فی سننہ وبین عللھا اقول وظاھر کلام الفتح ان محمدا احتج بھذا الحدیث فاذن ھو صحیح ولاشک لان المجتھد اذا استدل بحدیث کان تصحیحا لہ کما افادہ المحقق حیث اطلق فی التحریر وغیرہ فی غیرہ وعلی کل فلیس فی الحدیث ما یدل علی منعہ الا تری الی قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم معہ واخذتم اذناب البقر[4] ای حرثتم

اور ابوداؤد کی سند میں ابوعبدالرحمٰن خراسانی اسحاق بن اسید انصاری ہیں، ابن ابی حاتم نے کہا وہ کچھ ایسے مشہور نہیں، اور ابوحاتم نے کہا اُن سے کام نہ رکھا جائے، اور ذہبی نے کہا وہ جائز الحدیث ہیں، پھر کنیتوں میں انھیں دوبارہ ذکر کیا اور اس حدیث کو اُن کی احادیث منکرہ سے گنا اور تقریب میں فرمایا کہ ان میں ضعف ہے انتہی۔ بالجملہ یہ حدیث درجہ حسن سے نازل نہیں، اور بیشک امام سیوطی نے جامع صغیر میں اس کے حسن ہونے کی رمز لکھی اور یہ حدیث بہت سندوں سے آئی جن کیلئے بیہقی نے اپنی سنن میں ایک فصل خاص وضع کی اور ان کی علتیں بیان کیں اقول کلام فتح القدیر سے ظاہر یہ ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی علیہ نے اس حدیث کو حجت ٹھہرایا ہے تو اس صورت میں تو وہ ضرور صحیح ہے اس لئے کہ مجتہد جب کسی حدیث سے استدلال کرے تو وہ اُس حدیث کی صحت کا حکم ہے جیسا کہ محقق علی الاطلاق نے تحریر اور اُن کے غیر نے غیر میں افادہ فرمایا بہرحال حدیث میں بیع عینہ کی ممانعت پر کوئی دلالت نہیں کیا اس کے ساتھ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کو نہیں دیکھتے کہ جب تم بیلوں کی دُمیں پکڑو

---

[1] میزان الاعتدال فی نقد الرجال ترجمہ ۷۳۰ اسحاق بن اسید دار المعرفۃ بیروت ۱/۱۸۴ و ۴/۵۴۷
[2] " " " " ۱۰۳۷۸ " ۴/۵۴۷
[3] تقریب التہذیب ترجمہ ۳۴۲ اسحاق بن اسید دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/۷۹
[4] سنن ابوداؤد کتاب البیوع باب فی النہی عن العینۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۱۳۴

وزارعتم كما فسره به في الفتح
قال لانهم حينئذ يتركون الجهاد
وتألف النفس الجبن[1] اه بل
هو في نفس رواية بلفظ اخذتم
اذناب البقر ورضيتم بالزرع و
تركتم الجهاد[2] الحديث و معلوم
ان الزرع غير منهي عنه بل هو
افضل وجوه الكسب بعد الجهاد
عند الجمهور وقيل التجارة ثم
الزراعة ثم الصناعة كما في
وجيز الكردري لاجرم لما
احتج في العناية بالحديث على
ذمه قال العلامة سعدي آفندي اقول
لوصح ذلك تكون الزراعة مذمومة
ايضا اه[3] ولم يعلل الكراهة في الهداية
والتبيين والدر وغيرها الا بالاعراض
عن مبرة الاقراض زاد في
الهداية مطاوعة لمذموم
البخل[4]، وانت تعلمان الاعراض
عن المبرة لا توجب كراهة تحريم

یعنی کھیتی کرو زراعت میں پڑو جیسا کہ اس کی یہ
تفسیر فتح القدیر میں فرمائی، فرمایا اس لئے کہ
وہ اس وقت جہاد چھوڑ دینگے اور طبیعت نامردی
کی عادی ہوجائے گی انتہی بلکہ وہ نفس روایت
ابوداؤد میں ان لفظوں سے ہے کہ جب تم بیلوں
کی دُمیں پکڑو اور کشت کاری میں پڑ جاؤ اور جہاد
چھوڑ دو آخر حدیث تک، اور معلوم ہے کہ کھیتی
منع نہیں بلکہ وہ جمہور کے نزدیک جہاد کے بعد
سب پیشوں سے افضل ہے، اور بعض نے
کہا کہ جہاد کے بعد تجارت، پھر زراعت، پھر
حرفت، جیسا کہ وجیز کردری میں ہے۔ و لہذا
جبکہ عنایہ میں اس حدیث سے بیع عینہ کی مذمت
پر دلیل لائے، علامہ سعدی آفندی نے فرمایا کہ
میں کہتا ہوں اگر یہ دلیل صحیح ہوجائے تو زراعت
بھی مذموم ہوجائے گی اھ اور ہدایہ و تبیین و
درمختار وغیرہا میں اس کی کراہت کی صرف اتنی
دلیل بتائی کہ اس میں قرض دینے کے نیک
سلوک سے روگردانی ہے، ہدایہ میں اتنا زیادہ
فرمایا کہ بخل مذموم کی پیروی کرکے، اور تجھے معلوم ہے
کہ نیک سلوک سے روگردانی کچھ کراہت تحریم کی

---

[1] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴
[2] سنن ابوداؤد کتاب البیوع باب فی النہی عن العینۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۳۴
[3] حاشیہ آفندی علی ہامش فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴
[4] الہدایہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۳-۱۲۲

ولذا قال فی الفتح لاباس فی هذا فان الاجل قابله قسط من الثمن والقرض غیر واجب علیه دائما بل هو مندوب[1] اھ و قال فی العنایۃ الاعراض عن الاقراض لیس بمکروہ والبخل الحاصل من طلب الربح فی التجارات کذٰلک والا لکانت المرابحۃ مکروھۃ[2] اھ، اقول بل لیست التجارۃ الا ان تبتغوا فضلا من ربکم والمماکسۃ فی المبایعۃ مسنونۃ، وقد قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم المغبون لا محمود ولا ماجور[3] رواہ اصحاب السنن عن الحسین بن علی والطبرانی فی الکبیر عن الحسن بن علی والخطیب عن سیدنا علی کرم اللہ تعالٰی وجوھھم الکرام فغایۃ ما فیہ کراھۃ التنزیہ والا فقد صح ان الصحابۃ فعلوہ وحمدوہ و فی حاشیۃ الفاضل عبد الحلیم معاصر العلامۃ الشرنبلالی رحمہما اللہ تعالٰی علی الدرر والمروی عن ابی یوسف انہ قال العینۃ جائزۃ مأجورۃ لمکان الفرار فیھا عن الحرام و

موجب نہیں، لہذا فتح القدیر میں فرمایا اس میں کچھ حرج نہیں کہ وعدہ کے مقابل تو ثمن کا ایک حصّہ ہولیا اور آدمی پر واجب نہیں کہ ہمیشہ قرض دیا کرے بلکہ وہ ایک نیک بات ہے انتہی، اور عنایہ میں فرمایا قرض دینے سے رُوگردانی مکروہ نہیں اور اتنا بخل کہ آدمی تجارتوں میں نفع چاہے وہ بھی ایسا ہی ہے ورنہ نفع پر بیچنا مکروہ ہوتا انتہی اقول بلکہ تجارت تو اسی کا نام ہے کہ اپنے رب کا فضل تلاش کرو اور خرید و فروخت میں قیمت کم کرانا سنّت ہے، اور بیشک نبی صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا کہ غبن کھانے میں نہ ناموری نہ ثواب، یہ حدیث اصحاب سنن نے امام حسین اور طبرانی نے اپنی معجم میں امام حسن اور خطیب نے مولٰی علی کرم اللہ تعالٰے وجوہہم الکرام سے روایت کی تو اس میں انتہا درجہ کراہت تنزیہ ہے ورنہ بصحت ثابت ہولیا کہ صحابہ کرام نے اُسے کیا اور تعریف فرمائی اور علامہ عبدالحلیم معاصر علامہ شرنبلالی رحمہما اللہ تعالٰی حاشیۂ درر میں لکھتے ہیں امام ابو یوسف سے روایت یوں ہے کہ بیع عینہ جائز اور ثواب کا کام ہے اس لئے کہ اس میں حرام سے بھاگنا ہے اور حرام

---

[1] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴
[2] العنایۃ علٰی ہامش فتح القدیر " " " " ۶/ ۳۲۳
[3] المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۲۷۳۲ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۳/ ۸۳

الاحتيال للفرار عن الحرام مندوب
ولانه فعله كثير من الصحابة و
حمدوا ذلك[1] اه وظاهر سياقه ان جملة
"والاحتيال للفرار عن الحرام مندوب"
من كلام الامام ابي يوسف رحمه الله تعالى
والله تعالى اعلم، هذا احد الدلائل عليه والثاني
تصريحهم قاطبة ان القدر والجنس
اذا عدم احدهما حل الفضل ومعلوم
قطعا ان الدينار والدرهم او الدينار و
الفلس لايتجانسان فيجب الحل فمن اين
تأتي كراهة التحريم، وتحقيقه ان للتفاضل اربع
صور الاول ان يكون الاكثر مالية هو الاكثر
قدرا والثاني ان يكون اقل ولكن ماليته بعد
زائدة بل اضعاف مضاعفة كالجنية مع
الربية والثالث ان يكون اقل الى حد تنقص
ماليته ايضا من البدل والرابع ان يقل الى
ان يتساوى الماليتان وهم قاطبة قالوا عند
اختلاف الجنس حل التفاضل ولم يقيدوه
بشيئ من الصور اصلا فيعمها جميعا ولو
كانت ثم كراهة تحريم لم تحل الا صورة
واحدة من الاربع وهي الرابعة ثم هنا وجه
أخر ان يكون جنسان متحدى المالية عند
اتحاد القدر وهم قد حكموا بحل التفاضل

سے بھاگنے کا حیلہ کرنا مستحب ہے اور اس لئے کہ
بکثرت صحابہ نے اُسے کیا اور اس کی تعریف فرمائی انتہیٰ
اور ان کی روشن عبارت سے ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ
بھی امام ابویوسف کا کلام ہے کہ حرام سے بھاگنے
کا حیلہ کرنا مستحب ہے واللہ تعالیٰ اعلم، یہ صورت
مذکورہ کے مکروہِ تحریمی نہ ہونے کی ایک دلیل ہے،
دلیل دوم تمام علماء کی تصریح ہے کہ جب قدر یا جنس
میں کوئی معدوم ہو تو زیادتی حلال ہے اور یقیناً معلوم
ہے کہ اشرفی اور روپیہ یا اشرفی اور پیسہ ایک جنس نہیں
تو حلال ہونا واجب ہوا تو کراہت تحریمی کدھر سے آئیگی
اور تحقیق یہ ہے کہ زیادتی کی چار صورتیں ہیں: اول یہ کہ
جس کی مالیت زیادہ ہو اسی کی مقدار زیادہ ہو۔ دوسری
یہ کہ اس کی مقدار تو کم ہو مگر مالیت اب بھی زیادہ ہو بلکہ
کئی گنا بڑھ کر جیسے روپے کے ساتھ اشرفی۔ تیسری یہ
مقدار میں اتنی کم ہو کہ اس کی مالیت بھی اس کے مقابل سے
گھٹ جائے۔ چوتھے یہ کہ اس کی مقدار اس حد تک کم ہو کہ دونوں مالیت
میں برابر ہوجائیں اور تمام علماء نے اتنا ہی فرمایا ہے
کہ جب جنس مختلف ہو تو کمی بیشی جائز ہے اور اُسے
کسی خاص صُورت کے ساتھ مقید نہ کیا تو چاروں
صورتوں کو شامل ہوگا اور اگر وہاں کراہت تحریمی
ہوتی تو چاروں صورتوں میں سے صرف ایک حلال
ہوتی اور وہ چوتھی صورت ہے پھر یہاں ایک صورت
اور ہے وہ یہ کہ دو جنس کی چیزیں مقدار میں برابر ہوں
تو ان کی مالیت بھی یکساں ہو اور علماء نے کمی بیشی

[1] حاشیۃ الدرر لعبد الحلیم کتاب البیوع

وهو يستلزم التفاضل فی المالية فوجب
حله والثالث قوله صلی الله تعالیٰ عليه
وسلم اذا اختلف النوعان فبيعوا كيف
شئتم[1]، فمن ذا الذي يعده معصية
ومكروها تحريما مع اذن رسول الله صلی
الله تعالیٰ عليه وسلم فيه والرابع ما قدمنا
انفا عن الخانية انه يدفع فلسا
عوضا عن الدرهم فيجوز ذٰلك و
يقع الامن ای امن بعد حصول
المعصية والخامس ليس التفاضل
بين درهم ودينار وفلس ودينار مثلا
الا بالمالية فان كان ذلك موجبا
لكراهة التحريم لانه حصل لاحد العاقدين
اكثر واربح مما حصل للأخر فارى هذا
عليه يجب ان يكون مساواة الجيد والردی
وزنا مكروها تحريما اذا اربی الجيد علی
الردی بما لا يتغابن فيه الناس كأن
تكون ماليته ضعف ماليته او
اضعافها لان موجبها المذكور
حاصل هٰهنا ايضا قطعا والشئ
لا يتخلف عن موجبه مع ان المساواة
هو المامور به شرعا وكذلك
ما زاد بالصناعة حتی صارت

حلال ہونے کا حکم فرمایا اور وہ اس صورت میں مالیت
کی کمی بیشی کو مستلزم ہے تو اس کا حلال ہونا واجب
ہوا، دلیل سوم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد
کہ جب جنس مختلف ہو تو جیسے چاہو بیچو تو وہ کون ہے
جو اُسے گناہ اور مکروہِ تحریمی بتائے گا حالانکہ نبی صلی اللہ
تعالےٰ علیہ وسلم اُس کی اجازت فرماچکے۔ دلیل چہارم
وُہ جو ابھی ہم فتاوٰی قاضی خان سے بیان کر آئے
کہ روپے کے بدلے ایک پیسہ دے دے تو یہ
جائز ہوجائے گا اور امان حاصل ہوگی اور گناہ
ہونے کے بعد کون سی امان ہے۔ دلیل پنجم مثلاً
اشرفی اور روپے یا پیسہ اور اشرفی میں کمی بیشی نہیں
مگر مالیت کی، تو اگر اس سے کراہت تحریم لازم
ہوتی اس بناء پر کہ دونوں عاقدوں میں سے ایک
نے وہ پایا جو مالیت اور نفع میں زائد ہے تو
اس کو اس پر زیادتی رہی تو واجب ہوگا کہ کھرے
اور کھوٹے کا وزن میں برابر ہونا مکروہ تحریمی ہو جبکہ
کھرے کی قیمت کھوٹے سے اتنی زیادہ ہو جس میں
لوگ ایک دوسرے سے غبن نہ کھائیں جیسے اس
کی مالیت اُس کی مالیت سے دوگنی یا کئی گنا ہو
اس لئے کہ کراہت تحریم کا وہ موجب یہاں بھی
یقیناً حاصل ہے اور حکم اپنے موجب سے پیچھے
نہیں ہٹتا حالانکہ کھوٹے کھرے کا وزن میں برابر ہونا
اسی کا شرع نے حکم دیا ہے اور ایسے ہی وہ جو

[1] نصب الرایۃ لاحادیث الہدایۃ کتاب البیوع المکتبۃ الاسلامیۃ لصاحبہا الحاج ریاض الشیخ ۴/۴

قیمته اضعاف قیمة ما یساویه وزنا
من التبر والدراهم یکون التساوی
فیه موجب لما اوجبتم به کراهة
التحریم مع انه هو الواجب شرعا
فاذن یکون الشرع قد اوجب
ما هو معصیة فان المکروه تحریما
منهی عنه وارتکابه اثم و معصیة و
ان کانت صغیرة کما نص علیه فی البحر
والدر وغیرهما وبالاعتیاد یصیر کبیرة ولاشك
ان الشرع متعال عن ان یامر بمعصیة و
یوجب ارتکاب اثم بخلاف المکروه تنزیها
فانه من المباح ولیس من المعصیة قطعا
وربما یتعمده الانبیاء علیهم الصلوة والسلام
بیانا للجواز وقد زلت قدم ذاك اللکنوی
فی رسالته فی الدخان فجعل المکروه تنزیها
من المعاصی والاصرار علیه من الکبائر
وهذه مزلة فاحشة بینت عوارها فی
رسالة مستقلة سمیتها "جمل مجلیة ان
المکروه تنزیها لیس بمعصیة" ١٣٠٤ھ والاعتذار
بان الشرع اهدر اعتبار المالیة عند
اتحاد الجنس لایجدی نفعا فان ذلك
اول الکلام ان لو کان الارباء فی المالیة
موجب المعصیة فی نظر الشرع فلم اهدر
اعتبارها مع ما فیه من ابطال مقصد
نفسه اعنی الشرع وهو صیانة اموال

صناعی کے سبب بڑھ جائے یہاں تک کہ اسکی قیمت
اس کے ہم وزن پتر یا روپوں سے کئی گنا ہو جائے
تو اس میں وزن کی برابری اسی کراہت تحریم کی موجب
ہوگی جو تم نے قرار دی ہے حالانکہ وہی شرعًا واجب
ہے تو اس وقت یہ ہوگا کہ شرع نے وہ چیز واجب
کی جو گناہ ہے اس لئے کہ مکروہ تحریمی ممنوع ہے اور
اُس کا کرنا گناہ اگرچہ صغیرہ ہے جیسا کہ بحرالرائق و
درمختار وغیرہما نے تصریح کی اور عادت ڈالے سے
کبیرہ ہو جائیگا، اور شک نہیں کہ شرع اس سے بلند
بالا ہے کہ معصیت کا حکم دے اور گناہ کرنا واجب
کرے بخلاف مکروہ تنزیہی کے کہ وہ مباح میں سے
ہے اور معصیت میں سے یقینًا نہیں، کبھی انبیاء
علیہم الصلوٰۃ والسلام اسے قصدًا کرتے ہیں کہ اس کا
جائز ہونا ظاہر ہو جائے اور انھیں لکھنوی کا حقہ
کے رسالہ میں قدم پھسلا تو مکروہ تنزیہی کو گناہ اور
اس پر اصرار کو کبیرہ ٹھہرادیا اور یہ فاحش غلطی ہے
کہ اس کا عیب میں نے ایک مستقل رسالہ میں
بیان کیا اس کا نام "جمل مجلیۃ ان المکروہ
تنزیہا لیس بمعصیۃ" ١٣٠٤ھ رکھا اور یہ عذر کرنا کہ
ایک جنس ہونے کی حالت میں شرع نے مالیت
کا اعتبار ساقط فرما دیا ہے کچھ نفع نہ دے گا
اس لئے کہ یہی تو پہلی بحث ہے کہ اگر شرع کی نظر
میں مالیت کی زیادتی موجب معصیت تھی تو کیوں
اس کا اعتبار ساقط فرمادیا حالانکہ اس میں خود
مقصود شرع کا باطل کرنا تھا مقصود کیا ہے لوگوں کا

الناس وانما الاموال بالمالية وفيه ايصال
اكلة الربا الى قصدهم الفاسد فان
غرضهم انما يتعلق بالمالية فاذا اربوا
فيها فقد فازوا بمرادهم ولا نظر
لهم الى زيادة الوزن وقلته فتبين
ان الارباء في المالية لا نظر اليه
للشرع ولا يمكن ان يوجب كراهة تحريم
اصلا وهو المقصود، والسادس طفحت
المتون قاطبة بجواز بيع فلس بفلسين
وقال في البحر ليس مرادهم
خصوص بيع الفلس بالفلسين
بل بيان حل التفاضل حتى لو باع فلسا
بمائة على التعيين جاز عندهما[1]
اى عند الشيخين رضى الله تعالى
عنهما واى نص تريد انص
من هذا على حل التفاضل بالمالية
والحمد لله، نعم الحل قد يجامع
كراهة التنزيه كما نصوا عليه،
السابع العينة المذكورة فانما مبناها
على التفاضل في المالية ولا يتقيد
بنحو عشرة باثنى عشر او ثلثة عشر
كما في الخانية او خمسة عشر كما في الفتح بل
صورت بصورة الضعف ايضا قال في الفتح من

مال بچانا اور مال کی حقیقت مالیت ہی ہے اور
اس میں سودخوروں کو اُن کے قصد فاسد تک
پہنچانا ہوگا کہ اُن کی غرض تو مالیت ہی سے متعلق
ہے جب انھوں نے مالیت زیادہ پالی تو اپنی
مراد کو پہنچے اور وزن کی کمی بیشی کی طرف اُن کی
نظر نہیں تو ظاہر ہوگیا کہ مالیت میں زیادتی کی طرف
شرع اصلاً نظر نہیں فرماتی تو ممکن نہیں کہ اصلاً
کراہت تحریم واجب کرے اور یہی مقصود ہے۔
دلیل ششم تمام متون بالاتفاق اس تصریح سے
لبریز ہیں کہ ایک پیسہ دو پیسے کو بیچنا جائز ہے اور
بحرالرائق میں فرمایا کہ اُن کی مراد خاص یہی نہیں ہے
کہ ایک پیسہ دو پیسے کو بلکہ کمی بیشی حلال ہونے کا
بیان مقصود ہے یہاں تک کہ اگر ایک پیسہ سو معین پیسے
کو بیچے تو امام اعظم اور امام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی
عنہما کے نزدیک حلال ہے اور اس سے بڑھ کر
تو اس پر اور کون سا روشن تر نص چاہتا ہے کہ
مالیت میں کمی بیشی روا ہے والحمدللہ، ہاں حلال ہونا
کبھی کراہت تنزیہ کے ساتھ جمع ہوجاتا ہے جیسا کہ
علماء نے تصریح فرمائی۔ دلیل ہفتم عینہ مذکورہ کا اسکی بناء
ہی مالیت میں کمی بیشی پہ ہے اور وہ کچھ اسی پر بند نہیں کہ دس کے
بارہ یا تیرہ کریں جیسا کہ فتاوٰی قاضیخان میں ہے یا پندرہ جیسا کہ
فتح القدیر میں بلکہ دونا دون کی صورت بھی اس میں بیان
کی گئی ہے، فتح القدیر میں فرمایا کہ عینہ کی ایک صورت

---

[1] بحرالرائق باب الربا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/۱۳۲

صور العينة ان يبيع متاعه بالفين من المستقرض الى اجل ثم يبعث متوسطا يشتريه لنفسه بالف حالة ويقبضه ثم يبيعه من البائع الاول بالف ثم يحيل المتوسط بائعه على البائع الاول بالثمن الذى عليه وهو الف حالة فيدفعها الى المستقرض ويأخذ منه الفين عند الحلول اھ[1] واذا جاز ضعف جازت الاضعاف **اقول** ولا يلزم المتوسط بل له ان يبيعه من المستقرض بالفين فيبيعه المستقرض فى السوق بالف كيلا تعود العين الى المقرض فيكون مكروها تحريما فى بحث المحقق وان كان فيه للكلام مجال فان شراء ما باع باقل مما باع جائز عند توسط ثالث بالاجماع ولم يذكروا فيه تأثيما وقد تقدم عن فقيه النفس فى حيل الفرار عن الحرام وانى تتم الحيلة مع بقاء المعصية لاجرم قال العلامة عبد الحليم فى حواشى الدرر الظاهر كراهة تنزيه سواء

یہ ہے کہ اپنی متاع قرض لینے والے کے ہاتھ ایک وعدہ پر دو ہزار کو بیچے پھر کسی درمیانی شخص کو بھیجے کہ وہ اس سے اپنے لئے ہزار نقد کو خرید کر قبضہ کرلے پھر یہ درمیانی شخص پہلے شخص سے اسے ہزار کو بیچ ڈالے پھر وہ درمیانی اپنے بائع یعنی قرض لینے والے کا ثمن پہلے بائع پر اُتارے اور وہ ہزار روپے نقد ہیں تو پہلا بائع ہزار روپے قرض لینے والے کو دے دے اور وعدہ پر دو ہزار اس سے لے انتہی، اور جب دونا جائز ہوا تو کئی گنا بھی جائز ہے **اقول** (میں کہتا ہوں) اس درمیانی شخص کا ہونا ضرور نہیں بلکہ یہ بھی کرسکتا ہے کہ قرض لینے والے سے (ہزار کی چیز) دو ہزار کو بیچے وہ بازار میں ہزار کو بیچ لے

تاکہ وہ متاع قرض دینے والے کی طرف عود نہ کرے کہ عود کرنے کی حالت میں محقق کے نزدیک مکروہ تحریمی ہوجائے گی، اگرچہ اس میں کلام کی گنجائش ہے کہ اپنی بیچی ہوئی چیز جتنے کو بیچی ہے اس سے کم کو خریدنا بالاجماع جائز ہے جبکہ تیسرا شخص متوسط ہے اور علماء نے اس میں کوئی گناہ تحریر نہیں فرمایا اور امام فقیہ النفس قاضی خان سے یہ امر اوپر گزر چکا جہاں انہوں نے حرام سے بھاگنے کے حیلے بیان فرمائے ہیں اور اگر معصیت باقی رہے تو حیلہ کہاں پورا ہوا، لاجرم علامہ عبدالحلیم نے حواشی درر میں فرمایا ظاہر یہ ہے کہ کراہت تنزیہی ہے چاہے

---

[1] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/۳۲۴

كان فى صورة عود كل المدفوع او بعضه الى الدافع اولا تدبر، والثامن[1] من شرطوا الجواز شراء الوصى مال اليتيم لنفسه اوبيعه مال نفسه له الخيرية لليتيم وجعلوها فى العقار بالضعف وفى غيرها بمثل ونصف[2] كما فى الخانية والهندية وشرطوا الجواز بيعه مال اليتيم من اجنبى ان لم تكن للصغير حاجة الى ثمنه ولا على الميت دين لا وفاء له الا به ان يبيعه بضعف القيمة قال فى الهندية عن محيط السرخسى وعليه الفتوى[3] فهذا تفاضل فى المالية مأمور به من جهة الشرع والتاسع ما تقدم عن الفتح وغيره من المعتمدات من قوله لو باع كاغذة بالف يجوز ولا يكره[4] والعاشر فى باب الربا من رد المحتار عن الذخيرة اذا دفع الحنطة الى خباز جملة واخذ الخبز مفرقا ينبغى ان يبيع صاحب الحنطة خاتما اوسكينا من الخباز بالف من من

جو متاع دی وہ پوری دینے والے کی طرف عود کر آئے یا اس کا حصہ یا کچھ نہیں، تدبر، دلیل ہشتم وصی اگر یتیم کا مال خود خریدنا یا اپنا مال اس کے ہاتھ بیچنا چاہے تو اس کے جواز کے لئے علماء نے یہ شرط فرمائی ہے کہ اس خرید و فروخت میں یتیم کا نفع ہو اور اس نفع کی مقدار جائداد غیر منقولہ میں دو چند رکھی اور منقولہ میں ڈیوڑھی، جیسا کہ فتاوٰی قاضی خان اور فتاوٰی عالمگیری میں ہے اور وصی اگر یتیم کا مال کسی دوسرے کے ہاتھ میں بیچنا چاہے اور نابالغ کو اس کی قیمت کی ضرورت نہ ہو اور نہ مورث پر کوئی دین ہو کہ بغیر اس کے بیچے پورا نہ ہو تو اس صورت میں جواز بیع کی یہ شرط لگائی کہ دونی قیمت پر بیچے، ہندیہ میں محیط سرخسی سے نقل کیا کہ اسی پر فتوٰی ہے تو مالیت کی اس کمی بیشی کا خود شرع کی طرف سے حکم ہے، دلیل نہم وہ جو فتح القدیر وغیرہ معتمد کتابوں سے گزرا کہ اگر ایک کاغذ ہزار روپے کو بیچا تو جائز ہے اور مکروہ نہیں۔ دلیل دہم ردالمحتار کے باب ربا میں ذخیرہ سے ہے جب نانبائی کو گیہوں اکٹھے دے دے اور روٹی تھوڑی تھوڑی کرکے لی تو یوں چاہئے کہ گیہوں والا نانبائی کے ہاتھ ایک انگوٹھی یا چاقو مثلاً ہزار من روٹی

---

[1] حاشیۃ الدرر لعبدالحلیم

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب السابع عشر فی بیع الاب والوصی الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۱۷۹

[3] ″ ″ ″ ″ ″ ″

[4] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/۳۲۴

الخبز مثلاً[1] الخ واین یقع سکین من الف من من الخبز ونظائر هذا لوسردناها لم نستطع احصاءها وانما تنزلنا بعد السادس الی هنا لان کلامهم فی المضموم الاقل مطلق من ان یکون من الاثمان اوالاعیان ومن الاموال الربویة اومن غیرها فهذا غایة تحقیق المسألة، اما کلام الشیخ عبد الحلیم فاقول اولا لیس الوجوب للاحتیاط وجوب الشیئ فی نفسه ولا شك ان ترك مالا بأس به حذرا مما به باس من قبیل الاحتیاط فی الدین ولا یحصل ذلك الا بما ذکر فکان من واجباته اذ الواجب للشیئ هو الذی لا تحصل له الا به وثانیا ربما یطلق الواجب عرفا علی المندوب ومنه قول الدر لا باس به ای بالتکبیر عقب العید لان المسلمین توارثوه فوجب اتباعهم[2] اھ ونظر له الشامی فی موضع اٰخر بقولهم حقك واجب علی وفی کتاب

کو بیچے الخ اور بھلا کہاں چاقو اور کہاں ہزار من روٹی اور اس کے نظائر اگر ہم بیان کرتے جائیں تو ان کا احاطہ نہ کرسکیں گے اور دلیل ششم کے بعد جو ہم یہاں تک اُتر آئے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جو علماء نے فرمایا تھا کہ جس جانب وزن کی کمی ہے کوئی چیز ملا دی جائے وہ ان کے کلام میں مطلق ہے خواہ ثمن ہو یا متاع اور اموال ربا سے ہو یا نہیں تو یہ تحقیق مسئلہ کی انتہا ہے، رہا فاضل عبدالحلیم رومی کا کلام اقول اولاً حصول احتیاط کیلئے کسی شئ کا وجوب اس کا فی نفسہٖ وجوب نہیں اور شک نہیں کہ خرابی کے ڈر سے جس چیز میں خرابی نہیں اُسے چھوڑنا دین میں احتیاط کے قبیل سے ہے اور یہ اُسی طور پر حاصل ہوگا جو انہوں نے ذکر کیا تو احتیاط کے واجبات سے ہوا کہ کسی شے کے لئے واجب وہی ہے جس کے بغیر شے حاصل نہ ہو، ثانیاً اکثر عرف میں مستحب کو واجب کہتے ہیں، اور اسی میں سے ہے درمختار کا یہ قول کہ نماز عید کے بعد تکبیر کہنے میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ یہ مسلمانوں میں سلف سے چلا آتا ہے تو ان کی پیروی واجب ہوئی انتہی، اور شامی نے دوسری جگہ اس کی ایک نظیر یہ بیان کی کہ عرف میں کہتے ہیں تیرا حق مجھ پر واجب ہے اور

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربا داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۱۸۶
[2] درمختار باب العیدین مجتبائی دہلی ۱/۱۱۷

ادب القاضی من الفتح تحت قوله "ویشهد (ای القاضی) الجنازة ویعود المریض" ذکر حدیث البخاری فی الادب المفرد عن ابی ایوب الانصاری رضی اللہ تعالٰی عنه قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم یقول ان للمسلم علی اخیه ست خصال واجبة ان ترك شیئا منها فقد ترك حقا واجبا علیه لاخیه یسلم علیه اذا لقیه ویجیبه اذا دعاه ویشمته اذا عطس ویعوده اذا مرض ویحضره اذا مات وینصحه اذا استنصحه ثم قال ولابد من حمل الوجوب فیه علی الاعم من الوجوب فی اصطلاح الفقه الحادث فان ظاهره وجوب الابتداء بالسلام وکون الوجوب وجوب عین فی الجنازة فالمراد به امر ثابت علیه اعم من ان یکون ندبا او وجوبا بالاصطلاح اھ ولابد من الحمل علیه لما اقمنا من الادلة وان ابیت الا حمله علی ظاهره فهذا فهم من الشیخ عبد الحلیم لم یستند فیه

فتح القدیر کی کتاب ادب القاضی میں اس قول ماتن کے نیچے کہ قاضی جنازہ پر حاضر ہو اور بیمار کے پوچھنے کو جائے ادب المفرد میں بخاری کی یہ حدیث ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ذکر کی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے سنا مسلمان کے مسلمان پر چھ حق واجب ہیں اگر ان میں سے کوئی چیز ترک کرے تو اپنے بھائی کا ایک حق چھوڑیگا جو اس کے لئے اس پر واجب تھا، ملاقات کے وقت اسے سلام کرے، اور وہ دعوت کرے تو قبول کرے یا وہ پکارے تو جواب دے، اور جب اسے چھینک آئے (اور وہ حمد الٰہی بجالائے) تو اسے یرحمک اللہ کہے، اور بیمار پڑے تو اسے پوچھنے جائے، اور اس کی موت میں حاضر ہو، اور اگر اس سے نصیحت چاہے تو نصیحت کرے۔ پھر محقق نے فرمایا ضرور ہے اس حدیث میں وجوب کو ایسے معنی پر حمل کریں جو وجوب کے اس معنی سے کہ فقہ کی اصطلاح حادث میں ہے عام ہو اس لئے کہ ظاہر حدیث یہ ہے کہ ابتداء بسلام واجب ہو اور نماز جنازہ فرض عین ہو تو حدیث کی مراد یہ ہے کہ یہ حقوق مسلمان پر ثابت ہیں خواہ مستحب ہوں یا واجب فقہی انتہی، اور عبارت عبد الحلیم میں یہ معنی وجوب لینا ضرور ہے بسبب ان دلیلوں کے جو ہم قائم کرچکے اور اگر تو اسے ظاہر پر محمول کئے بغیر نہ مانے تو یہ شیخ عبد الحلیم

؎ فتح القدیر کتاب الادب القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/۳۶۳

لنقل وفهمه غير حجة فی الشرع
لاسيما عند قيام البراهين على
خلافه وثالثاً ان لم يحمل على
ما قلنا يكون كلامه قد ناقض نفسه
لانه ذكر بعد هذا بورقة واقعةً تحدث
فی الدولة العثمانية من تبديل
الدراهم العتيقة المغشوشة الغالبة
فيها الفضة بدراهم جديدة جيدة و
يمنع بظهورها التعامل بالعتيقة و
من رداءة العتيقة ان الدرهم
الكبير الرومی وهو المسمی بالقرش
يكون بمائة وعشرين درهما منها
والدينار بمائتين واربعين فاذا ظهرت
الجديدة ينزل القرش الی ثمانين من
الجديدة والدينار الی مائة وعشرين
فيقع بين الناس نزاع كثير فی ديونهم
الواقعة فی زمن العتيقة قال فافتی
اسلافنا من ساداتنا علماء قسطنطنية
المحمية بتنزيل ثلث الدين فبمقابلة
دين مائة وعشرين درهما يعطی
المديون الدائن ثمانين درهما جديدا او قرشا واحدا
وبمقابلة مائتين واربعين دينارا او قرشين الی ان
جاء زمن افتاء استاذنا المرحوم اسعد بن سعد الدين
فافتی بان يعطی قيمة العتيقة فی زمن
العقد من الدينار مثلا لكل

کی اپنی ایک سمجھ ہے جس پر انھوں نے کوئی نقلی سند
پیش نہ کی اور ان کی فہم شرع میں حجت نہیں خصوصًا
جبکہ اس کے خلاف پر دلائل قائم ہوں۔ ثالثًا اگر
اس معنی پر محمول نہ کیا جائے تو ان کا کلام خود اپنے
نفس کا مناقض ہوگا، اس لئے کہ انھوں نے اس
کلام سے ایک ورق بعد دولت عثمانیہ کا ایک واقعہ
بیان کیا ہے، پرانے روپے جن میں میل ہے اور چاندی
غالب ہوتی ہے انھیں نئے کھرے روپے سے بدلتے
ہیں اور ان نیوں کے بعد پرانوں سے معاملہ کرنا منع
کردیا جاتا ہے اور پرانوں کا کھوٹا پن یہاں تک ہے
کہ ایک بڑا روپیہ رومی جسے قرش کہتے ہیں ان پرانوں
کے ایک سو بیس کے برابر ہوتا ہے اور اشرفی
دو سو چالیس کے برابر، جب نئے روپے چل جاتے
ہیں تو قرش کی قیمت ان نیوں سے اسّی رہ جاتی
ہے اور اشرفی ایک سو بیس کی، تو لوگوں کو وہ لین دین
جو پرانے روپوں کے زمانے میں ہوا تھا اس میں
بڑا جھگڑا پڑ جاتا ہے تو علمائے محروسہ قسطنطنیہ سے
ہمارے اگلوں سرداروں سے یہ فتوی دیا کہ تہائی
دین اتار دیں، تو ایک سو بیس پرانے روپے کی جگہ
مدیون دائن کو نئے اسّی روپے یا ایک قرش دے
اور دو سو چالیس پرانے روپے کی جگہ ایک اشرفی
یا دو قرش یہاں تک ہمارے استاذ مرحوم اسعد
بن سعد الدین کے افتا کا وقت آیا تو انھوں نے
یہ فتوی دیا کہ زمانہ عقد میں پرانے روپوں کی جو قیمت
تھی اتنی قیمت کی اشرفیاں دی جائیں مثلًا ہر

مائتین واربعین درهما یعطی دینارا ولم
یجوز اعطاء درهما جیدا ولا قرشا و
صرح بان فی المسلك السابق حقیقة
الربا او شبهته[1]، ثم قال یقول العبد
ان ما افتی به اولا صحیح ایضا مع ان فیه
یسرا و توسیع دائرة لاداء الدین اما
صحته فان الدراهم العتیقة لما كانت
رائجة كما یروج القرش والدینار
من غیر فرق بینهن تقرران دین
المدیون استقر فی ذمته علی هذا التفصیل
وصرف الدین الی ما قدر به فی الاداء
من كل نوع ای نوع كان من العتیقة و
القرش والدینار كما صرح الفقهاء بهذا
فی صورة استواء رواج الاحادی و
الثنائی والثلاثی فاذا منع تعاطی العتیقة
وظهر الجدیدة ورخص القرش والدینار
بالتنزیل الی ماسبق ذكره نزل الدین
كذلك وفیه توسیع دائرة ویسرتام اذ
یؤدی المدیون من ای نوع قدر بخلاف
ما افتی به ثانیا اذ قد لایكون للمدیون
دینار وقد لایجد وقد یكون
الدین او الباقی غیر بالغ الی
قیمة الدینار فیعسر الاداء مع

دو سو چالیس روپے کے بدلے ایک اشرفی دے
اور یہ جائز نہ رکھا کہ اسے نیا روپیہ یا قرش دے
اور تصریح فرمائی کہ اگلے مسئلہ میں یا تو حقیقۃً سود
ہے یا اس کا شبہہ۔ پھر شیخ عبدالحلیم نے کہا کہ
وہ جو پہلوں نے فتوٰی دیا وہ بھی صحیح ہے اور اس کے
ساتھ اس میں آسانی ہے اور ادائے دین کے
دائرہ میں وسعت، اس کی صحت تو اس سبب سے ہے
کہ پرانے روپوں کا جب بعینہٖ ایسا ہی چلن تھا جیسے
اشرفی اور قرش کا، تو ثابت ہوا کہ مدیون پر دین
اسی تفصیل سے ٹھہرا اور دین کا حاصل اس طرف
پھرے گا کہ اتنی مقدار کا مال لازم ہے کسی نوع
میں سے ہو، پرانے روپے ہوں یا قرش یا
اشرفی، جیسا کہ فقہائے اس کی تصریح فرمائی ہے
جب کہ مختلف سکوں کا ایک سا چلن ہو، تو
جب پرانوں کا چلن بند کردیا گیا اور نئے چلنے لگے
اور قرش اور اشرفی کا بھاؤ اس مقدار پر کہ اوپر
مذکور ہوئی اتر گیا دین بھی اتنا ہی اتر جائے گا اور
اس میں دائرہ کی وسعت اور پوری آسانی ہے
اس لئے کہ مدیون جس نوعیت پر قدرت پائیگا
اس میں سے ادا کریگا بخلاف دوسرے فتوٰی کے
اس لئے کہ کبھی مدیون کے پاس اشرفی نہیں ہوتی
اور نہ اسے ملتی ہے اور کبھی کل دین یا باقی اتنا
نہیں ہوتا کہ اشرفی کے مقدار کو پہنچے تو ادا دشوار

---

[1] حاشیۃ الدرر لعبد الحلیم

ان الاثمان الرائجة فی زمن العقد سوی العتیقة باقیة علی رواجها ولیس فیها کساد ولامنع سوی الترخیص بالنسبة الی الجیدة فمن این التکلیف للمدیون باداء الدین بالدینار فقط فظهر ان ما افتی به اولا صحیح علی وجه الیسر لا عسر فیه نعم لوسلم وجدان الربا اما حقیقة او حکما فی الاداء بالجدیدة او بالقرش بان لامساواة بینهما وزنا اولا یعلم فانه یدفع بضم نحو فلس الی الجدیدة او القرش کما لایخفی[1] اھ ملخصا، والمسئلة مذکورة فی الدر وغیرہ واختار العلائی ما افتی به سعدی افندی وھو الالزام بالذھب ومال ابن عابدین الی نحو ما مال الیه عبدالحلیم وحاصله اولامنع ان اللازم علی ذمة المدیون عین العتیقة حتی یکون الاداء بالجدیدة او القرش مع عدم مساواتها للعتیقة وزنا ربا بل اللازم تلك المالیة المقدرة بای الثلثة شاء فاذا کسد منها واحد جاز الاداء عن احد الباقین

ہوگی حالانکہ جوثمن زمانہ عقد میں رائج تھے وہ پرانے روپوں کے سوا بدستور رائج ہیں ان کا نہ چلن گھٹا نہ منع کیا گیا سوا اس کے کہ نئے روپوں سے ان کا بھاؤ سستا ہوگیا تو کہاں سے مدیون کو مجبور کیا جائے گا کہ خاص اشرفی ہی سے اپنا دَین ادا کرے تو ظاہر ہوا کہ وہ جو پہلا فتوٰی تھا صحیح اور آسان ہے اس میں کچھ دشواری نہیں، ہاں اگر یہ مان لیا جائے کہ نئے رُپے یا قرش سے ادا کرنے میں حقیقۃً ربا ہے یا حکماً یوں کہ دونوں کا وزن برابر نہیں یا برابری کا علم نہیں تو وہ یوں دفع ہوجائے گا کہ نئے روپے یا قرش کے ساتھ مثلاً ایک پیسہ ملاکر دیا جائے جیسا کہ پوشیدہ نہیں انتہی ملخصاً، اور یہ مسئلہ درمختار وغیرہ میں مذکور ہے اور صاحبِ درمختار نے اسی کو اختیار کیا جو سعدی آفندی کا فتوٰی ہے کہ مدیون پر سونے ہی سے ادا کرنا واجب ہے اور علامہ شامی نے اُس طرف میل کیا جس طرف شیخ عبدالحلیم کی رائے جھکی اور اس کا حاصل یہ ہے کہ اول تو ہم یہی نہیں مانتے کہ مدیون کے ذمہ خاص پرانے روپے ہی دینا واجب تھے تاکہ نئے روپے یا قرش سے ادا کرنا جبکہ وہ پرانوں سے وزن میں برابر نہ ہوں ربا ٹھہرے بلکہ اُتنی مالیت لازم تھی جس کا اندازہ ان تینوں سکوں میں سے جس سے چاہے کرلے تو جب ان میں سے ایک کا چلن جاتا رہا تو دُو باقیوں میں سے جس سے

---

[1] حاشیۃ الدرر لعبدالحلیم

قلت وبه ظهر ان تعبیرهم بتنزیل
ثلث الدین مسامحة نظرا الی ظاهر
التغیر فی عدد الدراهم حیث یعطی
من الجدیدة ثمانین مکان مائة وعشرین
والافلا تنزیل فی المالیة اصلا وثانیا ان
سلم لزوم العتیقة عینا فیندفع بضم نحو
فلس الی الجدیدة او القرش وقد افتی
هو به الناس وجعله یسرا تاما من دون عسرا
تاما من دون عسر وای یسر
بعد حصول کراهة التحریم فاذن
لامحید عما ذکرنا وبالله التوفیق
وبالجملة ماکانت امثال هذه
الشبهات لتذکر وتسطر لولا ما
فی جوابها من فوائد تظهر وتزهر
اقول وبه تبین والحمد لله ان
لیس فیه اعنی فی بیع دینار
بدرهم بل فلس فضلا عن بیع نوط عشرة
باثنی عشر شبهة ربا ایضا فضلا
عن الربا خلافا لما زعم اللکنوی اذ الشبهة
فی المحرمات ملحقة بالیقین کما نص
علیه فی الهدایة وغیرها فلو کانت لوجبت
الحرمة فضلا عن کراهة التحریم وقد
قامت الادلة ان لاکراهة تحریم ههنا
فضلا عن الحرمة فظهر ان لا ربا و
لا شبهة هذا وانما جل

چاہے ادا کرو۔ اقول یہیں سے ظاہر ہوا کہ ان
کا یہ فرمانا کہ تہائی دَین اتار دیا جائے
مسامحہ ہے روپیوں کی گنتی میں جو ظاہر تغیر ہوا اُس
پر نظر فرما کر ایسا کہا کہ ایک سو بیس کی جگہ نئے اسّی
دے گا ورنہ مالیت میں اصلاً تغیر نہ ہوا، دوسرے
یہ کہ اگر خاص پرانے روپے ہی لازم ہونا مان لیا جائے
تو سود یوں دفع ہو جائے گا کہ نئے روپوں یا قرش
کے ساتھ مثلاً ایک پیسہ ملا کرے اور فاضل عبدالحلیم
نے لوگوں کو اس کا فتوٰی دیا اور اُسے پوری آسانی
بلا دشواری بتایا اور کراہت تحریم ہونے کے بعد
کون سی آسانی ہے تو وہ معنی جو ہم نے ذکر کئے اُن
سے مفر نہیں اور توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے
بالجملہ ایسے شبہات اس قابل نہ تھے کہ ذکر کئے جائیں
اور لکھے جائیں اگر یہ نہ ہوتا کہ ان کے جوابوں سے
چمکتے ہوئے فائدے ظاہر ہوئے اقول الحمدللہ
اس تقریر سے روشن ہوگیا کہ دس کا نوٹ بارہ کو
بیچنا درکنار ایک اشرفی ایک روپے بلکہ ایک پیسہ
کو بیچنے میں ربا تو ربا اس کا شبہہ بھی نہیں برخلاف
اس کے جو لکھنوی نے زعم کیا اس لئے کہ حرام چیزوں
میں شبہہ بھی حکم یقین میں ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ
میں منصوص ہے تو اگر یہاں شبہہ ہوتا تو حرمت
واجب ہوتی چہ جائے کراہت تحریم، اور
دلائل قائم ہو چکے کہ یہاں کراہت تحریم بھی
نہیں چہ جائے حرمت، تو ظاہر ہوا کہ یہاں
نہ سود ہے نہ سود کا شبہہ، یہ تو لیجئے اور آگے سُنئے

مايتشبث به هذا المانع ان النوط عــه

ان منع کرنے والے کی بڑی سند جو کچھ ہے یہ ہے کہ نوٹ

عــه بل زعم ذاك اللكنوى ان من باع نوطا معلما برقم مائة مثلا فانما يريد بيع مائة ربية واخذ بدلها لا بدل النوط اقول اولا لو كان الامر كما زعمت لما صح بيع النوط بالربابی اصلا لانه اذن بيع مائة درهم افرنجی بمائة درهم افرنجی وهی لا تتفاوت فيما بينهما بشیئ فكان الاستبدال عبثا و والشرع لا يشرع العبث فی الاشباه العقود تعتمد صحتها الفائدة فما لم يفد لم يصح فلا يصح بيع درهم بدرهم اذا تساويا وزنا وصفة كما فی الذخيرة اھ وثانيا قم يوما عن اريكتك واذهب الى البياعين فاذا رأيت زيدا باع نوطا من عمرو فاسأله هل قلت له بعتك مائة ربية فيقول لا وانما قلت بعتك هذا النوط فاسأله هل اردت ان تستبدل مائة ربية لك بمائة ربية لعمرو فيقول لا وانما اردت استبدال

عــه بلکہ اس مولوی لکھنوی نے یہ زعم کیا کہ سو روپے کا نوٹ جب بیچا جاتا ہے تو مقصود اس سے قیمت ملنا اس کاغذ کی نہیں ہوتی ہے بلکہ مقصود سو روپے بیچنا اور اس کی قیمت لینا ہوتا ہے اقول (میں کہتا ہوں) اوّلاً اگر معاملہ یوں ہوتا تو روپوں کے بدلے نوٹ بیچنا اصلاً جائز نہ ہوتا کہ اب یہ سو روپے انگریزی سو روپے انگریزی کو بیچنا ہوا اور انگریزی روپے باہم کچھ فرق نہیں رکھتے تو یہ سو روپے دے کر وہ سو روپے لینا نرا عبث ہوا اور شرع عبث کو مشروع نہیں فرماتی، اشباہ میں ہے عقد جب صحیح ہوتا ہے کہ اس سے کچھ فائدہ بھی ہو جو محض بے فائدہ ہے وہ عقد صحیح نہیں تو ایک روپیہ ایک روپے کو بیچنا ناجائز ہے جبکہ دونوں روپے وزن و حالت میں برابر ہوں جیسا کہ ذخیرہ میں ہے انتہی، ثانیاً مولوی صاحب ذرا اپنی مسند سے اٹھ کر کسی دن بازار جائیے جب دیکھئے کہ زید نے عمرو کے ہاتھ کوئی نوٹ بیچا تو اس سے پوچھئے کیا تو نے اس سے یوں کہا تھا کہ میں نے تیرے ہاتھ سو روپے بیچے وہ ابھی بھی جواب دے گا کہ نہ، بلکہ میں نے تو یہ کہا کہ یہ نوٹ تیرے ہاتھ بیچا، اب اس سے پوچھئے کیا تو نے یہ قصد کیا تھا کہ اپنے سو روپے عمرو کے سو روپوں سے

(باقی اگلے صفحہ پر)

له الاشباه والنظائر الفن الثانی کتاب البیوع ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۳۲۵

مغرق فی الربابی کانہ ھی من دون فرق

روپوں میں غرق ہے گویا وہ بعینہٖ روپیہ ہے اور کچھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

نوطی بربابیة فاسأله هل اخذت ثمن ربابیك فیقول لابل ثمن نوطی فاسأله هل تنقد له مائة ربیة من کیسك فیقول لابل اعطیه نوطی فعند ذلك یتمیز لك النهار من اللیل، وثالثًا لیتك تعرف المبیع من المعدوم فان البائع ربما لاتکون عنده الربابی بل ولا ربیة واحدة وبیع المعدوم باطل وقد نهی عنه رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم، ورابعًا من احتاج الی النوط لیرسله فی البوسطة فان ارساله فیها ایسر واقل مصروفا فباعه زید نوطه ثم اراد ان یعطیه مائة ربیة لایقبله المشتری ویقول انما اشتریت منك النوط وقد کانت الربابی عندی فماکان یحوجنی الی شرائها منك وعند ذلك تعرف

بدلے، وہ ابھی جواب دے گا کہ نہ، بلکہ اپنا نوٹ اس کے روپوں سے بدلنا چاہا، اب اس سے پوچھئے کیا تُو نے اپنے روپوں کی قیمت لی وہ ابھی جواب دیگا نہ، بلکہ اپنے نوٹ کی۔ اب اس سے پوچھئے کیا تو اپنی تھیلی میں سے سَو روپے اسے دے گا، وہ ابھی جواب دے گا کہ نہ بلکہ اسے اپنا نوٹ دوں گا اس وقت آپ کو معلوم ہوجائے گا کہ دن اور رات میں یہ فرق ہے، **ثالثًا** کاش آپ کو مبیع و معدوم کا فرق معلوم ہوتا اس لئے کہ بارہا نوٹ بیچنے والے کے پاس روپے نہیں ہوتے بلکہ ایک روپیہ تک نہیں ہوتا تو اگر اسے سَو روپے بیچنا مقصود ہوتے تو معدوم کی بیع کررہا ہے اور معدوم کی بیع باطل ہے اور رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ **رابعًا** جسے ڈاک میں بھیجنے کیلئے نوٹ درکار ہو کہ ڈاک میں نوٹ بھیجنا روپے بھیجنے سے آسان بھی ہے اور خرچ بھی کم ہے اس کے ہاتھ جبکہ زید نوٹ بیچے اور پھر نوٹ نہ دے بلکہ اس کی جگہ سَو روپے دینا چاہے تو خریدار ہرگز نہ لے گا اور اس سے کہے گا کہ میں نے تو تجھ سے نوٹ خریدا تھا روپے تو خود میرے پاس موجود تھے مجھے تجھ سے روپے خریدنے کی کیا حاجت تھی اس وقت آپ کو معلوم

(باقی برصفحہ آئندہ)

ولذا لایفرقون بینھما فی الاخذ والاعطاء فرق نہیں اسی واسطے لوگ معاملات میں روپے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ان نسبۃ ذٰلک القصد الیھم فریۃ علیھم، وخامسًا بائع النوط اذا قبض دراھم الثمن واراد ردھا یعد ھذا عندھم اقالۃ البیع لاتسلیما للمبدل وھذا کلہ واضح جلی علی من یعرف الشمال من الیمین فسبحٰن اللہ من مبیع لم یعقد علیہ ولا قصد الیہ ولا نقد منہ بل ان نقد لم یقبل ولم یعد نقد المبدل بل ربما لایکون عند من باع فھل سمعت بمثلہ مبیعا فی الدنیا ولا عقد ولا نقد و لا قصد ولا وجد ولکن قلۃ الفھم و التدبر یأتی بعجائب نسأل اللہ العفو والعافیۃ، وبہ علم بطلان ما قصد بہ التفرقۃ بین الفلوس و النوط بان من اشتری شیأ بربیۃ اواستقرض ربیۃ واراد ان یعطی بدلھا فلوس ربیۃ فالدائن والبائع بالخیار فی قبولھا و

ہوجائیگا کہ نوٹ بیچنے میں ان کا یہ قصد قرار دینا کہ روپے بیچتے ہیں ان پر افتراء ہے۔ خامسًا نوٹ بیچنے والا جب قیمت کے روپے لے کر نوٹ نہ دے بلکہ روپے ہی پھیرے تو یہ ان کے نزدیک بیع کا فسخ ٹھہرتا ہے نہ یہ کہ اس نے جو چیز بیچی تھی وہی خریدار کو دے رہا ہے اور یہ سب باتیں ہر اس شخص پر روشن وظاہر ہیں جسے دہنے بائیں میں تمیز ہو تو سبحان اللہ وہ سو روپے جو بیچنے ٹھہرائے عجب مبیع ہیں کہ نہ اُن پر خرید و فروخت کا لفظ واقع ہوا نہ اُن کے لینے دینے کا ارادہ ہوا، نہ بائع نے وہ دیے بلکہ وہ دے تو خریدار لے نہیں اور مبیع کا دینا نہ ٹھہرے بلکہ بارہا وہ بائع کے پاس ہوتے بھی نہیں تو دنیا میں ایسی کوئی مبیع سنی ہے کہ بک گئی اور نہ عقد نہ نقد نہ قصد نہ وجود، مگر ہے یہ کہ فہم یا فکر کی کمی عجائب لاتی ہے ہم اللہ تعالٰی سے معافی وعافیت مانگتے ہیں اور یہیں سے ظاہر ہوگیا کہ مولوی صاحب نے جو پیسوں اور نوٹ میں یوں فرق نکالنا چاہا ہے کہ اگر ایک روپیہ کے عوض کوئی چیز خریدے یا ایک روپیہ کسی سے قرض لے اور بوقتِ ادا پیسے ایک روپیہ کے دے تو دائن اور فروخت کنندہ کو اختیار رہتا ہے لے یا

(باقی اگلے صفحہ پر)

فی المعاملات فاذن کانھا عشر ربا بی بیعت باثنی عشرۃ ربیۃ وھو ربا قطعا فھذا ان لم یکن ربا فشبھہ یلتحق بہ و یحرم۔

اقول وباللہ التوفیق ھذا اسدء واخنع ولاغرو اذا القوس فی ید غیر باریھا قد علم کل من ترعرع عن الصبا ولو قلیلا ان الاثمان الاصطلاحیۃ انما تقدر بالحقیقۃ بل النقود کلھا لھا تقدیر بالدراھم دنانیر کانت اوغیرھا ولابد لھا من نسبۃ الی الربابی فجنیہ بخمسۃ عشر وقطعۃ صغیرۃ بثمن ربیۃ واُخری بالربع واخری بالنصف و ست عشر اٰنۃ بربیۃ والنوط الفلان بعشرۃ والفلان بمائۃ ھکذا واذا استوت رواجا ومالیۃ فاھل العرف لایفرقون

اور نوٹ کے لین دین میں کچھ فرق نہیں کرتے تو گویا وہ یوں ہُوا کہ دس روپے بارہ کو بیچے گئے اور وہ بلاشک ربا ہے تو یہ اگر سود نہ ہو تو اس کی مشابہت کے سبب سُود سے لاحق ہو کر حرام ہو جائے گا۔

اقول وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے۔ ت) یہ شبہہ تو اور بھی ردی اور بھونڈا ہے مگر کوئی تعجب نہیں کہ کمان انجان کے ہاتھ میں ہے ہر وہ شخص جو بچپن سے کچھ بھی آگے بڑھا ہے جانتا ہے کہ اصطلاحی ثمنوں کے اندازے حقیقی ہی ثمن سے کئے جاتے ہیں بلکہ تمام نقدوں کے لئے روپیوں سے اندازہ ہے خواہ اشرفیاں ہوں یا اور کچھ، اور انھیں کچھ نہ کچھ روپیوں سے نسبت ضرور ہوگی تو ایک ساورن پندرہ روپے کی اور دوانی روپے کا آٹھواں حصہ اور چوانی چوتھائی اور اٹھنی آدھا اور ایک روپے کے سولہ آنے اور فلاں نوٹ دس روپے کا فلاں سَو کا وعلٰی ھذا القیاس، اور جب ان کا چلن اور مالیت یکساں ہو تو اہل عرف معاملات میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ولایجبرہ علیہ القاضی بخلاف النوط و من این لہ ادعاء ھذا ومن قال بہ و سیأتیك وتحقیق الامر بعد اسطر وباللہ التوفیق ۱۲ منہ۔

نہ لے اور حاکم کی طرف سے اس پر جبر نہیں ہو سکتا بخلاف نوٹ کے یہ فرق باطل ہے اور یہ ادعا انھوں نے کہاں سے نکالا اور کون اس کا قائل ہے اور عنقریب چند سطر کے بعد اس امر میں جو حق ہے اس کا بیان آتا ہے اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے ۱۲ منہ۔

بينها فی الاخذ والاعطاء فی معاملاتهم
فمن شری ثوبا بجنیه افرنجی وادی
خمس عشرة ربیة اوبالعکس لا یعد
هذا تبدیلا ولا تحویلا ولا ینکره البائع
ولا غیره وکذا القطعة الصغیرة وثمانیة
فلوسا افرنجیة لا یفرقون بینهما فی اخذ
ولا اعطاء وکذا ربع الربیة وستة
عشر فلسا ومن اشتری شیئا بنصف
ربیة فاما ان یؤدی النصف بعینه
او ربعی ربیة او اربعة اثمانه او ربعا
وثمنین او ربعا وثمنا وثمانیة فلوس او ثلثة
اثمان وثمانیة فلوس او ربعا وستة عشر فلسا او
ثمنا واربعة وعشرین فلسا او الکل بالفلوس اثنین
وثلثین فلسا الصور التسع جمیعا سواء عندهم
ولا یفرقون بینها اصلا لاستوائها جمیعا
فی المالیة والرواج ولیس هذا فی العرف
فقط بل الشرع ایضا خیر المشتری ان یؤدی
ایها شاء ولو امتنع البائع من قبول بعضها و
اراد الزام المشتری باحد الوجوه کان
تعنتا منه ولم یقبل، قال ابن عابدین

اُن کے لین دین میں کوئی فرق نہیں کرتے تو جو کوئی
کپڑا ایک پونڈ انگریزی کو خریدے اور دے پندرہ
روپے یا اس کا عکس تو نہ اسے کوئی تبدیل کہے گا
نہ قرارداد کا پھرنا اور نہ اس سے بائع انکار کرے گا
نہ کوئی اور، یونہی دوانی اور آٹھ پیسے انگریزی ان
کے لین دین میں بھی کوئی فرق نہیں کرتا، یونہی چونی
اور سولہ پیسے اور جس نے کوئی چیز اٹھنی کو خریدی وہ
یا تو خود اٹھنی دے یا دو چونیاں یا چار دوانیاں
یا ایک چوانی اور دو دوانیاں یا ایک چوانی اور
ایک دوانی اور آٹھ پیسے یا ایک چوانی اور سولہ
پیسے یا ایک دوانی اور چوبیس پیسے یا سب کے
بتیس پیسے، یہ نو کی نو صورتیں سب ان کے نزدیک
برابر ہیں اور ان میں اصلاً فرق نہیں کرتے اس لئے
کہ سب میں مالیت اور چلن یکساں ہیں اور یہ کچھ
عرف ہی میں نہیں بلکہ شریعت نے بھی خریدار کو
اختیار دیا ہے کہ ان میں سے جس صورت پر چاہے
ادا کرے اور اگر بیچنے والا اُن میں سے کسی صورت
کو نہ مانے اور کوئی دوسری صورت مشتری پر
لازم کرنا چاہے تو یہ اس کی طرف سے بیجا ہٹ
ہوگی اور مانی نہ جائے گی۔ تنویر الابصار میں جو

عــه والان اذ قد راج تفریق جدید یسمی
انة صح اداء نصف ربیة بستة وثلثین
وجها والکل سواء کما لا یخفی اھ منه۔

عــه اور اب کہ ایک نئی ریزگاری چل گئی ہے جسے
اکنی کہتے ہیں تو اٹھنی کے دام چھتیس طرح ادا
ہوسکتے ہیں اور سب برابر ہیں جیسا کہ پوشیدہ
نہیں ۱۲ منہ۔

تحت قول المتن ینصرف مطلقه (ای مطلق الثمن) الی غالب نقد البلد وان اختلف النقود مالیة فسد العقد مع الاستواء فی رواجها[1] مانصه اما اذا اختلف رواجا مع اختلافها فی مالیتها او بدونه فیصح وینصرف الی الاروج وکذا یصح لو استوت مالیة ورواجا لکن یخیر المشتری بین ان یؤدی ایهما شاء ومثل فی الهدایة مسئلة الاستواء فی المالیة والرواج بالثنائی والثلاثی واعترضه الشراح بان مالیة الثلثة اکثر من الاثنین واجاب فی البحر بان المراد بالثنائی ما قطعتان منه بدرهم وبالثلاثی ماثلثة منه بدرهم ، قلت وحاصله انه اذا اشتری بدرهم فله دفع درهم کامل او درهم مکسر قطعتین اوثلثة حیث تساوی الکل فی المالیة والرواج، ومثله فی زماننا الذهب یکون کاملا ونصفین و اربعة ارباع وکلها سواء فی المالیة والرواج ومنه یعلم حکم ما تعورف فی زماننا

فرمایا کہ مطلق ثمن شہر کے اُس نقد کی طرف پھرتا ہے جس کا چلن زیادہ ہو اور اگر وہ سکّے مالیت میں مختلف ہوں اور چلن ایک سا ہو تو عقد فاسد ہو جائیگا اس کے تحت میں علامہ شامی نے فرمایا لیکن اگر چلن ایک سا نہ ہو مالیت خواہ مختلف ہو یا نہیں تو عقد صحیح رہے گا اور جس کا چلن زیادہ ہے وہ مراد ٹھہریگا یُونہی اگر مالیت اور چلن دونوں یکساں ہوں جب بھی عقد صحیح رہے گا مگر اس صورت میں خریدار کو اختیار ہوگا کہ دونوں میں سے جو چاہے ادا کرے، اور ہدایہ میں چلن اور مالیت یکساں ہونے کی مثال ثنائی اور ثلاثی سے دی اور شارحوں نے اس پر اعتراض کیا کہ تین کی مالیت دو سے زیادہ ہے اور بحرالرائق میں جواب دیا کہ ثنائی سے وہ مراد ہے جس کے دو ایک روپے کے برابر ہوں ، اور ثلاثی وہ جس میں تین ایک روپے کے برابر ہوں ، میں کہتا ہُوں اس کا حاصل یہ ہے کہ جب اس نے کوئی چیز ایک روپے کو خریدی تو چاہے ایک روپیہ پُورا دے چاہے دو اٹھنیاں چاہے تین تہائیاں جبکہ سب مالیت اور رواج میں برابر ہوں ۔ اسی طرح اشرفی ہمارے زمانے میں پُوری اور دو نصف اور چار پاؤلی ہوتی ہے اور سب کی مالیت اور چلن یکساں ہیں ، اور اسی سے معلوم ہوگیا قرشوں کے عوض خریدنے کا حکم جو ہمارے زمانے میں

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴

من الشراء بالقروش فان القرش فی الاصل قطعة مضروبة من الفضة تقوم باربعین قطعة من القطع المصریة المسماة فی مصر نصفا ثم ان انواع العملة المضروبة تقوم بالقروش فمنها مایساوی عشرة قروش ومنها اقل ومنها اکثر فاذا اشتری بمائة قرش فالعادة انه یدفع ما اراد اما من القروش اومما یساویها من بقیة انواع العملة من ریال اوذهب ولایفهم احد ان الشراء وقع بنفس القطعة المسماة قرشا بل هی او مایساویها من انواع العملة متساویة فی الرواج المختلفة فی المالیة ولایرد ان صورة الاختلاف فی المالیة مع التساوی فی الرواج هی صورة الفساد لانه هنا لم یحصل اختلاف مالیة الثمن حیث قدر بالقروش و انما یحصل الاختلاف اذا لم یقدر بها کما لو اشتری بمائة ذهب وکان الذهب انواعا کلها رائجة مع اختلاف مالیتها فقد صار التقدیر بالقروش فی حکم ما اذا استوت فی المالیة والرواج وقد مران المشتری یخیر فی دفع ایهما شاء قال فی البحر فلو طلب البائع احدهما للمشتری دفع غیره لان امتناع

شائع کی ہے کہ قرش اصل میں ایک چاندی کا سکہ ہے جس کی قیمت چالیس قطعہ مصری ہوتی ہے جس کو مصر میں نصف کہتے ہیں پھر قسم قسم کے لئے سب کی قیمت قرشوں سے لگائی جاتی ہے تو اُن میں کوئی دس قرش کا کوئی کم کا کوئی زیادہ کا، تو جب کوئی چیز سو قرش کو خریدی تو عادت یہ ہے کہ وہ جو چاہے دے خواہ قرش ہی دے یا اور سکے جو مالیت میں اس کے برابر ہوں ریال یا گنی اور یہ کوئی نہیں سمجھتا ہے کہ خریداری خاص اس ٹکڑے پر واقع ہوئی ہے جس کا نام قرش ہے بلکہ قرش یا اور سکوں سے جو مالیت میں مختلف ہیں اور چلن میں یکساں ہیں اُتنا کہ اس کی مالیت کے برابر ہوجائیں اور یہ اعتراض وارد نہ ہوگا کہ مالیت مختلف ہونا اور چلن میں یکساں ہونا یہی تو فساد عقد کی صورت ہے اس لئے کہ یہاں ثمن کی مالیت میں اختلاف نہ پڑا جب کہ اس کا اندازہ قرشوں سے کیا گیا، ہاں اختلاف جب ہوتا کہ ان سے اندازہ نہ کرتے جیسے کہ سو اشرفیوں کو خریدے اور وہاں اشرفیاں کئی قسم کی ہوں چلن میں سب ایک سی اور مالیت میں مختلف، اور جب قرشوں سے اندازہ کرلیا یہ ایسا ہوگیا گویا مالیت اور چلن سب برابر ہیں، اور اوپر گزر چکا کہ مشتری کو اختیار ہوگا کہ ان میں سے جو چاہے دے۔ بحرالرائق میں فرمایا اگر بائع ان میں سے ایک سکہ طلب کرے تو مشتری کو اختیار ہے کہ دُوسرا دے اس لئے کہ جو

البائع من قبول ما دفعه المشتری ولا فضل
تعنت[1] اھ (ملخصًا) وھذا کله واضح جلی
وای تسویة وعدم تفرقة اعظم
من ان یشتری المشتری بالقروش
ثم یخیران یؤدی منھا او
من الریال او من الذھب الکامل
او من التفاریق وان لم یقبل
البائع کان متعنتا ومع ھذا
لایتوھم عاقل ان القروش والریال
والجنیه والتفاریق کلھا صارت جنسا
واحدا لایحل فیھا التفاضل او ان
بعضھا مغرق فی بعض کانه ھو
من دون فرق فالتفاضل ان لم
یکن ربا فبشبھه یلحق به ویحرم
مع نصھم قاطبة اجمعین ان عند
اختلاف الجنس یحل التفاضل بل
مع قول رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه
وسلم اذا اختلف النوعان فبیعوا
کیف شئتم[2]، وقد قدمنا تحقیق مسئلة
دینار بدرھم وان لیس ربا و
لاشبھة ربا بما لامزید علیه فاذا کان
ھذا فی القروش والریال

مشتری دے رہا ہے اس کے لینے سے بائع کا
انکار بے جا ہٹ ہے جبکہ مالیت میں تفاوت
نہیں انتہی۔ اور یہ سب ظاہر و روشن باتیں ہیں
اور اس سے بڑھ کر اور کیا برابر جاننا اور فرق نہ کرنا ہے
کہ مشتری خریدے تو قرشوں کو، پھر اسے اختیار
دیا جائے کہ چاہے قرش دے خواہ ریال چاہے
سونے کا پورا سکہ یا اس کی ریزگاری، اور بائع
نہ مانے تو بے جا ہٹ ٹھہرے، با ایں ہمہ کوئی
یہ وہم نہیں کرسکتا کہ قرش اور ریال اور اشرفی اور
ریزگاری سب کے سب ایک جنس ہوگئے ان میں
سے ایک دوسرے کو بیچیں تو کمی بیشی جائز نہ ہو یا
اُن میں ایک دوسرے میں ایسا غرق ہے کہ گویا بعینہٖ
بلا فرق دونوں ایک ہیں تو کمی بیشی اگر سود نہ ہو تو
اس کی مشابہت کے سبب اس کے حکم میں ہوکر
حرام ہوجائے حالانکہ تمام علماء بالاجماع تصریح
فرمارہے ہیں کہ اختلافِ جنس کے وقت کمی بیشی
جائز ہے بلکہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ
وسلم کا ارشاد موجود ہے کہ جب نوعیں بدلیں تو جیسے
چاہو بیچو، اور ہم نے اس مسئلہ کی تحقیق کہ ایک
روپے کو ایک اشرفی میں بیچنے میں نہ سود ہے نہ
سود کا شبہہ، اور اس طرح بیان کی جس سے
بڑھ کر کوئی بیان نہیں تو جب یہ حکم قرشوں اور ریال

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۲۶
[2] نصب الرایۃ لاحادیث الہدایۃ کتاب البیوع المکتبۃ الاسلامیہ، ریاض ۴/۴

والجنية والتفاريق مع ان كلها
اثمان خلقية وكلها تشملها احدى
علتى الرباء وهو الوزن فما ظنك
بالنوط مع الربابی مع ان النوط ليس الا
ثمنا مصطلحا ولا تقدير ماليته الا
بالاصطلاح الغير اللازم على العاقدين
ولا يشمله شیٔ من علة الربا لا الجنس
ولا القدر فالحكم ههنا لا يأتی الا من
احد ثلثة رفع عنهم القلم صبی و
و نائم ومجنون، نسأل الله العفو و
العافية هو تحقيق الجواب فی هذا
الباب وارجو ان لا عطر بعد عروس
ولكن يا هذا ان ابيت الا ما اتيت من
ان النوط مغرق فی الربابی كانه
هی فانا اسئلك ابهذا الاغراق وعدم
الافتراق صار النوط حقيقة دراهم
فضة او حكما بان اجری الشرع فی
مبادلته بالدراهم ما هو حكم مبادلة
الدراهم بالدراهم كما قلت كانها عشرة بانی
بيعت باثنی عشر اولا ولا علی
الثالث ما هذه الشقاشق
الفارغة عن منشاء ومعنی وعلی
الاولين يعود الربا عليك انت اذا بعت نوط
عشرة بعشرة وذلك لان حكم الدراهم
بالدراهم لم يكن فی الشرع التساوی فی

اور اشرفی اور ریزگاری میں ہوا حالانکہ وہ سب کے
سب خلقۃً ثمن ہیں اور ان سب میں ربا کی دو
علتوں میں سے ایک علت یعنی وزن موجود ہے
تو روپوں کے بدلے نوٹ پر تیرا کیا گمان ہے حالانکہ
نوٹ تو صرف ثمن اصطلاحی ہے اور اس کی مالیت کا
اندازہ بھی ایک اصطلاح ہے جس کی پابندی بائع و
مشتری پر لازم نہیں اور اُس میں ربا کی دو علتوں میں
سے کوئی نہیں نہ جنس نہ قدر، تو یہاں ناجوازی کا حکم
تین ہی شخصوں میں سے کوئی کرسکے گا جن پر سے قلم
شرع اٹھالیا گیا ہے، بچہ اور سوتا اور دیوانہ۔ ہم
اللہ تعالٰی سے معافی اور پناہ مانگتے ہیں، اس باب
میں یہی تحقیق جواب ہے اور امید کرتا ہوں کہ دُولھا کے
بعد عطر نہیں ولیکن اے شخص! اگر تُو کچھ نہ مانے سوا
اپنی اُسی بات کے کہ نوٹ روپوں میں ایسا غرق ہے
کہ گویا وہ روپے کا عین ہے تو اب میں تجھ سے پوچھتا
ہُوں کہ اس غرق ہونے اور فرق نہ ہونے کے سبب
آیا نوٹ حقیقۃً چاندی کا روپیہ ہو یا حکماً باین معنی
کہ روپوں سے نوٹ کی بیع میں شرع نے وہی حکم
جاری فرمایا جو روپوں سے روپوں کی بیع میں ہے
جیسا کہ تُو نے کہا تھا کہ گویا وہ دس روپے ہیں کہ
بارہ کو بیچے گئے یا حقیقۃً یا حکماً کسی طرح نہیں تیری
تقدیر پر یہ کیا بے منشاو معنی لفاظیاں ہیں اور پہلی
دونوں صورتوں میں ربا خود تجھ پر پلٹے گا جب کہ
تو دس کا نوٹ دس کو بیچے اس لئے کہ روپوں سے
روپے کی بیع میں شرع کا حکم یہ نہ تھا کہ مالیت میں

المالیة لاجماع الامة ان الجید والردی
ھٰھنا سواء وانما کان الحکم التساوی فی
القدر فیجب علیك ان تضع النوط فی
کفة والفضة من تفریق دراھم
اوغیرہ فی الکفة الاخری فلا تبیعه الابما ساواہ
وزنا ولا یکون ذٰلك الا قطعة صغیرۃ او
قطعتین فان زدت علیه شیئا فقد اکلت
الربا واحللت الربا وان زعمت ان الحکم
الساری الی النوط من الربائی لاجل
ھذا الاغراق وعدم الافتراق ھو التساوی
فی المالیة فھذا اجھل منك عظیم یساوی
ھزلا ویتساوك ھزلا فان التسویة فی
المالیة لم یکن حکم الربائی نفسھا
فکیف یسری منھا الی شبھھا مالیس فیھا
علا ان النوط ان اتحد مع الربائی
حقیقة اوحکما لا یتحد مع الذھب
لامتناع الاتحاد بین نوعین متباینین
فاذن ان بیع نوط عشرۃ باثنی عشر
جنیھا لا یلزم فیه ما لزم ثمه لعدم
الاتحاد فی الجنس حقیقة ولا حکماً
فحینئذ یرجع مآل فتواك الی ان
من باع نوط عشرۃ باثنی عشرۃ ربیة فھذا
حرام لانه حصل فضلا بلا عوض وان باعه
باثنی عشر جنیھا فھذا لا حرج علیه لانه
لم یحصل فضلا یعتد به

برابر ہوں تمام امت کا اجماع ہے کہ یہاں کھرا کھوٹا
برابر ہے بلکہ حکم تو یہی تھا کہ وزن میں برابری ہو تو
تجھ پر واجب ہے کہ ایک پلّہ میں نوٹ رکھے اور
دوسرے پلّہ میں روپے کی ریزگاری یا اور کوئی چاندی
بس اُتنے ہی کو اُسے بیچے جتنی چاندی وزن میں
نوٹ کے برابر ہو اور یہ دوانی یا چوانی بھر سے زائد
نہ ہوگی اور اگر اس پر کچھ زیادہ لے تو تو نے سود کھایا اور
سود حلال کیا اور اگر تو یہ زعم کرے کہ اس غرق ہونے
اور فرق نہ ہونے کے سبب روپوں سے جو حکم نوٹ کی
طرف آیا وہ یہ ہے کہ مالیت میں برابر کرلو تو یہ تیرا
بڑا جہل ہے جو ٹھٹے بازی کے مثل ہے اور دبلے پن
سے لک لک ہو رہا ہے کہ مالیت میں برابر کرنا
خود روپیوں کا حکم نہ تھا تو روپیوں سے اُن کے مشابہ
نوٹ کی طرف وہ حکم کیونکر سرایت کرے گا جو خود اُن
میں نہیں، علاوہ بریں اگر نوٹ روپوں کے ساتھ
حقیقۃً یا حکماً متحد ہو بھی جائے تو سونے کے ساتھ متحد
نہ ہوگا کہ دو متباین نوعیں متحد نہیں ہوسکتیں تو اس
تقدیر پر اگر دس روپے کا نوٹ بارہ اشرفی کو
بیچا جائے تو وہ حرج لازم نہ آئے گا جو بارہ روپے
سے بیچنے میں تھا کہ یہاں نہ جنس حقیقۃً ایک ہے
نہ حکماً تو اب تیرے فتوٰی کا انجام یہ ٹھہرے گا کہ
دس روپے کا نوٹ بارہ کو بیچنا تو حرام ہے اس لئے
کہ اس نے بلا معاوضہ ایک زیادتی حاصل کی اور
اگر بارہ اشرفی کو بیچے تو کوئی حرج نہیں اس لئے کہ
اس نے کوئی ایسی زیادتی حاصل نہ کی جس کا اعتبار

فسبحٰن اللہ من ھٰذہ الفتوی ما ادقھا نظرا واحقّھا رعایۃ لمقصد الشرع الشریف من تحریم الربا وھو صیانۃ اموال الناس ولاحول ولا قوۃ الّا باللہ العلی العظیم ، و بالجملۃ کلام ھذا المانع لا یرجع الی اصل شرعی ولا برھان وما ھو الا کلمۃ ھو قائلھا ما انزل اللہ بھا من سلطٰن، والحمد للہ وعلیہ التکلان و ھو المستعان۔

کیا جائے تو سبحان اللہ اس فتوی کا کیا کہنا، کس قدر اس کی نظر دقیق ہے اور ربا کے حرام کرنے میں شرع شریف کا جو مقصد تھا یعنی لوگوں کے مال محفوظ رکھنا کس درجہ اس نے اس کی رعایت کی ہے ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، خلاصہ یہ کہ اس منع کرنے والے کا کلام نہ کسی اصل کی طرف پلٹتا ہے نہ دلیل کی جانب، وہ تو ایک بات ہے کہ وہی اس کا قائل ہے اللہ نے اس پر کوئی دلیل نہ اتاری، سب خوبیاں خدا کو اور اسی پر بھروسا ہے اور اسی سے مدد کی طلب۔

واما الثانی عشر

جواب سوال دوازدہم

فاقول نعم یجوز اذا قصد البیع حقیقۃ دون القرض وذلک لان البیع جائز والتفاضل جائز والتاجیل جائز کما حققنا کل ذٰلک وما التنجیم الانوع من التاجیل نعم ان اقرض نوط عشرۃ وشرط ان یرد المستقرض اثنتی عشرۃ ربیۃ او احدی عشرۃ او عشرۃ وقطعۃ مثلا حالا او مالا منجما او غیر منجم فھذا حرام وربا قطعا لانہ قرض جر نفعا وقد قال سیدنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کل قرض جر منفعۃ فھو ربٰا[1]، رواہ

فاقول (تو میں کہتا ہوں) ہاں جائز ہے جبکہ دونوں حقیقۃً بیع کا ارادہ کریں نہ کہ قرض کا اس لئے کہ بیچنا جائز اور کمی بیشی جائز اور مدتِ معیّن پر اُدھار جائز، جیسا کہ ہم سب باتوں کی تحقیق بیان کر آئے اور قسط بندی بھی ایک قسم کی مدت ہی معین کرنا ہے، ہاں اگر دس کا نوٹ قرض دیا اور شرط کرلی کہ قرض لینے والا بارہ روپے یا گیارہ یا مثلاً ایک دوانی اوپر دس، اب یا کچھ مدت بعد قسط بندی سے یا بلا قسط واپس دے تو یہ ضرور حرام اور سود ہے اس واسطے کہ وہ ایک قرض ہے جس سے نفع حاصل کیا، اور بیشک ہمارے سردار رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو قرض کوئی نفع کھینچ کرلائے وہ سود ہے۔ یہ حدیث

[1] کنز العمال بحوالہ الحارث عن علی حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۶/ ۲۳۸

الحارث بن ابی اسامة عن امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ بخلاف ما اذا اقرض ولم یشترط شیئا من الزیادة ولا کانت معھودة من تعاملھما لان المعروف کالمشروط ثم ان المستقرض اوفاہ وزاد من عند نفسہ تکرما زیادة ممتازة منحازة کیلا تکون ھبة مشاع فیما یقسم فھذا جائز لاباس بہ بل ھو من باب "ھل جزاء الاحسان الا الاحسان[1]" وقد قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم للوزان فی ثمن سراویل اشتراھا زن وارجح[2] وکذا اذا تقاضاہ المقرض فلم یکن عندہ النوط اولم یرد ردہ فوقع الصلح علی اثنتی عشرة ربیة عوضا عن النوط الذی فی ذمتہ وقبضت الدراھم فی المجلس کیلا یکون افتراقا عن دین بدین فھذا ایضا جائز بالاتفاق ان کان النوط الذی استقرضہ مستھلکا وعند الطرفین مطلقا

حارث بن ابی اسامہ نے امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے روایت کی بخلاف اس کے جبکہ قرض دیا اور کچھ زیادہ لینا شرط نہ کیا اور نہ ان کے اگلے عمل درآمد سے زیادہ لینا معروف تھا (کیونکہ جو معروف ہے وُہ تو مثل شرط کے ہے) پھر قرض لینے والے نے قرض ادا کیا اور اپنی طرف سے احساناً کچھ ایسا زیادہ دیا جو الگ ممتاز ہو (یہ اس لئے کہ قابلِ تقسیم شے میں ہبہ مشاع نہ ہوجائے) تو یہ جائز ہے اس میں کچھ حرج نہیں بلکہ اس قبیل سے ہے کہ احسان کا بدلہ کیا ہے سوا احسان کے۔ اور بیشک حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جو ایک پاجامہ خریدا (اور وہاں قیمت تول کر دی جاتی تھی) تولنے والے سے فرمایا کہ تول اور زیادہ دے، یونہی اگر نوٹ قرض دیا تھا اور قرض خواہ نے اس سے تقاضا کیا اس کے پاس ویسا نوٹ نہ تھا یا اس نے نوٹ دینا نہ چاہا عوض میں روپے دینے چاہے دس کے نوٹ کے بدلے بارہ روپے پر صلح ہوئی اور اسی جلسے میں روپے ادا کردئے (تاکہ عاقدین یُوں جُدا نہ ہوں کہ دونوں طرف دین ہو) تو یہ بھی جائز ہے پھر اگر وُہ نوٹ جو اس نے لیا تھا اس کے پاس نہ رہا جب تو بالاتفاق جائز ہے اور اگر نوٹ اس کے پاس موجود ہے مگر خاص اس

---

[1] القرآن الکریم ۵۵/ ۶۰

[2] سنن النسائی کتاب البیوع المکتبۃ السلفیہ لاہور ۲/ ۲۱۷

جامع الترمذی ابواب البیوع امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۵۶

وان کان باقیا عندہ اذا لم یورد
العقد علیہ، نعم ان کان موجودا
واشتراہ بعینہ باثنی عشر او بعشرۃ
او بما شاء فھذا باطل لا یجوز عندھما
خلافا لابی یوسف رضی اللہ تعالٰی
عنھم لانہ قد ملکہ بالاستقراض
فکیف یشتری ملك نفسہ من غیرہ
فی وجیز الکردری اذا کان لہ علی
اٰخر طعام وفلوس فاشتراہ من
علیہ بدراھم وتفرقا قبل قبض
الدراھم بطل وھذا
مما یحفظ[1] اھ وفی ردالمحتار
عن الذخیرۃ اشتری من
المقرض الکر الذی لہ
علیہ بمائۃ دینار جاز لانہ
دین علیہ لا بعقد صرف و
لا سلم فان کان مستھلکا
وقت الشراء فالجواز قول الکل
لانہ ملکہ بالاستھلاك وعلیہ
مثلہ فی ذمتہ بلاخلاف
وان کان قائما فکذلك
عندھما وعلی قول ابی یوسف
ینبغی ان لا یجوز لانہ لا یملکہ
مالم یستھلکہ فلم یجب مثلہ

نوٹ کو روپوں سے نہ خریدا بلکہ ذمہ پر جو قرض تھا اسے
خریدا تو امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک جائز ہے۔
ہاں اگر وہی نوٹ کہ قرض لیا تھا موجود ہے اور بعینہٖ
اُسی کو بارہ روپے یا دس یا جتنے سے چاہے خریدے
تو یہ طرفین کے نزدیک باطل ہے اور امام ابو یوسف
رضی اللہ تعالٰی عنہم اسے جائز کہتے ہیں، باطل
ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب اس نے یہ نوٹ قرض لیا
تو قرض لیتے ہی اس کا مالک ہوگیا تو خود اپنی مملوک
چیز کو دوسرے سے کیونکر خریدے گا، وجیز کردری میں
ہے جب اس کا کسی پر غلہ یا پیسے آتے ہوں مدیون
نے وہ دَین اس سے روپوں کو خرید لیا اور روپوں
پر قبضہ ہونے سے پہلے دونوں جدا ہوگئے تو یہ بیع
باطل ہوگی اور یہ اُن مسائل میں سے ہے جن کا
یاد رکھنا لازم ہے انتہی، اور ردالمحتار میں ذخیرہ سے
ہے قرض دینے والے کا جو غلہ اس پر آتا تھا وہ
اس نے اس سے سو اشرفی کو خرید لیا جائز ہے
کہ یہ دَین اس پر نہ عقد صرف سے تھا نہ عقد سلم
سے، پھر اگر وہ غلہ خریداری کے وقت خرچ ہوچکا
تھا جب تو سب کے نزدیک جواز ہے اس لئے
کہ وہ خرچ کردینے سے بالاتفاق اس کا مالک
ہوگیا اور اس کے ذمہ پر اُتنا غلہ واجب رہا اور
اگر غلہ موجود ہے تو امام اعظم و امام محمد کے نزدیک
اب بھی جائز ہے اور امام ابو یوسف کے قول پر
چاہیے کہ جائز نہ ہو اس لئے کہ ان کے نزدیک

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الصرف نورانی کتب خانہ پشاور ۶/۵

في ذمته فاذا اضاف الشراء الى الكر الذي في ذمته فقد اضافه الى معدوم فلا يجوز[1] اھ وفيه عنهما استقرض من رجل كرا وقبضه ثم اشترى ذلك الكر بعينه من المقرض لايجوز على قولهما لانه ملكه بنفس القبض فيصير مشتريا ملك نفسه اما على قول ابي يوسف فالكر باق على ملك المقرض فيصير المستقرض مشتريا ملك غيره فيصح[2] اھ اما الاحتيال لدفع الربا فقد اسمعناك فيه ما يكفي ويشفي وقد تقدم قول ابي يوسف رحمه الله تعالى ان العينة جائزة ماجور من عمل بها قال واجره لمكان الفرار من الحرام[3] اھ وتقدم قوله ان الصحابة فعلوا ذلك وحمدوه[4] وتقدم قول الخانية ان مثل هذا

جب تک خرچ نہ کرلے اس کا مالک نہ ہوگا تو اس غلّہ کا مثل اس کے ذمّہ پر واجب نہیں، اب جو یہ کہا کہ وُہ غلّہ جو میرے ذمّہ ہے میں نے خریدا تو معدوم چیز خریدی لہذا ناجائز ہوا انتہی، نیز ردالمحتار میں ذخیرہ سے ہے کسی سے ایک پیمانہ غلّہ قرض لے کر قبضہ کرلیا پھر بعینہ وہی غلّہ قرض دینے والے سے خریدا امام اعظم اور امام محمد کے قول پر جائز نہیں کہ وُہ تو قبضہ کرتے ہی اس غلّہ کا خود مالک ہوگیا تو اب اپنی ملک دوسرے سے کیسے خرید سکتا ہے، ہاں امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر وہ غلّہ ابھی قرض دینے والے کی ملک پر باقی ہے تو یُوں ہوگا کہ پرائی ملک اس سے خریدی تو صحیح ہوئی انتہی، اور دفع ربا کے لئے حیلہ کرنا اس میں ہم تجھے وُہ کچھ سُنا چکے جو کافی وشافی ہے، اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کا ارشاد گزر چکا کہ عینہ جائز ہے اور اس کا کرنے والا ثواب پائے گا فرمایا اس میں ثواب اس وجہ سے ہے کہ حرام سے بھاگنا ہے انتہی، اور ان کا یہ ارشاد بھی گزرا کہ صحابہ کرام نے اسے کیا اور اس کی تعریف فرمائی۔ اور فتاوٰی قاضی خان کا قول گزرا کہ اس کا مثل

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی القرض داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۱۷۳
[2] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۴/۱۷۳
[3] فتاوٰی قاضیخان ؍؍ باب فی بیع مال الربوٰ نولکشور لکھنؤ ۲/۴۰۷
[4] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/۳۲۴

مروی عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ امر بذلک[1] اھ فمن بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واصحابہ وفی البحر عن القنیۃ لاباس بالبیوع التی یفعلہا الناس للتحرز عن الربا ثم رقم اخرھی مکروھۃ ذکر البقالی الکراھۃ من محمد وعندھما لاباس بہ قال الزرنجری خلاف محمد فی العقد بعد القرض اما اذا باع ثم دفع الدراھم لاباس بالاتفاق[2] اھ وکذلک حکی الاجماع الامام خواھرزادہ رحمہ اللہ تعالٰی اذا لم یکن البیع مشروطا فی القرض فاذا ثبت عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تعلیمہ وصح عن الصحابۃ فعلہ وتمدیحہ واجمع ائمتنا علی جوازہ فای محل بقی للارتیاب واللہ الہادی الصواب **اقول** ثم ھذا ایضا فی اجتماع البیع والقرض بان یقرضہ دراھم ویبیعہ شیئا یسیرا

نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہوا کہ حضور نے اس کا حکم دیا انتہی، تو اب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے بعد اور کون ہے، اور بحرالرائق میں قنیہ سے ہے کہ وہ بیعیں جو لوگ ربا سے بچنے کے لئے کرتے ہیں ان میں کچھ حرج نہیں پھر ایک اور عالم کے نام کی رمز لکھی کہ انھوں نے کہا مکروہ ہے، امام بقالی نے ان کی کراہت امام محمد سے روایت کی اور امام اعظم اور امام ابو یوسف کے نزدیک اس میں کچھ حرج نہیں، امام شمس الائمہ زرنجری نے فرمایا امام محمد کا خلاف اس صورت میں ہے جبکہ قرض دے کر پھر ایسی بیع کرے اور اگر بیع کر کے پھر روپے دیے تو بالاتفاق کچھ حرج نہیں انتہی، اور اسی طرح امام شیخ الاسلام خواہرزادہ نے اس کے جواز پر اتفاق نقل فرمایا جبکہ قرض میں بیع کی شرط نہ لگائی ہو، تو جب کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس کی تعلیم ثابت اور صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے اس کا کرنا اور اس کی تعریف ثابت، اور ہمارے اماموں کا اس کے جواز پر اجماع قائم تو اب شک کی کون سی جگہ باقی رہی اور اللہ ہی ٹھیک راستہ دکھانے والا ہے **اقول** (میں کہتا ہوں) پھر یہ بھی اس صورت میں ہے کہ بیع اور قرض جمع ہوں یوں کہ اسے کچھ روپے قرض دے اور

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیوع باب فی بیع مال الربا نولکشور لکھنؤ ۲/ ۴۰۶

[2] بحرالرائق " " ایچ ایم سعید کمپنی ۶/ ۱۲۶

بثمن کثیر فیقبله لحاجة القرض ففی هذا ان تقدم القرض قیل کره البیع لانه قرض جر نفعا وان تقدم البیع لم یکن به باس اتفاقا لانه بیع جر قرضا کما افاده الامام شمس الائمة الحلوانی وبه افتی کما فی رد المحتار اما ما نحن فیه من مسألة النوط فبیع خالص لا قرض فیه اصلا لا بدأ ولا عودا فذا اولی واحری ان یحل بالاتفاق من دون نزاع ولا شقاق وان شئت الزیادة فی امر الحیل فهذا ربنا تبارك وتعالٰی قائلا لعبده ایوب علیه الصلٰوة والسلام "خذ بیدك ضغثا فاضرب به ولا تحنث"[1] وهذا سیدنا رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم قد علم المخلص من الربا وطریق الوصول الی المرام مع التحرز عن الحرام روی الشیخان عن ابی سعید الخدری رضی الله تعالٰی عنه قال جاء بلال رضی الله تعالٰی عنه الی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم بتمر برنی

تھوڑی سی چیز زیادہ قیمت کو اس کے ہاتھ بیچے تو حاجت قرض کے سبب اُسے قبول کرے گا تو اس صورت میں اگر قرض پہلے ہے تو بعض نے بیع کو مکروہ کہا اس لئے کہ یہ وہ قرض ہُوا جس نے ایک منفعت کھینچی اور اگر بیع پہلے ہوچکی تھی تو بالاتفاق اس میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ وہ ایک بیع ہے جو قرض کا نفع لائی جیسا کہ امام شمس الائمہ حلوانی نے افادہ فرمایا اور اسی پر فتوٰی دیا جیسا کہ ردالمحتار میں ہے اور وہ مسئلہ جس میں ہم بحث کررہے ہیں یعنی نوٹ یہ تو خالص بیع ہے اس میں قرض اصلاً نہیں، نہ ابتدا میں نہ بعد کو، تو اس کا بالاتفاق بلاخلاف وبلانزاع جائز ہونا زیادہ لائق و مناسب ہے اور اگر تو مسئلہ حیلہ میں زیادت چاہے تو یہ ہے ہمارا رب عزوجل تبارک وتعالٰی اپنے بندہ ایوب علیہ الصلٰوۃ والسلام سے فرماتا ہوا اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو لے لے اس سے مار اور قسم نہ توڑ اور یہ ہیں ہمارے سردار رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ انھوں نے ربا سے بچنے کا حیلہ اور ایسا طریقہ کہ مقصود کو حاصل ہوجائے اور حرام سے محافظت رہے تعلیم فرمایا اسے بخاری ومسلم نے ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ انھوں نے فرمایا بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ نبی صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس خرمائے برنی

---

[1] القرآن الکریم ۳۸/ ۴۴

فقال لہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من
این ھذا، قال بلال کان عندنا
تمر ردیٔ فبعت منہ صاعین بصاع
فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ
وسلم اوّہ عین الربا عین الربا لاتفعل و
لکن اذا اردت ان تشتری فبع
التمر ببیع اٰخر ثم اشتربہ[1] و
ایضا لہما عنہ وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ
تعالٰی عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ
تعالٰی علیہ وسلم استعمل رجلا
علی خیبر فجاءہ بتمر جنیب
فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ
وسلم اکل تمر خیبر ھکذا قال
لا واللہ یارسول اللہ انا لناخذ الصاع من
ھذا بالصاعین والصاعین بالثلٰث
فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم
لاتفعل بع الجمع بالدراھم
ثم ابتع بالدراھم جنیبا[2] **اقول** اما
کراھۃ من کرہ کمحمد فانما کان
کما تقدم عن الفتح والایضاح

لائے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان سے فرمایا
کہ یہ تم نے کہاں سے لئے، بلال رضی اللہ تعالٰی
عنہ نے عرض کی ہمارے پاس خراب چھوہارے تھے
ہم نے اس کے دو صاع کے بدلے ان کا ایک صاع
خریدا، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا اُف خاص
ربا ہے خاص ربا ہے ایسا نہ کر، مگر جب ان کو خریدنا
چاہو تو اپنے چھوہاروں کو کسی اور چیز سے بیچ کر اس
شئی کے بدلے ان کو خریدو۔ نیز بخاری ومسلم نے ابوسعید
خدری اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما دونوں سے روایت
کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک صاحب
کو خیبر پر عاملِ صوبہ کرکے بھیجا وہ خدمت اقدس میں
خرمائے جَنیب لے کر حاضر ہوئے حضور اقدس صلی اللہ
تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا خیبر کے سب چھوہارے ایسے
ہی ہیں، عرض کی نہیں خدا کی قسم یارسول اللہ! ہم اس
میں کا ایک صاع دو صاع کو دو صاع تین صاع کو
لیتے ہیں۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا
ایسا نہ کرو اپنے چھوہارے روپوں سے بیچ کر
روپوں سے یہ چھوہارے خرید لو۔ **اقول** (میں کہتا
ہوں) وہ جس نے اس میں کراہت سمجھی جیسے امام محمد
ان کا سمجھنا تو صرف اس بنا پر تھا جیسا کہ فتح القدیر

---

[1] صحیح البخاری کتاب الوکالۃ باب اذا باع الوکیل شیئا فاسدا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۱۱
صحیح مسلم کتاب المساقات باب الربا " ۲/ ۲۶
[2] صحیح البخاری کتاب البیوع باب اذا اراد بیع تمر بتمر خیر منہ " ۱/ ۲۹۳
صحیح مسلم کتاب المساقات باب الربا " ۲/ ۲۶

والمحیط کَہٗ لا یألفہ الناس فیقعوا فی المحظور وفی زماننا قد انعکست الامور وفشا الربا فی اھل الھند جھارا لایستحیون منہ کانھم لایعدونہ عیبا ولا عارا فمن نزلھم عن ھذا البلاء العظیم و الکبیرۃ الشدیدۃ الی بعض ھذہ الحیل الجائزۃ کبیع نوط عشرۃ باثنتی عشرۃ منجما وغیرذٰلك مما تقدم عن الامام فقیہ النفس فلا شك انہ ناصح للمسلمین وما الدین الا النصح لکل مسلم وھم ان جاھروا بالمعاصی فالاسلام باق بعد وللّٰہ الحمد، فاذا سمعوا ما یصلون بہ المرام مع النجاۃ عن الحرام فما لھم ان لایتوبوا فانھم غیر معاندین للشرع و الاسلام وقد قال مشایخ بلخ منھم محمد بن سلمۃ للتجار ان العینۃ التی جاءت فی الحدیث خیر من بیاعاتکم قال المحقق حیث اطلق وھو صحیح فلا شك ان البیع الفاسد بحکم الغصب المحرم فاین ھو من بیع العینۃ الصحیح المختلف فی کراھتہٖ[1] اھ اما زعم الزاعم انہ ان لم ینہ عنہ فما الفرق بینہ و بین الربا مع حصول الفضل

الایضاح ومحیط سے گزرا کہ لوگ اس کے خوگر ہوکر ناجائز بات میں نہ پڑیں اور ہمارے زمانے میں معاملہ اُلٹا ہوگیا اور ہندوستان میں سُود علانیہ شائع ہوگیا کہ اُس سے شرماتے نہیں گویا وہ اُن کے نزدیک نہ کوئی عیب ہے نہ عار، تو جو ان کو اس عظیم بلا اور سخت کبیرہ سے ان جائز حیلوں میں کسی کی طرف اتار لائے جیسے دس کا نوٹ قسط بندی کرکے بارہ کو بیچنا اور اس کے سوا اور حیلے جو امام فقیہ النفس قاضی خاں سے گزرے تو کچھ شبہہ نہیں کہ وہ مسلمانوں کا خیر خواہ ہے اور دین نام نہیں مگر ہر مسلمان کی خیر خواہی کا، اور لوگ اگرچہ گناہ علانیہ کر رہے ہیں مگر اسلام ابھی باقی ہے وللہ الحمد، تو جب وہ ایسی بات سنیں جس سے اپنی مراد پائیں اور حرام سے بچیں تو کیا وجہ ہے کہ توبہ نہ کریں کہ ان کو شریعت اور اسلام سے کچھ عداوت تو نہیں اور بیشک مشایخ بلخ مثل امام محمد بن سلمہ وغیرہ نے تاجروں سے فرمایا وہ عینہ جس کا ذکر حدیث میں ہے تمہاری ان بیعوں سے بہتر ہے۔ محقق علی الاطلاق نے فرمایا یہ ٹھیک بات ہے اس لئے کہ بلاشبہہ بیع فاسد غصب حرام کے حکم میں ہے تو کہاں وہ اور کہاں بیع عینہ کہ صحیح ہے اور اس کی کراہت میں بھی اختلاف انتہی، رہا زعم کرنے والے کا یہ زعم کہ اگر یہ منع نہ ہو تو اس میں اور ربا میں کیا فرق ہے حالانکہ زیادتی

---

[1] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/۳۲۴

فیھما **اقول** ھذا اعتراض اورده المشرکون وقد تکفل الجواب عنہ ربنا تبارك و تعالٰی فی القراٰن العظیم، قالوا انما البیع مثل الربٰو واحل اللہ البیع وحرم الربٰو[1]، الم یر المعترض انا انما احللنا الربح فی بیع جنسین متخالفین فان حرم ھذا لانسد باب البیاعات ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم انتہی الجواب بتوفیق الوھاب والحمد للہ اولاً واٰخراً و باطناً و ظاھراً وسمیتہ کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم ۱۳۲۴ھ لیکون العلم علما علی عام التالیف وقد ابتدأ فیہ العبد الضعیف یوم السبت ثم عاودتنی الحمّی یوم الاحد فانھیتہ ضحی یوم الاثنین لسبع بقین من المحرم الحرام سنۃ ۱۳۲۴ھ وذٰلك فی بلد اللہ الحرام باقتراح الفاضل الصفی الوفی امام المقام الحنفی مولانا الشیخ عبد اللہ بن شیخ الخطباء و سید الائمۃ العظماء العالم العامل الفاضل الکامل الزاھد الورع التقی النقی مجمع الفضائل ومنبع الفواضل حضرۃ الشیخ احمد ابی الخیر حفظھما اللہ تعالٰی عن

دونوں میں حاصل ہوئی **اقول** (میں کہتا ہوں) یہ وہ اعتراض ہے کہ کفار نے کیا تھا اور خود رب العزۃ تبارک وتعالٰی نے قرآن عظیم میں اس کا جواب دیا، کافر بولے بیع بھی تو ایسے ہی ہے جیسے ربا اور ہے یہ کہ اللہ نے حلال کی بیع اور حرام کیا سُود، کیا معترض نے یہ نہ دیکھا کہ ہم نے نفع وہیں حلال کیا جہاں دو جنسوں کی بیع ہو تو اگر یہ حرام ہو تو خرید و فروخت کا دروازہ ہی بند ہوجائے ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم، وہاب جل جلالہ کی توفیق سے جواب تمام ہوا اور اللہ ہی کے لئے حمد ہے آگے اور پیچھے اور نہاں و عیاں، اور میں نے اس کا نام کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم" رکھا تاکہ نام سالِ تصنیف کی علامت ہو اور بندۂ ضعیف نے شنبہ کے دن لکھنا شروع کیا تھا پھر اتوار کے دن بخار عود کر آیا تو پیر کے دن پہروں چڑھے میں نے اسے تمام کیا، محرم شریف کی تیئس ۲۳ تاریخ ۱۳۲۴ھ اور یہ تصنیف اللہ کے حرمت والے شہر (مکہ معظمہ) میں ہوئی ان کی خواہش سے جو فاضل کامل پاکیزہ مصلائے حنفی کے امام ہیں مولانا شیخ عبد اللہ ان کے صاحبزادے جو خطیبوں کے شیخ اور عظمت والے اماموں کے سردار ہیں یعنی عالم باعمل، فاضل کامل، زاہد، متورع، متقی، پاکیزہ، مجمع فضائل و منبع فواضل حضرت شیخ احمد ابی الخیر اللہ تعالٰی ہر ضرر سے ان دونوں کا نگہبان ہو

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

کل ضیر ورزقھما من کل خیر وغفرلنا ذنوبنا وستر عیوبنا وخفف اثقالنا وحقق اٰمالنا ورزقنا العود بعد العود الٰی ھٰذا البیت الکریم و بیت الحبیب الرؤف الرحیم علیه وعلٰی اٰله افضل الصلوٰۃ والتسلیم بقبوله ورضاہ حتی یجعل اٰخرذٰلك موتنا علی الایمان فی المدینة المنورۃ والدفن بالبقیع والفوز بشفاعة الشفیع الرفیع صلی اللہ تعالٰی علیه وعلی اٰله وصحبه وبارك وکرم اٰمین والحمدللہ رب العٰلمین۔

اور ہر بھلائی سے ان کو حصّہ دے اور ہمارے گناہ بخشے اور ہمارے عیب چھپائے اور ہمارے بوجھ ہلکے کرے اور ہماری آرزوئیں پوری کرے اور ہمیں بار بار اس عزّت والے گھر اور مزار نبی رؤف رحیم علیہ وعلی آلہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی طرف اپنے قبول ورضا کے ساتھ عود کرنا نصیب فرمائے یہاں تک کہ آخر میں ہمیں ایمان کے ساتھ مدینہ منورہ میں مرنا اور بقیع میں دفن ہونا اور رفعت والے شفیع کی شفاعت پانا نصیب کرے، اللہ تعالٰی ان پر درود وسلام بھیجے اور ان کی آل واصحاب پر اور اپنی برکت وتکریم اُن پر اتارے، آمین، والحمد للہ رب العالمین۔

کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمدن المصطفٰی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمدن المصطفٰی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

فتوٰی حامیِ سنّت ماحیِ بدعت جناب مولٰنا مولوی شاہ محمد ارشاد حسین صاحب رامپوری رحمۃ اللہ

مسئلہ ۲۱۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ نوٹ جو آج کل رائج ہے ان کا خرید وفروخت زیادہ وکم پر جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا وتوجروا۔

الجواب ھو الملھم للصواب

خرید وفروخت نوٹ مذکور کی زیادہ یا کم پر جائز ہے اس واسطے کہ حکام نے اس کو مال قرار دیا ہے اور جو شئی کہ اصطلاحِ قوم میں مال قرار دی جائے خواہ فی اصلہ اس میں ثمنیت اور مالیت ثابت نہ ہو لیکن فقط قوم کے قرار دینے سے ثمنیت اور مالیت اس میں ثابت ہوجاتی ہے اور کم اور بیش پر اُس کی

خرید و فروخت جائز ہے۔

قال فی الھدایۃ ویجوز بیع الفلس بالفلسین باعیانھما عند ابی حنیفۃ وابی یوسف وقال محمد لایجوز لان الثمنیۃ تثبت باصطلاح الکل فلا تبطل باصطلاحھما واذا بقیت اثمانا لاتتعین فصار کما اذا کانا بغیر اعیانھما وکبیع الدرھم بالدرھمین ولھما ان الثمنیۃ فی حقھما تثبت باصلاحھما اذلاولایۃ للغیر علیھما فتبطل باصطلاحھما واذا بطلت الثمنیۃ تتعین بالتعین[1] اھ۔

ہدایہ میں فرمایا اور ایک پیسہ کی دو معین پیسوں سے امام اعظم ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک بیع جائز ہے اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا جائز نہیں اس لئے کہ ان کی ثمنیت تمام لوگوں کی اصطلاح سے ثابت ہوئی تو ان دو بیع کرنے والوں کی اصطلاح سے باطل نہ ہوگی، اور جب یہ ثمنیت پر باقی ہیں تو متعین نہ ہوسکیں گے تو ایسے ہوئے جیسے غیر معین چیز ہو، اور ایک درہم کی بیع دو درہموں کے بدلے ہو، اور امام اعظم اور امام ابویوسف رحمہما اللہ تعالٰی کی دلیل یہ ہے کہ دونوں کی ثمنیت ان خرید و فروخت کرنے والوں کی اصطلاح سے ہوگی کیونکہ غیر کو ان پر ولایت نہیں تو ان کی اصطلاح سے باطل ہوجائے گی تو جب ثمنیت جاتی رہی تو اب متعین کرنے سے متعین ہوجائیں گے اھ۔ (ت)

پس جبکہ نوٹ مذکور میں کہ کاغذ ہے مالیت ثابت ہوئی تو اس کا بھی خرید و فروخت ساتھ کمی او ربیشی کے جائز ہے۔

فی ردالمحتار فی باب العینۃ حتی لوباع کاغذۃ بالف یجوز ولا یکرہ[2] انتہی۔

ردالمحتار کے باب العینہ میں ہے کہ، حتی اگر کاغذ کو ہزار روپے سے فروخت کرے جائز ہے اور کراہت نہیں ہے۔ انتہی۔ (ت)

واللہ اعلم وعلمہ اتم، العبد المجیب محمد ریاست علی عفی عنہ

محمد ریاست علی خاں

الجواب صواب	الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صواب
احمدی	محمد اعجاز حسین	کتبہ	محمد حسن
محمد ارشاد حسین		حامد حسین عفی عنہ	

---

[1] الہدایہ کتاب البیوع باب الربٰو مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۳

[2] ردالمحتار کتاب الکفالۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۷۹

البتہ بیع وشراء مذکور جائز ہے فقط
العبد محمد عبدالقادر عفی عنہ

بلاشبہہ اصطلاح میں قرار دیا جاتا ہے اور
بیع وشراء مذکور جائز ہے فقط
العبد ابوالقاسم محمد مزمل عفی عنہ

حکم کرنا مجیب کا نسبت صحت بیع مذکور کے صحیح اور
درست ہے۔
العبد محمد عنایت اللہ عفی عنہ

الجواب ہو الجواب

محمد نظر علی

الجواب صواب
محمد عبدالجلیل بن محمد عبدالحق خان

كَاسِرُ السَّفِيْهِ الْوَاهِمْ فِیْ اِبْدَالِ قِرْطَاسِ الدَّرَاهِمْ ۱۳۲۹ھ

(کاغذی نوٹ کے بدلنے سے متعلق بیوقوف وہمی کو شکست دینے والا)

کا ترجمہ ملقب بلقب تاریخی

اَلذَّیْلُ الْمَنُوْطُ لِرِسَالَۃِ النُّوْطِ ۱۳۲۹ھ

(رسالہ نوٹ کا معلق دامن)

مسئلہ ۲۱۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

الحمدللہ رسالہ مبارکہ کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم ۱۳۲۴ھ نوٹ کے متعلق جملہ مسائل ایسے بیان نفیس سے روشن کئے کہ اصلاً کسی مسئلہ میں کوئی حالت منتظرہ باقی نہ رہی۔ یہ یہ رسالہ مکہ معظمہ میں وہیں کے دو علمائے کرام کے استفتاء پر نہایت قلیل مدت میں تصنیف ہوا اس وقت تک رقم سے کم زیادہ کو نوٹ بیچنے کے بارے میں مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی کا خلاف معلوم تھا ان کا فتوٰی اگرچہ وہاں موجود نہ تھا مگر اس کا مضمون ذہن میں تھا بفضلہ تعالٰی گیارھویں مسئلہ میں اس کا وافی شافی

ردگزرا کہ مصنف کو کافی اور اوہام کا نافی ہے وللہ الحمد ۔ یہ معلوم بھی نہ تھا کہ دیوبندیوں کے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی آنجہانی نوٹ کو تمسک ٹھہرا کر سرے سے مال سے خارج اور کم وبیش درکنار برابر کو بھی اُس کی خرید و فروخت ناجائز کر چکے ہیں تاہم بالہام الٰہی شروع کتاب میں اس پر بقدر کفایت بحث ہوئی جس نے حق کے چہرے سے نقاب اٹھائی اور سفاہت سفہا گھر تک پہنچائی والحمد للہ ۔ حاجت نہ تھی کہ اب اُس وہم یا اُس سفاہت کی طرف مستقل توجہ ہو لیکن نفع برادرانِ دینی کے لئے مناسب معلوم ہُوا کہ ان دونوں تحریروں کو ذکر کروں اور اُن کے فقرے فقرے کا جہاں جہاں اس کتاب میں رد مذکور ہُوا ہے اس کا پتہ بتادوں اور باقتضائے توجہ مستقل جو بعض مباحث تازہ خیال میں آئیں اضافہ کروں اور اس کا تاریخی نام کاسر السفیہ الواھم فی اِبْدال قرطاس الدراھم[۱۳۲۹] رکھوں ۔ سفاہت سے اشارہ تحریر جناب گنگوہی صاحب کی طرف ہے، اور وہم سے فتوائے مولوی لکھنوی صاحب کی طرف ۔ اول کے لحاظ سے لفظ اِبدال بکسر ہمزہ مصدر پڑھنا چاہئے کہ ان کو نفس مبادلہ و بیع نوٹ میں عروض سفاہت ہے اور دوم کے اعتبار سے اعتبار سے بفتح ہمزہ صیغہ جمع کہ یہ نوٹ کا صرف ایک بدل یعنی جو رقم کے برابر ہو جائز رکھتے ہیں اور در بارہ کم و بیش وہم ممانعت ہے ھذا و باللہ التوفیق ۔

ردِ سفاہت

جناب گنگوہی صاحب کی جلد دوم فتاوٰی ص ۱۶۹ میں ہے "نوٹ وثیقہ اس روپے کا ہے جو خزانہ حاکم میں داخل کیا گیا ہے مثل تمسک کے اس واسطے کہ نوٹ میں نقصان آجائے تو سرکار سے بدلا سکتے ہیں اور اگر گم ہو جائے تو بشرط ثبوت اس کا بدل لے سکتے ہیں اگر نوٹ بیع ہوتا تو ہرگز مبادلہ نہیں ہو سکتا تھا دنیا میں کوئی مبیع بھی ایسا ہے کہ بعد قبض مشتری کے اگر نقصان یا فنا ہو جائے تو بائع سے بدل لے سکیں پس اس تقریر سے آپ کو واضح ہو جائیگا کہ نوٹ مثل فلوس کے نہیں ہے فلوس مبیع ہے اور نوٹ نقدین ان میں زکوٰۃ نہیں اگر بہ نیت تجارت نہ ہوں[۱] اور نوٹ تمسک ہے اس پر زکوٰۃ ہوگی اکثر لوگوں کو شبہہ ہو رہا ہے کہ نوٹ کو مبیع سمجھ کر زکوٰۃ نہیں دیتے کاغذ کو مبیع سمجھ رہے ہیں سخت غلطی ہے[۱] فقط"۔ اور جلد اول ص ۵۷ و ۶ ، میں ہے : "نوٹ کی خرید و فروخت برابر قیمت پر بھی درست نہیں مگر اس میں حیلہ حوالہ ہو سکتا ہے اور بحیلہ عقد حوالہ کے جائز ہے مگر کم زیادہ پر بیع کرنا ربا ناجائز ہے یہ تفصیل اس کی ہے[۲] فقط"۔ جناب

---

[۱] فتاوٰی رشیدیہ کتاب الزکوٰۃ محمد سعید اینڈ سنز کراچی ص ۳۵۶

[۲] " کتاب البیوع " " " ۴۱۸

گنگوہی صاحب نے اول نوٹ کو تمسک بنایا اور آخر میں صرف اس جُرم پر کہ وہ کاغذ ہے اور کاغذ بھلا کہیں بکنے کی چیز ہے وہ تو دریا کے پانی نہیں نہیں بلکہ ہوا کی طرح ہے جس کی بیع ہو ہی نہیں سکتی اس کی خرید و فروخت کو مطلقاً ناجائز ٹھہرایا اگرچہ برابر کو ہو، مگر خود ہی اسی جلد دوم کے ص ۱۴۳ پر فرمانے والے تھے کہ "روپیہ بھیجنے کی آسان ترکیب نوٹ کو رجسٹری یا بیمہ کرا دینا ہے[1]" اب گھبرائے کہ نوٹ کی خرید و فروخت تو میں حرام کرچکا ہوں نوٹ آئیں گے کس گھر سے کہ رجسٹری کراکر مرسل ہوں ناچار اِدھر اُدھر ٹٹولا حوالہ پر ہاتھ پڑا لہذا اس حیلہ حوالہ کی گھڑدی کہ "بحیلہ عقد حوالہ جائز ہے[2]" یعنی زید نے عمرو سے پانچ روپے کا نوٹ مول لے کر پانچ روپے اسے دیے وہ اگرچہ خریدم فروختم (میں نے خریدا اور میں نے بیچا۔ ت) کہہ رہے ہیں مگر زبردستی ان کے سر یہ منڈھو کہ نہ بیچا نہ مول لیا نہ قیمت دی بلکہ زید نے عمرو کو پانچ روپے قرض دیے اور عمرو جو گورنمنٹی خزانے سے یہ نوٹ مول لے چکا تھا وہ بھی قرض کا لین دین تھا، ان کے نزدیک گورنمنٹ پر ایسا وقت پڑا تھا کہ وہ عمرو سے پانچ روپے قرض لینے بیٹھی تھی اور اس کی سند کے لئے یہ نوٹ کا تمسک اس کے ہاتھ میں تھما دیا تھا کہ سند باشد و عند الحاجۃ بکار آید (کہ سند رہے اور بوقتِ ضرورت کام آئے۔ ت) اب جو عمرو سیٹھ پر وقت پڑا اس نے زید سے پانچ روپے اُدھار لئے اور وہی تمسک اب اسے پکڑا دیا کہ گورنمنٹ پر ہمارے پانچ روپے اگلے وقتوں کے قرض آتے ہیں جن کو برسیں گزریں اب تک گورنمنٹ نے ادا نہ کئے ہم نے اپنے اوپر کے گورنمنٹ پر اُتار دیے تم اس سے وصول کرلینا، یہ حضرت کی اس ٹٹول کا حاصل ہے جسے ہر عاقل جانتا ہے کہ محض سفاہت و باطل ہے اس کا رد کافی رسالہ کے صفحہ ۱۲۶ و ۱۲۷ و ۱۲۸ و ۱۲۹ میں گزرا پھر بھی اس کی بعض جہالتوں کا اظہار خالی از فائدہ نہیں کہ اس ضمن میں ناظر کو بہت سے مسائل و فوائد پر اطلاع ہوگی ان شاء اللہ تعالٰی۔

فاقول و باللہ التوفیق (پس میں کہتا ہوں اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے۔ ت)

اوّل تو یہی سرے سے سخت حماقت ہے کہ جہان بھر کے عاقدین جس عقد کا قصد کریں زبردستی اس سے تڑا کر وہ عقد اُن کے سر چپیٹو جو ان کے خواب و خیال میں نہیں، گنگوہ کے کوردہ سے اٹھ کر تمام دنیا کے جس شہر قصبے میں چاہو جاؤ اور تمام جہان سے پوچھو کہ نوٹ کے لین دین میں تمہیں خرید فروخت مقصود ہوتی ہے بیچا اور مول لیا کہتے ہو، بائع اپنی ملک سے نوٹ کا خارج ہوکر مشتری کی ملک میں داخل ہونا اور مشتری اس کے عوض روپے دے کر نوٹ کا اپنی ملک میں آنا سمجھتا ہے یا یہ کہ نوٹ دینے والا اس سے قرض مانگتا ہے

---

[1] و [2] فتاوٰی رشیدیہ باب الربا محمد سعید اینڈ سنز کراچی ص ۴۳۱

اور قرض کی سند میں نوٹ بجائے تمسک دیتا ہے۔ ہدایہ میں ہے: العبرۃ فی العقود للمعانی[1] عقود میں معانی کا اعتبار ہے، مگر یہ عجب عقد ہے کہ لفظ بھی بیچنے خریدنے کے قصد بھی بیچنے خریدنے کا یہی مقصود یہی مراد، یہی مفہوم یہی مفاد، اور خواہی نخواہی جہان بھر کو پاگل بنا کر کہہ دیجئے کہ اگرچہ نہ تم کہتے ہو نہ قصد رکھتے ہو مگر تمھاری مراد ہے کچھ اور، اگر ایسی تصحیح ہو تو دنیا میں فاسد سے فاسد عقد ٹھیک ہو جائے گا مثلاً زید نے عمرو کے ہاتھ ایک روپیہ میں سیر بھر چاندی کو بیع کیا تو اگرچہ انھوں نے کہا یہی کہ بیچا خریدا اور ان کا قصد بھی یہی تھا مگر یوں ٹھہرایئے کہ وہ کچھ کہیں سمجھیں مگر یہ بیع نہ تھی بلکہ زید نے ایک روپیہ عمرو کو ہبہ کیا عمرو نے اس کی جزا میں سیر بھر چاندی اس کو ہبہ کر دی اس میں کیا حرج ہوا لہذا سود حلال طیب ہے ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ ہدیہ میں زیادہ عوض دینا منع نہیں بلکہ سنّت ہے کسی صاحب نے ایک اونٹنی نذر بارگاہِ عالم پناہ حضور سید عالم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کے عوض چھ ناقے جوان عطا فرمائے،

رواہ احمد والترمذی والنسائی بسند صحیح عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان فلانا اھدی الیّ ناقۃ فعوضتہ منھا ست بکرات[2]، الحدیث۔

اس کو امام احمد، ترمذی اور نسائی نے سند صحیح کے ساتھ سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فلاں شخص نے مجھے ایک اونٹنی ہدیہ بھیجی تو میں نے اس کے بدلے اس کو چھ جوان اونٹنیاں ہدیہ بھیجی ہیں، الحدیث (ت)

تو عقد ربا کو عاقدین کے لفظ و معنی سب کے خلاف عقد ہبہ میں کھینچ لایئے اور سود حلال کر لیجئے، ایسے حیلے حوالے کوّے کا گوشت اور بکرے کے کپورے کھا کر سوجھتے ہوں گے مگر علم و عقل و بصر و بصیرت والے اُن کو محض مضحکہ سمجھتے ہیں۔ ہدایہ میں ہے:

التصحیح انما یجب فی محل اوجبا العقد فیہ[3]

عقد کو صحیح بنانا اسی محل میں واجب ہے جس میں عاقدین نے عقد ٹھہرایا۔ (ت)

---

[1] الہدایۃ کتاب البیع باب السلم مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۹۳

[2] جامع الترمذی ابواب المناقب باب فی فضل العجم امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۳۲
مسند احمد بن حنبل مروی از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۹۲

[3] الہدایۃ کتاب البیوع باب السلم مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۹۳

فتح میں اس کی شرح میں فرمایا :

تصحیح العقد انما یکون فی المحل الذی اوجب المتعاقدان البیع فیہ لا فی غیرہ[1]

عقد کو صحیح بنانا صرف اسی محل میں ہے جس محل میں متعاقدین (بائع ومشتری) نے بیع ٹھہرائی نہ کہ اس محل کے غیر میں۔ (ت)

ہدایہ میں ہے :

التغییر لایجوز وان کان فیہ تصحیح التصرف[2]

تغیر کرنا جائز نہیں اگرچہ اس میں تصرف کو صحیح کرنا ثابت ہوتا ہو۔ (ت)

فتح میں شرح میں فرمایا :

تغییر تصرفہما لایجوز وان کان فیہ تصحیح التصرف بدلیل الاجماع (الٰی ان قال) فہذہ احکام اجماعیۃ کلہا دالۃ علی ان تغییر التصرف لایجوز وان کان یتوصل بہ الٰی تصحیحہ[3]

عاقدین کے تصرف میں تغیر کرنا جائز نہیں اگرچہ اس میں تصرف کا صحیح کرنا ثابت ہوتا ہو اس پر دلیلِ اجماع ہے (یہاں تک کہ شارح نے کہا) تو یہ اجماعی احکام ہیں جو تمام اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ تصرف میں تبدیلی کرنا جائز نہیں اگرچہ تبدیلی تصرف کے صحیح کرنے کا ذریعہ بنتی ہو۔ (ت)

ہدایہ میں اسی کے متعلق ہے : فیہ تغییر وصفہ لا اصلہ[4] (اس میں وصفِ عقد کی تبدیلی ہے نہ کہ اصل عقد کی۔ ت)، عنایہ میں اس کی شرح میں فرمایا :

والجواب عن تغییر تصرفہ ان یقال فیہ تغییر وصف التصرف اواصلہ والاول مسلم ولانسلم انہ مانع عن الجواز والثانی ممنوع[5]

اس کے تصرف میں تبدیلی کا جواب یہ ہے کہ یوں کہا جائے اس میں وصف تصرف کی تبدیلی ہے یا اصل عقد کی اول مسلم ہے مگر ہم یہ نہیں مانتے کہ جواز سے مانع ہے اور ثانی ممنوع ہے (ت)

---

[1] فتح القدیر کتاب البیوع باب السلم مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۲۰۶
[2] الہدایہ کتاب الصرف مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۰۸
[3] فتح القدیر " مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۲۶۸
[4] الہدایہ کتاب الصرف مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۰۹
[5] العنایۃ علی الہدایہ علی حاشیہ فتح القدیر " مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۲۷۰

ہدایہ میں ہے :

اذا اشتری قلبا بعشرۃ وثوبا بعشرۃ ثم باع ھما مرابحۃ لایجوز وان امکن صرف الربح الی الثوب لانہ یصیر تولیۃ فی القلب بصرف الربح کلہ الی الثوب[1]

کسی شخص نے ایک کنگن دس درہم کے بدلے اور ایک کپڑا دس درہم کے بدلے خریدا پھران دونوں کو اکٹھا بطور مرابحہ بیچا تو جائز نہیں کیونکہ تمام نفع کو کپڑے کی طرف پھیرنے سے کنگن میں یہ بیع تولیہ ہوجائیگی (ت)

فتح میں ہے :

اما مسألۃ المرابحۃ فعدم الصرف لانہ یتغیر اصل العقد اذ یصیر تولیۃ فی القلب[2]

لیکن مسئلہ مرابحہ میں عدم صرف اس لئے ہے کہ اس میں اصل عقد میں تبدیلی لازم آتی ہے کیونکہ کنگن میں بیع تولیہ ہوجاتی ہے۔ (ت)

ان تصریحات ائمہ سے روشن ہُوا کہ متعاقدین جو عقد کررہے ہیں وُہ اگرچہ باطل وفاسد ہو اور دوسرا عقد ٹھہرانے میں اس کی تصحیح ہوتی ہو ہرگز ایسی تصحیح جائز نہیں اور اس تصحیح کے بطلان پر اجماع قائم ہے جب کہ اس میں اصل عاقدین کی تغیر ہوتی ہے اور تصحیح فرمائی کہ بیع کو مرابحہ سے تولیہ قرار دینا بھی ایسی ہی تغیر ہے کہ بالاجماع جائز نہیں حالانکہ وہ رہی بیع کی بیع ہی تو بیع کی سرے سے کایا پلٹ کرکے حوالہ کردینا کیسے جاہل مخالف اجماع کا کام ہوگا آپ کے لکھے بیع نہ ہوئی افیونی کی ریوڑی ہُوئی کہ گرتے ہی مزہ بدل گیا ولاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

دوم ہر عاقل جانتا ہے کہ تمسک ایک معین مثلاً زید کی طرف سے دوسرے معین مثلاً عمرو کے لئے ہوتا ہے کہ اگر زید عمرو کے دَین سے منکر ہو تو عمرو بذریعہ تمسک اس سے وصول کرسکے تمسک اس لئے نہیں ہوتا کہ عمرو جہاں چاہے جس ملک میں چاہے جس شخص سے چاہے اسکے دام وصول کرلے زید کے پاس عمرو، بکر، خالد، ولید دُنیا بھر کا کوئی شخص اسے لے کر آئے یہ اسے دام پرکھا دے بلکہ زید و عمرو و دائن و مدیون دونوں بالائے طاق رہیں، تیسرا شخص اجنبی، چوتھے شخص نرے بیگانے کو دے کر اُس سے دام لے لے دُنیا میں کوئی تمسک بھی ایسا سُنا ہے اور نوٹ کی حالت یقیناً یہی ہے کہ جو چاہے جہاں چاہے اگرچہ غیر ملک غیر سلطنت ہو جبکہ یہاں کا سکہ اس سلطنت میں چلتا ہو جس شخص سے چاہے اس کے دام لے لے گا

---

[1] الہدایہ کتاب الصرف مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۰۸-۱۰۹

[2] فتح القدیر " مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۲۷۰

یہ حالت یقیناً مال کی ہے نہ کہ تمسک کی، تو اسے تمسک کہنا کیسا اندھاپن ہے بلکہ وہ بالیقین مال ہے سکہ ہے ولکن العمیان لایبصرون (لیکن اندھے نہیں دیکھتے۔ ت)۔

سوم ہر عاقل جانتا ہے کہ تمسک کے وجود و عدم پر دَین کا وجود و عدم موقوف نہیں ہوتا بلکہ جب دَین ثابت ہو مدیون پر دینا لازم آئے گا تمسک رہے یا نہ رہے۔ اب فرض کیجئے کہ زید نے لاکھ روپے دے کر خزانے سے ہزار ہزار روپے کے سَو نوٹ لئے اور اپنا نام پتہ اور نوٹ کے نمبر سب درج کرا دیے، تو اب لازم ہے کہ وہ جب چاہے خزانے سے اپنے آتے ہوئے لاکھ روپے وصول کر لے اگرچہ نوٹ اس کے پاس جل گئے یا ریزہ ریزہ ہو گئے یا چوری ہو گئے یا اس نے کسی کو دے دئے کہ خزانہ آپ کے نزدیک اس کا مدیون ہے اور تمسک نہ رہنے سے دَین ساقط نہیں ہوتا اور جب نوٹوں کے نمبر لکھے ہوئے ہیں تو گورنمنٹ کو یہ اندیشہ نہیں ہو سکتا کہ مبادا نوٹ نہ جلے نہ پھٹے بلکہ اس کے پاس موجود ہوں یا اس نے کسی کو دے دیے ہوں تو جب وہ نوٹ یہ یا دوسرا لے کر آئے ہمیں دوبارہ دینا پڑے گا، دوبارہ کیوں دینا ہوگا، یہ لایا تو کہہ دیا جائے گا کہ ہم نے جو روپیہ تجھ سے قرض لیا تھا تجھے ادا کر دیا اب مکرر کیسے طلب کرتا ہے، اور دوسرا لایا تو کہہ دیا جائے گا کہ اس تمسک کا روپیہ ہم اصل قرضخواہ کو دے چکے ہیں اب ہم پر مطالبہ نہیں مگر ایسا ہر گز نہ ہوگا نوٹ خود جلا کر یا پھاڑ کر کسی کو دے کر گورنمنٹ سے روپیہ مانگے تو، اگر اس نے پاگل جانا تو اوار کو خیر دے گی ورنہ بڑے گھر کی ہوا کھلائیگی، اس وقت آپ کی آنکھیں کھلیں گی کہ نوٹ کیسا تمسک تھا یہ حالت صراحۃً مال کی ہے کہ جو شخص کسی سے ایک مال خرید کر پھر اسے تلف کر دے یا کسی کو دے دے اور اپنے روپے بائع سے واپس مانگے تو کم از کم پاگل ٹھہرتا ہے۔

چہارم یہیں سے آپ کے شبہہ کا کشف ہو گیا کہ گم جائے یا نقصان آجائے تو بدلوا سکتے ہیں یہ مطلقاً ہر گز صحیح نہیں اور اگر تمسک ہوتا تو واجب تھا کہ ہمیشہ ہر حال میں بدل دیا جاتا کہ تمسک کے نقصان یا فقدان یا خود ہلاک یا تلف کر دینے سے دَین پر کچھ اثر نہیں پڑتا اور بعض صورتوں میں اگر بدل دینے کا وعدہ ہو بھی تو اس سے تمسک ہونا لازم نہیں آتا، سلطنتوں نے یہ ایک طرفہ اکسیر ایجاد کی کہ ہزار کیمیا کو اس سے کچھ نسبت نہیں چھدام کے کاغذ کو ہزار کا کر دیں دس ہزار کا کر دیں ایسی سخت مہم بات عام میں مقبول ہونے کے لئے بعض رعایتوں کی ضرورت تھی ملک کو اندیشہ ہوتا کہ کاغذ بہت ناپائدار چیز ہے آگ میں جل جائے، پانی میں گل جائے، استعمال سے چاک ہو، گم جائے، کیا ہو کیا ہو تو ہمارا مال یوں ہی برباد ہوا اس کی تسکین کیلئے کچھ وعدوں کی حاجت ہوئی ورنہ ملک ہر گز نوٹ کو ہاتھ نہ لگاتا، یہ تو اتنی بڑی کیمیا ہے سوداگر اپنے تھوڑے سے نفع کے لئے اس قسم کے وعدوں سے اطمینان دلاتے ہیں برسوں کے لئے گھڑیوں کی گارنٹیاں

کرتے ہیں کہ اس مدت میں بگڑے یا بیکار ہو تو بنا دیں گے بدل دیں گے یہاں بھی کہہ دینا کہ "بھلا دنیا میں کوئی بیع بھی ایسی ہے[1]"۔ آپ ایک کوردہ میں رہ کر دنیا بھر کا ناحق ٹھیکہ لیں ہاں یہ کہتے کہ تاجروں کا یہ کہنا خلافِ شرع ہے پھر گورنمنٹ کے سب اقوال مطابق شرع ہونا کس نے لازم کیا۔

پنجم سود دینے لینے میں گورنمنٹ کی حالت معلوم ہے کہ وہ اسے ہر قرض و دَین کا لازم قطعی مانے ہوئے ہے یہاں تک کہ جو شخص سو تک بنک میں روپیہ جمع کرے یا وہ ملازم جن کی تنخواہ کا کچھ حصہ کٹ کر جمع ہوتا رہتا اور ختمِ ملازمت پر ان کو دیا جاتا ہے وہ مانگیں یا نہ مانگیں ساری مدت کا سود حساب لگا کر انھیں دیتی ہے بلکہ وہ کہے کہ میں سود نہ لوں گا جب بھی ماہوار سود اس کے نام سے درج ہوتا رہتا ہے، اگر خزانہ سے نوٹ لینا روپیہ داخل کر کے اس کا وثیقہ لینا ہوتا تو لازم تھا کہ گورنمنٹ اس کے لئے سود لکھتی رہتی جب تک وہ نوٹ دے کر روپیہ واپس لیتا۔ اب آپ کو تو یہ حیلہ ہو گا کہ ہائیں ہم اور سود مانگیں اگرچہ اللہ عزوجل کی تکذیب، حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی توہین، ابلیس کو خدا کی خاص صفت میں شریک ماننا کروڑوں درجہ سود بلکہ سور کھانے سے بدتر ہے، خیر آپ نہ جائیے امتحان کے لئے کسی بنئے کو بھیج دیکھئے کہ ہزار روپے کا نوٹ خزانے سے خریدے پھر سال بھر بعد وہ بنیا اپنے اُس ہزار کا سود گورنمنٹ سے مانگنے جائے دیکھئے تو ابھی اسے آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے گا اور جتنی اس اس پر پڑیں گی حقیقۃً اس پر نہ ہوں گی بلکہ اس پر ہوں گی جس نے اسے یہ چکمہ دیا تھا کہ نوٹ کی خریداری نہیں بلکہ روپیہ قرض دے کر تمسک لینا ہے۔

ششم زید عمرو سے وقتاً فوقتاً سو[100] اور دو سو[200] اور ہزار[1000] قرض لیتا رہے اس تمام مدت میں وہ تمسکات لکھ کر عمرو کو دیتا رہے گا اور جس تمسک کی میعاد ختم ہونے آئے گی بدل دے گا یہاں تک کہ اُس پر عمرو کے دس ہزار جمع ہو گئے اب اس نے ہزار ہزار کے دس نوٹ عمرو کو دیئے اُسی وقت سے اس کا حساب بند ہو جائے گا عمرو سب تمسکات اسے پھیر دے گا اسے فارغ خطی لکھ دے گا زید اور خود عمرو اور سارا جہان سمجھے گا کہ قرضہ دام دام وصول ہو گیا، مگر گنگوہی صاحب فرماتے ہیں دس ہزار کے نوٹ دیے تو کیا ہوا وصول ابھی ایک کوڑی بھی نہ ہوئی، اس جہان بھر سے نرالی مت کا کیا کہنا!

ہفتم فرض کیجئے گورنمنٹ نے کسی بنک سے بیس لاکھ روپے قرض لئے اور تمسک لکھ دیا کہ دس[10] برس کے اندر ادا کیا جائے گا، تین برس گزرنے پر بیس لاکھ کے نوٹ بنک کو دے دیئے تمام جہان اور

---

[1] فتاوٰی رشیدیہ   کتاب الزکوٰۃ   محمد سعید اینڈ سنز کراچی   ص ۴۵۶

بنک اور گورنمنٹ سب تو یہی سمجھیں گے کہ قرض ادا ہوگیا مگر گنگوہی صاحب سے پُوچھئے کہ اگر یہ نوٹ بھی تمسک ہی تھے تو اس فضول کارروائی کا محصل کیا ہوا تمسک تو پہلے سے لکھا ہوا موجود تھا اس جدید تمسک کی کیا حاجت ہوئی، بھلا زید کو تو اتنا فائدہ ہوا بھی تھا کہ نوٹ دے کر اپنا قرض گورنمنٹ پر اتار دیا گورنمنٹ کو کیا نفع ہُوا اُس کا قرض اسی پر تو رہا اور بنک کی بیوقوفی تو دیکھئے نِرے تمسک پر پھول کر حساب بند کر بیٹھا، ظاہراً آپ یہ سمجھے ہیں کہ اپنی بند تو سب کی بند۔

ہشتم حوالہ اپنا قرض دوسرے پر اتارنے کو کہتے ہیں تو اگر زید پر عمرو کا قرض نہ آتا ہو بلکہ زید کا قرض بکر پر ہو اور اس صورت میں زید عمرو کو بکر پر حوالہ کرے تو یہ حقیقۃً حوالہ نہ ہوگا بلکہ عمرو کو اپنا قرض بکر سے وصول کرنے کا وکیل کرنا اور اگر نہ عمرو کا قرض زید پر آتا ہو نہ زید کا قرض بکر پر، اور اس حالت میں زید عمرو کو بکر پر حوالہ کرے تو یہ محض باطل وبے اثر ہے اگرچہ بکر اس حوالہ کو قبول بھی کرلے کہ اب نہ زید اپنا قرض دوسرے پر اتارتا ہے نہ دوسرے پر اپنا آتا وصول کرتا ہے بلکہ بلا وجہ عمرو سے کہتا ہے کہ بکر کے مال سے اتنے روپے لے لے بکر کا قبول کرنا وہ نرا ایک وعدہ ہُوا کہ میں اتنا مال عمرو کو بخشش دوں گا اور محض وعدہ پر جبر نہیں لہٰذا اس قول کا کچھ اثر نہیں، عالمگیری میں ہے:

اذا احال رجلا علی غریمہ ولیس للمتحال لہ علی المحیل دین فھذہ وکالۃ ولیست بحوالۃ کذا فی الخلاصۃ[1]۔

جب کسی شخص نے دوسرے کو اپنے مقروض پر حوالہ کیا (کہ اس سے قرض وصول کرے) حالانکہ جس کے لئے حوالہ کیا گیا اس کا حوالہ کرنے والے پر کوئی قرض نہیں تو یہ وکالت ہے حوالہ نہیں، یونہی خلاصہ میں ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

احال علیہ مائۃ من من حنطۃ ولم یکن للمحیل علی المحتال علیہ شیئ ولا للمحتال لہ علی المحیل فقبل المحتال علیہ ذلك لاشیئ علیہ کذا

کسی شخص نے دوسرے پر سَو من گندم کا حوالہ کیا حالانکہ جس پر حوالہ کیا اس پر حوالہ کرنیوالے کا کوئی قرض نہیں اور نہ ہی جس کے لئے حوالہ کیا گیا اس کا حوالہ کرنے والے پر کوئی قرض ہے، اور جس پر حوالہ کیا گیا اس نے اس کو قبول کرلیا تب بھی

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحوالہ مسائل شتّٰی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۰۵

فی القنیۃ[1] اس پر کوئی شئی لازم نہیں، قنیہ میں یونہی ہے (ت)

اب فرض کیجئے کہ ایک بنک نے خزانہ سے بیس لاکھ کے نوٹ متفرق اوقات میں لئے تھے پھر گورنمنٹ کو قرض لینے کی حاجت ہوئی اس نے بنک سے بیس لاکھ قرض مانگے بنک نے وہی نوٹ دے دیئے تو تمام دنیا یہی جانے گی کہ بنک نے ضرور قرض دیا مگر آپ اپنی کہئے اب نوٹ دینا حوالہ تو ہو نہیں سکتا کہ گورنمنٹ کا بنک پر قرض نہ آتا تھا انتہا یہ کہ وکالت ہوگی جس کا حاصل اتنا کہ گورنمنٹ نے اس سے قرض مانگا اس نے بیس لاکھ کے نوٹ جوڑے تمسک تھے دے کر برات عاشقاں برشاخ آہو پر ٹال دیا یعنی گورنمنٹ کو وکیل کر دیا کہ خود اپنے خزانہ سے وصول کرو ہم کچھ نہ دیں گے لطف یہ کہ گورنمنٹ بھی نہیں کہتی کہ ہم تجھ سے قرض چاہتے ہیں، تو کہتا ہے اپنے ہی خزانہ سے لے لو یہ کیا قرض دینا ہوا، زید پر عمرو کے روپے آتے ہوں زید اس سے اور قرض لینے آئے، اس پر عمرو کہے کہ میرا پہلا قرض جو تم پر آتا ہے اسی سے وصول کرلو، تو اس نے یہ قرض دیا یا ٹال دیا بلکہ اسے یُوں ٹھہراؤ کہ دَین معاف کیا اور تمسک واپس دے دیئے معاملہ ختم ہوا گورنمنٹ بیس لاکھ کے نوٹ لے لے اور کوڑی نہ دے سستے چھوٹے۔

نہم فرض کرو گورنمنٹ نے بیس لاکھ کسی کو انعام دیئے تھے پھر ایک وقت پر اس سے قرض مانگا اس نے وہی نوٹ دے دیئے دنیا جانے گی کہ گورنمنٹ پر اس کے بیس لاکھ قرض ہوگئے مگر گنگوہی صاحب کہیں گے ایک پیسہ بھی قرض نہ ہُوا گورنمنٹ بیس لاکھ کے نوٹ مفت لے لے اور کچھ نہ دے اس لئے کہ یہ وہ صورت ہے کہ نہ حوالہ کرنے والے پر قرض آتا تھا نہ جس پر حوالہ کیا اس پر اس کا پہلے کوئی دَین تھا تو کارروائی باطل ہوئی اور گورنمنٹ کو کچھ دینا نہ آئے گا (لاحول ولا قوۃ الا باللہ)، غرض یہ آپ نے وُہ گھڑی ہے کہ نہ گورنمنٹ کی خواب میں ہے نہ ملک بھر کے خیال میں آپ ہی اپنی ڈیڑھ چھٹانک کی الگ بگھار رہے ہیں۔

دہم حوالہ میں مدیون محیل کہلاتا ہے اور دائن محتال، اور جس پر قرض اتارا گیا کہ اس سے وصول کرلینا اسے محتال علیہ یا حویل کہئے، یہاں جب زید نے عمرو کے ہاتھ ہزار روپے کے نوٹ بیچے تو آپ کے طور پر زید عمرو کا مدیون اور محیل ہوا اور عمرو زید کا دائن اور محتال ہوا اور گورنمنٹ حویل، اور شرعی مسئلہ ہے کہ ہر شخص حویل ہوسکتا ہے اگرچہ محیل کا اس پر کچھ نہ آتا ہو کہ اس نے جب حوالہ قبول کرلیا تو اس کا دَین اپنے سر لیا اگرچہ اس کا اس پر کچھ مطالبہ نہیں لیکن جبکہ حویل محیل کا مدیون نہ ہو اور محیل کا حوالہ مان کر اس کا دَین محتال کو

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحوالہ مسائل شتّٰی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۰۵

اداکردے تو اسی قدر محیل سے واپس لے گا کہ میں نے تیرے کہے سے تیرا دَین ادا کیا ہے اور اگر محتال حویل کو دَین ہبہ کردے یا کہے میں نے وہ دَین تیرے لئے چھوڑدیا جب بھی حویل محیل سے بھر والے گا کہ ہبہ ہونا بھی ادا ہوجانے کی مثل ہے۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

شرائطہا انواع بعضہا یرجع الی المحتال علیہ ومنہ رضاہ وقبول الحوالۃ سواء کان علیہ دین اولم یکن عند علمائنا رحمہم اللہ تعالٰی کذا فی المحیط[1] اھ ملتقطا۔

حوالہ کی شرطیں کئی قسم کی ہیں، ان میں سے بعض محتال علیہ کی طرف لوٹتی ہیں جن میں سے محتال علیہ کی رضامندی اور حوالہ کو قبول کرنا ہے چاہے اس پر قرض ہو یا نہ ہو، ہمارے علماء کے نزدیک ہے رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم، یُوں ہی محیط میں ہے اھ التقاط (ت)

اسی میں ہے:

اذا ادی المحتال علیہ الی المحتال لہ اووھبہ لہ اوتصدق بہ علیہ او مات المحتال لہ فورثہ المحتال علیہ یرجع فی ذلک کلہ علی المحیل ولو ابرأ المحتال لہ المحتال برئ ولم یرجع علی المحیل کذا فی الخلاصۃ واذا قال للمحتال علیہ قد ترکتہ لک کان للمحتال علیہ ان یرجع علی المحیل کذا فی خزانۃ الفتاوٰی[2]

جب محتال علیہ، محتال لہٗ کو قرض ادا کردے یا محتال لہٗ وُہ قرض محتال علیہ کو ہبہ کردے یا اس پر وہ قرض صدقہ کردے یا محتال لہٗ مرجائے اور محتال علیہ اس کا وارث بن جائے تو ان تمام صورتوں میں محتال علیہ محیل کی طرف رجوع کرے گا اور اگر محتال لہٗ نے محتال علیہ کو قرض سے بری کردیا تو وہ بری ہوگیا اور اب محیل کی طرف رجوع نہیں کرسکتا۔ یہ خلاصہ میں ہے۔ اور محتال لہٗ نے محتال علیہ سے کہا کہ میں نے وُہ قرض تیرے لئے چھوڑدیا ہے تو اس صورت میں محتال علیہ کو محیل کی طرف رجوع کا حق ہے جیسا کہ خزانۃ الفتاوٰی میں ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

المحتال لہ لو ابرأ المحال علیہ لم یرجع

اگر محتال لہٗ نے محتال علیہ کو قرض سے بری کردیا تو

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحوالہ الباب الاول نورانی کتبخانہ پشاور ۳/ ۲۹۵ - ۹۶
[2] " " " " الباب الثانی " " " ۳/ ۲۹۸

علی المحیل وان کانت بامرہ کالکفالۃ ولو وھبہ رجع ان لم یکن للمحیل علیہ دین وتمامہ فی البحر[1]۔

محتال علیہ محیل کی طرف رجوع نہیں کرے گا اگرچہ اس کے امر سے ایسا ہوا ہو، اور اگر محتال لہ نے قرض محتال علیہ کو ہبہ کردیا تو محتال علیہ محیل کی طرف رجوع کرسکتا ہے بشرطیکہ محیل کا اس پر قرض نہ ہو، اس کی مکمل بحث بحر میں ہے۔ (ت)

اب فرض کیجئے کہ گورنمنٹ نے کسی خدمتگاری کے صلہ میں دس ہزار روپے کا نوٹ آپ کو انعام دیا ایک بنئے نے رشپے دے کر وہ نوٹ آپ سے خرید لیا پھر کسی موقع پر اس نے گورنمنٹ کی نذر کردیا اب وہی صورت آگئی آپ بنئے کے محیل تھے اور بنیا محتال اور گورنمنٹ حویل۔ اور ظاہر ہے کہ گورنمنٹ آپ کی مدیون نہ تھی آپ بنئے کے مدیون تھے آپ نے اپنا دَین نوٹ دے کر گورنمنٹ پر اتار دیا تھا اور گورنمنٹ نے اپنے قانون عام سے کہ جو نوٹ لائیگا روپیہ پائے گا حوالہ قبول کرچکی اور بنئے نے نوٹوں کا روپیہ یعنی وہ دَین گورنمنٹ کو نذر کردیا ہبہ کردیا ترک کردیا تو لازم کہ گورنمنٹ چاند ٹھونک کر آپ سے دس ہزار وصول کرسکے اس سے آپ کو حوالہ ماننے کا مزہ آجاتا کہ نوٹ کے نوٹ غائب اور دس ہزار کھوپڑی پر واجب، بحمد اللہ اس سفاہت کا بہت طرح رَد ہوسکتا ہے مگر آپ کے حوالہ کی مٹی پلید کرنے کو، تلك عشرۃ کاملۃ[2] (یہ پورے دس ہیں۔ ت) یہ پورے دس کیا کم ہیں وباللہ التوفیق۔

یازدہم تمام جہان تو نوٹ کو مال مانے ہوئے ہے آپ کو اس میں کیا دِقت سُوجھی ہے کہ وہ کچھ محالات اوڑھے عالم بھر کی آنکھوں میں خاک جھونکے مگر اسے مال ماننا منظور نہیں آپ کی روش تو یہ تھی کہ جو امر محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم وسائر محبوبانِ خدا جل وعلا کی تعظیم ومحبت کا پہلو لئے ہوئے ہو اس میں اپنے حد کی تنگی دکھاؤ بے نہ بنے شرک کفر حرام گاؤ اور اپنے معتقدوں کے لئے ذرائع اکل ومعاش میں خوب وسعت لاؤ، کوا کھانا حلال بلکہ ثواب[3] (دیکھو جلد ۲ ص ۱۷۹) بکرے کے خُصیے کھانا حلال[4] (دیکھو جلد ۳ ص ۱۹۰) تعجب ہے کہ اسے ثواب نہ لکھا، کوا کالا یہ گورے گورے، ان میں تو گنگوہی شریعت سے بڑا چکتا ثواب چاہیے تھا، پاخانہ اٹھانے کی اُجرت مباح خالص حلال طیب جس میں

---

[1] ردالمحتار کتاب الحوالہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۸۹

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۶

[3] فتاوٰی رشیدیہ کتاب الحظر والاباحۃ محمد سعید اینڈ سنز کراچی ص ۴۹۳

[4]

کراہت درکنار کراہت کا شبہہ بھی نہیں بھنگی نے پاخانہ اُٹھا کر جو مال کمایا ایسا مقدس ہے کہ اسے تعمیرِ مسجد میں صرف کرنا بھی درست ہے[1] (دیکھو جلد اول ص ۱۰۵) واقعی آپ جیسے مقدسوں کے کھانے پہننے اور آپ حضرات کی مساجد ملوثہ بیدعات توہین و تنقیص کے لائق ایسی ہی کمائی تھی ؎

ہر شکم و لقمہ شایان او

(ہر پیٹ کی شان کے مطابق لقمہ چاہیے۔ت)

غرض ذرائع دنیا میں اپنوں کے لئے آپ کی یہ وسعت تھی نوٹ کی خرید و فروخت اور اسے مال سمجھنے میں کون سا حصہ تعظیم و محبت محبوبانِ خدا پایا جسے باطل کرنا آپ پر لازم ہُوا وجہ تو بتا ئیے کہ یہ تمام عالم کا اسے مال ماننا کیوں نہ مقبول ٹھہرا ثمن اصطلاحی ٹھہرانے میں اصطلاحِ قوم و ملک پر کاربندی واجب ہوتی ہے یہاں جملہ اقوام و تمام ممالک عالم اپنی اصطلاح روشن طور پر بتا رہے ہیں اور آپ ہیں کہ ایک نہ ہزار نہ۔ کوئی یہ تو پُوچھے کہ آپ ہیں کون اصطلاح جملہ جہاں میں دخل دینے والے نوٹ کی مالیت کا ثبوت رسالہ میں ص ۱۲۶ سے ص ۱۳۲ تک سوجھیے۔

دوازدہم پیسوں میں نیت تجارت کی حاجت اس وقت ہے جب وُہ ثمن ہو کر نہ چلتے ہوں ورنہ ثمن میں ہرگز نیتِ تجارت کی حاجت نہیں اگرچہ ثمن اصطلاحی ہو نہ خلقی، غنیہ ذوی الاحکام و ردالمحتار وغیرہما میں ہے:

الفلوس ان کانت اثمانا رائجۃ او سلعا للتجارۃ تجب الزکوٰۃ فی قیمتھا والا فلا۔[2]

پیسے اگر ثمن ہوں اور رائج ہوں یا سامان تجارت ہوں تو ان کی قیمت میں زکوٰۃ واجب ہے ورنہ نہیں۔ (ت)

درمختار و بحرالرائق و نہرالفائق میں ہے:

ماغلب غشہ یقوم کالعروض ویشترط فیہ النیۃ الا اذا کانت اثمانا رائجۃ۔[3]

جس میں ملاوٹ غالب ہو اس کی قیمت لگائی جائیگی جیسے سامان کی قیمت لگائی جاتی ہے اور اس میں نیت تجارت شرط ہے سوائے اس کے کہ وُہ ثمن رائج ہوں۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی رشیدیہ کامل، باب احکام المساجد، محمد سعید اینڈ سنز کراچی، ص ۴۰۸

[2] ردالمحتار، کتاب الزکوٰۃ، باب زکوٰۃ المال، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۲/ ۳۲

[3] درمختار، " "، مطبع مجتبائی دہلی، ۱/ ۱۳۵

شامی میں ہے :

ماکان ثمنا رائجا تجب زکاتہ سواء نوی التجارۃ اولا[1]

جو ثمن رائج ہو اس کی زکوٰۃ واجب ہے چاہے تجارت کی نیت ہو یا نہ ہو (ت)

اسی میں ہے :

عین النقدین لایحتاج الی نیۃ التجارۃ وکذا ماکان ثمنا رائجا[2]

عین نقدین (سونا اور چاندی) میں تجارت کی نیت کی حاجت نہیں اسی طرح جو ثمن رائج ہو (ت)

بحرالرائق میں کتبِ کثیرہ سے ہے :

ان غلب الغش فلیس کالفضۃ کالستوقۃ فینظر ان کانت رائجۃ اونوی التجارۃ اعتبرت قیمتہا فان بلغت نصابا وجبت فیہا الزکوٰۃ والافلا[3] ملخصًا۔

اگر ملاوٹ (کھوٹ) غالب ہو تو وہ چاندی کی طرح نہیں جیسے کھوٹے روپے، پھر دیکھا جائیگا کہ وہ رائج ہیں یا ان میں نیت تجارت ہے تو ان کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا اگر وہ نصاب کو پہنچے تو اس میں زکوٰۃ ہے ورنہ نہیں (ت)

ص ۱۳۷ دیکھئے کہ اسی پر فتوٰی ہے ایک اُدھر روایت نُقول میں آجانا اور محل وغیر محل نہ دیکھنا اور راجح و مرجوح و شاذ و مشہور میں فرق نہ کرنا فقاہت نہیں ہوتا مگر حضرات وہابیہ کے نصیبوں تو فقاہت بحمداللہ نصیبِ دشمناں ہے ۔ ان وجوہِ قاہرہ کے علاوہ اس دوسطری تحریر گنگوہیت خمیر میں اور بھی مواخذات ہیں مثلاً :

(۱۳) نوٹ نقدین بتایا یعنی نوٹ سونا چاندی ہے اور پھر اسی مُنہ میں یہ کہ تمسک ہے ۔

(۱۴) تمسک کو کہنا کہ اس پر زکوٰۃ ہے حالانکہ تمسک سرے سے مال ہی نہیں، نہ اس کے عدم و وجود کو زکوٰۃ کے وجوب و عدم میں کچھ دخل ۔

(۱۵) نوٹ کے مبیع سمجھنے پر اس کی زکوٰۃ نہ دینے کی بنا سمجھنا، کیا مبیع پر زکوٰۃ نہیں ہوتی، ابھی تو آپ پیسوں کو مبیع کہہ کر بحالِ نیت تجارت زکوٰۃ واجب مان چکے ہیں۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ المال دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۲

[2] ؁ ۲ " " " " "

[3] بحرالرائق " " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۲۸

(۱۶) کاغذ کے مبیع سمجھنے کو سخت غلطی کہنا شاید عمر بھر کاغذ خریدنے کا اتفاق نہ ہوا' نہ ان کے گاؤں میں خبر پہنچی کہ دُنیا میں کاغذ بھی بکتا ہے۔

(۱۷) لُطف یہ کہ ابھی تو نوٹ کو اس جرم پر کہ کاغذ ہے مبیع سمجھنا سخت غلطی تھا اور ایک ہی ورق بعد صفحہ ۷۳ پر خود فرماتے ہیں کہ "نوٹ خرید کر بھیج سکتا ہے[1]" اے سبحان اللہ! نوٹ تو بک سکتا ہی نہ تھا خریدا کیسے جائے گا مگر حضرت کی اُن عظیم سفاہتوں کے آگے ایسی نزاکتوں کی کیا گنتی ع

ماعلی مثلہ یعد الخطاء

(اس کی مثل پر خطاؤں کا شمار نہیں کیا جاتا۔ ت)

فنسأل اللہ العفو والعافیۃ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت مانگتے ہیں، اور گناہ سے بچنے اور نیکی کی طاقت نہیں مگر اللہ تعالٰی کی توفیق سے۔ (ت)

(۱۸) آپ کیا جواب دیں گے اگر کوئی آپ کی پچھلی نزاکت پر کہے کہ جب آپ نے اس عقد کو کہ لفظ میں نیت میں قصد میں فہم میں قطعاً بیع تھا تمام جہان کے فہم و ارادہ کے خلاف کایا پلٹ کر کے حوالہ تراش لیا تو آپ اب کس منہ سے کہتے ہیں کہ کم زیادہ پر بیع کرنا ربا و ناجائز ہے زیادہ پر بیع کا یہ حاصل کیوں نہیں ٹھہراتے کہ زید نے جو عمرو کے ساتھ سو روپے کا نوٹ سوا سو روپے کو بیچا ہے یہ بیع نہیں سوا سو کا سو سے بدلنا نہیں کہ ربا ناجائز ہو بلکہ زید نے عمرو سے سوا سو قرض لئے ہیں اور زید کے گورنمنٹ پر سو آتے تھے وہ اس پر اتار دیئے رہے پچیس وہ عمرو نے زید کو چھوڑ دیے اور اس میں کون سا ربا ہے، فتاوٰی امام قاضی خان سے رسالہ کے صفحہ ۷۲ میں گزرا،

فان اراد الحیلۃ یستقرض من المشتری اثنی عشر درھم مکسرۃ ثم یقضیہ عشرۃ جیادا ثم ان المقرض یبرئہ عن درھمین فیجوز ذٰلک[2]۔

اگر حیلہ کا ارادہ کرے تو مشتری سے بارہ درہم ٹوٹے ہوئے قرض لے پھر دس کھرے درہم اس کو واپس دے اور قرض دہندہ باقی دو درہموں سے اس کو بری کر دے تو یہ جائز ہے۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی رشیدیہ باب الربٰو محمد سعید اینڈ سنز کراچی ص ۴۳۱

[2] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیوع باب فی بیع مال الربٰو نولکشور لکھنؤ، انڈیا ۲/ ۴۰۷

نیز خانیہ سے اس کے متصل گزرا،

فان اراد الحیلۃ یاخذ التسعۃ بالتسعۃ ویبرئہ عن الدرھم الباقی[1]	اگر حیلہ کرنا چاہے تو نو درہم نو درھموں کے بدلے میں لے لے اور باقی ایک درہم سے اس (مقروض) کو بری کردے۔(ت)

اگر کہئے یہ قرض بشرط ابراء عن البعض ہُوا تو **اولاً** کیوں نہ کہئے کہ جب سرے سے سَو کا نوٹ لے کر سوا سَو دے رہا ہے تو قرض بعض وہبہ بعض ہوا پھر اگر زیادت ممتازہ یا تبعیض مضر ہو جب تو بلا خدشہ جائز وصحیح وروا ہے اور آپ کا حکم باطل و پا در ہوا ہے ورنہ غایت یہ کہ بوجہ شیوع ناتمام ہو، ربا کہاں سے آیا۔

ثانیاً قرض شروطِ فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا بلکہ شرط باطل ہو جاتی ہے تو یہ کہئے کہ زید پر پچیس روپے اور واجب رہے نہ کہ سُود ہوا،

فافھم ان کنت تفھم لکنک تفھم انک لاتفھم ۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم ۔	تو سمجھ لے اگر تُو سمجھتا ہے لیکن تو سمجھتا ہے کہ بیشک تو نہیں سمجھے گا۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

رَدِّ وہم

بحمد اللہ تعالٰی مولوی صاحب لکھنوی کے رَد میں کلام مشبع گزرا مسئلہ یا زدہم خاص انھیں کے رَد میں تھا بلکہ کتاب کا اکثر حصہ ان کے رَد میں ہے یہاں غالباً ان کا پتا دینے پر اکتفا ہو، مولوی صاحب کی جلد دوم فتوٰی نمبر ۱۲۶:

قولہ ھو المصوب[2] (وُہ درست بنانے والا۔ت)

اقول (میں کہتا ہوں) مولوی صاحب کی عادت ہے کہ ہر جواب سے پہلے یہی لفظ لکھتے ہیں حالانکہ **اولاً** اللہ عزوجل پر اس نام کا اطلاق وارد نہیں ہوتا۔

ثانیاً معنٰی لغت بھی اس کے مساعد نہیں لغت میں مُصَوِّب وُہ ہے جو دوسرے کی بات ٹھیک بتائے، نہ وہ جو اس کی بات کو ٹھیک بنائے یعنی اسے توفیقِ صواب بخشے، تصویب بعد وقوعِ قول

---

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب البیوع باب فی بیع مال الربٰو نولکشور لکھنؤ انڈیا ۲/ ۴۰۷

[2] مجموعہ فتاوٰی کتاب الاکل والشرب مطبع یوسفی لکھنؤ، انڈیا ۲/ ۱۱۵

ہوتی ہے اور توفیقِ صواب اس سے مقدم۔

ثالثاً اس کے اور معنی بھی ہیں کہ باری عزوجل پر محال ہیں، مصوّب وہ جو سر جھکائے ہوئے ہو، مصوّب وہ سوار کہ گھوڑا تیز چلائے۔ قاموس میں ہے:

صوبہ قال لہ اصبت وراسہ خفضہ[1]	صَوَّبَہٗ کسی کو کہا کہ تُو نے ٹھیک بات کی، صوب راسہٗ اس نے سر جھکایا۔ (ت)

تاج العروس میں ہے:

صوبت الفرس اذا ارسلتہ فی الجری[2]	صوّبت الفرس یعنی میں نے گھوڑے کو تیز دوڑایا۔ (ت)

ہاں مصوّب وُہ بھی ہے کہ دوسرے کا سر نیچا کرے یا بلندی سے پستی میں اتارے۔ تاج العروس میں ہے:

التصویب خلاف التصعید ومن قطع سدرۃ صوب اللہ راسہ فی النار ای نکسہ[3] اھ مختصرا۔	تصویب، تصعید کے خلاف ہے اور جس نے بیری کا درخت کاٹا اللہ تعالٰی نے اس کا سر آگ میں جھکا دیا اھ مختصرا (ت)

یہ اگر ہوتا تو مثل خافض رافع سے جدا نہ بولا جاتا کما فی کتاب الاسماء والصفات للامام البیہقی (جیسا کہ امام بیہقی کی کتاب الاسماء والصفات میں ہے۔ ت) پھر جبکہ مضاف الیہ مذکور نہیں تو امثال مقام میں خود متکلم کی طرف اس کی اضافت مفہوم ہوتی ہے جیسے ھو الھادی (وہی ہدایت دینے والا ہے۔ ت) سے شروع کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ قائل اپنے لئے ہدایت مانگتا ہے اس تقدیر پر یہ کیا دعا ہوئی کہ الٰہی! قائل کا سر نیچا کر دے، الٰہی! اُسے پستی میں ڈال دے۔ یہ بحث اگرچہ مسئلہ نوٹ سے جُدا تھی مگر منکر یا ناپسندیدہ پر اطلاع دینا مناسب ہے وباللہ التوفیق۔

قولہ نوٹ ہر چند کہ خلقۃً ثمن نہیں مگر عرفاً حکمِ ثمن میں ہے۔[4]

---

[1] القاموس المحیط	فصل الصاد من باب الباء	مصطفی البابی مصر	۱/۹۷
[2] تاج العروس	" "	داراحیاء التراث العربی بیروت	۱/۳۴۱
[3] "	" "	"	"
[4] مجموعہ فتاوٰی	کتاب البیوع	مطبع یوسفی لکھنؤ	۱/۳۹۷

اقول اولاً یونہی اکنیاں اور پیسے بھی، پھر اس سے کیا حاصل ہوا۔

ثانیاً اگر یہ مراد کہ اہلِ عرف اس کے لئے ثمن کے جملہ احکام شرعیہ ثابت کرتے ہیں تو صریح غلط بلکہ عامۂ اہلِ عرف ان احکام سے آگاہ بھی نہیں بلکہ یہ عرف مومنین و کافرین میں مشترک، اور اگر یہ مقصود کہ ثمن سے جو اغراض اہلِ عرف متعلق ہیں ان سب میں نوٹ کو اُسی کا قائم مقام سمجھتے ہیں جب بھی غلط۔ ثمن کے مقاصد سے ایک عمدہ مقصد لباس میں تزین ظروف وغیرہا میں تجمل ہے، اور نوٹ ہرگز اس میں قائم مقام ثمن نہیں، اور اگر یہ مطلب کہ ثمن کے بعض اغراض یعنی تموّل اور حوائج تک اس کے ذریعہ سے توسل میں نائب مناب جانتے ہیں تو ثمن اصطلاحی کے معنی ہی یہ ہیں کہ اہلِ عرف اپنی اصطلاح سے ان اغراض میں اُسے مثل ثمن کام میں لائیں پھر اس سے جملہ احکام شرعیۂ ثمن کا ثبوت کیونکر ہوگیا کیا ثمن خلقی و اصطلاحی میں شرعاً فرق احکام نہیں۔

ثالثاً حکم شیٔ میں ہونا جنس و قدر شیٔ میں شیٔ سے اتحاد نہیں اور یہاں بتصریح حدیث و جملہ کتبِ فقہ اسی پر مدار ہے۔

قولہ بلکہ عین ثمن سمجھا جاتا ہے[1]

اقول اولاً ثمن اصطلاحی سے عینیت مثل اتحاد خاص و عام مسلّم مگر وہ آپ کو مفید نہیں اور ثمن خلقی یعنی زر و سیم سے عینیت مسلّم نہیں کوئی سمجھ والا بچہ بھی نہیں سمجھتا کہ نوٹ بعینہٖ چاندی سونا ہوگیا، اگر کہئے مراد یہ ہے کہ لین دین میں اسے ایسا ہی سمجھتے ہیں جیسے روپیہ اشرفی، تو یہ وہی عرفاً حکم ثمن میں ہونا ہوا نہ کہ عین ثمن سمجھا جانا، تو "بلکہ" لغو بلکہ غلط ہوا۔

ثانیاً نوٹ بداہۃً ثمن اصطلاحی ہے اور اصطلاحی و خلقی متباین اور متباینین میں عینیت محال اور اہلِ عرف مجانین نہیں اور تاویل مذکور "بلکہ" سے مہجور۔

ثالثاً اگر بفرضِ غلط اہلِ عرف ایسا سمجھ بھی لیتے تو شرع مطہر تو عندیہ کا مذہب جنون روا نہیں رکھتی کہ ان کے سمجھ لینے سے خود بھی اسے عین ثمن قرار دے کر جملہ احکام ثمن نافذ فرما دے۔

رابعاً ثمن خلقی جنس ہے دو قسم ذہب و فضہ میں منحصر، اور نوٹ فی نفسہٖ ایک نوع مستقل ہے، اس کا عین مفہوم کلی معنی جنس سمجھا جانا تو بداہۃً باطل، اسی طرح انواع مباینہ و متباینہ سے عینیت اور جنس سے اتحاد خاص و عام کی عینیت تثلیث کرے گی اور وہ شرعاً باطل ہونے کے علاوہ مقصود پر نص سے عود کرے گی کہ انواع مختلفہ ثمن میں بتصریح حدیث اجماعِ امت تفاضل حلال۔

---

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۲۹۷

قولہ اس وجہ سے کہ اگر نوٹ سَو روپے کا کوئی ہلاک کرڈے تو اصل مالک سَو روپے تاوان لیتا ہے[1]

اقول اوّلاً اگر کوئی سَو روپے کا گھوڑا ہلاک کرڈے جب بھی مالک سو روپے تاوان لیتا ہے تو کیا گھوڑا اور روپے بھی عین ہوگئے اور پھر نوٹ بھی گھوڑا ہوجائے گا کہ عین کا عین ہے اور لفظ اصل حشو ہے۔

ثانیاً یہ تو ظاہر عبارت پر تھا اب حل سُنیے "لیتا ہے" سے بخوشی لینا مراد یا یہ کہ وہی حکم شرع ہے کہ اس پر جبر ہوگا اول مسلّم اور اس سے وہم عینیت مدفوع، اور اگر فرق نہ سمجھنے کا پیوند لگا یئے جب بھی لایغنی من جوع کوئی ۶۴ پیسے کسی کے تلف کردے تو مالک بخوشی ایک روپیہ لے لے گا اور اس میں اور ۶۴ پیسے لینے میں کچھ فرق نہ سمجھے گا اس سے روپیہ اور پیسے متحد نہ ہوگئے اور ثانی میں جبر متلف پر ہے یعنی اسے روپے ہی دینے پر مجبور کرینگے یا مالک پر کہ اسے قبول زر پر جبر کرینگے اول صراحۃً باطل، وہ سَو کا نوٹ بھی دے سکتا ہے اور مالک کو انکار کی کوئی وجہ نہیں بلکہ وہی حکم اصلی ہے کہ نوٹ مثلی ہے معہذا یہ مقصود پر نص کے ساتھ عائد ہوگا کہ اتلاف نوٹ میں ادائے دراہم پر جبر ہو تو نوٹ قیمتی ٹھہرے اور روپیہ مثلی ہے اور قیمت ومثلی ایک نہیں سمجھے جاسکتے اور ثانی بر تقدیر تسلیم مفید عینیت نہیں کہ اثمان رائجہ میں بحال تساوی رواج ومالیت ادا کرنیوالا مخیر ہوتا ہے اور انکار تعنت۔ اس کا بیان رسالہ کے ص ۸۵ اسے ۱۹۰ تک دیکھئے۔

قولہ اور سَو روپے کا نوٹ جب بیچا جاتا ہے تو مقصود اس سے قیمت ملنا اُس کاغذ کی نہیں ہوتی ہے کیونکہ پُرظاہر ہے کہ وہ کاغذ دو پیسہ کا بھی نہیں ہے بلکہ مقصود سَو روپے کا بیچنا اور اس کی قیمت لینا ہوتا ہے[2]

اقول (۱۳ تا ۱۷) اس کے پانچ رد حاشیہ ص ۱۸۴ میں گزرے، اور (۱۸ تا ۲۲) وہ جو کہا کہ وہ کاغذ دو پیسہ کا بھی نہیں اس کے بھی پانچ رد گزرے چار صفحہ ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۸ و ۱۲۹ پر، اول یہ کہ حسب تصریح علماء کاغذ کا ایک ٹکڑا صرف عاقدین کی تراضی سے ہزار روپے کو بک سکتا ہے نہ یہ کہ یہاں لاکھوں آدمیوں کی اصطلاح۔ دوم سکہ قیمتی ہے، سوم حقیر شئی کسی وصف کے سبب اپنے ہزاروں امثال سے گراں ہوجاتی ہے، چہارم ورق علم کا مسئلہ اور پانچواں رد صفحہ ۱۳۸ و ۱۳۹ پر کہ تقوم

---

[1] و [2] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳۹۷/۱

میں حال پر نظر ہے نہ کہ اصل پر۔

قولہ اور نوٹ سو روپے کا اگر کوئی شخص قرض لے تو بوقتِ ادا خواہ نوٹ سو روپے کا دیوے یا سو روپے دیوے دونوں امر مساوی سمجھے جاتے ہیں اور دائن کو کسی کے لینے میں مدیون سے عذر نہیں ہوتا حالانکہ اگر مدیون غیر جنس بوقت ادا دیوے تو دائن نہیں لیتا ہے[1]۔

اقول اوّلاً پندرہ روپے اگر کوئی قرض لے تو وقتِ ادا پندرہ روپے دے یا ایک ساورن دونوں امر مساوی سمجھے جاتے ہیں اور دائن کو کسی کے لینے میں عذر نہیں ہوتا حالانکہ مدیون غیر جنس دے تو دائن نہیں لیتا تو آپ کے نزدیک روپے اور اشرفی یعنی چاندی اور سونا بھی جنس واحد ہوئے اور قدر تو متحد تھی ہی تو فرض قطعی ہُوا کہ سونا جب چاندی سے بیچیں دونوں کانٹے کی تول برابر کرلیں رتی بھر کمی وبیشی ہوئی تو سود حرام وگناہ کبیرہ واستحقاق نارِ جحیم وعذابِ الیم ہوگا یہ اجماع قطعی جمیع امت مرحومہ و تواتر قطعی وعقل جملہ عقلائے عالم سب کے خلاف ہے۔

ثانیاً آٹھ آنے پیسے اگر کوئی قرض لے تو وقت ادا پیسے ہی دیے یا آٹھ اکنیاں یا ایک اٹھنی تینوں امر مساوی سمجھے جاتے ہیں دائن کو کسی کے لینے میں عذر نہیں ہوتا حالانکہ مدیون غیر جنس دے تو دائن نہیں لیتا تو چاندی اور تانبا بھی جنس واحد ہوئے اور چاندی اور سونا پہلے متحد ہوچکے ہیں تو تانبا اور سونا بھی ایک جنس ہوئے کہ متحد کا متحد متحد ہوتا ہے اور ان سب میں قدر تو متحد تھی ہی تو فرض قطعی ہوا کہ تولہ بھر سونا دو ہی پیسے کو بیچا جائے ایک چھدام بھی زیادہ ہُوا تو سُود کا سامنا اور جہنم کی آگ ہے والعیاذ باللہ تعالٰی، اور تو کیا عرض کروں لیکن صراف اگر اس فتوے پر عمل کرلیں تو بازار تو ایک ہی دن میں پٹ جائے۔

ثالثاً پندرہ روپے کے نوٹ اگر کوئی قرض لے ایک دس اور ایک پانچ کا، یا تینوں پانچ پانچ کے، تو وقتِ ادا خواہ پندرہ کے نوٹ دے یا ایک ساورن، دونوں مساوی سمجھے جاتے ہیں اور دائن کو کسی کے لینے میں عذر نہیں ہوتا حالانکہ مدیون غیر جنس دے تو دائن نہیں لیتا تو اب نوٹ اور سونا ایک جنس ہُوئے اور آپ نوٹ اور چاندی ایک جنس کرچکے ہیں اور چاندی اور سونا قطعاً دو جنس متباین ہیں ولہذا باجماعِ امت وتواتر قطعی ان میں تفاضل روا ہے تو شئی واحد دو نوع متباین سے کیونکر متحد ہوگئی۔ ظاہر ہوا کہ اس عذر نہ ہونے کو مفید اتحاد جنس سمجھنا سخت وہم باطل تھا بلکہ اس کی

---

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۲۹۷/۱

وجہ وہی تساویِ رواج و مالیت ہے جس کا بیان صفحہ ۹۷ سے صفحہ ۱۰۱ تک گزرا۔

رابعًا حل یہ ہے کہ بے عذری یعنی قبول ذی حق و اتحادِ جنس میں عموم خصوص من وجہ ہے کہیں اتحادِ جنس ہے اور قبول نہیں جیسے سونے کا گہنا خریدنے والا اس کے بدلے اشرفیاں نہ لے گا اور کہیں قبول ہے اور اتحادِ جنس نہیں جیسے پندرہ روپے اور اشرفی، روپے اور نوٹ، نوٹ اور اشرفی، اٹھنی اور پیسے، اٹھنی اور اکنیاں اور مادہ اجتماع ظاہر ہے تو ایک کے وجود سے دوسرے کے حصول پر استدلال ایسا ہے کہ یہ کاغذ ابیض ہے لہذا حیوان ہے کوا حیوان ہے لہذا ابیض ہے ولاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

خامسًا یہ شبہہ وہی ہے جو نوٹ ہلاک کرنے پر فرمایا تھا وہاں اہلاک سے ضمان آئی تھی یہاں قرض سے، بات ایک ہی ہے اور یہی مولوی صاحب کے سارے شبہہ کی جڑ ہے اس غرض کے لئے کہ کچھ تو شاندار ہوجائے اسے بار بار دو ایک لفظ بدل کر فرماتے ہیں ہاں بیان میں اتنا فرق ضرور ہُوا کہ پہلی عبارت نہایت ناقصہ قاصرہ تھی مگر پوری بات اب بھی ادا نہ ہوئی عذر نہ ہونا عذر نہ ہوسکنے کو مستلزم نہیں اور ممکن کہ بوصف تغایرِ جنس کسی غرض و وجہ خاص کے سبب عذر نہ ہوں ہاں عذر نہ ہوسکنا کچھ وہم ڈالتا مگر ہم انہیں صفحات میں بحرالرائق و ردالمحتار سے اس کا ازالہ کر آئے کہ شرعًا بھی باوجود مغایرت جنس ہنگام استوائے رواج و مالیت قبول پر جبر کیا جاتا ہے اور عذر تعنت قرار پاتا ہے تو اب جڑ کا شبہہ جڑ سے اکھڑ گیا وللہ الحمد۔

سادسًا طرفہ یہ ہے کہ ابھی تو نوٹ کو بے قدر ٹھہرا کر کہ وہ کاغذ دو پیسے کا بھی نہیں اسے معاملہ سے جُدا اور خود روپوں پر ورودِ عقد بیان کرچکے ہیں اور یہ بلا فصل اُس کے متصل ہی نوٹ پر ورودِ عقد اور اس کے عین جنس نقد بنادینے کی کوشش ہورہی ہے یہ تناقض کتنا بالطف ہے۔

سابعًا میں ایک ہی تناقض کہہ رہا ہوں وہاں پہلے فقرے میں نوٹ کو سو روپے کا مال بتایا جس کا تاوان سو روپے آیا، دُوسرے فقرہ میں اسے مواردِ عقد سے جلاوطن ہونے کا حکم فرمایا کہ حقیقۃً روپے بکتے ہیں وہ کاغذ تو ٹکے کا بھی نہیں، تیسرے فقرہ میں وہی کاغذ جو کروٹ لے تو پھر سو روپے کا بلکہ سو روپے سے متحد الجنس ہوگیا۔

ثامنًا لُطف یہ کہ دعوٰی تو وہ فرمایا کہ نوٹ عین ثمن سمجھا جاتا ہے اور اخیر تک بار بار اسی کی تکرار ہوگی اور اُس کے دلائل میں یہ کہ روپیوں کا بیچنا مقصود ہوتا ہے نہ اس کاغذ کا[عہ] اور ہر شخص جانتا ہے کہ نوٹ نہیں مگر یہ کاغذ تو اگر نوٹ عین ثمن سمجھا جاتا خود اس کاغذ ہی کا بیچنا مقصود ہوتا نہ کہ روپیوں کا، تو دلیل مناقض دعوٰی ہے فافہم (پس تو سمجھ)۔

عہ اس طرف اشارہ ہے کہ ان تین اور ۱۳ تا ۲۲ میں اکثر سے عذر خواہی کیلئے (باقی اگلے صفحہ پر)

قولہ بخلاف پیسوں کے کہ وہ بھی اگرچہ عرفاً ثمن ہیں مگر یہ کیفیت اُن کی نہیں، اگر ایک روپے کے عوض میں کوئی چیز خریدے یا ایک روپیہ کسی سے قرض لے اور وقتِ ادا پیسے ایک روپے کے دے تو دائن اور فروخت کنندہ کو اختیار رہتا ہے کہ وہ لے یا نہ لے اور حاکم کی طرف سے اس پر جبر نہیں ہوسکتا کہ خواہ مخواہ وہ پیسے لے لے۔[۱]

اقول اولاً خلاف منصوص ہے جیسا کہ گزرا۔

ثانیاً مشاہدہ کے خلاف اور یوں اعتبار نہ آئے تو اس کا عکس کر دیکھئے کہ ۶۴ پیسے قرض لئے یا ثمن قرار دیئے ہوں اور ایک روپیہ دے تو دائن و بائع کو ہرگز کچھ عذر نہیں ہوتا بے تکلف قبول کرلیتا ہے اور عذر کرے تو متعنت ہے اور متعنت کی بات مردود۔

ثالثاً مولوی صاحب چُوکے، سَو روپے کی مثال لاتے تو بات نظرِ عوام میں لگتی ہوتی، واقعی جو سو روپے قرض لے پھر ان کے بدلے چھ ہزار چار پیسے دینا چاہے تو دائن کہے گا کہ میں کہاں سیر بھر چاندی کی جگہ دو من پکے سے زیادہ تانبا لادتا پھروں صندوقچی کے ایک خانہ کی جگہ پیسوں سے مٹکا بھروں مگر ساتھ ہی دوانی چوانی، اٹھنی سب نقص کو آموجود ہوتیں ہر شخص جانتا ہے کہ دوانی کا کچھ خرید کر دو آنے پیسے دیجئے تو اصلاً جائے انکار نہیں ہوتی اور جب ریز گاری اور پیسے متحد الجنس ہوئے اور ریز گاری اور روپے ایک جنس ہیں تو روپے اور پیسے بھی ایک جنس ٹھہرے کہ متحد کا متحد متحد ہے بلکہ بالواسطہ عینیت کیوں لیجئے اسی کا عکس دیکھئے ۶۴۰۰ پیسے قرض لئے ہوں اور ادا میں سَو روپے دیئے ابھی دیکھئے بلاعذر قبول ہوں گے اور نہ مانے تو خبطی ٹھہرے تو ظاہر ہوا کہ یہاں بنائے عذر امر خارجی ہے مثلاً منوں بوجھ وغیرہ۔

رابعاً اگر ہم آپ کی ارخائے عنان کو مان بھی لیں کہ صحت عذر اگرچہ بعض صور میں ہو، تنافی اتحاد جنس ہے، تو اب نوٹ میں اتحاد کی خیر نہیں ادائے قرض کے وقت عذر نہ ہو تسلیم مبیع کے وقت ضرور متصور، زید کو سَو روپے کا نوٹ ڈاک میں بھیجنا ہے کہ ۲/ کی رجسٹری بس ہوگی اور منی آرڈر ایک

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

شاید ایک تاویل گھڑتے کہ ہم نے ھٰذا اشارہ میں صرف ذات من حیث المقدار مراد لی اور مع سائر الاوصاف اسی کو رٹیے جانا مگر یہ گھڑت کے علاوہ بداہت سے صاف مکابرہ اور دعوٰی پر صریح مصادرہ ہے کما لایخفی، لہذا نہ قابلِ سماعت نہ بعد سماعت اعتراض سے نجات، بات بن جائے یہ بہرحال ناممکن ۱۲ منہ حفظ ربہ۔

روپے میں ہوگا خصوصاً اگر گنگوہی دھرم کا ہوا تو وہ منی آرڈر کو حرام ہی جانے گا اس نے عمرو سے نوٹ خریدا عمرو تسلیم مبیع کے وقت روپے یا بیس بیس کی پانچ اشرفیاں دکھائے زید ہرگز نہ مانے گا تو معلوم ہوا کہ نوٹ اور ثمن ایک جنس نہیں۔

قولہ پس پیسے اگرچہ عرفاً ثمن ہیں مگر عین ثمن خلقی نہیں سمجھے گئے ہیں بخلاف نوٹ کے کہ یہ عین ثمن خلقی ہے گو عینیت خلقیہ نہیں بلکہ عینیت عرفیہ ہو[1]

اقول اولاً اس "پس" کا حل بھی وہی ہے جو پیشتر گزرا کہ قبول و اتحاد جنس عام خاص من وجہ ہیں تو جس طرح ایک کے وجود سے دوسرے کے وجود پر استدلال باطل، یوں ہی عدم سے عدم پر آپ کا پہلا استدلال اس طرز کا تھا کہ کوا حیوان ہے لہذا یہ ابیض ہے یہ دوسرا اس رنگ کا ہوا کہ کوا ابیض نہیں لہذا حیوان نہیں۔

ثانیاً آپ نے محنت بہت اٹھائی مگر افسوس کہ دعوی بے دلیل ہی رہا، آپ کو چاہئے تھا کہ اولاً عینیت عرفیہ کا مناط منقح کرتے نہ کہ ایسا جس پر اتنے نقض ہوں۔ ثانیاً اس مناط کا یہاں تحقق پایۂ ثبوت کو پہنچاتے۔ ثالثاً کلام ائمہ سے اس کا ثبوت دیتے کہ جہاں عینیت عرفیہ ہو شرع اسے اتحاد جنس مان لیتی ہے اور جب یہ کچھ نہیں تو خرط القتاد سے کیا حاصل۔

ثالثاً ساری کوشش اتحاد جنس کی طرف تو مبذول فرمائی اتحاد قدر کی شرط کہاں بھلائی تم نے اتحاد جنس سے تو تفاضل حرام نہیں ہوجاتا اتحاد قدر بھی تو لازم ہے نوٹ سرے سے قدر ہی نہیں رکھتا کہ نہ کیلی ہے نہ موزون بلکہ معدود ہے تو بہزار خرابی اگر اتحاد جنس کا چاک رفو بھی ہوجائے تو اتحاد قدر کا پیوند کدھر سے آئے گا تفاضل تو اب بھی حلال رہا۔

رابعاً رسالہ نے ص ۱۴۷ سے ص ۱۵۰ تک دلیل قاہرہ سے ثبوت دے دیا کہ نوٹ روپیوں کے عوض ادھار بیچنا جائز ہے اگر قدر یا جنس کوئی بھی ایک ہوتی تو نسیہ حرام ہوتا تو ثابت ہوا کہ یہاں اصلاً کچھ متحد نہیں۔

قولہ پس تفاضل بیع فلوس میں جائز ہونے سے یہ نہیں لازم کہ نوٹ بھی جائز ہوجائے کیونکہ پیسے غیر جنس ثمن ہیں حقیقۃً بھی اور عرفاً بھی، گو بوجہ اصطلاح اور عرف کے اس میں صفت ثمنیت کی آگئی ہو[2]

---

[1] و [2] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۷

اقول اولاً یہ دوسری "پس" اسی پس پیشین کی پس رو ہے جسے پیشتر پسپا کر دیا گیا الشجرۃ تنبئ عن الثمرۃ (درخت پھل کی خبر دیتا ہے۔ ت)

ثانیاً بعینہٖ یہی حال نوٹ کا ہے ولکن لا تعلمون (لیکن تم نہیں جانتے۔ ت)

ثالثاً روپے اور اشرفی کا مسئلہ کہاں بھولے صفحہ ۱۶۳ دیکھئے ایک اشرفی کو ایک روپیہ بیچنا قطعاً درست ہے حالانکہ وُہ تو دونوں یقیناً جنس ثمن ہیں حقیقۃً بھی اور عرفاً بھی، اگر کہئے وُہ جنس ثمن ضرور ہیں مگر باہم تو متباین نوعین ہیں **اقول** یونہی نوٹ بھی، کون عاقل کہے گا کہ روپیہ اور اشرفی دو چیزیں جدا ہیں مگر اشرفی اور نوٹ ایک ہی چیز ہے اور تفصیل تحقیق یہ ہے کہ ثمن ایک جنس ہے جس کے تحت دو جنسیں ہیں، خلقی، اصطلاحی۔ اصطلاحی کی نوعیں نوٹ، پیسے، کوڑیاں، اور خلقی پھر ایک جنس ہے جس کے نیچے دو جنسیں ہیں، سونا، چاندی۔ شرع میں جنس وہ کلی ہے جس کے افراد مختلفۃ الاغراض ہوں، ظاہر ہے کہ روپے یا اشرفی کی غرض اور ہے، اور سونے چاندی کے گہنے کی اور، برتنوں کی اور، گوٹے پٹھے کندلے کی اور، تو نوٹ کہ نوع حقیقی ہے جس کے سبب افراد متفقۃ الاغراض ہیں کسی جنس کا بھی عین نہیں ہو سکتا کہ اتفاق واختلاف متباین ہیں نہ کہ جنس الجنس کا اور دخول تحت الجنس کا حال اوپر گزرا۔

رابعاً جانے دیجئے ثمن خلقی کی نوع سے ہی اتحاد سہی تو دو نوع متباین سے تو متحد نہیں ہو سکتا ورنہ مباین باہم متحد ہو جائیں گے اور شئی اپنے نفس کی مباین ہو گی ناچار ایک سے اتحاد مانیے گا اور وُہ نہیں مگر روپیہ کہ آپ دس کا نوٹ بارہ روپے کو بیچنا حرام کر رہے ہیں تو اشرفی سے یقیناً متحد نہ ہو گا اب دس روپے کا نوٹ ہزار اشرفی کو بیچنا حلال کیجئے اور دوانی اوپر دس روپے کو بیچنا حرام، دنیا میں اس سے بڑھ کر بھی کوئی عجیب فتوی ہو گا۔ دیکھئے رسالہ کا صفحہ ۱۸۸:

قولہ پس ہرگاہ نوٹ عرفاً جمیع احکام میں عین ثمن خلقی سمجھا گیا۔[1]

اقول اولاً اغراض کہئے کہ یہی اہل عرف کے ہاتھ میں ہیں نہ کہ احکام شرعیہ جو نہ اُن کے ہاتھ میں ہیں نہ اُن کے اکثر کو معلوم، نہ اُن کی طرف انھیں التفات بلکہ اکثر کو اُن پر ایمان بھی نہیں تو احکامِ شرعیہ میں اہل عرف کا اسے عین سمجھنا محض کذب اور اپنی اغراض میں یکساں جاننا احکام شرعیہ میں اتحاد کو مستلزم نہیں اور بقیہ کلام رد قولِ اول میں گزرا۔

ثانیاً جیسی عینیت آپ یہاں بتا سکتے ہیں بعینہا ویسی ہی اکنیوں اور پیسوں کو دوانی چوانی اٹھنی

---

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/۳۹۷

سے ہے وہاں تفاضل کیوں جائز ہوا۔

ثالثاً روپے اشرفیاں تو خود عین ثمن خلقی ہیں کسی کے سمجھنے پر موقوف نہیں ان میں کیوں درست ہوا۔

قولہ باب تفاضل میں اسی بنا پر حکم دیا جائے گا اور تفاضل اس میں حرام ہوگا۔[1]

اقول اولاً یہاں آکر اس تیسری "پس" کا خاتمہ ہوا اور پہلی دلیل نے دم توڑا مگر یہ "پس" پسینہ تو سب پسہائے پیشینہ سے علاقہ بہ عقل میں پس اور وضوحِ بطلان میں پیش ہے سب خرابیاں اوڑھ کر فرض کرلیجئے کہ ہاں تفاضل حرام ہوا تو وہ تفاضل تو حرام ہوگا جو ثمن خلقی میں حرام تھا جس کا اسے عین سمجھا گیا یا دلیل لاتے وقت تک عینیت تھی اور نتیجہ دیتے وقت غیریت کا یا پلٹ ہو کر کوئی نیا حکم نکالے گی جو ثمن خلقی میں اصلاً نہیں آخر اسی بنا پر تو حکم لگاتے تھے کہ نوٹ ثمن خلقی کا عین ہے تو وہی حکم لازم ہوگا جو ثمن خلقی میں تھا، نہ اس کا غیر کہ حکم لازم شیئ ہوتا ہے اور تغیر لازم نافی عینیت ملزوم، اب دیکھ لیجئے کہ ثمن خلقی میں کون سا تفاضل حرام ہے قدر میں یعنی کانٹے کی تول وزن میں برابر ہونا لازم اگرچہ مالیت میں کتنا ہی فرق ہو، اب جو آپ سَو روپے کا نوٹ سَو روپے کو بیچنا حلال کررہے ہیں اپنے طور پر یقیناً سُود حلال کررہے ہیں کہ سَو کا نوٹ کبھی وزن میں سیر بھر نہ ہوگا، دیکھئے رسالہ ص ۱۹۰ تا ۱۹۲۔

ثانیاً (۴۰ تا ۵۰) تفاضل مالیت کے جواز پر دس دلیلیں رسالہ میں گزریں صفحہ ۱۷۵ تا ۱۸۰ ملاحظہ ہو۔

قولہ فانما الاعمال بالنیات[2] (اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ ت)

اقول جناب گرامی نے صفحہ بھر کی دلیل میں محض اپنے تخیلات سے کام لیا کوئی حرف سند میں نہ لائے اور یہ بھی پسند نہ فرمایا کہ دلیل یونہی من گھڑت پر گزر جائے اصلاً سند کا نام نہ آئے لہذا یہ حدیث شریف صرف وزن بنانے دلیل کا بھرم رکھنے کو ذکر فرمادی، اگر عرض کیجئے کہ اسے محل سے کیا علاقہ آپ کی دلیل کے کس مقدمہ کا اس سے ثبوت، تو جواب یہی ہوگا کہ کچھ نہیں مگر آخر حدیث صحیح ہے اس کا پڑھنا ثواب سے تو خالی نہیں اگرچہ محل سے بے علاقہ ہو اسی نیت سے ہم نے لکھ دی وانما الاعمال بالنیات ولکل امرئ مانوی (اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ ت) دلیل کا حاصل صرف اتنا ہے کہ نوٹ اہل عرف کے نزدیک جمیع احکام میں ثمن خلقی کا عین ہے کچھ تفاوت

---

[1] و [2] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/۳۹۷

نہیں سمجھتے اور جو جمیع احکام میں بلاتفاوت عین ہو تفاضل میں بھی عین ہوگا کہ یہ بھی ایک حکم ہے لہذا نوٹ میں تفاضل حرام، اس میں کبرٰی تو واضح ہے کہ محتاج استدلال نہیں، اور حدیث کا اس سے بے علاقہ ہونا بھی واضح۔ ساری عرق ریزی ثبوت صغرٰی میں فرمائی ہے جس کی خدمت گزاری گزری کہ ایک حرف بھی ٹھکانے کا نہیں مگر یہ فرمایئے کہ حدیث اس کا کیا ثبوت دیتی ہے اعمال نیتوں پر ہیں اور ہر شخص اور اس کی نیت اس سے کیا ثابت ہُوا کہ نوٹ عرفاً جمیع احکام میں ثمن خلقی کا عین ہیں ہاں یہ کہئے کہ جب اہل عرف نے دیدہ و دانستہ کاغذ کو کاغذ، سیم و زر کو سیم و زر سمجھتے ہُوئے نیت کرلی کہ یہ کاغذ جمیع احکام میں سونے چاندی کا عین ہے تو ان کے حق میں عین ہوگیا کہ اعمال نیت پر ہیں اور ہر شخص اور اس کی نیت۔

اقول نوٹ کا بعینہٖ سونا چاندی ہونا کوئی عمل نہیں، بیع و شراء وغیرہ معاملات عمل ہیں اور نوٹ ان کا محل اور محل تابع نیت نہیں ورنہ عندیہ کا مذہب لازم آئے زوجہ میں ماں ہونے کی نیت اسے حرام ابدی کردے حالانکہ بنص قطعی قرآن اُسے ماں کہنے کی صریح تصریح بھی حرام نہیں کرتی صرف یہ قول باطل و گناہ ہوتا ہے۔

قال تعالٰی الذین یظٰھرون منکم من نسائھم ماھن امھٰتھم ان امھٰتھم الا الّٰئی ولدنھم وانھم لیقولون منکرا من القول وزورا وان اللہ لعفو غفور[1]

اللہ تعالٰی نے فرمایا، تم میں جو اپنی عورتوں کو اپنی ماں کہیں وہ ان کی ماں نہیں ان کی مائیں تو وہی ہیں جن سے وہ پیدا ہیں اور وہ بیشک ضرور بُری اور جھُوٹی بات کہتے ہیں اور بیشک اللہ ضرور معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔

اور عکس کی نیت اور بھی شنیع و ناپاک تر ہے یوں ہی اگر بالفرض غلط تسلیم کرلیا جائے کہ اہل عرف نے نیت کرلی کہ نوٹ بعینہٖ ثمن خلقی اور بذاتہٖ سونا چاندی ہے تو اُن کی نیت سے نہ وہ کاغذ سے سونا چاندی ہوجائے گا نہ اصطلاحی سے خلقی، ان کا اختیار اصطلاح تک ہے تو اس سے ثمن اصطلاحی ہوگا نہ خلق و آفرینش پر کہ ثمن خلقی ہوجائے لاتبدیل لخلق اللہ[2] (اللہ تعالٰی کی خلق میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ ت) پھر فرمایئے حدیث کو یہاں سے کیا علاقہ ہوا۔

قولہ ولکل امریئ مانوی[3] (ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔ ت)

---

[1] القرآن الکریم ۵۸/ ۲ [2] القرآن الکریم ۳۰/ ۳۰

[3] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۹۷

اقول الحمدللہ حدیث کا یہ جملہ تو ہمیں کو مفید ہے آپ کی خاطر سے پہلا باطل یہ تسلیم کرلیں کہ اہل عرف نے وضو کرکے نیت باندھ لی ہے کہ نوٹ بعینہٖ سونا چاندی ہے دوسرا اس سے بڑھ کر اشد باطل، ــــ ــــ یہ مان لیں کہ دیدہ و دانستہ اُن کی اس غلط نیت سے شرع نے بھی ان کے حق میں اُسے سونا چاندی کردیا، تیسرا سخت باطل یہ اوڑھ لیں کہ شرع نے اسے سونا چاندی مان کر خود سونے چاندی میں جو حکم شرعی تھا کہ تفاضل وزن میں حرام ہے نہ کہ مالیت میں، اس زبردستی کے سونے چاندی میں اسے بالکل پلٹ دیا کہ اس میں تفاضل مالیت میں حرام ہے نہ کہ وزن میں، اب تو بالکل سب گھڑتیں آپ کی من مانتی مان لیں مگر الحمدللہ یہی حدیث بتارہی ہے کہ اب بھی دس روپے کا نوٹ زید وعمرو باہم سو روپے کو بیچیں مول لیں خواہ ایک روپیہ کو سب حلال۔ جنابِ من! جب یہاں تفاضل کا مبنٰی مالیت پر ٹھہرا اور نوٹ کی یہ مالیت بھی خلقی نہیں محض اصطلاحی ہے آپ خود فرما چکے ہیں کہ وُہ کاغذ دو پیسہ کا بھی نہیں تو اہلِ عرف ہی کی اصطلاح ونیت نے اسے دس روپے کا کردیا اور اُن کی اصطلاح ونیت ان دونوں عاقدوں پر حاکم نہیں انھیں اپنی جدا اصطلاح ونیت کا اختیار ہے آپ خود حدیث نقل کرتے ہیں، لکل امرئ مانوی[1] (اور ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ ت) ہر شخص کے حق میں اس کی اپنی نیت کا اعتبار ہے، نیز رسالہ کا صفحہ ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۳۴، ۱۶۴، ۱۶۵ ملاحظہ ہو، تو جب زید وعمرو نے اپنے معاملہ میں اُس اختیار کی بنا پر جو شرع مطہر نے اُن کو دیا اصطلاح عام کی پیروی نہ کی بلکہ اس سے عدول کرکے جو نوٹ عرف عام نے دس روپے کا ٹھہرایا تھا سو روپے یا ایک ہی روپیہ کا قرار دیا ان پر اصلاً اس میں مواخذہ نہیں، نہ زنہار مالیت میں کچھ تفاضل ہُوا کہ مالیت بربنائے اصطلاح تھی ان کے حق میں وہی مالیت ہے جو انھوں نے باہم قرار دے لی اس لئے کہ لکل امرئ مانوی[2] (ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ ت) ہر شخص اور اس کی نیت حدیث سے اچھا استدلال کرنے چلے کہ اور لینے کے دینے پڑگئے۔

لطیفہ جلیلہ: یہ چمکتی ہوئی دلیل جسے مولوی صاحب نے کُل سرسبد بنایا اور آخر میں ھذا ماسنح لی[3] (یہ وہ ہے جو میرے لئے ظاہر ہوا۔ ت) فرمایا یعنی یہ وہ ہے جو اچانک میرے خیال

---

[1] و [2] صحیح البخاری باب کیف کان بدؤ الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲
[3] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/۳۹۸

میں آیا مولوی صاحب کی اپنی سعی بازو نہیں بلکہ اسی فقیر بارگاہ قدیر غفرلہ کے فتوٰی سے اخذ کی ہے تیس برس ہُوئے فقیر کے پاس اس کا سوال آیا تھا کہ نوٹ پر بٹا لگانا مثلاً سَو روپے کا نوٹ ننانوے میں خرید لینا جائز ہے یا نہیں، فقیر نے نظر فقہی کا مقتضٰی جواز بتایا اور تنویر الابصار و عامہ کتب سے اس پر استدلال کیا، میرا یہ فتوٰی مولوی صاحب کے یہاں پہنچا جسے انھوں نے اپنے مجموعہ فتاوٰی میں درج کیا کہ اس کی جلد دوم میں فتوٰی حامی سنّت جناب مولٰنا مولوی محمد ارشاد حسین صاحب رامپوری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ طبع ہُوا اور وہیں سے مجھے ملا کہ اُس وقت تک مجھے اپنے فتاوے رکھنے کا التزام نہ تھا اور اسی سے حضرت فاضل رامپوری کا فتوٰی معلوم ہوا جس پر مجموعہ فتاوٰی مولوی لکھنوی صاحب میں نمبر ۱۲۳ ہے اور میرا فتوی نمبر ۱۲۴ ہے، دونوں میں حکم جواز ہے، پھر ایک چار سطری فتوٰی بعض علمائے مدراس کا نمبری ۱۲۵ ہے اس میں بھی جواز ہی کا حکم ہے اس کے متصل نمبر ۱۲۶ میں مولوی صاحب کا یہ فتوٰی ہے جس میں انھوں نے فتوٰی فقیر کے بعض کلمات سے تعرض کیا اور باقی کا کچھ جواب نہ دیا، میں نے اس بنا پر کہ نوٹ بہت جدید حادث ہے کتب فقہیہ میں اس کا ذکر مصرح نہیں مگر تمام کتب کا ضابطہ کلیہ حکم جواز بتا رہا ہے حکم لکھ کر اوہام کا جواب دے کر آخر میں ھذا ماظھرلی واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (یہ وہ ہے جو میرے لئے ظاہر ہوا، اور اللہ سبحانہ وتعالٰی بہتر جانتا ہے۔ ت) مولوی صاحب نے اس بنا پر کہ میرے کلام کا کوئی جواب کتاب سے نہ دے سکے اپنے مخیلات پر عامل ہوئے آخر میں ھذا ماسنح لی واللہ اعلم بالصواب[1] (یہ وہ ہے جو میرے لئے ظاہر ہُوا اور اللہ سبحٰنہ وتعالٰی بہتر جانتا ہے۔ ت) لکھا یہ دلیل کہ مولوی صاحب کی معتمد ہُوئی فقیر نے پہلے ہی اپنے فتوٰی میں بنام وہم لکھ کر رد کر دی تھی مولوی صاحب نے دلیل تو اٹھالی اور رَد کے جواب سے عہدہ برآئی نہ کی میرے فتوٰی میں بعد بیان حکم و عبارت کتب تھا "مسئلہ کا جواب تو اسی قدر سے ہوگیا لیکن غیر فقیہ کو ایسی جگہ یہ وہم گزرتا ہے کہ ہر چند اصل حقیقت میں نوٹ صرف ایک چھپے ہُوئے کاغذ کا نام ہے مگر عرف و اصطلاح میں گویا وہ بعینہٖ روپیہ ہے اس لئے ہر جگہ روپے کا کام دیتا ہے لین دین میں سَو روپے کا نوٹ دینے اور سَو روپے دینے میں ہرگز تفاوت نہیں سمجھا جاتا عموماً اس کے ساتھ معاملہ اثمان برتا جاتا ہے تو گویا وہ سَو روپے تھے کہ بعوض ننانوے کے خریدے گئے اور اس کی حرمت میں کچھ شبہہ نہیں تو صورت مستفسرہ میں حکم تحریم دینا چاہئے۔" دیکھئے اسی وہم کو مولوی صاحب نے اخذ کیا اور دلیل بنایا جس مضمون کو میں نے چار پانچ سطر میں ادا کیا تھا مولوی صاحب نے اُسی کو

---

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/۳۹۸

صفحہ بھر میں پھیلایا مگر افسوس کہ پھر بھی ویسا ادا نہ ہوسکا ،

اولاً مولوی صاحب نے ثمن خلقی سے عینیت لی جس کے تحت میں اجناس داخل اور اس کے سبب جو اعتراضات ہوئے آپ نے سُنے میں نے ابتداءً ہی روپے کی تخصیص کی کہ گویا وہ بعینہٖ روپیہ ہے .

ثانیاً مولوی صاحب نے عینیت فی الواقع ثابت مان لی کہ بار بار فرمایا "عین ثمن سمجھا جاتا ہے" فرمایا "عین ثمن خلقی ہے" اس پر جو اعتراضات قاہرہ وارد ہوئے ناظرین کے پیشِ نظر ہیں فقیر نے انھیں کے انسداد کو لفظ گویا زائد کردیا تھا کہ گویا بعینہٖ روپیہ ہے ، گویا وہ سَو روپے تھے "

ثالثاً مولوی صاحب نے اہل عرف کے سر یہ تھوپا کہ نوٹ عرفاً جمیع احکام میں عین ثمن خلقی سمجھا گیا جس کا رد سُن چکے ، میں نے اسے ان لفظوں میں ادا کیا تھا کہ "عموماً اس کے ساتھ معاملہ اثمان برتا جاتا ہے" جس سے وہ اعتراض کہ بربنائے لفظ احکام وارد ہے وارد نہ ہوا ، ہاں میں نے غیر فقیہ کے لئے بھی یہ وہم پسند نہ کیا تھا کہ نوٹ بیچنے میں اس کی قیمت لینی مقصود نہیں ہوتی بلکہ سَو روپے بیچنا اور روپیوں کی قیمت لینا منظور ہوتا ہے یہ خاص مولوی صاحب کا حصہ ہے اس کے اعتبار سے ان کا ماسنح لی فرمانا بجا ہے لکل ساقطۃ لاقطۃ (ہر گری پڑی شئی کو کوئی اٹھانے والا ہوتا ہے - ت) - اب جواب کی طرف چلئے ، فقیر نے دفع دخل کے لئے وہ وہم ذکر کرکے لکھا " مگر جسے فن شریف فقہ میں کچھ بھی بصیرت حاصل ہے اس کے نزدیک اس وہم کا ازالہ نہایت آسان ہے " (پھر مال کی چاروں قسمیں جو رسالہ کے ص ۱۳۳ سے ۱۳۷ تک گزریں بیان کرکے لکھا " نوٹ کے ساتھ اگر معاملہ اثمان برتا جاتا ہے تو غایت درجہ قسم رابع سے قرار پائے گا کہ اصل خلقت میں سلع ہے مگر بسبب تعارف ثمن ٹھہرا ہوا ہے اور ازانجا کہ اثمان اصلیہ سوا سیم وزر کے کچھ نہیں لہذا اہل عرف اگر غیر ثمن کو ثمن کرنا چاہیں تو ناچار اس کی قدیر اثمان خلقیہ ہی سے کریں گے اس لئے پیسوں کی مالیت یُونہی بتائی جاتی ہے کہ روپے کے سولہ آنے پس نوٹ کو جب عرفاً ثمن کرنا چاہا اُس کے اندازہ میں بھی اصل ثمن کی جانب رجوع ضرور ہوئی اور یوں ٹھہرایا گیا کہ فلاں نوٹ سو روپے کا فلاں دو سو کا فلاں ہزار کا ، مگر یہ صرف تقدیر ہی تقدیر ہے اس سے اتحاد جنس و قدر ہرگز لازم نہیں آتا جیسے اندازہ فلوس سے چونسٹھ پیسے کا عین نہ ہوگئے یونہی اس قرارداد سے وہ نوٹ حقیقۃً سو روپے یا چاندی نہ ہوجائے گا پس علتِ ربا کا تحقق ممکن نہیں ، باقی رہا عرف و اصطلاح اس کا اتباع عاقدین پر بایں معنی ضرور نہیں کہ جو قیمت انھوں نے ٹھہرادی ہے یہ اس سے کم و بیش نہ کرسکیں ، یہ دونوں اپنے معاملہ میں مختار ہیں چاہے سو روپے کی چیز ایک پیسے کو بیچ ڈالیں یا ہزار اشرفی کو خرید لیں صرف تراضی درکار ہے وبس - امام علامہ محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں ،

لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولایکرہ[1] الخ۔ اگر کسی نے ایک کاغذ ہزار کا بیچا تو بلا کراہت جائز ہے الخ (ت)

آخر نہ دیکھا ایک روپے کے پیسے بتعیین عرف ہمیشہ معین رہتے ہیں مگر علمائے اثمنی سے زیادہ کے عوض میں آٹھ آنے بیچنا روا رکھا اور سب جانتے ہیں کہ ایک اشرفی کئی روپے کی ہوتی ہے لیکن فقہائے ایک روپے کے عوض ایک اشرفی خریدنا جائز ٹھہرایا تو وجہ کیا ہے وہی اختلاف جنس جس کے بعد تفاضل میں کچھ حرج نہیں رہتا، (پھر ان مسائل کے ثبوت میں درمختار کی عبارتیں لکھ کر کہا "جب یہاں تک شرعاً جائز رہا تو سو روپے کا نوٹ ننانوے کے عوض خریدنے میں کیا حرج ہوسکتا ہے کہ یہاں نہ تو قدر متحد نہ جنس واحد الی اُخرہ"۔ یہ ہے بحمداللہ تعالٰی وہ نفیس منیر تقریر کہ ہنگامِ اولیں قلبِ فقیر پر فیضِ قدیر سے فائز ہوئی تمام رسالہ گویا اسی کی شرح اسی کے اجمال کی تفصیل ہے والحمدللہ رب العالمین میرے بیان کا حاصل چند امر تھے،

(۱) نوٹ اور روپے ایک جنس نہیں۔

(۲) اُن میں قدر مشترک نہیں۔

(۳) نوٹ کے ساتھ اہل عرف کا معاملہ اثمان برتنا اُسے اصطلاحی کرے گا نہ کہ خلقی۔

(۴) روپیوں سے اندازۂ قیمت نے اُسے روپے نہ کردیا ہر اصطلاحی کا اندازہ خلقی ہی سے ہوتا ہے جیسے پیسے۔

(۵) اصطلاح کی پیروی عاقدین پر نہیں وہ اپنی تراضی سے جو چاہیں کم و بیش کریں۔

(۶) علماء نے کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے کو بیچنا جائز فرمایا۔

(۷) پیسوں میں اصطلاح عام کی مخالفت جائز فرمائی۔

(۸) خود ثمن خلقی روپے اشرفی میں مخالفت عرف عام کی اجازت دی کہ ایک روپیہ ایک اشرفی کو بیچیں۔

مولوی صاحب نے **اولاً** یکم کے جواب کو وہی وہم سیکھا جسے لفظ گویا اُڑا کر بالکل کھویا مگر دوم سے کچھ تعرض نہ کیا یا شاید اپنے زعم میں عینیت عرفیہ فی الاحکام کہتے کہتے عینیت حقیقیہ فی الاجسام سمجھ لئے ہوں یعنی ہم نے کاغذ کو پیٹ پاٹ کر چاندی سونا کردیا پھر اتحاد قدر کیوں نہ ہوگا کہ شے اپنے نفس سے مختلف نہیں ہوسکتی۔

ثانیاً ادعائے عینیت پر وہی وہم والی ایک دلیل لائے کہ نوٹ عرفاً جمیع احکام میں عین ثمن خلقی سمجھا گیا اور آخر فتوے میں اتنا اور بڑھائیں گے کہ اور تمام مقاصد ثمن خلقی کے اس کے ساتھ متعلق ہوئے

---

[1] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/۳۲۴

اسی کو میں نے ان صحیح و مختصر الفاظ سے تعبیر کیا تھا کہ عموماً اس کے ساتھ معاملۂ اثمان برتا جاتا ہے میں نے امر سوم میں جو اس کا رَد کیا تھا کہ اس سے ثمن اصطلاحی ہوا نہ خلقی اس کا جواب غائب۔

ثالثاً اس پر دوسری دلیل بھی وہی وہم والی لائے جسے بنگیوں میں پھیلایا اور بات اُتنی ہی ہے جو میں نے لکھی کہ لین دین میں سَو کا نوٹ اور سو روپے میں تفاوت نہیں سمجھا جاتا اور میں نے امر چہارم میں جو اُس کا رَد کیا کہ عرف نے اُسے ثمن بنایا اور اصطلاحی کا اندازہ خلقی ہی سے ہوگا لہذا اس نوٹ کا اندازہ سَو سے کیا اور سَو روپے کی جگہ کام آیا جیسے سولہ آنوں کا اندازہ روپے سے کیا اور روپے کی جگہ کام آئے نہ یہ کہ نوٹ یا پیسے روپے کا عین ہوگئے اس کا جواب غائب۔

رابعاً امر پنجم میں جو میں نے ایک عظیم قاہر رَد کی طرف اشارہ کیا تھا جو سب کچھ مسلّم ٹھہرا کر لگی نہ رکھی جس کا بیان ابھی صفحہ ۴۳۲ میں گزرا اور جس پر نصوص جلیلہ کتب مذہب اور خود قرآن عظیم و احادیث نبی کریم علیہ و علٰی آلہٖ افضل الصلٰوۃ والتسلیم شاہد اس کا جواب غائب۔

خامساً تین امر باقی کہ میں نے اسی امر پنجم کے نظائر دکھائے تھے ان میں بھی امر پنجم یعنی روپے اشرفی کی کری مثال کا جواب غائب، اور ہفتم کے جواب کی خدمت گزاری سُن چکے اور ششم کا جو مزہ دار جواب سب میں آخر میں دیا ہے اُس کا لطف اِن شاء اللہ تعالٰی عنقریب اٹھایئے گا، غرض آٹھ باتوں میں پانچ کا جواب کچھ نہ دیا اور تین کا جواب وہ دیا کہ نہ دینا اس سے ہزار جگہ بہتر تھا۔

الحمد للہ اہل انصاف ملاحظہ فرمائیں گستاخی معاف وہ اجلّہ اکابر فضلاء کہ ائمہ مجتہدین عظام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے اقوال کو پرکھنے کا ادعا رکھیں کہ قال ابو حنیفۃ کذا والحق کذا (ابو حنیفہ نے یوں کہا اور حق یوں ہے) استدلوا لابی حنیفۃ بوجوہ والکل باطل (ابو حنیفہ کے لئے متعدد دلائل بیان کئے گئے اور سب باطل ہیں) ھھنا وھم اٰخر لصاحب الکتاب (یہاں اس کتاب والے (یعنی سیدنا امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ) کا ایک اور وہم ہے) ایسے گرانمایہ اجتہاد پایہ حضرات کسی مسئلہ میں ابو حنیفہ کے گدایانِ در کے غلامانِ غلام کی خاکِ پا کے زلہ رباؤں کے ادنٰی خوشہ چیں سے خلاف کریں تو اپنے لئے دلیل اسی سے سیکھ کر لکھیں اور وہ بھی جس روش پر اُس نے ادا کی ادا نہ کر سکیں پھر اس نے جو اُس کے جواب دیئے اُن سے عہدہ برآ نہ ہوں، اُس کے کلام کے مقاصد و فوائد تک نہ پہنچیں اکثر سے سکوت کریں اور بعض کا جواب محض ناصواب دیں، طولانی تقریر فرمائیں جس کا فقرہ فقرہ جملہ جملہ والکل باطل (اور سب باطل ہے۔ ت) کے گہرے رنگ میں رنگا ہوا ایک ایک لفظ ایک ایک حرف پڑھنا وھم اٰخر (یہاں ایک اور وہم ہے۔ ت) کا دریا بہا ہو یہ امام الائمہ سراج الامہ کاشف الغمہ مالک الازمہ نائل العلم

من الثریا ابوحنیفہ اور ان کے چھوٹے بیٹے امام ربانی محرر المذہب محمد بن الحسن شیبانی رضی اللہ تعالٰی عنہما کی کرامت نہیں تو کیا ہے۔ حاشا میں اس سے مولوی صاحب کی کسرِ شان نہیں چاہتا، وہ ایک وسیع الباع طویل الذراع فاضل طباع ہیں اور فقیر حقیر ایک غریب طالب علم قاصر القدرۃ قلیل المقدار اپنے مولائے کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی بشارت عظیم فطوبی للغرباء (غریبوں کے لئے خوشخبری ہے۔ ت) کا بلا استحقاق محض اُن کے فضل سے امیدوار بلکہ مقصود اپنے ائمہ کرام کی کرامتِ عالیہ کا اظہار ہے وبس، الٰہی! تیری بے شمار رضائیں ابوحنیفہ پر اور اُن سب پر جو عقائد میں اُن کے موافق ہو کر اعمال میں اُن کے مقلد ہیں، یونہی بقیہ ائمہ مجتہدین کرام اور اُن کے ایسے ہی مقلدوں پر تا روزِ قیام وعلٰی حبیبنا وشفیعنا افضل الصلوٰۃ والسلام (ہمارے حبیب اور شفاعت فرمانے والے پر بہترین درود وسلام ہو۔ ت)۔

تنبیہ: اتنا ملحوظ رہے کہ میدان بحمد اللہ تعالٰی ہمارے ہاتھ ہے مقاصد بحث پر ہمارے سب اعتراض حق ولاجواب ہیں اور بعض کہ بیان مولوی صاحب پر ہیں اگر اہلِ تاویل تبدیل وتحویل کریں تو بعد ردود اعتراض تسلیم اعتراض ہے کاش مولوی صاحب اس شبہہ کا بیان ہم سے کرا لیتے تو بہت بادی چھنٹ جاتی اور ہمارے قلم کو بھی آرام ملتا کہ رد میں ایک مختصر سا کلام ہوتا اور کوئی آپ کو یہ بھی نہ کہتا کہ کہا اور کہہ نجانا مگر مولوی صاحب کی عنایات نے وسعت دکھائی کہ یہاں تک نوبت آئی بہرحال ہمیں ہر طرح نفع ہے وللہ الحمد۔

تسجیل جلیل: چلتے وقت سب سے بھاری خود اپنی دھوم دھامی گواہی لیتے جائیے کہ نوٹ اور روپوں میں ربا ممکن ہی نہیں آپ کے فتاوٰی کی تیسری جلد جس کے سوالات خود آپ نے پیدا کرکے اُن کے جواب لکھے اور اُن میں دو جلدیں پیشین کے اغلاط کی جابجا اصلاح کی جیسا کہ ناظرین پر مخفی نہیں اسی کے باب الربا کا پہلا سوال وجواب دیکھئے جس میں آپ نے ربا کی تعریف لکھی ہے اور دل ہی دل میں انصاف کرلیجئے کہ یہ تعریف مسئلہ نوٹ میں کیونکر صادق آسکتی ہے، آپ فرماتے ہیں:

سوال: ربا چیست؟

جواب: فضل احد المتجانسین کیلاً یا وزناً بر دیگر در معاوضہ مالیہ بلاعوض، در بحر الرائق آورد ولیس المراد مطلق الفضل بالاجماع فان فتح الاسواق فی سائر بلاد المسلمین للاستفضال والاسترباح وانما المراد فضل مخصوص

سوال: سُود کیا ہے؟

جواب: مالی معاوضہ میں دو ہم جنس چیزوں سے ایک کی کیل یا وزن کے اعتبار سے دوسری پر بلاعوض زیادتی۔ بحرالرائق میں وارد ہے کہ مطلق زیادتی بالاجماع مراد نہیں کیونکہ تمام مسلم ممالک میں بازاروں اور منڈیوں کا کھلنا زیادتی اور نفع کے حصول کے لئے ہوتا ہے بلکہ بیشک مخصوص زیادتی

وھو فضل مال بلا عوض فی معاوضۃ مال بمال ای فضل احد المتجانسین علی الاٰخر بالمعیار الشرعی ای الکیل و الوزن[1]، انتہی۔

مرا ہے اور وُہ مال کے عوض مال میں بلا عوض مالی اضافہ اور زیادتی ہے یعنی دو ہم جنس چیزوں میں سے ایک کی دوسری پر زیادتی معیار شرعی یعنی کیل و وزن کے ساتھ، انتہی۔ (ت)

دیکھئے کیسی کھلی تصریح ہے کہ ہر زیادت سُود نہیں، بازار کُھلے ہی اس لئے ہیں کہ زیادت ملے نفع ہاتھ لگے بلکہ سود ہونے کو ضرور ہے کہ دو متحد الجنس چیزوں میں کہ دونوں وزنی یا دونوں کیلی ہوں کہ تول یا ناپ سے بکتی ہوں ایک دوسری سے خاص اُسی ناپ یا وزن میں زائد ہو اس کے سوا کسی اور بات میں زیادتی کا یہاں لحاظ نہیں بیشک ہمارے علماء کے اجماع سے ربا کی یہی تعریف ہے شکر ہے کہ اس کے آپ مقر ہوئے اور والکل باطل (اور سب باطل ہے۔ ت) نہ فرمادیا مگر اس اقرار نے اُس تقریر کو والکل باطل (اور سب باطل ہے۔ ت) بنادیا، نوٹ اور روپے سرے سے ایک جنس ہی نہیں، بچّہ بھی جانے گا کہ چاندی اور کاغذ ایک جنس نہیں ہو سکتے، اور بفرض باطل مجانست سہی تو نوٹ تول کر نہیں بکتا، اور اگر تول بھی موجود ہو تو سَو کا نوٹ سو کو بیچنا بھی قطعی سُود ہو کہ سو روپے بلاشبہہ تول میں نوٹ سے کہیں زائد ہیں اور آپ اسی کو واجب کر رہے ہیں تو آپ نے سود نہ صرف حلال بلکہ واجب کردیا تو مفر وہی ہے کہ نوٹ اور روپیہ ایک جنس نہیں یا تول نہیں یا دونوں نہیں بہرحال آپ ہی کے اقرار سے کُھل گیا کہ چاہے دس کا نوٹ لاکھ روپے کو بیچئے یہاں ربا آہی نہیں سکتا کہ یہ اس کی تعریف ہی میں داخل نہیں، وھو المقصود (اور وہی مقصود ہے۔ ت)۔

قولہ اور اگر اس میں ربا حقیقۃً نہ ہو تو شبہہ ربا سے تو مفر نہیں اور تمام کتب فقہ میں مرقوم ہے شبہہ ربا باعثِ حرمت ہے[2]۔

اقول اولاً یہ مولوی صاحب کا دوسرا پہلو ہے، خود بھی سمجھے کہ یہاں ربا کی گاڑی چلتی نظر نہیں آتی لہذا شبہہ کے ٹھیلے کی طرف جُھکے مگر کیوں مفر نہیں اس کا ثبوت فی البطن۔ مولوی صاحب کو اولاً منقح کرنا تھا کہ شبہہ ربا کا مناط یہ ہے جہاں یہ پایا جائے شبہہ متحقق ہوگا۔ ثانیاً اِدھر اُدھر خوب جھانک لینا تھا کہ تصریحاتِ ائمہ سے اس پر نقض تو نہیں پڑتا کہ تنقیح کا تنقیہ کردے۔ ظاہر ہے

---

[1] مجموعہ فتاوٰی باب الربٰو مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۹۴ و ۹۵

[2] ؍؍ کتاب البیوع ؍؍ ؍؍ ۱/ ۳۹۶

کرنوٹ میں تحقق شبہہ منصوص نہیں کہ تقلیداً حکم مان لینا پڑے اگرچہ دلیل پر ہمارے فہم میں ہزار شبہے ہوں ہم حکم کے مقلد ہیں نہ کہ دلیل کے منتقد۔ بہت دلائل علمائے متاخرین شکر اللہ تعالٰی سعیہم نے اپنے فہم سے استنباط فرمائے ہیں اُن میں کسی دلیل کا تزلزل حکم کا بطلان نہیں، ممکن کہ مجتہد کے پاس اور دلیل ہو اور یہاں تو آپ کو خود اثبات حکم کرنا ہے تو جب تک مناط کامل طور پر مضبوط اور تمام نقوض و شبہات سے منزہ نہ کر لیجئے نرا زبانی قیاس محض وسواس۔ ثانیاً اس سب کے بعد یہ ثبوت دینا تھا کہ وہ مناط نوٹ میں متحقق، اس وقت آپ کا فرمانا قابلِ سماعت ہوتا اور خالی دعوٰی تو پا در ہوا۔

ثانیاً اپنی جلد سوم باب الربا کا فتوٰی یاد کیجئے کہ چھٹانک بھر گیہوں سوا سیر گیہوں کے عوض بیچنا آپ نے جائز مانا یونہی ایک سیب دو سیب کو، یہاں تو جنس یقیناً متحد تھی اور زیادتی بداہۃً معلوم، یہاں شبہہ ربا کیوں نہ جانا، آپ کی عبارت یہ ہے:

سوال: بیع یک سیب عوض دو سیب یا بیع یک مشت گندم عوض دو مشت گندم جائز ست یا نہ؟

سوال: ایک سیب کی بیع دو سیبوں کے بدلے میں یا ایک مٹھی گندم کی بیع دو مٹھی گندم کے بدلے میں جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جائز ست چہ معیار شرعی نصف صاع ست نہ کم ازاں پس در کم از نصف صاع تفاضل درست ست، در عالمگیریہ می آرد یجوز بیع الحفنۃ بالحفنتین والتفاحۃ بالتفاحتین ومادون نصف الصاع فی حکم الحفنۃ[1] انتہی۔

جواب: جائز ہے کیونکہ معیار شرعی نصف صاع ہے نہ کہ اس سے کم، لہذا نصف صاع سے کم میں زیادتی جائز ہے، عالمگیری میں آتا ہے کہ مٹھی بھر کی بیع دو مٹھی بھر سے اور ایک سیب کی بیع دو سیبوں سے جائز ہے اور نصف صاع سے کم ایک مٹھی کے حکم میں ہے۔ (ت)

ثالثاً رسالہ صفحہ ۱۶۹، ۱۷۰ پر بحر الرائق کا ارشاد دیکھئے کہ ایک پیسہ سو پیسے کو بیچنا جائز، یہاں بھی اتحاد جنس قطعی اور زیادت بدیہی، پھر شبہہ ربا کیوں نہ ہوا۔

رابعاً آپ کو اگر کاغذ اور چاندی کا دو جنس ہونا نہ معلوم ہو تو انھیں اہلِ عرف سے پوچھ دیکھئے جن پر آپ کے خیال کا سارا دار و مدار ہے کہ وہ جس طرح یوں کہتے ہیں کہ یہ اشرفی پندرہ کی ہے یہ بیس کی یہ پیسے اٹھنی کے ہیں یہ چوانی کے، یہ نہیں کہتے کہ یہ اشرفی پندرہ روپے ہے یہ پیسے اٹھنی چوانی

---

[1] مجموعہ فتاوٰی باب الربٰو مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۹۵

ہیں اسی طرح یوں کہتے ہیں کہ یہ نوٹ دس کا ہے یہ سو کا، یہ نہیں کہتے کہ یہ نوٹ دس روپے ہے، خود آپ نے فرمایا ہے کہ "نوٹ سو روپے کا کوئی ہلاک کردے"، اور فرمایا "سو روپے کا نوٹ جب بیچا جاتا ہے"، اور فرمایا "نوٹ سو روپے کا دیوے" اتحادِ جنس کا نشہ اس سے اتار کر۔ وہ مسائل یاد کیجئے جو ائمہ کرام نے فرمائے کہ:

۱۔ ایک روپیہ ایک اشرفی بلکہ سوا اشرفیوں کو بیچنا جائز۔ ص ۱۶۳۔

۲۔ ایک پیسا ایک روپیہ بلکہ ہزار روپیوں کو بیچنا جائز۔ ص ۱۷۷، ۱۸۳، ۱۸۴۔

۳۔ ایک اشرفی ایک پیسہ کو خریدنے میں نہ ربا ہے نہ شبہہ ربا۔ ص ۱۸۳ و ۱۸۴۔

ان میں شبہہ ربا کیوں نہ ہوا۔

خامساً بتصریح ائمہ یہاں شبہہ علت مثل علت اور حکم علت لازم علت، تو یہاں علت ہو یا شبہہ علت، بہرحال لزوم حکم علت اور حکم علت تحریم تفاضل فی القدر ہے تو سو کا نوٹ جو آپ سو کو بیچنا جائز کر رہے ہیں صراحۃً سود حلال کر رہے ہیں۔

قولہ علاوہ ازیں جو بیع وشرائے نوٹ میں تفاضل اختیار کرے گا مقصود اس کو بجز اس کے کہ بعوض کم روپے کے زیادہ روپے حاصل ہوجائیں اور کچھ نہ ہوگا مگر بطور حیلہ کے وہ نوٹ کا معاملہ کرے گا اور یہ ظاہر ہے کہ ایسے ارتکاب حیلہ سے حکم حلت کا نہیں ہوسکتا۔[1]

اقول اولاً قصور معاف ؎

مستی از بادۂ شبانہ ہنوز

(جوانی کی مستی ابھی موجود ہے۔ت)

بعوض کم روپیہ کے کہنا باطل ہے نوٹ والے کی طرف سے تو نوٹ ہے، روپیہ ایک بھی نہیں نہ کم نہ زائد۔ ہاں یوں کہئے کہ کم روپیوں کا مال دے کر زیادہ روپے حاصل کرنا۔ ہاں یہ بیشک مقصود ہے پھر اس میں کیا گناہ ہے دنیا بھر کی تجارتیں اسی لئے ہوتی ہیں آپ خود جلد ۳ میں بحرالرائق سے نقل کرچکے ہیں کہ مطلقاً زیادتی بالاجماع حرام نہیں، تمام جہان میں بازار اسی لئے کھولے گئے ہیں کہ زیادتی ملے نفع حاصل ہو۔

ثانیاً آپ کی "علاوہ ازیں" کہہ رہی ہے کہ اب ربا وشبہہ ربا دونوں سے قطع نظر فرما کر

---

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۹۸-۳۹۷

یہ تیسرا پہلو لیا ہے کہ اگرچہ یہاں ربا سے کچھ علاقہ نہ ہو، ربا تو ربا اس کا شبہہ بھی نہ ہو، مگر اس نے زیادہ ملنے کا حیلہ کیا ہے اس لئے (زبردستی) حرام ہے، اب فرمائیے اگر زید عمرو سے سو روپے قرض مانگے عمرو کاغذ کا ایک سادہ پرچہ اس کے ہاتھ مثلاً سال بھر کے وعدہ پر یا نقد پچیس روپے کو بیچے وہ قبول کرلے پھر عمرو سو روپے زید کو قرض دے اور قرض کے بدلے سو ہی لے پچیس اپنے اس کاغذ کے جدا لازم کرے تو اس میں حرمت کدھر سے آئے گی آیا اس لئے کہ کاغذ کا سادہ پرچہ پچیس روپے کو بیچا تو آپ تو ابھی فرمانے والے ہیں کہ سادہ پرچہ ہزار روپیہ کو بیچنا جائز ہے پچیس کو کیوں حرام ہوا، یا اس لئے کہ اس نے اس فعل سے نفع حاصل کرنا چاہا تو وہ صورت بتائیے کہ کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے کو بیچے اور نفع لینا نہ ہو، یا اس لئے کہ قرض پر نفع لیتا ہے قرض میں تو وہ پورے سو کے سو لے رہا ہے اس پر نفع کہاں، یا اس لئے کہ یہ نفع بسبب قرض ہے تو قرض تو اس وقت تک دیا بھی نہیں سبب کہاں سے متحقق ہوا، یا اس لئے کہ اُن کے دل میں تو آئندہ قرض لینے دینے کی نیت ہے تو اس کا ثبوت شرع سے دیجئے کہ آئندہ سال قرض کا لین دین ہونے والا ہو تو آج بیع پر نفع لینا حرام ہو جائے وہ بیع کہ بلاشبہہ حلال بھی حکم تحریم پائے، حالانکہ یہاں تو آئندہ لین دین ہونا بھی معلوم نہیں آئندہ غیب ہے اور غیب مجہول اور انسانی ارادہ ممکن التخلف نکاح میں کہے کہ میں نے تجھے مہینہ بھر یا دس برس بلکہ سو برس کے لئے اپنے نکاح میں لیا تو ناجائز وہ حرام، اور اگر نکاح کرے اور ارادہ صرف مہینہ بھر یا ایک ہی دن رکھنے کا ہو تو بیشک حلال۔

ثالثاً صفحہ ۱۹۴ پر وہ تصریحات ائمہ کرام مثل امام شمس الائمہ حلوائی و امام شمس الائمہ زرنجری و امام بکر خواہرزادہ و بحرالرائق و ردالمحتار وغیرہا یاد کیجئے کہ پہلے بیع کرکے پھر قرض کا لین دین کریں تو ہمارے ائمہ مذہب امام اعظم، امام ابویوسف اور امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہم سب کے نزدیک بالاتفاق بلاکراہت جائز و حلال ہے کہئے یہ کیوں حلال ہوا، ظاہر ہے کہ یہ معاملہ اُس نے زیادہ لینے ہی کے لئے بطور حیلہ کیا۔

رابعاً اپنی یاد کیجئے جلد دوم فتوٰی نمبری ۴۴ میں حکم تھا کہ گیہوں قرضوں نرخ بازار سے کم کو بیچنا جائز ہے، اس پر سائل نے شبہہ کیا تھا کہ یہاں ربا نہیں تو شبہہ تو ہے اور شبہہ بھی مثل حقیقت حرام۔ اس کا آپ نے جواب فرمایا کہ "خدشہ ربا کا یوں مدفوع ہے کہ گندم وغیرہ اقسام غلہ بعوض دراہم و دنانیر کے فروخت کرنے میں ربا نہیں ہے اور نہ شبہہ ربا، اگر دو سیر گیہوں کہ بازار میں مثلاً دو آنے کو ملتا ہے کوئی شخص بعوض ایک روپیہ نقد بیچے تو بھی درست ہے ایسے ہی اگر نسیہ میں قیمت بڑھائے اور مشتری راضی ہو جائے تب بھی درست ہے۔"[1]

---

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/۳۹۱

اقول یہ "اب بھی تب بھی" فقط اٹھ گنی قیمت تک حلال ہے یا بلا قید۔ برتقدیر اول کیا دلیل شرعی ہے کہ ۲ ر کے گیہوں ایک روپے کو بیچنا حلال اور دو یا دس یا سو کو حرام۔ چو آب از سر گزشت چہ یک نیزہ چہ یک دست (جب پانی سر سے گزر گیا تو کیا ایک نیزہ اور کیا ایک ہاتھ، یعنی دونوں برابر ہیں۔ت) برتقدیر ثانی ہر عاقل جانتا ہے کہ کوئی ذی عقل دو آنے کے گیہوں سو روپے بلکہ انصافاً ایک روپے کو بھی ہرگز خرید نے نہ بیٹھے گا جب تک کوئی دباؤ نہ ہو اور بیچنے والا ۲ ر کا مال دے کر سو روپے لینے میں ضرور براہِ حیلہ زیادہ ستانی ہی چاہے گا، پھر ربا و شبہہ ربا نہ سہی جیسا کہ اب آپ کو اس تیسرے پہلو پر نوٹ میں بھی ملحوظ نہیں مگر معاملہ حیلہ کے سبب حکم حرمت آنا لازم تھا۔

خامسا (۸۰ تا ۸۵) وہ چھ حیلے یاد کیجئے جو ائمہ کرام نے ارشاد فرمائے اور رسالہ کے ص ۷۰ سے ۷۴ تک گزرے یہاں ارتکاب حیلہ سے حکم حلت کیسے ہو گیا۔

سادسا یہی چھ کیا ہزار ہا حیل ہیں جن کی تصریحات جلیلہ کلمات ائمہ میں مذکور اگر ان کو جمع کیجئے تو آپ کی اس جلد بھر سے زیادہ ہونگے سر دست عالمگیری کی کتاب الحیل ہی ملاحظہ ہو کہ ساری کتاب کی کتاب اسی میں ہے۔

سابعا آپ خود اپنی ہی نہ کہئے، سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مؤطا میں روایت فرمائی کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "خرما خرما برابر کرکے بیچو" اس پر عرض کی گئی کہ یا رسول اللہ! خیبر پر حضور کے صوبہ دار تو دو صاع کو ایک صاع لیتے ہیں، ارشاد ہوا: انھیں بلاؤ۔ وہ حاضر ہوئے، رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ایسا نہ کرو۔ عرض کی: یا رسول اللہ! وہ قسم جمع کی دو ہی صاع کو جنیب کی ایک صاع بیچتے ہیں یعنی برابر کو مل ہی نہیں سکتی، رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

بع الجمع بالدراھم ثم ابتع بالدراھم جنیبا[1]

یہ قسم (جمع) روپوں سے بیچ کر وہ قسم (جنیب) روپوں سے خرید لے۔

اس پر آپ حاشیہ لکھتے ہیں:

علمه صورة لاتدخل فیه الربا مع حصول المقصود[2]

رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کو وہ صورت سکھادی جس میں ربا نہ آنے پائے اور مطلب حاصل ہو جائے۔

---

[1] الموطا للامام محمد باب الربو فیما یکال و یوزن نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۵۲-۵۳

[2] التعلیق المجید علی موطا محمد " " " " " " " ص ۳۵۳

جنابِ من! اسی کا نام توحیلۂ شرعیہ ہے پھر اس سے حکمِ حلت نہ ہوسکنا کیا معنی، کیا رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم وہ بات بتارہے ہیں جس سے حلت نہ حاصل ہو حرام کا حرام رہے، والعیاذ باللہ تعالٰی۔

ثامنا اس کے متصل امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ابوسعید خدری و ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما کی وُہ حدیث[1] روایت فرمائی جو رسالہ کے ص ۱۹۵ و ۱۹۶ پر گزری اُس میں بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہی حیلہ تعلیم فرمایا ہے جس پر آپ نے خود حاشیہ لکھا کہ:

اشار الیہ بما یجتنب عن الربا مع حصول المقصود[2]

رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایسی بات کا اشارہ فرمایا جس میں ربا سے بچ جائے اور مطلب ہاتھ آئے۔

سیدنا امام محمد نے یہ حدیثیں روایت کرکے فرمایا:

بھذا کلہ ناخذ وھو قول ابی حنیفۃ و العامۃ من فقہائنا[3]

یہ سب باتیں ہماری مختار ہیں اور یہی قول امام اعظم ابوحنیفہ اور ہمارے سب فقہائے کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کا ہے۔

رہا حاشیہ میں آپ کا فرمانا کہ حنفیہ وغیرہم نے اس سے جواز حیلہ پر استدلال کیا اور حق یہ کہ ایسی جگہ اعتبار نیت کا ہے[4]

اقول اولا یہاں کی کیا تخصیص ہے سبھی جگہ اعتبار نیت کا ہے بایں معنی کہ بدنیت فاسد ارادے سے جو کام کیا جائے گا ممنوع ہوگا حیلہ تو حیلہ اگر بدنیت سے نماز پڑھے تو وہ بھی حرام ہو ؎

کلیدِ درِ دوزخ ست آں نماز   کہ در چشم مردم گزاری دراز

(وہ نماز دوزخ کی چابی ہے جس کو تُو لوگوں کے دکھلاوے کیلئے لمبا کرکے پڑھے)

ثانیا رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم تعلیم فرمارہے ہیں جس کا خود آپ نے اقرار کیا، تمام

---

[1] الموطا للامام محمد باب الربٰو فیما یکال و یوزن نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۵۴

[2] التعلیق الممجد علی موطا محمد " " " " " " "

[3] الموطا للامام محمد " " " " " " "

[4] التعلیق الممجد علی موطا محمد " " " " " " "

ائمۂ مذہب اس پر عمل فرمارہے ہیں جس کا امام محمد نے اظہار کیا، اب یہ آپ کی "والحق" اگر اس کے موافق ہے چشم ما روشن دلِ ما شاد (ہماری آنکھیں روشن اور ہمارا دل خوش ہے۔ ت) اور اگر رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشاد اور ائمۂ مذہب کے اتفاق کے خلاف کچھ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ چُننی چاہتے ہیں جیسا کہ ظاہر عبارت سے ہے تو وہ آپ ہی کو مبارک رہے اہلِ حق کے نزدیک "بجَوے نیرزد" (ایک جَو کے لائق بھی نہیں۔ ت)

ثالثًا آپ نے کچھ کھولی نہیں کہ کیا نیت ہو تو حیلہ جائز اور کیا ہو تو ناجائز، اگر یہ مقصود کہ بیع میں مبادلۂ دراہم صرف برائے نام ہو، نہ یہ قسم خرما دراہم سے بیچنی مقصود ہو نہ وہ قسم دراہم سے خریدنی بلکہ منظور انھیں دو قسم کا باہم مبادلہ ہو اور ذکر دراہم بیع تلجیہ کے طور پر محض اسم فرضی تو یہ ضرور صحیح ہے، مگر امام اعظم و امام محمد و جملہ ائمۂ مذہب نے معاذ اللہ اسے کب جائز کیا تھا، حضرت وُہ تو حیلۂ شرعیہ کو جائز فرما رہے ہیں جس کی خود آپ کے اقرار سے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تعلیم دی یہ ناپاک حرکت "حیلۂ شرعیہ ہی کب ہوئی" بلکہ قصدًا شرع کی مخالفت اور صورۃً عالم الغیب کو دھوکا دینا، پھر آپ نے جملہ ائمۂ مذہب کے مقابل اپنی "والحق" کی الگ چنائی کاہے پر چنی ۔ اور اگر یہ مقصود کہ اگرچہ یہ قسم روپوں سے بیچ کر وہ قسم روپوں سے خریدنی مقصود ہو مگر اس فعل پر باعث وہی غرض ہو کہ یہ قسم ہماری ملک سے خارج ہو کر وہ قسم داخل ہو جائے اسے ناجائز کہتے ہو تو قصور معاف، یہ معاذ اللہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اصلاح دینی ہے ابوحنیفہ وغیرہ ائمہ تو درکنار رہے، ظاہر ہے کہ اسی غرض کی تحصیل کے لئے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ طریقہ تعلیم فرمایا، خود حدیث صحیح مسلم و صحیح بخاری سے صفحہ ۱۹۵ و ۱۹۶ پر گزرا کہ جب تو مول لینا چاہے تو یوں کر۔ حدیث کی نہ سنئے اپنی ہی، دونوں جگہ لفظ دیکھئے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے وہ صورت سکھادی جس میں ربا سے بچ جائے اور مقصود حاصل ہو جائے، کہئے تو وہ کیا مقصود تھا جس کا حاصل کرنا رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا، اس کے بعد جو آپ نے امام اعظم و امام محمد و ائمۂ مذہب کے رَد میں ابن قیم گمراہ کی ایک نقل اس کے استاذ ابن تیمیہ بدمذہب سے ذکر کی ہے اس کا ایک ایک حرف حرفِ ہذیان یا مجنون کی بڑ ہے، آپ خود اس کے بعد اتنا لکھ گئے کہ یہاں طویل بحثیں ہیں کہ مبسوط کتابوں میں ملیں گی جس سے آپ کو کہنے کی گنجائش رہی کہ میں نے اس نقل کو مقبول نہ رکھا لہذا ہم بھی اس کے رَد سے تطویل نہ کریں کہ یہاں تو غرض آپ سے مکالمہ ہے۔

۱؎ التعلیق الممجد علٰی مؤطا امام محمد   باب الرجل یبیع ما یکال ویوزن   نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۵۴

تاسعا جانے دیجئے آپ گول ہی رہیں اور نیت کا پردہ نہ کھولیں اتنا تو آپ کے بیان سے بھی ثابت ہُوا کہ حیلہ نیک نیت سے حلال ہے، جنابِ من! پھر یہاں یہ مطلق تجرد حکم کیسا کہ ایسے ارتکاب حیلہ سے حکمِ حلت نہیں ہوسکتا۔[1]

قولہ تہذیب الایمان میں ہے۔[2]

اقول مولوی صاحب! عجب ہے کہ آپ جیسا محقق جو اتنے اعلٰی پائے پر ہو کہ ائمہ مجتہدین کی جانچ پڑتال کرے اُن کا حق و باطل نکالے وہ اور مسائل شرعیہ کے لئے سند لانے میں ایسا گرے کہ مجاہیل و بے قدر و بے وقعت زید و عمرو سب سے استناد کرے کہیں آپ مجالس الابرار سے سند لاتے ہیں کہیں رسالہ اسلمی سے اور اُتر کر اربعین میاں اسحٰق دہلوی سے، کہیں اور گھٹ کر ان کے کسی شاگرد کی عمدۃ التحریر سے، کہیں سب سے بدتر صراط مستقیم اسمٰعیل دہلوی سے، انھیں مجاہیل میں یہ آپ کی تہذیب الایمان ہوگی جس پر بعض اصحاب نے کہا کہ آج تک تہذیب المنطق، تہذیب الکلام، تہذیب الاخلاق، تہذیب الآثار، تہذیب التحو سُنی تھی، معلوم نہیں ان بزرگ کو ایمان میں کیا بے تہذیبی سُوجھی کہ اس کی تہذیب لکھی آپ استناد کرتے وقت جب الیسوں کی تقلید تک اُتر آتے ہیں تو مسئلہ نوٹ میں حضرت مولٰنا مولوی محمد ارشاد حسین صاحب رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا فتوٰی آپ کے سامنے تھا اور وہ آپ کے ان اکثر مستندین سے ہر طرح اعلٰی و اعلم و افضل و اکمل تھے کاش اس میں ان کی تقلید فرما لیتے تو جھگڑا چکتا۔

قولہ انما المحرم ان یقصد بالعقود الشرعیۃ غیر ما شرعہا اللہ لہ فیصیر مخادعا للدینہ، کائد الشرعۃ۔[3]

قولہ بے شک حرام یہ ہے کہ عقود شرعیہ سے اس شے کا غیر مقصود ہونا جس کے لئے اللہ تعالٰی نے ان عقود کو مشروع فرمایا کیونکہ ایسا کرنیوالا اسکے دین سے دھوکا اور اسکی شرع سے مکر کرنیوالا ہوگا۔ (ت)

اقول یہ بالکل ہمارے موافق ہے وہ حصر کرتا ہے کہ حیلہ وہی حرام ہے جس میں عقد شرعی سے اُس کا مقصود شرعی مراد نہ ہو یہ وہی صورت ہُوئی کہ بیع میں بیع دراہم کا نام بلا قصد مبادلہ محض بطور اسم فرضی لے اس کی حرمت میں کیا کلام ہے اور جب بیع سے حقیقۃً مبادلہ ملک کا قصد کیا تو یہی وہ مقصود شرعی ہے جس کے لئے شرع نے اُسے مشروع فرمایا تو جب آپ کی اسی سند کی رُو سے اس کی حرمت نا ممکن۔ پھر نوٹ میں تو اُس کو کچھ دخل ہی نہیں، نوٹ بیچنے خریدنے والے یقیناً یہی چاہتے ہیں کہ بائع کی ملک سے

---

[1] و[2] و[3] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/۳۹۸

نوٹ خارج ہو کر مشتری کی ملک میں آئے اور مشتری کی ملک سے روپے خارج ہو کر بائع کی ملک میں آئیں شرع نے بیع اسی لئے مشروع کی ہے تو اسی عبارت کے حکم سے اُس کی حلت واجب۔ اگر کہئے مراد یہ ہے کہ اُس نے تھوڑے روپوں کے بدلے زیادہ لینے چاہے مگر روپے دے کر زیادہ روپے لیتا تو سود ہوتا اسی لئے نوٹ بیچ کر روپے لئے کہ جنس بدل جانے سے ربا جاتا رہے۔

اقول تو کیا گناہ کیا، اُس نے گناہ سے بچنا ہی تو چاہا، گناہ سے بچنے کی تدبیر بھی گناہ ہو تو مفر کدھر، شرع نے بیع اس لئے مشروع فرمائی ہے کہ منہیاتِ شرعیہ سے بچ کر اپنا مطلب جائز طریقہ سے حاصل کرلو، وہی اس نے چاہا تو مقصد شرعی کی نہ کہ مخالفت، پھر حُرمت کدھر سے آئی۔

قولہ فان مقصودہ حصول الذی حرم اللّٰہ بتلک الحیلۃ او اسقاط ما اوجبہ[1] انتھی۔

قولہ کیونکہ اس حیلہ سے اس کا مقصد اس چیز کو حاصل کرنا ہے جس کو اللہ تعالٰی نے حرام کیا یا اس چیز کو ساقط کرنا ہے جس کو اللہ تعالٰی نے واجب کیا، انتہی۔ (ت)

اقول اولاً حرام سے مراد لازم الحرمۃ ہے جس سے حرمت کبھی جُدا نہ ہو یا وُہ جیسے حرمت عارض منفک ہے، بر تقدیر اول اُسی لازم الحرمۃ کو اختیار کرے گا یا اس سے کسی امر جائز کی طرف عدول وفرار، پہلی صورت پر حیلہ ہی کب ہوا، صراحۃً حرام میں پڑنا ہوا، پھر اس سے تحریم حیلہ کیوں لازم آئی، اور دوسری صورت میں شاید حرمت اس وجہ سے ہوگی کہ حرام سے کیوں بچا جائز کی طرف کیوں عدول کیا۔ بر تقدیر ثانی شکل وُہ اختیار کرتا ہے جس میں وُہ عارض منفک منفک ہو جائے اور شے حلال محض رہ جائے یا وہ کہ عارض حرمت باقی رہے، صورت ثانیہ پھر حیلہ نہیں اور اولٰی پر حرمت کی کوئی وجہ نہیں۔

ثانیاً دُور کیوں جائیے خود اپنی سُنئے، شراب حرام قطعی اور پیشاب کی طرح نجس بہ نجاست غلیظہ ہے مسلمان کو اس کا بیچنا حرام، چھُونا حرام، اس سے کسی طرح کا نفع لینا حرام۔ اب فرض کیجئے کہ ایک مسلمان کی ملک میں ہزار مٹکے شراب آئی مثلاً یُوں کہ اول نصرانی تھا اب مسلمان ہوگیا وہ نہیں چاہتا کہ اتنا مالِ کثیر ضائع ہو جائے، اس نے نمک ڈال کر سب کو سرکہ کرلیا، آپ خود فرماتے ہیں کہ جائز و روا ہے اپنے رسالہ نفع المفتی میں دیکھئے،

الانتفاع بالمحرم لایجوز کذا قال البرجندی

حرام سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں، یونہی برجندی

---

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/۳۹۸

فان قلت یشکل ھذا بالسرقین فانہ ینتفع بہاعہ فی الایقاد قلت الانتفاع بالنجس بالاستھلاك جائز کاراقۃ الخمر وتخلیل الخمر وھذا کذلك فیجوز[1] اھ باختصار۔

میں کہتا ہے اگر تُو کہے اس پر گوبر کے سبب سے اشکال وارد ہوتا ہے کیونکہ اس سے جلانے میں نفع حاصل کیا جاتا ہے تو میں کہوں گا کہ نجس سے نفع حاصل کرنا نجس کو ہلاک کرکے جائز ہے جیسے شراب کو بہادینا اور شراب کو سرکہ بنانا اور یہ انھیں صورتوں جیسی ہے لہذا یہ جائز ہے اھ اختصار۔ (ت)

دیکھئے اس نے یہاں حرام خدا کو کام ہی میں لانا چاہا مگر یُوں کہ حرام نہ رہا پھر اس میں کیا حرج ہوا۔

قولہ پس اگر نوٹ میں تفاضل قضاءً جائز بھی ہو لیکن دیانۃً فیما بینہ وبین اللہ کسی طرح سے درست نہ ہوگا[2]۔

اقول عجب کہ جو کاغذ کو کاغذ ہی جانے اور بوجہ عرف ثمن اصطلاحی مانے اور شرع مطہر سے یقیناً معلوم ہُوا کہ اصطلاح عامہ کی پابندی اس پر لازم نہیں وُہ سو کے نوٹ کو روپوں سے کم وبیش پر بیچے تو عند اللہ کسی طرح درست نہ ہو، اور جو اپنے زعم میں کاغذ کو ثمن خلقی کا عین ماننے اور اُسے بعینہ چاندی سمجھے وہ یہ ماشہ دو ماشہ بھر چاندی سیر بھر چاندی کو بیچے اور سُود نرا حلال طیب رہے، اس زبردستی کی کوئی حد ہے خیر یہ تو پہلے معروض ہوچکا مگر یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اب مولوی صاحب ربا وشبہہ ربا سے قطعی گزر گئے۔ "علاوہ ازیں" کہہ کر تو اُن کے لحاظ ہی سے گزرے تھے اب یہ صورت لیتے ہیں کہ کوئی ایسا وصف ہے ہی نہیں جس میں ربا یا شبہہ ربا ہو ورنہ قضاءً جائز ہونا محال تھا اور اس سے ظاہر کہ حکم عینیت کا تسمہ لگا نہ رکھا ورنہ ربا یا شبہہ ربا ہو کر دیانۃً، قضاءً ہر طرح حرام ہونا لازم تھا تو عینیت عرفیہ کا اگر نام لیا بھی جائے محض اسم بے مسمّٰی ولفظ بے معنی ہوگا کہ اس کا حکم داتو شرعی منتفی ہے اور جب ایسا ہے تو حقیقۃً وشرعاً غیریت محضہ رہی اب خود ہی حاصل اُسی قدر ٹھہرا دیا کہ کم روپیوں کا مال برضائے خریدار زیادہ کو بیچ لیا، کہئے اس میں کون سا خلاف دیانت ہے۔

قولہ اسی وجہ سے کتب فقہ میں بیع عینہ اور شراء باقل ممابا ع وغیر ذٰلك (کسی چیز

عہ الاصوب بہ ۱۲

---

[1] نفع المفتی والسائل ما یتعلق بالانتفاع بالاشیاء النجسۃ الخ مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۳۶

[2] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۸

کو اس سے کم پر خریدنا جتنے پر بیچا ہے وغیر ذلک۔ت) کی ممانعت مذکور ہے۔[1]

اقول اولاً الحمدللہ اب تو آپ کنارے پر آیا چاہتے ہیں، جی ہاں یہ بیع عینہ کے مثل ہے پھر بیع عینہ کو ہمارے ائمہ کرام نے کیا ٹھہرایا ہے، کیا ممنوع' ناجائز' حرام' مکروہ تحریمی۔حاشا ہرگز نہیں، یہ محض غلط و باطل ہے بلکہ جائز' حلال' روا و درست۔غایت درجہ اس میں اختلاف ہوا کہ خلافِ اولٰی بھی ہے یا نہیں، ہمارے امامِ اعظم بلا کراہت مانتے ہیں' امام ابو یوسف خود ثواب و مستحب جانتے ہیں، امام محمد احتیاط کیلئے صرف خلافِ اولٰی ٹھہراتے، یہ تمام مباحث رسالہ میں صفحہ ۱۶۹' ۱۷۰ و ۱۷۱ و ۱۷۳ تا ۱۷۶ و ۱۷۸ و ۱۷۹' ۱۸۰ بلکہ ۱۶۴ تا ۱۶۶ میں گزرے، اب تو اپنے ہی اقرار پر قائم رہ کر بول اُٹھئے کہ سَو کا نوٹ دو سو کو بیچنا امامِ اعظم کے نزدیک جائز و مباح، امام ابو یوسف کے نزدیک اجر و ثواب، امام محمد کے نزدیک صرف خلافِ اولٰی۔

ثانیاً وہ خلافِ اولٰی بھی اس لئے تھا کہ اس وقت تک مسلمان سود کو سُوَر سمجھتے تھے اس کے سایہ سے بھاگتے تھے تو اس امر کی جائز عادت ڈالنے سے اندیشہ تھا کہ مبادا آگے بڑھ جائیں جیسا کہ اس کا بیان صفحہ ۱۶۹ و ۱۷۰' ۱۷۱ وغیرہا پر گزرا، اب کہ علانیہ سود مسلمانوں میں رائج ہوگیا جیتا نگلتے ہیں اور شرمانا درکنار آنکھ تک نہیں جھپکاتے، تو انھیں ایک جائز بات بتانا جس سے اُن کا مقصود حاصل ہو اور اللہ واحد قہار کے عذاب سے بچیں عین خیر خواہی مسلمین ہے اور اس میں ناحق کے شاخسانے نکالنا مسلمانوں کی صریح بدخواہی، ذرا انصاف درکار ہے کہ خود آپ کے اقرار سے صبح آشکار ہے والحمدللہ رب العالمین۔

ثالثاً شراء ما باع باقل مما باع عند التحقیق ربح مالم یضمن (کسی چیز کو اس سے کم پر خریدنا جتنے پر بیچا ہے تحقیق کی رُو سے اس لئے حرام ہے کہ اس میں اس چیز پر نفع لینا ہے جس کا ضامن نہیں بنا۔ت) کے سبب حرام ہے یعنی جو چیز اپنی ضمان میں نہ آئی اس پر نفع لینا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا، ظاہر ہے کہ قیمت جب تک ادا نہ ہُوئی خود بائع کی ضمان پر باقی ہے ہلاک ہوجائے تو اس کی جائے مشتری پر اُس کا اثر نہ ہو، ولہذا یہاں درہم و دینار ایک جنس ہیں کما فی الدر وغیرہ (جیسا کہ دُرّ وغیرہ میں ہے۔ت) حالانکہ باب ربا میں دو جنس ہیں کما فی جمیع الکتب (جیسا کہ تمام کتابوں میں ہے۔ت) ہاں ثمن اول و ثانی ایک ہی جنس ہو تو شبہہ ربا بھی ہے

---

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/۳۹۸

بعض نے اسی سے مسئلہ کی تعلیل کی یُوں کہ اس نے ہزار کو بیچی اور ابھی قیمت وصول نہ ہوئی ممکن تھا کہ عیب کے سبب واپس ہو کر ثمن نہ ملے اب کہ خود اس نے پانچ سو کو خریدلی، احتمالِ سقوط ساقط ہو گیا تو اس نے پانچ سو دے کر اپنے وہ ہزار پکے کرلئے یوں شبہہ ربا آیا بہرحال ان وجوہ کو یہاں سے کیا علاقہ آپ خواہی نخواہی اسی وجہ سے کہہ رہے ہیں، ہدایہ میں ہے:

من اشتری جاریة بالف درھم حالة او نسئة فقبضھا ثم باعھا من البائع بخمسمائة قبل ان ینقد الثمن الاول لایجوز البیع الثانی لان الثمن لم یدخل فی ضمانه فاذا وصل الیه المبیع ووقعت المقاصة بقی له فضل خمس مائة و ذٰلك بلاعوض[1]

جس شخص نے ہزار درہم نقد یا ادھار کے بدلے لونڈی خریدی اور اس پر قبضہ کرلیا پھر پہلے ثمن کی ادائیگی سے قبل وہی لونڈی پانچ سو درہم کے بدلے بائع کے ہاتھ فروخت کردی تو دوسری بیع جائز نہ ہوگی کیونکہ ثمن ابھی تک بائع کی ضمان میں داخل نہیں ہُوئے تو جب مبیع دوبارہ اس کے پاس پہنچ گیا اور پانچ سو درہم اس کے بدلے میں ہوگئے تو باقی پانچ سو درہم اس کے زائد بچ گئے اور وہ بلاعوض ہیں۔ (ت)

فتح القدیر میں ہے:

الذی عقل من معنی النھی انه استربح مالیس فی ضمانه ونھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم عن ربح مالم یضمن وھذا لان الثمن لایدخل فی ضمانه قبل القبض[2]

وہ جو نہی کے معنی سے سمجھا گیا یہ ہے کہ اس نے اس چیز پر نفع لیا جو اس کی ضمان میں نہیں اور نبی کریم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس چیز پر نفع سے منع فرمایا جو اس کے ضمان میں نہ ہو اور یہ اس لئے ہے کہ قبضہ سے پہلے ثمن بائع کی ضمان میں داخل نہیں ہوتا۔ (ت)

اسی میں ہے:

وھذا احسن من تقریر قاضی خان اعتبار الشبھة بان الالف

یہ قاضی خان کی اس تقریر سے بہتر ہے جو شبہہ ربا کا اعتبار کرتے ہوئے انھوں نے کی بایں طور

---

[1] الہدایۃ کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/۶۰
[2] فتح القدیر " " مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/۴۱

وھو الثمن الاول علی شرف السقوط لاحتمال ان یجد المشتری بھا عیبا فیردہ فیسقط الثمن عن المشتری و بالبیع الثانی یقع الامن عنہ فیکون البائع بالعقد الثانی مشتریا الفا بخمسمائۃ[1] انتھی۔

کہ ہزار درہم چونکہ ثمن اول تھا وہ ساقط ہوسکتا تھا اس احتمال کی بنا پر مشتری اس لونڈی میں کوئی عیب پاکر واپس کردیتا تو اس طرح مشتری سے ثمن ساقط ہوجاتا اور بیع ثانی کی وجہ سے سقوط کا خوف جاتا رہا تو اس طرح بائع عقد ثانی کے ساتھ پانچ سو درہم کے عوض ہزار کو خریدنے والا ہوا۔ انتہی (ت)

رابعا وجہ محقق سے گزر کر دوسری ہی وجہ لیجئے اور یہاں اُس کے عدم جریان سے بھی قطع نظر کیجئے جب بھی آپ کو مفید نہیں کہ اس وجہ پر علتِ حرمت شبہہ ربا ہے آپ ربا و شبہہ ربا سے اتر کر تیسری وجہ سے تحریم لے رہے ہیں تو جہاں شبہہ ربا ہے اُس سے اس پر استناد کیونکر کرسکتے ہیں۔

خامسا آپ اُسی وجہ سے کہہ کر دونوں مسئلوں میں علتِ حکم ایک بتارہے ہیں تو واجب تھا کہ حکم بھی ایک ہوتا، کیا شراء ماباع باقل مما باع (کسی چیز کو اس سے کم پر خریدنا جتنے پر بیچا ہے۔ت) بھی صرف دیانۃً حرام ہے قضاءً جائز، فافہم۔

سادسا آپ نے سنا ہوگا یہ شراء باقل قیمت ادا ہونے کے بعد بلاشبہہ جائز ہے مثلاً ایک چیز زید نے عمرو کے ہاتھ ہزار روپے کو بیچی عمرو نے روپے ادا کردیئے پھر زید نے وہی چیز عمرو سے پانچسو کو خریدلی کہ چیز کی چیز واپس آگئی اور پانچ سو مفت بچ رہے، یہ جائز و حلال ہے۔ درمختار میں ہے:

فسد شراء ماباع بالاقل قبل نقد الثمن وجاز بعد النقد[2] اھ ملتقطا۔

اپنی ہی فروخت کی ہوئی چیز پہلے ثمن سے کم کے بدلے خریدنا ادائیگی ثمن سے پہلے ہو تو جائز نہیں اور اگر ادائیگی کے بعد ہو تو جائز ہے اھ ملتقطا (ت)

آپ کی وجہ پر قیمت ادا ہونے نہ ہونے سے کیا فرق ہوگیا، کم روپے دے کر زیادہ حاصل کرنے کا مقصود بہرحال موجود، مولوی صاحب! مشکل یہ ہے کہ آپ اپنی تحقیق کے زور میں فقہ حنفی سے بےخبر ہیں ورنہ آپ جیسے محقق پر ایسی باتیں مخفی نہ رہتیں۔

---

[1] فتح القدیر کتاب البیوع باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۸۳

[2] درمختار " " مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶

قولہ اور احادیث اس باب میں بکثرت وارد ہیں جن سے حرمت ایسے حیل کی ثابت ہوتی ہے۔

اقول اولاً احادیث اس باب میں بکثرت وارد ہیں جن سے حلت ایسے حیل کی ثابت ہوتی ہے دو بلکہ تین حدیثیں رسالہ کے صفحہ ۱۹۵، ۱۹۶ میں گزریں اور ایک حدیثِ موطا یہاں مذکور ہوئی۔

ثانیاً خود آیۂ کریمہ جواز پر شاہد ہے کہ صفحہ ۱۸۹، ۱۹۰ پر تلاوت ہوئی، فتاوٰی ذخیرہ و فتاوی ہندیہ میں ہے:

الاصل فی جواز هذا النوع من الحیل قول الله تعالٰی وخذ بید ضغثا فاضرب به ولا تحنث وهذا تعلیم المخرج لایوب النبی علیه وعلٰی نبینا الصلوٰة و السلام عن یمینه التی حلف لیضربن امرأته مائة عود وعامة المشایخ علی ان حکمها لیس بمنسوخ وهو الصحیح من المذهب۔[2]

اس طرح کے حیلے جائز ہونے کی اصل اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ہے کہ اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو لے کر مار دو اور قسم نہ توڑو۔ حضرت ایوب نبی اللہ علٰی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو اپنی زوجہ مقدسہ کی نسبت قسم کھائی تھی کہ سو لکڑیاں ماریں گے یہ اللہ عزوجل نے اُس قسم سے عہدہ برآئی کا طریقہ تعلیم فرمادیا (کہ قسم بھی پوری ہو جائے اور ایذا بھی نہ پہنچے) اور مشایخ کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت کا حکم منسوخ نہیں اور یہی صحیح مذہب حنفی ہے۔

قولہ اگر یہ شبہہ ہو کہ نوٹ ہرگاہ ثمن خلقی نہیں ہے پس حکم اس کا بعینہٖ کیونکر ہو سکتا ہے تو جواب اس کا یہ ہے کہ چونکہ عرفاً وہ عین ثمن خلقی سمجھا گیا اور تمام مقاصد ثمن خلقی کے اس کے ساتھ متعلق ہوئے لاجرم باب تفاضل میں اُسی کا اعتبار ہوگا لا سیما دیانة فانها متعلقة بالمقاصد وان کانت خفیة[3] (خصوصاً دیانت کے اعتبار سے کیونکہ یہ مقاصد سے تعلق رکھتی ہے اگرچہ وہ (مقاصد) پوشیدہ ہوں۔ ت)

اقول اولاً یہ ہرگاہ اور چونکہ سرگاہ میں گزر چکیں اگر پہلا بیان صحیح تھا تو یہ شبہہ وہیں دفع

---

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳۹۸/۱
[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحیل الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳۹۰/۶
[3] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳۹۸/۱

ہوچکا، پھر "اگر یہ شبہہ ہو" کا محل گیا اور غلط تھا تو اب تو وہی جواب دیا ہے اب کیوں صحیح ہوگیا بات وہی ہے کہ لے دے کر ایک یہی شبہہ آپ کے ہاتھ میں ہے بار بار بتکرار اُس کا اعادہ فرماتے ہیں کہ معنی نہ سہی عبارت تو وزنی ہوجائے، ہاں یہاں تمام مقاصد کا لفظ زائد فرمایا ہے جس کا صاف ابطال اوپر گزرا اور کشف شبہہ بھی بروجہ اتم کردیا گیا اور یہ بھی سمجھا دیا گیا کہ بہت اچھا اب تفاضل میں اسی کا اعتبار کیجئے تو تفاضل فی القدر حرام مانئے اور خود اپنی ذات گرامی کو سُود حلال کرنے والی جانئے مگر جناب تو اپنی ایک دھن میں کسی کی سُنتے ہی نہیں۔

ثانیاً ہاں ایک لاسیما یہاں اور بڑھائی ہے یعنی جب نوٹ سے تمام مقاصد ثمن متعلق ہیں اور دیانت میں نظر مقاصد ہی پر ہے اگرچہ مخفی ہوں نہ صورت پر تو کاغذ اور چاندی کا فرق صورت نہ دیکھا جائیگا مقاصد میں دونوں ثمن خلقی ہیں اس پر نظر ہوگی اور حرمت لازم۔

اقول بجا ہے پھر ایک اشرفی کو ایک روپیہ کیسے حلال ہوگیا وہ تو نہ صرف مقاصد بلکہ اصل حقیقت میں ثمن خلقی ہیں اور مقاصد میں بھی پندرہ روپے اور ایک پونڈ میں کچھ فرق نہیں سمجھا جاتا۔

ثالثاً حل کروں آپ مقاصد شرعیہ و اغراض انسانیہ میں فرق نہ سمجھے، مقاصد شرع وہ ہیں جن پر صحت و فساد و حلت و حرمت کا مدار ہے اور اغراض انسانیہ وہ نتائج کہ اُن کے نزدیک انھیں حاصل ہوں مقاصد باختلاف عقود مختلف ہوجاتے ہیں اور نتائج بارہا عقود متباینہ میں متحد رہتے ہیں مثلاً زید اپنا نصف مکان قابل قسمت بلاتقسیم اپنے شریک مساوی کو ہبہ کرکے اپنا قبضہ اٹھائے کہ سارا مکان قبض و تصرف شریک میں رہے یا اس کے ہاتھ بیع کرکے ثمن اس کو معاف کردے، دونوں صورتوں میں نتیجہ واحد ہے انسانی غرض اُن میں فرق نہیں کرتی مگر مقصد شرعی کا اختلاف شدید ہے کہ پہلی صورت فاسد و حرام اور دُوسری صحیح و حلال، یونہی اگر کوئی شخص دس کے پندرہ لینا چاہے اب دس روپوں کو خواہ پندرہ روپیوں کے عوض بیچے خواہ ایک ساورن کے بدلے، اس کی غرض دونوں طرح بلاتفاوت حاصل ہے مگر مقاصد شرعیہ اتنے مختلف ہیں کہ صورت اولیٰ سود، ربا، گناہ کبیرہ، حرام قطعی، موجب دخول نار۔ اور دوسری شکل درست، صحیح، حلال، روا، بے اعتراض، بلاانکار۔ نوٹ سے اگر اغراض انسانیہ ثمن خلقی کی طرح بلاتفاوت متعلق ہوں تو اس سے احکام و مقاصد شرعیہ میں اتحاد سمجھ لینا کیسی سخت نادانی ہے، احسان تو نہ مانئے گا کہ کیسے کیسے جواہر زواہر میرا قلم جناب کے قلب پر القا کرتا ہے، انصاف کیجئے تو ایک یہی نکتہ آپ کی ساری عرق ریزی کا علاج کافی و وافی ہے وللہ الحمد۔

رابعاً ایک ذرا اور بھی انصاف کی سہی آپ تو کمال مقاصد شناس دیانت پرور ہیں، اسی جلد دوم کے فتوی نمبری ۹۰ میں جو بایں خلاصہ تحریر ہے "خرید کرنا مال کفار سے بایں طور کہ نقد روپیہ ادا کرے تو پوری قیمت معینہ دے اور بعد ایک یا دو یا تین مہینے کے ادا کرے تو فی سیکڑا تین روپے فی ماہ زیادہ اُس قیمتِ معینہ سے دینا ہوگا۔ یہ فی الحقیقت بیان ہے نرخِ مال کا یعنی نقد خریدے تو مثلاً سو روپے قیمت دے اور بعد ایک یا دو ماہ یا سہ ماہ کے ادا کرے تو قیمت ایک سو تین یا چھ سو نو دے پس یہ عقد حق خریدار میں جائز ہے اور زیادت ثمن کی فی سیکڑا تین روپے ہر ماہ میں اس میں بھی خریدار کو شرعاً کوئی قباحت نہیں اور درمیان میعاد مذکورہ کے قیمت ادا کرے تو بائع کو اختیار ہے چاہے لے چاہے علی المیعاد لے اس واسطے کہ رجوع اس کا جانب بائع سے طرف حط بعض قیمت کے اور جانب خریدار سے طرف حط اجل کے ہوگا اور ان دونوں میں شرعاً کوئی قباحت نہیں، صح الجواب واللہ اعلم، حررہ محمد عبدالحی عفی عنہ"[1] ذرا فرمائیے تو تین روپے سیکڑا ہر مہینے پیچھے بڑھانے کا مقصد سوا سود کے کیا ہے خصوصاً وہ بھی کفار کی طرف سے جو بغیر سود کبھی ٹکڑا نہیں توڑتے اور سُود کا لینا دینا دونوں قطعی حرام ہیں دونوں پر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے اور فرمایا وہ سب برابر ہیں اسے آپ نے کیا سمجھ کر حلال کر دیا اور بلا دغدغہ صح الجواب جڑ دیا، پھر ائمہ کرام کی صاف تصریح ہے کہ اگرچہ قرضوں پیچھے میں نقد سے قیمت زائد لینا جائز ہے والاجل یقابلہ قسط من الثمن مگر ایک بات قطع ہونا لازم اس طور پر بیع کہ بحال نقد اتنے پر بیچی اور بصورتِ فلاں میعاد اتنے پر، یہ حرام و فاسد ہے۔ فتح القدیر میں ہے:

لابد ان یکون الاجل معلوما لان جهالته تفضی الی المنازعة فی التسلم والتسليم وعلی کل ذٰلك انعقد الاجماع واما البطلان فیما اذا قال بعتكه بالف حالا و بالفین الی سنة فلجهالة الثمن[2]۔

میعاد کا معلوم ہونا ضروری ہے کیونکہ اس کی جہالت لینے اور دینے میں جھگڑے کا سبب بنتی ہے اس تمام پر ائمہ کرام کا اجماع منعقد ہے، رہا اس صورت کا بطلان کہ کسی نے کہا میں یہ چیز تیرے ہاتھ نقد ایک ہزار کی اور ایک سال کے ادھار پر دو ہزار کی فروخت کی تو یہ جہالتِ ثمن کی وجہ سے (باطل) ہے۔ (ت)

---

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/۹۵-۳۹۴

[2] فتح القدیر " مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/۴۶۸، ۴۶۹

پھر اس سے بھی قطع نظر ہو تو خود اجل میں تردید ہے یہ خود مفسد ہے اگرچہ نقد و اجل کی تردید نہ ہو اور صرف دو ہی شقیں مفسد ہیں یہاں تو تین ہیں کہ ایک مہینہ میں دے تو قیمت اور، دو میں یہ اور تین میں یہ۔ فتاوٰی خلاصہ و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

رجل باع علٰی انہ بالنقد بکذا و بالنسیئۃ بکذا او الٰی شھر بکذا و الٰی شھرین بکذا لم یجز۔[1]

ایک شخص نے کوئی چیز یوں بیچی کہ نقد اتنے کی اور ادھار اتنے کی، یا ایک ماہ کے ادھار پر اتنے کی اور دو ماہ کے ادھار پر اتنے کی، تو یہ بیع جائز نہ ہوئی۔ (ت)

عجب کہ آپ نے حرام در حرام طرح طرح حرام کو کیسے حلال کر دیا، پھر بین المیعاد ثمن قبول کر لینے کو بائع کی طرف سے بعض ثمن کا حط قرار دینا کس قدر عجیب ہے کم میعاد پر اتنا ہی ثمن ٹھہرا تھا اس نے کم کیا کیا، پھر اگر مشتری تین مہینے کے اندر روپیہ دے تو بائع کو اختیار دینا کہ قبول نہ کرے جب تک پوری میعاد گزر کر سود کا پیٹ پورا نہ بھر جائے سب سے عجیب تر ہے میعاد تو خالص حقِ مشتری ہے۔ کتبِ ائمہ میں تصریح ہے کہ مدیون میعاد سے پہلے دَین ادا کرے تو دائن کو جبرًا قبول کرنا ہوگا۔ اشباہ میں ہے:

الدین المؤجل اذا قضاہ قبل حلول الاجل یجبر الطالب علی تسلیمہ لان الاجل حق المدیون فلہ ان یسقطہ ھکذا ذکر الزیلعی فی الکفالۃ وھی ایضا فی الخانیۃ والنھایۃ۔[2]

اگر مقروض میعادی قرض کو میعاد پوری ہونے سے قبل ادا کرے تو قرض دہندہ کو اس کے وصول کرنے پر مجبور کیا جائے گا کیونکہ میعاد تو مقروض کا حق ہے اور اس کو اختیار ہے کہ وہ اس کو ساقط کر دے۔ زیلعی نے باب الکفالہ میں یونہی ذکر کیا، اور یہ خانیہ اور نہایہ میں بھی ہے۔ (ت)

خیر یہ چار تو جملہ معترضہ تھے اب ذرا مقاصد شناسی کی خبریں کیجئے، ایک مقلد عالم سے بھی ایسی لغزش ضرور تعجب خیز ہے مگر وہ گرانمایہ اجتہاد پایہ محقق کہ امام اعظم کے ارشادات پرکھنے کا ادعا رکھے اس سے ایک اپنے معاصر مقلد کی ایسی جامد تقلید کیسا سخت نمونۂ قیامت ہے ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم (گناہ سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت نہیں سوائے اللہ تعالٰی کی توفیق کے۔ ت) اس کی نظیر یہی ہو سکتی ہے کہ مولوی عالم علی صاحب مراد آبادی نے براہِ خطاء صریح 'دُودھ کے چچا' کو

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۳۶

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب المداینات ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۳۸

بھتیجی حلال لکھ دی، خیر وہ تو لکھ گئے اب فتوٰی پہنچا دہلی، امام غیر مقلدان مولوی نذیر حسین صاحب نے بھی بے دھڑک الجواب صحیح لکھ کر اس پر مہر چپکا دی اور اپنے اہالی موالی سب کی لگوادیں، فتوٰی یہاں آیا فقیر نے تحریم کا حکم دیا اور بعض طلبہ نے مجتہد صاحب کی مزاج پرسی کی، اب غیر مقلدوں کے کل فی الکل کی آنکھیں کھلیں سونے سے جاگے، مجتہد جی کو بخاری و مسلم کی حدیثیں سُجھانے سے سُوجھیں اور دوسرا فتوی حُرمت پر لکھا اور پہلے فتوٰی کا یہ عذر بدتر از گناہ پیش کیا کہ،

قبل ازیں بر فتوائے مولوی عالم علی صاحب کہ در حلت آں نوشتہ بودند بر اعتماد ایشاں بنظر سرسری مہر من کردہ باشد۔[1]

قبل ازیں مولوی محمد عالم صاحب جنھوں نے حلت لکھ دی تھی ان پر اعتماد کرتے ہُوئے سرسری نظر سے مہر لگا دی گئی۔ (ت)

حلال وحرام خصوصاً معاملہ فروج میں نظر سرسری کا عذر اپنی کیسی صریح بددیانتی اور آتش جہنم پر سخت جرأت و بیباکی کا کُھلا اقرار ہے، حدیث میں ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اجرؤکم علی الفتیا اجرؤکم علی النار[2]

تم میں سے جو فتوٰی میں زیادہ بیباک ہیں وہ جہنم کی آگ پر زیادہ بیباک ہیں۔ (ت)

خیر یہ تو غیر مقلدی کے لئے لازم بین ہے مگر "براعتماد ایشاں" نے اُن کے اجتہاد کی پوری قیامت توڑ دی، اے سبحان اللہ! مجتہدی کا دعوٰی اور ایک ادنٰی سے ادنٰی مقلد پر حلال وحرام میں یہ تکیہ بھروسا، اور اس کردہ شد کے لُطف کو تو دیکھئے کیا شرمایا ہوا صیغہ مجہول ہے گویا انھوں نے خود اس پر مُہر نہ کی کوئی اور کرگیا، اللہ یُوں اپنی نشانیاں دکھاتا اور ائمہ کے مقابلہ کا مزہ چکھاتا ہے نسأل اللہ العفو والعافیۃ (ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت مانگتے ہیں۔ ت)

قولہ باقی رہا قول فتح القدیر کالو باع کاغذۃ بالف یجوز[3] انتہی (اگر کسی نے ایک کاغذ ہزار درہم پر بیچا تو جائز ہے انتہی۔ ت)

اقول انتہی نہیں اس کے بعد ولا یکرہ[4] (اور مکروہ نہیں ہے۔ ت) بھی ہے اور خود میرا

---

[1] فتاوٰی نذیریہ

[2] سنن الدارمی	باب الفتیا وما فیہ من الشدۃ	نشر السنۃ ملتان	۱/ ۵۳
[3] مجموعہ فتاوٰی	کتاب البیوع	مطبع یوسفی لکھنؤ	۱/ ۳۹۸
[4] فتح القدیر	کتاب الکفالۃ	مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر	۶/ ۳۲۴

فتوٰی آپ کے پیش نظر ہے اُس میں بھی منقول یعنی" کاغذ کا ایک پرچہ ہزار روپے کو بیچنا ایسا جائز ہے جس میں اصلاً کراہت بھی نہیں"، اسے پردۂ انتھی میں نہ چھپائیے یہ بہت کام کی چیز ہے آپ کو یہ لایکرہ مکروہ لگتا تھا تو محقق کی شان یہ تھی کہ اُسے نقل کرکے رد فرماتے، آخر امام ابن الہمام اور ان کے ساتھ کے علمائے کرام جنھوں نے اس لایکرہ کی تصریح فرمائی امام الائمہ امام اعظم سے تو اعظم نہ تھے یہ نہ ہوسکا تھا اور اس کا نقل کرنا ناگوار تھا تو الیٰ آخرہ لکھ دیا ہوتا یہ بھی نہ سہی یجوز تک لکھ کے یونہی چھوڑ دیا ہوتا کہ اخفائے ظاہر کا الزام تو نہ آتا انتھی نے تو موضع تہمت میں غلط بیانی کی یہ جناب کی شان سے بعید واقع ہوئی۔

قولہ پس مراد اس کی یہ کاغذ نہیں کہ عین ثمن خلقی سمجھا گیا کیونکہ اس کا وجود اُن زمانوں میں نہ تھا بلکہ سادہ کاغذ۔[1]

اقول اولاً عینیت تو بارہا گھر تک پہنچا دی گئی اس کی آڑ تو چھوڑیے اور اب فرمائیے کہ نوٹ اور اس پرچۂ کاغذ میں وجہ فرق کیا ہے سادہ پرچہ تو ہزار روپے کو بک سکے مگر جس پر پانچ روپے کا لفظ و ہندسہ لکھ دیا وہ پانچ سے زیادہ کو بیچنا حرام ہوجائے بڑی منحوس گھڑی سے چھاپا تھا کہ چھپتے ہی نوسو پچانوے اُڑ گئے۔

ثانیاً عینیت کے جو قاہر رد ہوئے انھیں جانے دیجئے تو آپ خود اپنے تنزل اخیر میں اُس سے یکسر گزر چکے ہیں مہربانی فرماکر اپنی اس اخیر تقدیر پر فرق کی تقریر سُنا دیجئے، جی ہاں سادہ کاغذ ہزار کو بیچنا جائز بتایا ہے اور کیسا کاغذ ناجائز ہے ذرا بتائیے۔

ثالثاً صاف انصاف تو یہ ہے کہ علماء نے مطلق کاغذ فرمایا ہے جو سادہ اور لکھے قلمی اور چھپے نوٹ اور غیر نوٹ سب کو شامل ہے یہ سادگی تو آپ کی زیادت ہے اور مطلق کا کوئی مقید نیا پیدا ہو تو صرف اس بنا پر اُسے حکم مطلق سے اخراج سراسر خلاف فقاہت ہے، ہزارہا حوادث نئے پیدا ہوتے جاتے ہیں اور تاقیامت ہوتے رہیں گے، اُن کے احکام اطلاقات ائمہ کرام سے لئے جاتے ہیں، اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ چیزیں اُس زمانے میں کب تھیں لہٰذا یہ اُن کی مراد و زیر حکم نہیں۔

رابعاً سُنئے تو جناب نے اس جرم پر کہ وہ کاغذ دو پیسہ کا بھی نہیں بیچارے نوٹ کو قصد بیع کے قابل نہ سمجھا بلکہ خود سو روپے بیچنا مقصود بتایا تھا، اب یہ سادہ پرچہ کہ دھیلے چھدام کا بھی نہیں یہ کیسے ہزار روپے کو بکنے لگا یہاں کون سے روپے لائیے گا جن کا بیچنا مقصود بنائیے گا، ایک محقق عالم

---

[1] مجموعہ فتاوی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۸

کو لکھتے وقت خود اپنے آگے پیچھے کا خیال تو رہے نہ یہ کہ ایک ہی صفحہ میں نسی ماقدمت یداہ (بھول گیا وہ جو اس کے ہاتھوں نے مقدم کیا۔ ت)

خامسًا جناب نے یہ بھی ملاحظہ کیا کہ امام ابن الہمام نے یہ یجوز ولایکرہ[1] بلاکراہت جائز ہے کس بحث میں فرمایا ہے، بیع عینہ کی بحث میں، اب وہ بیع عینہ کی ممانعت کدھر گئی یہ تو پانچ ہی سطر میں نسی ماقدمت یداہ ہوگیا، کیا اسی دن کے لئے جناب نے لایکرہ چھوڑ کر انتہی لکھ دی تھی اب تو کہہ دیجئے کہ سو کا نوٹ دوسو کو بیچنا ایسا جائز ہے جس میں کراہت بھی نہیں، آپ کی اسی انتہی پر انتہا کروں کہ رَدّ و اعتراض کا عدد بفضلہ تعالٰی ایک سو بیس تک تو پہنچ گیا وللہ الحمد۔

قولہ ھذا ما سنح لی[2] (یہ وہ ہے جو مجھ پر ظاہر ہوا۔ ت)

اقول ای من دون دلیل و مالی لاخفی ولاجلی۔ (میں کہتا ہوں بغیر دلیل خفی اور دلیل جلی ہے (ت)

قولہ واللہ اعلم بالصواب وعندہ ام الکتاب[3] (اللہ تعالٰی درست بات کو خوب جانتا ہے اور اس کے پاس اُم الکتاب ہے۔ ت)

اقول ھوالمصوب سے یہاں تک شوی بھر میں ایک یہ جملہ حق و بجا ہے بیشک اللہ عزوجل اعلم بالصواب ہے اور اسی کے پاس ام الکتاب ہے اور اسی ام الکتاب میں یہ پاک خطاب ہے جس سے بیع مذکور برضائے عاقدین کا جواز بے حجاب ہے،

الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم[4]۔ مگر یہ کہ ہو وہ تجارت تمہاری باہمی رضامندی سے۔

اللھم ربنا ارض عنا بکرمك ومنك ورأفۃ حبیبك محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ووفقنا لتجارۃ لن تبور یا عزیز

اے اللہ ہمارے پروردگار! اپنے فضل و احسان کے صدقے سے اور اپنے محبوب محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مہربانی کے طفیل ہم سے راضی ہوجا اور ہمیں ایسی تجارت کی توفیق عطا فرما جس

---

[1] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴
[2] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۸
[3] " " " " " "
[4] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

یا غفور آمین والحمد للہ رب العلمین وافضل الصلٰوۃ واکمل السلام علی سید المرسلین محمد و اٰلہ وصحبہ اجمعین اٰمین سبحٰنک اللھم وبحمدک اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرک واتوب الیک سبحٰن ربک رب العزۃ عما یصفون و سلٰم علی المرسلین والحمد للہ رب العٰلمین۔

میں خسارہ نہ ہوا اے عزت والے اے بخشنے والے! ہماری دعا قبول فرما، تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، بہترین درود اور کامل ترین سلام ہو رسولوں کے سردار محمد مصطفٰے اور آپ کی تمام آل واصحاب پر، اے اللہ! ہماری دعا قبول فرما، تو پاک ہے اور ہم تیری ہی تعریف کرتے ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، میں تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں، تیرا رب رب العزت پاک ہے ان اوصاف سے جو وہ لوگ بیان کرتے ہیں اور سلام ہو رسولوں پر اور تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ (ت)

الحمدُ للہ کلام اپنے منتہی کو پہنچا اور تحقیق مسئلہ ذروۂ اعلٰی کو، تیس سال ہوئے کہ اس کا سوال فقیر سے ہوا اور مسئلہ بالکل حادث تازہ اور اپنی بے بضاعتی کا خوف واندیشہ لہذا آغاز جواب ان لفظوں سے کیا، ظاہر ہے کہ نوٹ ایک ایسی حادث چیز ہے جسے پیدا ہوئے بہت قلیل زمانہ گزرا فقہائے مصنفین کے وقت میں اس کا وجود اصلاً نہ تھا کہ ان کے کلام میں اس کا جزئیہ بالتصریح پایا جائے مگر اس وقت جہاں تک خیال کیا جاتا ہے نظر فقہی میں صورت مسئولہ کا جواز ہی معلوم ہوتا ہے، اور عدمِ جواز کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی اور انتہا ان لفظوں پر کہ ھذا ما ظھر لی واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (یہ وہ ہے جو میرے لئے ظاہر ہوا اور اللہ سبحانہ وتعالٰی بہتر جانتا ہے۔ ت) پھر بفضلِ ربِ قدیر عزجلالہ برابر اس کے مؤیدات ظاہر ہوتے رہے،

مؤیدِ اوّل محرم ۱۳۲۴ھ میں مکہ معظمہ کے دو علمائے کرام مولانا عبداللہ احمد میرداد امام مسجد الحرام اور ان کے استاذ مولانا حامد احمد محمد جدّاوی دام بالاکرام نے نوٹ کے متعلق جملہ مسائل فقہیہ کا سوال اس فقیر سے کیا جس کے جواب میں بفضلِ وہاب عزجلالہ ڈیڑھ دن سے کم میں رسالہ کفل الفقیہ وہیں لکھ دیا، پہلا فتوٰی ایک خفیف ساعت کی نظر تھا یہ رسالہ بفضلہ تعالٰی پہروں کا خوض کامل، جہاں تک غور کیا وہی رنگ کھلتا گیا اور کوئی شک سدِ راہ نہ ہوا، یہ نظر اوّلیں کا پہلا مؤید تھا۔

مؤید دوم اس سے پہلے فتوائے مولوی لکھنوی صاحب چھپ کر زیرِ نظر آچکا تھا، رسالہ میں اس پر بھی خوضِ تام کیا اور نظرِ انصاف نے وہی حکم صاف دیا، یہ دوسرا مؤید اقوی ہُوا کہ ایک ذکی طباع عالم کی دلیل خلاف آگے رکھ کر تنقیح کامل کی اور اس کی بے اثری ظاہر ہوئی۔

مؤید سوم مکہ معظمہ کے اجلّہ علمائے کرام و مفتیانِ عظام نے کفل الفقیہ کو ملاحظہ فرمایا پڑھوا کر سُنا اس کی نقلیں لیں اور بحمد اللہ سب نے یک زبان مدحیں کیں جیسے حضرت شیخ الائمہ والخطباء کبیر العلماء حضرت مولانا احمد ابوالخیر میرداد حنفی، حضرت عالم العلماء مفتی سابق و قاضی حال علامہ مولانا شیخ صالح کمال حنفی، حضرت مولانا حافظ کتب الحرم فاضل سید اسمٰعیل خلیل حنفی، حضرت مولانا مفتی حنفیہ عبداللہ صدیق حفظھم اللہ تعالٰی، ان فاضل جلیل نے کہ اس وقت یہی جانب سلطانی سے افتائے مذہب حنفی کے عہدۂ جلیلہ پر ممتاز تھے، کتب خانہ حرم محترم میں کفل الفقیہ رکھا دیکھ کر بطورِ خود مطالعہ فرمانا شروع کیا فقیر بھی حاضر تھا، مگر اُن سے کوئی تعارف نہ تھا، نہ اس سے پہلے میں نے اُن کو نہ انھوں نے مجھ کو دیکھا، حضرت مولانا سید اسمٰعیل افندی اور ان کے بھائی سید مصطفٰی افندی وغیرہما بھی تشریف فرما تھے، حضرت مفتی حنفیہ نے رسالہ مطالعہ کرتے کرتے دفعۃً نہایت تعجب کے ساتھ اپنے زانو پر ہاتھ مارا اور فرمایا:

این کان الشیخ جمال بن عبداللہ بن عمر من هذا البیان او لفظا هذا معناه۔

شیخ جمال بن عبداللہ بن عمر اس بیان تک کیوں نہ پہنچ سکے یا اس کے ہم معنی لفظ کہے (ت)

حضرت مفتیِ اعظم مکہ معظمہ مولانا جمال بن عبداللہ بن عمر حنفی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کہ سندِ حدیث و فقہ میں اس فقیر کے استاذ الاستاذ ہیں، اور اپنے زمانہ مبارک میں وہی مفتیِ حنفیہ تھے اُس جناب رفیع سے نوٹ کے بارے میں استفتاء ہوا تھا حضرت ممدوح قدس سرہٗ نے علمائے ربانی کی جو شان ہے اُس کے مطابق صرف اتنا تحریر فرمادیا کہ العلم امانۃ فی اعناق العلماء واللہ تعالٰی اعلم علم علماء کی گردنوں میں امانت ہے واللہ تعالٰی اعلم یعنی کچھ جواب عطا نہ فرمایا، حنفیہ کے مفتی حال نے اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا کہ حضرت ممدوح قدس سرہٗ کا ذہن مبارک ان دلائل کو کیوں نہ پہنچا جو اس رسالہ کا مصنف لکھ رہا ہے،

حضرت مولانا سید اسمٰعیل افندی نے تعریف فرمائی کہ مصنف رسالہ یہ موجود ہے حضرت مفتی حنفیہ نہایت کرم و اکرام سے ملے اور بہت دیر تک بفضلہ تعالٰی علمی تذکروں کی مجلس گرم رہی۔ ان تمام حضرات علماء کے مدائح و قبول کیسے مؤید جلیل ہوئے، والحمد للہ رب العٰلمین۔

مؤید چہارم اب کہ کفل الفقیہ دوبارہ مع ترجمہ چھپا، مولوی گنگوہی صاحب کا فتوٰی نظر پڑا، اس کی طرف توجہ کی اور ساتھ ہی چاہا کہ فتوائے جناب مولوی لکھنوی صاحب پر بھی مستقل نظر ہوجائے، خیال تھا کہ مباحث

تو رسالے ہی میں تمام ہو چکے ہیں غایت درجہ چھ ورق لیس ہوں گے مگر فیضِ قدیر سے اضافۂ مضامین کی لگاتار بارش ہُوئی اور قلم روکتے روکتے چھ ورق کی جگہ تین جز کا رسالہ ہوگیا جس نے دونوں کلام مخالف میں کوئی فقرہ لگا نہ رکھا یہ بحمد اللہ تعالٰی اور بھی قوی تر مؤید عظیم ہوا، رائیں ملنے سے علم پختگی پاتے ہیں اور اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ ذی رائے حضرات موافقت فرمائیں۔ دوسری یہ کہ خلاف کرنے والوں کی انتہائی کوششیں سُن لی جائیں اور باطل و بے اثر ثابت ہوں، یہ پہلی صورت سے بھی اقوی ہے کہ جب مخالفانہ کوششیں اثبات خلاف میں عرق ریزی کرکے ناکام رہیں، واضح ہو جاتا ہے کہ بحمد اللہ تعالٰی مسئلہ حق ہے اور خلاف کی طرف راہ مسدود، بفضلہ تعالٰی اس مسئلہ نے دونوں قسم سے حظ وافی پایا بالجملہ جہاں تک نظر کی جاتی ہے آسمانِ فیضِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے متواتر تائیدوں کا نزول ظاہر ہے وللہ الحمد۔ بایں ہمہ حاشا فقیر مجتہد ہے نہ ائمہ مجتہدین کے ادنٰی غلاموں کا پاسنگ اُن کی خاکِ نعل کے برابر بھی مُنہ نہیں رکھتا، نہ معاذ اللہ شرع الٰہی میں اپنی عقل قاصر کے بھروسے پر کچھ بڑھا سکتا۔ اس فتوٰی اور ان دونوں رسالوں میں جو کچھ ہے جُہد المقل ہے یعنی ایک بینوا محتاج کی اپنی طاقت بھر کوشش۔ اگر حق ہے تو محض میرے مولا پھر اس کے حبیب اکرم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا کرم ہے اور اسی کے وجہ کریم کے لئے حمد اور اسی کے فضل سے امید ہے کہ ان شاء اللہ الکریم ضرور حق ہے اس کے گھر کی برکات و ملکشا اس کے حبیب صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کرم جانفزا نے اپنے گدائے بیقدر پر یہ فیضان کئے ہیں ورنہ کہاں یہ عاجز اور کہاں ڈیڑھ دن سے کم میں یہ رسالہ تصنیف کر دینا، پھر اس کے شہر کریم کے اکابر علمائے کرام نے اس درجہ پسند فرمایا یہ بفضلہ عزوجل سب آثار قبول ہیں اور اگر شاید یہاں علم الٰہی میں کوئی دقیقہ ایسا ہے جس تک نہ میری نظر پہنچی نہ ان علمائے کرام بلد اللہ الحرام کی تو میں اپنے رب عزوجل کی طرف انابت کرتا اور ہر مسئلہ میں اس پر اعتقاد رکھتا ہوں جو اس کے نزدیک حق ہے اور وہ کہتا ہوں جو میرے امام اعظم حضور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا:

فان یک صوابا فمن اللہ تعالٰی وان یک خطأ فمنی ومن الشیطان واللہ ورسولہ بریئان[1]

اگر یہ درست ہے تو اللہ تعالٰی کی طرف سے اور اگر غلط ہے تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے ہے، اللہ تعالٰی اور اس کا رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس سے بری ہیں۔ (ت)

واقول کما قال ابونا اٰدم علی نبینا

اور میں کہتا ہوں جیسے ہمارے باپ آدم نے کہا

---

[1] سنن ابوداؤد، کتاب النکاح، باب فیمن تزوج، آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۸۸

الکریم وعلیه افضل الصلوٰة والتسلیم اللھم
انك تعلم سری وعلانیتی فاقبل معذرتی
وتعلم حاجتی فاعطنی سؤلی وتعلم ما فی
نفسی فاغفرلی ذنوبی وصلی الله تعالٰی
علی سیدنا محمد واٰله وصحبه وابنه و
حزبه وبارك وسلم ابدا ابدا واٰخر دعوٰنا
ان الحمد لله رب العٰلمین سبحٰنك اللھم
وبحمدك اشھد ان لا اله الا انت استغفرك
واتوب الیك قاله الفقیر احمد رضا القادری
البرکاتی البریلوی غفر الله تعالٰی له وحقق
امله واصلح عمله والحمد لله والصلوٰة و
السلام علی مصطفاه اٰخر کل کلام واوله
اٰمین۔

(اللہ تعالٰی ہمارے نبی کریم اور حضرت آدم پر بہترین
درود وسلام نازل فرمائے) اے اللہ! تو میرے
ظاہر وباطن کو جانتا ہے پس میری معذرت قبول فرما،
اور تو میری حاجت کو جانتا ہے پس میری مراد مجھے
عطا فرما، اور تو اس کو جانتا ہے جو میرے دل میں ہے
پس میرے گناہ معاف فرما۔ اور اللہ تعالٰی ہمارے
سردار اور آقا محمد مصطفٰی، آپ کی آل، اصحاب، اولاد
اور جماعت پر ہمیشہ ہمیشہ درود، برکت اور سلام
نازل فرمائے۔ اور ہماری دعا کا خاتمہ یہ ہے کہ تمام تعریفیں
اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے
تو پاک ہے اے اللہ! اور تیری حمد کے ساتھ میں گواہی
دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں،
میں تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور تیری طرف
رجوع کرتا ہوں، یہ بات فقیر احمد رضا قادری برکاتی بریلوی نے کہی، اللہ تعالٰی اس کی مغفرت فرمائے اور اس
کی امید کو پورا فرمائے اور اس کے عمل کو درست رکھے، اور تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں اور درود و
سلام ہو اس کے منتخب نبی (محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) پر ہر کلام کے اول وآخر میں۔ آمین۔ (ت)

باب الاستحقاق

(استحقاق کا بیان)

مسئلہ ۲۲۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ غلام حسین نے زوجہ نیاز ن اور ہمشیرہ بنی وارث اپنے اور دو مکان ایک پختہ اور ایک خام جن کی قیمت بقدر چھ سو روپے کے ہے ترکہ چھوڑکر انتقال کیا، نیاز بی بی کا ایک ہزار روپیہ مہر ذمہ غلام حسین واجب الادا تھا، نیاز بی بی نے بذریعہ مہر دونوں مکانوں پر قبضہ کیا اور مکان پختہ بعوض ساڑھے چار سو روپیہ کے شیخ محمد وزیر کے ہاتھ بیع کیا اور بیعنامہ میں حسبِ معمول صرف اپنا مالک وقابض ومتصرف ہونا لکھا اور مشتری کو قبضہ دلا دیا بعدہ، بالقصد حج کو گئی اس کے پیچھے بنی نے بذریعہ وراثت تین ربع کا مکان پر دعوٰی کیا اور کچہری سے ڈگری پائی ایک ربع مشتری کے پاس رہا، نیاز بی بی حج سے واپس آکر انتقال کرگئی وارثانِ نیاز بی بی نے دعوٰی مہر کیا مہر ثابت ہوا بنی پر ڈگری ہوئی تین ربع مکان پختہ اور کل مکان خام مہر میں نیلام ہوگئے اب وارثانِ نیاز بی بی ایک ربع باقی ماندہ کو بھی مہر میں نیلام کرلینا چاہتے ہیں، اس صورت میں شرعاً کیا حکم ہے، آیا وہ بیع کہ نیاز بی بی نے کی تھی جائز ہے یا نہیں اور دعوٰی وارثان صحیح ہے یا باطل؟ اور تین ربع کہ مشتری سے نکل گئے اور یہ ربع باقی ماندہ بھی اگر بحکمِ شرع نکل جائے تو آیا وہ ثمن کہ مشتری نے نیاز بی بی کو دیا قابلِ واپسی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں نیاز بی بی نے جس کا مہر مالِ غلام حسین سے زائد تھا کل متروکہ پر جو بذریعہ مہر

قبضہ کیا صحیح تھا اور اس مذہب پر جس پر اب علماء کا فتوٰی ہے نیاز بی بی ان مکانوں کی مالک مستقل ہو چکی اور وُہ بیع کہ اس نے بدست محمود زیر کی صحیح و نافذ تھی نہ بتی کو اپنا دعوٰی وراثت پہنچتا تھا کہ ادائے مہر تقسیم ترکہ پر مقدم ہے نہ وارثانِ نیاز بی بی دعوٰی مہر کرسکتے تھے کہ نیاز بی بی اپنی حیات میں اپنا مہر پا چکی آخر کل متروکہ پر اس کا قبضہ کرلینا بذریعہ مہر ہی تھا تو اب دین اداشدہ کا دعوٰی کیا یعنی نہ اس جائداد کا مہر میں نیلام ہونا چاہئے تھا بلکہ حکم یہ تھا کہ نیاز بی بی اپنا مہر پاچکی اور دونوں مکانوں کی وہی مالک ٹھہری ایک مکان وہ اپنی حیات میں بیع کرچکی وُہ تمام ملک مشتری ہے دوسرا مکان خام کہ باقی رہا متروکہ نیاز بی بی ٹھہر کر وارثان نیاز بی بی پر تقسیم ہوجائے،

فی الشامی والطحطاوی عن شرح الکنز للعلامۃ الحموی عن الامام العلامۃ علی المقدسی عن جدہ الاشقر عن شرح القدوری للامام الاخصب ان عدم جواز الاخذ من خلاف الجنس کان فی زمانھم لمطاوعتھم فی الحقوق والفتوی الیوم علی جواز الاخذ عند القدرۃ من ای مال کان۔[1]

شامی اور طحطاوی میں علامہ حموی کی شرح کنز سے بحوالہ امام علامہ علی مقدسی منقول ہے، انھوں نے اپنے دادا اشقر سے بحوالہ شرح قدوری از امام اخصب ذکر کیا کہ خلاف جنس سے وصول کرنے کا عدم جواز مشائخ کے زمانے میں تھا کیونکہ وہ لوگ حقوق میں باہم متفق تھے، آج کل فتوٰی اس پر ہے کہ جب اپنے حق کی وصولی پر قادر ہوچاہے کسی بھی مال سے ہو تو وصول کرلینا جائز ہے۔ (ت)

اور بالفرض اگر اس فتوٰی کو ماخوذ نہ رکھیں تو متروکہ غلام حسین کسی وارث کی ملک نہ تھا نہ نیاز بی بی کی نہ بتی کی،

فان الدین المحیط یمنع ملک الوارث[2]، کما فی الاشباہ وغیرھا۔

کیونکہ تمام مال کا احاطہ کرنے والا قرض وارث کی ملکیت سے مانع ہے، جیسا کہ اشباہ وغیرہ میں ہے۔ (ت)

تو بیع کہ نیاز بی بی نے کی اس شے کی بیع تھی جس کی وہ مالک نہ تھی اور ثمن مشتری سے لے کر اپنے تصرف میں لائی اس صورت میں جبکہ ادائے مہر کے لئے بیع کو ناجائز ٹھہرا کر جائداد مشتری سے نکال لی جائے

---

[1] ردالمحتار کتاب الحجر دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۹۵

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملک ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/۲۰۴

قطعاً مشتری زرِ ثمن کی واپسی کا استحقاق رکھتا ہے وجہ کیا ہے کہ مبیع بھی اس سے لے لیں اور ثمن اداکردہ بھی واپس نہ دیں پس جو کچھ روپیہ مہر نیاز بی بی سے حاصل ہوا یا اب ہو اس میں سے اول ساڑھے چار سو مشتری کو دے جائیں جو بچے وارثان نیاز بی بی تقسیم کرلیں،

فی الخانیۃ وغیرھا اشتری شیئا فاستحق من یدہ رجع المشتری علی البائع بالثمن[1] اھ ملتقطا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

خانیہ میں ہے کہ کسی نے کوئی شے خریدی پھر اس کے قبضہ میں اس شئی میں استحقاق ثابت ہوگیا (تو وہ اس کے قبضہ سے نکل گئی)، تو مشتری بائع سے ثمن واپس لے گا اھ التقاط۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۲۱ ازشہر کہنہ مرسلہ سید فرحت علی صاحب ۱۰ رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص فوت ہوا اس نے ایک زوجہ اور تین پسر نابالغ اور ایک دختر نابالغ چھوڑی تھی منجملہ ان ورثاء کے زوجہ اور دختر نے کل مکان متوفی اپنا قائم کرکے فروخت کردیا، اب پسران اپنے حصہ شرعی کے واپسی کے خواستگار ہیں، اس اثناء میں مشتری نے کچھ مکان میں جدید تعمیر کیا، اگر حصص پسران عدالت سے قابل واپسی قرار پائیں تو صرفہ تعمیر و مرمت جدید مذکورہ ازروئے شرع ادا کرنے کے سزاوار ہیں جبکہ پسران استطاعت ادائے صرفہ نہیں رکھتے ہیں یا مشتری مستوجب اس امر کا ہے کہ وہ اپنی عمارت جدید توڑلے جائے۔

الجواب

اگر ثابت ہو کہ شرعاً مدعیوں کا بھی بیع میں حصہ ہے تو بعد ثبوت حکم تقسیم کردینگے اگر وہ جدید تعمیر جو مشتری نے کی خود مشتری کے حصہ میں پڑے فبہا ورنہ مدعیوں کو جائز ہوگا کہ مشتری سے کہیں اپنی تعمیر جدید ہماری زمین سے توڑ کر لے جا اور وہ کوئی خرچ عمارت و مرمت ان مدعیوں سے لینے کا مستحق نہ ہوگا اور رضامندی باہمی سے یہ بھی جائز ہوگا کہ مشتری مدعیوں سے عمارت جدید کے دام لے کر عمارت انھیں چھوڑ دے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۲ مرسلہ شاہزادہ میاں از ریاست رامپور مسئولہ علی بہادر خاں صاحب ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بکر نے زید کے ہاتھ ایک زمین معافی کی دو نمبروں پر مشتمل بایں الفاظ بیع کی کہ موازی للعہ پختہ اراضی نمبری ۴۲ ، ۴۳۵ بعوض چار سو روپے بدست زید

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیع فصل فی الاستحقاق مطبع نولکشور لکھنؤ ۲/ ۴۰۸

بیع شرعی کیا اگر کوئی سہیم و شریک پیدا ہو ضمان ذمۂ بائع ہے مشتری سے تعلق نہیں فقط" بکر نے زرِ ثمن تمام وکمال وصول کرلیا مبیعہ پر مشتری کو قبضہ کرادیا جب زید نے داخل خارج چاہا حاکمِ ریاست کو معلوم ہُوا کہ بائع کی ملک واقع میں صرف للعہ تھی ۴ البسوہ زائد پر اس نے دخل کرلیا ہے اور کاغذات تحصیل میں بھی اس کا اندراج بنام بکر ہوگیا ہے اور اس نے وہ مجموعہ للعہ بیچ ڈالی جس میں ۴ البسوہ زمین سرکاری ہے لہذا حکم صادر ہوا کہ جتنا قطعۂ زمین اس نے بڑھالیا ہے اس کے نام سے خارج کرکے ضبط سرکار ہو باقی للعہ کا داخل خارج بنام مشتری ہو چنانچہ حکم کا عملدرآمد ہُوا اور اتنا ٹکڑا قبضہ مشتری سے نکال کر باقی کا داخل خارج اس کے نام ہوگیا اب مشتری اس چودہ بسوہ خارج شدہ کی رسدی قیمت بائع سے واپس لینا چاہتا ہے شرعًا سے اس کا حق ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اگر بکر ایک زمین للعہ بتاکر زید کے ہاتھ بیچتا اور وہ زمین جتنی بیچی تھی زید کو تمام وکمال ملتی مگر پیمائش میں ۴ البسوہ خواہ بیگھوں کم آتی تو زید کو بکر سے ایک پائی واپس لینے کا اختیار نہ ہوتا،

لان المساحۃ وصف فی المسوح ولم تصر مقصودۃ کان یقول کل ذراع بکذا فلم یقابلھا الثمن۔

کیونکہ پیمائش وصف ہے اس چیز میں جس کی پیمائش کی جاتی ہے اور وہ (مساحت) مقصود نہیں ہوتی جیسے یوں کہے کہ ہر گز اتنے کا ہے تو اس کے مقابل ثمن نہیں ہوتے۔ (ت)

بلکہ اس کم پر مشتری کی رضا نہ ظاہر ہوتی تو اسے یہ اختیار دیا جاتا کہ یا تو اسی کو پوری قیمت پر قبول کرے یا مبیع پھیر کر ثمن واپس لے لانہ فات علیہ وصف مرغوب فیہ فیتخیر (کیونکہ اس پر پسندیدہ وصف فوت ہوگیا ہے لہذا اس کو اختیار ملے گا۔ ت) درمختار میں ہے:

ان باع صبرۃ علی انہا مائۃ قفیز بمائۃ درھم وھی اقل او اکثر اخذ المشتری الاقل بحصتہ ان شاء او فسخ، وما زاد للبائع، وان باع المذروع علی انہ مائۃ ذراع مثلا اخذ المشتری الاقل بکل

اگر ڈھیر بیچا اس شرط پر کہ یہ سَو بوری ہے سو درہم کے بدلے میں، حالانکہ وہ ڈھیر سَو بوری سے کم یا زیادہ ہے، تو مشتری کو اختیار ہے کہ کمتر کو اس کے حصے کی قیمت کے بدلے میں لے لے یا بیع کو فسخ کردے، اور جو سَو بوری سے زائد ہے وُہ بائع کا ہے، اور اگر مذروع کو مثلِ سابق بیچا کہ یہ شال کے طور پر سَو گز ہے سو درہم کے بدلے میں تو مشتری کو اختیار ہوگا

الثمن او ترك واخذ الاکثر بلاخیار للبائع[1]

کہ وہ کمتر کو پورے ثمن کے عوض لے لے یا چھوڑ دے اور اکثر کو مشتری لے لے گا، بائع کو اس میں اختیار حاصل نہ ہوگا۔ (ت)

مگر یہاں یہ صورت نہیں مبیع بتمامہ قبضہ میں رہ کر پیمائش میں کم نہ آئی بلکہ مبیع سے ایک قطعہ ملک ریاست قرار پاکر قبضہ سے نکل گیا، یہ صورت استحقاق کی ہے اور استحقاق میں ضرور مشتری کو اتنے کی قیمت بائع سے واپس لینے کا اختیار رہتا ہے جتنا مستحق کے دعوے پر اس کے قبضہ سے نکل گیا اور اس میں مثلی وقیمی، مذروع ومعدود وغیرہا سب برابر ہیں، عالمگیری میں ہے:

اذا کان المشتری شیئا واحدا کالثوب الواحد والعبد فاستحق بعضہ قبل القبض او بعدہ فللمشتری الخیار فی الباقی ان شاء اخذہ بالحصۃ وان شاء ترکہ[2] الخ وعزاہ للمحیط وظاھر ان الثوب قیمی مذروع قال فی رد المحتار ان باع المذروع کثوب وارض درمنتقی اھ[3] وقد حکم فی استحقاق بعضہ باخذ الباقی بالحصۃ۔

جب خریدی ہوئی چیز ایک ہو جیسے ایک کپڑا یا غلام، پھر قبضہ سے پہلے یا بعد اس کے بعض میں استحقاق ثابت ہوگیا تو مشتری کو اختیار ہے چاہے تو باقی کو اس کے حصے کی قیمت کے بدلے میں لے لے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے الخ اور اس کو محیط کی طرف منسوب کیا ہے، اور ظاہر ہے کہ کپڑا قیمتی مذروع ہے۔ ردالمحتار میں کہا کہ اگر مذروع کو بیچا جیسے کپڑا اور زمین، درمنتقی اھ، بے شک اس کے بعض میں استحقاق ثابت ہونے کی صورت میں باقی کو اس کے حصے کی قیمت کے بدلے میں لینے کا حکم کیا گیا ہے (ت)

جامع الفصولین میں ہے:

استحق بعض المبیع فلو لم یمیز الابضرر کدار وکرم وارض وزوجی خف ومصراعی باب

بعض مبیع میں استحقاق ثابت ہوگیا تو (دیکھیں گے کہ) اگر وہ بلانقصان جُدا نہیں ہوسکتا جیسے مکان، انگور کی بیل، زمین، موزوں کا جوڑا اور ایک

---

[1] درمختار کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ۲/۷

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۱۶۶

[3] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۳۱

وفی یتخیر المشتری والافلا ، ثم لوورث الاستحقاق عیبا فیما بقی یخیر المشتری کمامر ولو لم یورث عیبا کثوبین استحق احدھما فالمشتری یاخذ الباقی بحصتہ بلاخیار[1]، ملتقطاً۔

دروازے کے دوپٹ تو اس صورت میں مشتری کو اختیار ملے گا ورنہ نہیں، پھر اگر استحقاق باقی مبیع میں عیب پیدا کردے تو مشتری کو اختیار ملے گا جیسا کہ گزرچکا ہے اور اگر وہ عیب پیدا نہ کرے جیسے دو کپڑوں میں سے ایک میں استحقاق ثابت ہوجائے تو مشتری باقی کو اس کے حصے کی قیمت کے بدلے میں لے گا اس صورت میں اس کو اختیار نہیں ملے گا، ملتقطاً (ت)

پس صورت مستفسرہ میں زید بکر سے ثمن کے ۱۴/۹۶ یعنی ستاون روپے پونے بارہ آنے واپس لے سکتا ہے ایک خفیف مقدار کم جس کی مقدار نصف پائی تک بھی نہیں یعنی ۴۵/۵۶ پائی۔ یہ سوال کا جواب تھا مگر ملاحظہ بیعنامہ سے واضح ہوا کہ یہ بیع فاسد واقع ہوئی کہ اس کے آخر میں شرائط فاسد مذکور ہیں مثلاً یہ کہ اگر جز کل اراضی قبضہ مشتریان سے نکل جائے تو اس کا بار ہرجہ وخرچہ ذمہ بائعان ہے اور جو درخت اراضی میں کھڑے ہیں ان کو آخر سال ۱۳۱۸ف تک قطع کرکے اراضی مکشوف کردیں گے ورنہ درخت بھی قیمت مذکورہ بالا میں بیع منصور ہوں گے اس کو دعوی چوب درختان نہ رہے گا بیعنامہ میں شرط فاسد کے ذکر سے بیع پر حکم فساد ہوگا۔ درمختار میں ہے :

لوکتب فی الصك فما انفق المشتری فیھا من نفقۃ اورم فیھا من مرمۃ فعلی البائع یفسد البیع[2]۔

اگر بیعنامہ میں لکھا گیا کہ جو کچھ مشتری مبیع پر خرچ کرے گا یا اس میں مرمت کرے گا وہ بائع کے ذمے ہوگا تو بیع فاسد ہوجائیگی۔ (ت)

تو بائع و مشتری دونوں پر واجب ہے کہ توبہ کریں اور اگر موانع فسخ سے کوئی مانع نہ پایا گیا ہو تو واجب ہے کہ بیع فسخ کردیں، زید زمین واپس دے اور بکر پوری قیمت پھیر دے، اگر وہ دونوں نہ مانیں حاکم جبراً فسخ کردے۔

درمختار میں ہے :

یجب علی کل واحد منھما فسخہ

فساد کو ختم کرنے کے لئے قبضہ سے پہلے یا قبضہ

---

[1] جامع الفصولین الفصل السادس عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/۲۰-۲۱۹

[2] درمختار " " مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۶

قبل القبض او بعدہ مادام المبیع بحالہ فی ید المشتری اعداما للفساد لانہ معصیۃ فیجب رفعھا بحر، واذا اصر احدھما علی امساکہ وعلم بہ القاضی فلہ فسخہ جبرا علیھما حقا للشرع، بزازیۃ۔[1]

کے بعد جب تک مبیع مشتری کے پاس اپنے حال میں موجود ہے بیع فاسد کو فسخ کرنا بائع اور مشتری میں سے ہر ایک پر واجب ہے کیونکہ یہ معصیت ہے، اس لئے اس کو دُور کرنا واجب ہے، بحر۔ اور اگر ان میں سے کوئی ایک اس کو برقرار رکھنے پر اصرار کرے اور قاضی کو اس کا علم ہو تو وُہ حق شرع کے لئے ان دونوں پر جبر کرتے ہُوئے فسخ کرسکتا ہے، بزازیہ۔ (ت)

اس کے بعد پھر چاہیں تو آپس میں بیع صحیح کرلیں جتنے ثمن پر تراضی ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۸

باب البیع السّلم

(بیع سلم کا بیان)

مسئلہ ۲۲۳: از فیروز پور ۲۹ جمادی الاٰخرہ ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کٹوتی کا روپیہ پیشگی دے دیا اور ناج فصل پر لینا ٹھہرا کن کن شرطوں سے جائز ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اسے بیع سلم کہتے ہیں، یہ بارہ[۱۲] شرطوں سے جائز ہوتی ہے اگر ان میں سے ایک بھی کم ہوگی تو بالکل ناجائز اور سُود ہوجائے گی:

(۱) اس شیئ کی جنس بیان کردی جائے مثلاً گیہوں یا چاول یا گھی یا تیل، اگر ایک عام بات کہی مثلاً غلّہ لیں گے تو ناجائز ہے۔

(۲) وہ جنس اگر کئی قسم کی ہوتی ہے تو اس کی قسم معین کردی جائے جیسے چاول میں باسمتی ہنس راج، اگر نرے چاول کہے بیع صحیح نہ ہوگی۔

(۳) اس کی صفت بیان کردی جائے مثلاً عمدہ یا ناقص جیسے چنوں میں فردیا کسیلے۔

(۴) اس کی مقدار معین کردی جائے مثلاً اتنے من اور یہ بات بھاؤ کاٹ دینے سے بھی حاصل ہوجاتی ہے یعنی فی روپیہ اتنے سیر کہ روپوں کی گنتی معلوم ہونے سے کل کی مقدار خود معلوم ہوجائیگی

اور جہاں مختلف پسیروں کا رواج ہو وہاں پسیری کی تعیین بھی ضروری ہے کہ فلاں پسیری سے اتنے من اور جہاں کچا پکا دونوں من بولا جائے وہاں اس کی تعیین بھی لازم ہے غرض کوئی بات وہ نہ رہے جس میں آئندہ جھگڑا اٹھنے کی صورت ہو۔

(۵) میعاد معین کر دی جائے جو ایک مہینہ سے کم نہ ہو اگر تعیین نہ کی مثلاً جب چاہیں گے لے لیں گے یا سفر کو جاتا ہوں جب پلٹ کر آؤں گا لے لوں گا تو ناجائز ہوگا۔

(۶) اگر وہ چیز بار برداری کی ہے جس کے یہاں سے وہاں لے جانے میں خرچ ہوگا تو وہ جگہ بھی معین کی جائے جہاں پہنچانا منظور ہے مثلاً فلاں شہر یا فلاں گاؤں میں پہنچتے ہوئے، اس میں بیچنے والے کو اختیار رہے گا کہ اس گاؤں یا شہر کے جس مقام و محلہ میں چاہے پہنچا دے اور جو مکان بھی خاص کر دیا تو وہیں پہنچانا پڑے گا۔

(۷) ثمن کی بھی تعیین ہو جائے مثلاً روپے یا اشرفی۔

(۸) اگر وہ ثمن چند قسم کا ہوتا ہے تو قسم بھی معین کر دے مثلاً اشرفی محمد شاہی یا انگریزی۔

(۹) کھرے کھوٹے کا بیان بھی ہو جیسے لکھنؤ کا روپیہ یا انگریزی چہرہ دار یا جے پوری چاندی یا اینٹ کا سونا۔

(۱۰) اگر ثمن اس قسم کا ہے کہ اس کے ہر ٹکڑے کے مقابل مبیع کا ٹکڑا ہوتا ہے جیسے سونا، چاندی، روپیہ، اشرفی کہ گیہوں روپیہ کے من بھر ہوئے تو اٹھنی کے بیس سیر، چونی کے دس سیر ہوں گے تو ایسی ثمن کی تعیین مقدار بھی ضرور ہے مثلاً اتنے تولہ چاندی یا اس قدر روپے، اور اگر وہاں مختلف وزن کے سکے چلتے ہوں جیسے حیدرآباد میں نوابی و انگریزی روپیہ وہاں سکہ کی تعیین بھی چاہیے۔

یہ دسوں باتیں خاص عقد ایجاب و قبول میں بیان کرنی ضرور ہیں، مثال اس کی یہ ہے کہ زید عمرو سے کہے میں نے تجھ سے بریلی کی تول سے دس من پختہ چاول ہنسراج کھرے بالعوض سو روپے انگریزی چہرہ دار کے آج سے چار مہینے کے وعدہ پر بریلی پہنچتے ہوئے خریدے، وہ کہے میں نے بیچے یا میں نے تجھ سے بدایوں کے وزن سے چار من پکا گھی بھینس کا خالص آج سے دو مہینے کے وعدہ پر مرادآباد پہنچتا ہوا بالعوض چھ اشرفی محمد شاہی بیس بیس روپے والی کے خریدا، وہ کہے میں نے بیچا، یہ سب باتیں خوب خیال کر لی جائیں کہ لوگوں میں آج کل بیع سلم کا بہت رواج ہے۔ ان زبانی شرطوں کے ترک سے حلال کو ناحق اپنے لئے حرام کر لیتے اور خدا کے گناہ میں گرفتار ہوتے ہیں۔

(۱۱) شرط یہ کہ اسی جلسہ میں ثمن ادا کر دیا جائے ورنہ اگر یہ ساری گفتگو کر کے ثمن دیئے بغیر متفرق ہو گئے تو بنا بنایا عقد فاسد و ناجائز ہو جائے گا یہاں تک کہ اگر وہاں سے اٹھ کر گھر میں روپے لینے گیا اور

بیچنے والے کی نگاہ سے آڑ ہو گئی عقد فاسد ہو گیا۔

(۱۲) وہ چیز اس قسم کی ہو کہ روز عقد سے ختم میعاد تک ہر وقت بازار میں مل سکے ورنہ عقد ناجائز ہو گا اسی لئے اگر گیہوں کی کٹوتی میں یہ لفظ کہہ دیئے کہ نئے گیہوں لیں گے اور اس وقت نیا گیہوں بازار میں نہیں تو عقد ناجائز وگناہ ہے اور اسی سبب سے رس کی کٹوتی جو ایکھوں کے وقت کرتے ہیں حرام ہوئی کہ رس اس وقت بازار میں نہیں ہوتا۔

فی تنویر الابصار والدر المختار ورد المحتار بالتلفیق والاختصار شرطه ای شروط صحته التی تذکر فی العقد سبعة (اجمالا والا فالاربعة الاول منها تشترط فی کل من راس المال والمسلم فیه ثمانیة بالتفصیل، بحر) بیان جنس کبر او تمر، وبیان نوع کمسقی (ما یسقی بالماء الجاری) او بعلی (ما سقته السماء، وفیه عن الخلاصة لا یشترط بیان النوع فیما لا نوع له وفیه عن المعراج انما یشترط بیان النوع فی راس المال اذا کان فی البلد نقود مختلفة والا فلا) وصفة کجید اوردئ، وقدر ککذا کیلا، واجل واقله شهر به یفتی، وقدر راس المال ان تعلق العقد بمقداره (بان تنقسم اجزاء المسلم فیه علی اجزائه فتح ای بان یقابل النصف

تنویر الابصار، درمختار اور ردالمحتار میں مخلوط عبارات بطور اختصار یوں ہیں کہ بیع سلم کے صحیح ہونے کی وہ شرطیں سات ہیں جن کا عقد میں ذکر کیا جانا (یہ تعداد اجمالی ہے ورنہ پہلی چار شرطیں راس المال (ثمن) اور مسلم فیہ (مبیع)، دونوں میں پائی جاتی ہیں تو اس طرح تفصیلاً یہ چار کے بجائے آٹھ ہوئیں، بحر)

(۱) مسلم فیہ کی جنس کا بیان جیسے گندم یا کھجور (۲) نوع کا بیان جیسے نہری پانی سے اس کو سیراب کیا گیا ہے یا بارش کے پانی سے سیراب ہوئی ہے اور اس میں خلاصہ سے منقول ہے کہ جس میں کوئی نوع نہ ہو اس میں نوع کا بیان شرط نہیں اور اس میں معراج سے منقول ہے کہ راس المال میں نوع کا بیان کرنا شرط ہے جبکہ شہر میں مختلف نقود رائج ہوں ورنہ نہیں۔

(۳) مسلم فیہ کی صفت کا بیان جیسے عمدہ یا ناقص۔

(۴) مسلم فیہ کی مقدار کا بیان جیسے کیل کے اعتبار سے اتنی۔ (۵) مدت کا بیان اور سلم میں کم از کم مدت ایک ماہ ہے اسی پر فتوٰی ہے۔ (۶) راس المال کی مقدار کا بیان اگر عقد کا تعلق راس المال کی مقدار سے ہو بایں طور کہ مسلم فیہ کے اجزاء راس المال کے اجزاء پر منقسم ہوتے ہوں (فتح) اس تقسیم کی صورت یہ ہے

بالنصف والربع بالربع وھکذا و ذٰلک انما یکون فی المثلی)، والسابع بیان مکان الایفاء للمسلم فیہ فیمالہ حمل و مؤنۃ شرط الایفاء فی مدینۃ فکل محلا تہا سواء فیہ حتی لو اوفاہ فی محلۃ منہا برئ ولیس لہ ان یطالبہ فی محلۃ اخری، بزازیۃ ولو عین مکانا تعین فی الاصح، فتح وبقی من الشروط قبض راس المال ولو عینا قبل الافتراق بابدانہما وان ناما او سارا فرسخا او اکثر ولو دخل لیخرج الدراھم ان تواری عن المسلم الیہ بطل وان بحیث یراہ لا وھو شرط بقائہ علی الصحۃ لاشرط انعقادہ بوصفہا فینعقد صحیحا ثم یبطل بالافتراق بلا قبض۔[1]

کہ نصف مسلم فیہ نصف راس المال کے بدلے میں اور چوتھائی چوتھائی کے بدلے میں ہو اسی طرح یہ سلسلہ چلتا جائے، اور یہ صورت صرف مثلی چیزوں میں متحقق ہوسکتی ہے (۷) اس جگہ کا بیان جہاں مسلم فیہ پہنچانا منظور ہے جبکہ مسلم فیہ میں بار برداری اور مشقت ہے، کسی شہر سے پہنچانے کی شرط لگائی تو اس شہر کے تمام محلے اس مسئلہ میں برابر ہیں اگر کسی محلہ میں بائع نے مسلم فیہ کو پہنچادیا تو بری الذمہ ہوگیا مشتری کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دوسرے محلہ میں پہنچانے کا مطالبہ کرے (بزازیہ) اور اگر کوئی مکان معین کردیا تو وہی معین ہوگا اصح مذہب پر (فتح) اور باقی رہا شرطوں میں سے راس المال پر قبضہ کرنا اگرچہ راس المال معین ہو اور یہ قبضہ عاقدین کے بدنی طور پر جدا ہونے سے قبل شرط ہے اگرچہ وہ دونوں مجلس میں سوگئے ہوں یا ایک فرسخ یا اس سے کچھ زیادہ اکٹھے چلتے گئے ہوں (اس کے بعد قبضہ کیا ہو) اور اگر رب السلم (مشتری) درہم لینے گھر میں اس طرح داخل ہوا کہ مسلم الیہ (بائع) کی نظر سے اوجھل ہوگیا تو عقد باطل ہوگیا اور اگر وہ نظر آتا رہا تو عقد باطل نہیں ہوا اور راس المال پر مجلس میں قبضہ کرنا عقد سلم کے صحت پر باقی رہنے کی شرط ہے نہ کہ وصف صحت پر اس کے منعقد ہونے کی شرط ہے، تو بیع کا انعقاد صحیح ہوجائے گا پھر راس المال پر قبضہ کے بغیر دونوں کے جدا ہونے سے باطل ہوجائے گی۔ (ت)

اسی میں ہے:

لایصح فی منقطع لایوجد فی الاسواق من وقت العقد الی وقت الاستحقاق۔[2]

ایسی چیز میں عقد سلم صحیح نہیں جو وقت عقد سے وقت استحقاق یعنی ختم میعاد تک بازار میں موجود نہ رہے۔ (ت)

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۸
ردالمحتار " " " ۴/ ۲۰۷-۲۰۶

[2] درمختار " " " ۲/ ۴۷

اسی میں ہے :

ولا فی حنطۃ حدیثۃ قبل حدوثھا لانھا منقطعۃ فی الحال[1] واللہ تعالٰی اعلم

عقد سلم نئی گندم میں اس کے پیدا ہونے سے پہلے صحیح نہیں کیونکہ وہ فی الحال موجود نہیں۔ (ت)

مسئلہ ۲۲۴ ازشہر کہنہ دہم ربیع الثانی شریف ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر گیہوں کی کٹوتی جسے بدنی بھی کہتے ہیں اس طور پر کریں کہ روپے دے دے اور بھاؤ معین نہ کیا بلکہ یہ ٹھہرا کہ فصل کا بھاؤ یا اس سے مثلاً دو سیر زائد لیں گے تو یہ صورت جائز ہے یا نہیں ؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

محض ناجائز ہے جب تک مقدار معین نہ کر دی جائے،

فی الدرالمختار شرط صحتہ بیان جنس وقدر ککذا اکیلا[2] اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

درمختار میں ہے عقد سلم کے صحیح ہونے کی شرط جنس کو بیان کرنا اور مقدار کو بیان کرنا ہے جیسے کیل کے اعتبار سے اتنی ہے اھ تلخیص۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۲۵ ازشہر کہنہ دہم ربیع الثانی شریف ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رس کی خریداری اس طور پر کہ ابھی ایکھ کھڑی ہے اور رس خرید لیا اور روپیہ دے دیا، جائز ہے یا نہیں ؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

محض ناجائز ہے کہ صورت بیع سلم کی ہے اور بیع سلم انھیں چیزوں میں جائز ہے جو ہنگام عقد سے میعادِ استحقاق تک ہر وقت بازار میں موجود رہیں گھروں میں موجود ہونا کفایت نہیں کرتا اور ظاہر ہے کہ رس اس وقت بازار میں نہیں ہوتا۔ ہدایہ میں ہے :

لایجوز السلم حتی یکون المسلم فیہ موجودا من حین العقد الی

جب تک مسلم فیہ وقت عقد سے لے کر وقت استحقاق تک مسلسل بازار میں موجود نہ رہے بیع سلم

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۷

[2] " " " " ۲/ ۴۸

حین المحل[1] جائز نہیں۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

حد الانقطاع ان لایوجد فی الاسواق وان کان فی البیوت کذا فی التبیین شرنبلالیۃ ومثلہ فی الفتح والبحر والنھر[2] واللہ تعالٰی اعلم۔

نایاب ہونے کا معنٰی یہ ہے کہ چیز بازار میں موجود نہ ہو اگرچہ گھروں میں موجود ہو، تبیین، شرنبلالیہ میں یونہی ہے اور اس کی مثل بحر، نہر اور فتح میں ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۲۶

۸ رجب ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے یا غیر گاؤں کے اسامیوں کو روپیہ کٹوتی پر دیا اور نرخ کاٹ کر غلہ ٹھہرالیا اب اگر کسی آفت ارضی یا سماوی کی وجہ سے غلہ نہ پیدا ہو تو یہ شخص اسی نرخ معین کے حساب سے قیمت پانے کا مستحق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جب عدم پیداوار وغیرہ کی وجہ سے بائع ومشتری اس عقد کو فسخ کریں تو مشتری کو صرف اتنا ہی روپیہ لینا جائز ہے جس قدر اس نے دیا تھا اس سے زیادہ ایک حبہ لینا حرام اور سود ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتاخذ الاسلمک اورأس مالک[3] او کما قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ واللہ تعالٰی اعلم

یعنی یا تو وہ چیز لے یا جتنا روپیہ دیا تھا وہ واپس کرلے اس کے سوا کچھ نہ لے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

مسئلہ ۲۲۷

۴ رمضان المبارک

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اسامیان کو بدنی پر روپیہ دیا اور فی روپیہ ۲۰ ثار یا ۱۹ ثار گندم عمدہ ماہ فلاں میں لینے ٹھہرے لیکن اسامی کے یہاں پیداوار کم ہوئی اور غلہ مذکور ادا نہ کرسکا تو اسے زرقیمت غلہ لینا جائز ہے یا ناجائز؟ یا کہ جو روپیہ دیا ہے وہ لیا جائے؟ اور اگر غلہ وقت معینہ پر لیا جائے تو آیا صاف

---

[1] الہدایہ کتاب البیوع باب السلم مطبع یوسفی لکھنؤ ۹۵/۳

[2] ردالمحتار " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۲۰۵/۴

[3] درمختار باب السلم ۴۹/۲ و تبیین الحقائق باب السلم ۱۱۴/۴

کرا کر عمدہ لیا جائے یا جیسا پیدا ہوا ہے کس طور پر، اور اگر بحالت باقی آئندہ سال پر غلہ لیا جائے تو کس شرح سے یعنی کہ زر قیمت بقیہ غلہ کے گندم بحساب بدفی مذکور لئے جائیں یا کہ بقیہ زر دادہ کے گندم بحساب بدفی لئے جائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

روپیہ دینے والے کو وہی بات کا اختیار ہے چاہے جو غلہ جتنا لینا ٹھہرا ہے اب خواہ آئندہ سال اسی قدر لے کہ دانہ بڑھانے کا اختیار نہیں ہے اور چاہے تو اس صورت میں اپنا اتنا ہی روپیہ جس قدر دیا تھا پورا خواہ حساب سے کہ مثلاً سو روپے پچاس من گیہوں پر دیئے تھے پچیس من ملے تو باقی پچاس روپے واپس لے ایک کوڑی زیادہ حلال نہیں اور یہ جو کر لیتے ہیں کہ جو باقی رہا اس وقت کے بھاؤ اس کے دام کاٹے اور بدفی کے حساب سے ان داموں کا غلہ اس کے ذمہ کر دیا یہ نرا سُود قطعی حرام بلکہ سود در سود ہے۔

فی الدر المختار لو انقطع بعد الاستحقاق خیر رب السلم بین انتظار وجودہ والفسخ واخذ راس مالہ[1] اھ وفیہ لایجوز التصرف للمسلم الیہ فی راس المال ولا لرب السلم فی المسلم فیہ قبل قبضہ بنحو بیع وشرکۃ ومرابحۃ و تولیۃ ولو ممن علیہ حق لو وھبہ منہ کان اقالۃ اذا قبل وفی الصغری اقالۃ بعض السلم جائزۃ الخ[2]۔

درمختار میں ہے کہ اگر مسلم فیہ استحقاق کے بعد نایاب ہوگئی تو رب السلم کو اختیار دیا جائے گا کہ یا تو اس کے دستیاب ہونے کا انتظار کرے یا عقد فسخ کرکے راس المال واپس لے لے اھ اور اسی میں ہے قبضہ سے پہلے مسلم الیہ کے لئے راس المال میں اور رب السلم کے لئے مسلم فیہ میں تصرف جیسے بیع، شرکت، مرابحہ اور تولیہ جائز نہیں اگرچہ یہ تصرفات اسی شخص سے کئے جائیں جس پر راس المال یا مسلم فیہ ہے یہاں تک کہ اگر رب السلم نے مسلم الیہ کو مسلم فیہ ہبہ کر دیا تو یہ اقالہ ہوگا جبکہ مسلم الیہ اس کو قبول کرے اور صغری میں ہے کہ بعض سلم کا اقالہ جائز ہے الخ۔ (ت)

اور گیہوں جیسے ٹھہرے تھے ویسے لینے کا مستحق ہے اگر عمدہ صاف کی شرط تھی تو عمدہ صاف ہی لے گا،

فی الھندیۃ اسلم فی کندم نیکو او

ہندیہ میں ہے اگر کسی نے گندم میں عقد سلیم کیا اور

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۷

[2] " " " " ۲/ ۴۹-۴۸

قال نیک او قال سرہ یجوز ھذا ھو الصحیح والماخوذ بہ کذا فی الغیاثیۃ اھ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ احکم۔

کہا گندم نیکو یا کہا نیک یا کہا سرہ یعنی کھری تو جائز ہے اور یہی صحیح اور مختار ہے۔ یوں غیاثیہ میں ہے اھ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ احکم (ت)

مسئلہ ۲۲۸ سلخ محرم الحرام ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اینٹوں کی بیع سلم جائز ہے یا نہیں ایسی صورت میں کہ ابھی بیچنے والے نے صرف زمین اس نیت سے لی ہے کہ بعد چار ماہ کے اسی سے مٹی کھود کر اینٹ بنائی جائے گی، خالد نے ابھی سے دو روپیہ ہزار کا نرخ کاٹ کر چار ماہ کے وعدہ پر دو سو روپے اسے دے دیئے یہ صورت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جائز ہے جبکہ سانچا معین کردیا گیا ہو اور باقی شرائط بیع سلم متحقق ہوں اور یہ شرط نہ کی گئی ہو کہ اس مٹی سے جو اینٹ بنے گی وہ لی جائے گی،

لانہ منقطع فی الحال کحنطۃ جدیدۃ قبل وجودھا وفی التنویر یصح فیما امکن ضبط صفتہ ومعرفۃ قدرہ ککیل وموزون ومثمن وعددی متقارب کجوز وبیض وفلس ولبن واٰجر بملبن معین[2] واللہ تعالٰی اعلم۔

کیونکہ وہ فی الحال نایاب ہے جیسے نئی گندم کی بیع اس کے وجود سے قبل، اور تنویر میں ہے کہ جس چیز کی صفت کو ضبط کرنا اور اس کی مقدار کی پہچان ممکن ہو اس میں سلم جائز ہے جیسے کیلی چیز، ایسی وزنی چیز جو مبیع ہو اور عددی متقارب اشیاء مثلاً اخروٹ، انڈے، پیسے اور معین سانچے کی بنی ہوئی کچی یا پکی اینٹیں۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۲۹ از آنولہ شفاخانہ مرسلہ شیخ محمد بخش صاحب ڈاکٹر ۶ ربیع الاول شریف ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ فلوس سکہ رائج الوقت بحساب فی روپیہ ساڑھے سولہ آنہ یعنی تینتیس ۳۳ ٹکہ فروخت ہوتے ہیں اگر زید کسی قدر روپیہ عمرو کو دے اور عمرو سے بحساب فی روپیہ ساڑھے سولہ آنہ یعنی تینتیس ۳۳ ٹکہ بلاتعیین وقت، روز یا ماہ کے

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب الثامن عشر الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۶۹

[2] درمختار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۷

کٹوتری کرلے اور عمرو بتدریج فلوس ادا کرے تو کٹوتی فلوس اس صورت سے شرعاً درست ہے یا نہیں اور اگر عمرو فلوس کے ہمراہ دونی یا چونی زید کو دے تو دونی یا چونی ہمراہ فلوس کے عمرو سے لینا جائز ہے یا نہیں اور اگر عمرو باجازت زید کے کسی قدر فلوس کٹوتری شدہ بہ نرخ رائج الوقت خود فروخت کرکے زید کو نقد روپیہ بعوض فلوس دے تو درست ہے یا نہیں؟

الجواب

پیسوں کی بیع سلم (یعنی کٹوتی) میں یہ تینوں صورتیں ناجائز و گناہ ہیں، بیع سلم کی ایک ضروری شرط یہ بھی ہے کہ میعاد عقد میں معین کردی جائے جب یہاں تعیین وقت نہ ہوا بیع حرام ہوگی،

فی الدرالمختار شروط صحتہ التی تذکر فی العقد بیان جنس و نوع و صفۃ و قدر واجل[1] اھ ملخصاً۔

درمختار میں ہے عقد سلم کے صحیح ہونے کی وہ شرطیں جن کو عقد میں ذکر کیا جاتا ہے یہ ہیں، جنس، نوع، صفت، مقدار اور اجل کا بیان کرنا اھ تلخیص۔ (ت)

پھر بیع سلم جس چیز کی ہو اسے بدل کر دوسری شے لینی جائز نہیں، تو کل یا بعض پیسوں کے عوض میں دونی چونی اٹھنی وغیرہا نہیں لے سکتا بلکہ خاص پیسے ہی لئے جائیں گے،

لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام لاتاخذ الاسلمك اوراس مالك ای الاسلمك حال قیام العقد اوراس المال عند انفساخہ فامتنع الاستبدال[2] اھ درمختار۔

کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سوائے اپنے مسلم (مسلم فیہ) یا راس المال کے کچھ مت لے یعنی اگر عقد قائم رہے تو مسلم فیہ اور اگر عقد فسخ ہوجائے تو راس المال لے لے، چنانچہ بدلے میں کوئی اور چیز لینا ممتنع ہوا اھ درمختار۔ (ت)

نہ یہ روا ہے کہ اپنے قبضہ میں آجانے سے پہلے اس میں کوئی تصرف مثل بیع وغیرہ کیا جائے تو عمرو کا باجازت زید خواہ بلااجازت پیسے بیچ کر روپے وغیرہ ان کے بدلہ کی کوئی شے زید کو دینا درست نہیں نہ زید اسے لے سکتا ہے،

فی الدرالمختار لایجوز التصرف للمسلم الیہ فی راس المال ولا لرب السلم

درمختار میں ہے کہ قبضہ سے پہلے مسلم الیہ کے لئے راس المال میں اور رب السلم کے لئے مسلم فیہ

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۸

[2] " " " " ۲/ ۴۹

فی المسلم فیہ قبل قبضہ بنحو بیع وشرکۃ[1]. میں تصرف جیسے بیع اور شرکت ناجائز ہے۔

و اللہ تعالٰی اعلم۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۳۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین بیچ اس مسئلہ کے مثلاً زید نے بکر کو دس روپے دیئے اس شرط پر کہ آئندہ فصل میں فی روپیہ بیس سیر گندم لوں گا خصوص شرط مذکور پر زید نے فصل مقررہ پر گندم وصول کئے فصل معین میں گندم فی روپیہ ۵ مار فروخت ہوتے ہیں تو زید کو پندرہ سیر گندم جو کہ خلاف نرخ مل رہے ہیں یہ جائز ہے یا ناجائز؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اگر یہ روپے زید نے بکر کو قرض دیئے تھے اور شرط یہ کی کہ آئندہ فصل میں فی روپیہ بیس سیر گیہوں لیں گے تو یہ ناجائز اور حرام ہے اور اگر روپیہ گیہوؤں کو قیمت قرار دے کر دیئے تھے تو اس کہنے سے کہ بیس سیر گندم لوں گا بیع نہ ہوئی نرا وعدہ ہوا اب جب گیہوں موجود ہوئے بکر اگر اس بھاؤ پر نہ دے تو اسے اختیار ہے زید جبر نہیں کرسکتا اور اپنی خوشی سے بکر دے تو حلال ہے اور اگر اس وقت گیہوں کی بیع کرلی کہ اس نے کہا بیچے اور اس نے کہا خریدے تو بیع سلم کی سب شرطیں اگر کرلی ہیں اور وہ متحقق ہیں تو جائز ہے اور فی روپیہ دس من زیادہ ملے تو حلال عـہ ہے ورنہ حرام۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۳۱: از میرانپور کٹرہ ضلع شاہجہانپور مسئولہ محمد صدیق بیگ صاحب ۲۵ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک اسامی کو پانچ روپے دے دیے ہیں اور اس سے یہ قرار پایا ہے کہ بیساکھ میں ساڑھے چار روپے من فرد چنے دیں گے یہ بیع کیسی ہے؟

الجواب

یہ صورت بیع سلم کی ہے اور اس میں بارہ ۱۲ شرطیں ہیں جن کی تفصیل ہمارے فتاوٰی ف میں ہے ان میں سے ایک بھی کم ہو تو حرام ہے اور سب جمع ہوں تو جائز، اور اگر وہ اسامی مسلمان نہیں تو جو معاہدہ اس سے ٹھہر جائے حرج نہیں کما مر مرارا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

عـہ اصل میں اسی طرح ہے ہونا چاہئے "تو بھی حلال ہے۔"

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۸

ف: تفصیل کے لئے جلد ہذا میں مسئلہ ۲۲۳ ملاحظہ ہو۔

مسئلہ ۲۲۲ ازموضع خورد مئو ڈاکخانہ بدوسرائے ضلع بارہ بنکی مرسلہ صفدر علی صاحب ۶ ربیع الاول ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ روپیہ اس شرط پر کسی کو دینا اور مال لینا جائز ہے کہ فصل میں جو نرخ ہوگا ہم فلاں غلہ لیں گے۔

الجواب

فلاں غلہ لیں گے، یہ تو ایک وعدہ ہے کوئی عقد نہیں ہے اس کی پابندی پر جبر نہیں ہوسکتا اُسے اختیار ہے کہ روپیہ پھیر دے اور غلہ نہ دے، اور اگر عقد بیع کیا تو بیع سلم ہے اس کی بارہ[ف] شرطیں اگر جمع ہیں حلال ہیں ورنہ حرام، اور اس طور پر کہ فصل کے نرخ پر بیچا خریدا مطلقاً حرام ہے کہ وہ مجہول ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۳ ازشہر مرسلہ شوکت علی صاحب ۱۴ جمادی الآخر ۱۳۳۷ھ

کیا حکم ہے اہل شریعت کا اس مسئلہ میں کہ زید کچھ روپیہ دہقانوں کو فصل سے پہلے اس شرط پر تقسیم کردیتا ہے مثلاً جس وقت روپیہ دیا اس وقت گندم خواہ کوئی غلہ ۱۰ مار کا تھا اور اس نے ۱۴ مار فی روپیہ نرخ ٹھہرا کر روپیہ دے دیا اب فصل پر خواہ کوئی نرخ کم و بیش ۱۴ مار سے ہو لیکن وہ فی روپیہ ۱۴ مار کے حساب سے غلہ لے گا، عمرو کہتا ہے کہ تُو نے سود لیا کیونکہ نرخ سے زیادہ ٹھہرالیا۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

یہ صورت بیع سلم کی ہے اگر اس کے سب شرائط پائے گئے تو بلاشبہہ جائز ہے اور کسی طرح سود نہیں اگرچہ دس سیر کی جگہ دس من قرار دے، ہاں اگر جبر ہے تو حرام ہے اگرچہ دس سیر کی جگہ سیر ہی بھر لے،

لقولہ تعالٰی الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم[۱]۔ اللہ تعالٰی کے اس ارشاد کی وجہ سے، مگر یہ کہ ہو تمہارے درمیان تجارت تمہاری باہمی رضامندی سے۔ (ت)

اور اگر بیع رضامندی سے ہوئی مگر کوئی شرط رہ گئی مثلاً غلہ کی جنس یا نوع یا صفت یا وزن کی تعیین نہ ہوئی یا وُہ چیز ٹھہری جو اس وقت سے وقتِ وعدہ تک ہر وقت بازار میں موجود نہ رہے گی یا میعاد مجہول رکھی یا اسی جلسہ میں روپیہ تمام وکمال ادا نہ کردیا تو ضرور حرام و سود ہے اگرچہ نرخ بازار سے کچھ زیادہ نہ ٹھہرا ہو اور اگر خریدم و فروختم (میں نے خریدا اور میں نے فروخت کیا۔ ت) کا مضمون درمیان نہ آیا مثلاً اس نے

---

[۱] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

ف: یہ بارہ شرطیں جلد ہذا کے مسئلہ ۲۲۳ کے تحت مندرج ہیں۔

کہا کہ روپیہ کے چودہ سیر لیں گے اس نے کہا دوں گا تو یہ نہ سود ہے نہ حرام، نہ اس کے لئے کسی شرط کی حاجت نہ اسے اس پر مطالبہ پہنچے، اس کی خوشی پر ہے چاہے دے یا نہ دے کہ یہ سرے سے بیع ہی نہ ہوئی نرا وعدہ ہوا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۳۴ و ۲۳۵: از گھنگاہ میوبندہ باغات ضلع جورہاٹ آسام مسئولہ عبیداللہ ۱۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ:

(۱) زید نے بکر کو دو روپے دیئے اور غلہ کا دینا بروقت درو زراعت بہ تعیین وزن مثلاً فی روپیہ کا بیس سیر دھان، اور حال یہ ہے کہ اس وقت بازار کے نرخ سے دوچند ہوتا ہے اب یہ بیع شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۲) زید نے دس بیگھہ زمین خرید کر زراعت کار کو خزانہ پر دیا ہے مگر خزانہ کا روپیہ نقد نہیں وصول کیا یہ بندوبست کیا کہ جب خزانہ کا روپیہ کے ہر روپیہ میں بعد درو زراعت بیس پورے کرکے دھان لوں گا اب یہ بھی نرخ بازار سے دوچند ہوتا ہے، یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) یہ صورت بیع سلم کی ہے اگر اس کی سب شرطیں ادا ہوئیں جائز ہے ورنہ حرام منجملہ ان شرائط کے میعاد معلوم ہو کہ ایک مہینہ سے کم نہ ہو اور وقت درو میعاد غیر معلوم ہو کہ آگے پیچھے ہوتا رہتا ہے لہذا صورت مذکور ناجائز و حرام ہوئی۔ درمختار میں ہے:

لایصح البیع الی الحصاد والدیاس والقطاف لانہا تتقدم وتتاخر[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

فصل کاٹنے، گاہنے اور پھل چننے کی میعاد پر بیع کرنا صحیح نہیں کیونکہ ان میں تقدم و تاخر ہوتا رہتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۲) یہ صورت پہلی سے بھی زیادہ حرام ہے

لانہ بیع الکالئ بالکالئ وقد نہی عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[2]، واللہ تعالٰی اعلم۔

کیونکہ یہ ادھار کی ادھار سے بیع ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷

[2] سنن الدارقطنی " حدیث ۲۶۹ نشر السنۃ ملتان ۳/ ۷۱

مسئلہ ۲۳۶ از موضع گمگورہ ڈاکخانہ سندر گنج ضلع رنگپور مرسلہ منشی سفیرالدین صاحب ۲۶ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

زید نے بکر کے پاس ۲۳ من پٹوا دینے کی شرط پر معہ روپے لئے جب موسم پٹو آیا تو بکر نے اپنے دیے ہوئے روپے کے عوض پٹوا مانگا اس وقت زید پٹوا دینے سے مجبور رہا اور قرض ادا کرنے کے خیال سے اپنے دو بیل فروخت کرنے پر آمادہ ہوگیا یہاں تک کہ ایک بیل کو فروخت کردیا قیمت اس کی پچاس روپے ہوئی، اس بیل کی فروخت کی بات بکر نے سنتے ہی زید کو کہا اگر بیل کو فروخت کرنا چاہتے ہو تو وہ بیل ہم کو دو، تب زید نے فروخت کیا ہوا ۵۰ روپے قیمت والا بیل ۴۵ روپے قیمت مقرر کرکے اور دیگر ایک بیل ۲۵ روپے قیمت کیے ہوئے بیل کو ۲۰ روپے مقرر کرکے پہلے خریدار سے واپس لاکر بکر کو دے دیا اور بکر نے رسید بھی لے لی اور زید نے ۲۰ روپے نقد بھی دے دئے تھے جبکہ زید نے دو بیل دیے اور عـــہ بھی دیے تو اب مبلغ عـــہ روپے ہوئے اصل سے عـــہ روپے زیادہ ہوتے ہیں اب مطلب یہ ہے کہ بیع سلم صحیح ہوئی یا کہ نہیں اور اس زیادہ روپے کا کیا حکم ہے؟

الجواب

بیع سلم صحیح تھی اگر سب شرائط جمع ہولئے تھے مگر جبکہ وہ پٹوا دینے سے عاجز آیا اور روپیہ واپس دینا قرار پایا تو بکر پر فرض تھا کہ صرف وہی عـــہ روپے واپس لے ان کے عوض بیل لئے یہ حرام، پندرہ روپے زیادہ لئے یہ حرام اور نرا سُود،

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتأخذ الا سلمك اورأس مالك[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ سوائے اس چیز کے جس میں تُو نے عقد سلم کیا (مسلم فیہ) یا سوائے راس المال کے کچھ مت لے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۳۷ تا ۲۳۹ از کچھوچھہ شریف مرسلہ مولانا مولوی سید محمد صاحب سلمہ ۹ صفر ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں:

(۱) زید نے بکر کو ایک من گیہوں و ایک آنہ پیسہ دے کر کہا کہ ایک من گیہوں تم کو بلا معاوضہ چیزے دیتا ہوں اور ایک آنہ پیسہ کے عوض فلاں مہینہ میں گیہوں اوسط درجہ کا یا کہا کہ عمدہ ایک من بیس شار لوں گا۔

(۲) زید نے بکر کو ایک گنی دے کر کہا کہ فلاں مہینہ میں دو نوٹ دس دس روپیہ کا لوں گا یا بیس روپیہ کے

---

[1] تبیین الحقائق | کتاب البیوع | باب السلم | المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر | ۴/ ۱۱۷
درمختار | " | " | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/ ۴۹

پیسے لوں گا۔

(۴) زید نے بکر کو دس روپیہ قرض دیا کہ بعد ایک سال کے ادا کردے اور ایک آنہ پیسہ دیا کہ اس کے عوض بعد ایک سال کے دو روپیہ دے، یہ تینوں صورتیں شرعاً جائز ہیں یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

(۱) ایک من گیہوں دینا نہ دینا کچھ ضرور نہیں جملہ شرائط بیع سلم کا تحقق ضرور ہے جن کی تفصیل و تمثیل ہمارے فتاوٰی میں ہے ان میں سے ایک بھی کم ہے تو حرام ہے،

لانہ بیع معدوم لم یرد الشرع بجوازہ وقد نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن بیع ما لیس عندہ[1]۔

کیونکہ یہ معدوم کی بیع ہے جس کے جواز پر شرع وارد نہیں ہوئی اور بتحقیق رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس چیز کی بیع سے منع فرمایا جو بائع کے پاس موجود نہ ہو۔ (ت)

اور اگر شرائط مجتمع ہوں تو جائز ہے اگرچہ ایک پیسہ کو ہزار من گیہوں خریدے،

قال اللہ عزوجل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم[2]، وقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم[3]۔

اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا مگر یہ کہ ہو تمہارے درمیان تجارت باہمی رضامندی سے۔ اور رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جب بدلین مختلف نوعوں کے ہوں تو جیسے چاہو بیچو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی الذخیرۃ اذا اخذ الخبز مفرقا ینبغی ان یبیع صاحب الحنطۃ خاتما او سکینا من الخباز بالف من الخبز[4]۔

ذخیرہ میں ہے کہ اگر کوئی شخص (گندم اکٹھی دے کر اس کے بدلے میں) روٹیاں متفرق طور پر لینا چاہے تو گندم والے کو چاہئے کہ وہ انگوٹھی یا چھری ہزار روٹیوں کے بدلے میں روٹیاں پکانے والے کے ہاتھ فروخت کرے (پھر روٹیوں والا گندم والے کے

---

[1] درمختار | کتاب البیوع | باب البیع الفاسد | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/ ۲۴
[2] القرآن الکریم ۴/ ۲۹
[3] نصب الرایہ | کتاب البیوع | المکتبۃ الاسلامیۃ الریاض | ۴/ ۴
[4] ردالمحتار | باب الربٰو | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۴/ ۱۸۶

ہاتھ وہ انگوٹھی یا چھری گندم کی مطلوبہ مقدار کے عوض بیچ کر گندم لے لے)۔ (ت)

غمز العیون والبصائر میں ہے:

جواز بیع المقرض من المستقرض مما یساوی طسوجا بعشرۃ دنانیر فانہ علی وفاق الدلیل لانہ بیع موجود مملوک لہ بالقاضی[1]۔

قرض دینے والے کو قرض مانگنے والے کے ہاتھ دو رتی برابر کوئی چیز دس دینار کے عوض فروخت کرنے کا جواز دلیل کے موافق ہے کیونکہ یہ اپنی موجود ملکیت کا قاضی کے حکم سے سودا ہے (ت)

یہ سب اس حالت میں ہے کہ بیع ہو بعت اشتریت' فروختم خریدم (میں نے بیچا میں نے خریدا۔ت) کہیں' لوں گا دوں گا عقد نہیں وعدہ ہے اور اس کے لئے کوئی اثر نہیں کما بیناہ فی فتاونا (جیسا کہ ہم نے اسے اپنے فتاوٰی میں بیان کردیا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) نوٹ ہوں یا پیسے دونوں کی بیع سلم جائز ہے کہ ثمن اصطلاحی ہیں نہ خلقی، تنویر الابصار و درمختار باب السلم میں ہے:

(یصح فیما امکن ضبط صفتہ ومعرفۃ قدرہ کمکیل وموزون) خرج بقولہ (مثمن) الدراھم والدنانیر لانہا اثمان فلم یجز فیہا السلم (وعددی متقارب کجوز وبیض وفلس[2]۔

عقد سلم اس چیز میں صحیح ہے جس کی صفت کو ضبط کرنا اور اس کی مقدار کو پہچاننا ممکن ہو جیسے کیلی چیز اور ایسی وزنی چیز جو مثمن یعنی مبیع بنے' اس قید سے دراہم ودنانیر خارج ہوگئے کیونکہ وہ ثمن ہیں جن میں بیع سلم جائز نہیں، اور ایسی چیز جو عددی متقارب ہو جیسے اخروٹ' انڈے اور پیسے (ت)

شرائط بیع سلم موجود ہوں اور ایجاب وقبول ہو' لوں گا دوں گا کوئی چیز نہیں، واللہ تعالٰی اعلم

(۳) ایسی بیع حرام ہے کہ یہ روپے کی بیع سلم ہوگی اور وہ جائز نہیں کما تقدم انفا عن الدر المختار (جیسا کہ ابھی ابھی درمختار کے حوالہ سے گزرا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۴۰: از کرتولی ضلع بدایوں مرسلہ جناب مولوی محمد رضا خاں صاحب ۲۰ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

بیع سلم بحساب فی روپیہ ۱۲ سیر ربیع گزشتہ میں ولید سے کہ کافر ہے قرار پائی اب خریف

---

[1] غمز عیون البصائر الفن الاول بیان ان المعتبر العرف العام لا الخاص ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۳۵

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۷

موجودہ میں عمرو کو جس کا روپیہ تھا وہ جنس طے شدہ نہیں دیتا عمرو اگر یہ کرے کہ جس قدر گیہوں ولید کا فرادر زید مسلمان کے ذمہ چاہیے ہیں کسی دوسرے شخص کو اپنی ملکیت کے ہبہ کردے اور وہ شخص جس پر واجب الادا ہے عمرو کو خرید کر شخص موہوب لہ کو دے دے یہ جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب

بیع سلم میں حکم ہے کہ جنس قرار یافتہ لے یا جتنا روپیہ دیا تھا واپس لے دوسری چیز عوض میں لینا حرام ہے ہاں اگر بائع کے پاس گیہوں نہیں اور مشتری اپنے پاس سے گیہوں ثالث کو ہبہ کردے پھر بائع اس ثالث سے خرید کر مشتری کے مطالبہ میں دے تو جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۴۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک کھنڈساری نے ایک موضع کا رس وہاں کے اسامیوں سے ۲۵ روپیہ کے نرخ سے خریدا اور روپیہ دے دیا پھر اس کھنڈساری نے اپنے رس خریدے ہوئے کو وہاں کے زمیندار کے ہاتھ فروخت کردیا ۲۵ روپیہ کے حساب سے اور کچھ نفع یا نقصان نہیں ہوا۔ پھر زمیندار نے کوشش کی کہ میرا رس کوئی شخص خرید لے اور دوسرے کھنڈساریوں نے ۲۸ روپے تک لگائے جب زمیندار نے دیکھا کہ مجھ کو ۲۸ روپیہ سے زائد نہیں ملتا تو اس نے اپنے اسامیوں سے کہا کہ تم لوگ اپنے اپنے رس کا گڑ بنا لو میرا روپیہ ۳۰ روپیہ کے نرخ حساب سے مجھ کو ادا کردینا پہلے بائع کو معلوم ہے کہ اس میں اختلاف ہے مگر یہ معاہدہ زمیندار کا اسامیوں سے کہ ۳۰ روپیہ کے حساب سے ادا کردینا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا بالدلیل توجروا عند الجلیل (دلیل کے ساتھ بیان کریں جلال والے اللہ تعالٰی کے ہاں اجر دئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب

پہلی دوسری تیسری یہ سب بیعیں ناجائز و حرام ہوئیں جبکہ رس موجود ہونے سے پہلے عمل میں آئیں جیسا کہ یہاں دستور ہے۔ حدیث میں ہے:

نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن بیع مالیس عندہ[1] اما ما رخص فی السلم فلہ شرائط منھا عدم انقطاع المسلم فیہ یوم العقد الی یوم الوعد۔

رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے اس چیز کی بیع سے منع فرمایا جو بائع کے پاس موجود نہ ہو۔ بیع سلم میں جو رخصت دی گئی ہے تو اس کے لئے کچھ شرطیں ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ مسلم فیہ عقد والے دن سے لے کر وعدہ والے دن تک بازار سے منقطع نہ ہو۔ (ت)

---

[1] درمختار باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۴

اور خاص تیسری بیع اگر رس کے وجود پر بھی ہوئی تو ناجائز ہے

لان المشتری فاسد الایملك قبل القبض وبعدہ ایضا لایرتفع الاثم، و اللہ تعالٰی اعلم۔

کیونکہ بیع فاسد کے ساتھ خریدی ہوئی چیز مملوک نہیں بنتی قبضہ سے اور بعد بھی اس کا گناہ مرتفع نہیں ہوتا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۳۲ از پیلی بھیت محلہ شیر محمد مرسلہ شیخ نادر حسین صاحب ۲۳ جمادی الآخر ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع مبین اس مسئلہ میں کہ فی زمانہ جیسا رواج رس نیشکر کے فروخت کا ہے کہ ادھر کھیت میں درخت نمود ہوئے ادھر اس وقت کے نرخ بموجب پیشگی روپیہ دے دیا آیا کسی حیلہ شرعی سے یہ بات جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر وقت تیار ہونے نیشکر کے اس وقت کے نرخ بموجب رس خرید اجائے تو بھی جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز نہیں ہے تو ضرورت کے لئے کوئی حیلہ شرعی بھی ہے یا نہیں کیونکہ زمانہ کا رواج بہت مجبور کر رہا ہے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

نہ درختوں کے نمود پر جائز، نہ نیشکر کی تیاری پر جائز، نہ یہ جائز کہ جب رس موجود ہو جائے اور بکنے لگے اس آئندہ سال کے رس کی بیع کرلیں کہ بیع سلم میں شرط ہے کہ وہ شے وقت عقد سے وقت قرارداد تک کسی وقت بازار سے منقطع نہ ہو پہلی دو صورتوں میں تو اس وقت عقد منقطع تھا کہ ابھی تیاری سے رس بازار میں تو نہ آیا جو شرط جواز متحقق ہوا اور پچھلی صورت میں اگرچہ رس وقت عقد موجود ہے مگر وقت قرارداد یعنی آئندہ سال تک موجود نہ رہے گا چند روز بعد بازار سے ختم ہو جائے گا ہمارے تمام ائمہ مذہب کا ان سب صورتوں کے ناجائز و حرام ہونے پر اجماع ہے متون و شروح و فتاوٰی ان کی تحریر سے مالامال ہیں ہمیں خلاف مذہب فتوٰی دینے کی کسی طرح اجازت نہیں، ہاں اگر رس کہیں تیار ہو گیا کہیں ابھی ایکھ کھڑی ہے ایسے زمانہ میں جن کے یہاں ہنوز رس نہیں ان سے رس کی بیع سلم کر لینا بلاشبہہ جائز ہے جبکہ وعدہ اتنی قریب مدت کا کیا جائے جس میں اس سال کا رس بازار میں سے ختم نہ ہونے پائے۔ بحرالرائق و درمختار میں ہے:

مایکتب فی وثیقۃ السلم من قولہ جدید عامہ مفسد لہ ای قبل وجود الجدید اما بعدہ فیصح کما لایخفی[1]۔

وہ جو عقد سلم کے وثیقہ میں لکھا جاتا ہے کہ اس سال کی جدید (گندم) تو یہ جدید کے موجود ہونے سے مفسد عقد ہے لیکن اس کے موجود ہونے کے بعد صحیح ہے۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۸
بحرالرائق کتاب البیع باب السلم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۶۰

اور اس تیاری وغیر تیاری میں کچھ گاؤں یا پرگنہ یا ضلع کا اتحاد بھی شرط نہیں بلکہ اگر اس ضلع بھر میں ابھی کہیں رس بلکہ گنا بھی تیار نہیں اور دوسرے ضلع میں رس بکنے لگا ہے تو جہاں ہنوز معدوم ہے وہاں والے بھی بیع سلم کرسکتے ہیں جبکہ ان دونوں ضلعوں میں اتنا بُعدِ عظیم نہ ہو کہ ان کے یہاں کی ایکھ ماری جائے یا رس پر کوئی آفت آئے تو وہاں سے رس منگا کر دینے میں سخت شدید مشقت ہو جیسے ہندوستان میں ابھی مفقود ہے اور مثلاً مصر یا برہما میں تیار ہوگیا تو ایسی تیاری پر ہندوستان میں اس کی بیع سلم حلال نہیں۔ درمختار میں ہے:

لو انقطع فی اقلیم دون اٰخر لم یجز فی المنقطع[1]

اگر ایک ملک میں مسلم فیہ نایاب ہے دوسرے میں نہیں تو جہاں نایاب ہے وہاں سلم جائز نہیں (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای المنقطع فیہ لانہ لایمکن احضارہ الا بمشقۃ عظیمۃ فیعجز عن التسلیم، بحر[2]

یعنی جس ملک میں نایاب ہے کیونکہ سوائے سخت مشقت کے وہاں سے لانا ممکن نہیں لہٰذا تسلیم سے عجز لازم آئے گا، بحر (ت)

یہ سب اس صورت میں ہے کہ واقع میں وہ عقد بیع شرعی ہو بعض دستاویزیں رس کی جو آج کل دیکھنے میں آئیں اُن کا مضمون یہ ہے کہ (چونکہ مبلغ اس قدر یافتنی فلاں بن فلاں کے میرے ذمہ واجب الادا ہیں اقرار کرتا ہوں اور لکھے دیتا ہوں کہ بعوض مبلغان مذکور کے مال اس کاشت ۱۳۰۰ف جس کا پیداوار ۱۳۰۱ف میں ہوگا وقت تیار ہوجانے بیل کے اس نرخ سے فلاں ماہ تک ادا کروں گا اپنے خرچ میں کسی طرح نہ لاؤں گا) اور سُنا گیا کہ عام دستاویزیں اسی مضمون کی ہوتی ہیں اگر فی الواقع زبانی بھی کلمات بیع درمیان نہیں آتے نہ وہ کہتا ہے کہ میں نے رس تیرے ہاتھ بیچا، نہ یہ کہتا ہے کہ میں نے خریدا بلکہ اسی قسم کی گفتگو ہوتی ہے تو اسے بیع سے اصلاً علاقہ نہیں، یہ تو ایک وعدہ و اقرار ہے کہ زرِ مطالبہ اس راہ سے ادا کروں گا، یہ صورت فی نفسہٖ جواز کی تھی، اگر کسی کا کسی پر کچھ قرض آتا ہو اور مدیون برضائے خود وعدہ کرلے کہ اس کے بدلے میں تجھے فلاں چیز اس نرخ سے دوں گا تو اس میں کوئی حرج نہیں جس وقت دے گا اس وقت بعوض اس قرض کے بیع ہوجائے گی' اس طریقہ میں نہ پہلے سے کسی قرارداد کی حاجت نہ کوئی شرط درکار' فقط اتنا چاہیے کہ دیتے وقت انھیں باہم معلوم ہو کہ اس بھاؤ پر دی گئی۔ فتاوی علامہ خیرالدین رملی میں ہے:

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۷

[2] ردالمحتار " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۰۵

سئل فی رجل استلم من اٰخر الفی قرش دینا و وعدہ ان یعطیہ بھا زیتا بالسعر الواقع یوم کذا فلما جاء الیوم الموعود وکان سعر الزیت معلوما فیہ ارسل یطلبہ منہ فارسل بہ زیتا ھل یکون بیعا بالسعر المعلوم یومئذ ام لا یکون بیعا وللمدیون طلب الزیت (اجاب) نعم یکون بیعا نافذا والحال ھذہ کما صرح بہ فی مجمع الفتاوٰی والقنیۃ والمجتبٰی معزیا الی النصاب وقد افتی بذٰلک المرحوم صاحب منح الغفار (الٰی قولہ) والاصل فی ذٰلک ان البیع عندنا ینعقد بالتعاطی فافھم واللہ تعالٰی اعلم[1] ورأیتنی کتبت علی ھامشہ مانصہ اقول انما انعقد بالتعاطی لان الذی جرٰی بینھما من قبل انما کان وعدا اما لوکان ذٰلک عقدا لما صح لعدم اجتماع شرائط السلم کما لایخفی واذا لم یصح ذٰلک لم یجز التعاطی المبنی علیہ کما صرح بہ فی البحر والدر وغیرھما۔

اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے دوسرے سے دو ہزار (ترکی سکّے) قرش بطور قرض وصول کئے اور وعدہ کیا کہ اس کے بدلے فلاں دن روغنِ زیتون دوں گا اس بھاؤ پر جو اس دن ہوگا۔ پھر جب وعدے کا دن آگیا اور اس دن زیتون کا بھاؤ معلوم تھا چنانچہ قرض دہندہ نے مدیون سے روغنِ زیتون مانگ بھیجا اور اس نے روغنِ زیتون بھیج دیا تو کیا یہ اس دن کے معلوم بھاؤ پر بیع ہوگی یا نہیں ہوگی اور مدیون کو روغنِ زیتون واپس مانگنے کا حق ہوگا؟ آپ نے جواب دیا ہاں بیع نافذ ہوگی اور حال یہی ہے جیسا کہ نصاب کی طرف منسوب کرتے ہوئے مجمع الفتاوٰی، قنیہ اور مجتبٰی میں اس کی تصریح کی گئی ہے اور تحقیق اسی پر مرحوم صاحبِ منح الغفار نے فتوٰی دیا (اس کے اس قول تک کہ) اور اس میں اصل یہ ہے کہ ہمارے نزدیک تعاطی (باہمی لین دین) کے ساتھ بیع منعقد ہوجاتی ہے پس سمجھ اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے اھ مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے اس پر یوں حاشیہ لکھا میں کہتا ہوں کہ تعاطی سے صرف اس لئے بیع منعقد ہوئی کہ جو گفتگو اس سے پہلے ان کے درمیان ہوچکی تھی وہ وعدہ تھا لیکن اگر وہ عقد ہوتا تو صحیح نہ ہوتا کیونکہ اس میں عقد سلم کے شرائط جمع نہیں ہیں جیسا کہ پوشیدہ نہیں، تو جب یہ عقد صحیح نہیں تو تعاطی بھی جائز نہیں جس کی بناء اسی عقد پر ہے جیسا کہ بحر اور دُرّ وغیرہ میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب البیع باب السلم دارالمعرفۃ بیروت ۱/۲۲۵

مگر یہاں اور دقّت درپیش ہے یہ صورت یُوں نہیں کہ پہلے سے بسبب قرض وغیرہ کسی پر کچھ دَین آتا تھا جس کے عوض کوئی شَے دیگر لینا نہ قرار پایا تھا اس کے بعد مدیون نے بطور خود وعدہ کرلیا کہ میں بعوض دَین یہ شَے دوں گا یہاں تو وُہ روپیہ اسی لئے دیا جاتا ہے کہ اس کے عوض رس لیں گے اور اسی بنا پر لیتا ہے تو اگرچہ بیع نہ سہی مگر قرض کے ذریعہ سے نفع حاصل کرنا ہُوا اور وُہ سود ہے، حدیث میں ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کل قرض جر منفعة فھو ربا[1]۔ جو قرض نفع کھینچے وُہ سود ہے۔ (ت)

اب اس عقد کا حاصل یہ ہُوا کہ اتنا روپیہ تجھے قرض دیتا ہُوں اس شرط پر کہ تو اس کے عوض مجھے اتنا رس دے قرض اگرچہ شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا بلکہ وُہ شرط ہی باطل ہوجاتی ہے

علی ما فی الدر و متنه عن الخانیة القرض لایتعلق بالجائز من الشروط فالفاسد منها لایبطله ولکنه یلغو شرط رد شیئ اٰخر فلو استقرض الدراھم المکسورة علی ان یؤدی صحیحا کان باطلا وکذا لو اقرضه طعاما بشرط ردہ فی مکان اٰخر وکان علیه مثل ما قبض[2] الخ۔

اس بنا پر جو دُر اور اس کے متن میں خانیہ سے منقول ہے کہ قرض جائز شرط کے ساتھ متعلق نہیں ہوتا تو فاسد شرط قرض کو باطل نہیں کرتی لیکن دوسری شَے لوٹانے کی شرط لغو ہوجاتی ہے، چنانچہ اگر کسی نے ٹوٹے درہم قرض لئے اس شرط پر کہ صحیح درہم واپس کرے گا تو یہ شرط باطل ہے اور یوں ہی اگر کسی کو اناج قرض دیا اس شرط پر کہ دوسرے شہر میں واپس لوٹائے گا، اس صورت میں مقروض پر واجب ہے کہ جیسی چیز اس نے قرض لی تھی ویسی ہی واپس لوٹائے الخ (ت)

مگر ایسا قرض خود ہی معصیت وحرام ہے

فی الدر عن الخلاصة القرض بالشرط حرام والشرط لغو بان یقرض علی ان یکتب به الی بلد کذا

دُر میں خلاصہ سے منقول ہے کہ شرط کرکے قرض دینا حرام ہے اور شرط لغو ہے جیسے کوئی شخص اس شرط پر قرض دے کہ مقروض اس کو فلاں شہر کی طرف

---

[1] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ موسسة الرسالة بیروت ۶/ ۲۳۸

[2] درمختار کتاب البیوع باب القرض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۰

لیوفی دینہ[1] الخ۔ لکھ دے تاکہ وہاں اس کا قرض ادا کیا جائے الخ (ت)

اور یہاں صراحۃً شرط نہ بھی کریں تاہم بحکم عرف اس کا مشروط ہونا قرض دینے لینے والے دونوں پر ظاہر و آشکار ہوتا ہے

والمعہود عرفا کالمشروط لفظا فی رد المحتار من اٰخر الحوالۃ عن الفتح عن الواقعات قالوا انما یحل ذلک عند عدم الشرط اذا لم یکن فیہ عرف ظاہر فان کان یعرف ان ذلک یفعل کذلک فلا[2]۔

جو عرف میں معہود ہو وہ ایسے ہی ہے جیسے لفظاً شرط لگائی گئی ہو رد المحتار میں باب الحوالہ کے آخر میں فتح سے بحوالہ واقعات منقول ہے فقہاء نے کہا ہے کہ عدمِ شرط کے وقت یہ قرض اس وقت حلال ہے جب اس میں (دوسرے شہر کی طرف لکھنے کا) عرف ظاہر نہ ہو چنانچہ اگر معروف ہے کہ وہ ایسا کرے گا تو حلال نہیں۔ (ت)

غرض یُوں بھی جواز حاصل نہ ہُوا، ہاں اس کی صورت یہ ہے کہ جس قدر کا رس خریدنا ہو اتنے روپوں کے عوض اپنی کوئی چیز اس کاشتکار کے ہاتھ ایک قریب وعدہ پر بیچے مثلاً کہے میں نے یہ شَے تیرے ہاتھ سَو روپے کو بیچی اس شرط پر کہ یہ روپے ایک گھنٹہ کے بعد ادا کئے جائیں گے وہ کہے میں نے خریدی اس سے زائد کوئی رس وغیرہ کا ان لفظوں میں نہ ہو پھر وہ شَے مبیع اس کاشتکار کے قبضہ میں دے دے اور اس سے زرِ ثمن نہ لے جب وہ قابض ہوجائے اسی چیز کو اب کاشت کار اس بائع کے ہاتھ سَو روپے پر بیع کرے اور اس میں کوئی میعاد ادائے ثمن مقرر نہ کرے یہ خریدے اور اسی وقت کاشتکار کو روپے دے کر شَے مبیع لے لے، یہ بیع ثانی اور اس کے روپے ادا کرنے کی کارروائی اس مدت وعدہ سے پہلے ہولے جس مدت تک کاشتکار کے لئے بیع سابق میں ثمن مؤجل کیا ہے مثلاً وہاں ایک گھنٹہ کا وعدہ ٹھہرا تھا تو یہ کارروائی گھنٹہ گزرنے سے پہلے ہولے وعلٰی ہذا القیاس، اور بہت ضرور ہے کہ ان دونوں بیعوں سے حقیقۃً خرید و فروخت کا قصد کریں فقط فرضی طور پر نہ ہوں اب اس کی چیز تو اس کے پاس واپس آئی اور کاشتکار کو سو روپے مل گئے اور اس کے سَو روپے اس کے ذمہ پر دین رہے، جب گھنٹہ یا میعاد جو قرار پائی تھی گزر جائے یہ اپنے اس دین کا کاشتکار سے مطالبہ کرے وہ کہے گھڑی بھر میں تیرا دین دیتا ہوں اگر نہ دوں تو معاہدہ کرتا ہوں کہ اس دین کے عوض فلاں مہینے میں اس نرخ سے اتنا رس ادا کروں گا بعدہٗ اسی

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب القرض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۰

[2] رد المحتار کتاب الحوالہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۹۶

مضمون کا اقرار نامہ لکھا جائے جیسا کہ کھنڈساری میں رائج ہے جس کی نقل عبارت اوپر گزری اس طور پر تو بیع سلم ہوئی جس میں اس شے کا بازار میں ہونا مشروط ہو تا نہ قرض ہوا جس سے انتفاع مشروط حرام ٹھہرتا بلکہ بذریعہ بیع صحیح ایک دین اس کاشتکار پر لازم ہوا بعدہٗ اس دین کی نسبت یہ وعدہ و معاہدہ قرار پایا بیع سابق کے بعد جو یہ قرار داد ہوئی اس عقد کی شرط نہ ٹھہرے گی کہ بوجہ شرط فاسد بیع فاسد ہو کر پھر گناہ لازم آئے

کیونکہ یہ سرے سے شرط ہی نہیں بلکہ نیا وعدہ ہے، تحقیق ردالمحتار میں بحوالہ بحر فرمایا کہ اگر اس نے بطور وعدہ اس کو ذکر کیا تو بیع فاسد نہ ہوگی اور اس کی صورت جیسا کہ ولوالجیہ میں ہے یُوں ہے کہ بائع نے کہا تو انگور کے خوشے) خرید لے میں (باغ کی) دیواریں بنادونگا اھ، میں کہتا ہُوں کہ ہندیہ میں بحوالہ ظہیریہ امر کے صیغہ کے ساتھ ہے یعنی "اشتر" (تو خرید)، یہ اس وعدے کے بارے میں ہے جو عقد سے مقترن ہو اگر اس سے جدا ہو تو کیسے بیع فاسد ہوسکتی ہے تو یہ صحت بیع کو بالاجماع ثابت کرتی ہے، اور اگر تسلیم کرلیا جائے (کہ یہ شرط ہے) تو شرط موخر صاحبین کے نزدیک اصل عقد کے ساتھ لاحق نہیں ہوئی، اور امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ایک روایت میں یوں ہی ہے اور ان سے منقول دوسری روایت میں ہے کہ لاحق ہوتی ہے، تحقیق دونوں روایتوں کی تصحیح کی گئی ہے، اور جب تصحیحیں مختلف ہوجائیں تو تجھے اختیار ہے ان میں سے جس پر چاہے عمل کرے خصوصاً وہ تصحیح جس پر صاحبین بھی امام اعظم سے متفق ہوں رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، ردالمحتار

فانہ لیس بشرط بل وعد مستأنف و قد قال فی ردالمحتار ذکر فی البحر انہ لو اخرجہ مخرج الوعد لم یفسد و صورتہ کما فی الولوالجیۃ قال اشتر حتی ابنی الحوائط[1] اھ قلت والذی فی الھندیۃ عن الظھیریۃ اشتر[2] بصیغۃ الامر فاذا کان ھذا فی الوعد المقارن فکیف فی المفارق فھذا یوجب الصحۃ اجماعا و لو سلم فالشرط المتأخر لا یلتحق باصل العقد عندھما، و فی روایۃ عنہ رضی اللہ تعالٰی عنھم و فی اخری لہ یلتحق وقد صححتا فعند اختلاف التصحیح لک العمل بایتھما شئت لاسیما ماوافق علیہ الصاحبان رضی اللہ تعالٰی عن الجمیع قال فی ردالمحتار قولہ ولا بیع بشرط اشار بقولہ

---

[1] ردالمحتار باب البیع الفاسد دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲۶

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۳۶

بشرط الى انه لابد من كونه مقارنا للعقد لان الشرط الفاسد لو التحق بعد العقد قيل يلتحق عند ابی حنيفة وقيل لا وهو الاصح كما فی جامع الفصولين فی فصل ۳۹ لكن فی الاصل انه يلتحق عند ابی حنيفة وان كان الالحاق بعد الافتراق عن المجلس وتمامه فی البحر قلت هذه الرواية الاخرى عن ابی حنيفة وقد علمت تصحيح مقابلها وهی قولهما ويؤيده ماقدمه المصنف تبعا للهداية وغيرها من انه لوباع مطلقا عن هذه الاٰجال ثم اجل الثمن اليها صح فانه فی حكم الشرط الفاسد كما اشرنا اليه هناك[1] اھ۔

میں کہا کہ ماتن نے اپنے قول "ولابیع بالشرط" میں لفظ بشرط سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ شرط کا عقد کے مقارن ہونا ضروری ہے کیونکہ شرط فاسد اگر عقد کے بعد لگائی گئی تو ایک قول یہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک عقد کو لاحق ہوگی اور ایک قول یہ ہے کہ لاحق نہیں ہوگی اور یہی زیادہ صحیح ہے جیسا کہ جامع الفصولین فصل ۳۹ میں ہے لیکن اصل میں ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک لاحق ہوگی اگرچہ اس کا الحاق مجلس سے عاقدین کے جدا ہونے کے بعد ہو اور اس کی پوری بحث بحر میں ہے۔ میں کہتا ہوں یہی امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی دوسری روایت ہے حالانکہ اس کے مقابل روایت کی تصحیح تو معلوم کرچکا ہے اور وہ صاحبین کا قول ہے اور اس کی تائید کرتا ہے وُہ جو ہدایہ وغیرہ کی اتباع میں مصنف پہلے ذکر کرچکے ہیں وہ یہ کہ اگر کسی نے مذکورہ مدتوں کا عقد میں ذکر کئے بغیر بیع کی پھر ثمن کو ان میعادوں کے ساتھ مؤجل کردیا تو بیع صحیح ہے کیونکہ یہ شرط فاسد کے حکم میں ہے جیسا کہ ہم نے وہاں اس کی طرف اشارہ کردیا اھ (ت)

اس طریقہ سے ایک اور نفع عظیم کی امید ہے وُہ دستاویز جو بطور مذکور لکھی جاتی ہیں نرا وعدہ ہی وعدہ ہوتی ہیں کہ اس شخص کو اس پر جبر کا اصلاً اختیار نہیں ہوتا اگر وہ رسن نہ دے تو یہ صرف اپنے روپے کا اس سے تقاضا کرسکتا ہے رسن کا مطالبہ نہیں پہنچتا کہ وعدہ کی وفا پر قضاءً جبر نہیں کما نصوا علیہ قاطبۃ (جیسا کہ اس پر تمام فقہا نے نص کی ہے۔ ت) اور یہ صورت جو ہم نے لکھی علماء فرماتے ہیں ایسی شکل کا وعدہ وعدۂ لازمہ ہوجاتا ہے کہ اس کے ایفا پر جبر پہنچتا ہے۔ جامع الفصولین میں ہے،

---

[1] ردالمحتار باب البیع الفاسد مطلب فی البیع بشرط فاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲۰

لوذکرا البیع بلاشرط ثم ذکرا الشرط علی وجہ العدۃ جاز البیع ولزم الوفاء بالوعد اذ المواعید قد تکون لازمۃ فیجعل لازما لحاجۃ الناس[1]

اگر بائع اور مشتری نے بغیر شرط کے بیع کا ذکر کیا پھر بطور وعدہ شرط کا ذکر کیا تو بیع صحیح ہے اور وعدہ کو پورا کرنا لازم ہے کیونکہ وعدوں کو پورا کرنا کبھی ضروری ہوتا ہے لہذا لوگوں کی حاجت کے لئے اس کے پورا کرنے کو ضروری قرار دیا جائے گا۔(ت)

فتاوٰی خیریہ میں ہے:

قد صرح علماؤنا بانہما لوذکرا البیع بلاشرط ثم ذکرا الشرط علی وجہ العدۃ جاز البیع ولزم الوفاء بالوعد[2]

ہمارے علماء نے اس بات کی تصریح فرمائی کہ اگر بائع اور مشتری نے بیع کو بلاشرط ذکر کیا پھر بعد میں شرط کا ذکر وعدہ کے طور پر کیا تو بیع جائز ہے اور وعدہ کو پورا کرنا لازم ہے(ت)

درمختار میں ہے:

لو بعدہ علی وجہ المیعاد جاز ولزم الوفاء بہ لان المواعید قد تکون لازمۃ لحاجۃ الناس وھو الصحیح کما فی الکافی والخانیۃ واقرہ خسرو ھنا والمصنف فی باب الاکراہ وابن الملک فی باب الاقالۃ[3] الخ۔

اگر عقد کے بعد شرط کا ذکر بطور وعدہ کیا تو بیع جائز ہے اور وعدہ کو پورا کرنا لازم ہے کیونکہ وعدوں کو پورا کرنا لوگوں کی حاجت کے پیش نظر کبھی لازم ہوتا ہے اور یہی صحیح ہے جیسا کہ خانیہ اور کافی میں ہے۔ خسرو نے یہاں، مصنف نے باب الاکراہ میں اور ابن الملک نے باب الاقالہ میں اس کو برقرار رکھا الخ(ت)

بزازیہ میں ہے:

اذا قال معلقا بان قال ان لم یؤد فلان فانا ادفعہ الیك ونحوہ یکون کفالۃ لما علم ان

اگر کوئی بطور تعلیق ضامن بنا بایں صورت کہ کہا اگر فلاں نے قرض کی ادائیگی نہ کی تو میں تجھے ادا کردوں گا یا اس جیسی کوئی اور صورت کی تو یہ کفالت درست ہے

---

[1] ردالمحتار بحوالہ جامع الفصولین باب البیع الفاسد دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲۰

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب البیوع باب البیع الفاسد دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۲۸

[3] درمختار " باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۸، ۵۷

الواعید باکتساء صور التعلیق تکون لازمۃ فان قولہ انا احج لایلزمہ لہ شیئ ولو علق وقال ان دخلت الدار فانا احج یلزمہ الحج[1]۔

کیونکہ تجھے معلوم ہوچکا ہے کہ وعدے تعلیق کی صورت میں لازم ہوتے ہیں چنانچہ کسی کے یوں کہنے سے کہ میں حج کروں گا اس پر کچھ لازم نہیں ہوتا اور اگر یوں کہا کہ اگر میں گھر میں داخل ہوا تو حج کروں گا یعنی تعلیق کی تو اس صورت میں (دخول دار سے) اس پر حج لازم ہوگا۔ (ت)

اہل اسلام اس نفیس طریقہ کے بجالانے میں کاہلی نہ کریں اس میں نہ کوئی خرچ ہے نہ حرج نہ دقت صرف زبانی دو تین لفظوں میں مطلب کامل مراد حاصل گناہ زائل۔ دستاویز تو لکھواتے ہی ہیں صرف اتنا زائد ہے کہ اس سے پہلے ایک چیز اس کے ہاتھ گھنٹہ بھر کے وعدہ پر بیچ کر قبضہ میں دے کر فوراً خرید لے اور روپیہ دے دے اور گھنٹہ گزرنے کے بعد دین کی نسبت اس کا وہ وعدہ لے لے اس الٹ پھیر میں نہ کچھ دقت ومحنت ہوگی نہ کوئی پیسہ خرچ ہوگا اور معصیت الٰہی سے بچ کر مال حلال ہاتھ آئے گا اللہ عزوجل توفیق بخشے، آمین!

تنبیہ: یہ قیدیں جو ہم نے ذکر کیں کہ پہلی بیع میں ثمن مؤجل ہو دوسری میں معجل اور دوسری بیع اور اس کے ثمن کا ادا کردینا پہلے ثمن کے میعاد مثلاً گھنٹہ گزرنے سے پیشتر ہولے اور دوسری بیع کاشتکار کی طرف سے شیئ مبیع پر قبضہ کرلینے کے بعد ہو انھیں ضرور ملحوظ رکھیں زائد وبیکار تصور نہ کریں یہاں منظور تو یہ ہے کہ کاشتکار کو روپیہ پہنچ جائے اور اس کا دین اس پر قائم رہے تاکہ اس کی نسبت وہ وعدہ ہوسکے اگر دونوں ثمن معجل ہوتے تو جیسے بیع ثانی میں سو روپے اس پر لازم ہوئے اور اس کے سو روپے اس پر لازم تھے دونوں پرسے برابر ہوکر اتر جاتے یونہی اگر یہ بیع ثانی اور اس کے ثمن دے دینے کی کارروائی اس میعاد مقررہ سے پہلے نہ ہولیتی تو میعاد گزر کر وہ دین پھر معجل ہوجاتا اور دونوں بری الذمہ ہوجاتے اب کہ کاشتکار کا دین اس پر معجل ہوا اور اس کا دین اس پر ہنوز مؤجل ہے کہ اس کی میعاد نہ آئی اور اس نے اس کے روپے دے دیئے اس نے لے لئے تو اس کا دین اس پر قائم رہے گا۔

فی ردالمحتار عن الحلی عن البحر سائر الدیون ای ماسوی النفقۃ یقع التقاص فیھا تقاصا اولا بشرط

ردالمحتار میں حلی سے بحوالہ بحر منقول ہے کہ نفقہ کے سوا تمام قرضوں میں ادلہ بدلہ ہوسکتا ہے چاہے فریقین خود ایسا کریں یا نہ کریں بشرطیکہ دونوں طرف کا

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الکفالہ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/۳

التساوی فلو اختلفا کما اذا کان احدھما جیدا و ردیا فلابد من رضا صاحب الجید[1] وفی الاشباہ علیہ الف قرض فباع من مقرضہ شیئا بالف مؤجلۃ ثم حلت فی مرضہ وعلیہ دین تقع المقاصۃ[2] الخ قال فی غمز العیون انما قید بالحلول لانہا لولم تحل تقع المقاصۃ لاختلاف الوصف کالجید مع الردی[3]۔

قرض باہم برابر ہو، اور اگر مختلف ہو مثلاً ایک طرف عمدہ اور دوسری طرف ردی ہو تو عمدہ والے کی رضامندی ضروری ہے، اور اشباہ میں ہے کہ ایک شخص پر ہزار روپے قرض ہے اس نے قرض دہندہ کے ہاتھ کوئی چیز ہزار روپے کے بدلے میں ادھار فروخت کردی پھر مقروض کے مرض الموت میں ادھار کی مدت پوری ہوگئی درانحالیکہ ابھی تک اس پر قرض موجود ہے تو اب یہ قرض، ثمن مؤجل کا بدلہ ہوکر اُتر جائے گا الخ، غمز العیون میں کہا کہ اس کو مدت کے پُورے ہونے کے ساتھ مقید کیا گیا کیونکہ اگر مدت پُوری نہ ہوئی تو ادلہ بدلہ نہ ہوگا کیونکہ وصف مختلف ہے جیسا کہ عمدہ اور ردی میں ہوتا ہے۔ (ت)

اور کاشتکار کی طرف سے بیع ثانی بعد قبضہ ہونے کی ضرورت یہ ہے کہ اگر پیش از قبضہ بائع کے ہاتھ بیع کردے گا تو بیع فاسد و ناجائز ہوگی غیر کے ہاتھ بیچنے میں تو صرف اشیائے منقولہ پر قبضہ شرط ہے مثلاً عمرو نے زید سے کوئی منقول چیز مول لی اور ہنوز اپنے قبضہ میں نہ آئی کہ بکر کے ہاتھ بیچ ڈالی یہ بیع فاسد ہوئی اور جائداد غیر منقول لے کر پیش از قبضہ غیر بائع کے ہاتھ بیع کردی تو جائز ہے مگر جس سے مول لی تھی اس کے ہاتھ قبضہ سے پہلے اشیائے غیر منقولہ کی بیع بھی جائز نہیں لہذا قبضہ لازم ہے۔

فی الدر المختار صح بیع عقار لایخشی ھلاکہ قبل قبضہ من بائعہ (متعلق بقبض لا ببیع لان بیعہ من بائعہ قبل قبضہ فاسد کما فی المنقول) ولا یصح

درمختار میں ہے غیر منقول جائداد کو اس کے بائع سے لے کر اپنے قبضہ میں کرنے سے پہلے فروخت کرنا صحیح ہے جبکہ اس جائداد کی ہلاکت کا خوف نہ ہو (من بائعہ کا تعلق قبض کے ساتھ ہے بیع کے ساتھ نہیں کیونکہ غیر منقول کو قبضہ سے پہلے اس کے بائع کے ہاتھ فروخت کرنا فاسد ہے جیسا کہ

---

[1] ردالمحتار

[2] الاشباہ والنظائر کتاب المداینات ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۳۲

[3] غمز عیون البصائر " " " "

اتفاقا بیع منقول قبل قبضہ ولومن بائعہ بخلاف ھبتہ واقراضہ ورھنہ واعارتہ من غیر بائعہ فانہ صحیح علی الاصح[1] اھ ملخصا مزیدا من ردالمحتار۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مال منقول میں ہوتا ہے) اور مال منقول کی بیع قبضہ سے پہلے اگرچہ اس کے بائع کے ہاتھ ہو بالاتفاق صحیح نہیں بخلاف اس منقول کے غیر بائع کو ہبہ کرنے، قرض دینے، رہن رکھنے اور عاریت پر دینے کے کہ یہ اصح قول کے مطابق درست ہے اھ تلخیص (مع ردالمحتار سے کچھ اضافہ کے)۔ (ت)

مسئلہ ۲۴۳: ۲۹ شعبان ۱۳۳۴ھ مرسلہ حافظ ایاز نجیب آباد ضلع بجنور محلہ پورہ

ماہ جون میں جو زراعت نیشکر پر کولہو بدلی ہوتی ہے اور نرخ مال کی یہ شرط قرارداد ہوئی کہ شاہ نگر کے سے ایک روپیہ یا ۸ رکم یا زیادہ طرفین کی رضامندی سے تحریر ہوجاتی ہے اور جو روپیہ اس وقت بوقتِ تحریر لینا ٹھہرتا ہے وُہ دے دیا جاتا ہے باقی آئندہ مال آتا رہتا ہے اور روپیہ جاتا رہتا ہے آخر اختتام پر کل مال کا حساب وکتاب ہوجاتا ہے اگر صُورۃ مذکور جائز ہے توفبہا ورنہ اس کے جواز کے واسطے کیا حیلہ ہے کیونکہ اس کا عام رواج ہے۔

الجواب

نیشکر کے بدلے جس طرح کہ رائج ہے محض بے اصل وبوجوہ ناجائز ہے اس وقت گنّا بھی موجود نہیں ہوتا اور نہ رس، اس کے جواز کی یہ صورت ہوسکتی ہے کہ مثلاً سو روپیہ کے بدلی کرنی منظور ہے تو اس کی خرید وفروخت کا کچھ نام نہ لیں بلکہ اپنی کوئی چیز سَو روپے کی اس کے ہاتھ ایک معین مدت مثلاً گھنٹہ بھر کے وعدہ پر بیع کریں اور وہ شے اس کے قبضے میں دے دیں اور وہ ابھی گھنٹہ نہ گزرنے پائے کہ شخص مذکور وہی شے سَو روپیہ نقد کو مالک اول کے ہاتھ بیع کردے اور یہ اسی وقت سَو روپیہ اس کے ادا کردے اب اس کی چیز اس کے پاس آگئی اور سو روپیہ نقد اسے پہنچ گئے اور اس کے سو روپیہ اس پر دین رہے جب وہ وعدے کا گھنٹہ گزرے یہ اپنے روپیوں کا اس سے تقاضا کرے وہ کہے میں تیرے روپے دس منٹ میں دوں گا اگر نہ دوں تو وعدہ کرتا ہوں کہ اپنے روپیوں کے عوض اس نرخ سے رس دوں گا اس کے دستاویز جیسے لکھی جاتی ہے لکھالیں اب اس کی خریداری جائز ہوگئی اس حیلہ شرعیہ کی تحقیق وتفصیل ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی التصرف فی المبیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۷
ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی التصرف فی المبیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۶۱

باب الاستصناع

(بیع استصناع کا بیان)

مسئلہ ۲۴۴: مسئولہ حافظ یعقوب خان صاحب ۱۶ ربیع الآخر ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بڑھئی نے اقرار کیا کہ فلاں قسم کی کرسیاں ایک درجن ایک ماہ کے اندر بقیمت مبلغ سے ر کو دُوں گا اور جب تک تمھاری کرسیاں تیار نہ کروں اور کسی کا یا اپنا مال نہ بناؤں گا اگر وعدہ خلافی کروں تو کرسیاں مذکورہ بقیمت للعہ ر کو دوں گا، پس بڑھئی نے وعدہ خلافی کی یعنی اور کسی کا مال بنایا اور کرسیاں بھی ایک ماہ کے بعد دیں پس اس صورت میں حسب اقرار للعہ ر کو درجن لینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب

صورت مستفسرہ میں وہ کرسیاں اس عقد کی بنا پر نہ للعہ ر درجن کو لینا جائز نہ سے ر کو بلکہ اس عقد کا فسخ کرنا واجب ہے کہ یہ عقد فاسد ہوا اور عقد فاسد گناہ ہے اور گناہ کا ازالہ فرض، ہاں اگر چاہیں تو عقد کو فسخ کرکے اب یہ کرسیاں بعقد جدید باہمی رضامندی سے جتنے کو ٹھہر جائیں خرید لیں، وجہ یہ ہے کہ کسی سے کوئی چیز اس طرح بنوانا کہ وہ اپنے پاس سے اتنی قیمت کو بنا دے یہ صورت استصناع کہلاتی ہے کہ اگر اس چیز کے یوں بنوانے کا عرف جاری ہے اور اس کی قسم وصفت وحال وپیمانہ وقیمت وغیرہا کی ایسی صاف تصریح ہوگئی ہے کہ کوئی جہالت آئندہ منازعت کے قابل نہ رہے اور اس میں کوئی میعاد

مہلت دینے کے لئے ذکر نہ کی گئی تو یہ عقد شرعاً جائز ہوتا ہے اور اس میں بیع سلم کی شرطیں مثلاً روپیہ پیشگی اس جلسہ میں دے دینا یا اس کا بازار میں موجود رہنا یا مثلی ہونا کچھ ضرور نہیں ہوتا مگر جب اس میں میعاد ایک مہینہ یا زائد کی لگادی جائے تو وہ عقد بعینہٖ بیع سلم ہوجاتا ہے اور اس وقت تمام شرائط بیع سلم کا متحقق ہونا ضرور ہوتا ہے اگر ایک بھی رہ گئی عقد فاسد ہوگیا،

فی ردالمحتار عن البدائع من شروطه بیان جنس المصنوع ونوعه وقدرہ وصفته وان یکون مما فیه تعامل وان لایکون مؤجلا والا کان سلما[1] الخ وفیه المراد بالاجل ما تقدم وھو شھر فما فوقه[2] الخ وفی الطحطاوی الاجل تارۃ یکون کاجل السلم بان کان شھرا فازید وھو عندہ سلم من غیر تفصیل[3] الخ وفی الھندیة ان ضرب الاجل صار مسلما حتی لایجوز الا بشرائط السلم ھذا اذا کان ضرب المدۃ علی وجه الاستمھال بان قال شھرا وما اشبه ذٰلك اما اذا ذکر علی وجه الاستعجال بان قال علی ان تفرغ منه غدا او بعد غد لایصیر سلما کذا فی الصغرٰی[4] اھ ملخصا

ردالمحتار میں بحوالہ بدائع ہے استصناع کی شرطوں میں سے یہ ہے کہ مصنوع (جو چیز بنوانا مطلوب ہے) کی جنس، نوع، صفت اور مقدار کو بیان کرنا اور یہ کہ اس میں لوگوں کا عرف جاری ہو اور یہ کہ اس کی کوئی میعاد مقرر نہ کی جائے ورنہ وہ عقد سلم ہوجائے گا الخ، اور اسی میں ہے کہ میعاد سے مراد وہی ہے جس کا پہلے ذکر ہوچکا ہے یعنی ایک ماہ یا اس سے زیادہ الخ، طحطاوی میں ہے کہ میعاد کبھی سلم کی میعاد جیسی ہوتی ہے یعنی ایک ماہ یا اس سے زائد، تو اس صورت میں بغیر کسی تفصیل کے یہ سلم ہے الخ۔ ہندیہ میں ہے کہ اگر میعاد مقرر کی تو یہ عقد سلم ہوگا جو کہ سلم کی شرطوں کے بغیر جائز نہیں) یہ اس وقت ہے جب بیانِ مدت مہلت طلب کرنے کے طور پر ہو مثلاً ایک ماہ یا اس کی مثل ذکر کیا اور اگر مدت کا بیان طلب عجلت کے طور پر ہو مثلاً کہا تجھ سے یہ چیز اس شرط پر بنواتا ہوں کہ تو کل یا پرسوں اس کو بنا کر فارغ ہوجائے تو یہ عقد سلم نہ ہوگا یہ صغرٰی میں ہے اھ تلخیص (ت)

---

[1] و [2] ردالمحتار کتاب البیوع باب السلم دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۱۲
[3] الطحطاوی علی الدر المختار 〃 〃 دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۱۲۹
[4] فتاوٰی ہندیہ الباب التاسع عشر فی القرض الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۰۸

یہاں کہ میعاد ایک مہینہ یا زائد ہی کی تھی عقد بیع سلم ہوگیا اور بوجہ تردید کہ ایک مہینہ میں تیس اور زیادہ میں چوبیس نہ قیمت معین ہوگی نہ مدت، حالانکہ ان کی تعیین سلم میں ضرور ہے لہذا عقد فاسد ہوگیا بلکہ عند التحقیق استصناع ہر حال میں بیع ہی ہے

کما نص علیہ فی المتون وصححہ المحققون من الشراح ففی النقایۃ الاستصناع باجل سلم تعاملوا فیہ اولا، وبلا اجل فیما یتعامل فیہ بیع والمبیع العین لا العمل[1] اھ ومثلہ فی الاصلاح والملتقی والتنویر وغیرھا وفی الھدایۃ الصحیح انہ یجوز بیعا لا عدۃ والمعدوم قد یعتبر موجودا حکما والمعقود علیہ العین دون العمل ھو الصحیح[2] اھ ملخصا ونحوہ فی الایضاح والدرر وغیرھما من الاسفار الغر وقد اوضحنا المقام مع ازالۃ الاوھام بتوفیق الملک العلام فیما علقنا علی رد المحتار۔

جیسا کہ متون میں اس پر نص کی گئی اور محقق شارحین نے اس کی تصحیح فرمائی، چنانچہ نقایہ میں ہے استصناع میں اگر مدت مقرر کی جائے تو وہ سلم ہوجاتا ہے چاہے لوگوں کا عرف اس میں جاری ہو یا نہ ہو اور بغیر مدت مقرر کرنے کے اگر اس میں عرف جاری ہو تو وہ بیع ہے اور مبیع عین (مصنوع) ہے نہ کہ عمل اھ اور اصلاح، ملتقی اور تنویر وغیرہ میں اسی کی مثل ہے۔ ہدایہ میں ہے کہ یہ بطور بیع جائز ہے نہ کہ بطور وعدہ۔ اور معدوم کو کبھی حکمی طور پر موجود اعتبار کرلیا جاتا ہے اور معقود علیہ (مبیع) عین ہے نہ کہ عمل، اور یہی صحیح ہے اھ تلخیص، اور اسی کی مثل ہے ایضاح اور درر وغیرہ روشن کتابوں میں، اور ہم نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے ردالمحتار پر اپنی تعلیقات میں اس مقام کی وضاحت کرتے ہوئے تمام وہموں کا ازالہ کردیا ہے۔ (ت)

اور بیع ہرگز ایسی جہالت ثمن کا تحمل نہیں کرسکتی کہ اتنی مدت ہو تو یہ قیمت اور اتنی ہو تو وہ،

فی الخلاصۃ رجل باع شیئا علی انہ بالنقد بکذا وبالنسیئۃ بکذا او الی شھر بکذا او الی شھرین بکذا لم یجز[3]۔

خلاصہ میں ہے ایک شخص نے کسی شیئ کی بیع اس طرح کی نقد اتنے کی اور ادھار اتنے کی یا ایک ماہ کے ادھار پر اتنے کی اور دو ماہ کے ادھار پر اتنے کی، تو جائز نہیں (ت)

---

[1] مختصر الوقایۃ فی مسائل الہدایۃ کتاب البیع نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۰۳

[2] الہدایۃ کتاب البیوع باب السلم مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۰۲

[3] خلاصۃ الفتاوٰی " فصل خامس الجنس الاول فیما یتعلق بالثمن مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۶۰

تو استصناع میں اگرچہ ایک مہینہ یا اس سے زائد نہ ہو جب ایسی تردید کی جائیگی عقد فاسد ہوگا اور فسخ واجب، ھذا ما ظھرلی، واللہ تعالٰی اعلم (یہ وہ ہے جو میرے لئے ظاہر ہوا، اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ ت)

مسئلہ ۲۴۵: زید کے دوست نے فرمائش لکھی کہ مجھ کو کحل الجواہر بھیجدو، زید عمرو کے دکان سے قرض خرید لایا، اور بعد دو ایک روز کے واپس کردیا اس کے یہاں جاکر، اور خیال دل میں یہ تھا کہ شاید وہ دوست قیمت نہ بھیجے تو مجھ کو دینا ہوگی، غرض اس کے سامنے یعنی مالکانِ دکان کو دے دیا اور یہ اس سے کہا بھی مالک کحل الجواہر نے میاں ذرا سی بات کے لئے شرمندہ ہونا پڑتا ہے اور قیمت تو میری پڑیا کحل الجواہر پر لکھی ہوئی ہے وہ بھیج دیں گے تم کو قیمت، تم اس کو کحل الجواہر بھیج دو، پس بامر بائع دوبارہ زید نے اس کو لاکر بھیج دیا اپنے دوست کے پاس۔ سوال یہ ہے کہ اس صورت میں مالک کحل الجواہر زید سے قیمت وصول کرنے کا مجاز ہے یا نہیں؟ اب زید نے اس کے امر سے بھیجا ہے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

ضرور وصول کرسکتا ہے کہ فرمائش دوست کا حاصل اگر فرمائش نہ بھی ہو جس میں حقیقۃً خود زید مشتری ٹھہرے تو غایت درجہ توکیل ہی،

والحقوق فی البیوع ترجع الی الوکیل بخلاف النکاح فلیس فیہ الامعبرا وسفیرا کما صرحوا بہ فی عامۃ الکتب۔

بیوع میں حقوق وکیل کی طرف لوٹتے ہیں بخلاف نکاح کے کہ اس میں وکیل محض تعبیر کرنے والا اور سفیر ہوتا ہے جیسا کہ فقہائے نے عام کتابوں میں اس کی تصریح کردی۔ (ت)

تو وکیل سے قیمت وصول کرنے کا یقیناً اختیار ہے اور اس کے کہنے سے خریدنا اس کا مانع نہیں ہوسکتا

فانہ اشارۃ لا اکراہ فالشراء انما وقع من زید برضاہ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

کیونکہ یہ مشورہ ہے اکراہ نہیں ہے اور زید سے بیع اس کی رضامندی سے ہوئی ہے، اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے اور اس کا علم اتم و مستحکم ترین ہے۔ (ت)

باب الصرف

(بیع صرف کا بیان)

مسئلہ ۲۴۶: از شاہجہانپور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نوٹ پر بٹہ لگانا مثلاً سو روپے کا نوٹ ننانوے کو بیچنا خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

ظاہر ہے کہ نوٹ ایک ایسی حادث چیز ہے جسے پیدا ہوئے بہت قلیل زمانہ گزرا فقہائے مصنفین کے وقت میں اس کا وجود اصلاً نہ تھا کہ ان کے کلام میں اس کا جزئیہ بالتصریح پایا جائے مگر اس وقت جہاں تک خیال کیا جاتا ہے نظر فقہی میں صورت مسئولہ کا جواز ہی معلوم ہوتا ہے اور عدم جواز کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی ظاہر کہ علت تحریم ربا قدر مع الجنس ہے یہ اگر دونوں متحقق ہوں تو فضل ونسیہ دونوں حرام اور ایک ہو تو فضل جائز نسیہ حرام اور دونوں نہ ہوں تو دونوں حلال،

کما فی عامۃ الاسفار وفی تنویر الابصار علتہ القدر مع الجنس فان وجدا حرم الفضل والنساء وان

جیسا کہ عام کتابوں میں ہے، اور تنویر الابصار میں ہے کہ زیادتی کے حرام ہونے کی علت قدر مع الجنس ہے، اگر یہ دونوں موجود ہوں تو زیادتی اور ادھار

عدما حلاوان وجد احدھما حل الفضل وحرم النساء[1]	دونوں حرام ہیں اور اگر ایک موجود ہو تو زیادتی حلال اور ادھار حرام ہے اور اگر دونوں معدوم ہوں تو زیادتی اور ادھار دونوں حلال ہیں (ت)

اور مانحن فیہ میں بالبداہۃ دونوں مفقود، عدم مجانست اس لئے کہ یہ کاغذ ہے وہ چاندی، اور انعدام قدر اس طرح کہ یہ نہ مکیل ہے نہ موزون، پس حسبِ ضابطہ مقررہ یہاں فضل ونسیہ دونوں حلال ہونا چاہئے، مسئلہ کا جواب تو اسی قدر سے ہوگیا لیکن غیر فقیہ کو اس جگہ یہ وہم گزرتا ہے کہ ہرچند اصل حقیقت میں نوٹ صرف ایک چھپے گئے کا نام ہے مگر عرف واصطلاح میں گویا وہ بعینہٖ روپیہ ہے اسی لئے ہر جگہ روپیہ کا کام دیتا ہے لین دین میں سو روپے کا نوٹ دینے اور سو روپیہ نقد دینے میں ہرگز تفاوت نہیں سمجھا جاتا عموماً اس کے ساتھ معاملۂ اثمان برتا جاتا ہے تو گویا وہ سو روپے تھے کہ بعض ننانوے کے خریدے گئے اور اس کی حرمت میں کچھ شبہہ نہیں تو صورتِ مسئولہ میں حکمِ تحریم دیا چاہئے۔

اقول جسے فنِ شریف فقہ میں کچھ بھی بصیرت حاصل ہے اس کے نزدیک اس وہم کا ازالہ نہایت آسان، نوٹ کے ساتھ معاملۂ اثمان برتا جانا اسے حقیقۃً ثمن یعنی احد النقدین نہ کردے گا غایت یہ کہ اثمان مصطلحہ سے ٹھہرے یعنی وہ کہ اصل خلقت میں ثمن نہ تھا ہاں عرف واصطلاح نے انھیں ثمن ٹھہرا لیا ہے جیسے پیسے یا بعض بلادِ ہند میں کوڑیاں بھی، اور ازانجا کہ اثمان اصلیہ سوا زر وسیم کے کچھ نہیں تو اہل عرف اگر غیرِ ثمن کو ثمن کرنا چاہیں ناچار اس کی تقدیر اثمان خلقیہ سے کریں گے، اسی لئے پیسوں کی مالیت یونہی بتائی جاتی ہے کہ روپے کے سولہ آنے پس نوٹ کو جب عرفاً ثمن کرنا چاہا اس کے اندازے میں بھی اصل ثمن کی جانب رجوع ضرور ہوئی اور یوں قرار دیا گیا کہ فلاں نوٹ سو روپے کا، فلاں دو سو کا، فلاں ہزار کا، مگر یہ صرف تقدیر ہی تقدیر ہے اس سے اتحادِ جنس وقدر ہرگز لازم نہیں آتا جیسے اندازہ فلوس سے چونسٹھ پیسے روپے کا عین نہ ہوگئے یوں ہی اس قرارداد سے وہ نوٹ حقیقۃً سو روپے یا چاندی نہ ہوجائے گا، پس علتِ ربا کا تحقق ممکن نہیں نہ عاقدین اتباعِ عرف واصطلاح پر مجبور کہ جو قیمت انھوں نے ٹھہرادی یہ اس سے کم وبیش نہ کرسکیں یہ اپنے معاملہ کے مختار ہیں چاہیں سو روپے کی چیز ایک پیسے کو بیچیں یا ہزار اشرفی کو خریدیں صرف تراضی درکار ہے، آخر نہ دیکھا کہ ایک روپے کے پیسے بہ تعیینِ عرف ہمیشہ معین رہتے ہیں مگر علماء نے اٹھنی سے زیادہ کے عوض میں آٹھ آنے بیچنا روا رکھا، اور سب جانتے ہیں کہ ایک اشرفی کئی روپے کی ہوتی ہے لیکن فقہا نے ایک روپے

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب الربٰو مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۱

کے عوض ایک اشرفی خریدنا جائز ٹھہرایا تو وجہ کیا ہے وہی اختلاف جنس جس کے بعد تفاضل میں کچھ حرج نہیں رہتا

فی الدر المختار ومن اعطی صیرفیا درھما کبیرا فقال اعطنی بہ نصف درھم فلوسا (بالنصف صفۃ نصف) ونصفا (من الفضۃ صغیرا) الاحبۃ صح (ویکون النصف الاحبۃ بمثلہ وما بقی من الفلوس)[1]

درمختار میں ہے کہ کسی نے صراف کو ایک بڑا درہم دیتے ہوئے کہا کہ مجھے نصف درہم کے عوض ایک چھوٹا درہم جو بڑے درہم کے نصف سے ایک حبہ کم ہو دے دے تو یہ بیع صحیح ہے اور چھوٹا درھم جو بڑے کے نصف سے ایک حبہ کم ہے وُہ اپنے مثل کے مقابل ہو جائیگا اور باقی پیسوں کے مقابل ہوگا۔ (ت)

اور اسی میں ہے :

صح بیع درھمین ودینار بدرھم ودینارین لصرف الجنس بخلاف جنسہ[2]

دُو درہم اور ایک دینار کی بیع ایک درہم اور دو دیناروں کے بدلے میں صحیح ہے کیونکہ ہر جنس کو اپنی جنس کے خلاف کے مقابل قرار دیا جائے گا۔ (ت)

جب یہاں تک شرعاً جائز رہا تو سَو روپے کا نوٹ ننانوے کے عوض خریدنے میں کیا حرج ہو سکتا ہے کہ یہاں تو نہ قدر متحد نہ جنس واحد، یہ حکم بیع وشرار کا ہے جہاں نفع وانتفاع شرعاً روا۔ البتہ قرض اس طرح پر دینا کہ ننانوے روپے دیتا ہُوں اور ان کے بدلے سو روپے کا نوٹ لے لُوں گا بے شک ممنوع ہوگا

فان کل قرض جر نفعا فھو ربٰو نطق بذلک الحدیث والفقہ[3]

کیونکہ جو قرض نفع کو کھینچے وہ سُود ہے حدیث اور فقہ اس پر ناطق ہیں (ت)

یہاں تک کہ علمائے تو منفعت سقوط خطر طریق کے سبب ہنڈوی کو ناجائز ٹھہرایا کما ذکروہ اٰخر کتاب الحوالۃ (جیسا کہ فقہانے اس کا ذکر کتاب الحوالہ کے آخر میں کیا ہے۔ ت) اور اسی طرح بقال کے پاس اس شرط پہ روپیہ پیشگی رکھ دینا کہ حسبِ حاجت وقتاً فوقتاً چیزیں خریدتے رہیں گے صرف اسی نفع کی وجہ سے مکروہ فرمایا

کما فی کراھیۃ الھدایۃ وغیرھا قبیل مسائل متفرقۃ۔

جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں کتاب الکراہیۃ کے تحت مسائل متفرقہ سے تھوڑا پہلے مذکور ہے (ت)

حالانکہ یہ منفعتیں کوئی مال نہیں تو مالیت میں رجحان کیونکر درست ہوگا بیشک یہ امر مقصد شرع کے ذکہ صیانت

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/۵۷

[2] " " " ۲/۵۵

[3] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/۲۳۸

احوالِ ناس ہے اور وہی علتِ تحریم ربا کما فی الفتح (جیسا کہ فتح میں ہے۔ت) بالکل خلاف ہے ھذا ماظھرلی (یہ وہ ہے جو میرے لئے ظاہر ہوا۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۴۷ مرسلہ شیخ حسین بخش صاحب رضوی فاروقی خیرآبادی ۲۹ رجب ۱۳۰۵ھ

چہ میفرمایند مسند آرایانِ شرع مبین و مولویانِ دینِ متین درباب کہ زید یک درم نزد بکر آورد وگفت کہ ایں درم بگیر و فلوس بدہ بکر بحجلد نرخ فلوس رائج الوقت زید را داد وگفت کہ فلوسے چند بموجب نرخ کم اندبازآمدہ بگیر بدآید وقت دوم آمدہ باقی ماندہ فلوس برگرفت بموجب شرع لطیف ایں عمل نامشروع ست یا جائز وفلوسہائے باقی ماندہ ازروئے شرع شریف ربٰو باشد یانہ؟ بیّنوا توجروا بحوالۃ الکتاب والیہ المرجع والمآب واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔

مسندِ شریعت پر جلوہ افروز ہونے والے دینِ متین کے علماءِ کرام اس مسئلہ میں کیا ارشاد فرماتے ہیں کہ زید ایک درہم بکر کے پاس لایا اور کہا یہ درھم لے لو اور اس کے پیسے دے دو، بکر نے بازار کے نرخ کے مطابق رائج الوقت پیسے زید کو دیتے ہوئے کہا کہ کچھ پیسے کم ہیں پھر کسی وقت آکر لے جانا۔ چنانچہ زید بعد میں کسی وقت آیا اور باقی پیسے لے لئے شریعت لطیفہ کی رُو سے یہ عمل جائز ہے یا ناجائز؟ بقیہ پیسے جو بعد میں لئے گئے سُود ہونگے یا نہیں؟ بحوالہ کتب بیان فرمائیں اور اجر پائیں، اللہ تعالٰی کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے اور وہی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

الجواب

دربیع فلوس بدرھم برمذہب راجح تقابض شرط نیست ہمیں قبضۂ یک جانب کافیست پس چوں زید درم بہ بکر داد قبضہ ازیک طرف متحقق شد اگر زید آں دم یک پول ہم نگرفتے روا بودے حالانکہ بعض آں وقت وبعض دیگر وقت دیگر گرفت وہنوز فلس رائج بودہ کاسد نشدہ ہم جائز ماند و ہیچ احتمال ربٰو راہ نیافت فی الھندیۃ عن المبسوط اذا اشتری الرجل فلوسا بدراھم ونقد الثمن

راجح مذہب کے مطابق پیسوں کی درہم کے ساتھ بیع میں دو طرفہ قبضہ شرط نہیں بلکہ صرف ایک طرف کا قبضہ کافی ہے لہٰذا جب زید نے بکر کو درھم دے دیا تو ایک طرف سے قبضہ متحقق ہوگیا، اگر زید اس وقت ایک پیسہ بھی نہ لیتا تب بھی جائز تھا حالانکہ یہاں تو کچھ پیسے اس وقت اور کچھ دوسرے وقت اس نے لئے اور دوسرے وقت تک وہ پیسے رائج تھے کھوٹے نہیں ہوئے تو یہ جائز ہے اور سود کا اس میں کوئی احتمال نہیں، ہندیہ میں مبسوط کے حوالے سے مذکور ہے کہ ایک شخص نے درہموں کے بدلے

ولو تکن الفلوس عند البائع فالبیع جائز[1] وفیها عن الحاوی وغیرہ لو اشتری مائۃ فلس بدرھم فقبض الدرھم و قبض خمسین فلسا فکسدت بطل فی النصف ولو لم تکسد لم یفسد وللمشتری ما بقی من الفلوس[2] اھ ملخصًا وایں مسئلہ را در فتوائے دیگر ہرچہ تمامتر رنگِ تفصیل دادہ ام، واللہ تعالٰی اعلم۔

میں پیسے خریدے اور ثمن نقد ادا کر دیئے جبکہ بائع کے پاس اس وقت پیسے موجود نہیں تھے تو یہ بیع جائز ہے اھ، اسی میں حاوی وغیرہ کے حوالے سے مذکور ہے کہ اگر کسی نے ایک درہم کے عوض سو پیسے خریدے بائع نے درہم پر قبضہ کرلیا اور مشتری نے پچاس پیسوں پر قبضہ کرلیا اب پیسے کھوٹے ہوگئے تو نصف میں بیع فاسد ہوگئی اگر وہ کھوٹے نہ ہوتے تو بیع فاسد نہ ہوتی اور مشتری کو باقی پیسے لینے کا حق ہوتا اھ تلخیص، اس مسئلہ کو میں نے دوسرے فتوٰی میں تمامتر تفصیل کا رنگ دیا ہے، اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔(ت)

مسئلہ ۲۴۸: از نکسر انواں ڈاکخانہ رسول پور ضلع رائے بریلی مسئولہ عبدالوہاب ۲۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر سے ایک روپیہ کے پیسے بھنائے بکر نے روپیہ لے کر بارہ آنے اسی وقت زید کو دے دئے اور کہا چار آنے اس وقت نہیں کل یا پرسوں دے دونگا اب بقیہ پیسہ زید کو دوسرے یا تیسرے دن لینا جائز ہے یا ربا لازم آئے گا؟ بینوا توجروا۔

الجواب

روپے اور پیسوں کے مبادلہ میں ایک طرف کا قبضہ کافی ہے صورتِ مسطورہ میں کوئی ربا نہ ہوگا، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۴۹: از کانپور گورکھپوری دکان مرسلہ محمد حی صاحب ۵ اجمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نوٹ مروجہ مبلغ یک صد روپیہ کا ہے اس کا خوردہ نوٹ لیا جائے کم بیش پر جائز ہے یا نہیں؟ خوردہ میں نقد روپیہ ہو یا چھوٹے نوٹ ہوں سو روپے نقد کے مقابلہ میں سو روپے کا نوٹ لیا جائے یا اس پر کچھ بڑھا کر کمی بیشی جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الصرف الباب الثانی الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۲۴

[2] " " " " " " ۳/ ۲۲۵

الجواب

نوٹ کی بیع اور مبادلہ میں کمی بیشی برضامندی فریقین مطلقاً جائز ہے کہ وہ اموالِ ربویہ سے نہیں، ہاں سَو روپے کا نوٹ قرض دیا جائے اور یہ ٹھہرا لیا جائے کہ پیسہ اُوپر سَو لیں گے یہ سُود اور حرام قطعی ہے اور اس کے تمام مسائل کی تفصیل اگر درکار ہو تو ہمارے رسالہ کفل الفقیہ الفاھم میں ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۰ از گونڈل معرفت قاضی قاسم صاحب مرسلہ سید غلام محی الدین صاحب راندیری ۱۱ صفر ۱۳۲۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ موتی کے بیوپاری موتیوں کی خرید وفروخت کرتے ہیں سَو روپیہ اور بروقت قیمت لینے دینے کے فیصدی دس روپے کم کے حساب سے معاملہ طے ہوتا ہے پھر بھی اگر خریدنے والا نقد روپے ادا کرے تو فیصد پندرہ روپے کم سے معاملہ طے ہوتا ہے ورنہ مہینے کی میعاد کے بعد ادا کرے تو وہی فیصدی دس روپے کم لینے دینے کا رواج ہے، آیا اس طرح کا معاملہ طے کرنا اور خرید وفروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

جبکہ باہمی تراضی سے ایک امر متعین منقطع ہو کوئی حرج نہیں۔

قال تعالٰی الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا، مگر یہ کہ ہو تمہارے درمیان تجارت باہمی رضامندی سے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۵۱ مرسلہ الف خاں مہتمم مدرسہ انجمن اسلامیہ سانگور ریاست کوٹہ راجپوتانہ ۲۲ صفر ۱۳۲۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان کرام اندریں معاملہ کہ قصبہ سانگور کے مدرسہ انجمن اسلامیہ کا روپیہ عرصہ دراز سے جمع رہتا ہے اس سے کوئی تجارت وغیرہ نہیں ہوتی ہے کہ جس سے روپے کی افزائش کی صورت ہو، لہذا اگر ان روپیوں کی اشرفیاں کسی قدر کہ جن کا نرخ اس وقت کمی وبیشی ہوجاتا ہے خرید کر ہمراہ روپیہ ان اشرفیوں کا نرخ اس وقت کے حساب سے زیادہ قیمت پر لگا کر ادھار میں بیع کیجائیں تو یہ عمل شرعاً درست ہے کہ نہیں یا کہ برائے اطمینان اس عمل کے ساتھ زیور رہن لیا جائے تو یہ طریقہ بیع اشرفیوں کا درست تو نہیں ہے جواب بطریق مذہب حنفی دیا جائے، آفریدگار عالم جزائے خیر عنایت فرمائے گا۔ بیّنوا توجروا۔

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

الجواب

صورت مذکورۂ سوال حرام ہے،

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الاھاء وھاء[1] رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: مگر (یہ اس وقت جائز ہے) جب ہاتھوں ہاتھ ہو یعنی مجلس میں دونوں طرف سے قبضہ کرلیا جائے۔ (ت)

ہاں یہ جائز ہے کہ اشرفیاں وقت ارزانی خریدیں اور وقت گرانی بیچیں یا جاڑ اہل چند نوٹ خرید کر ادھار زیادہ کو بیچیں مگر عقد بیع ہو جس میں ثمن یک مدت معینہ کے بعد دینا قرار پائے، یہ نہ ہو کہ اس کا نوٹ دو مہینہ کے وعدے پر قرض دیا اور روپیہ اوپر لینا قرار پایا کہ یہ حرام ہے۔ حدیث میں ہے:

کل قرض جرمنفعۃ فھو ربٰو[2] جو قرض نفع کھینچے وہ سود ہے (ت)

بخلاف بیع کہ اس پر نفع لینا جائز ہے،

قال اللہ تعالٰی واحل اللہ البیع وحرم الربٰو[3] اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور اللہ تعالٰی نے بیع کو حلال اور سود کو حرام کیا۔ (ت)

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم[4] جب نوعیں مختلف ہوں تو جیسے چاہو بیع کرو (ت)

اور اس کی کامل تفصیل ہمارے رسالہ "کفل الفقیہ الفاہم" میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۵۲: از بیرم نگر ڈاکخانہ سرگدا مرسلہ غلام صدیق صاحب مدرس ۱۰ / شوال ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید پیسے کوڑی بیچنے کا پیشہ کرتا ہے جو وقت خریداری روپیہ قیمت کا دیتا ہے اس کو پونے سولہ گنڈے پیسے دیتا ہے اور جو روپیہ قیمت کا اسی وقت نہیں دیتے ہیں دوسرے وقت کا وعدہ کرتے ہیں ان کو یازدہ گنڈے پیسے دیتا ہے اور مدت وعدہ اور کمی بیشی نرخ کا جیسے سود کا شبہہ پڑے کچھ حساب نہیں کرتا ہے بطور نوٹ فروشی یہ بیع بھی صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

---

[1] صحیح البخاری کتاب البیوع باب بیع الشعیر بالشعیر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۹۰

[2] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[4] نصب الرایہ کتاب البیوع المکتبۃ الاسلامیہ ریاض

الجواب

صراف کہ نقد روپیہ دینے والے کو پونے سولہ آنے دے یہ بیع بلاکراہت جائز ہے اور جو روپیہ اس وقت نہ دے دوسرے وقت کا وعدہ کرے اسے روپے کے عوض بارہ آنے دینا بھی جائز ہے، سُود و حرام و گناہ نہیں، صرف مکروہِ تنزیہی یعنی خلافِ اولٰی ہے کہ نہ کرے تو بہتر ہے اور کرے تو حرج نہیں،

فی فتح القدیر و رد المحتار وغیرھما من الاسفار لاکراھۃ فیہ الاخلاف الاولی لمافیہ من الاعراض عن مبرۃ القرض[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

فتح القدیر اور رد المحتار وغیرہ کتابوں میں مذکور ہے کہ اس میں کراہت نہیں تاہم یہ خلافِ اولٰی ہے کیونکہ اس میں قرض دینے کے احسان سے اعراض ہے، اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے (ت)

مسئلہ ۲۵۳ - ۲۵۴ از بدایوں محلہ سوتھنہ مرسلہ مولوی حامد بخش صاحب خان بہادر ۷ رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) زید نے دس روپیہ کا سرکاری نوٹ بکر کے ہاتھ بارہ روپیہ میں اس شرط سے بیچا کہ بکر اس کو ایک سال میں بارہ روپیہ باقساط یا کل یکمشت ادا کرے تو یہ بیع صحیح ہے اور سُود تو نہیں ہے؟

(۲) زید نے مختلف دھات کے سکہ دس روپیہ کے جمع کرکر بکر کے ہاتھ [illegible] روپیہ میں بیع کئے اور یہ روپیہ چار ماہ کے بعد لینا چاہا تو یہ بیع صحیح ہے یا نہیں؟ یا اس پندرہ روپیہ کا غلہ کسی قسم کا کسی نرخ پر ٹھہرالیا تو وہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) نوٹ اگر قرض دیا جائے اور ایک پیسہ زیادہ لینا ٹھہرالیا جائے تو قطعی حرام ہے قال اللہ تعالٰی وحرم الربٰو[2] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور اللہ تعالٰی نے سُود کو حرام کیا۔ ت) اور اگر نوٹ روپیہ کے عوض بیع کریں اور اس پر جو قیمت مکتوب ہے اس سے کم یا زیادہ برضائے باہمی معجل خواہ مؤجل باجل معلوم ثمن قرار دیں تو ضرور حلال ہے قال اللہ تعالٰی واحل اللہ البیع[3] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور اللہ تعالٰی نے بیع کو حلال کیا۔ ت) جس شخص نے یہ گمان کیا کہ نوٹ عرفاً چاندی کا عین ہو رہا ہے تو

---

[1] رد المحتار کتاب البیوع باب الصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۲۴۴
[2] القرآن الکریم ۲/۲۷۵
[3] ” ۲/۲۷۵

دس کا نوٹ بارہ کو بیچنا گویا دس روپے بارہ روپیہ کو بیچنا ہے اور سُود ہے یہ اس کی محض نافہمی اور قواعدِ شرع سے بیگانگی بہ استیلائے وہمی ہے نوٹ اگر چاندی کا ہم جنس نہیں اور قطعاً نہیں جب تو کمی بیشی حرام ٹھہرانا کیا معنی کہ ہمارے ائمہ کرام رضوان اللہ تعالٰی عنہم اجمعین کے اجماع سے اختلافِ جنس کی حالت میں تفاضل حلال ہے اور اگر بالفرض غلطا اسے چاندی کا عین سمجھ لیجئے تو اب دس کا نوٹ دس کو بیچنا عین سُود اور حرام مردود ہوگا اموالِ ربویہ میں شرع نے مالیت کا لحاظ نہیں فرمایا بلکہ وزن کیل میں برابری کا حکم دیا ہے تمام کتب میں تصریح ہے کہ جیّدہ ورديه سواء (اس کا عمدہ اور ردی برابر ہیں۔ ت) سادہ کاری کا زیور ایک ماشہ وزن کا ایک ایک روپیہ کی مالیت کا ہوتا ہے پھر کیا شرعاً ماشہ بھر چاندی کی انگوٹھی ایک رُپے کو بیچنی حلال ہوگی حاشا بلکہ قطعاً سُود ہوگی واجب یہ کہ تول میں بلا تفاوت یکساں ہوں تو نوٹ بھی اگر چاندی ہی قرار پا گیا تو ہرگز اس کا لحاظ جائز نہیں کہ مالیت میں دس یا سَو یا ہزار روپے کا ہے بلکہ وزن معتبر ہوگا کانٹے میں ایک طرف نوٹ دوسری طرف چاندی رکھئے دونی چونی جو کچھ چڑھے بس اتنے کو بیچنا حلال اور اس سے ایک پیسہ زیادہ لیا اور سُود کا وبال تو ظاہر ہُوا کہ نوٹ کو چاندی ٹھہرا کر جو لوگ دس کا نوٹ دس ہی کو بیچنا بتا رہے ہیں اب اپنے مُنہ آپ سُود کو حلال کرتے اور بندگانِ خدا کو حرام کا راستہ سکھا رہے ہیں، جانے دیں ان کی خاطر ہم نے تسلیم کرلیا کہ نوٹ بالکل چاندی ہے اور روپے سے بدلنے میں اس کی مالیت ہی کی برابری لازم ہے بہت اچھا، جب وُہ چاندی ٹھہرا تو سونا تو نہ ہوسکے گا یا ایک ہی چیز چاندی یا سونے دونوں کی عین ہے اور جب سونا نہیں تو نوٹ اور اشرفی ضرور مختلف الجنس ہیں اور اب تفاضل یقیناً سُود نہیں دو روپے اور ایک اشرفی کو دو اشرفیوں اور ایک روپے کے عوض بیچنے کا جزئیہ دُرمختار وغیرہ کتبِ مذہب میں مصرح ہے صرفا للجنس الی خلاف الجنس[1] (جنس کو خلافِ جنس کی طرف پھیرتے ہُوئے۔ ت) یعنی یہ قرار دینگے کہ ایک اشرفی ایک روپے کو بیچی اور دو روپے دو اشرفیوں کے عوض بیع کئے اور یہ صحیح ہے کہ جنس مختلف ہے تو دس روپے کا نوٹ بارہ اشرفیوں کو بیچنا تو سود نہ ہوگا اب اپنے اس مسئلہ کا اندازہ خود وہی کرسکیں گے کہ دس روپے کا نوٹ بارہ روپے کو بیچنا تو سُود اور بارہ اشرفیوں کو بیچنا صحیح وغیر مردود۔

بالجملہ یہ سب ہوسات بے معنی ہیں جن پر شرع مطہر سے اصلاً دلیل نہیں اور ہمارے علمائے کرام قدست اسرارہم کی کرامت ہے کہ حدوثِ نوٹ سے صدہا سال پہلے اس کا جزئیہ ارشاد فرما گئے۔ فتح القدیر میں فرمایا:

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/۵۵

لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولا یکرہ[1] یعنی اگر کسی نے کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے کو بیچا جائز ہے اور اصلاً کراہت بھی نہیں۔

اس وقت کاغذ کا ٹکڑا ہزار کو بکتا کہاں تھا وہ یہی نوٹ ہے کہ اب حادث ہوا اور علمائے صدہا سال پیشتر اس کا حکم بتایا، یہ اجمال ہے اور اس مسئلہ کی باقی تفصیل فتاوٰی فقیر میں ہے اور اہلِ انصاف کو اسی قدر کافی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) غلہ کہ ابھی نہ لیا جائے گا اور وعدہ پر ٹھہرالیا گیا اس میں تو بیع سلم کی شرائط درکار ہیں جن کی تفصیل و تمثیل سب بتکمیل فتاوٰی فقیر میں مذکور، اور اگر ان دھاتوں میں سونا چاندی دونوں میں سے کچھ نہیں تو دس کے مالیت کی پندرہ روپے کو چار ماہ کے وعدہ پر بیچنا جائز جبکہ ایک طرف سے قبضہ ہوجائے اور اگر سونا یا چاندی بھی ہے تو وعدہ پر بیچنا حرام، ہاں نقد پندرہ روپے کو دس روپے کے مختلف دھاتوں کے سکے دے دینا صحیح ہے اور سود نہیں،

لما مر صرف الجنس الی خلاف الجنس[2] ای فیکون بالفضۃ ما یساویھا وزنا من الدراھم وبالباقی الباقی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

جیسا کہ گزرا کہ جنس کو خلاف جنس کی طرف پھیرا جائیگا یعنی چاندی کے بدلے درہم میں سے اس وزن کے برابر ہوگا اور باقی باقی کے بدلے۔ اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے (ت)

مسئلہ ۲۵۵: از شہر کہنہ مرسلہ حمایت اللہ خاں صاحب ۲۹ رجب ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ دس روپے کا نوٹ دے کر بارہ روپیہ عوض میں لینا حلال ہے یا حرام؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

بیع میں حلال ہے یعنی دس کا نوٹ بارہ یا بیس کو برضائے مشتری بیچے تو کچھ مضائقہ نہیں، فتح القدیر و ردالمحتار وغیرہما کتب معتمدہ میں ہے،

لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولا یکرہ[3] اگر کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے میں بیچا تو جائز ہے اور اس میں کوئی کراہت نہیں (ت)

---

[1] فتح القدیر کتاب الکفالہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/۳۲۴
[2] درمختار کتاب البیوع باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/۵۵
[3] فتح القدیر کتاب الکفالہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/۳۲۴

الجواب

صراف کہ نقد روپیہ دینے والے کو پونے سولہ آنے دے یہ بیع بلاکراہت جائز ہے اور جو روپیہ اس وقت نہ دے دوسرے وقت کا وعدہ کرے اسے روپے کے عوض بارہ آنے دینا بھی جائز ہے، سُود و حرام و گناہ نہیں، صرف مکروہِ تنزیہی یعنی خلافِ اولیٰ ہے کہ نہ کرے تو بہتر ہے اور کرے تو حرج نہیں،

فی فتح القدیر ورد المحتار وغیرھما من الاسفار لاکراھة فیه الاخلاف الاولی لمافیه من الاعراض عن مبرة القرض[1]۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔

فتح القدیر اور ردالمحتار وغیرہ کتابوں میں مذکور ہے کہ اس میں کراہت نہیں تاہم یہ خلافِ اولیٰ ہے کیونکہ اس میں قرض دینے کے احسان سے اعراض ہے، اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے (ت)

مسئلہ ۲۵۳ تا ۲۵۴: از بدایوں محلہ سوتھنہ مرسلہ مولوی حامد بخش صاحب خان بہادر، رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) زید نے دس روپیہ کا سرکاری نوٹ بکر کے ہاتھ بارہ روپیہ میں اس شرط سے بیچا کہ بکر اس کو ایک سال میں بارہ روپیہ باقساط یا کل یکمشت ادا کردے تو یہ بیع صحیح ہے اور سُود تو نہیں ہے؟

(۲) زید نے مختلف دھات کے سکے دس روپیہ کے جمع کرکر بکر کے ہاتھ ۱۵ روپیہ میں بیع کئے اور یہ روپیہ چار ماہ کے بعد لینا چاہا تو یہ بیع صحیح ہے یا نہیں؟ یا اس پندرہ روپیہ کا غلہ کسی قسم کا کسی نرخ پر ٹھہرالیا تو وہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) نوٹ اگر قرض دیا جائے اور ایک پیسہ زیادہ لینا ٹھہرالیا جائے تو قطعی حرام ہے قال اللّٰه تعالٰی وحرم الربٰو[2] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور اللہ تعالٰی نے سُود کو حرام کیا۔ ت) اور اگر نوٹ روپیہ کے عوض بیع کریں اور اس پر جو قیمت مکتوب ہے اس سے کم یا زیادہ برضائے باہمی معجل خواہ مؤجل باجل معلوم ثمن قرار دیں تو ضرور حلال ہے قال اللّٰه تعالٰی واحل اللّٰه البیع[3] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور اللہ تعالٰی نے بیع کو حلال کیا۔ ت) جس شخص نے یہ گمان کیا کہ نوٹ عرفاً چاندی کا عین ہو رہا ہے تو

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب الصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۲۴۴

[2] القرآن الکریم ۲/۲۷۵

[3] " ۲/۲۷۵

اور اصطلاحی طور پر اس کی قیمت معین ہونا بائع اور مشتری کے باہمی رضا کو نہیں روکتا، ہر شخص کو اختیار ہے کہ اپنا مال جو عام نرخ سے دس روپے کا ہو برضائے مشتری سَو روپیہ کو بیچے یا ایک ہی پیسہ کو دے دے۔

قال اﷲ تعالٰی الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم[1]۔

اﷲ تعالٰی نے فرمایا: مگر یہ کہ ہو تمہارے درمیان تجارت تمہاری باہمی رضامندی سے۔ (ت)

نوٹ کا ثمن اصطلاحی ہونا بھی اس کا مانع نہیں کہ اختلافِ جنس کی حالت میں ہمارے ائمہ کے اجماع سے تفاضل جائز ہے ایک روپے کے پیسے بتعیین عرف ہمیشہ معین رہتے ہیں ہر بچہ جانتا ہے کہ روپے کے صرف سولہ آنے آتے ہیں، نہ پندرہ نہ سترہ۔ یہ عرفی تعیین اور اس کا ثمن مصطلح ہونا عاقدین پر کمی بیشی حرام نہیں کرسکتا، علماء نے تصریح فرمائی کہ اٹھنی سے زیادہ کے عوض میں آٹھ آنے پیسے بیچنا حلال ہے۔ درمختار میں ہے:

من اعطی صیرفیا درھما کبیرا فقال اعطنی بہ نصف درھم فلوسا و نصفا الاحبۃ صح ویکون النصف الاحبۃ بمثلہ و مابقی بالفلوس[2]۔

کسی نے صراف کو ایک بڑا درہم دیتے ہوئے کہا کہ نصف درہم کے پیسے دے دو اور نصف درہم دے دو جس میں سے ایک جبہ کم تر ہو تو بیع صحیح ہوگی نصف درہم ایک جبہ کم اپنی مثل کے مقابل ہوجائیگا اور باقی پیسوں کے مقابل ہوگا (ت)

نوٹ اور پیسے تو اصطلاحی ثمن ہیں سونا چاندی ثمن خلقی ہیں اور ہر شخص جانتا ہے کہ ایک اشرفی کئی روپے کی ہوتی ہے، مگر علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ایک روپیہ ایک اشرفی کو بیچنا صحیح ہے تو وجہ وہی ہے کہ اختلافِ جنس کے بعد تفاضل جائز ہے، درمختار میں ہے:

صح بیع درھمین ودینار بدرھم ودینارین بصرف الجنس بخلاف جنسہ[3]۔

دو درہموں اور ایک دینار کو دو دیناروں اور ایک درہم کے بدلے فروخت کرنا صحیح ہے جنس کو خلافِ جنس کی طرف پھیرنے کی وجہ سے۔ (ت)

عام اشیاء کی قیمت کا اندازہ روپوں ہی کے ساتھ کیا جاتا ہے اس سے وہ روپے کے عین یا چاندی کی جنس نہیں ہوجاتیں اشرفیوں کا اندازہ بھی یونہی ہے کہ فلاں اشرفی سولہ روپے کی فلاں بیس کی فلاں

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

[2] درمختار باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۷

[3] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۲/ ۵۵

پچیس کی۔ پیسوں کا اندازہ بھی یہی ہے کہ روپے کے سولہ آنے چونسٹھ پیسے اس سے اگر پیسے یا اشرفی روپے کے عین یا چاندی کی جنس ہوجاتے تو ایک اشرفی ایک روپیہ کو کیونکر جائز ہوتی جبکہ بیس روپے کی اشرفی ایک روپے کو بیچنا یا یُوں کہئے کہ مشتری کی طرف سے ایک روپیہ پچیس روپے کی اشرفی کو بیچنا صحیح ہوا اور ربا نہ ٹھہرا تو دس کا نوٹ بارہ کو دینا کہاں سے ربا ہوجائیگا پچیس کے اشرفی کہنے نے جس طرح اشرفی کو چاندی نہ کردیا تھا یونہی دس کا نوٹ کہنا کاغذ کو نقرہ نہ بنادے گا، عام کتب مذہب میں تصریح ہے کہ علّتِ ربا اتحاد قدر و جنس ہے اس کے بعد وزن میں برابری فرض ہے مالیت کا کچھ لحاظ نہیں مثلاً کھری چاندی کا عمدہ زیور کہ صناعی کے باعث اپنے وزن سے دوچند قیمت کا ہوگیا ہو جب چاندی کے عوض بیچیں تو فرض ہے کہ دونوں کانٹے کے تول برابر ہوں اختلاف مالیت پر نظر کرکے کمی بیشی کی تو حرام اور ربا ہوجائے گا یونہی عمدہ سونا پچیس روپے تولے والا خراب سونے دس روپے تولے والے سے بیچیں جب بھی فرض ہے کہ وزن بالکل یکساں ہو اس کا خیال نہ کریں گے کہ اس کی مالیت تو اس سے ڈھائی گنی ہے۔ ہدایہ و درمختار میں ہے:

لایجوز بیع الجید بالردی مما فیہ الربا الا مثلا بمثل لاھدار التفاوت فی الوصف[1]

اموالِ ربویہ میں عمدہ کی بیع ردی کے ساتھ صرف اسی صورت میں جائز ہے کہ وہ برابر برابر ہو کیونکہ یہاں وصف میں تفاوت معتبر نہیں (ت)

اگر نوٹ عرف میں بفرض غلط روپے کا عین ہی سمجھا جاتا ہو تو اب ہم پوچھتے ہیں کہ شرعاً بھی اس پر روپے کی تمام احکام جاری ہونا ضرور ہے یا نہیں، اگر نہیں تو ربا کدھر سے آیا، ابھی فتح القدیر و ردالمحتار وغیرہما سے تصریح گزری کہ کاغذ کا ایک پرچہ ہزار روپے کو بیچنا جائز ہے اور جائز بھی ایسا جس میں نام کو کراہت تک نہیں، خدا انصاف دے تو یہ نوٹ کی بیع مذکور کا صریح جزئیہ ہے جسے علمائے کرام حدوث نوٹ سے صدہا سال پیشتر تحریر فرماگئے اور ثمنیت اصطلاحیہ سے فرق محض جہالت ہے جس کا بیان مشرح گزرا اور اگر آپ کے زعم میں شرعاً بھی نوٹ پر روپے ہی کے احکام ہیں تو اب الٹا ربا تم پر وارد ہوگا روپے کا حکم یہ نہ تھا کہ دوسرے روپے سے اسے بدلو تو مالیت برابر دیکھ لو بلکہ وزن برابر کرنے کا حکم تھا تو چاہئے کہ جو لوگ دس کا نوٹ دس کو بیچیں حرام قطعی اور سود ہو کہ ایک طرف ماشہ بھر وزن ہے اور دوسری طرف دس تولہ بلکہ واجب ہو کہ کانٹے میں نوٹ رکھ کر جتنی چاندی اس پر چڑھے اسی قدر کو بیچیں تو نوٹ میں برابری فرض کرنے والے خود ہی اپنے زعم کے رُو سے سود حلال کررہے ہیں اس سے بھی قطع نظر سہی نوٹ اگر عین

---

[1] الہدایہ کتاب البیوع باب الربٰو مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۱

ہوگیا تو روپے کا ہوا اشرفی کا تو نہ ہوگا یا ایک ہی چیز سونے اور چاندی دونوں کا عین ہوجائے گی اور ابھی درمختار سے گزرا کہ ایک روپے کی بیع ایک اشرفی سے صحیح ہے اور ہرگز ربا نہیں، نوٹ جبکہ روپے کا عین ٹھہرا تو دس روپے کا نوٹ بارہ اشرفیوں کو بیچنا قطعاً ربا نہ ہوگا اب یہ عجیب حکم پیدا ہوگا کہ دس کا نوٹ بارہ روپے کو بیچو جب تو سُود اور دس کے نوٹ پر بارہ اشرفیاں لے جاؤ تو اصلاً سُود نہیں، غرض ان لوگوں کی مخالفت اصلاً کسی اصل شرعی کی طرف راجع نہیں محض اپنے تخیلات بے سروپا ہیں یہ حکم بیع کا تھا البتہ دس کا نوٹ قرض دینا اور یہ ٹھہرا لینا کہ ادائے قرض کے وقت بارہ روپے یا پیسہ اوپر دس روپے لُوں گا یہ حرام اور سُود ہے، حدیث میں ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کل قرض جر منفعۃ فھو ربا۔[1] رواہ الحارث بن ابی اسامۃ عن امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالٰی وجھہ۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جو قرض نفع کھینچے وہ سود ہے۔ اس کو حارث بن ابواسامہ نے سیدنا امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کیا (ت)

اور یہ خیال کہ بیع میں زیادہ کو بیچنا کیوں جائز ہوا اور قرض دے کر زیادہ ٹھہرا لینا کیوں حرام ہوا یہ تو دونوں ایک ہی سے ہیں یہ وہ مہمل اعتراض ہے کہ کافروں نے شریعت مطہرہ پر کیا اور قرآن عظیم نے اس کا جواب دیا:

قال اللہ تعالٰی قالوا انما البیع مثل الربٰو و احل اللہ البیع وحرم الربٰو۔[2]

اللہ تعالٰی نے فرمایا: کافر بولے بیع تو ایسے ہی ہے جیسے سُود اور ہے یہ کہ اللہ نے حلال فرمائی بیع اور حرام فرمایا سُود۔

فقیر ان مضامین عالیہ کی تفصیل میں بعونہ تعالٰی ایک رسالہ لکھ سکتا ہے مگر عاقل ذی انصاف کو یہی جملے بس ہیں مسلمان انھیں بغور و انصاف دیکھیں اور اہل حق پر جاہلانہ اعتراض سے احتراز کریں والہادی وولی الایادی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک نوٹ قیمتی عسہ روپے کا زید نے عمرو کے ہاتھ مبلغ عسہ روپے کو اس شرط پر بیع کیا کہ ایک روپیہ ماہوار قسط کرکے بارہ مہینہ میں اس زرِ ثمن کو

---

[1] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۶/ ۲۳۸

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

پورا کردے جو زید نے عمرو سے مقرر کی ہے اور اس کے اطمینان کے لئے عمرو نے اپنے مکان وغیرہ کو مستغرق کردیا کہ اگر روپیہ نہ ادا ہو تو اس سے وصول کرسکے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جبکہ حقیقۃً بائع ومشتری دونوں کو فی الواقع بیع صحیح شرعی مقصود ہو اور فریقین کی سچی رضامندی سے عقد واقع ہو اور نوٹ اسی جلسہ میں مشتری کے قبضہ میں دے دیا جائے تو اختلاف جنس کی حالت میں شرع مطہر نے بازار کے بھاؤ پر کمی بیشی منع نہ کی اور جہاں قرض دینا اور اس پر زیادہ لینا ہو وہ ضرور سود اور حرام ہے، جہال اگر اس فرق کو نہ جانیں تو یہ وہی امر ہے جس کی خود قرآن عظیم میں تصریح ہے:

قال الله تعالٰی قالوا انما البیع مثل الربٰو واحل الله البیع وحرم الربٰو۔[1]

اللہ تعالٰی نے فرمایا، کافر بولے بیع تو ایسے ہی ہے جیسے سود اور ہے یہ کہ اللہ نے حلال فرمائی بیع اور حرام فرمایا سود۔

اور خالی استغراق بے قبضہ شرعًا کوئی چیز نہیں، قال الله تعالٰی فرھٰن مقبوضۃ[2] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: پس رہن قبضہ کیا ہوا۔ت) اور بعد قبضہ اس سے نفع اٹھانا حلال نہیں مثلًا زید کو اس مکان میں رہنا یا کرایہ پر دے کر اس کا کرایہ لینا حرام ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۷: از مارہرہ مطہرہ ضلع ایٹہ مرسلہ حضرت سید ارتضا حسین صاحب ۱۴ رجب ۱۳۲۶ھ

بیع الفلس بالفلسین جائز یا ناجائز؟ زیادہ نیاز

الجواب

راجح یہ کہ ناجائز ہے،

کما حققہ المحقق علی الاطلاق فی الفتح واقرہ علیہ من بعدہ من المحققین کالبحر والنھر والغزی والمقدسی والشرنبلالی وفی الدر المختار حرمہ الکل محمد وصححہ[3] واللہ تعالٰی اعلم۔

جیسا کہ محقق علی الاطلاق نے فتح میں اس کی تحقیق فرمائی اور بعد میں آنے والے محققین نے اس کو برقرار رکھا جیسے بحر، نہر، غزی، مقدسی اور شرنبلالی۔ اور درمختار میں ہے کہ امام محمد نے سب کو حرام کہا اور اس قول کو صحیح قرار دیا۔ واللہ تعالٰی اعلم(ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵ [2] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۳

[3] درمختار کتاب البیوع باب الربٰو مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۱

مسئلہ ۲۵۸ ازملک بنگال ضلع نواکھالی مقام ہتیا مرسلہ مولوی عباس علی عرف مولوی عبدالسلام صاحب ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دس روپے دے کر پندرہ روپے کا پیسہ لینا جائز ہوگا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

بیع میں جائز ہے قال اللہ تعالٰی واحل اللہ البیع[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور حلال کیا ہے اللہ تعالٰی نے بیع کو۔ت)، درمختار میں ہے:

صح بیع درھمین ودینار بدرھم ودینارین بصرف الجنس بخلاف الجنس ومثلہ بیع کربر وکر شعیر بکری بر وکری شعیر وکذا بیع احد عشر درھما بعشرۃ دراھم ودینار[2]

جنس کو خلافِ جنس کی طرف پھیرنے کی وجہ سے دو درہموں اور ایک دینار کو دو دیناروں اور ایک درہم کے عوض بیچنا صحیح ہے، اور اسی کی مثل ہے ایک بوری گندم اور ایک بوری جَو کو دو بوری گندم اور دو بوری جَو کے عوض فروخت کرنا، اور اسی طرح گیارہ درہموں کو دس درہم اور ایک دینار کے عوض بیچنا۔ (ت)

اور قرض میں حرام قال اللہ تعالٰی وحرم الربٰو[3] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور اس نے سُود کو حرام کیا۔ ت) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کل قرض جر منفعۃ فھو ربا[4] — جو قرض نفع کھینچے وُہ سود ہے۔ (ت)

یعنی اگر دس روپے دو سو چالیس آنے کو بیچے تو حلال، اور اگر دس روپے قرض دے اس شرط پر کہ دو سو چالیس یا ایک سو اکسٹھ ہی آنے لوں گا، تو حرام۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[2] درمختار کتاب البیوع باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۵

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[4] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۶/ ۲۳۸

مسئلہ ۲۵۹ مرسلہ مولوی احسان حسین ۲۳ شعبان ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی شخص نے بہ نیت تجارت ہزار پانسو کے نوٹ کچہری سے خرید کرکے دس روپے کا نوٹ بارہ روپیہ کو قرض فروخت کرکے ایک روپیہ ماہوار سال بھر تک مدیون سے لینا مقرر کیا اور اگر دو نوٹ دس دس روپے کے فروخت کئے تو دو روپے ماہوار قسط ایک سال تک مقرر کیا اور اور مدیون سے تمسک لکھا کر شرط کرلیتے ہیں کہ سال بھر میں ادا نہ کروگے تو نالش کرکے مع خرچہ کے مدیون کی جائداد سے یا اس کے ضامن سے وصول کیا جائے گا۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

یہ صورت ناجائز ہے کہ شرط فاسد مفسد بیع ہے اور بیع فاسد حرام وواجب الفسخ، اور مدار اعمال کا نیت پر ہے واللہ یعلم المفسد من المصلح[۱] (اور اللہ تعالٰی جانتا ہے بگاڑنے والے کو سنوارنے والے سے۔ ت) جو فعل سُود کی نیت سے کیا جائے قطعاً موجبِ گناہ ہوگا اگرچہ فی نفسہٖ ربا نہ ہو اور قرضوں زیادہ کو بیچنا بھی کراہت سے خالی نہیں اور نوٹ کی خرید و فروخت پر کمی بیشی بلاشبہہ جائز ہے والتفصیل فی فتاوٰنا (اور تفصیل ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۶۰ ۸ رمضان المعظم ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ نوٹ رائج الوقت سو روپیہ کا ایک سو بیس ۱۲۰ روپیہ کو کسی شخص کے ہاتھ فروخت کیا جائے اور دس روپے ماہوار مشتری سے وصول کیا جائے تو یہ فروخت جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب

نوٹ مثل اور اشیاءِ فروختنی کے ایک چیز ہے مالک کو اپنی ملک پر نفع لینے کا بیع و شرائے شرعی میں اختیار ہے جبکہ مشتری کی رضامندی ہو دس روپے کا تھان مشتری کی رضامندی سے سَو روپے کو بیچے تو کچھ مضائقہ نہیں پھر وہ روپے چاہے نقد ٹھہریں خواہ قسط بندی سے۔ امام ابن الہمام فتح القدیر شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں:

لوباع کاغذۃ بالف یجوز ولایکرہ[۲]	اگر کاغذ کا ایک ٹکڑا ہزار درہم کے بدلے میں بیچا تو جائز ہے اور اس میں کراہت نہیں ہے۔ (ت)

---

[۱] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۰

[۲] فتح القدیر کتاب الکفالہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

ہاں یُوں کہ سَو روپے قرض دے اور یہ ٹھہرالیا کہ اُس کے عوض ایک سو دس روپے کا نوٹ لُوں گا یا سَو روپے کا نوٹ ایک سو دس کو بیچا اور قرارداد کیا کہ یہ زرِثمن اگر بتدریج دو تو سال بھر تک دس روپے ماہوار دو یہ صورتیں قطعی سُود و حرام ہیں، حدیث میں ہے:

کل قرض جر منفعة فھو ربٰا۔[1] جو قرض نفع کھینچے وُہ سود ہے۔ (ت)

اور یہ خیال کہ بیع میں زیادہ کو بیچنا کیوں جائز ہوا اور قرض دے کر زیادہ ٹھہرالینا کیوں حرام ہوا دونوں ایک ہی سے ہیں۔ یہ وہ مہمل اعتراض ہے کہ کافروں نے شریعتِ مطہرہ پر کیا اور قرآنِ عظیم نے اس کا جواب دیا:

قال اللہ تعالٰی قالوا انما البیع مثل الربٰو واحل اللہ البیع و حرم الربٰو۔[2] واللہ تعالٰی اعلم

اللہ تعالٰی نے فرمایا: کافر بولے بیع تو ایسی ہی ہے جیسے سود، اور یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے حلال فرمائی بیع اور حرام فرمایا سود۔ (ت)

مسئلہ ۲۶۱ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے بقال کو ایک روپیہ دیا کہ اس کے پیسے دے، اس نے ۱۶ دے اور کہا کہ ۱۶ کل دُوں گا، یہ چھوڑ دینا گناہ ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب

اس صورت کے جواز میں روایات مختلف ہیں لیکن اکثر معتبرات مثل تنویر الابصار و درمختار و فتاوٰی بزازیہ و مبسوط و محیط و ذخیرہ و بحرالرائق و نہرالفائق و فتاوٰی علامہ حانوتی و فتاوٰی ہندیہ وغیرہا میں جواز پر جزم فرمایا تو بہتر بچنا ہے خروجا عن الخلاف (اختلاف سے نکلنے کے لئے۔ ت) اور اگر ایسا کرے تو کچھ گناہ بھی نہیں لجنوح عامة العلماء الی الجواز (عام علماء کا جواز کی طرف میلان ہونے کی وجہ سے۔ ت)، تنویر الابصار میں ہے:

باع فلوسا بمثلھا او بدراھم او بدنانیر فان نقد احدھما جاز وان تفرقا بلا قبض احدھما لم یجز[3] انتھی۔

کسی نے پیسے فروخت کئے اپنی مثل کے عوض یا درہموں یا دیناروں کے عوض، اگر دونوں میں سے ایک نے نقد ادائیگی کی تو جائز ہے اور اگر قبضہ سے پہلے بائع اور مشتری دونوں جُدا ہوگئے تو ناجائز ہے انتہی۔ (ت)

---

[1] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع باب الربٰو مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۲

فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے :

اذا اشتری الرجل فلوسا بدراھم و نقد الثمن ولم تکن الفلوس عند البائع فالبیع جائز کذا فی المبسوط وروی الحسن عن ابی حنیفۃ اذا اشتری فلوسا بدراھم ولیس عند ھذا فلوس ولا عند الآخر دراھم ثم ان احدھما دفع و تفرقا جاز وان لم ینقد واحد منھما حتی تفرقا لم یجز کذا فی المحیط[1] اھ ملخصًا۔

اگر کسی نے درہموں کے بدلے پیسے خریدے اور ثمن نقد ادا کردیئے مگر بائع کے پاس اس وقت پیسے موجود نہ تھے تو بیع جائز ہے یونہی مبسوط میں ہے، اور حسن نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ اگر کسی نے درہموں کے عوض پیسے خریدے جبکہ نہ اس (بائع) کے پاس پیسے ہیں نہ دوسرے (مشتری) کے پاس درہم ہیں پھر اگر ان میں سے ایک نے ادائیگی کردی اور وہ جُدا ہوگئے تو جائز اور اگر جُدا ہونے تک دونوں میں سے کسی نے بھی ادائیگی نہ کی تو ناجائز ہے محیط میں یُوں مذکور ہے اھ تلخیص (ت)

ردالمحتار میں ہے :

سئل الحانوتی عن بیع الذھب بالفلوس نسیئۃ فاجاب بانہ یجوز اذا قبض احد البدلین لما فی البزازیۃ لواشتری مائۃ فلس بدرھم یکفی التقابض من احد الجانبین قال ومثلہ لو باع فضۃ او ذھبا بفلوس کما فی البحر عن المحیط قال فلا یغتر بما فی فتاوٰی قارئ الھدایۃ من انہ لا یجوز بیع الفلوس الی اجل بذھب او فضۃ اھ قلت

حانوتی سے سونے کے پیسوں کے عوض ادھار بیع کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ اگر بدلین میں سے ایک پر قبضہ کرلیا گیا ہے تو جائز ہے اس دلیل کی وجہ سے جو بزازیہ میں ہے کہ اگر کسی نے ایک درہم کے عوض سو پیسے خریدے تو صرف ایک طرف سے قبضہ کافی ہے اور فرمایا اگر کوئی پیسوں کے بدلے سونا یا چاندی بیچے تو اس کا حکم بھی یہی ہے جیسا کہ محیط کے حوالے سے بحر میں مذکور ہے، اور فرمایا کہ جو فتاوٰی قاری الہدایہ میں ہے اس سے دھوکہ مت کھانا یعنی یہ کہ پیسوں کی سونے یا چاندی کے عوض ادھار بیع ناجائز ہے اھ ، میں کہتا ہُوں

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الصرف الباب الثانی الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۲۲۴

والجواب حمل ما فی فتاوی قاری الهدایة علی ما دل علیه کلام الجامع الصغیر من اشتراط التقابض فی الجانبین فلا یعترض علیه بما فی البزازیة المحمول علی ما فی الاصل[1] الخ اه ملخصًا۔

جواب یہ ہے کہ جو فتاوٰی قاری الہدایۃ میں ہے وہ اس پر محمول کیا جائے گا جس پر جامع کا کلام دلالت کرتا ہے یعنی ایک طرف سے قبضہ کرنا شرط ہے لہذا اس پر بزازیہ کی اس عبارت سے اعتراض نہیں کیا جائیگا جو کہ مبسوط کے بیان پر محمول ہے الخ تلخیصاً (ت)

اسی میں ہے :

لو باع فضة بفلوس فانه یشترط قبض احد البدلین قبل الافتراق لا قبضهما کما فی البحر عن الذخیرة، ونقل فی النهر عن فتاوی قاری الهدایة انه لا یصح تاجیل احدهما ثم اجاب عنه[2] الخ۔ والله تعالٰی اعلم۔

اگر کوئی چاندی کو پیسوں کے عوض بیچے تو اس میں افتراق سے پہلے بدلین میں سے صرف ایک پر قبضہ شرط ہے دونوں پر قبضہ شرط نہیں جیسا بحر میں بحوالہ ذخیرہ مذکور ہے، نہر میں فتاوٰی قاری الہدایہ سے منقول ہے کہ بدلین میں سے ایک کو مؤجل کرنا صحیح نہیں، پھر صاحب نہر نے اس کا جواب دیا الخ۔ اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۶۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ڈبل پیسہ کہ وزن میں کم ہے منصوری پیسے سے بدلنا اور کچھ کوڑیاں اوپر لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

ناجائز ہے اگرچہ کوڑیاں بھی نہ لے،

کما هو مذهب الامام محمد وهو الراجح والاقرب الی الصواب لتحقق العلة اعنی القدر والجنس ووجود التفاضل قطعا وورود الشرع بحرمته یقینا واما ما ذکروا من حدیث التفرقة

جیسا کہ امام محمد کا مذہب ہے اور وہی راجح اور حق کے قریب ترین کیونکہ اس میں علتِ ربا یعنی قدر وجنس متحقق ہے اور قطعی طور پر تفاضل موجود ہے اور اس کی یقینی حرمت پر شرع وارد ہے اور وہ جو فقہاء نے فرق والی بات ذکر کی ہے کہ اگر کوئی چیز

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربٰو دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۴

[2] " " باب الصرف " " " " ۴/ ۲۳۵

بین ما اذا دخل تحت المعیار فلا یجوز واما اذا لم یدخل کحفنۃ بحفنتین وفلس بفلسین فیجوز فقد زیفہ العلامۃ المحقق علی الاطلاق فی الفتح[1] بما ترکن الیہ البصائر وتسکن لدیہ الخواطر فلیراجعہ من شاء، قال الشامی وقد نقل من بعدہ کلامہ ھذا واقروہ علیہ کصاحب البحر والنھر والمنح والشرنبلالیۃ والمقدسی[2] انتھی قال العلائی وحرم الکل محمد وصححہ کما نقلہ الکمال[3] انتھی فافھم، واللہ تعالٰی اعلم۔

معیار کے تحت داخل ہو تو بیع ناجائز، اور اگر نہ داخل ہو جیسے ایک مٹھی دو مٹھی کے بدلے میں اور ایک پیسہ دو پیسوں کے بدلے میں تو جائز ہے اس کا رد علامہ محقق علی الاطلاق نے فتح میں کیا ہے جس کی طرف نظریں مائل ہوتی ہیں اور دل سکون پاتے ہیں تو جو چاہے اس کی طرف رجوع کرے، شامی نے کہا کہ اس کے بعد والوں نے اس کا یہ کلام نقل کیا ہے اور انھوں نے اس کو برقرار رکھا ہے جیسے صاحب البحر، نہر، منح، شرنبلالیہ اور مقدسی (انتہی) علائی نے کہا امام محمد نے اس سب کو حرام کہا اور ان کے قول کی تصحیح کی گئی جیسا کہ کمال نے اس کو نقل کیا (انتہی) پس سمجھ۔ اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۶۳ تا ۲۶۵: از کاٹھیاواڑ دھوراجی محلہ سپاہی گران مسئولہ حاجی عیسٰی خان محمد صاحب ۸ رجادی الاولٰی ۱۳۲۰ھ

(۱) زید نے عمرو کے ہاتھ روپے سے نوٹ ایک وعدہ پر بیچا عمرو بوقت ادا نوٹ لایا اور اس نوٹ کے عوض زید سے روپے لے کر قبضہ کرلیا پھر روپے زید کو ادا کردیئے، یہ جائز ہے یا نہیں؟

(۲) زید نے عمرو کے ہاتھ ہزار روپے کا نوٹ گیارہ سو کو آٹھ ماہ کے وعدہ پر بیچا اور عمرو سے تمسک لکھا لیا پھر زید نے یہ تمسک بکر کو دے دیا کہ تم روپے وصول کرلو عمرو نے بجائے گیارہ سو روپوں کے گیارہ سو کا نوٹ دیا، یہ جائز ہے یا نہیں؟

(۳) زید نے دلال سے کہا میں ہزار کا نوٹ گیارہ سو کو بیچتا ہوں تم خریدار تلاش کردو، دلال عمرو کے

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربٰو داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۱
فتح القدیر باب الربٰو مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۶۲-۶۳
[2] ردالمحتار کتاب البیوع 〃 داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۱
[3] درمختار 〃 〃 مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۱

پاس آیا عمرو نے دلال سے کہا میرے لئے خرید لاؤ دلال نے عمرو سے تمسک لکھوا لیا اور زید سے نوٹ خرید کر تمسک دے دیا اور نوٹ لاکر عمرو کو دے دیا، یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) جائز ہے مگر ایک صورت میں کہ وہی نوٹ لے کر آئے اور پہلی قیمت سے کم کو بیچے تو یہ ناجائز ہے،

لکونه شراء ما باع باقل مما باع فان قلت هو ثمن والاثمان لاتتعین فی العقود فلا یحکم بانه یبیع ما شری قلت المناط ثمه ایراد العقد علی عین ما ملکه سابقا وهذا منتف عند عدم التعین اما ههنا فالمناط ان یعود الیه عین ملکه کما خرج قال فی التبیین فی تعلیل المسألة لان الثمن لم یدخل فی ضمان البائع قبل قبضه فاذا عاد الیه عین ماله بالصفة التی خرج من ملکه وصار بعض الثمن قصاصا ببعض بقی له علیه فضل بلا عوض فکان ذلك ربح مالم یضمن وهو حرام بالنص[1] اھ وقال فی الفتح وهذا لان الثمن

کیونکہ یہ اپنی ہی فروخت کردہ شئی کو اس قیمت سے کم پر خریدنا ہے جس پر اس نے فروخت کی تھی، اور تو کہے کہ وہ ثمن ہے اور ثمن عقود میں متعین نہیں ہوتے چنانچہ یہ حکم نہیں لگایا جائے گا کہ وہ اسی چیز کو بیچ رہا ہے جس کو اس نے خریدا۔ میں کہتا ہوں کہ وہاں دارومدار عقد کے بعینہٖ اس چیز پر وارد کرنے پر ہے جس کا وہ سابق عقد میں مالک ہوا اور وہ عدم تعین کے وقت منتفی ہے، لیکن یہاں دارومدار اس پر ہے کہ اس کا مملوک بعینہٖ اس کے پاس لوٹ آئے جیسے اس کی ملک سے خارج ہوا تھا۔ تبیین میں اس مسئلہ کی تعلیل یُوں فرمائی کہ چونکہ ثمن قبضہ سے پہلے بائع کی ضمان میں داخل نہیں ہوا اور جب اس کا مال بعینہٖ اس کے پاس لوٹ آیا اسی صفت کے ساتھ جس کے ساتھ اس کی ملک سے خارج ہوا تھا اور بعض ثمن بعض کا بدلہ ہوگئے تو اس کے لئے دوسرے پر کچھ زیادتی بلا عوض رہ گئی تو یہ نفع ہے اس چیز پر جو ابھی ضمان میں نہیں آئی، اور یہ نص سے حرام ہے اھ، فتح میں کہا یہ حکم اس لئے ہے کہ ثمن

---

[1] تبیین الحقائق باب البیع الفاسد المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۴/۵۴

لایدخل فی ضمانہ قبل القبض فاذا عاد الیہ الملك الذی زال عنہ بعینہ وبقی لہ بعض الثمن فھو ربح حصل لاعلی ضمانہ من جھۃ من باعہ[1] اھ ومثلہ فی سائر الکتب المعللۃ ومعلوم ان الاثمان لاسیما الاصطلاحیۃ وان لم تتعین فی العقود متعینۃ فی الملك قطعا فلیس للمودع ان یبدل دراھم الودیعۃ بدراھم من عندہ فعود ماملك کماخرج ثابت قطعا وعلیہ تدور رحی المنع کماعلمت ھذا ماظھر لی وارجوان یکون صوابا ان شاء اللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

قبضہ سے پہلے بائع کی ضمان میں داخل نہیں ہوتے پھراس کی مملوک جواس کی ملکیت سے زائل ہوئی تھی بعینہٖ اس کی طرف لوٹ آئی اور اس کے لیے بعض ثمن باقی رہے تو یہ ایسا نفع ہے جو اس چیز پر حاصل ہوا جو اس کی ضمان میں نہیں اور اس شخص کی طرف سے حاصل ہوا جس کو اس نے یہ چیز بیچی تھی اھ اور اس کی مثل تمام تعلیل بیان کرنے والی کتابوں میں ہے، اور یہ معلوم ہے کہ ثمن خصوصًا اصطلاحی ثمن اگرچہ عقود میں متعین نہیں ہوتے مگر ملک میں قطعی طور پر متعین ہوتے ہیں لہذا جس کے پاس امانت کے طور پر درہم رکھے گئے ہوں وہ اُن کو اپنے پاس سے دوسرے درہموں سے بدل نہیں سکتا چنانچہ مملوک کا لوٹ کر آنا جیسا کہ وہ ملک سے خارج ہوا تھا قطعی طور پر ثابت ہوگیا اور ممانعت کی چکّی اسی پر گھومتی ہے جیسا کہ تُو جان چکا ہے، یہ وہ ہے جو میرے لئے ظاہر ہُوا اور مجھے امید ہے کہ ان شاء اللہ تعالٰی یہ درست ہوگا، اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

(۲) جائز ہے خواہ زید نے بکر کو صرف وصول کرنے کا وکیل کیا ہو یا اس دین کا مالک کرکے قبضہ کرنے کا حکم دیا ہو، غمز العیون میں ہے:

یفھم من فروع الواقعات الحسامیۃ ان لصاحب الدراھم الدین استبدال الدنانیر بھا وعکسہ وھو ظاھر وکثیر الوقوع وھی مسألۃ بیع الدین من المدیون[2]۔

فروعِ واقعاتِ حسامیہ سے مفہوم ہوتا ہے دراہم کے قرض والے کو اختیار ہے کہ وہ اس کے بدلے دینار لے لے اور اسی طرح اس کا عکس، اور یہ ظاہر اور کثیر الوقوع ہے اور دین کو مدیون کے ہاتھ بیچنے کا مسئلہ ہے۔ (ت)

[1] فتح القدیر باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۷۱

[2] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثالث ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۲۱۳

اشباہ میں ہے:

فی وکالۃ الواقعات الحسامیۃ لوقال وھبت منك الدراھم التی لی علی فلان فاقبضھا منہ فقبض مکانھا دنانیر جاز لانہ صار الحق للموھوب لہ فیملك الاستبدال[1]

واقعاتِ حسامیہ کے باب الوکالۃ میں ہے کہ اگر کسی نے دوسرے کو کہا میں نے تجھے وہ دراہم ہبہ کردیئے جو میرے فلاں پر ہیں تو ان پر قبضہ کرلے۔ پھر اس نے دراہم کے بدلے دنانیر وصول کرلئے تو جائز ہے کیونکہ یہ موہوب لہ کا حق بن گیا لہٰذا وہ تبدیل کرسکتا ہے۔ (ت)

نیز یہاں اگر عمرو وہی نوٹ جو زید سے خریدا سَو روپے کا نوٹ اپنے پاس سے ملاکر یوں گیارہ سَو کے عوض دے تو یہ بھی دونوں صورتوں میں جائز ہے، اگر زید نے بکر کو اس دین کا مالک کردیا تھا جب تو ظاہر لان من باع لم یشتر ومن شری لم یبع (کیونکہ جس نے بیچا اس نے خریدا نہیں اور جس نے خریدا اس نے بیچا نہیں۔ ت) اور اگر زید نے بکر کو وکیل کیا تو ہمارے امام مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک جائز ہے کہ جو چیز کسی قیمت کو بیچی اور قیمت ہنوز ادا نہ ہوئی ہو کسی کو اپنا وکیل کرکے اس کے ذریعہ سے وہ چیز کم قیمت کو خریدے، ہاں اگر بکر وکیل نہ ہوتا صرف رسول ہوتا مثلاً زید بکر سے کہتا کہ یہ تمسک لے جاؤ اور عمرو سے میری طرف سے کہو کہ میرا روپیہ دے دے بکر آکر اس سے کہتا کہ زید تجھ سے اپنا روپیہ مانگتا ہے اس پر عمرو وہی نوٹ جو زید سے خریدا تھا سَو کا نوٹ ملاکر بھیج دیتا تو یہ زید کو ناجائز ہوتا کہ یہ خود زید کا خریدنا ہوتا رسول تو بیچ میں نرا ایلچی تھا بخلاف وکیل کہ حقوقِ بیع اسی کی طرف راجع ہوتے ہیں تو یُوں ہوا کہ عمرو سے اس نے خریدا اور اس سے زید نے لیا بیچ میں ایک بیع کا توسط ہوگیا لہٰذا زید کو لینا حلال ہوا، غایۃ البیان علامہ اتقانی میں مختصر امام ابو الحسن کرخی سے ہے:

ان وکل البائع من یشتریہ باقل من الثمن الاول فاشتراہ، فالشراء جائز عند ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ وقال ابویوسف الشراء لازم للوکیل ولا یلزم الاٰمر، وقال محمد للاٰمر بشراء

اگر بائع نے وکیل بنایا کہ وُہ بائع کی فروخت کردہ چیز کو ثمن اول سے کم پر خریدے اور اس نے خرید لیا تو یہ خریداری امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک جائز ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا کہ یہ خریداری وکیل کے لئے لازم ہوگی آمر کے لئے لازم نہ ہوگی، اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۲۱۳

فاسد الی ھنا لفظ الکرخی وجہ قول محمد انہ امرہ بما لو باشرہ بنفسہ یکون فاسدا ووجہ قول ابی یوسف العقد لہ زیادۃ فساد بدلیل ابطال الجہاد فلم یجز التوکیل بہ ولابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ان الموکل فی المعنی مشتری من الوکیل فاصل کما اذا اشتری من غیرہ[1]

نے فرمایا یہ خریداری فاسد ہے یہاں تک کرخی کے لفظ ہیں، امام محمد کے قول کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اس کام کا وکیل بنایا جس کو اگر یہ خود کرتا تو فاسد ہوتا، امام ابو یوسف کے قول کی وجہ یہ ہے کہ عقد میں زیادہ فساد ہے اس دلیل کی وجہ سے کہ اس پر ابطال جہاد کی وعید حدیث میں آئی ہے لہذا اس کی توکیل جائز نہیں، اور امام ابو حنیفہ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ مؤکل در اصل وکیل سے خریدتا ہے تو یہ ایسے ہی ہوگا جیسے وہ کسی غیر سے خریدے۔ (ت)

فتاوٰی خلاصہ و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لوباع ثم وکل اخر حتی یشتری باقل جاز عندہ[2]

اگر کسی نے کوئی چیز بیچی پھر کسی کو وکیل بنایا تاکہ وہ اس کو پہلے سے کم قیمت پر خریدے تو امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک جائز ہے (ت)

تبیین الحقائق میں ہے:

لواشتراہ الوکیل صح لانہ ما باع ولا بیع لہ ولو باع الوکیل ثم اشتراہ احدھما لایصح اما الوکیل فلانہ باع واما المؤکل فلانہ بیع لہ اھ مختصرا[3]۔

اگر وکیل نے اس کو خریدا تو درست ہے کیونکہ نہ تو وکیل نے اس چیز کو بیچا اور نہ ہی اس کے لئے بیچا گیا، اور اگر وکیل نے اس چیز کو بیچا پھر ان دونوں میں سے کسی ایک نے اس کو (ثمن اول سے کم پر) خریدا تو درست نہیں کیونکہ وکیل نے تو خود اسے بیچا اور مؤکل کے لئے وہ چیز بیچی گئی اھ اختصار (ت)

فتح القدیر میں ہے:

لواشتری وکیل البائع باقل من الثمن

اگر بائع کے وکیل نے ثمن اول سے کم پر خریدا تو

---

[1] حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق بحوالہ مختصر الکرخی باب البیع الفاسد المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۴/ ۵۴

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب البیوع الفصل العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۳۳

[3] تبیین الحقائق باب البیع الفاسد المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۴/ ۵۵

40

الاول جائز عندہ خلافا لھما لان تصرف الوکیل عندہ یقع لنفسہ[1] الخ
اقول و بالجملۃ النقل فی المسألۃ فاش مستفیض فما وقع فی ردالمحتار لو اشتروا بالوکالۃ عن البائع لایجوز ولو کانوا اجانب عنہ کما فی قول المصنف اوبوکیلہ[2] اھ سھو عظیم یجب التجنب عنہ ومنشؤہ ان المصنف قال فسد شراء ما باع بنفسہ او بوکیلہ[3] الخ والظرف کان متعلقا بباع وحدہ و توھم العلامۃ رحمہ اللہ تعالٰی تعلقہ بکلا لفظی الشراء و باع علی سبیل التنازع حیث قال قولہ بنفسہ او وکیلہ تنازع فیہ کل من شراء وباع[4] الخ، ثم نقل من البحر کلاما لا یوھم ما یتخیلہ اصلا انما فیہ منع شراء البائع

امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک جائز ہے بخلاف صاحبین کے کیونکہ امام صاحب کے نزدیک وکیل کا تصرف اپنی ذات کے لئے واقع ہوتا ہے اھ
میں کہتا ہوں خلاصہ یہ کہ اس مسئلہ میں نقل عام تواتر کے ساتھ ہے، اور جو ردالمحتار میں واقع ہوا ہے کہ اگر بائع کے وکیل ہو کر انھوں نے خریدا تو ناجائز ہے اگرچہ وہ بائع سے اجنبی ہوں ـــــ جیسا کہ مصنف کے قول "او بوکیلہ" میں ہے اھ یہ بہت بڑا سہو ہے جس سے بچنا واجب ہے۔ اس سہو کا منشا یہ ہے کہ مصنف نے کہا اس چیز کو خریدنا فاسد ہے جس کو بائع نے بذاتِ خود بیچا یا اس کے وکیل نے بیچا الخ اس عبارت میں ظرف (جار مجرور) صرف باع سے متعلق تھا جبکہ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے وہم کیا کہ یہ بطور تنازع باع اور شراء دونوں لفظوں سے متعلق ہے اسی لئے علامہ نے فرمایا کہ شراء اور باع میں سے ہر ایک نے مصنف کے قول "بنفسہ او وکیلہ" میں تنازع کیا الخ اس کے بعد علامہ شامی نے بحر سے ایسا کلام نقل فرمایا جو علامہ شامی کے تخیل کا وہم تک نہیں رکھتا کیونکہ اس میں تو بائع

---

[1] فتح القدیر باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۶۸
[2] ردالمحتار ″ ″ ″ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۱۵
[3] درمختار ″ ″ ″ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶
[4] ردالمحتار ″ ″ ″ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۱۴

سواء باع لنفسه اولغیرہ وصت باع له وکیله وسواء کان شراء لنفسه اولغیرہ اما الذی لم یبع ولابیع له فلا تعرض فیه لمنعه من الشراء اصلا سواء شری لنفسه اولغیرہ کوکیل البائع بالشراء اما ما فی مختصر الکرخی فی صدر الکلام المذکور لایجوزان یشتری ذٰلك وکیل البائع فی قولهم جمیعا[1] (ملخصا) فمعناہ وکیله بالبیع کما قدمناہ عن التبیین وفیه لووکل رجلا ببیع غیرہ فباع ثم اراد الوکیل ان یشتری باقل لنفسه اولغیرہ بامرہ لم یجزا[2] ھ (ملخصا) ومثله فی الھندیة عن المحیط نعم وکیل البائع فی کلام الفتح المذکور بمعنی وکیله بالشراء فتثبت ولاتزل وبالله التوفیق، والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔

کی خریداری کو ممنوع قرار دیا گیا ہے چاہے بائع نے بذاتِ خود بیچا ہو یا اس کے وکیل نے اور چاہے اپنے لئے خریداری کرے یا غیر کے لئے، لیکن وہ شخص جس نے نہ تو خود بیچا نہ ہی اس کے لئے اس چیز کو بیچا گیا اس کی خریداری کی ممانعت سے اس عبارت میں بالکل کوئی تعرض نہیں چاہے وہ اپنے لئے خریدے یا غیر کے لئے جیسے خریداری کے لئے مقرر کردہ وکیل، اور وُہ جو کلام مذکور کے شروع میں مختصر کرخی میں مذکور ہے کہ بائع کے وکیل کا اس چیز کو خریدنا تمام فقہائ کے قول میں ناجائز ہے اس کا معنی وُہ وکیل جس کو بیع کے لئے مقرر کیا گیا تھا جیسا کہ تبیین کے حوالے سے ہم اس کا ذکر پہلے کر چکے ہیں، اسی میں ہے کہ کسی نے دوسرے کو کسی چیز کی بیع کا وکیل بنایا اور اس نے وہ چیز فروخت کر دی پھر اسی وکیل کا ارادہ ہوا کہ اس چیز کو ثمن اوّل سے کمتر ثمن کے عوض اپنی ذات کیلئے یا کسی اور کے لئے اس کے حکم پر خریدے تو یہ جائز ہے اھ اور اس کی مثل ہندیہ میں بحوالہ محیط ہے۔ فتح کے کلام مذکور میں وکیلِ بائع سے مراد بائع کا وہ وکیل ہے جس کو خریداری کے لئے اس نے مقرر کیا چنانچہ ثابت قدم رہ مت ڈگمگا، اور توفیق اللہ تعالٰی ہی کی طرف سے اور اللہ سبحٰنہ وتعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

(۳) جائز ہے اگر عمرو نے کہا خرید لاؤ اور اس نے زید سے خرید کر اسی جلسہ میں قبضہ کر لیا اس صورت میں عمرو کا تمسک لکھ دینا خریداری نہیں بلکہ اس لئے ہے کہ دلال زید سے خریدنے کے بعد روپے کے اطمینان کے لئے یہ تمسک اسے دے دے جیسا کہ سوال میں مذکور ہے ہاں اگر دلال نے آکر عمرو سے کہا اور عمرو نے جواب دیا کہ میں نے خریدا یعنی عقد بیع وشراء یہیں ہو لیا اور تمسک لکھ گیا بعدہٗ دلال نے نوٹ زید سے

[1] حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق بحوالہ مختصر الکرخی باب بیع الفاسد المطبعۃ الکبرٰی مصر ۴/ ۵۴

[2] تبیین الحقائق باب البیع الفاسد المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۴/ ۵۴

لاکر دیا تو حرام و باطل ہے کہ جلسۂ بیع میں نہ نوٹ پر قبضہ ہوا نہ روپوں پر،

فکان افترا قاعن دین بدین وقد نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن بیع الکالئ بالکالئ[1] واللہ تعالٰی اعلم

تو یہ دین سے دین کے بدلے جدائی ہے حالانکہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ادھار کی ادھار کے بدلے بیع سے منع فرمایا ہے اور اللہ تعالٰے بہتر جانتا ہے (ت)

مسئلہ ۲۶۶ ازبنارس محلہ کندی گر ٹولہ مسجد بی بی راجی شفاخانہ مرسلہ حکیم عبدالغفور صاحب ۱۶ جمادی الاولٰی ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کلابتوں کی بیع ادھار جائز ہے یا نہیں، بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ناجائز ہوگی کہ گو اس میں تین جز و شریک ہیں یعنی سونا چاندی ریشم لیکن چونکہ حصہ چاندی کا زیادہ ہے لہذا کلابتوں مذکور حکما چاندی قرار دیا جائے گا اب بوجہ اتحاد جنس یعنی چاندی درمیان کلابتوں اور روپیہ کے بیع ادھار ناجائز ہونا چاہئے' یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ ہزار ہا بندۂ خدا اس معاملہ میں مبتلا ہیں اگر واقعی بیع مرقومہ بالا ناجائز ہے اور اشخاص مرتکب فعل ہذا بیع مذکور سے روک دئے جائیں تو باب تجارت خصوصاً اہالیان بنارس پارچہ فروش کا مسدود ہو جائے گا نوبت فاقہ کشی کی پہنچے گی۔ بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب۔

الجواب

کلابتوں میں سونے کا تو صرف رنگ ہی رنگ ہے اور نرے رنگ کا کچھ اعتبار نہیں جبکہ جلانے سے سونا اس میں سے جُدا نہ ہوسکتا ہو،

فانہ تمویہ والتمویہ لاعبرۃ بہ لانہ مستھلك کما صرحوا بہ قاطبۃ وفی کافی الامام الحاکم الشہید اذا اشتری لجاما مموھا بفضۃ بدراھم اقل ممافیہ اواکثر فھو جائز لان التمویہ

کیونکہ اس صورت میں یہ سونے کا پانی چڑھانا ہے اور اس کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ یہ ہلاک ہونے والی چیز ہے جیسا کہ تمام فقہائے نے اس کی تصریح کی ہے امام حاکم شہید کی کافی میں مذکور ہے اگر کسی نے ایسا لگام خریدا جس پر چاندی کا پانی چڑھایا گیا تھا کچھ درہموں کے بدلے میں جو اس چاندی سے کم

---

[1] سنن الدارقطنی کتاب البیوع حدیث ۲۶۹ نشر السنۃ ملتان ۳/ ۷۱

لایخلص الاتری انہ اذا اشتری الدار السموھۃ بالذھب بثمن مؤجل یجوز ذٰلک وان کان ما فی سقوفھا من التمویہ بالذھب اکثر من الذھب فی الثمن اھ۔[1]

ہوں جس کا پانی لگام پر چڑھایا گیا یا اس سے زیادہ ہوں تو یہ بیع جائز ہے کیونکہ پانی چڑھانے میں مستعمل چاندی لگام سے الگ نہیں ہو سکتی، کیا تو نہیں دیکھتا کہ اگر کوئی ثمن مؤجل کے بدلے ایسا مکان خریدے جس پر سونے کا پانی چڑھایا گیا ہے تو یہ بیع جائز ہوگی اگرچہ پانی چڑھانے میں مستعمل سونا ثمن کے سونے سے زیادہ ہو اھ۔ (ت)

مگر چاندی کا خود عین مستقل طور پر اس میں قطعاً موجود کہ وہ چاندی اور ریشم یا سُوت کے تار ہیں ایک دوسرے پر بٹے ہوئے تو اس کی بیع غایت یہ کہ چاندی اور اس کے ساتھ ایک اور چیز کی بیع ہوئی یہ اُسے حکم صرف سے خارج نہ کرے گا جبکہ دوسری جانب بھی ثمن خلقی یعنی سونا یا چاندی یا روپیہ یا اشرفی ہو پس بصورت اتحاد جنس کہ روپیہ یا چاندی کے عوض کلابتوں بیچیں تماثل و تقابض دونوں اور بحالت اختلاف کہ سونے یا اشرفی سے مبادلہ کریں صرف تقابض بدلین بلاشبہہ لازم ہوگا تماثل یہاں یوں کہ ثمن کی طرف چاندی ان تاروں کی چاندی سے جو کلابتوں میں ہیں وزن میں زیادہ ہو تاکہ اس میں سے ان کے مقابل اور باقی اس دوسری چیز ریشم یا سوت کے مقابل ہو جائے اگر ثمن کی طرف چاندی اس کلابتوں کی چاندی سے وزن میں کم یا برابر ہے یا کمی بیشی معلوم نہیں تو بیع حرام و باطل ہے، اور تقابض یُوں کہ اسی مجلس میں خریدنے والا کلابتوں اور بیچنے والا اس کی قیمت پر قبضہ کرلے اگر کسی طرف سے ایک لمحہ کے لئے بھی اودھار ہو تو بیع باطل و حرام ہے، درمختار میں ہے:

الاصل انہ متی بیع نقد مع غیرہ کمفضض ومزرکش بنقد من جنسہ شرط زیادۃ الثمن فلو مثلہ او اقل او جھل بطل ولو بغیر جنسہ شرط التقابض فقط۔[2]

قاعدہ یہ ہے کہ جب نقد کو غیر نقد کے ساتھ ملا کر بیچا جائے جیسے مفضض اور مزرکش (جن چیزوں پر سونے چاندی کے پتر چڑھائے گئے ہوں) تو اگر نقد مبیع کے ہم جنس نقد کے بدلے بیچا جائے تو ثمن کا زیادہ ہونا شرط ہے، اگر برابر ہو یا ثمن اس سے کم ہو یا کمی بیشی مجہول ہو تو بیع باطل ہے اور اگر غیر جنس کے نقد کے بدلے میں بیچا جائے تو فقط تقابض (دو طرفہ قبضہ) شرط ہے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار بحوالہ الکافی الحاکم کتاب البیوع باب الصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۲۳۴

[2] درمختار کتاب البیوع باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/۵۵

احکامِ الٰہیہ جل وعلا کے اتباع و امتثال سے ہرگز باب رزق مسدود نہیں ہوسکتا جبکہ وہ رب کریم رؤف رحیم احکام نفس و شیطان کی پیروی اپنی شدید شنیع نافرمانی پر دروازہ رزق بند نہیں کرتا ع

گناہ بیند و ناں برقرار میدارد

(وہ گناہ دیکھتا ہے اور اس کے باوجود روزی برقرار رکھتا ہے۔ ت)

تو اپنے احکام کریمہ کے اتباع پر کیوں بند فرمائے گا مگر ہمارے مسلمان بھائیوں کی حالت سخت قابلِ افسوس ہے جو شخص جس کام میں ہاتھ ڈالے اس پر فرض عین ہے کہ اس کے متعلق جو احکام شرع ہیں انھیں سیکھ لے تاکہ معصیتِ الٰہی میں نہ پڑے ہمارے بھائیوں نے یہ مسئلہ دنیاوی قانون میں جاری کیا اور قانون ربانی میں چھوڑ دیا اگر کوئی مقدمہ دو روپے کا دائر کریں گے پانچ وکیلوں سے پوچھیں گے کہ اس میں کوئی خامی نہ رہ جائے کسی طرح قانون انگریزی کی مخالفت نہ آئے کہ مقدمہ ہاتھ سے جائے مگر کسی دینی کام میں علماء سے دریافت کرنے کی اصلاً حاجت نہیں کہ یہ کیونکر حلال ہے کس طرح حرام کس صورت میں صحیح، کس طور پر فاسد، تو وجہ کیا کہ دو روپے استغفر اللہ بلکہ دو پیسے کا نقصان گراں گزرتا ہے اور نقصانِ دین کی پروا کیا ہے، یہاں بھی اپنی ناواقفی سے یہ گناہِ عظیم سر پر لیا ہے، اگر علم رکھیں یا علماء سے پوچھیں تو یہ کارخانہ بدستور یوں ہی جاری رہے اور خالص حلال و طیب ہو فقط اتنا کریں کہ قیمت میں سونے چاندی، روپیہ، اشرفی، اٹھنی، چونی، دونی نہ کہیں بلکہ جتنے روپوں کو بیچنا ہو اتنے کے پیسوں یا نوٹ کا نام لیں مثلاً سو روپیہ کا کلابتوں بیچنا ہے تو یوں کہے کہ میں نے یہ کلابتوں تیرے ہاتھ ایک ہزار چھ سو آنے فلوس رائجۃ الوقت کو بیچا یا بعوض نوٹ احاطہ فلاں رقمی صد روپیہ کے بیع کیا اب نہ اتحاد جنس ہے کہ تماثل شرط ہو، ظاہر ہے کہ کلابتوں میں چاندی ہے اور یہاں پیسے یا کاغذ، نہ یہ بیع صرف ہے کہ قرضوں مطلقاً حرام ہوتا، بناء کاغذ اصل آفرینش میں ثمن نہیں اور صرف وہی کہ ثمن خلقی ثمن خلقی سے بیع کی جائے، یہ صرف سونا یا چاندی ہے وبس، ہاں ازانجا کہ فلوس و نوٹ اصطلاحاً ثمن ہیں ایک جانب سے قبضہ ضرور ہے کیلا یلزم الافتراق عن دین بدین (تاکہ دین کے بدلے دین سے جدا ہونا لازم نہ آئے۔ ت) لہٰذا اگر روپیہ کے پیسے خریدے روپیہ دے دیا اور پیسے پھر دئے جائیں گے تو مذہب راجح و معتمد میں کچھ مضائقہ نہیں بعینہ یہی حالت کلابتوں اور پیسوں یا نوٹ کی ہے کہ صرف ایک طرف سے قبضہ ہو جانا کافی اگرچہ دوسری جانب قرض ہو۔ درمختار میں ہے:

الصرف شرعا بیع الثمن بالثمن ای ما خلق للثمنیۃ[1] اھ ملخصا

صرف اصطلاحِ شرع میں ثمن کے بدلے ثمن کی بیع ہے یعنی جسے ثمنیت کے لئے پیدا کیا گیا اھ تلخیص

[1] درمختار کتاب البیوع باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۵

وفی ردالمحتار عن البحر عن الذخیرۃ فی مسألۃ بیع فلس بفلسین باعیانھما ان محمدا ذکرھا صرف الاصل ولم یشترط التقابض (وعللہ من اعتمد من المشائخ) بان التقابض مع التعیین شرط فی الصرف ولیس ثمہ کما فیہ عنہ عنھا عنھم قلت وقد حققنا المسألۃ بتوفیق اللہ تعالٰی فی فتاوٰنا العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ بما یتعین الوقوف علیہ فانہ بحمدہ تعالٰی نفیس لھم قال ابن عابدین سئل الحانوتی عن بیع الذھب بالفلوس نسیئۃ فاجاب بانہ یجوز اذا قبض احد البدلین لما فی البزازیۃ لواشتری مائۃ فلس بدرھم یکفی التقابض من احد الجانبین قال ومثلہ مالو باع فضۃ او ذھبا بفلوس کما فی البحر عن المحیط[2] الخ۔

اور ردالمحتار میں ایک معین پیسے کی دو معین پیسوں کے عوض بیع کے مسئلہ کے ضمن میں بحوالہ بحر ذخیرہ سے منقول ہے کہ بیشک امام محمد نے اس کو اصل کے باب الصرف میں ذکر کیا اور تقابض کو شرط قرار نہیں دیا اور معتمد مشائخ نے اس کی تعلیل یُوں بیان کی تعیین کے ساتھ تقابض تو صرف میں شرط ہے حالانکہ یہ صرف نہیں، جیساکہ اسی میں امام ابوحنیفہ، صاحبین اور ان تمام سے منقول ہے قلت (میں کہتا ہوں) بے شک ہم نے اس مسئلہ کی تحقیق اپنے فتاوٰی "العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ" میں اس انداز سے کر دی ہے جس پر واقفیت حاصل کرنا متعین ہے کیونکہ بحمداللہ یہ ان کے لئے بہت عمدہ ہے۔ امام ابن عابدین نے کہا کہ حانوتی سے سونے کی پیسوں کے عوض ادھار بیع کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ جائز ہے بشرطیکہ بدلین میں سے ایک پر قبضہ کر لیا گیا ہو اس دلیل کی وجہ سے جو بزازیہ میں ہے کہ اگر کسی نے سَو پیسے ایک درہم کے عوض خریدے تو صرف ایک طرف سے قبضہ کافی ہے اور فرمایا کہ اگر کسی نے پیسوں کے عوض سونا یا چاندی بیچا تو اس کا حکم بھی ایسا ہی ہے بحر میں محیط کے حوالے سے یونہی منقول ہے الخ (ت)

پھر لیتے وقت یہ ضرور نہ ہوگا کہ خاص پیسے یا نوٹ ہی لیں بلکہ برضائے مشتری ان پیسوں یا نوٹوں کے روپے بھی لے سکتے ہیں،

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربٰو داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۴

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربٰو داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۴

فانہ بیع عین بدین کان علیہ فیجوز برضاہ وقد علمت انہ لیس بصرف ولا سلم قال فی الدر المختار لو باع ابلا بدراھم اوبکر بر جاز اخذ بدلھما شیئا اٰخر وکذا الحکم فی کل دین قبل قبضہ کمھر و اجرۃ وضمان متلف وبدل خلع وعتق بمال وموروث وموصی بہ والحاصل جواز التصرف فی الاثمان والدیون کلھا قبل قبضھا عینی سوی صرف وسلم فلایجوز اخذ خلاف جنسہ لفوات شرطہ[1] اھ۔

کیونکہ عین کی اس دین کے بدلے میں بیع ہے جو بائع پر ہے تو اس کی رضامندی سے جائز ہے حالانکہ تو جان چکا ہے کہ یہ صرف اور سلم نہیں ہے، درمختار میں کہا کہ اگر کسی نے درہموں کے بدلے یا ایک بوری گندم کے بدلے اونٹ بیچا تو ان دونوں کے بدلے کوئی اور شَے بھی لے سکتا ہے اور یہی حکم ہے قبضہ سے پہلے ہر دَین کا جیسے مہر، اجرت، ضائع شدہ شَے کا تاوان، خلع کا بدل، مال کے بدلے آزاد کرنا، مالِ موروث اور وہ مال جس کی وصیّت کی گئی ہو، خلاصہ یہ ہے کہ تمام ثمنوں اور دَینوں میں قبضہ سے پہلے تصرف جائز ہے (عینی) سوائے صرف اور سلم کے کہ ان میں خلاف جنس ثمن لینا ناجائز ہے بسبب فوت ہوجانے اس کی شرط کے اھ (ت)

ہاں یہ ضرور ہے کہ جس مجلس میں ان کے عوض روپیہ دینا ٹھہرے اسی مجلس میں تمام وکمال روپیہ ادا کردیا جائے ورنہ یہ معاوضہ یعنی پیسوں یا نوٹوں کے بدلے جو روپیہ دینا قرار پایا ہے ناجائز ہوجائیگا

للافتراق عن الکالئ بالکالئ فی رد المحتار قولہ جاز اخذ بدلھما شیئا اٰخر لکن بشرط ان لایکون افتراقا بدین کما یاتی فی القرض[2] اھ وقال فی قرض الدر جاز شراء المستقرض القرض ولوقائما من المقرض بدراھم مقبوضۃ فلو تفرقا قبل قبضھا بطل لانہ افتراق عن دین بزازیۃ[3] فلیحفظ۔

دَین کے بدلے دَین کی بیع سے جدا ہونے کی وجہ سے، ردالمحتار میں ہے کہ مصنف کا قول کہ ان دونوں کے بدلے کوئی اور شَے لینا جائز ہے مشروط ہے اس شرط کے ساتھ کہ دین کے ساتھ بائع اور مشتری میں جدائی نہ ہو جیسا کہ قرض کے باب میں آرہا ہے اھ اور دُر کے باب القرض میں فرمایا مستقرض کے لئے جائز ہے کہ قرض دہندہ سے درہم مقبوضہ کے عوض قرض کو خریدے اگر قائم ہو پھر اگر وہ دونوں ان دراہم مذکورہ پر قبضہ سے پہلے متفرق ہوگئے تو خریداری باطل ہوجائے گی کیونکہ یہ قرض سے افتراق ہے (بزازیہ) اس کو

---

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی التصرف فی المبیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۸-۳۹

[2] ردالمحتار " " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۶۶

[3] درمختار " فصل فی القرض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۹و۴۰

محفوظ کرلینا چاہئے۔ (ت)

تو دیکھئے صورت بعینہا وہی رہی جوان بالعوں میں جاری ہے صرف ایک لفظ کے تغیر میں حرمت سے حلت ہوگئی، اس مسئلہ کو خوب شائع کرنا چاہئے کہ اہل اسلام جو بلاوجہ گناہ میں مبتلا ہیں معصیت سے نجات پائیں، وباللہ التوفیق، واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶۶ از بجنور در حدود ۱۳۰۰ھ مرسلہ مولوی غلام مصطفٰی صاحب تلمیذ حضرت والا اعلام قدس سرہٗ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بیع فلوس رائجہ کی جو حکم ثمن میں ہیں بمقابلہ روپیہ کے بیع صرف ہے یا نہیں؟ اور اگر صراف کو روپیہ دیا اس کے پاس کل روپیہ کے پیسے نہ تھے موجود دے باقی کا وعدہ کردیا تو یہ بیع جائز ہوگی یا نہیں؟ اور جبکہ یہ بیع صرف بسبب صدق تعریف کے کہ بیع الثمن بالثمن ہے قرار دی جائے گی تو اس میں شرائط بیع صرف کے کہ متحد الجنسین میں تماثل اور تقابض اور مختلف الجنسین میں تقابض ہے درصورت جواز کے پائے جائیں گے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

بیع الفلوس بالدراہم صرف نہیں نہ اس میں سب احکام صرف جاری،

فان الصرف بیع ماخلق للثمنیۃ بما خلق لہا کما فسرہ بذٰلک فی البحر[1] وتبعہ فی الدر المختار[1] واقرہ الشامی وغیرہ و معلوم ان الفلوس لیست کذا وانما عرض لہا حکم الاثمان بالاصطلاح ما دامت رائجۃ والا فہی عروض کما فی اصل خلقتہا وبعدم کونہ صرفا صرح العلامۃ الشامی عن البحر، وصاحب البحر عن الذخیرۃ عن المشائخ فی باب الربٰو من رد المحتار[2]۔

کیونکہ صرف تو خلقی ثمن کو خلقی ثمن کے عوض بیچنے کا نام ہے جیسا کہ اس کی تفسیر بیان کی بحر نے اور درمختار میں اس کی اتباع ہے اور شامی وغیرہ نے اس کو برقرار رکھا اور یہ بات معلوم ہے کہ پیسے ثمن خلقی نہیں انھیں تو جب تک وہ رائج ہیں اصطلاح میں ثمنوں کا حکم عارض ہے ورنہ تو یہ سامان ہیں جیساکہ اصل خلقت میں تھے اور اس کے بیع صرف نہ ہونے کی تصریح علامہ شامی نے رد المحتار کے باب الربٰو میں بحر کے حوالہ سے کی اور صاحب بحر نے بحوالہ ذخیرہ عن مشائخ نقل کیا۔ (ت)

---

[1] بحر الرائق کتاب الصرف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۹۲
درمختار کتاب البیوع " مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۵
[2] رد المحتار " باب الربٰو دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۴

مگر اس قدر میں شک نہیں کہ جب تاعین رواج ان کے لئے حکم اثمان ہے تو احد الجانبین میں قبض بالید ہونا ضرور ہے،

والا لکان افتراقا عن دین بدین وقد نھی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن بیع الکالئ بالکالئ[1]

ورنہ یہ دین کے بدلے دین سے افتراق ہوگا حالانکہ رسول اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ادھار کے بدلے ادھار کی بیع سے منع فرمایا ہے (ت)

اختلاف اس میں ہے کہ آیا یہ قبضہ جانبین سے مشروط یا ایک ہی جانب میں کافی جس نے اصل خلقت پر نظر کی کہا صرف نہیں پھر تقابض کی کیا حاجت،

وھم الاکثرون وعلیہ نص محمد فی المبسوط واعتمدہ فی المحیط والحاوی والبزازیۃ والبحر الرائق والنھر الفائق وفتاوی الحانوتی وتنویر الابصار والدر المختار والفتاوی الھندیۃ وغیرھا من متون المذھب وشروحہ وفتاوٰیہ وھو مفاد کلام الامام الاسبیجابی کما نقلہ الشامی عن الزین عن الامام۔

اور وہ اکثر ہیں اسی پر امام محمد نے مبسوط میں نص فرمائی اور اسی پر اعتماد کیا گیا ہے محیط، حاوی، بزازیہ، البحر الرائق، النھر الفائق، فتاوٰی حانوتی، تنویر الابصار، درمختار اور فتاوٰی ہندیہ وغیرہ مذہب کے متون، شروح اور فتاوٰی میں، اور یہی مفاد ہے امام اسبیجابی کے کلام کا جیسا کہ اس کو شامی نے بحوالہ زین امام اعظم سے نقل کیا ہے۔ (ت)

اور جس نے ثمنیت مصطلحہ پر لحاظ کیا تقابض شرط ٹھہرایا

کما افتی بہ العلامۃ قاری الھدایۃ واوّلہ الفاضل عمر بن نجیم بما یخرجہ عن الخلاف ونازعہ المحقق الشامی قائلا انہ محمول علی ما دل علیہ کلام الامام محمد فی الجامع الصغیر من اشتراط التقابض من الجانبین وکل ذٰلک مشرح فی رد المحتار[2]

جیسا کہ اس پر فتوٰی دیا علامہ قاری الہدایہ نے اور فاضل عمر بن نجیم نے اس کی ایسی تاویل کی جو اس کو خلاف سے نکالتی ہے اور محقق شامی نے یہ کہتے ہوئے اس کے ساتھ منازعت کی کہ اس کو اس معنی پر محمول کیا جائے گا جس پر جامع صغیر میں امام محمد کا کلام دلالت کرتا ہے یعنی دونوں جانبوں سے تقابض شرط ہے اور اس تمام کی تفصیل ردالمحتار

---

[1] سنن الدارقطنی کتاب البیوع حدیث ۲۶۹ نشر السنۃ ملتان ۳/ ۷۱

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربٰو داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۴

وغیرہ من الاسفار قال العبد الضعیف غفرالله تعالٰی لہ وماجنح الیہ الفاضل الشامی سیدی محمد بن امین الدین اٰفندی ابن عابدین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ من دلالۃ کلام الجامع الصغیر علی ذٰلک الاشتراط فقد تبع فیہ صاحب البحر والعلامۃ زین الدین عول علی ماوقع فی الذخیرۃ کما ھوایضا مذکور فی الحاشیۃ الشامیۃ ولکن لی فیہ تأمل بعد فانی راجعت الجامع فوجدت نصہ ھٰکذا محمد عن یعقوب عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم رجل باع رطلین من شحم البطن برطل من الیۃ اوباع رطلین من لحم برطل من شحم البطن او بیضۃ ببیضتین اوجوزۃ بجوزتین اوفلسا بفلسین او تمرۃ بتمرتین ید ابید باعیانھا یجوز وھو قول ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ وقال محمد رحمۃ اللہ علیہ لایجوز فلس بفلسین و یجوز تمرۃ بتمرتین[1] انتھٰی کلامہ الشریف نفعنا اللہ تعالٰی ببرکاتہ فی الدنیا والاٰخرۃ اٰمین

وغیرہ ضخیم کتابوں میں ہے، یہ عبد ضعیف (اللہ تعالٰی اس کی مغفرت فرمائے) کہتا ہے کہ جس معنی کی طرف علامہ سیدی محمد بن امین الدین آفندی ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ مائل ہوئے اس میں انھوں نے صاحب البحر کی پیروی کی اور علامہ زین الدین نے اس پر اعتماد کیا جو ذخیرہ میں واقع ہوا جیسا کہ حاشیہ شامیہ میں بھی مذکور ہے لیکن ابھی تک مجھے اس میں تامل ہے بیشک میں نے جامع صغیر کی طرف رجوع کیا تو اس کی نص کو یوں پایا کہ محمد نے یعقوب سے اور اس نے ابوحنیفہ سے روایت کیا (رضی اللہ تعالٰی عنہم) کہ ایک شخص نے دو رطل پیٹ کی چربی ایک رطل الیہ کی چربی کے عوض یا دو رطل گوشت ایک رطل پیٹ کی چربی کے عوض بیچا یا ایک انڈہ دو انڈوں کے عوض یا ایک اخروٹ دو اخروٹوں کے عوض یا ایک پیسہ دو پیسوں کے عوض یا ایک چھوہارا دو چھوہاروں کے عوض فروخت کیا اس طور پر کہ ان تمام چیزوں کا لین دین ہاتھوں ہاتھ ہوا اور یہ تمام چیزیں معین تھیں تو یہ بیع ہے اور یہی قول ہے امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا، اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا کہ ایک پیسے کی بیع دو پیسوں کے عوض ناجائز اور ایک چھوہارے کی بیع دو چھوہاروں کے عوض جائز ہے، امام صاحب کا کلام شریف ختم ہوا، اللہ تعالٰی ہمیں دنیا و آخرت

---

[1] الجامع الصغیر کتاب البیوع باب البیع فیما یکال اویوزن مطبع یوسفی لکھنؤ ص ۹۷

فمحمل الاستنباط انما هو قوله رضی اللہ تعالٰی عنہ یدا بید ولکن قد دری من مارس الفقہ ان ھذا اللفظ لیس نصا صریحا فی التقابض بالبراجم الاتری علماءنا رحمھم اللہ تعالٰی فسروہ فی الحدیث معروف بالعینیۃ کما قال فی الھدایۃ ومعنی قولہ علیہ الصلوۃ والسلام یدا بید عینا بعین کذا رواہ عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالٰی عنہ[1] انتہی کیف وقد قال اصحابنا رضی اللہ تعالٰی عنھم ان التقابض انما یشترط فی الصرف واما ماسواہ مما یجری فیہ الربٰو فانما یعتبر فیہ التعیین فان حمل قولہ ھذا فی العبارۃ التی ذکرنا علی التقابض واستجلب منہ اشتراط ذٰلک فی فلس بفلسین کان ایضا مشترطا فی تمرۃ بتمرتین و بیضۃ ببیضتین وجوزۃ بجوزتین فان المسائل کلھا مسوقۃ بسیاق واحد وھذا لم یقل بہ ائمتنا فوجب حملہ علی

میں اس کی برکات سے نفع عطا فرمائے آمین، تو محل استدلال امام صاحب رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول "یداً بید" (ہاتھ باتھ) ہے لیکن فقہی مہارت والا جانتا ہے کہ بیشک یہ لفظ انگلیوں کے پوروں کے ساتھ قبضہ کرنے میں نص صریح نہیں کیا تو نہیں دیکھتا ہمارے علمائے کرام رحمھم اللہ تعالٰی نے حدیث معروف میں اس کی تفسیر عینیت کے ساتھ فرمائی ہے جیساکہ ہدایہ میں کہا کہ رسول انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قول "یداً بید" کا معنٰی "عیناً بعین" ہے، یونہی روایت فرمایا ہے اس کو حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ نے، انتہی۔ اور یہ کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم نے فرمایا ہے کہ بے شک باہمی قبضہ تو فقط بیع صرف میں شرط ہے اس کے علاوہ جس میں ربا جاری ہوتا ہے وہاں فقط تعیین معتبر ہے، اگر ہماری ذکر کردہ عبارت میں اس کے قول کو تقابض (دوطرفہ قبضہ) پر محمول کیا جائے اور اس سے ایک پیسے کی دو پیسوں کے عوض بیع میں تقابض کا شرط ہونا اخذ کیا جائے تو پھر ایک کھجور کی دو کے عوض، ایک انڈے کی دو کے عوض اور ایک اخروٹ کی دو کے عوض بیع میں بھی تقابض شرط ہوگا کیونکہ ان تمام مسائل کا سیاق ایک ہی ہے (لہذا حکم بھی ایک ہوگا) حالانکہ ہمارے ائمہ کرام اس کے قائل نہیں ہیں لہذا

[1] الہدایہ کتاب البیوع باب الربا مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۳-۸۲

على اشتراط التعين وكان قوله رضي الله تعالٰى عنه باعيانهما تفسيرا لقوله يدا بيد والا لكان حشوا مستغنى عنه فان التقابض فيه التعيين مع شئ زائد فذكره بعده خال عن الفوائد ولهذا لما نقل الامام صاحب الهداية هذه المسئلة عن الجامع الصغير اسقط عنها تلك الكلمة واقتصر على ذكر العينية حيث قال قال (اى محمد كما صرح به العلامة بدر العيني في البناية[1]) يجوز بيع البيضة بالبيضتين والتمرة بالتمرتين والجوزة بالجوزتين ويجوز بيع الفلس بالفلسين باعيانهما[2] انتهى، فليس في الجامع ان شاء الله تعالٰى دليل على ما ذكره هؤلاء الاعلام وان كان فمع احتمال الغير احتمالا بينا لايراد ولا يرام بخلاف عبارة الاصل اعني المبسوط فانها نص اى نص في عدم اشتراط التقابض كما سترى ان شاء الله تعالٰى فعليه فليكن التعويل والله تعالٰى ولي التوفيق هذا ما سنح للعبد القاصر

اس کو اشتراطِ تعیین پر محمول کرنا واجب ہے اور امام صاحب رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول "باعیانہما" ان کے قول "یدا بید" کی تفسیر ہوگا ورنہ یہ قول لغو اور بلاضرورت ہوگا کیونکہ تقابض میں تعیین کچھ اضافی سمیت موجود ہے تو پھر اس (تعیین) کو تقابض کے بعد ذکر کرنا فائدہ سے خالی ہوگا، یہی وجہ ہے کہ جب امام صاحب ہدایہ نے اس مسئلہ کو جامع صغیر سے نقل کیا تو اس میں سے یہ کلمہ (یدا بید) ساقط کرکے فقط عینیت کے ذکر پر اکتفاء کرتے ہوئے کہا کہ انھوں نے یعنی امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (بنایہ علامہ عینی) نے فرمایا کہ جائز ہے بیع ایک انڈے کی دو انڈوں کے عوض اور ایک کھجور کی دو کھجوروں کے عوض اور ایک اخروٹ کی دو اخروٹوں کے عوض اور ایک معین پیسے کی دو معین پیسوں کے عوض، انتہی۔ چنانچہ جامع صغیر میں تو ان شاء اللہ اس پر کوئی دلیل نہ ہوگی جو ان بزرگوں نے فرمایا اور اور اگر ہو بھی تب بھی غیر کا احتمال بین ہوتے ہوئے اس کا ارادہ نہیں کیا جائے گا بخلاف اصل یعنی مبسوط کی عبارت کے کہ وہ تقابض کے شرط نہ ہونے پر نص ہے جیسا کہ عنقریب ان شاء اللہ تو دیکھے گا چنانچہ اسی پر اعتماد کرنا چاہئے اور اللہ تعالٰی ہی مالکِ توفیق ہے، یہ وہ ہے جو اس قاصر بندے

---

[1] البنایۃ فی شرح الہدایۃ کتاب البیوع باب الربٰو المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ۳/ ۱۵۴

[2] الہدایۃ " " مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۳

فتامله فان وجدته حقا فعليك به والافارم به الجدار۔

پر منکشف ہوا، اس میں غور کر، اگر تو اس کو حق پائے تو عمل کرنا تجھ پر لازم ہے ورنہ اس کو دیوار پر دے مار۔ (ت)

بالجملہ مذہب راجح پر بیع الفلوس بالدراہم والدنانیر میں ایک ہی جانب کا قبضہ کافی، پس صورت مستفسرہ میں بیع بلاتردد صحیح اور صراف پر مشتری کے لئے باقی پیسے لازم۔

فی المبسوط اذا اشتری الرجل فلوسا بدراھم ونقد الثمن ولم تکن الفلوس عند البائع فالبیع جائز[1] اھ کذا فی الهندیة و فیها عن الحاوی وغیرہ لواشتری مائة فلس بدرھم فقبض الدرھم و لم یقبض الفلوس حتی کسدت لم یبطل البیع قیاسا و لوقبض خمسین فلسا فکسدت بطل البیع فی النصف و لو لم تکسد لم یفسد و للمشتری ما بقی من الفلوس[2] اھ ملتقطا وفی التنویر وشرحه باع فلوسا بمثلها او بدراھم او بدنانیر فان نقد احدھما جاز وان تفرقا بلا قبض احدھما لم یجز[3] اھ ومسئلة المقام یستدعی اکثر من هذا وفیما ذکرنا کفایة ، واللہ تعالٰی اعلم۔

مبسوط میں ہے کہ جب کسی نے درہموں کے عوض پیسے خریدے اور ثمن نقد ادا کردیئے مگر بائع کے پاس اس وقت پیسے موجود نہیں تو بیع جائز ہے اھ ہندیہ میں یونہی ہے، اسی میں حاوی وغیرہ سے منقول ہے اگر کسی نے ایک درہم کے عوض سَو پیسے خریدے، بائع نے درہم پر قبضہ کرلیا مگر مشتری نے ابھی پیسوں پر قبضہ نہیں کیا تھا کہ وُہ کھوٹے ہوگئے تو قیاس کی رُو سے بیع باطل نہیں ہُوئی اور اگر پچاس پیسوں پر قبضہ کیا تھا کہ وہ کھوٹے ہوگئے تو نصف میں بیع باطل ہوگئی اگر وہ کھوٹے نہ ہوتے بیع فاسد نہ ہوتی اور مشتری باقی پیسے لینے کا حقدار ہوتا اھ تلخیص، تنویر اور اس کی شرح میں ہے کہ کسی نے پیسوں کو ان کی مثل کے عوض یا درہموں کے عوض یا دیناروں کے عوض بیچا پس اگر دونوں میں سے ایک نے نقد ادائیگی کردی تو بیع جائز ہے اور اگر وہ دونوں قبضہ کئے بغیر متفرق ہوگئے تو ناجائز ہے اھ اس مقام کا مسئلہ اس سے زیادہ تفصیل کا تقاضا کرتا ہے اور جو کچھ ہم نے ذکر کیا اس میں کفایت ہے اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

---

[1] المبسوط للسرخسی کتاب البیوع باب البیع بالفلوس دارالمعرفة بیروت الجزء الرابع عشر/ ۲۴
فتاوٰی ہندیة کتاب الصرف الفصل الثالث فی بیع الفلوس نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۲۵

[2] فتاوٰی ہندیة کتاب الصرف الفصل الثالث فی بیع الفلوس ،، ،، ،، ۳/ ۲۲۵

[3] درمختار کتاب البیوع باب الربٰو مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۲

مسئلہ ۲۶۸: از دھوراجی ملک کاٹھیاوار کوچہ کھتری اسٹریٹ مسئولہ عبدالکریم ابن قاسم، ربیع الثانی ۱۳۲۱ھ

بخدمت شریف جناب مخدوم ومکرم مجدد مائۃ حاضرہ، تکلیف دینے کا باعث یہ ہے کہ جو رسالہ کفل الفقیہ آپ کی جانب سے شائع ہوا ہے اس میں بعض لوگوں کو شک ہے کہ یہ رسالہ مولانا صاحب کے نام سے کسی دوسرے نے چھپوا کر شائع کر دیئے ہیں اس بات کا بہت چرچا ہو رہا ہے کہ نوٹ کو مال قرار دیا ہے وہ کس طرح سے ہو سکتا ہے، ہمارا اعتماد آپ کے اوپر ہے، مطلب ہمارا یہ ہے کہ اگر حضور کی جانب سے کفل الفقیہ شائع ہوا ہو تو آپ اپنے دستِ مبارک سے ہم کو جواب دیں تاکہ ان پر عمل کریں اور شک دُور ہو جائے اور جب تک آپ کی طرف سے جواب نہیں آئے گا وہاں تک لوگوں کو بحث بھی رہے گی اور ہم لوگوں کے دل پر شک رہے گا تو آپ برائے خدا جلد جواب تحریر کریں۔

الجواب

رسالہ کفل الفقیہ الفاہم فقیر ہی کی تصنیف ہے مکہ معظمہ میں وہاں کے ایک عالم جدّہ نے فقیر سے اس کا سوال کیا اور فقیر نے وہیں تصنیف کیا اور متعدد علمائے کرام مکہ مکرمہ نے اس کی نقلیں لیں پھر بعد واپسی فقیر نے اسے طبع کرایا پھر حاجی عیسٰے خاں محمد صاحب نے مع ترجمہ چھپوایا، مدینہ طیبہ میں مصر کے دو جلیل عالموں مدرسین جامع ازہر نے اسے دیکھا اور فرمائش کی کہ اس کے نسخے ہم کو مصر بھیج دو، ان کو بھیج دئے گئے، نوٹ کا مال ہونا اس رسالہ میں دلائل ساطعہ سے روشن کر دیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

باب بیع التلجیہ

(دِکھلاوے کی بیع کا بیان)

مسئلہ ۲۶۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین صورتِ مسئولہ میں کہ زید نے ایک قطعہ مکان جس کا وہ مالک تھا بدست عمرو اپنی کسی مصلحت سے بلاوصول زرِثمن فرضی طریق سے بیعنامہ تصدیق کرادیا اور قبضہ اپنا جبیعہ پر نہیں دیا ہے اور عمرو کی اب یہ خواہش ہے کہ میں اسی مکان کو زید کے فوت ہونے پر اس کے ورثہ کو ہبہ کردوں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا اسی مکان کا ہبہ کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں، اور اگر ہبہ جائز ہے تو کن کن وجوہات میں واپس ہوسکتا ہے اور کس صورت سے واپس نہیں ہوسکتا۔ بینوا توجروا

الجواب

عمرو کو اگر اقرار وتسلیم یا بینہ عادلہ شرعیہ سے ثابت ہے کہ یہ بیع محض بطور فرضی کی گئی جسے بیع تلجیہ کہتے ہیں تو بیع شرعاً منعقد ہوگئی ولہذا اگر عاقدین اسے جائز کردیں، نافذ ہوجائیگی۔

فی الدر المختار انہ بیع منعقد غیر لازم کالبیع بالخیار[1] الخ وفی رد المحتار

درمختار میں ہے کہ وہ بیع منعقد ہے مگر لازم نہیں جیسے خیار کے ساتھ بیع الخ اور ردالمحتار میں

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۷

انهما لواجازاه جاز والباطل لاتلحقه الاجازة[1] الخ وقولهم باطل ای سیبطل ان لم یجز کما حققناہ فیما علقناہ علٰی ردالمحتار۔

ہے کہ اگر عاقدین نے اس کی اجازت دے دی تو جائز ہوگی حالانکہ باطل کو اجازت لاحق نہیں ہوتی الخ اور فقہاء کا قول کہ وہ بیع باطل ہے اس کا معنی یہ ہے کہ عنقریب باطل ہوجائے گی اگر اس کی اجازت نہ دی گئی جیسا کہ ہم نے ردالمحتار پر اپنی تعلیق میں اس کی تحقیق کی ہے (ت)

مگر جبکہ قبل اجازت زید نے وفات پائی اب بیع باطل محض ہوگئی،

فان البیع الموقوف یبطل بموت المالک بل والعاقد وان لم یکن مالکا کالفضولی ولاتصح اجازۃ ورثتہ بعدہ فی الدرالمختار حکمہ قبول الاجازۃ اذاکان البائع والمشتری والمبیع قائما وکذا یشترط قیام صاحب المتاع ایضا فلا تجوز اجازۃ وارثہ لبطلانہ بموتہ[2] (ملخصا)

کیونکہ موقوف بیع مالک کی موت سے باطل ہوجاتی ہے بلکہ عاقد اگرچہ وہ مالک نہ ہو اس کی موت سے بھی باطل ہوجاتی ہے جیسے فضولی کی موت سے، اور اس کی موت کے بعد اس کے وارث کی اجازت سے بیع صحیح نہیں ہوتی، درمختار میں ہے اس کا حکم یہ ہے کہ یہ اجازت کو قبول کرتی ہے جبکہ بائع مشتری اور مبیع قائم ہوں اور اسی طرح مالک کا قائم ہونا بھی شرط ہے چنانچہ اس کی موت سے بیع کے باطل ہوجانے کی وجہ سے اس کے وارث کی اجازت نہیں (ت)۔

تو عمرو غیر مالک کا اس مکان کو وارثانِ زید خود مالکان کے نام ہبہ کرنا محض بے معنی ہے اور اگر براہِ دیانت و امانت اپنے ورثہ یا آئندہ خود اپنی بریت کے اندیشہ سے چاہتا ہے کہ بیعنامہ مصدقہ جو محض فرضی تھا بے اثر ہوجائے تو اس کے لئے بھی اس ہبہ بے معنی کی ضرورت نہیں اعلان کردے اور گواہ کرالے یا اقرار نامہ تصدیق کرادے کہ میں اس مکان کا مالک نہیں میرے نام بیع صرف فرضی تھی یہ اظہار ہبہ سے محکم تر بھی ہوگا کہ ہبہ کے لئے شروط ہیں پھر جب تک موانع ہبہ سے کوئی مانع نہ ہو اختیار رجوع بھی ہوتا ہے اور اگر صورت ہبہ ہی اختیار کرے اس کی شکلیں اس طور پر کردے کہ کوئی شرعی اعتراض نہ رہے نہ آئندہ اختیار رجوع ہو تو یہ

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۷
[2] درمختار فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲

بھی ایک صورت اس مقصود محمود کے حصول کی ہے،

وانما الاعمال بالنیات وانما لکل امریٔ مانوی[1]
بیشک عملوں کا دارومدار تو نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔ (ت)

جس طرح نظر خلق میں وُہ بیع صحیح نافذ ظاہر کی گئی یونہی نظر خلق میں یہ ہبہ تامہ لازمہ ظاہر ہوگا تو اندیشہ سے تحفظ ہوجائے گا۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے مثلاً ایک قطعہ مکان وایک حصہ دکان بدست بکر کسی وجہ خاص سے بیع فرضی کرکے قبضہ تام واسطے بکر کے حاصل کرادیا، دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا بکر بسبب اس عقد فرضی کے مالک مکان وحصہ دکان کا شرعاً ہوگا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

فی الواقع اگر بیّنہ شرعیہ یا اقرار بکر سے ثابت ہے کہ بیع فرضی طور پر کی گئی ہے تو بکر ہرگز مالک مبیع نہیں اگرچہ قبضہ برضائے بائع کیا ہو،

فانہ بیع منعقد موقوف علی اجازتھما الموقوف لایفید الملک بالقبض کما حققناہ فیما علقناہ فی ردالمحتار۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔
کیونکہ یہ بیع منعقد عاقدین کی اجازت پر موقوف ہے اور موقوف میں قبضہ سے ملکیت حاصل نہیں ہوسکتی جیسا کہ ہم نے ردالمحتار پر اپنی تعلیق میں اس کی تحقیق کردی ہے، اور اللہ سبحانہ وتعالٰی بہتر جانتا ہے (ت)

---

[1] صحیح البخاری باب کیف کان بدؤ الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

باب بیع الوفاء

(بیع وفاء کا بیان)

مسئلہ ۲۷۱: از ریاست رامپور بزریہ ملا ظریف بنگلہ متصل مسجد مرسلہ مولوی محمد علیم الدین صاحب اسلام آبادی ۱۰ رجمادی الآخر ۱۳۱۴ھ

ماقولکم رحمکم اللہ ربکم فی جواز بیع الوفاء والانتفاع بہ ھل ھو جائز ام لا، بینوا بادلۃ الکتاب توجروا من اللہ الوھاب فی یوم الحساب۔

آپ کا کیا ارشاد ہے اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے بیع الوفاء کے جواز اور اس سے نفع حاصل کرنے کے بارے میں، کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ کتابوں کے حوالوں سے مدلل بیان فرمائیں، حساب والے دن بہت عطا فرمانے والے اللہ تعالٰی سے اجر دیے جاؤ گے۔ (ت)

الجواب

المسئلۃ طویلۃ الاذیال کثیرۃ الاقوال وسیعۃ المجال بعیدۃ المنال وقد فصلناھا بتوفیق اللہ تعالٰی فی بعض تحریراتنا والذی تقرر و

یہ مسئلہ لمبے دامنوں والا، بہت زیادہ اقوال والا اور وسیع مباحث والا ہے، اور ہم نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے اپنی بعض تحریروں میں اس کی تفصیل بیان کردی ہے اور وہ بات جو اس میں ثابت و

تحرر ان بیع الوفاء رھن لایزید علیہ بشیئ ولا یخالفہ فی شیئ قال العلامۃ خیرالدین رملی فی فتاواہ الذی علیہ الاکثر انہ رھن لایفترق عن الرھن فی حکم من الاحکام قال السید الامام قلت للامام الحسن الماتریدی قد فشا ھذا البیع بین الناس وفیہ مفسدۃ عظیمۃ و فتواک انہ رھن وانا ایضا علی ذلک فالصواب ان نجمع الائمۃ ونتفق علی ھذا ونظھرہ بین الناس فقال المعتبر الیوم فتوٰنا وقد ظھر بین الناس ذلک فمن خالفنا فلیبرز نفسہ ولیقم دلیلہ وفیہ اقوال ثمانیۃ وعلی کونہ رھنا اکثر الناس[1] اھ وفیھا ایضا بیع الوفاء رھن[2] الخ وفی العقود الدریۃ من کتاب النکاح باب الولی بیع الوفاء منزل منزلۃ الرھن[3] الخ وفیھا من الرھن بیع الوفاء منزل منزلۃ الرھن کما صرحوا بہ[4] ثم ذکر نصوصا تدل علیہ فاذن لا یجوز لھذا الذی

ثابت شدہ یہ ہے کہ بیع الوفاء رہن ہے نہ اس سے کچھ زائد اور نہ ہی کسی شَی میں اس کے مخالف ہے، علامہ خیرالدین رملی نے اپنے فتاوٰی میں فرمایا کہ اکثر فقہاء اسی پر ہیں کہ یہ رہن ہے اور کسی حکم میں رہن سے جدا نہیں ہے۔ سید امام کا قول ہے کہ میں نے امام ابوالحسن ماتریدی سے کہا کہ یہ بیع لوگوں میں پھیل گئی اور اس میں فساد عظیم ہے، جبکہ آپ کا فتوٰی ہے کہ یہ رہن ہے اور میں بھی اسی کا قائل ہوں تو بہتر ہے کہ ہم ائمہ کو جمع کرکے اس پر متفق کریں اور اس کو لوگوں میں ظاہر کریں تو انھوں نے فرمایا کہ آج ہمارا فتوٰی معتبر اور لوگوں میں ظاہر ہے لہٰذا جو ہماری مخالفت کرے اس کو چاہئے کہ وُہ خود کو سامنے لائے اور دلیل قائم کرے۔ بیع الوفاء میں آٹھ اقوال ہیں اور اس کے رہن ہونے پر لوگوں کی اکثریت متفق ہے اھ اور یہ بھی اسی میں ہے کہ بیع الوفاء رہن ہے الخ عقود الدریہ کتاب النکاح کے باب الولی میں ہے کہ بیع الوفاء بمنزلہ رہن کے ہے الخ اور اسی میں ہے کہ بیع الوفاء رہن کے بمنزلہ ہے جیسا کہ فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے پھر اس میں ایسی نصوص ذکر کی گئی ہیں جو اس کے رہن ہونے پر دلالت کرتی ہیں، تو ایسی صورت میں اس

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب البیوع دارالمعرفۃ بیروت ۱/۲۲۶-۲۲۵
[2] " " " ۱/۲۲۶
[3] العقود الدریۃ کتاب النکاح باب الولی ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/۱۸
[4] " کتاب الرہن " " " ۲/۲۵۴

ھو مشترصورۃ مرتھن معنی الانتفاع بشریہ المرھون مطلقا علی ما ھو الفتوی الاٰن للعلم بمقاصد اھل الزمان وقد علم شرعا ان المعھود عرفا کالمعھود شرطا کما افادہ ھٰھنا العلامۃ السید الطحطاوی ثم العلامۃ السید الشامی فی حواشی الدر وقد افتیت بہ و ھو الحق الواضح جھا ۲/۱ - واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

اس شخص کے لئے جو بظاہر مشتری اور درحقیقت مرتہن ہے بالکل جائز نہیں کہ وہ اس خریدی ہوئی مرتہن شَے سے نفع حاصل کرے اور اب اہل زمانہ کے مقاصد کو جانتے ہوئے اسی پر فتوٰی ہے، اور تحقیق یہ بات شرعاً معلوم ہے کہ جو چیز عرف میں طے شدہ ہو وُہ ایسے ہی ہوتی ہے جیسے اس کی شرط لگائی گئی ہو جیسا کہ اس مقام پر علامہ سید طحطاوی نے پھر علامہ شامی نے دُر کے حواشی میں اس کا فائدہ دیا اور بیشک میں نے اسی پر فتوٰی دیا، اور یہی واضح اور کھُلا حق ہے۔ اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۷۲: از قصبہ منڈوا ضلع فتحپور مرسلہ حافظ محی الدین صاحب ۱۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو کی کچھ جائداد اس طرح پر لیا کہ عمرو جب روپیہ زید کا ادا کر دے تو اپنی جائداد واپس لے اور جب تک روپیہ ادا نہ ہو تب تک زید اس جائداد کا لگان گورنمنٹ اسی جائداد سے ادا کرے اور جو روپیہ اس جائداد کا لگان گورنمنٹ سے بڑھے وہ روپیہ زید اپنے تصرف میں لاکر یا کرے تو روپیہ بڑھتی کا زید کو لینا جائز ہے یا نہیں، سُود ہوگا یا نہیں؟ اگر سود ہوگا تو ان لوگوں کی نماز جو سُود لیتے نہیں ہیں صرف مہاجنوں کو سود دیتے ہیں زید کے پیچھے ہوگی یا نہیں؟

الجواب

یہ صورت بیع بالوفاء کی ہے اور اس کا حکم مثل رہن کے ہے اور اس سے جو منفعت حاصل ہو حرام ہے، حدیث میں فرمایا:

کل قرض جر منفعۃ فھو ربٰو۔[1] جو قرض نفع کھینچے وُہ سُود ہے۔ (ت)

اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے اگرچہ مقتدی بھی سُود لینے یا دینے والے ہوں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۷۳: از ریاست چھتاری مدرسہ محمودیہ ضلع بلند شہر مرسلہ امیر حسن طالبعلم ۱۴ رجب ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی کوئی زمین یا مکان یا دکان عمرو کے ہاتھ

---

[1] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/۲۳۸

بعوض سو۱۰۰ روپیہ کے فروخت کی اور باقاعدہ بیعنامہ لکھ پڑھ دیا مگر بیعنامہ سے پہلے یا بعد بائع نے مشتری سے یہ وعدہ پختہ لے لیا کہ جب میں تجھے تیرا زرِ ثمن پورا پورا ادا کروں تو تُو مجھے میری بیع واپس کر دینا اور تا واپسی تو بیع سے فائدہ اٹھاتے جانا، مشتری نے اس بات کو بطیبِ خاطر پسند کر لیا تو کیا یہ بیع جائز ہے اور مشتری کو تا واپسی مبیع سے فائدہ اٹھانا جائز ہے یا کیا ؟

الجواب

اگر واقع میں انھوں نے بیع قطعی کی ہے اور اس میں یہ شرط ملحوظ نہیں، بیع سے جُدا یہ ایک وعدہ ہو لیا تھا بیع صحیح ہُوئی اور اس سے انتفاع مشتری کو جائز، ورنہ تحقیق یہ ہے کہ وُہ بیع نہیں بلکہ رہن ہے اور مشتری کو اس سے انتفاع حرام، یہ بیع صحیح بلا دغدغہ ہونے کی صورت یہ ہے کہ اگر یہ قرارداد عقد سے پہلے ہُوا تھا تو عقد کرتے وقت یہ کہہ لیں کہ ہم اس قرارداد سے باز آئے اب بیع قطعی کرتے ہیں اور اگر عقد کے بعد یہ قرارداد ہو تو بصورت شرط نہ ہو بلکہ صرف ایک وعدہ، ردالمحتار میں ہے :

وفی جامع الفصولین ایضا لو ذکرا البیع بلا شرط ثم ذکرا الشرط علی وجہ العدۃ جاز البیع[1]۔

جامع الفصولین میں ہے کہ اگر بیع کا ذکر بلا شرط کیا پھر شرط کو بطور وعدہ ذکر کیا تو بیع جائز ہے (ت)

اسی میں ہے :

فی جامع الفصولین ایضا لو شرطا شرطا فاسدا قبل العقد ثم عقدا لم یبطل العقد اھ قلت وینبغی الفساد لو اتفقا علی بناء العقد علیہ کما صرحوا بہ فی بیع الھزل کما سیاتی اٰخر البیوع وقد سئل الخیر الرملی عن رجلین تواضعا علی بیع الوفاء قبل عقدہ وعقدا البیع خالیا عن الشرط فاجاب بانہ صرح

جامع الفصولین میں یہ بھی ہے کہ اگر عاقدین نے عقد سے پہلے کوئی شرط فاسد لگائی پھر عقد کیا تو عقد باطل نہ ہوگا اھ ، میں کہتا ہوں کہ اگر وہ دونوں عقد کی بناء اس شرط فاسد پر کرنے پر متفق ہوئے تو عقد فاسد ہونا چاہئے جیسا کہ فقہاء نے بیع ہزل کے بارے میں تصریح کی ہے جیسا کہ عنقریب بیع کی بحث کے آخر میں آئے گا۔ علامہ خیر الدین رملی سے ان دو شخصوں کے بارے میں سوال کیا گیا جنھوں نے عقد سے پہلے بیع الوفاء کی شرط ٹھہرائی پھر اس شرط سے خالی عقد کیا تو آپ نے

[1] ردالمحتار کتاب البیوع مطلب فی الشرط الفاسد دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/۱۲۱-۱۲۰

فی الخلاصۃ والفیض والتتارخانیۃ وغیرھا بانہ یکون علی ما تواضعا¹۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

وہی جواب دیا جس کی تصریح خلاصہ، فیض اور تتارخانیہ وغیرہ میں کی گئی ہے یعنی یہ بیع اس شرط پر ہوگی جو انھوں نے ٹھہرائی تھی۔ اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔(ت)

---

¹ ردالمحتار کتاب البیوع مطلب فی الشرط الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲۱

باب متفرقات البیع

(بیع کے متفرق احکام)

مسئلہ ۲۷۴ از موضع دیورنیاں

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قیمت مقررہ اسٹامپ سے زیادہ لینا رشوت ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

یہ رشوت نہیں بلکہ اپنی خرید پر نفع لینا ہے مگر کلام اس میں ہے اسٹامپ بیچنا خود ہی کراہت سے خالی معلوم نہیں ہوتا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۷۵ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنی جائداد بدست زید اپنے سوتیلے بیٹے کے فروخت کی اور قیمت اس کی وصول پاکر پھر زید کے پاس امانت رکھ دی زید نے ۴عہ/ ماہوار مقرر کردی، ہندہ نے کہا کہ مشاہرہ مجھے کیونکر دیتے ہو، کہا اسے آپ اس جائداد کی توفیر تصور فرمائیے، اس کا جواب ہندہ نے دیا کہ جب اس کی میں مالک نہ رہی تو توفیر کیسی، اس پر کہا کہ میں اپنے پاس سے یہ خدمت کرتا ہوں، ہندہ نے کہا یہ معلل بالغرض ہے اور میرے لئے ناجائز، آیا ہندہ کے لئے یہ رقم لینا ناجائز ہے یا جائز؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جائداد مبیعہ کی توفیر لینی تو صریح ناجائز جس سے ہندہ خود انکار کرتی ہے، اور بطورِ خدمت اگر دینا واقعی ہو لینا جائز، اور اس کی واقعیت کی یہ نشانی ہے کہ زید اس سے پہلے بھی ہندہ کی اس قدر خدمت کرتا ہو یا اب ہندہ اپنا یہ روپیہ واپس لے لے تو بھی بدستور خدمت کرتا رہے اور اگر ایسا نہ ہو تو اس کا یہ کہنا کہ بطور خدمت دیتا ہوں زبانی کہنا ہے بلکہ اس صورت میں ہندہ کا خیال صحیح ہے کہ وہ اسی غرض سے دیتا ہے کہ ہندہ اپنی یہ رقم کثیر نہ مانگے اور تاحیات ہندہ اسی ماہوار پر ٹالے اس نیت سے دینا دینے والے کو تو صریح ناجائز، اور ہندہ اسے اگر اپنے زرِ امانت میں مجرا کرکے لیتی رہے تو مضائقہ نہیں ورنہ اس کا لینا بھی روا نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷۶ مرسلہ مولوی احسان حسین صاحب از مسجد جامع ۹ رجب ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس صورت میں کہ ایک تاجر کتب فروش نے دوسرے تاجر مشتری کو بقلم خود یہ عبارت تحریر کی کہ قرآن مجید مرتضوی مترجم کی اگر آپ سو جلد طلب فرمائیں گے تو بارہ آنے فی جلد کے حساب سے دیا جائے گا اور قرآن شریف مرتضوی کا نرخ تاجرانہ خاص آپ کو لکھا گیا ہے انتہی عبارتہ اور اس کارڈ پر اپنے دستخط کئے علاوہ اس کے اور کارڈوں پر بھی ان کے دستخط موجود ہیں، جب ان سے جلدیں قرآن شریف کی حسب التحریر ان کے طلب کیں تو اپنی تحریر سے صاف انکار کر گئے کہ نہ میں نے لکھا اور نہ دستخط کئے، تو آیا شرع شریف میں ایسے شخص کے واسطے کیا حکم ہے اور ایفائے وعدہ واجب اور لازم ہے یا نہیں؟ اور معہود کو حق مطالبہ پہنچ سکتا ہے یا نہیں؟ اور فیما بین تجاروں کے ہزار ہا روپیہ کا تبادلہ ہوا کرتا ہے اور اس سے کوئی منحرف نہیں ہوتا ہے، اور یہ فیما بین تجار کے قرارداد واثق ہوتا ہے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اگر واقع میں اس نے لکھا اور دستخط کئے تھے تو انکار کرنے سے جھوٹ بولنے کا گنہگار ہوا مگر وفائے وعدہ پر جبری مطالبہ نہیں پہنچتا۔ فتاوٰی خانیہ و فتاوٰی ظہیریہ و فتاوٰی عالمگیریہ وغیرہا میں ہے:

ان انجز وعدہ کان حسنا والا فلا یلزمہ الوفاء بالمواعید[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اور اگر وعدہ کو پورا کرے تو بہتر ہے ورنہ وعدوں کو پورا کرنا اس پر لازم نہیں۔ اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الاجارۃ الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۲۵

مسئلہ ۲۷۷ از سرنیاں ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۲ رجب ۱۳۳۱ھ

اکثر لوگ ترکاری خریدنے کے بعد جھگڑا کرکے زیادہ لیتے ہیں۔

الجواب

جھگڑے کی اجازت نہیں، اور زیادہ مانگنا بھی سوال میں داخل ہے، ہاں بطور خود اپنی خوشی سے زیادہ دے دے تو حرج نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

کتاب الکفالۃ

(ضامن بننے کا بیان)

مسئلہ ۲۷۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی قدر قرض بکر کا ذمہ عمرو کے ہے، زید نے کہا اسے میں ادا کردوں گا، عمرو نے بھی اسے قبول کرلیا، بکر نے کہا عمرو میرے مطالبہ سے بری ہوا میں تجھ سے لوں گا" اس صورت میں بکر کو زید سے اس قرضہ کے مطالبہ کا اختیار رہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں زید اس قرضۂ بکر کا جس کے ادا کا اس نے وعدہ کیا اگر لفظ صرف اسی قدر تھے کفیل نہ ہوا کہ یہ مجرد وعدہ ہے اور وعدہ بے تعلیق بشرط لازم نہیں ہوتا اور بکر کا اس سے کہنا کہ عمرو میرے مطالبہ سے بری ہوا میں تجھ سے لوں گا اور زید کا اس پر سکوت کرنا اول تو سکوت قول نہیں اور ہو بھی تو اس کی غایت اس قدر کہ زید نے قول بکر قبول کیا گویا اس نے کہا تو مجھ سے لینا یہ بھی ایک امر ہے جس کا حاصل وعدہ ہے کہ میں دوں گا اور اس قدر سے کفالت ثابت نہیں ہوتی۔ عالمگیری میں محیط سے ہے:

اذا قال انچہ ترا بر فلان ست من بدہم فھذا وعد لا کفالۃ[1]۔ اگر کہا جو کچھ تمہارا فلاں پر لازم ہے وہ میں دوں گا' تو یہ وعدہ ہے کفالہ نہیں۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکفالۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۲۵۶

اسی میں بنقل محیط فتاوٰی امام نسفی سے ہے :

من قال لغیرہ ان الدین الذی لك علی فلان انا ادفعه الیك انا اسلمه الیك انا اقضیه لایصیر کفیلا مالم یتکلم بلفظ یدل علی الالتزام نحو قوله کفلت ضمنت علیّ الیّ وکان الشیخ الامام ظهیر الدین الحسن بن علی المرغینانی یقول اذا اتی بهذه الالفاظ منجزا لا یکون کفالة واذا اتی بها معلقا بان قال ان لم یؤد فلان مالك علیه فانا اودی فانا ادفع یصیر کفیلا[1]۔

کسی نے دوسرے سے کہا تیرا وہ قرض جو فلاں پر ہے وہ میں دوں گا، میں تیرے سپرد کروں گا، میں ادا کروں گا، وہ کفیل نہیں بنے گا جب تک کوئی ایسا لفظ نہ کہے جو التزام پر دلالت کرتا ہو مثلاً میں کفیل ہوں، میں ضامن ہوں، مجھ پر لازم ہے یا میرے ذمے ہے۔ امام ظہیر الدین حسن بن علی مرغینانی کہتے تھے اگر یہ الفاظ بطور تنجیز کہے تو کفیل نہ ہوگا اور اگر بطور تعلیق کہے مثلاً یوں کہے کہ تیرا جو دین فلاں پر ہے اگر اس نے نہ دیا تو میں ادا کروں گا یا میں دوں گا، تو کفیل ہوجائے گا۔ (ت)

ایسا ہی خزانۃ المفتین میں ہے اور اسی پر بزازیہ میں جزم فرمایا :

قائلا لما علم ان المواعید باکتساء صورۃ التعلیق تکون لازمة[2] اھ ونقله فی الحامدیة واقرہ فی العقود الدریة۔

یہ کہتے ہوئے، یہ بات معلوم ہے کہ وعدے جب تعلیق کی صورت اختیار کریں تو ان کو پورا کرنا لازم ہوتا ہے اھ اس کو حامدیہ میں نقل کیا اور عقود دریہ میں برقرار رکھا۔ (ت)

ہاں اگر زید نے یہ کہا کہ یہ نہ دے تو میں ادا کردوں گا تو بلاشبہہ بکر اس قدر روپیہ کا زید سے مطالبہ کرسکتا ہے اور بکر کا عمرو کو مطالبہ سے بری کردینا زید کو بری نہ کردے گا، اگر البتہ عمرو کو قرضہ سے بری کردیتا تو زید پر بھی مطالبہ نہ رہتا۔

فی الدر المختار من القنیة طالب الدائن الکفیل فقال له اصبر حتی یجیئ الاصیل فقال لا تعلق

درمختار میں قنیہ سے منقول ہے کہ قرض دہندہ نے کفیل سے قرض کا مطالبہ کیا تو اس نے کہا کہ صبر کرو تاکہ اصیل آجائے، اس پر قرض دہندہ نے

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکفالۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۵۷

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الکفالۃ " " " ۶/ ۳

لی علیه انما تعلقی علیك هل یبرأ اجاب نعم وقیل لا وھو المختار[1]

کہا میرا اس سے کوئی تعلق نہیں میرا تعلق تو تیرے ساتھ ہے، کیا اس صورت میں اصیل بری ہوجائیگا؟ جواب دیا ہاں، اور ایک قول یہ ہے کہ بری نہیں ہوگا اور یہی مختار ہے۔ (ت)

اور جبکہ وقتِ کفالت عمرو نے بھی اسے جائز رکھا تو اب زید اس سے اس قدر زر میں رجوع کرسکتا ہے گو یہ کفالت بامر عمرو واقع نہ ہوئی،

فی الدرالمختار ولو کفل بامرہ رجع علیه بما ادی وان بغیرہ لایرجع لتبرعه الا اذا اجاز فی المجلس فیرجع عمادیة[2] واﷲ تعالٰی اعلم۔

درمختار میں ہے اگر مدیون کے امر سے کفیل بنا تو اس پر رجوع کرسکتا ہے اور اگر اس کے امر کے بغیر کفیل بنا تو رجوع نہیں کرسکتا تبرع اور احسان کی وجہ سے مگر جب مجلس کے اندر مدیون نے اجازت دے دی تو رجوع کرسکتا ہے، عمادیہ۔ واﷲ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۷۹: از ریاست رام پور مرسلہ منشی محمد واحد علی صاحب پیشکار حاکم مال ریاست ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۱۶ھ

مطاع و مخدوم عالم جناب معظم و محترم زید افضالہ بصد ادب تسلیم اوصاف حمیدہ جناب عالی مخدوما جناب حافظ محمد عنایت اﷲ صاحب سے سُن کر عزم ہوا کہ خود ہی حاضر ہوکر اپنا ماجرا عرض کروں لیکن "ارادۃ اﷲ غالبة علی ارادۃ العباد" اسی وقت ایک تار ضروری لکھنؤ سے آگیا جس نے اس وقت حاضری سے مجبور کردیا مجبورًا اپنے معتمد محمد رضا خان صاحب کو خدمت عالی میں ضرورت حال کے لئے بھیجنا پڑا۔ ۶ فروری ۱۸۹۹ء کو ایک شخص کی حاضر ضمانت کرلی ۱۸ فروری تک کے لئے، جس کے الفاظ بعینہٖ سوالِ فتوٰی میں درج ہیں، ۱۸ فروری گزر گئی نہ عدالت نے مکفول عنہ کو مجھ سے کسی وقت ۱۸ یا ۱۸ کے اندر طلب کیا نہ مدعی نے اس مدت میں کسی قسم کی اطلاع عدالت میں کی، اب ڈھائی مہینے کے بعد ہنگام اجراء ڈگری مدعی مجھ سے روپیہ طلب کرتا ہے اور شرعًا مدعی کا وکیل یہ ثابت کرتا ہے کہ چونکہ ضمانت نامہ میں لفظ "تک" نہیں درج ہے لہٰذا بعد ۱۸ فروری بھی یہ ضمانت باقی رہی، حضور والا! اس زمانے میں ان قیود کے ساتھ الفاظ کسی جگہ ضمانت میں نہیں دیکھے گئے عرف کے مطابق یہ نیت خالص صرف ۱۸ فروری تک کے لئے ضمانت

---

[1] درمختار | کتاب الکفالۃ | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/ ۶۵
[2] درمختار | ؍؍ | ؍؍ | ۲/ ۶۴

کی تھی، مخدومی جناب حافظ عنایت اللہ صاحب کی خدمت میں ارادت ہے میں نے سچی کیفیت اپنی عرض کی، فرمایا کہ جو کچھ یہاں ممکن ہے لکھا جاتا ہے لیکن ہندوستان میں اگر کوئی قوت ان جزئیات کی کرسکتا ہے تو جناب مولوی احمد رضا خان صاحب ہیں، بنظرِ رحم حضور کی چشم کرم سے امید ہے کہ میری اس وقت کی پریشانی میں جو امداد ہو دریغ نہ فرمائیں گے تابعدار محمد واحد علی عبارت ضمانت نامہ بعینہٖ درج ذیل ہے جو کہ محمدی بیگم نے دعوٰی المال عنہ بنام سید محمد امیر دائر عدالت کیا ہے اور ان سے ضمانت حاضری طلب ہے لہذا اقرار کرتا ہوں کہ ۱۸ فروری سنہ حال تک ان کا حاضر ضامن ہوں ۱۸ تاریخ تک مدعا علیہ شہر سے نہیں بھاگیں گے اگر بھاگ گئے تو مطالبہ مدعیہ کا میں ذمہ دار ہوں۔ ۶ فروری ۱۸۹۹ء

الجواب

مکرمی محترمی منشی صاحب زید مجدہم بعد ادائے مراسم سنت ملتمس، فتوٰی نظرِ فقیر سے گزرا میں اس امر میں بکلیہ متفق ہوں کہ صورتِ مذکورہ میں ضمانت حاضری ۱۸ فروری تک منتہی ہوگئی اگرچہ جواب ظاہر الروایۃ اس کے خلاف ہے مگر اب عرف و مقاصد ناس قطعاً اسی پر حاکم اور اتباع عرف واجب ولازم، تو یہ حقیقۃً مخالفت ظاہر نہیں بلکہ زمان برکت نشان حضرات ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم میں عرف دائر و سائر یُوں ہوتا تو ہم جزم کرتے ہیں کہ حکم ظاہر الروایۃ ضرور مطابق روایت امام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ ہوتا ولہٰذا ائمہ تصحیح نے اس روایت پر اسی وجہ سے فتوٰی بھی دیا ہے کہ وہ اشبہ بعرف ناس ہے۔ اسی لئے علماء نے فرمایا:

من لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھل۔[1] جو اہلِ زمانہ کو نہیں جانتا وہ جاہل ہے (ت)

علامہ محقق شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اس کی تحقیق بروجہ شافی و کافی فرمادی ہے مگر یہاں حقیقتِ امر یہ ہے کہ دو کفالتیں ہیں، ایک[1] کفالۃ بالنفس یعنی حاضر ضامنی، وہ ۱۸ فروری تک موقت ہے اور اس روایت وعرف کی رُو سے بعد ۱۸ کے ختم ہوگئی۔ دوسری[2] کفالۃ بالمال کہ اگر بھاگ گئے تو مطالبہ مدعیہ کا میں ذمہ دار ہوں اس میں اگر توقیت بنظر ماسبق ہے تو جانب شرط میں ہے یعنی اگر ۱۸ فروری تک بھاگ گئے تو مال کا ضامن میں ہوں، اور کفالت کی ایسی شرط کے ساتھ تعلیق جائز ہے،

فی الھدایۃ الاصل انہ یصح تعلیقھا بشرط ملائم لھا مثل ان یکون شرطا لوجوب

ہدایہ میں مذکور ہے کفالت کو اس کی مناسب شرط کے ساتھ معلق کرنا صحیح ہے مثلاً وہ شرط وجوب حق

---

[1] درمختار باب الوتر والنوافل مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۹

الحق کقولہ اذا استحق المبیع اولا مکان الاستیفاء مثل قولہ اذا قدم زید وھو مکفول عنہ اولتعذر الاستیفاء مثل قولہ اذا غاب من البلدۃ۔[1]

کے لئے ہو جیسے اس کا کہنا کہ جب مبیع میں استحقاق ثابت ہو جائے یا وُہ شرط وصولی کے امکان کے لئے ہو جیسے اس کا کہنا کہ جب زید آجائے جبکہ وہ زید ہی مکفول عنہ ہو یا وہ شرط وصولی کے تعذر کے لئے ہو جیسے اس کا کہنا کہ وُہ شہر سے غائب ہو گیا (ت)

اور یہ صاحب جو آپ کا لُطف نامہ لائے ان کے بیان سے معلوم ہوا کہ مدعا علیہ مدت کے اندر ہی فرار ہو گئے اگر یہ حق ہے تو شرط متحقق ہو لی، پس اگر مطالبہ سے مراد زر دعوٰی تھا تو اس صورت میں فقیر کے نزدیک مال لازم ہو گیا اگرچہ بعد ۱۰ر فروری کے کفالتِ نفس زائل ہو جائے اگرچہ یہاں اصل وہی تھی اور کفالت بالمال اس کی تابع و تاکید تھی کہ جب بوجہ وجود شرط مال لازم ہو گیا تو اب اس کی سبیل ادا ہونا ہے یا طالب کی طرف سے معافی وگریج،

فی البزازیۃ کفل بنفسہ علی ان المکفول عنہ اذا غاب فالمال علیہ فغاب المکفول عنہ ثم رجع وسلمہ الی الدائن لایبرأ لان المال بحلول المشروط لزمہ فلایبرأ الا بالاداء او الابراء۔[2] واللہ تعالٰی اعلم۔

بزازیہ میں ہے کہ کوئی شخص کفل بالنفس بنا اس شرط پر کہ اگر مکفول عنہ غائب ہو گیا تو مال اس (کفیل) کے ذمّہ ہے بعد ازاں مکفول عنہ غائب ہو گیا پھر لوٹ آیا اور کفیل نے اس کو دائن کے حوالے کر دیا تب بھی بری نہ ہو گا کیونکہ مشروط کے پائے جانے سے مال اس پر لازم ہو گیا تو اب ادائیگی یا صاحبِ حق کی طرف سے معافی کے بغیر بری نہ ہو گا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۸۰ از ریاست رامپور متصل موتی مسجد مرسلہ منشی واحد علی صاحب پیشکار محکمۂ مال غرۂ محرم الحرام ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے زید پر محکمۂ دیوانی میں الملاعہ کی نالش کی، حاکم نے بغرضِ امتحان زید سے حاضر ضامنی طلب کی، خالد نے ۶ر فروری ۱۸۹۹ء کو ضمانت نامہ بایں عبارت

---

[1] الھدایۃ کتاب الکفالۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/۱۱۸

[2] فتاوٰی بزازیۃ علٰی ہامش فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکفالۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/۸

لکھ دیا جو کہ محمدی بیگم نے دعوی الاٹ عٰصہ کا بنام سید محمد امیر دائر عدالت کیا ہے اور ان سے ضمانت حاضری طلب ہے، لہذا اقرار کرتا ہوں کہ ۱۸ فروری سنہ حال تک میں ان کا حاضر ضامن ہوں ۱۸ تاریخ تک مدعا علیہ شہر سے نہیں بھاگیں گے، اگر بھاگ گئے تو مطالبہ مدعیہ کا میں ذمہ دار ہوں، بنا براں یہ حاضر ضامنی لکھ دی کہ سند ہو۔ المرقوم ۶ فروری ۱۸۹۹ء، مگر جس وقت خالد نے زید کی ضمانت حاضری کی اور کفالت نامہ مذکور لکھا اس وقت نہ مدعیہ موجود تھی نہ اس کا کوئی وکیل نہ پیروکار بلکہ حاکم دیوانی بھی نہ تھے، خالد نے بمواجہ زید مکفول عنہ کفالت نامہ لکھا جس پر سرشتہ دار نے بہ حکم ضابطہ لکھ دیا کہ مقر نے بحاضری خود اصالۃً شناخت گواہان حاشیہ تصدیق کی حکم ہوا کہ ناظر مدعا علیہ کو سپرد حاضر ضامن کریں ۶ فروری ۱۸۹۹ء اس پر ناظر نے یہ کیفیت لکھی کہ منشی واحد علی صاحب ضمانت تصدیق کرا کر محکمہ مال میں چلے گئے مدعا علیہ بھی بعد داخل ہو جانے ضمانت کے عدالت سے چلا گیا لہذا تعمیل سپردگی سے معذور رہوں ۶ فروری ۱۸۹۹ء اس پر حکم لکھا گیا کہ شامل مسل ہو ۷ فروری ۱۸۹۹ء اس کے سوا نہ کوئی قبول منجانب مدعیہ واقع ہوا نہ اسے کوئی اطلاع اس کفالت کی دی گئی نہ ۱۸ فروری تک مدعیہ خواہ حاکم کسی نے مدعا علیہ کو کفیل سے طلب کیا نہ اس سے کچھ تعرض واقع ہوا ۱۸ فروری کو حاکم نے مدعیہ سے بوجہ کمی اسٹامپ دعوٰی نامکمل قرار دے کر تکمیل اسٹامپ چاہی، جب مدعا علیہ نے دیکھا کہ ۱۸ فروری خالد کے منشائے کفالت بھی گزر گئی اور ضمانت ختم ہو گئی اور اس وقت تک کوئی مطالبہ نہ ہوا اپنے نفس کو قیدِ ضمانت سے فارغ پا کر شہر سے فرار کیا ایک مدت کے بعد جب مدعیہ نے دیکھا کہ مدعا علیہ پر قابو نہ رہا بحیلہ کفالت خالد سے مواخذہ شروع کیا اب مدعیہ کی طرف سے اس اقرار پر زور دیا جاتا ہے کہ ضمانت نامہ میں صرف انتہائے مدت کا ذکر ۱۸ فروری تک میں ضامن ہوں ابتدائے مدت کا نام نہیں کہ اب سے یا آج سے یا فلاں تاریخ سے ۱۸ تک میں ضامن ہوں ایسی صورت میں ظاہر الروایۃ یہ ہے کہ ضمانت اس تاریخ پر منتہی نہ ہو گی بلکہ اس کے بعد ہمیشہ کے لئے ضامن ہے لہذا ہمیں اس سے مطالبہ کرنا پہنچتا ہے، مدعیہ نے جو فتوٰی لکھوایا اس میں بطور تقدم بالحفظ یہ بھی ذکر کیا ہے کہ مدعا علیہ ۱۸ فروری سے پہلے فرار ہو گئے حالانکہ اس وقت تک کچہری میں اس کا کوئی ذکر نہ کیا نہ ہرگز ۱۸ سے پہلے فرار کا کوئی ثبوت ہے بلکہ حاکم بالا نے ۱۸ کے بعد ایک حکم میں زید کی نسبت اب فرار ہونا لکھا ہے، پس علمائے دین کی خدمت میں استفسار ہے کہ اس صورت میں بعد ۱۸ فروری کے مدعیہ کو خالد پر حاضر ضامنی مدعا علیہ کا یا زرِ دعوٰی کا مطالبہ پہنچتا ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب صورت مستفسرہ میں کفالت بالنفس بھی بعد ۱۸ فروری کے زائل اور کفالت بالمال کا خالد سے مطالبہ بھی بے اصل و باطل۔ تحقیق مقام یہ کہ کفالت دو ہیں:

(۱) کفالت بالنفس یعنی حاضر ضامنی جو اس کفالت نامہ کا اصل مفاد و مقصود و مراد ہے۔

(۲) کفالت بالمال یعنی مال ضامنی جو اگر مستفاد ہو تو ان لفظوں سے کہ ۸ اتک مدعا علیہ شہر سے نہ بھاگیں گے مطالبہ مدعیہ کا میں ذمہ دار ہوں۔

ہم یہاں دونوں کفالتوں پر کلام محققانہ کریں کہ بعونہ تعالٰی حکم شرعی واضح ہو وباللہ التوفیق۔

کفالت بالمال کا مطالبہ ہندہ کو خالد پر اصلاً نہیں پہنچتا بوجوہ:

وجہ اوّل: خالد نے یہ نہ لکھا کہ اگر زید بھاگ جائے تو ہندہ کے دَین یا مال یا زرِ دعوٰی یا اس قدر روپے کا میں ذمہ دار ہوں بلکہ مطالبہ کا ذمہ دار ہوا اور مطالبہ و دین میں فرق بدیہی ہے، بزازیہ میں فرمایا:

الکفالۃ فی اللغۃ الضم وذٰلک قد یکون فی المطالبۃ لا فی اصل الدین کما فی الوکیل مع المؤکل الدین للمؤکل و المطالبۃ للوکیل[1]	کفالہ لغت میں ملانے کو کہتے ہیں اور وہ کبھی مطالبہ میں ہوتا ہے اصل دین میں نہیں ہوتا جیسے مؤکل کے ساتھ وکیل کہ دین مؤکل کے لئے ہے اور مطالبہ وکیل کے لئے۔ (ت)

اور مطالبہ کے معنی حقیقی طلب و تقاضا اصل زبان عربی میں بھی اسی لئے وضع ہے اور فارسی وارد و میں بھی اسی معنی حقیقی پر عام محاورات میں علی وجہ الاشتہار دائر و سائر، اگرچہ اردو میں مجازاً آتے ہوئے مال کو بھی کہتے ہوں مطالبہ یعنی مال قابلِ مطالبہ۔ مگر معنی حقیقی یقیناً معروف و مشہور ہیں جن کی نسبت کسی جاہل کو بھی ہجر کا وہم تک نہیں ہو سکتا اور اصولِ فقہ میں مبرہن ہو چکا کہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک مطلقاً اور ایسی جگہ باتفاق ائمہ کرام حقیقت مجاز پر واجب التقدیم ہے جب تک معنی اصلی بنیں مجاز پر حمل جائز نہیں، تو حاصل کلامِ خالد صرف اس قدر ہوا کہ وہ ۸ اتک شہر سے بھاگ گئے تو مدعیہ کے لئے ان سے طلب و تقاضے کا میں ذمہ دار ہوں اسے کفالت مال سے کچھ تعلق نہیں بلکہ صرف تقاضے کا وعدہ ہے خالد کو چاہئے زید سے تقاضا کرے نہ یہ کہ زید سے نہ ملے تو خالد اپنے پاس سے دے۔

فی الھندیۃ عن المحیط عن نوادر ابن سماعۃ عن الامام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ رجل لہ علی رجل	ہندیہ میں محیط کے حوالے سے نوادر ابن سماعہ میں منقول امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کا یہ قول مذکور ہے کہ ایک شخص کا دوسرے کے ذمے کچھ مال

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الکفالۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۲

مال فقال رجل للطالب ضمنت لك ما علی فلان انا اقبضه منه وادفعه الیك قال لیس علی ھذا ضمان المال ان یدفعه من عنده انما ھذا علی ان یتقاضاہ ویدفعه الیه وعلی ھذا معانی کلام الناس[1] اھ ونحوہ فی الخلاصة وغیرھا۔

قرض تھا، ایک تیسرے شخص نے طالبِ قرض سے کہا جو تمھارا فلاں پر قرض ہے میں تیرے لئے اس کا ضامن ہوں، میں اس سے وصول کروں گا اور تجھے دے دُوں گا۔ امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا اس پر مال کا ضمان لازم نہ ہوگا کہ اپنے پاس سے دے بلکہ یہ مدیون سے طلب کرکے طالب کو دے گا اور انہی معانی پر لوگوں کا کلام جاری ہے اھ اور خلاصہ وغیرہ میں اسی کی مثل ہے۔ (ت)

امام شمس الائمہ کردری وجیز میں فرماتے ہیں:

قال للطالب ضمنت لك ما علی فلان ان اقبضه منه وادفعه الیك لیس بکفالة ومعناہ ان یتقاضاہ له ویدفعه الیه اذا قبضه منه علی ھذا معانی کلام الناس[2] اھ۔

کسی شخص نے طالبِ دَین سے کہا جو تیرا فلاں پر قرض ہے میں تیرے لئے اس کا ضامن ہُوں کہ اس سے وصول کرکے تجھے دُوں گا تو یہ کفالہ نہیں بلکہ اس کا معنٰی یہ ہے کہ وُہ مدیون سے مطالبہ کرے گا اور جب اس سے وصول کرے گا تو طالبِ قرض کو دے دیگا اور یہی مطلب ہوتا ہے لوگوں کے کلام کا اھ (ت)

نیز اس میں اور فتاوٰی انقرویہ وغیرہ میں ہے:

قال رجل لصاحب المال من ضمان کردم وپذیرفتم کہ باغ ویرا فروشم وایں مال بتو دہم اوقال ضمنت ان اخذ المال من ترکته واوفیك لاتصح الکفالة وان ضمن علی ان یبیع مال نفسه ویوفیه ھذا المقدار صح ویجبر علی البیع وقضاء المقدار[3]۔

کسی شخص نے صاحبِ مال سے کہا میں ضامن ہوں اور میں اس بات کو قبول کرتا ہوں کہ میں مدیون کے باغ کو فروخت کروں گا اور یہ مال تجھے دُوں گا، یا یُوں کہا کہ میں اس کے ترکہ سے مال لے کر تجھ کو دوں گا تو کفالہ صحیح نہیں اور اگر وہ ضامن بنا اس طور پر کہ اپنا مال بیچ کر قرض کی مقدار طالبِ قرض کو دے گا تو کفالہ صحیح ہے چنانچہ اس کو مال بیچنے اور قرض کی مقدار طالب کو دینے پر مجبور کیا جائیگا۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکفالۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۵۷

[2] فتاوٰی بزازیۃ علٰی ہامش فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکفالۃ الباب الثانی " " " ۶/ ۸

[3] " " " " " " " " ۶/ ۱۵-۱۴

وجہ دوم: اگر بالفرض برخلاف حکم متفق علیہ خواہی نخواہی معنیٰ مجازی ہی پر حمل کیجئے تو یہ کفالت بالمال ۱۸ ار تک بھاگنے پر معلق تھی جب اس مدت میں فرار ثابت نہیں تو لزوم مال کی کوئی صورت نہیں کہ تعلیق کفالت کی ایسی شرط پر صحیح ہے اور اذا فات الشرط فات المشروط اصل کلی صریح (جب شرط فوت ہوجائے تو مشروط بھی فوت ہوجاتا ہے، یہ واضح کلیہ ہے۔ت)

وجہ سوم: یہ بھی فرض کیجئے کہ مطالبہ سے مراد مال ہی تھا اور فرار ۱۸ ار سے پہلے ہی ہوا تو مدعیہ خود اپنے بیان و تسلیم سے کفالت بالمال کو باطل محض مان رہی ہے اسے اپنی ہی قرارداده باتوں سے مطالبہ مال کا کوئی استحقاق نہیں اس کی جانب سے یہاں عمل ظاہر الروایۃ پر زور دیا جاتا ہے اور ۱۸ ار سے پہلے فرار ظاہر کیا گیا جمہور ائمہ کرام کے نزدیک ظاہر الروایۃ کے یہ معنی ہیں کہ جب ابتدائے مدت مذکور نہ ہو صرف انتہا کا ذکر آئے تو کفالت اس وقت کے بعد محقق ہوکر تا حصولِ برأت ہمیشہ رہے گی اور روز اقرار سے اس وقت تک اصلاً کفالت نہ ہوگی، بالجملہ ظاہر الروایۃ میں ایسی جگہ (تک) بمعنی بعد کے ہے ۱۸ فروری تک ضامن ہوں یعنی ۱۸ ار کے بعد ضمانت شروع ہوگی۔ فتاوٰی خانیہ و ظہیریہ و خزانۃ المفتین میں ہے:

الکفالۃ متی جعلت الی اجل فانما یصیر کفیلا بعد انقضاء الاجل[1]

کفالت جب کسی مدت تک ٹھہرائی جائے تو اس مدت کے گزرنے کے بعد کفیل بنے گا(ت)

سراجیہ میں ہے:

لوکفل بنفسہ الی شہر یصیر کفیلا بعد شہر ھو الاصح[2]

اگر ایک ماہ تک کسی کا کفیل نفس بنا تو ماہ کے گزرنے کے بعد وہ کفیل بنے گا اور وہی صحیح ہے(ت)

خانیہ میں ہے:

رجل کفل بنفس رجل الی ثلثۃ ایام ذکر فی الاصل انہ یصیر کفیلا بعد الایام الثلثۃ، وقال الفقیہ ابو جعفر یصیر کفیلا فی الحال قال و ذکر الایام الثلثۃ لتاخیر المطالبۃ الی ثلثۃ ایام،

ایک شخص دوسرے کے نفس کا تین دن تک ضامن ہوا تو اصل میں مذکور ہے کہ تین دن گزرنے کے بعد کفیل بنے گا، اور فقیہ ابوجعفر نے کہا کہ فی الحال کفیل بن جائے گا اور ایام ثلثہ کا ذکر تین دن تک مطالبہ کی تاخیر کے لئے ہے اور فقیہ ابوجعفر کے

---

[1] خزانۃ المفتین کتاب الکفالۃ الباب الثانی قلمی نسخہ ۲/ ۵۹

[2] فتاوٰی سراجیہ " " نولکشور لکھنؤ ص ۱۲۹

وغیرہ من المشائخ اخذوا بظاھر الکتاب وقالوا لایصیر کفیلا فی الحال واذا مضت الایام الثلثۃ قبل تسلیم النفس یصیر کفیلا ابدا لایخرج عن الکفالۃ مالم یسلم[1] اھ مختصرا۔

علاوہ بعض دوسرے مشائخ نے ظاہر کتاب کو اختیار کیا اور کہا کہ فی الحال کفیل نہیں بنے گا پھر جب تین دن گزر گئے اور وہ مکفول لہ کے حوالے اس شخص کو نہ کر سکا جس کا ضامن بنا تھا تو اب ہمیشہ کے لئے کفیل بن جائے گا اور جب تک اس شخص کو مکفول لہ کے حوالے نہ کرے گا کفالت سے خارج نہ ہوگا اھ مختصراً۔ (ت)

علامہ الغروی نے اپنے مجموعہ میں اسے نقل فرما کر و غیرہ من المشائخ اخذوا بظاھر الکتاب[2] (اور اس کے علاوہ دیگر مشائخ نے ظاہر کتاب کو اختیار کیا۔ ت) یہ تحریر فرمایا:

وفی السراجیۃ وھو الاصح وبہ یفتی کذا فی السادس من التاتارخانیۃ وکذا فی التتمۃ[3]۔

اور سراجیہ میں ہے کہ وہی اصح ہے اور اسی پر فتوٰی دیا جاتا ہے تاتارخانیہ اور تتمہ میں یوں ہی ہے۔ (ت)

وجیز کردری میں ہے:

کفل الی شھر طالبہ بعد شھر ویصیر کفیلا فی الحال وبہ یفتی[4] اھ ملتقطا۔

ایک ماہ تک کفیل بنا تو ایک ماہ کے بعد اس کا مطالبہ کرے اور فی الحال وہ کفیل بن جائے گا اور اسی پر فتوٰی دیا جاتا ہے اھ التقاط۔ (ت)

جامع الفصولین اواخر فصل ثلثین میں ہے:

لو اراد ان یکفل بنفسہ ولا یصیر کفیلا فالحیلۃ علی ظاھر الروایۃ ان یقول کفلت بنفسہ الی شھر علی ان ابرأ بعدہ

اگر کوئی چاہے کہ دوسرے کا کفیل بالنفس اس طرح بنے کہ درحقیقت کفیل نہ بنے تو ظاہر الروایۃ پر اس کا حیلہ یہ ہے کہ یُوں کہے میں اس کے نفس کا ایک ماہ تک کفیل بنتا ہوں اس شرط پر کہ بعد میں اس سے بری ہوجاؤں گا

---

[1] فتاوٰی قاضیخاں | کتاب الکفالۃ | نولکشور لکھنؤ | ۴/ ۵۸۳
[2] فتاوٰی الغرویہ | " | دارالاشاعۃ العربیۃ افغانستان | ۱/ ۳۱۷
[3] حواشی " " | " | " " " | ۱/ ۳۱۷
[4] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیۃ " | نوع فی الفاظہ | نورانی کتب خانہ پشاور | ۶/ ۴

فلا یصیر کفیلا اصلا للحال فی الظاھر اذفیہ یصیر کفیلا بعدہٗ فلما شرط ان یبرأ بعدہٗ بطل اصلا۔[1]

تو وُہ بالکل فی الحال ہی کفیل نہ بنے گا کیونکہ ظاہر الروایۃ کے مطابق ایک ماہ کے بعد اس نے کفیل بننا تھا مگر جب یہ شرط لگائی کہ ایک ماہ بعد اس سے بری ہوجائیگا تو کفالت اصلاً باطل ہوگئی (ت)

حاشیہ انقروی میں ہے:

وھذہ الحیلۃ انما تمشی علی ما قال عامۃ المشائخ انہ لا یصیر کفیلا فی الحال وھو ظاھر الروایۃ علی ما قالہ ابوجعفر۔[2]

اور یہ حیلہ اس بنیاد پر جاری ہے جو عام مشائخ نے کہا کہ وہ فی الحال کفیل نہ ہوگا اور یہی ظاہر الروایۃ ہے، جیسا کہ امام ابوجعفر نے کہا۔ (ت)

اور پُر ظاہر کہ یہاں اصل مقصود کفالۃ بالنفس تھی وہی مطلوب تھی وہی مکتوب ہُوئی۔ خالد نے لکھا ان سے ضمانتِ حاضری طلب ہے لہذا میں حاضر ضامن ہُوں، حکم لکھا گیا ناظر مدعا علیہ کو سپرد حاضر ضامن کریں کفالت بالمال کا ذکر محض تبعاً بغرض توثیق و تاکید اصل کفالت بالنفس واقع ہوا اور تابع متبوع پر مقدم نہیں ہوسکتا کما فی الدرالمختار بحال عدم متبوع موجود ہو لہذا ایسی صورت میں جب کفیل کفالت مقصودہ یعنی کفالت بالنفس سے بری ہو کفالت تابعہ یعنی کفالت بالمال سے بری ہوجاتا ہے۔ درمختار میں ہے:

ان قال ان لم اٰت بہ غدا فھو ضامن لما علیہ من المال فلم یواف بہ مع قدرتہ علیہ، ضمن المال لانہ علق الکفالۃ بالمال بشرط متعارف فصح ولا یبرؤ

اگر کہا کہ اگر میں اس کو کل نہ لے کر آیا تو اس پر جو مال ہے میں اس کا ضامن ہوں گا اب قدرت کے باوجود اس نے مطلوب کو حاضر نہ کیا تو کفیل اس مال کا ضامن ہوگا کیونکہ اس نے کفالت بالمال کو ایسی شرط کے ساتھ معلق کیا جو لوگوں میں

عہ فی الاصل بیاض واظنہ الدرالمختار ۱۲ (اصل میں بیاض ہے اور میرے گمان میں یہاں درمختار ہے ۱۲ ت)

---

[1] جامع الفصولین | الفصل الثلاثون | اسلامی کتب خانہ کراچی | ۲/ ۴۶

[2] حواشی فتاوٰی انقروی | کتاب الکفالۃ | دارالاشاعۃ العربیۃ قندھار افغانستان | ۱/ ۲۱۷

عن کفالۃ النفس لعدم التنافی فلو ابرأہ عنہا فلم یواف بہ لم یجب المال لفقد شرطہ[1] اھ باختصار۔

متعارف ہے، تو یہ صحیح ہے، اور وہ کفالتِ نفس سے بھی بری نہ ہوگا کیونکہ ان دونوں میں کوئی منافات نہیں اگر طالب نے اس کو کفالتِ نفس سے بری کردیا حالانکہ اس نے مطلوب کو حاضر نہیں کیا تو اب شرط فوت ہوجانے کی وجہ سے مال اس کے ذمّے واجب نہ رہا اھ باختصار (ت)

ردالمحتار میں ہے:

شرطہ ہو بقاء الکفالۃ بالنفس[2]۔

اس کی شرط یہ ہے کہ کفالتِ نفس باقی رہے (ت)

تو ظاہر الروایۃ کے لحاظ سے ۱۸ فروری تک نہ کفالت بالنفس تھی نہ بالمال، تو اس قرار پر کہ حصول کفالت سے پہلے واقع ہوا ہو الزام مال محض خیال محال۔

وجہ چہارم: اس سے بھی تنزل کیجئے اور بالفرض غلط یہ بھی مان لیجئے کہ یہاں کفالت بالمال کفالت مستقلہ غیر تابعہ ہے تو کفالت بالنفس بنظر ظاہر الروایۃ گو بعد ۱۸ کے محقق ہو کفالت بالمال اوّل تھی اور وہ اس کے حال ثبوت میں قرار واقع ہوا تو کیوں نہ موجب مال ہوگا مگر یہ خیال خیالِ اول سے زیادہ فاسد و باطل ہے، ہمارے امام اعظم و امام ثالث رضی اللہ تعالٰی عنہما کے مذہب مفتی بہ میں ایجاب و قبول دونوں رکن کفالت ہیں اگر مکفول لہ مجلس ایجاب میں حاضر نہ ہوا اور اسی مجلس میں قبول نہ پایا جائے کفالت باطل محض و بے اثر ہوتی ہے کہ اس کے بعد اگر مکفول لہ کو خبر پہنچے اور وہ قبول بھی کرلے جب بھی اصلاً مفید نہیں، مبسوط امام محمد سے خلاصہ میں ہے:

اذا کفل رجل لرجل والمکفول لہ غائب فہو باطل وقال ابو یوسف اخرا ہو جائز[3]۔

اگر کوئی شخص دوسرے کے لئے کفیل بنا درانحالیکہ مکفول لہ غائب ہے تو یہ کفالت باطل ہے اور امام ابو یوسف نے دوسرے قول میں فرمایا کہ وہ جائز ہے۔ (ت)

قدوری وہدایہ میں ہے:

لاتصح الکفالۃ الا بقبول المکفول لہ

مکفول لہ کے مجلس میں قبول کے بغیر کفالت

---

[1] درمختار کتاب الکفالۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۱

[2] ردالمحتار 〃 داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۵۹

[3] خلاصۃ الفتاوٰی 〃 جنس آخر مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۱۶۵

فی المجلس[1] — صحیح نہیں ہوتی (ت)

بزازیہ میں ہے:

اذا کان المکفول لہ غائبا فھی باطلۃ خلافا للثانی[2] — جب مکفول لہ غائب ہو تو کفالت باطل ہے بخلاف امام ثانی (ابو یوسف) کے۔ (ت)

جامع الفصولین والقرویہ میں ہے:

لاتصح الکفالۃ بلا قبول الطالب[3] — طالب کے قبول کئے بغیر کفالت صحیح نہیں (ت)

تنویر میں ہے:

لاتصح (الکفالۃ) بلاقبول الطالب فی مجلس العقد[4] — مجلس عقد میں طالب کے قبول کئے بغیر کفالت صحیح نہیں۔ (ت)

منح الغفار میں امام طرطوسی سے ہے: الفتوی علی قولھما[5] (فتوی طرفین کے قول پر ہے۔ ت) ردالمحتار میں ہے:

واختارہ الشیخ قاسم حیث نقل اختیار ذٰلک عن اھل الترجیح کالمحبوبی والنسفی وغیرھما و اقرہ الرملی وظاھر الھدایۃ ترجیحہ لتاخیرہ دلیلھما وعلیہ المتون[6] اھ ومن المتقرر ان الفتوی متی اختلف وجب المصیر الی قول الامام — اور شیخ قاسم نے اس کو اختیار کیا کیونکہ انھوں نے اہل ترجیح سے اس کا مختار ہونا نقل کیا جیسے محبوبی اور نسفی وغیرہ، اور خیرالدین رملی نے اس کو برقرار رکھا، اور ظاہر ہدایہ سے بھی اس کی ترجیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ صاحب ہدایہ نے طرفین کی دلیل کو مؤخر کیا اور اسی پر متون وارد ہیں الخ اور یہ بات مسلّم ہے کہ فتوی میں جب اختلاف ہو تو امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ

---

[1] الہدایۃ — کتاب الکفالۃ — مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۲۱
[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیۃ — " — نوع آخر — نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۶
[3] فتاوٰی القرویۃ — " — دار اشاعۃ العربیۃ قندھار افغانستان ۱/ ۳۱۴
[4] درمختار شرح تنویر الابصار — " — مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۳
[5] درمختار بحوالہ طرطوسی — " — " ۲/ ۶۳
[6] ردالمحتار — " — داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۶۹

مالم یکن الاختلاف اختلاف الزمان و ان المتون مقدمة علیٰ غیرھا فترجح من وجھین ولیس من العلماء العدول عن الراجح الی المرجوح کما قد تبین فی محله.

کے قول کی طرف رجوع لازم ہوتا ہے جبکہ وہ اختلاف اختلافِ زمانہ کی وجہ سے نہ ہو، اور یہ بات بھی مسلّم ہے کہ متون غیر متون پر مقدم ہیں تو دو وجہوں سے اس کو ترجیح ہوگئی اور راجح سے مرجوح کی طرف عدول کرنا علم نہیں جیسا کہ اپنے محل میں واضح ہوچکا ہے۔ (ت)

سراجیہ میں ہے:

اذا قال لقوم اشھدوا انی کفیل لفلان بنفس فلان والمکفول به حاضر والطالب غائب فالکفالة باطلة فان قبل انسان عنه توقف علی اجازته[1]

جب کسی نے قوم سے کہا کہ گواہ ہوجاؤ میں فلاں کیلئے فلاں کے نفس کا کفیل ہوں درانحالیکہ مکفول بہ حاضر اور مکفول لہ غائب ہو تو کفالہ باطل ہے اگر کسی شخص نے مکفول لہ کی طرف سے قبول کیا تو اس کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ (ت)

ہندیہ میں محیط سے ہے:

رکنھا الایجاب والقبول عند ابی حنیفة و محمد وھو قول ابی یوسف اولا حتی ان الکفالة لاتتم بالکفیل وحده سواء کفل بالمال او بالنفس مالم یوجد قبول المکفول له او قبول الاجنبی عنه فی المجلس العقد اما اذا لم یوجد شیئ من ذلك فلا تتقف علی ماوراء المجلس حتی لو بلغ الطالب فقبل لم تصح[2] اھ مختصرا

کفالہ کا رکن امام اعظم ابوحنیفہ اور امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہما کے نزدیک ایجاب وقبول ہے اور امام ابویوسف علیہ الرحمۃ کا پہلا قول بھی یہی ہے یہاں تک کہ اکیلے کفیل سے کفالہ تام نہیں ہوتا چاہے مال کا کفیل بنے یا نفس کا جب تک کہ مجلس عقد میں مکفول لہ یا اس کی طرف سے کوئی اجنبی شخص قبول نہ کرے اور جب ان دونوں میں سے کسی کی طرف سے قبول نہ پایا گیا تو کفالہ مجلس سے خارج پر موقوف نہ ہوگا یہاں تک کہ اگر طالب (مکفول لہ) کو اس کی خبر پہنچی اور اس نے قبول کرلیا تو صحیح نہ ہوگا اھ اختصار (ت)

یہاں کفالت بالنفس اگرچہ نائب حاکم نے قبول کرلی جس کے لئے اگر جانب ہندہ سے حاضر ضامنی لیجئے

---

[1] فتاوٰی سراجیہ کتاب الکفالہ نولکشور لکھنؤ ص ۱۲۹

[2] فتاوٰی ہندیہ " الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۵۲

کی توکیل ثابت ہو تو نافذاً واقع ہوئی ورنہ اجازتِ ہندہ پر موقوف رہی مگر مجلس عقد میں کفالت بالمال کا قبول اصلاً کسی سے واقع نہ ہُوا اور اسے قرار دیا مستقلہ کہ طے کفالت بالنفس من عــہ... لاجرم کفالت مال باطل محض ہوگئی اور کسی وجہ پر ایجاب مال کی صورت نہ رہی، بالجملہ تحقیقاً و الزاماً ہر طرح یہاں کفالت بالمال ممنوع و مدفوع ہی رہی کفالت بالنفس یہاں انظار ظاہرہ کا حصہ اس قدر کہ اگرچہ ظاہر الروایۃ وہ ہے مگر روایت امام ابو یوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ اوفق بالعرف ہے اور کلام کا عرف متکلم پر حمل واجب تو یہی مرجح ہے اور اسی پر حکم و افتا مناسب۔ خلاصہ و القرویہ میں ہے:

قول ابی یوسف اشبہ بعرف الناس[1]۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی کا قول عرف کے زیادہ مناسب ہے۔ (ت)

تتمہ صغرٰی و القرویہ میں ہے:

ھو اشبہ بعرفنا و نفتی انہ اذا مضت المدۃ المذکورۃ فالقاضی یخرجہ عن الکفالۃ[2]۔

وہ ہمارے عرف کے زیادہ مناسب ہے اور ہم فتوٰی دیتے ہیں کہ جب مدت مذکورہ گزر جائے تو قاضی اس کو کفالہ سے خارج کردے (ت)

ذخیرہ میں ہے:

قال وکان القاضی الامام الاجل ابو علی النسفی یقول قول ابی یوسف اشبہ بعرف الناس اذا کفلوا الی مدۃ یفھمون بضرب المدۃ انھم یطالبون فی المدۃ لا بعدھا[3] الخ۔

قاضی امام الاجل ابو علی نسفی فرماتے تھے کہ امام ابو یوسف کا قول لوگوں کے عرف کے زیادہ مناسب ہے کیونکہ لوگ جب کسی مدت تک کفیل بنیں تو وہ بیان مدت سے ہی سمجھتے ہیں کہ مدت کے اندر ان سے مطالبہ کیا جائیگا نہ کہ اس کے بعد الخ۔ (ت)

خانیہ میں ہے:

قال شمس الائمۃ الحلوانی فی قول ابی یوسف انہ یطالب الکفیل بتسلیم النفس فی

شمس الائمہ حلوانی نے کہا امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کا یہ قول کہ کفیل سے تسلیم نفس کا مطالبہ تین دن کے

عــہ فی الاصل ھکذا و اظنہ کہ کفالت بالنفس کے ضمن میں حاصل نہیں ہوسکتی۔

---

[1] فتاوٰی القرویۃ کتاب الکفالۃ دار الاشاعۃ العربیۃ قندھار افغانستان ۱/ ۳۱۴

[2] حواشی " " " " " " "

[3] رد المحتار بحوالہ الذخیرہ " دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۵۵

الایام الثلثۃ ولایطالب بعدھا اشبہ بعرف الناس [1]

اندر کیا جائے گا بعد میں نہیں، لوگوں کے عرف کے زیادہ مناسب ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

قال شمس الائمۃ الحلوانی کان القاضی الامام الاستاذ ابوعلی النسفی یقول کان الشیخ الامام ابوبکر محمد بن الفضل یعجبہ ھذہ الروایۃ وکان یقول لوقال بالفارسیۃ پذیرفتم تن فلاں را تا دہ روز یصیر کفیلا فی الحال واذا مضت المدۃ لایبقی کفیلا ولوقال پذیرفتم تن فلاں را دہ روز یصیر کفیلا بعد عشرۃ ایام، و بعض المشائخ قالوا اذا قال پذیرفتم تن فلاں را تا دہ روز ولم یسلم حتی مضت عشرۃ ایام یرفع الکفیل الامر الی القاضی حتی یخرجہ عن الکفالۃ وبہ کان یفتی الشیخ الامام الاجل ظہیر الدین ویحکی ذلک عن جدی رحمھم اللہ تعالٰی [2]

شمس الائمہ حلوانی نے فرمایا قاضی امام استاذ ابوعلی نسفی فرمایا کرتے تھے کہ شیخ امام ابوبکر محمد بن فضل اس روایت کو پسند کرتے اور کہتے تھے کہ اگر کسی نے فارسی میں کہا کہ میں نے دس روز تک فلاں کے بدن کو قبول کیا تو وہ فی الحال کفیل بن جائیگا اور جب مدت گزر جائے گی تو دس دن کے بعد وہ بطورِ کفیل باقی نہ رہے گا۔ اور اگر کہا میں نے دس روز فلاں کے بدن کو قبول کیا تو وہ دس دن کے بعد کفیل رہے گا۔ اور بعض مشائخ نے کہا کہ اگر کسی نے یوں کہا کہ میں نے فلاں کے بدن کو دس دن تک قبول کیا پھر دس دن گزر گئے اور اس نے مطلوب کو طالب کے حوالے نہ کیا تو اب کفیل یہ معاملہ قاضی کے پاس لے جائے گا تاکہ وہ اس کو کفالت سے خارج کردے، اسی پر شیخ امام اجل ظہیر الدین فتوٰی دیتے تھے، اور میرے جدامجد سے بھی یہی منقول ہے اللہ تعالٰی ان سب پر رحم فرمائے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قلت وینبغی عدم الفرق بین الصور الثلث فی زماننا (ای ما اذا قال شھرا

میں کہتا ہوں ہمارے زمانے میں ان تینوں صورتوں میں فرق نہیں ہونا چاہیے (یعنی اگر کہے ایک مہینہ

---

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب الکفالۃ نولکشور لکھنؤ ۳/۵۸۳

[2] " " " " ۳/۵۸۴

او الی شہرا ومن الیوم الی شہر) کما ھو قول ابی یوسف والحسن لان الناس الیوم لا یقصدون بذٰلک الا توقیت الکفالۃ بالمدۃ وانہ لاکفالۃ بعدھا وقد تقدم ان مبنی الفاظ الکفالۃ علی العرف والعادۃ ان لفظ عندی للامانۃ وصار فی العرف للکفالۃ بقرینۃ الدین وقالوا ان کلام کل عاقد وناذر وحالف وواقف یحمل علی عرفہ سواء وافق عرف اللغۃ اولا[1] الخ

یا ایک مہینے تک یا آج سے ایک مہینے تک) جیسا کہ امام ابو یوسف اور حسن کا قول ہے کیونکہ آج کل لوگ اس سے سوائے کفالت کی توقیت بالمدۃ کے کچھ ارادہ نہیں کرتے اور یہ کہ اس مدت کے بعد کفالہ نہیں، اور تحقیق گزرچکا ہے کہ کفالہ کے الفاظ کا دارومدار عرف اور عادت پر ہے، بیشک لفظ عندی امانت کے لئے ہے مگر عرف میں دین کے قرینہ کے ساتھ کفالہ کے لئے ہوگیا، اور فقہاء نے کہا کہ ہر عقد کرنیوالے، نذر ماننے والے، قسم کھانیوالے اور وقف کرنے والے کا کلام اس کے عرف پر محمول ہوگا چاہے اس کا عرف لغت کے موافق ہو یا نہ ہو الخ (ت)

واناا قول (اور میں کہتا ہوں۔ت) حقیقت امر یہ ہے کہ ظاہر الروایۃ کو ان واقعات سے اصلاً تعلق نہیں، ان میں بلاشبہہ روایتِ امام ابی یوسف ہی پر افتاء وحکم واجب ہے اور اس کا خلاف محض باطل، آخر اس قدر پر تو اجماع ہے کہ ایجاب رکن کفالت ہے اور جب عرف میں قطعاً یقیناً دس روز تک یا فلاں تاریخ تک کفیل ہونے سے یہی معنی مقصود مراد ومفہوم ومفاد ہوتے ہیں کہ کفالت اس وقت تک موقت کی جاتی ہے اس کے بعد کفالت نہیں تو بالیقین کفیل نے ہرگز ایجاب نہ کیا مگر کفالت موقتہ محدودہ کا، اب اگر بعد اس وقت وحد کے کفالت باقی مانیں تو یہ وُہ کفالت ہے جس کا ایجاب ہرگز نہ ہوا، اور کوئی عقد بے اپنے رکن کے محقق ہونا بالاجماع باطل ہے تو ظاہر الروایۃ کو ہمارے عرف دائر سائر سے اصلاً تعلق نہیں اور یہاں اس پر حکم سراسر مقاصدِ شرع سے جُدا وظلم ہوگا لہذا علامہ محقق نے فرمایا،

ماذکرہ الامام النسفی مبنی علی ان المذکور ظاھر الروایۃ انما ھو حیث لاعرف اذ لا وجہ للحکم علی المتعاقدین بمالم یقصد افلیس قضاء بخلاف

امام نسفی نے جو ذکر فرمایا وہ اس بات پر مبنی ہے کہ مذکور ظاہر الروایۃ وہاں ہے جہاں کوئی عرف نہ ہو کیونکہ متعاقدین پر ان کے مقصود کے خلاف حکم کی کوئی وجہ نہیں چنانچہ یہ ظاہر الروایۃ کے

---

[1] ردالمحتار کتاب الکفالۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۵۵

ظاهر الروایۃ۔[1] خلاف قضاء نہ ہوئی۔ (ت)

پس صورت مستفسرہ میں قطعاً حکم یہی ہے کہ ۱۰ فروری کے بعد کفالت نہ رہی، بالجملہ اس مسئلہ میں حق ناصح یہ ہے کفالت بالنفس تو ۱۰ فروری کو جزماً حتماً ختم ہوگئی اور اس کے بعد مطالبہ ظلم ہے اور لفظ مطالبہ سے کفالت بالمال کا ایجاب محض بے دلیل ہے اگرچہ ۱۰ فروری سے پہلے فرار ثابت بھی ہو اور اگر اس کا ثبوت نہ ہو جب تو مطالبہ مال کا معنی مجازی پر بھی اصلاً احتمال ہی نہیں، غرض صورت مستفسرہ میں کفالت بالنفس یقیناً زائل' اور خالد پر مطالبہ مال کا بھی حکم باطل، یہ حکم قضا ہے، رہی دیانت اگر فی الواقع خالد نے مطالبہ سے مال مراد لیا اور یہی مقصود و مفہوم ہوا اور ۱۰ سے پہلے فرار کی شرط محقق ہوئی اور ہندہ کا زید پر دین دین صحیح تھا تو عند اللہ خالد پر مال لازم آچکا اگرچہ قاضی بوجہ مذکورہ حکم نہیں کرسکتا اللہ سے ڈرے اور بیجا حیلہ و عذر نہ کرے اور اگر ان تینوں امر سے ایک بھی منتفی ہو تو عند اللہ بھی وہ مطالبہ مال سے بری ہے، ھذا ھو التحقیق واللہ ولی التوفیق وھو سبحانہ وتعالٰی اعلم (یہی تحقیق ہے اور اللہ تعالٰی مالک توفیق ہے اور وہ سبحٰنہ وتعالٰی بہتر جانتا ہے۔ ت)

مسئلہ ۲۸۱: از رام پور مقام مذکور ۷ ربیع الاول شریف ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ہندہ دائنہ کے لئے ایک مدت معہودہ تک عمرو مدیون کا کفیل بالنفس ہوا اور حسب تعارف و معنی مقصود و مفہوم بین الناس اس مدت کے گزرنے تک انتہائے کفالت قرار پایا، زید نے اس کفالت کے ضمن میں یہ بھی کہا تھا کہ اگر مدیون اس مدت تک شہر سے بھاگ جائے تو میں مطالبہ مدعیہ کا ذمہ دار رہوں، اب کہ مدت گزر گئی اور کفالت بالنفس ختم ہوچکی تو آیا وہ کفالت بالمال بھی جو اس کے ضمن میں ذکر کی تھی اس کے ختم سے منتہی ہوگئی یا وہ باقی رہے گی' بینوا توجروا

الجواب

ہاں صورت مستفسرہ میں کفالت بالنفس کے ختم ہوتے ہی کفالت بالمال بھی ختم ہوگئی کہ یہ اسی کی تاکید و توثیق کے لئے اس کی تابع محض تھی جب اصل نہ رہی یہ بھی نہ رہی،

کیف وان زوال الموقتۃ بمرور الوقت زوال من کل وجہ کالابراء فیعمل فی الاصل والفرع

کیسے کفالت بالمال ختم نہ ہوگی حالانکہ وقت گزرنے کے سبب سے کفالت موقتہ کا زوال ہر لحاظ سے اس کا زوال ہوتا ہے جیسے کہ بری کرنا لہذا وہ

---

[1] ردالمحتار کتاب الکفالۃ مطلب فی الکفالۃ الموقتۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۵۵

جیسا بخلاف موت المطلوب لعدم وضعه للفسخ کما بینه فی الفتح وغیرہ۔

اصل وفروع دونوں میں عمل کرے گا بخلاف مطلوب کی موت کے، کیونکہ اس کی وضع فسخ کے لئے نہیں ہے جیسا کہ فتح وغیرہ میں اس کو بیان کیا ہے۔ (ت)

درمختار وردالمحتار میں ہے:

لو ابرأہ عنہا فلو یواف بہ لم یجب المال لفقد شرطہ وھو بقاء الکفالۃ بالنفس[1]

اگر طالب نے کفیل کو کفالت نفس سے بری کر دیا اور اس نے ادائیگی نہیں کی تو کفیل پر مال دینا واجب نہ ہوگا کیونکہ اس کی شرط یعنی کفالتِ نفس کی بقاء فوت ہوگئی ہے۔ (ت)

حواشی ہدایہ میں ہے:

الکفالۃ بالنفس اذا سقطت وجب ان یسقط ما یترتب علیہا من الکفالۃ بالمال لکونہا کالتاکید لہا ولیست بمقصودۃ ولھذا لو ابرأ الکفیل الطالب عن الکفالۃ بالنفس قبل انقضاء المدۃ بطلت الکفالۃ بالمال[2] واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

جب کفالۃ بالنفس ساقط ہوجائے تو اس پر مرتب ہونے والی کفالۃ بالمال کا ساقط ہونا واجب ہے کیونکہ وہ تو کفالت نفس کی تاکید ہے مقصود نہیں، یہی وجہ ہے کہ اگر مدت گزرنے سے پہلے طالب نے کفیل کو کفالتِ نفس سے بری کر دیا کفالت بالمال باطل ہوجائے گی۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۸۲: از ریاست رامپور مسئولہ حاجی نوشہ علی و شیدا علی وچھنو ۲۸ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ

(زید) ڈگری دار نے بصیغہ اجراء ڈگری (عمرو) اپنے کو گرفتار کرایا بکر خالد وحامد عمرو مدیون کی حاضری عدالت کے بلاتعیین تاریخ حاضر ضامن ہوئے اور ضمانت نامہ بایں شرائط لکھا گیا کہ جس تاریخ کو عدالت (عمرو) مدیون کو طلب کرے گی ضامنان اس کو حاضر کریں گے اگر نہ حاضر کریں گے تو زر ڈگری ذمگی مدیون مذکور ادا کرینگے ضمانت نامہ مذکورہ بعد تکمیل شاملِ مسل ہوکر مدیون سپردِ ضامنان کیا گیا ہر سہ ضامنان

---

[1] درمختار | کتاب الکفالۃ | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/ ۶۱
ردالمحتار | " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۴/ ۲۵۹
[2] حواشی ہدایہ | " | مطبع یوسفی لکھنؤ | ۳/ ۱۱۵

اپنی اپنی ضرورتوں سے حدود عدالت مذکور یعنی اپنے مسکنوں سے باہر دُور دراز چلے گئے ان کی عدم موجودگی میں عدالت سے ایک حکم اس مضمون کا جاری ہوا کہ تاریخ اطلاع یابی حکم ہذا سے ایک ہفتہ کے اندر مدیون کو حاضر عدالت کریں، یہ حکم بوجہ عدم موجودگی ضامنان ان کے مکانوں پر آویزاں ہوا ہے کسی ضامن کی ذات پر حکم مذکور کی تعمیل نہیں ہوئی ہے میعاد ہفتہ مندرجہ حکم مذکور گزر جانے پر ڈگری دار نے عدالت سے درخواست کی ہے کہ ضامنان نے مدیون کو میعاد مقررہ عدالت کے اندر نہیں حاضر کیا ہے پس بموجب شرط مندرجہ ضمانت نامہ ڈگری کا ایفاء ضامنان سے کرایا جائے اور بذریعہ قرقی ونیلام جائداد ضامنان زر ڈگری وصول کرایا جائے اور ضامنان کے قصور نہ حاضر کرنے مدیون کی تائید میں چند اشخاص کے بیانات عدالت میں کرائے ہیں جنھوں نے بحلف بیان کیا ہے کہ تاریخ تعمیل حکمنامہ مجریہ عدالت پر ہم نے ضامنان کو اسی شہر میں جو ان کا مسکن ہے دیکھا ہے اس شہادت کے پیش نظر ہونے پر عدالت سے حکمِ قرقی مال احد الضامن جاری ہوا ہے اور قرقی حسبِ قاعدہ عمل میں آئی ہے قرقی سے دُوسرے روز ہر سہ ضامنان نے مدیون کو حاضر عدالت کیا ہے اور میعاد مندرجہ حکم مجریہ عدالت کے اندر نہ حاضر کرنے مدیون کی نسبت یہ عذر کیا ہے کہ ہم ضامنان اپنے مسکنوں پر اس شہر میں موجود نہیں تھے بلکہ اپنے مسکنوں سے باہر دُور دراز گئے ہوئے تھے اس وجہ سے ہم کو اطلاع اجرائے حکم عدالت کی نہیں ہوئی ہے یوم قرقی واپس آئے ہیں اور فعل قرقی سے علم اجرائے حکم عدالت کا ہوا ہے کہ بمجرد علم دوسرے ہی روز مدیون کو فوراً عدالت میں حاضر کردیا ہے علم طلبی مدیون کے بعد کوئی توقف منجانب ضامنان وقوع میں نہیں آیا ہے اور اپنے عذر عدم موجودگی شہر یعنی بہ مساکن خود با موجودگی مقامات دیگر کی تائید میں ہر سہ ضامنان نے حلف نامہ جات اقراری خود با عدالت میں داخل کئے ہیں کہ عدالت نے مدیون حاضر کردہ کو ضامنان سے لے کر جیل خانہ دیوانی میں بھیج کر ضمانت بالنفس سے تو ضامنان کو بری کردیا ہے مگر ضمانت بالمال کا مواخذہ ضامنان پر قائم رکھا ہے پس سوال قابل تصفیہ یہ ہے کہ جبکہ عدالت سے ضمانت کے وقت یا ضمانت نامہ میں کوئی تاریخ حاضری مدیون کی معیّن ومقرر نہیں ہوئی تھی اور حکم مجریہ عدالت جس کے ذریعہ سے طلبی مدیون کی ضامنان سے ہوئی ہے ضامنان کی ذات پر تعمیل نہیں ہوا ہے اور اسی حکم مجریہ عدالت میں بھی حاضری مدیون کے لئے کوئی تاریخ معیّن ومقرر نہیں کی گئی ہے بلکہ حکم مذکور کے یہ الفاظ ہیں (تاریخ اطلاعیابی حکم ہذا سے ایک ہفتہ کے اندر مدیون کو حاضر عدالت کرو) اور ان کارروائیات کے مقابلہ میں ضامنان بذریعہ حلف نامجات تاریخ اجرا حکمنامہ عدالت اور اس میعاد ایک ہفتہ کے اندر جو اس میں نسبت حاضری مدیون مقرر تھی اپنی عدم موجودگی بمسکنہائے خود با موجودگی بمقامات دیگر جو بفاصلہ واقع ہیں ظاہر وثابت کرتے ہیں تو کیا ان حالات کی موجودگی میں بھی ضامنان پر مواخذہ ضمانت بالمال کا شرعًا عائد وقائم رہ سکتا ہے درحالیکہ مدیون کو بھی بمجرد علم طلبی عدالت حاضر عدالت کردیا اور وہ جیل خانہ دیوانی

میں بھی بھیج دیا گیا ہے اور قید بھگت رہا ہے یا یہ کہ بحالت مذکورہ بالا ضامنان پر مواخذہ ضمانت بالمال کا شرعاً قائم و باقی نہیں رہ سکتا ہے اور وہ سبکدوش ہو سکتے ہیں۔

الجواب

دارالافتاء نے بیان سائل پر اکتفا نہ کر کے اظہارات گواہان کی نقول باضابطہ طلب کیں جو سائل ۱۳؍ جمادی الاولیٰ کو حاضر لایا وہ سات گواہ ہیں جن میں ایک ہندو ہے اس کی شہادت تو مسلمانوں پر اصلاً مسموع نہیں لہٰذا اس سے بحث فضول ہے باقی چھ کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) گمن خاں چپراسی مظہر نے بتاریخ ۱۸؍ دسمبر تین قطعہ نوٹس بمکان شیخ چھنو و شیدا علی و نوشہ خاں چسپاں کر دیئے اس لئے کہ گواہان کی زبانی مظہر کو معلوم ہوا کہ ضامن شہر میں نہیں نوٹس کی خبر معلوم کر کے روپوش ہو گئے ہیں، ہنگام دریافت عورات ضامنان نے کہا تھا کہ ضامنان گھر میں نہیں کہیں چلے گئے ہیں۔

(۲) جلن خاں گواہ تعمیل نوٹس ۴؍ جنوری عرصہ ۱۸ یا ۱۹ دن کا ہوا مظہر اپنے کھیتوں پر جا رہا تھا چھنو خاں کے مکان پر شیدا علی نوشہ چھنو خاں کھڑے تھے مظہر جنگل کو چلا گیا پھر جس وقت ادھر سے لوٹ کر آیا اس وقت گمن خاں نے کاغذ کچہری کے چھنو خاں کے مکان پر وہ لگا دئے مظہر چھنو خاں اور شیدا علی کی ولدیت نہیں جانتا ان دونوں کو پہچانتا ہے بجواب سوال کچہری بیان کیا جس وقت کاغذ چسپاں ہوئے ہیں اس وقت شیدا علی جنگل کو بھینس لے کر گیا تھا اور چھنو خاں کی نسبت سنا کہ بابو کے یہاں گئے ہیں۔

(۳) چھمن گواہ تعمیل نوٹس، کوئی انتیس دن کا عرصہ ہوا جمعہ کے روز مظہر اپنے گھر کے باہر کھڑا تھا وقت دن کے ۱۰، ۱۱ بجے کا تھا شیدا علی و چھنو پسران چھٹن اپنے گھر کے پاس کھڑے باتیں کر رہے ہیں، تھوڑی دیر کے بعد اسی روز گمن خاں شیدا علی و چھنو مذکور کے مکان پر دو کاغذ لگا رہے تھے اس وقت شیدا علی جنگل کو بھینس لے گیا تھا اور چھنو کہیں گیا تھا۔

(۴) شرف الدین، عرصہ کوئی ۱۹ دن کا ہوا چھنو خاں شیدا علی خاں پسران چھٹن خاں نوشہ ولد بنی خاں بیٹھے کنوئیں کے پاس جہاں چھنو خاں و شیدا علی خاں کا مکان ہے کھڑے باتیں کر رہے تھے بس مظہر نے اتنا ہی دیکھا۔

(۵) لڈن خاں، کوئی ۱۹ دن ہوئے گمن خاں سمن لئے محبوب جان کی مسجد کے پاس کھڑے تھے اور بھی کئی آدمی تھے مذکوری نے کہا نوشہ خاں کے گھر پر چسپاں کرتا ہوں مذکوری نے نوشہ خاں ولد بنی خاں کے گھر پر آواز دی کہ نوشہ خاں کہاں ہیں گھر میں سے ایک لڑکی نکلی اس نے کہا یا تو بابو جی کے یہاں

گئے ہونگے یا قلعہ کو۔ مذکوری نے سمن نوشہ خاں کے گھر پر چسپاں کردیا مظہر چلا گیا۔

(۶) امجد حسین، چپراسی سمن لئے محبوب جان کی مسجد کے پاس ۱۹ روز ہوئے جمعہ کے دن پھر رہے تھے نوشہ خاں کو معلوم ہوا کہ قلعہ کو گئے ہیں مذکوری نے نوشہ خاں کے مکان پر سمن چسپاں کردیا، مظہر چلا گیا، مظہر نوشہ خاں کی ولدیت نہیں جانتا ان کو پہچانتا ہے، یہ تمام شہادتیں بوجوہ کثیرہ محض ناکافی ہیں،

اوّل چپراسی ۱۰ دسمبر کو سمن چسپاں کرنا بتاتا ہے اور چھمن اور امجد حسین جمعہ کے دن، ۱۰ دسمبر کو شنبہ تھا نہ کہ جمعہ۔

ثانی یہ شہادتیں چوتھی جنوری کو ہوئیں، حسب بیان چپراسی آویزانی سمن کو اس وقت تک سترہ دن ہوئے تھے، امجد حسین ۱۹ دن کہتا ہے، لڈن اور شرف الدین کوئی ۱۹ دن' اور اظہار چھمن کے باضابطہ نقل میں صاف انتیس دن لکھے ہیں، جلن خاں ۱۸ یا ۱۹ کہتا ہے، یوں بھی کم از کم وہی جمعہ کا دن پڑتا ہے۔

ثالث شہادت علی الغائب میں بیان ولدیت بالاتفاق لازم ہے اور ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مذہب میں تو بیان جد بھی ضرور ہے جبکہ صرف ولدیت موجب معرفت نہ ہو، اور یہی صحیح ہے۔

عالمگیری میں ہے:

یحتاج فی الشھادۃ علی المیت او الغائب الی تسمیۃ الشھود اسم المیت والغائب وابیھما وجدھما وعلی قول ابی یوسف ذکر الاب یکفی کذا فی الذخیرۃ والصحیح ان النسبۃ الی الجد لابد منہ کذا فی البحرالرائق۔[1]

میت اور غائب پر گواہی کے لئے ضروری ہے کہ گواہ میت اور غائب کا نام اُن کے باپ کا نام اور ان کے دادا کا نام ذکر کریں اور امام ابویوسف کے قول پر صرف باپ کا ذکر کافی ہے ذخیرہ میں یُوں مذکور ہے اور صحیح یہ ہے کہ دادا کی طرف نسبت کرنا ضروری ہے یونہی البحرالرائق میں ہے۔ (ت)

یہاں بیان ولدیت درکنار جلن خاں چھنو و شیدا علی کی نسبت، امجد حسین خاں نوشہ خاں کی نسبت ولدیت جاننے ہی سے منکر ہیں، نہ مشہود علیہم کو ان کے سامنے لاکر شناخت کرائی گئی ایسی مجہول گواہی ناقص ومختل ہے۔

رابع چپراسی کہتا ہے گواہان کی زبانی معلوم ہوا کہ ضامن شہر میں ہیں یہ سماعی بیان ہے اور ان مستثنیات میں نہیں جن میں شہادت بالتسامع مقبول ہے۔

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشھادات الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۴۵۹

خامس وہ بھی مجہول، کون گواہ کس کی زبانی۔

سادس کہتا ہے عورات ضامنان نے کہا تھا چپراسی نے کیونکر جانا کہ یہ کہنے والیاں عورات ضامنان ہیں۔

سابع عورات کا کہنا ضامنوں کے شہر میں نہ ہونے کے کیا منافی، گھر میں نہیں کہیں چلے گئے ہر طرح صادق ہے۔

ثامن جلن کا بیان کہ چھنو خاں کی نسبت کہ بابو کے یہاں گئے ہیں سماعی ہے۔

تاسع وہ بھی مجہول۔

عاشر لڈن خاں ایک لڑکی کے بیان کا حاکی ہے۔

حادی عشر وہ بھی مجہولہ بلکہ بظاہر نابالغہ بھی۔

ثانی عشر امجد حسین کا بیان بھی سماعی ہے۔

ثالث عشر مجہول، نوشہ خاں کا معلوم ہوا کیونکر معلوم ہوا کس سے معلوم ہوا۔

رابع عشر شرف الدین کا بیان محض خالی ہے اس سے صرف اتنا نکلتا ہے کہ کوئی ۱۶ دسمبر کو ضامن شہر میں تھے۔

خامس عشر ان چھ گواہیوں میں یہ بیس نقص ہیں، چپراسی کے بیان میں چار یعنی ۴، ۵، ۶، ۷۔ جلن خاں کے بیان میں چار ۲، ۳، ۸، ۹۔ چھمن کے بیان میں دو ۱، ۲۔ شرف الدین کے بیان میں دو ۲، ۱۴۔ لڈن خاں کے بیان میں تین ۲، ۱۰، ۱۱۔ امجد حسین خاں کے بیان میں پانچ ۱، ۲، ۳، ۱۲، ۱۳۔

ان سب سے قطع نظر کرکے ان میں ایک شہادت بھی موافقِ دعوٰی نہیں۔ سماعی و مجہول بیان چپراسی کی تائید میں جتنی گواہیاں گزریں سب مدعا کے اجنبی و بے علاقہ ہیں۔ مدعا یہ ہے کہ ضامنوں نے نوٹس دیکھا یا مضمونِ نوٹس پر اطلاع پائی اور وقتِ اطلاع سے سات دن کے اندر مدیون کو حاضر نہ کیا تاکہ حسبِ شرائط مطالبۂ مال ان پر عائد ہو شہادتوں میں اس کا کون سا حرف ہے، دو دن پہلے ۱۶ دسمبر کو شہر میں ہونا جو بیان شرف الدین میں ہے یا ایک دن پہلے روز جمعہ کو شہر میں رہنا جو بیان چھمن و امجد حسین میں ہے اس سے تو خود اس دن بھی شہر میں ہونا لازم نہیں آتا باقی حاصل اس قدر کہ نوٹس آنے سے پہلے اسی دن ضامن شہر میں دیکھے گئے جب نوٹس آئے اور مکان پر چسپاں ہوئے اس وقت رشید اعلٰی جنگل کو بھینس لے گیا، چھنو خاں کو سنا کہ بابو کے یہاں گئے ہیں، نوشہ خاں کا معلوم ہوا کہ قلعہ کو گئے ہیں، ان سے زیادہ کوئی حرف بھی شہادتوں میں ہے اس میں اصل مقصود یعنی جنگل یا بابو کے پاس یا قلعہ سے ضامنوں کے لوٹ کر مکان پر آنے اور مضمون

نوٹس پر اطلاع پانے پر شہادت کہاں ہے کیا قبل آویزانی نوٹس جنگل وغیرہ میں ہونا اسے وجوباً مستلزم ہے کہ پلٹ کر بھی آئیں اور مضمون پر اطلاع پائیں، کیا ممکن نہیں کہ وہی وقت ضامنوں کے باہر جانے کا ہو جاتے وقت چھنو خاں بابو سے ملا، نوشہ خاں قلعہ میں گیا، شیدا علی جنگل میں بھینس کسی کو سپرد کرنے گیا اور ان کاموں سے فارغ ہو کر ویسے ہی باہر جہاں جہاں جانا تھا چلے گئے اور اس روز واپس آئے جس دن وہ اپنا آنا بتاتے ہیں کیا ہزار بار ایسا نہیں ہوتا کہ آدمی شہر سے جاتے وقت شہر میں کہیں ہوتا جائے، اور جب یہ یقیناً ممکن ہے اور شہادتوں میں اس کے خلاف کوئی حرف نہیں تو شہادات موافق دعوٰی کب ہوئیں لہذا واجب الرد ہیں، الشہادۃ ان وافقت الدعوی قبلت والالا (شہادت اگر دعوٰی کے موافق ہو تو قبول کی جائے گی ورنہ نہیں۔ت) اگر یہ کہئے کہ اگرچہ اس دن ان کی واپسی و اطلاع مضمون جو مدعا ہے شہادات سے ثابت نہیں مگر ظاہر تو ہے کہ ایسا ہی ہوا ہو، ہُوا ہو سے دعوٰی ثابت نہیں ہوتا اور اگر اس کا ظاہر ہونا تسلیم بھی کرلیں تو قاعدہ مستمرہ فقہیہ ہے کہ الظاھر یصلح حجۃ للدفع لا للاستحقاق (ظاہر دفاع کے لئے حجت ہے نہ کہ استحقاق کے لئے۔ت) پھر کس بنا پر اسے استحقاق مال کی حجت بنا سکتے ہیں لاجرم حکم شرعی یہی ہے کہ ضامنین صورت مذکورہ میں ضمانتِ نفس وضمانتِ مال دونوں سے مطلقاً بری ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸۳ تا ۲۸۶: از ریاست رام پور مرسلہ میر سید انوار حسین صاحب بذریعہ مرزا نظر بیگ سابق نائب تحصیلدار بریلی، ۹ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) کفالت بالمال یعنی کوئی شخص کسی کے مطالبہ میں اپنا مکان مکفول کرے تو یہ کفالت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۲) نالش بربنائے کفالت بالمال یعنی اس بنا پر کہ کفیل نے اپنا مکان دوسرے کے مطالبہ میں مکفول کیا تو شرعاً قابلِ سماعت ہے یا نہیں؟

(۳) زید نے ٹھیکہ کسی حقیت کا لیا اور عمرو نے بلا استدعا وخواہش زید کے اپنا مکان کفالت میں دے دیا تو اس صورت میں عمرو مستحق پانے رقم کا زید سے ہے یا نہیں یعنی اس رقم کی ضمانت تبرع اور احسان سمجھی جائے گی یا کیا؟

(۴) جب کفیل یعنی ضامن خلافِ معاہدہ مندرجہ کفالت نامہ کے دیگر نہج پر روپیہ ڈائن کو ادا کرے تو وہ مستحق لینے رقم مذکور کا مدیون سے ہے یا نہیں؛ صورتِ کفالت یہ ہے کہ زید نے ایک موضع مستاجری میں لیا

اور عمرو نے اپنا مکان ضمانت میں مستغرق کرادیا اور ضمانت نامہ میں یہ لکھا کہ اگر زید کے ذمہ روپیہ باقی مالگزاری کا رہ جائے اور وہ ادا نہ کرے تو جائداد مکفولہ سے نیلام جائیداد مالک موضع وصول کرلے مجھ کو نیلام جائیداد مکفولہ میں کوئی عذر نہ ہوگا زید کے ذمہ کچھ باقی رہے مالک موضع نے بموجب شرط مندرجہ ضمانت نامہ نیلام کرنے کا قصد کیا تو عمرو مالک مکان نے اپنے مکان کو خلاف شرط مندرجہ ضمانت کے نیلام نہ ہونے دیا بلکہ روپیہ باقیماندہ ذگی زید عمرو نے قبل نیلام مالک موضع کو دے دیا اس وجہ سے اس روپیہ کا دینا خلافِ دستاویز ضمانت کے وقوع میں آیا۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

(۱) کفالت بالمال تو یقیناً جائز ہے مگر شرعاً اس کے معنی یہ ہیں کہ زید کا جو مطالبہ مالی عمرو پر ہوا سے اپنے ذمہ پر لے یُوں کہ ایک مال کا مطالبہ عمرو و بکر دونوں کے ذمہ پر ہو۔ نقایہ میں ہے:

الکفالۃ اما بالنفس وینعقد بکفلت بنفسہ او علی او الیّ و اما بالمال فتصح وان جھل المکفول بہ اذ صح دینہ نحو کفلت بمالك علیہ او بما یدرکك فی ھذا البیع[۱] (ملتقطا)

کفالت یا تو نفس کی ہوتی ہے اور وہ ان لفظوں سے منعقد ہوتی ہے کہ میں اس کے نفس کا کفیل بنا ہوں یا وہ میرے ذمے یا کفالت مال کی ہوتی ہے اور یہ مال مکفول کے مجہول ہونے کے باوجود صحیح ہوجاتی ہے جبکہ دین صحیح ہو مثلاً یوں کہے کہ جو تیرا مال فلاں پر ہے یا جو تجھے اس بیع میں حاصل ہوگا میں اس کا ضامن ہوں (ملتقطا)۔ (ت)

یہ جدید و محدث طریقہ کہ جہال میں رائج ہے کہ کوئی مکان دکان زمین جائداد کسی کے مطالبہ میں کہ اپنے اوپر یا دوسرے پر ہو مستغرق کرتے ہیں کہ وہ اس سے اپنا مطالبہ وصول کرے اور اس جائداد کو مکفول یا مستغرق کہتے ہیں اور باآنکہ جائداد قبضہ مالک ہی میں رہتی ہے اس وقت سے مالک کو اس میں تصرفات انتقالیہ مثل بیع وہبہ سے ممنوع جانتے ہیں اور اگر کرے تو باطل سمجھتے اور دائن کو اس کے واپس لینے کا اختیار بتاتے ہیں، یہ سب محض بدعت و اختراع فی الشریعۃ و ہوس باطل و مردود ہے شرعاً اس جائداد سے کوئی حق دائن کا کسی وقت متعلق نہیں ہوتا، نہ مالک اس کے بیع وہبہ سے ممنوع ہوسکتا ہے شرع مطہر نے توثیق دین کے لئے صرف دو عقد رکھے ہیں کفالت و رہن۔ اس کا رہن نہ ہونا تو بدیہی کہ رہن

---

[۱] مختصر الوقایہ فی مسائل الہدایہ (النقایہ) کتاب الکفالۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۴-۱۲۳

کی شرط قبضہ مرتہن ہے رہن بے قبضہ کوئی شے نہیں قال اللہ تعالٰی فرھٰن مقبوضۃ[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا، تو رہن قبضہ کیا ہوا۔ت) بدائع امام ملک العلماء میں ہے:

وصف سبحنہ وتعالٰی الرھن بکونہ مقبوضا فیقتضی ان یکون القبض شرطا فیہ صیانۃ لخبرہ تعالٰی عن الخلف ولانہ عقد تبرع للحال فلا یفید الحکم بنفسہ کسائر التبرعات ولو تعاقدا علی ان یکون الرھن فی ید صاحبہ لایجوز الرھن حتی لوھلك فی یدہ لایسقط الدین ولو اراد المرتھن ان یقبضہ من یدہ لیحبسہ رھنا لیس لہ ذٰلك[2]

اللہ سبحنہ وتعالٰی نے رہن کو مقبوض ہونے کے ساتھ موصوف فرمایا تو یہ اس بات کا مقتضی ہے کہ قبضہ رہن میں شرط ہو تاکہ اللہ تعالٰی کی خبر خلاف واقع ہونے سے محفوظ رہے، اور اس لئے بھی کہ یہ تبرع و احسان ہے لہذا باقی تبرعات کی طرح یہ خود مفید حکم نہ ہوگا، اور اگر وہ دونوں اس شرط پر عقد کریں کہ رہن مالک کے قبضہ میں رہے گا تو رہن جائز نہ ہوگا یہاں تک کہ اگر وہ مالک کے قبضہ میں ہلاک ہوگیا تو دین ساقط نہ ہوگا، اور اگر مرتہن ارادہ کرے کہ وہ اس کو مالک کے قبضہ سے لے کر بطور رہن محبوس رکھے تو اس کو ایسا کرنے کا اختیار نہیں۔(ت)

یہ لوگ خود بھی اسے نہ رہن کہتے ہیں نہ رہن سمجھتے بلکہ کفالت، اور اس کا کفالت ہونا رہن ٹھہرنے سے بھی باطل تر ہے کفالت بے کفیل محال اور اس عقد مخترع میں نفس جائداد کفیل ٹھہرتی ہے نہ مالک جائداد کہ یہ استغراقات صاحب جائداد ان دیون میں کرتا ہے جو خود اس پر ہیں اور کوئی شخص خود اپنا کفیل نہیں ہوسکتا کہ کفالت ہے،

ضم الذمۃ الی الذمۃ[3] کما فی البدائع والھدایۃ وعامۃ الکتب۔

ایک ذمہ کو دوسرے ذمہ کے ساتھ ملانا، جیسا کہ بدائع، ہدایہ اور عام کتابوں میں ہے(ت)

یہاں دو ذمہ کہاں ہیں کہ ایک دوسرے سے ضم ہو، ولہذا شرح جامع الصغیر لشیخ الاسلام علی الاسبیجابی پھر فصول استروشنی پھر فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

اذا قال المطلوب للطالب ان لم اوافك

جب مطلوب طالب سے کہے کہ اگر میں کل اپنے آپ کو

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۳

[2] بدائع الصنائع کتاب الرہن فصل اما الشرائط ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۳۵

[3] الہدایہ کتاب الکفالۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۱۲

بنفسی غدا فعلی المال الذی تدعی فلم یواف لایلزمہ شیئ[1]	تیرے پاس حاضر نہ کروں تو جس مال کا تو دعوٰے کر رہا ہے وُہ مجھ پر لازم ہوگا پھر وہ اپنے آپ کو حاضر نہ کرے تو اس صورت میں اس پر کچھ بھی لازم نہ ہوگا۔(ت)

اور خود یہ اختراع کرنے والے بھی اتنا سمجھتے ہیں کہ آدمی آپ اپنا ضامن نہیں ہو سکتا، لاجرم جائداد کو ذمہ دار مانتے ہیں، اور شک نہیں کہ جو معنی استغراق یہاں سمجھتے ہیں وہی دوسرے خود اس مدیون کے عوض جائداد مستغرق کرنے میں، و لہذا جائداد ہی پر مطالبہ عائد مانتے اور اس میں مالک کے تصرفات انتقال ناجائز جانتے ہیں لیکن جائداد جماد ہے اور ذمہ مکلفین کے ساتھ خاص جانور تو کوئی خاص ذمہ رکھتا نہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم فرماتے ہیں :

العجماء جبار[2]۔ رواہ مالك واحمد والستۃ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جانوروں پر ضمان نہیں۔ اس کو امام مالک، امام احمد اور ائمہ ستہ نے سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔(ت)

نہ کہ سنگ وخشت۔ جامع الرموز میں ہے :

الذمۃ لغۃ العھد وشرعا محل عھد جری بینہ وبین اللہ تعالٰی یوم المیثاق اووصف صار بہ الانسان مکلفا[3]	ذمّہ لغت میں عہد کو کہتے ہیں اور شرع میں اس عہد کے محل کو کہتے ہیں جو یوم میثاق کو اللہ تعالٰے اور اس محل عہد کے درمیان جاری ہوا یا اس وصف کو کہتے ہیں جس کے ساتھ انسان مکلف ہوا۔(ت)

تحریر امام ابن الہمام پھر نہر الفائق پھر رد المحتار میں ہے :

الذمۃ وصف شرعی بہ الاھلیۃ لوجوب مالہ وعلیہ وفسرھا فخر الاسلام	ذمہ وہ وصف شرعی ہے جس کے ساتھ مالہٗ اور ماعلیہ کی اہلیت وجوب حاصل ہوتی ہے اور

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکفالۃ الفصل الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۷۰

[2] صحیح البخاری کتاب الزکوٰۃ ۱/ ۲۰۳ و کتاب الدیات ۲/ ۱۰۲۱ قدیمی کتب خانہ کراچی

صحیح مسلم کتاب الحدود قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۳

مسند امام احمد بن حنبل حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰے عنہ دار الفکر بیروت ۲/ ۲۲۸

[3] جامع الرموز کتاب الکفالۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳/ ۱۹۵

بالنفس والرقبۃ التی لہا عہد[۱]۔ فخر الاسلام نے اس کی تفسیریوں کی کہ وہ نفس یا وہ رقبہ جس کے لئے عہد ہے۔ (ت)

توجائداد کا ذمہ دار ہونا محال تو کفالت لغو و واجب الابطال۔ محرّر عین اسے مکفول کہتے ہیں، یہ بھی ان کا اختراع ہے ورنہ وہ بھی ان کے طور پر کفیل ہے کما بیّنا وایضا ———— یہاں پانچ چیزیں ہیں: کفیل، مکفول، مکفول عنہ، مکفول لہ، مکفول بہ۔ مکفول بمعنی مضمون بہ تو ذمہ کفیل ہے کما تقدم انفا من کتب المذھب (جیسا کہ مذہب کی کتب کے حوالے سے ابھی گزرا ہے۔ت) اور کفالت دیون میں مکفول عنہ مدیون مکفول لہ دائن مکفول بہ وہ دین۔ درمختار میں ہے:

الدائن مکفول لہ والمدیون مکفول عنہ والنفس او المال مکفول بہ ومن لزمتہ المطالبۃ کفیل[۲]۔ دائن کو مکفول لہٗ، مدیون کو مکفول عنہ، نفس یا مال کو مکفول بہ اور جس پر مطالبہ لازم ہے اس کو کفیل کہتے ہیں۔ (ت)

ظاہر ہے کہ جائداد نہ دین ہے نہ دائن نہ مدیون نہ وہ وصف شرعی کہ انسان مکلف کے لئے ہوتا ہے تو وہ اخیر کے چاروں سے کچھ نہیں، لاجرم کفیل ہے، اور یہ باطل و مستحیل ہے، اگر کہیں کہ ہم صاحب جائداد کو کفیل مانیں گے اور جائداد زیادتِ اطمینان کے لئے ہے کہ دائن اس سے وصول کرے۔

اقول اولًا یہ بداہۃً غلط ہے غالب استغراق صاحب جائداد مدیون کے دیون میں ہوتے ہیں اسے کیونکر اپنا کفیل کہا جاسکتا ہے کما تقدم (جیسے پہلے گزرا ہے۔ ت)

ثانیًا ان استغراقوں میں جائداد ہی پر مطالبہ لکھا جاتا ہے، صاحب جائداد اپنا ذمہ اس سے مشغول نہیں کرتا، کوئی حرف ایسا نہیں ہوتا جس سے اس کی ذات ذمہ دار ہو تو وہ کفیل کیونکر ہوسکتا ہے۔ جامع الفصولین پھر بحر الرائق اور فتاوٰی ظہیریہ پھر خزانۃ المفتین اور فتاوٰی نسفی پھر محیط پھر ہندیہ میں ہے:

قال دینك الذی علی فلان انا ادفعہ الیك انا اسلمہ الیك انا اقبضہ لایصیر کفیلا مالم یتکلم کسی نے دوسرے کو کہا کہ تیرا جو فلاں پر دین ہے وہ میں تجھے دوں گا، میں تیرے حوالے کروں گا، میں اس کو وصول کروں گا، تو ان الفاظ کے

---

[۱] ردالمحتار کتاب الکفالۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۴۹

[۲] درمختار 〃 مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۹

بلفظ یدل علی الالتزام[1]	ساتھ وُہ کفیل نہ ہوگا جب تک کوئی ایسا لفظ نہ بولے جو التزام پر دلالت کرتا ہو۔ (ت)

ثالثاً خود ان لوگوں کا مزعوم بھی یہی مقصود بھی یہی، جو شخص اپنے خواہ پرائے دین میں جائداد کا استغراق کرے اور روائن ڈگری پاکر مطالبہ میں اسے حبس کرانا چاہے ہرگز نہ سُنیں گے اور یہی جواب دیا جائیگا کہ جائداد ذمہ دار ہے اس کی ذات ذمہ دار نہیں، صاف تصریح ہُوئی کہ وُہ کفیل نہیں جائداد کفیل ہے، ذمہ دار ہی کفیل ہوتا ہے۔

رابعاً بالفرض اگریوں ہی کہتا کہ تیرا دین عمرو پر آتا ہے اس کا میں کفیل ہُوں میں ضامن ہوں میں ذمہ دار ہوں اور یہ جائداد اس میں مستغرق کرتا ہُوں جب بھی جائداد بلاشبہہ آزاد رہتی کفیل کا ذمہ مشغول ہوتا اور اسے جائداد کے بیع وہبہ سے کوئی نہ روک سکتا کہ حجر عن التصرف مقتضائے کفالت نہیں کما اوضحناہ فی فتاونا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی وضاحت کردی ہے۔ ت) بلکہ فقہائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ اگر خود اس شرط پر کفالت کی کہ اپنے اس مکان کی قیمت سے زرِکفالت ادا کروں گا جب بھی مکان آزاد ہے اور اس کا بیچنا کچھ لازم نہیں۔ وجیز امام کردری پھر بحرالرائق اور فتاوٰی ذخیرہ پھر عالمگیریہ میں ہے:

ضمن الفاعل ان یؤدیھا من ثمن الدار ھذہ فلم یبعھا لاضمان علی الکفیل ولایلزمہ بیع الدار[2]	کوئی شخص ہزار روپے کا ضامن بنا اس شرط پر کہ وُہ اس گھر کے ثمن سے ہزار روپے ادا کرے گا پھر اس نے وُہ گھر فروخت نہ کیا تو کفیل پر ضمان لازم نہیں اور نہ ہی گھر کو فروخت کرنا اس پر لازم ہے۔ (ت)

بالجملہ یہ کفالت و استغراق سراسر بطلان میں مستغرق و باطل و بے اثر و خلافِ حق ہیں ان سے اس جائداد پر کوئی مطالبہ اصلاً قائم نہیں ہوسکتا، اور اگر اپنی ذات کو ذمہ دار بنانے کا کوئی لفظ نہ کہا ہو جیسا کہ اکثر یہی ہے تو اس کی ذات و جائداد دونوں آزاد۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۲) ہرگز قابلِ سماعت نہیں ہم جوابِ سوالِ اول میں تحقیق کر آئے کہ یہ کفالت باطل محض ہے تو باطل بنیاد پر دعوٰی بھی باطل اور دعوٰی باطلہ مسموع نہیں، نہ مدعا علیہ پر اس کا جواب واجب،

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکفالۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۵۷

[2] بحرالرائق " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۱۸

درمختار میں ہے :

(یسأل القاضی المدعی علیہ) عن الدعوی فیقول انہ ادعی علیك کذا فما ذا تقول (بعد صحتہا والا) تصدر صحیحۃ (لا) یسأل لعدم وجوب جوابہ[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

قاضی مدعا علیہ سے دعوٰی کے بارے میں سوال کریگا اور کہے گا کہ اس شخص نے تجھ پر یہ دعوی کیا ہے تو اس کے بارے میں کیا کہتا ہے بشرطیکہ دعوی صحیح ہو اور اگر دعوی صحیح طور پر دائر نہ ہو تو قاضی سوال نہیں کریگا کیونکہ اس کا جواب دینا مدعا علیہ پر واجب نہیں۔ اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

(۳) ہم ثابت کر آئے کہ یہ تو کفالت ہی نہیں محض باطل ہے کفالت صحیحہ جبکہ بے اذن مکفول عنہ بطور خود ہو نہ اول اس نے اس سے کفالت کو کہا نہ اسی مجلس میں دائن کے قبول سے پہلے اس پر رضا دی اگرچہ بعد تبدیل مجلس اظہار رضا کیا یا مجلس ہی میں مگر مکفول لہ پہلے رضا دے چکا تو ان سب صورتوں میں وہ تبرع محض ہے اور کفیل کو اصیل سے رقم ادا کردہ لینے کا اصلاً استحقاق نہیں۔ درمختار میں ہے :

لو کفل بامر المطلوب بشرط قولہ عنی او علی انہ علی رجع علیہ بما ضمن وان ادی اردأ عینی، وان بغیرہ لا یرجع لتبرعہ الا اذا اجاز فی المجلس فیرجع عمادیۃ (ملتقطا)[2]

اگر مطلوب کے امر سے کفیل بنا بشرطیکہ مطلوب نے کہا ہو کہ تو میری طرف سے ضامن بن یا اس شرط پر کہ وہ مجھ پر لازم الادا ہے تو ادا کردہ دین کے بارے میں مطلوب مطلوب کی طرف رجوع کرے گا اگرچہ اس نے مکفول بہ سے بدتر ادا کیا ہو (عینی) اور اگر مطلوب کے امر کے بغیر کفیل بنا ہو تو رجوع نہیں کرے گا، کیونکہ یہ اس کی طرف سے تبرع واحسان ہے، مگر جب مجلس کے اندر ہی مطلوب نے اس کو کفالت کی اجازت دے دی ہو تو رجوع کرسکتا ہے (عمادیہ) (ملتقطا)۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے :

ای قبل قبول الطالب فلو کفل بحضرتہما بلا امرہ فرضی

یعنی طالب کے قبول کرنے سے پہلے (مطلوب نے اجازت دی ہو) اگر وہ دونوں (طالب و

---

[1] درمختار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۱۶

[2] ″ کتاب الکفالۃ ″ ۲/ ۶۴

المطلوب اولا رجع ولو رضی الطالب اولا لا لتمام العقد به فلا یتغیر قہستانی عن الخانیۃ وقدمناہ ایضا عن السراج[1]۔

مطلوب) کی موجودگی میں بلاامر مطلوب کفیل بنا پھر مطلوب نے پہلے رضامندی ظاہر کردی تو کفیل اس کی طرف رجوع کرسکتا ہے اور اگر طالب نے پہلے رضامندی ظاہر کردی تو رجوع نہیں کرسکتا کیونکہ طالب کی رضامندی کے ساتھ عقد تمام ہوگیا اب اس میں تبدیلی نہیں ہوسکتی (قہستانی بحوالہ خانیہ) ہم سراج کے حوالے سے بھی اس کا ذکر پہلے کرچکے ہیں۔(ت)

اقول (میں کہتا ہوں۔ت) ہمارے نزدیک یہ تفصیل بھی عندالتحقیق قول طرفین پر مبنی ہے کہ کفالت بے قبول طالب ناتمام مانتے ہیں قول مفتی بہ پر جبکہ کفالت صرف قول کفیل سے تمام ہوجاتی ہے اگرچہ طالب کی رضا نہ ہو تو مطلوب کی اجازت لاحقہ نہ ہوگی مگر بعد تمام عقد اور وہ تبرعًا واقع ہولیا تو اب متغیر نہ ہوگا۔ عالمگیریہ میں ہے:

الکفالۃ رکنہا الایجاب والقبول عند ابی حنیفۃ ومحمد وھو قول ابی یوسف اولا ثم رجع وقال تتم بالکفیل وحدہ کذا فی المحیط، ورضا الطالب لیس بشرط عندہ وھو الاصح کذا فی الکافی وھو الاظہر کذا فی فتح القدیر وفی البزازیۃ وعلیہ الفتوی کذا فی النہر الفائق، وھکذا فی البحر الرائق[2]۔

کفالت کا رکن طرفین کے نزدیک ایجاب وقبول ہے اور امام ابویوسف کا پہلا قول بھی یہی ہے پھر آپ نے اس سے رجوع کرتے ہوئے کہا کہ اکیلے کفیل سے ہی کفالت تمام ہوجاتی ہے یونہی محیط میں ہے، اور طالب کی رضامندی شرط نہیں ہے امام ابویوسف کے نزدیک اور وہی اصح ہے (کافی) اور وہی اظہر ہے (فتح القدیر) اور بزازیہ میں ہے کہ اسی پر فتوٰی ہے۔ اسی طرح النہر الفائق اور البحرالرائق میں ہے۔(ت)

تو ثابت ہوا کہ صرف وہی کفالت موجب رجوع ہوتی ہے جو امر وحکم مدیون کے بعد ہو ولہٰذا جملہ متون و عامہ شروح نے صرف امر پر بنائے کار رکھی اور تفصیل مذکور کی طرف توجہ نہ فرمائی بلکہ متن ملتقی وغرر میں فرمایا:

---

[1] ردالمحتار کتاب الکفالۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۶۲

[2] فتاوٰی ہندیہ " الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۵۲

وان کفل بلا امرہ لایرجع علیہ وان اجازھا بعد العلم[1] اھ وھذا باطلا قد یشمل العلم فی المجلس وبعدہ۔

اگر کوئی حکم مطلوب کے بغیر کفیل بنا تو وہ مطلوب کی طرف رجوع نہیں کرسکتا اگرچہ مطلوب نے علم ہونے پر کفالت کی اجازت دے دی ہو اھ یہ عبارت اپنے اطلاق کے ساتھ دونوں صورتوں کو شامل ہے یعنی مجلس کے اندر علم ہوا ہو یا بعد میں۔ (ت)

کافی امام نسفی سے بحر میں ہے :

شمل ما اذا کفل بغیر امرہ ثم اجازھا لان الکفالۃ لزمتہ و نفذت علیہ غیر موجبۃ للرجوع فلا تنقلب موجبۃ لہ[2]

یہ حکم مطلوب کے بغیر کفیل بننے اور بعد میں مطلوب کے اجازت دینے کو شامل ہے کیونکہ کفالت اس حال میں لازم و نافذ ہوچکی ہے کہ وہ غیر موجب رجوع ہے لہذا اب موجب رجوع ہونے کی طرف منقلب نہیں ہوگی (ت)

اسی طرح درر میں غایہ سے ہے بلکہ خود فتاوٰی امام قاضیخاں میں ہے :

رجل کفل عن رجل بمال بغیرہ امرہ ثم اجاز المکفول عنہ الکفالۃ فادی الکفیل شیئا لایرجع علی المکفول عنہ[3]

ایک شخص بغیر حکم مطلوب کے اس کی طرف سے کفیل بالمال بنا پھر مکفول عنہ یعنی مطلوب نے کفالت کی اجازت دے دی اور کفیل نے اس کی طرف سے قرض ادا کردیا تو مکفول عنہ کی طرف رجوع نہیں کریگا۔ (ت)

بہرحال یہ حکم کفالت واقعیہ کا ہے یہاں کہ شرعًا کفالت نہیں کچھ مہمل و باطل الفاظ ہیں جن کا نام کفالت و استغراق رکھا ہے یہاں اگر زید کا امر بھی ہوتا عمرو کو زید پر اس رقم کا دعوٰی نہ پہنچتا کہ اگر زید نے کفالت کا امر کیا تھا مثلًا فلاں کا جو مطالبہ مجھ پر ہے اس میں میرا کفیل ہوجا یا اس میں میری ضمانت کرلے اور اس نے یہ مکان مستغرق کردیا کوئی لفظ التزام کا جس سے اس کی ذات ذمہ دار ہو نہ کہا جب تو ظاہر ہے کہ یہ اس کے امر سے نہیں کہ اس نے کفالت کا امر کیا تھا اور یہ کفالت نہیں اور اگر خود زید نے اس سے استغراق مکان ہی کو کہا تھا تو یہ ایک باطل کا حکم دیا نہ کہ اپنی طرف سے قضائے دین کا جس کے تضمن کے سبب کفالت بالامر کے سبب کفیل کو مکفول عنہ سے وصول کرنے کا اختیار رہتا ہے، ہدایہ میں ہے :

---

[1] غرر الاحکام متن الدرر الحکام کتاب الکفالۃ مطبعہ احمد کامل مصر ۲/۲۰۲

[2] بحر الرائق 〃 ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/۲۲۴

[3] فتاوٰی قاضیخان 〃 نولکشور لکھنؤ ۳/۵۸۰

ان کفل بامرہ رجع بما ادّی علیہ لانہ قضی دینہ بامرہ[1]

اگر کوئی مکفول عنہ کے امر سے کفیل بنا تو اس کی طرف رجوع کرسکتا ہے کیونکہ اس نے مکفول عنہ کا قرض اس کے حکم سے ادا کیا۔ (ت)

ایسے امر میں کفیل کو مکفول لہ یعنی دائن سے اپنی دی ہُوئی رقم واپس لینے کا اختیار ہوتا ہے کہ اس نے اپنے آپ کو کفیل سمجھ کر ادا کی اور یہ خیال باطل تھا،

ومن دفع شیئا ظانا انہ علیہ ولم یکن علیہ کان لہ ان یستردہ[2] کما فی العقود الدریۃ وغیرھا۔

اگر کسی نے دوسرے کو یہ سمجھتے ہوئے کوئی شے دی کہ وہ دینا اس پر لازم ہے حالانکہ وہ لازم نہ تھی تو اس کو واپس لینے کا حق ہے جیسا کہ عقود الدریہ وغیرہ میں ہے۔ (ت)

مدیون پر اس کو کوئی دعوٰی نہیں پہنچتا، فتاوٰی قاضی خاں وفتاوٰی ہندیہ میں ہے:

رجل قال لغیرہ ولیس بخلیط لہ ادفع الی فلان الف درھم فدفع المامور لایرجع بہ علی الاٰمر لکن یرجع بہ علی القابض لانہ لم یدفع الیہ علی وجہ یجوز دفعہ[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

ایک شخص نے دوسرے کو جو اس کا شریک نہیں ہے کہا کہ فلاں کو ہزار روپے دے دو اور اس نے دے دئے تو آمر کی طرف رجوع نہیں کرسکتا البتہ قابض کی طرف رجوع کرسکتا ہے کیونکہ مامور نے اس کو ایسی وجہ سے ہزار روپے نہیں دئے جس وجہ سے دینے جائز ہوں، اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

(۴) اگر یہ کفالت صحیح وجائز ہوتی اور بامر مکفول عنہ وقوع پاتی تو صورت مذکورہ میں ضرور عمرو اس رقم کو زید سے واپس لے سکتا نیلام نہ ہونے دیتا، اور روپیہ ادا کر دینا کوئی خلاف قضیۂ کفالت نہیں بلکہ عین اُس کا مقتضا ہے کفالت توثیق دین کے لئے ہوتی ہے وہ حاصل ہے نہ کہ نیلام جائداد کفیل کے لئے۔ رہن کے تو عین سے حق مرتہن متعلق ہوتا ہے ولہذا اس میں اور سب دائنوں پر مقدم رہتا ہے اور رہن سے غرض یہی ہے کہ راہن سے دَین وصول نہ ہو تو اس کی قیمت سے وصول ہوجائے پھر اگر دین کی میعاد

---

[1] الہدایۃ کتاب الکفالہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۱۹

[2] العقود الدریۃ کتاب الشرکۃ ۱/ ۹۱ وکتاب الوقف ۱/ ۲۲۶ وکتاب المداینات ۲/ ۲۴۹ ارگ بازار قندھار افغانستان

[3] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الکفالہ فصل فی الکفالۃ بالمال مطبع نولکشور لکھنؤ ۳/ ۵۸۹

گزر جائے اور مرتہن اس کی بیع چاہے راہن بادائے دین بلاشک فک رہن کرا سکتا ہے کفیل کیوں ممنوع ہوگا مگر ہم بیان کر آئے کہ نہ یہ کفالت ہے نہ یہاں زید پر عمرو کو کسی قسم کا دعوٰی پہنچتا ہے تو اس سے بحث کی حاجت نہ رہی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸۶: از شہر بریلی مرسلہ حافظ حضور احمد خاں منصرم نقل ساکن ریاست رام پور وارد حال بریلی

کہ زید کی درخواست پر عمرو نے اس کی ضمانت مستاجری اپنی جائداد سے کرکے باضابطہ تصدیق کرادی زید نے پہلے سال میں بدنیتی سے سرکاری روپیہ ادا نہیں کیا اور جائداد مکفولہ کے نیلام کی درخواست دے دی عمرو نے مجبور ہوکر بعذرداری منجملہ اللعہ زرضمانت کہ بموجب پرتہ ماعہ داخل سرکار کرکے جائداد مکفولہ اپنی نیلام سے واگزاشت کرالی اور عمرو کے نام عدالت دیوانی میں زرضمانت ادا کردہ صمالعہ کی بربنائے ضمانت نامہ مصدقہ و داخلہ سرکاری کی نالش رجوع کردی زید مدعا علیہ کو یہ عذر ہے کہ کفالت بالمال شرعًا ناجائز ہے اور حکم دفعہ ۹، آئین حامدیہ قانون مجریہ اور عملدرآمد ریاست یہ ہے کہ صیغہ مال میں جو شخص مطالبہ سرکاری کی ضمانت کرکے روپیہ سرکار میں داخل کرے اس کو اصل مستاجر پر دعوٰی رجوع کرکے زرمدخلہ اپنا وصول کرانے کا اختیار حاصل ہے پس ایسے حکم قانون مجریہ اور عمل درآمد ریاست کے مقابلہ میں وہ ضمانت نامہ شرعًا جائز ہوسکتا ہے یا کیا؟ اور قاضی وقت حکم سلطان العصر کے خلاف تجویز فرمانے میں بموجب روایت درمختار:

ولو امر السلطان بعدم سماع الدعوی فلا تسمع الدعوی الخ[1] | اگر سلطان دعوٰی کی عدم سماعت کا حکم دے تو دعوٰی نہیں سنا جائے گا الخ (ت)

ممنوع ہے یا کیا؟

الجواب

کفالت بالمال بلاشبہہ شرعًا جائز ہے مدعا علیہ کا عذر باطل ہے یہاں تک کہ ناجائز مطالبوں کی کفالت صحیح ہے تو مستاجری رائجہ دیہات کا شرعًا ناجائز ہونا صحت کفالت کا مانع نہیں، درمختار میں ہے:

صح ضمان الخراج وکذا النوائب ولو بغیر حق کجبایات زماننا فانھا فی المطالبۃ کالدیون بل فوقھا حتی لو اخذت | صحیح ہے ضمان خراج کا، اور اسی طرح نوائب (حکام کی طرف سے مقرر کردہ اموال) کا، اگرچہ وہ نوائب ناحق ہوں، جیسے ہمارے زمانے کے مظالم سلطانی، کیونکہ یہ مطالبہ میں دیون کی مثل ہیں بلکہ اس سے

---

[1] درمختار کتاب القضاء فصل فی الحبس مطبع مجتبائی دہلی ۲/۸۱

من الاكار فله الرجوع على مالك الارض و علیه الفتوٰی[1]

فوق ہیں یہاں تک کہ اگر کاشتکار سے ایسے اموال جبرًا لئے جائیں تو وہ مالک زمین کی طرف رجوع کرسکتا ہے، اور اسی پر فتوٰی ہے (ت)

اور کفالت جبکہ بامر مطلوب ہو جیسا صورتِ سوال میں ہے تو بلاشبہہ کفیل کو اصیل سے وصول کرنے کا اختیار ہے، تنویر الابصار میں ہے:

لو کفل بامرہ رجع بما ادی وان بغیرہ لا ولا یطالب کفیل بمال قبل ان یودی عنہ[2] (ملتقطا)

اگر کوئی مطلوب کے حکم سے کفیل بنا تو قرض ادا کرکے مطلوب کی طرف رجوع کرسکتا ہے اور اگر اس کے حکم کے بغیر کفیل بنا تو رجوع نہیں کرسکتا اور مطلوب کی طرف سے قرض ادا کرنے سے پہلے کفیل اس سے مطالبہ نہیں کرسکتا۔ (ملتقطا)۔ (ت)

اور یہی مطلب اس قانون کی عبارت منقولہ سوال کا ہے کہ اس کو مستاجر پر دعوٰی کرکے زر مدخلہ وصول کرنے کا اختیار ہے تو اصل منشا سوال کہ حکم شرع و قانون کا اختلاف ہے یہاں منتفی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۸۰: از مراد آباد محلہ کسرول متصل مسجد مولسری مرسلہ مولوی حفظ الرشید صاحب ۲۴ شعبان ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ علاقہ ریاست پور میں حاکم وقت کا یہ حکم ہے کہ جو دیہات مستاجری سرکاری میں جائداد ضمانت میں مکفول کرے اسے بیع و رہن و ہبہ نہیں کرسکتا، زید نے اپنی جائداد کا جو ضمانت میں مکفول تھی ہبہ نامہ لکھ دیا اور قبضہ موہوب لہ کا کرادیا اور ہبہ نامہ میں یہ لکھ دیا کہ یہ جائداد جو ہو بہ پر جو مطالبہ برآمد ہو ذمہ موہوب لہ رہے سرکار نے بمنظوری اس امر کے کہ جائداد بدستور مکفول رہے اس ہبہ نامہ کو منظور کرلیا تو یہ ہبہ جائز رہا یا نہیں اور وہ جائداد یا موہوب لہ اس مطالبہ کے ذمہ دار ہوئے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

ہبہ جائز و نافذ و تام ہوگیا لصدورھا عن اھلہا فی محلہا وقد تمت بلحوق القبض (کیونکہ وہ ہبہ کے اہل سے ہبہ کے محل میں صادر ہوا اور قبضہ کے لاحق ہونے کے ساتھ وہ تام ہوگیا۔ ت) اور وہ کفالت اس کے لئے مانع نہیں ہوسکتی کہ جائداد کی کفالت اصلاً کوئی چیز نہیں جب تک جائداد کسی دین موجود کے مقابل قبضہ دین میں نہ دی جائے تو جائداد جسے لوگ آج کل مکفول یا مستغرق کہتے ہیں شرعًا آزاد محض ہوتی ہے

---

[1] درمختار کتاب الکفالہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۶

[2] درمختار شرح تنویر الابصار " " " ۲/ ۶۴

مالک کو اس میں ہر گونہ تصرف کا اختیار ہوتا ہے پھر ہبہ نامہ میں جو یہ شرط لگائی کہ جائداد موہوبہ پر جو مطالبہ برآمد ہو ذمہ موہوب لہ ہے ظاہر ہے کہ شرط باطل ہے مگر شرط فاسد سے ہبہ فاسد نہیں ہوتا بلکہ خود وہ شرط باطل و بے اثر رہتی ہے اور موہوب لہ کا اس ہبہ کو قبول کرنا اسے اس شرط فاسد کا پابند نہیں کرتا نہ اس کا یہ قبول کسی طرح بطورِ خود قبول کفالت کا اثر رکھتا ہے پس صورت مستفسرہ میں ہبہ قطعاً صحیح و تام ہے اور جائداد موہوبہ اور ذات موہوب لہ دونوں مطالبہ ریاست سے بری و آزاد۔ توضیح مقام یہ ہے کہ شرع میں کفالت کے معنی ہیں کسی کے ذمہ سے اپنا ذمہ ملا دینا دین میں جیسے بعض کا قول ہے یا مطالبہ میں جیسا کہ قول اصح ہے، ہدایہ و ہندیہ وغیرہما میں ہے:

قیل ھی ضم الذمۃ الی الذمۃ فی المطالبۃ و قیل فی الدین والاول اصح[1] انتھی، اقول والمراد اعم من مطالبۃ حاضرۃ کما علی مدیون اومتوقعۃ کما فی ضمان الدرک وغیرہ ففی الھندیۃ عن محیط السرخسی لوقال لرجل مابایعت فلانا فھو علی جائز لانہ اضاف الکفالۃ الی سبب وھو مبایعۃ والکفالۃ المضافۃ الی وقت فی المستقبل جائزۃ لتعامل الناس فی ذلک[2] اھ وفیھا عن الکافی یصح تعلیق الکفالۃ بالشروط کما لوقال مابایعت فلانا فعلی وما ذاب لک علیہ فعلی وما غصبک فلان فعلی[3]۔

ایک قول یہ ہے کہ کفالت دین میں ذمہ کو ذمہ کے ساتھ ملانا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ مطالبہ میں ذمہ کو ذمہ کے ساتھ ملانا ہے، اور قولِ اول زیادہ صحیح ہے انتہی میں کہتا ہوں مطالبہ سے مراد عام ہے چاہے حاضر ہو جیسے مدیون پر یا متوقع ہو جیسے ضمانِ درک وغیرہ میں۔ ہندیہ میں محیط سرخسی کے حوالے سے ہے کہ اگر کسی نے دوسرے شخص سے کہا جو تم فلاں پر بیچو وہ مجھ پر لازم ہے تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ کفالہ کی سبب وجوب یعنی مبایعت کی طرف اضافت ہے اور وہ کفالہ جس کو مستقبل کے کسی وقت کی طرف منسوب کیا جائے جائز ہوتا ہے اس لئے کہ اس میں لوگوں کا تعامل جاری ہے اھ اور اسی میں کافی سے منقول ہے کہ کفالہ کو شروط کے ساتھ معلق کرنا صحیح ہے جیسے کہا کہ جو تم فلاں کے ساتھ بیع کرو وہ مجھ پر لازم ہے اور تیرا جو حق اس پر ثابت ہو وہ مجھ پر لازم ہے اور جو فلاں نے تجھ سے غصب کیا وہ مجھ پر لازم ہے۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکفالۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۲۵۲
[2] ؍؍ ؍؍ الباب الثانی ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۳/۲۵۶
[3] ؍؍ ؍؍ الفصل الخامس ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۳/۲۷۱

اور ظاہر ہے کہ جائداد کوئی صاحب ذمہ نہیں تو زید پر کے مطالبہ میں عمرو کا اپنی جائداد کو مکفول یا مستغرق کرنا بے معنی ہے عمرو خود اس مطالبہ کا کفیل بنتا ہے یا نہیں، اور اگر نہیں تو وہ کون سا ذمہ ہے کہ ذمہ زید کے ساتھ ضم ہوا اور اگر ہاں تو مطالبہ ذمہ عمرو پر ہوا نہ کہ جائداد پر، ولہذا اگر کفیل کی کُل جائداد تلف ہوجائے کفیل مطالبہ سے بری نہیں ہوتا جب اس کے پاس مال آئے گا مطالبہ ممکن ہوگا بخلاف رہن اس میں حق مرتہن خاص شے مرہون سے متعلق ہوجاتا ہے حتی کہ اگر مرہون اس کے پاس ہلاک ہوجائے تو بقدر اس کی قیمت کے دین ساقط ہوجاتا ہے یہاں تک کہ اگر روز قبضہ مرتہن قیمت مرہون دین کے برابر یا اس سے اکثر تھی اور شے مرہون اس کے پاس تلف ہوگئی تو کل دین جاتا رہا، ذخیرہ و ہندیہ میں ہے:

اذا هلك المرهون فى يد المرتهن او فى يد العدل ينظر الى قيمته يوم القبض والى الدين فان كانت قيمته مثل الدين سقط الدين بهلاكه وان كانت قيمته اكثر من الدين سقط الدين وهو فى الفضل امين وان كانت قيمته اقل من الدين سقط من الدين قدر قيمة الرهن ويرجع المرتهن على الراهن بفضل الدين۔[1]

اگر مرہون شے مرتہن کے قبضہ میں ہلاک ہوگئی یا عادل کے قبضہ میں ہلاک ہوگئی تو قبضہ والے دن اس شئ کی قیمت اور قرض کو دیکھا جائے گا اگر اس شے کی قیمت قرض کی مثل ہے تو قرض ساقط ہوجائیگا اور اگر قیمت زیادہ ہے تو قرض ساقط ہوجائے گا جو زائد ہے اس میں مرتہن امین ہوگا اور قیمت قرض سے کم ہے مرہون کی قیمت کے برابر ساقط ہوجائے گا اور باقی قرض کے سلسلہ میں مرتہن راہن کی طرف رجوع کرے گا۔ (ت)

مگر یہ اس حالت میں ہے کہ وہ شے دائن کے قبضہ میں دے دی جائے اور دین موجود و متحقق ہو نہ کہ موہوم و متوقع۔ قال اللہ تعالٰی فرھٰن مقبوضة[2] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو رہن قبضہ کیا ہوا۔ ت) کافی و ہندیہ میں ہے:

لايصح الرهن الابدين واجب ظاهرا وباطنا او ظاهرا فاما بدين معدوم فلا يصح۔[3]

نہیں صحیح ہے رہن مگر دین واجب کے بدلے میں، چاہے ظاہر ہو یا باطن، لیکن دین موہوم کے بدلے میں صحیح نہیں۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الرھن الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۴۴۷

[2] القرآن الکریم ۲/۲۸۳

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الرھن الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۴۳۱

اس کفالت واستغراق مخترع میں کہ جائداد اس کے قبضہ میں نہیں دی جاتی اور بار ہا کوئی دین بالفعل موجود بھی نہیں ہوتا جائداد کیونکر اس کے حق میں محبوس ہوسکتی ہے اس کا حاصل تو یہ ہوگا کہ کفیل کو اس کے اس مال مملوک میں تصرفات مالکانہ سے مجور وممنوع کردیں حالانکہ خود وہ مدیون بھی نہیں بلکہ بہت جگہ ابھی دین کا اصلاً وجود ہی نہیں اور شرعاً خود مدیون بھی اور وہ بھی ایسا کہ دیون اس کے تمام املاک کو مستغرق ومحیط ہوں اپنی ملک میں کسی تصرف مالکانہ سے ممنوع نہیں ہوتا حتی کہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک تو اگر قرضخواہ نالشی ہوں (کہ یہ اپنی جائداد تلف کئے ڈالتا ہے حاکم اسے تصرفات سے روک دے) اور قاضی ان کی نالش قبول کرکے ممانعت کا حکم قطعی صادر کردے جب بھی وہ اصلاً ممنوع نہ ہوگا جس مال کو ہبہ کرے گا ہبہ ہوجائے گا بیع کرے گا بک جائے گا، وقف کرے گا وقف ہوجائے گا، قرضخواہوں کو جو حق حبس وملازمت کا دیا گیا وہ اپنے ان طریقوں سے چارہ جوئی کریں اس کے تصرفات کہ اس کی اہلیت سے ناشئ ہیں کسی کے روکے نہ رکیں گے' اور صاحبین کے نزدیک اگرچہ وہ صرف اپنے مال موجود میں بعض تصرفات سے ممنوع ہوسکتا ہے جبکہ دین اس کے اموال کو محیط ہوجائے مگر کب، جبکہ بعد نالش قرضخواہان قاضی اس کے ممنوع ہونے کی قضا کردے اور اسے اس قضا کی اطلاع بھی پہنچ جائے اس سے قبل بالاجماع وہ بھی کسی طرف سے ممنوع نہیں۔ محیط وعالمگیری میں ہے:

الحجر لسبب الدین ان یرکب الرجل دیون تستغرق امواله او تزید علی امواله فطلب الغرماء من القاضی ان یحجر علیه حتی لایهب ماله ولا یتصدق به ولا یقربه لغریم آخر فالقاضی یحجر علیه عندهما، وعند ابی حنیفة لا یحجر علیه ولا یعمل حجره حتی تصح منه هذه التصرفات کذا فی المحیط' ویصح هذا الحجر عندهما وان کان المحجور المدیون غائبا ولکن یشترط علم

قرض کی وجہ سے تصرفات سے روک دینا اس طرح ہے کہ کسی شخص پر اتنے قرض ہوگئے جو اس کے تمام اموال کو محیط ہوگئے یا اس سے زیادہ ہوگئے اور قرضخواہوں نے قاضی سے مطالبہ کیا کہ وہ اس پر پابندی لگائے تاکہ وہ اپنے مال کو نہ تو ہبہ کرے' نہ اس کو صدقہ کرے اور نہ ہی اس کے بارے میں کسی اور قرضخواہ کا اقرار کرے تو صاحبین کے نزدیک قاضی اس پر پابندی عائد کردے گا جبکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک پابندی عائد نہیں کرے گا اور نہ اس پر پابندی نافذ ہوگی یہاں تک کہ اس کے تصرفات مذکورہ صحیح ہوں گے اور صاحبین کے نزدیک اس پر یہ پابندی صحیح ہوگی اگرچہ وہ مدیون جس پر پابندی لگائی گئی غائب ہو بشرطیکہ پابندی کے بعد اس کو

المحجور علیہ بعد الحجر حتی ان کل تصرف باشرہ بعد الحجر قبل العلم بہ یکون صحیحا عندھما[1]

پابندی کا علم ہوجائے یہاں تک پابندی کے بعد اس کا علم ہونے سے پہلے جو تصرف اس نے کیا وہ صاحبین کے نزدیک صحیح ہوگا۔ (ت)

فتاوٰی قاضیخان میں ہے:

انما یحجر بعد الحکم لا قبلہ[2]۔

بیشک مدیون قاضی کے فیصلہ کے بعد ہی تصرفات سے پابند ہوگا اس سے پہلے نہیں۔ (ت)

یہاں دین محیط ہونا درکنار، یہ شخص خود مدیون بھی نہیں بلکہ ہنوز سرے سے دین ہی نہیں، نہ نالش نہ قضا، اور اپنی جائداد میں اس کے تصرفات ناروا، یہ محض باطل و بے اصل و بے معنی ہے پھر یہ کلام بھی اس صورت میں تھا کہ زید پر مطالبہ ہویا ہوگا، اور عمرو نے اپنی جائداد مکفول کی یہاں تو اس پر بھی طرہ یہ ہے کہ خود زید ہی کا معاملہ اور وہ آپ ہی اپنی جائداد مکفول کر رہا ہے یہاں کون سا دوسرا ذمہ اس کے ذمہ کے ساتھ ملایا گیا ایسی مخترع باتیں شرع مطہر کے نزدیک اصلاً قابلِ التفات نہیں ہوسکتیں، اس مسئلہ کو خوب سمجھ لینا چاہئے کہ آج کل یہ نئی وضع کی کفالت بہت شائع ہوگئی ہے حالانکہ وہ صرف ایجاد قانون ہے شرع مطہر میں اس کا کہیں نشان نہیں، پس روشن ہوا کہ زید کا وہ جائداد دوسرے کو ہبہ کردینا قطعاً صحیح و نافذ تھا اور مکفول ہونے سے اس پر اصلاً کوئی اثر نہ آسکتا تھا۔ رہی ہبہ نامہ کی وہ شرط کہ جائداد موہوبہ پر جو مطالبہ برآمد ہو ذمہ موہوب لہ ہے، اوّلاً شرط فاسد ہے کہ نہ مقتضائے عقد ہبہ ہے کہ بلاشرط خود لازم ہوجاتی ہے نہ اس کے ملائم ہے کہ موجب ہبہ یعنی ملک موہوب لہ کی تاکید کرتی اور اس میں احد العاقدین یعنی واہب کا نفع ہے، ایسی شرط شرط فاسد ہوتی ہے اور ہبہ شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا بلکہ وہ شرط ہی خود باطل ہوجاتی ہے، درمختار میں ہے:

الاصل الجامع فی فساد العقد شرط لا یقتضیہ العقد ولا یلائمہ وفیہ نفع لاحدھما الخ[3]۔

فساد عقد میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ وہ شرط ایسی ہو جس کا تقاضا عقد نہیں کرتا اور نہ ہی وہ عقد کے ملائم ہے اور اس میں عاقدین میں سے کسی کا نفع ہو الخ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحجر الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۹۱

[2] فتاوٰی قاضی خان " مطبع نولکشور لکھنؤ ۴/ ۹۱۸

[3] درمختار باب بیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷

قال فی البحر معنی کون الشرط یقتضیہ العقد ان یجب بالعقد من غیر شرط و معنی کونه ملائما ان یؤکد موجب العقد کذا فی الذخیرۃ۔[1]

بحر میں کہا کہ شرط کے مقتضائے عقد ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ شرط ایسی ہو کہ شرط لگائے بغیر ہی عقد کے ساتھ واجب ہو اور اس کے ملائم ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ موجب عقد کی تاکید کرے، یوں ہی ذخیرہ میں ہے۔ (ت)

تنویر الابصار و درمختار و ردالمحتار میں ہے:

ما یصح ولا یبطل بالشرط الفاسد و یلغوا الشرط القرض والھبة والصدقة[2] الخ۔

وہ جو صحیح ہوتی ہے اور شرط فاسد کے ساتھ باطل نہیں ہوتی بلکہ خود شرط لغو ہوجاتی ہے وہ قرض، ہبہ اور صدقہ ہے الخ (ت)

عالمگیری میں ہے:

الھبة والصدقة والکتابة بشرط متعارف وغیر متعارف یصح و یبطل الشرط۔[3]

ہبہ، صدقہ اور کتابت شرط متعارف اور غیر متعارف کے ساتھ صحیح ہوجاتے ہیں اور شرط باطل ہوجاتی ہے۔ (ت)

موہوب لہ کا اس ہبہ نامہ کو قبول کرنا اسے اس شرط کا پابند نہ کرے گا ورنہ شرط باطل نہ ہوئی بلکہ مؤثر ٹھہری حالانکہ باطل و لغو تھی، شرح اسبیجابی و فتاوٰی تاتارخانیہ و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

رجل وھب لرجل ھبة او تصدق علیہ بصدقة علی ان یرد علیہ ثلثھا او ربعھا او بعضھا فالھبة جائزۃ ولا یرد علیہ ولا یعوضه بشیئ۔[4]

کسی شخص نے دوسرے کو کوئی چیز ہبہ کی یا صدقہ دیا اس شرط پر کہ وہ اس کا تیسرا حصہ یا چوتھا حصہ یا بعض حصہ اس کو لوٹا دے گا تو ہبہ جائز ہے اور موہوب لہ واہب کو واپس نہیں لوٹائے گا اور نہ ہی اس کے عوض کوئی شے دے گا۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲۱
[2] " باب السلم " " " ۴/ ۲۲۸
درمختار شرح تنویر الابصار باب المتفرقات مطبع مجتبائی دہلی ۲/
[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الھبة الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۹۶
[4] " " " " "

ثانیاً اس سب سے قطع نظر ہو تو اس نے قبول ہبہ نامہ سے کیا شرط قبول کی ہے وُہ مطالبہ کہ جائداد پر برآمد ہو اپنے ذمہ لینا اور ہم سب ثابت کر آئے کہ ایسی صورت میں جائداد پر کوئی مطالبہ برآمد ہو ہی نہیں سکتا تو اس نے ایک امر محال کو قبول کیا قبول ہبہ نامہ سے جدا اگر بطور خود وہ ایسی مہمل و باطل بات کو قبول کرتا تو باطل ہی ہوتا کہ باطل کسی کے قبول کئے سے حق نہیں ہوجاتا تو صورت مستفسرہ میں اس کی ذات و جائداد دونوں ایسے مطالبہ باطلہ سے قطعاً بری ہیں بلکہ اگر فرض کرلیں کہ اس نے (نہ وہ مطالبہ باطلہ کہ جائداد پر برآمد ہو بلکہ) خود وُہ مطالبہ کہ واہب پر نکلے (نہ جائداد موہوبہ کے ذمہ باطلہ پر بلکہ) خود اپنے ذمہ پر (نہ قبول ہبہ نامہ میں بلکہ) خود مستقل طور پر قبول کیا ہوتا جب بھی صورت مذکورہ میں وہ کفالت محض باطل و بے اثر رہتی، ہم اگرچہ ایسے مطالبہ کی کفالت جائز مانیں حالانکہ یہ مطالبہ اس مستاجر سے بھی بارہا محض باطل طور پر ہوتا ہے اس لئے کہ دیہات کا ٹھیکہ جس طرح رائج ہے کہ زمین اجارہ مزارعان میں رہتی ہے اور توفیر ٹھیکہ میں دی جاتی ہے قطعاً باطل محض ہے جس کے بطلان کا روشن بیان ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

الاجارۃ اذا وقعت علی استھلاك الاعیان قصدا وقعت باطلۃ فعقد الاجارۃ المذکورۃ حیث لم یقع علی الانتفاع بالارض بالزرع ونحوہ بل علی اخذ المتحصل من الخراج الموظف والمقاسمۃ وما علی الاشجار من الدراھم المضروبۃ فھو باطل باجماع ائمتنا والباطل لاحکم لہ باطباق علمائنا۔[1]

اجارہ جب اعیان کو قصداً ہلاک کرنے پر واقع ہو تو وہ باطل واقع ہوتا ہے چنانچہ اجارۂ مذکورہ جب کھیتی سے انتفاع پر واقع نہیں ہوا بلکہ اخراج کی دونوں نوعوں یعنی موظف و مقاسمہ سے حاصل ہونے والی پیداوار لینے اور جو کچھ درختوں پر ہے بصورت رائج درہموں کے اس کی اجرت لینے پر واقع ہوا ہے اور یہ ہمارے ائمہ کے اجماع سے باطل ہے اور ہمارے علماء اس پر متفق ہیں کہ باطل کا کوئی حکم نہیں۔ (ت)

تو جس سال جس قدر نشست ہو اسی قدر تمام و کمال حق مالک ہے زیادہ حاصل ہو تو مستاجر کا اس میں کوئی پیسہ نہیں اور کمی پڑے تو مستاجر پر ہرگز اپنے گھر سے اس کا پُورا کرنا نہیں اور یہ کفالتیں اسی وقت کے لئے رکھی جاتی ہیں جب مستاجر سے پوری رقم مقرر شدہ وصول نہ ہو اگر مستاجر خود نہ کھا گیا بلکہ فی الواقع کمی ہُوئی تو اس سے پُوری رقم لینی حرام ہے اور مطالبہ باطل، مگر از انجا کہ مطالبہ ضرور ہوتا ہے اور قانونی طور

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/۳۶-۱۳۵

سے اس پر جبر پہنچاتا ہے اور بزور کچہری حاصل کرلیتے ہیں تو اس کی کفالت کی گنجائش ہے۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے :

مالیس بحق کالجبایات الموظفة فی زماننا علی الخیاط والصباغ وغیرھما للسلطان فی کل یوم اوشھر فانھا ظلم، اختلف المشائخ فی صحة الکفالة بھا کذا فی فتح القدیر، والفتوی علی الصحة کذا فی شرح الوقایة، وممن یمیل الی الصحة الشیخ الامام علی البزدوی کذا فی الھدایة، وقال النسفی وشمس الائمة قاضیخان مثل قول فخر الاسلام لانھا فی حق توجه المطالبة فوق سائر الدیون والعبرة فی باب الکفالة للمطالبة لانھا شرعت لالتزامھا، ولھذا قلنا ان من قام بتوزیع ھذہ النوائب بالقسط یؤجر وان کان الاخذ فی الاخذ ظالما کذا فی المعراج الدرایة[1]

وہ جو ناحق ہے جیسے ہمارے زمانے میں بادشاہ کیلئے درزی اور رنگساز وغیرہ پر یومیہ ماہانہ مقرر کردہ ٹیکس، یہ ظلم ہے، ان کی کفالت صحیح ہونے کے بارے میں ہمارے مشائخ میں اختلاف ہے، فتح القدیر میں یوں ہی ہے اور فتوٰی صحیح ہونے پر ہے، شرح وقایہ میں یونہی ہے، اور صحت کی طرف میلان کرنے والوں میں سے شیخ الاسلام علی البزدوی ہیں یونہی ہدایہ میں ہے۔ نسفی، شمس الائمہ اور قاضی خان نے فخر الاسلام کے قول کی مثل کہا کیونکہ یہ توجہ مطالبہ میں تمام دیون سے فوق ہے اور کفالہ کے باب میں اعتبار مطالبہ کا ہے کیونکہ یہ اسی کے التزام کے لئے مشروع ہوا اسی واسطے ہم نے کہا کہ جو کوئی ان ٹیکسوں کی عادلانہ تقسیم کے لئے کمربستہ ہوا ماجور ہوگا اگرچہ لینے والا ان کو لینے میں ظالم ہو، معراج الدرایہ میں یوں ہی ہے۔ (ت)

تو اس مطالبہ مشتبہہ کی جو کبھی صحیح کبھی باطل طور پر ہوتا ہے کفالت بدرجہ اولٰی صحیح ہوگی لیکن ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مذہب میں ایجاب وقبول دونوں رکن کفالت ہیں تنہا کفیل کے قبول و التزام مطالبہ سے وہ کفیل نہیں ہوجاتا جب تک اس کے ساتھ مکفول لہ کا اسے قبول کرنا بھی نہ ہو خواہ وہ خود قبول کرے یا اس کی طرف سے دوسرا اگرچہ فضولی۔ ولہذا اگر اس مجلس میں قبول نہ پایا جائے تو کفالت باطل ہوجاتی ہے پھر بعد مجلس اگر مکفول لہ سو بار قبول کرے کچھ مفید نہیں۔ فتوٰی یہاں مختلف ہے، اور فتوٰی جب مختلف ہو تو قولِ امام پر عمل واجب،

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکفالۃ مسائل شتی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۲۹۱

کما نص علیہ فی البحر الرائق والخیریۃ و غیرھما و قد بیناہ فی النکاح من فتاونا۔

جیسا کہ البحر الرائق اور خیریہ وغیرہ میں ہے اور ہم اس کو اپنے فتاوٰی کی کتاب النکاح میں بیان کرچکے ہیں۔ (ت)

محیط و ہندیہ میں ہے:

اما رکنہا فالایجاب والقبول عند ابی حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ تعالٰی وھو قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی اولاحتی ان الکفالۃ لاتتم بالکفیل وحدہ سواء کفل بالمال اوبالنفس مالم یوجد قبول المکفول لہ او قبول اجنبی عنہ فی مجلس العقد او خطاب المکفول لہ او خطاب اجنبی عنہ اما اذا لم یوجد شیئ من ذلك فانہا لاتقف علی ما وراء المجلس حتی لوبلغ الطالب فقبل لم تصح۔[1]

امام ابوحنیفہ وامام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما کے نزدیک کفالہ کا رکن ایجاب وقبول ہے اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی کا پہلا قول بھی یہی ہے یہاں تک اکیلے کفیل سے کفالہ تام نہیں ہوتا چاہے وہ مال کی کفالت کرے یا نفس کی جب تک مکفول لہٗ یا اس کی جانب سے کسی اجنبی شخص کا قبول یا خطاب نہ پایا جائے اگر ان میں سے کچھ بھی نہ پایا گیا تو یہ ماورائے مجلس پر موقوف نہ ہوگا یہاں تک کہ اگر طالب تک خبر پہنچی اور اس نے قبول کرلیا تو کفالہ صحیح نہ ہوگا۔ (ت)

منح الغفار میں امام طرطوسی سے ہے: الفتوٰی علٰی قولہما[2] (فتوٰی طرفین کے قول پر ہے۔ ت) ردالمحتار میں ہے:

فی الدرر والبزازیۃ و بقول الثانی یفتی و فی انفع الوسائل وغیرہ الفتوی علی قولہما۔[3]

درر اور بزازیہ میں ہے کہ امام ثانی (ابویوسف) کے قول پر فتوٰی دیا جاتا ہے اور انفع الوسائل وغیرہ میں ہے کہ فتوٰی طرفین کے قول پر ہے۔ (ت)

ظاہر ہے کہ قبول ہبہ یا اخذ ہبہ نامہ کے وقت رئیس کی طرف سے کوئی قبول کرنے والا نہ تھا اور ہبہ نامہ کے لفظ اس کے ایجاب نہیں ہوسکتے کہ اس میں مطالبہ باطلہ ذگی جائداد کا ذکر ہے نہ کہ مطالبہ ذگی واہبکا۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکفالۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۵۲

[2] درمختار بحوالہ الطرطوسی کتاب الکفالۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۳

[3] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۵۱

اور اگر فرض کیجئے کہ جانب ریاست سے اس وقت اس کفالت جائزہ کا ایجاب یا قبول واہب خواہ کسی شخص اجنبی نے کیا تو اب ایک رکن کفالت جانب فضول سے پایا گیا کفالت منعقد ہو کر اجازت ریاست پر موقوف رہی۔ محیط و ہندیہ میں ہے:

قال اجنبی لغیرہ اکفل بنفس فلان اوبمال عن فلان لفلان فیقول ذلك الغیر کفلت تصح الکفالۃ وتقف علی ماوراء المجلس علی اجازۃ المکفول لہ وللکفیل ان یخرج نفسہ عن الکفالۃ قبل ان یجیز الغائب کفالتہ[1]۔

اجنبی نے غیر سے کہا کہ تو فلاں کے نفس کا یا فلاں کیلئے فلاں کے مال کا کفیل بن جا، اور وہ غیر کہے کہ میں کفیل بن گیا تو کفالہ صحیح ہوگا اور مجلس کے بعد مکفول لہٗ کی اجازت پر موقوف ہوگا اور کفیل کو اختیار ہوگا کہ مکفول لہٗ کے کفالہ کی اجازت دینے سے پہلے خود کو کفالہ سے خارج کرلے۔ (ت)

مگر ریاست کو اس امر جائز کی اطلاع نہ دی گئی نہ اس کی جانب سے اس کی منظوری ہوئی بلکہ منظوری اسی امر باطل کی ہوئی کہ جائداد بدستور مکفول رہے پھر یہ کفالت بے اثر رہی۔ ھکذا ینبغی التحقیق واللہ سبحٰنہ ولی التوفیق (یونہی تحقیق چاہیے اور اللہ تعالٰی ہی توفیق کا مالک ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸۹: مرسلہ سید مقبول علی صاحب سادات نو محلہ از ریاست جاورہ ملک مالوہ ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسلمان جو تابع شریعت محمدی ہے جس کا نام جمعہ ہے اس نے مسماۃ بنت پیاری سے مہر شرعی پر عقد برضامندی خود بہ اقرار کہ علاوہ نان ونفقہ زوجہ کے میں جمعہ اپنی خوشدامن کو بھی بوجہ عسرت خورد ونوش کے تکلیف ہوگی تو میں ان کے خورد ونوش کا صرفہ بھی اپنے ذمہ لوں گا اور گھر میں صرفہ خورد ونوش خوشدامن یعنی مسماۃ پیاری کا نہ دُوں تو خدا بخش ضامن جس کے اقرارنامہ ہذا پر دستخط ہیں دے گا، اب مسماۃ پیاری کو خورد ونوش واقع ہوئے تو جمعہ اور اس کا ضامن بالاصالۃ مضمون دستاویز سے اقراری ہیں مگر صرفہ خورد ونوش دینے سے حجت وحیلہ حوالہ کرتے ہیں، چنانچہ نقل دستاویز بھی بنا پر ملاحظہ مفتیان کرام ارسال ہے ازروئے احادیث جواب مرحمت فرمایا جائے۔ بینوا توجروا۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکفالۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۲۵۲

الجواب

پیاری کا نفقہ شرعاً ذمۂ جمعہ واجب نہ تھا اور اس کا یہ لکھ دینا کہ اگر میری خوشدامن کو کبھی خورد ونوش کی تکلیف ہوگی تو ان کے خورد ونوش کا بھی صرفہ اپنے پاس سے دُوں گا محض ایک احسان کا وعدہ تھا اور احسان پر جبر نہیں پہنچتا،

فقد صرحوا قاطبۃ ان لاجبر علی المتبرع وقال اللہ تعالٰی ما علی المحسنین من سبیل[1]

تحقیق تمام فقہاء نے اس کی تصریح کی کہ احسان کرنیوالے پر کوئی جبر نہیں ہوگا اور اللہ تعالٰے نے فرمایا: احسان کرنے والوں پر کوئی راہ نہیں (ت)

اور وہ جب خود جمعہ پر واجب نہ تھا تو خدا بخش جس نے ضمانت کی اور اقرارنامہ پر یوں دستخط کئے کہ بموجب اقرارنامہ نوشتہ جمعہ جی میں خدا بخش ضامن ہوں مجھ کو یہ ضمانت منظور ہے یہ ضمانت بھی محض باطل و بے اثر ہُوئی کہ جب اصل ہی پر مطالبہ نہیں ضامن پر کیا ہوگا،

کما ھو فی رد المحتار عن البحر عن البدائع اما شرائط المکفول بہ فالاول ان یکون مضمونا علی الاصیل الخ[2]

جیسا کہ ردالمحتار میں بحر سے بحوالہ بدائع منقول ہے کہ مکفول بہ کی شرطوں میں سے پہلی یہ ہے کہ وُہ اصل پر قابلِ ضمان ہو الخ (ت)

درمختار میں ہے:

شرطھا فی الدین کونہ صحیحا الاضعیفا کبدل کتابۃ فمالیس دینا بالاولٰی نھر[3]

دَین میں کفالہ کی شرط یہ ہے کہ وہ دَین صحیح ہو ضعیف نہ ہو جیسے بدل کتابت، اور جو دَین ہی نہیں اس کی کفالت بدرجہ اولٰی صحیح نہیں، نہر۔ (ت)

البتہ جمعہ کے حق میں اولٰی یہ ہے کہ اگر کوئی عذر صحیح نہ ہو تو اپنا وعدہ پُورا کرے فان الوفاء من مکارم الاخلاق (کیونکہ وعدہ کو پُورا کرنا اعلٰی اخلاقِ کریمانہ میں سے ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۹۰: از ریاست رام پور مرسلہ سید محمد انوار حسین متوطن قدیم قصبہ کندرکی حال مقیم ریاست رام پور ۲۵ جمادی الاولٰی ۱۳۲۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، بحضرت اقدس علامہ محقق وفہامہ مدقق فاضل بریلی دام فیضھم العالی

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۹۱

[2] ردالمحتار کتاب الکفالۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۵۱

[3] درمختار 〃 مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۹

علیٰ کافۃ المسلمین، السلام علیکم۔ بصد ادب حضور والا میں عرض پرداز ہوں کہ حضور نے تین فتوے متعلق استغراق جائداد عطا فرمائے جو عدالت دیوانی ریاست رام پور میں پیش کئے گئے جن کی بنیاد پر جناب مفتی صاحب عدالت دیوانی ریاست رام پور نے بحوالہ فتووں حضور کے ڈگری بحق مدعا علیہ کے صادر فرمائی اور یہ تجویز فرمایا (یہ مقدمہ بربنائے کفالت مستاجری دائر ہے کہ مدعی نے مدعا علیہ کی مستاجری میں اپنی جائداد مکفول کی تھی لہذا سب سے پہلے اس امر کا انفصال ضروری ہے مدعا علیہ نے جناب مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے چند فتوے پیش کئے ہیں فاضل بریلوی نے اس امر کو ثابت کیا ہے کہ ایسی کفالت بالمال جو اس مقدمہ میں زیر بحث ہے شرعاً ناجائز ہے منجانب مدعی ان کی تردید میں کوئی شرعی استدلال یا حکم ریاست پیش نہیں کیا، عدالت نے مسائل شرعیہ پر غور کیا تو فتوی پیش کردہ مدعا علیہ صحیح و لائق پابندی ہیں، پس ایسی حالت میں جبکہ کفالت مذکورہ بھی جائز نہیں تو مدعی نے جو روپیہ بوجہ کفالت مذکور داخلِ سرکار کیا ہے اس کا دین دار مدعا علیہ شرعاً نہیں ہوسکتا اور دفعہ ۱۷، ۹، قانون حامدیہ مفید مدعی نہیں ہے بلکہ صورت مقدمہ سے غیر متعلق ہے) لچھمی نرائن مدعی ناکامیاب نے بناراضی تجویز مفتی صاحب دیوانی اپیل دائر کیا اور عدالت اپیل میں ایک فتوی حضور والا کا اس تائید میں پیش کیا کہ ایسی کفالت شرعاً جائز ہے اور اپنے سوال میں چند واقعات غیر صحیح تحریر کرکے جناب والا سے فتوی حاصل کیا سوال مذکور میں جو امور خلافِ واقعہ درج کئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) دفعہ ۹، آئین حامدیہ کا یہ مضمون تحریر کیا ہے کہ صیغہ مال میں جو شخص مطالبہ سرکاری کی ضمانت کرکے روپیہ سرکار میں داخل کرے اس کو اصل مستاجر پر دعوی رجوع کرکے زر مدخلہ اپنا وصول کرنے کا اختیار حاصل ہے یہ مضمون دفعہ ۹، آئین حامدیہ کا ہرگز نہیں ہے بلکہ دفعہ مذکور تابع دفعہ ''۸'' کے ہے دفعہ'' کا منشا یہ ہے کہ جب کوئی جائداد مستاجر مکفول کرے تو مالک جائداد کو حق عذر داری کا مابین میعاد پندرہ روز حاصل ہے اور جب استغراق منظور ہوجائے تو حسبِ منشا دفعہ ۹، بعد منظوری ضمانت کے استغراق کی نسبت کسی شخص کی عذر داری بارجاع نالش کسی عدالت میں قابلِ سماعت نہ ہوگی البتہ بمقابلہ مالگزاری کے عذر دار مجاز دعوی ہرجہ کا عدالت دیوانی میں حسب ضابطہ ہوسکتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر مستاجر کسی شخص کی جائداد بلا اس کی مرضی کے خود مکفول کردے تو مالک جائداد بعد منظوری واگذاشت کی نالش نہیں کرسکتا بلکہ ہرجہ کی نالش کرسکتا ہے یہاں ایسا نہیں ہے کیونکہ مالک جائداد نے خود اپنی جائداد مکفول کرائی ہے جیسا کہ مفتی صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ دفعہ ۹، آئین حامدیہ متعلق نہیں۔

(۲) سائل نے اپنے سوال میں یہ بھی تحریر کیا ہے کہ عمرو نے ضمانت اپنی جائداد سے کی جس کا مفہوم ہوتا ہے کہ عمرو نے ضمانت کی حالانکہ عمرو نے ضمانت نہیں کی ہے بلکہ اپنی جائداد کو مکفول کرایا ہے کفالت نامہ

کی نقل شامل عرضداشت ہذا ہے اس کے ملاحظہ سے واضح ہے کہ عمرو نے ضمانت نہیں کی ہے بلکہ جائداد کو مکفول کرایا ہے۔

(۳) تیسرا مضمون سوال میں یہ غلط ظاہر کیا ہے کہ زید کا یہ عذر ہے کہ کفالت بالمال شرعاً ناجائز ہے مجھ مدعا علیہ کا ہرگز عذر نہیں ہے بلکہ میرا عذر یہ ہے کہ کسی مطالبہ کی بابت جائداد کو مکفول کرانا شرعاً ناجائز ہے یعنی ضمانت میں جائداد کا استغراق کرانا شرعاً ناجائز ہے۔

(۴) چوتھا مضمون سوال میں یہ بھی خلاف درج کیا ہے کہ زید کی درخواست پر عمرو نے اس کی ضمانت مستاجری اپنی جائداد سے کی، یہ واقعہ بالکل غلط ہے، مفتی صاحب نے اس واقعہ کو ثابت شدہ نہیں قرار دیا ہے اس غلط اور غیر مطابق سوال کی بنیاد پر حضور نے یہ تجویز فرمایا ہے کہ کفالت بالمال شرعاً ناجائز ہے لہذا حضور والا میں نقول ہر سہ فتاوی حضور جو سادہ کاغذ پر ہے اور نقل فیصلہ جناب مفتی صاحب دیوانی اور نقل فتوی آخر جو باضابطہ عدالت سے حاصل کیا گیا ہے اور نقل اقرارنامہ کفالت اور قانون آئین حاضریہ معطوفہ عرضداشت ہذا درگاہ والا میں پیش کرکے امیدوار ہوں کہ حضور ہر سہ فتوی سابق و فتوی مابعد پر نظر ثانی فرماکر اور فیصلہ مفتی صاحب دیوانی و نقل اقرارنامہ کفالت و دفعہ ۷ لغایت ۹ قانون مذکور ملاحظہ فرماکر ارشاد فرمائیں کہ ہر سہ فتاوی سابق پیش کردہ انوار حسین مدعا علیہ مطابق نالش مدعی ہیں یا فتوی آخر پیش کردہ بھی قرائن مدعی متعلق مقدمہ ہے اور عذر مدعا علیہ کا شرعاً قابل منظوری ہے یا عذر مدعی کا؟ زیادہ حد ادب۔

الجواب

دارالافتاء، دارالقضا نہیں، یہاں کوئی تحقیق واقعہ نہیں ہوتی، صورت سوال پر جواب دیا جاتا ہے، سوال اخیر کے حضور احمد خاں رامپوری ملازم کچہری بریلی منصرم نقل نے پیش کیا جسے اس سوال حال و ملاحظہ تجویز مفتی صاحب و دیگر کاغذات مدخلہ سائل نے بتایا کہ ہندو مدعی کا سوال تھا اور اسی مقدمہ سے متعلق جس کی نسبت کئی سوال منشی سید انوار حسین مدعی رامپوری نے بوساطت مرزا نظیر بیگ صاحب سابق نائب تحصیلدار بریلی دارالافتاء میں پیش کئے اور ۹ ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ کو جواب دئے گئے تھے) اس میں یہ تھا کہ زید نے عمرو سے درخواست ضمانت کی اور عمرو نے اسکی درخواست پر اسکی ضمانت کی اور زید کفالت بالمال کو ناجائز کہتا ہے اس میں حکم کیا ہے، اس کا جواب یہی تھا کہ کفالت بالمال یقیناً صحیح ہے اور جبکہ کفیل حسب درخواست مکفول عنہ ضامن ہوا تو بلاشبہہ مطالبہ زرادا کردہ کرسکتا ہے اپنی جائداد سے دو لفظ سوال میں فضول تھا کہ جب عمرو زید کی درخواست پر ضامن ہوا یعنی اپنا ذمہ زید سے ضم کیا ضمانت مکمل ہوگئی خواہ زر نقد سے کی ہو یا جائداد سے یا صرف زبانی، تینوں طریقے رائج ہیں، اور اصل وہی ضم ذمہ ہے اس کے

بعدہ زرنقد داخل کرنے کی ضرورت نہ جائداد کی ضرورت نہ ان کے ہونے سے ضمانت میں کوئی خلل کہ یہ ایک امر زائد غیر متعلق ہیں۔ ہندو مدعی نے سائل ایک مسلمان کو ٹھہرایا اور اصلاً پتہ نہ دیا کہ سوال اس مقدمہ سے متعلق ہے کہ سال گزشتہ جس کی نسبت دار الافتاء سے فتوٰی جاچکا ہے نہ سوالات سابقہ و سوال مدعی میں مفصل صورت واقعہ یکساں بتائی گئی تھی جس سے دونوں کا خصومت واحدہ سے تعلق ظاہر ہوتا اور علماء کرام نے ہمیں حکم دیا ہے کہ جس عقد کا سوال میں ذکر ہو اسے صحت پر محمول کرکے جواب دیا جائے۔ وجیز امام کردری میں ہے:

لوسئل عن صحتہ یفتی بصحتہ حملا علی استیفاء الشرائط اذا المطلق یحمل علی الکمال الخالی عن موانع الصحۃ[1]

اگر کسی عقد کی صحت سے متعلق سوال کیا جائے تو تمام شرائط کے پائے جانے پر محمول کرتے ہوئے اس کی صحت کا فتوٰی دیا جائے گا کیونکہ مطلق کو ایسے کمال پر محمول کیا جاتا ہے جو موانع صحت سے خالی ہو۔ (ت)

دو سوالوں میں ایسا اختلاف ہونے سے جواب مختلف ہوجانا لازم ہے جس کی ذمہ داری اس پر ہے جس نے سوال مجمل یا غلط پیش کیا، فتاوٰی خیریہ میں ایسے ہی اختلاف سوال کے بارے میں کہ علامہ رملی سے ایک بار سوال ایک طور پر ہوا دوبارہ اس کے خلاف تھا ارشاد فرمایا:

لا شک فی ان المفتی انما یفتی بما الیہ السائل ینھی[2]

اس میں کوئی شک نہیں کہ مفتی اسی پر فتوی دیتا ہے جو خبر سائل اس کے پاس پہنچائے۔ (ت)

نیز دوبارہ ایسے ہی واقعہ میں فرمایا:

السؤال الاول لم یذکولنا فیہ ان الاجارۃ وقعت علی تناول الخراج و نحوہ من الاعیان و مسئلتنا فیہ عن الاجارۃ مطلقا فانصرفت الی تملک المنفعۃ وقسمنا الاحکام علی الصحیحۃ والفاسدۃ

پہلے سوال میں ہمارے لئے اس بات کا ذکر نہیں کیا گیا تھا کہ اجارہ خراج یا اس کی مثل اعیان کے حصول پر موقوف ہے بلکہ اجارہ مطلقہ کے بارے میں سوال کیا تھا تو وہ تملک منفعت کی طرف لوٹا اور ہم نے احکام کو دو قسموں یعنی صحیح اور فاسد پر تقسیم کیا

---

[1] فتاوٰی خیریۃ بحوالہ البزازیۃ   کتاب الصلح   دار المعرفۃ بیروت   ۲/ ۱۰۳
فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ   "   الفصل السادس   نورانی کتب خانہ پشاور   ۶/ ۵۲، ۵۱
[2] فتاوٰی خیریۃ   کتاب الوکالۃ   دار المعرفۃ بیروت   ۲/ ۳۹

اما حیث کان الواقع انہا علی اتلاف الاعیان فہی باطلۃ۔[1]

مگر جب وہ اعیان کے اتلاف پر واقع ہوا ہے تو وہ باطل ہے۔ (ت)

اسی کے ایک تیسرے واقعہ میں ہے:

قد یختلف الجواب باختلاف الموضوع المرفوع لاھل الفتوٰی فلا اعتراض علی المجیب فی الجواب۔[2]

کبھی فتوٰی پوچھنے والوں کے موضوع مرفوع میں اختلاف کی وجہ سے جواب مختلف ہوجاتا ہے اس لئے اس جواب میں مجیب پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا (ت)

اسی میں ایک چوتھے واقعہ پر ہے:

قد استفتی فی ھذہ الحادثۃ بما ھو مختلف الموضوع فی السوال فاختلف الجواب بسبب ذٰلک فلا یتوھم معارضۃ الافتاء فیہ۔[3]

تحقیق اسی حادثہ میں سوال میں مذکور موضوع سے مختلف صورت میں فتوٰی پوچھا گیا تھا لہٰذا اسی سبب سے جواب مختلف ہوا چنانچہ اس میں افتاء کے معارضہ کا وہم نہ کیا جائے۔ (ت)

ان سب ارشاداتِ شریفہ کا حاصل یہ ہے کہ پہلے اور طرح سوال کئے گئے تھے پچھلے سوال ان کے خلاف تھے لہٰذا جواب مختلف ہوئے کہ مفتی اسی پر فتوٰی دے گا جو اس کے سامنے پیش کیا جائے گا اس سے کوئی فتووں میں تعارض کا وہم نہ کرے، ہاں اگر اسی وقت معلوم ہوتا کہ یہ سوالِ مدعی اسی مقدمہ سوالات سابقہ سے متعلق ہے جس میں اس نے صورت واقعہ غلط لکھی ہے تو ہرگز جواب نہ دیا جاتا کہ جب مفتی کو سوال کا خلافِ واقع ہونا معلوم ہوجائے تو حکم ہے کہ جواب نہ دے۔ عقود الدریہ میں ہے:

اذا علم المفتی حقیقۃ الامر ینبغی لہ ان لا یکتب للسائل لئلا یکون معینا لہ علی الباطل۔[4]

جب مفتی کو معاملہ کی حقیقت معلوم ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ (جھوٹے) سائل کے لئے فتوٰی نہ لکھے تاکہ وہ باطل پر اس کا مددگار نہ ہو۔ (ت)

ملاحظہ کفالت نامہ تجویز سے ظاہر ہے کہ سوال مدعی محض غلط و فریب ہے اس میں ضمانت اپنی جائداد

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/۱۳۹

[2] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۱/۱۵۹

[3] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۱/۱۸۳

[4] العقود الدریۃ فوائد فی آداب المفتی قبل کتاب الطہارۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/۳

سے کرنے کے یہ معنی نہیں کہ عمرو ضامن ہوا اور زیادت وثوق کو اپنی جائداد پیش کی جس کا حکم وہ تھا کہ ضمانت جب زید کی درخواست پر ہے بلاشبہہ صحیح ہوگئی کہ ذکر جائداد نہ ہونا فضول ہے بلکہ یہ معنی ہے کہ آپ ضمانت نہ کی جو اپنا ذمہ مشغول نہ کیا خود نفس جائداد کو کفیل بنایا یہ قطعاً باطل محض ہے جیسا کہ جوابات سابقہ میں روشن کردیا گیا مدعی نے کفالت بالمال کو پُوچھا اس کا جواب قطعاً یہی تھا کہ صحیح ہے، اب ملاحظہ کاغذات سے ظاہر ہوا کہ یہ اس کی غلط بیانی ہے یہاں صورت واقعہ کفالت بالمال نہ تھی جسے شرع میں کفالت بالمال کہتے ہیں اور اس سے جو معنی خادمانِ شرع سمجھتے ہیں کہ مال مکفول بہ ہو یعنی وہ چیز جس کا مطالبہ کفیل نے اپنے ذمہ لیا بلکہ یہاں کفالت المال باضافت الی الفاعل تھی یعنی خود مال وجائداد کسی مطالبہ کی کفیل ہو یہ قطعاً باطل ہے اور وہ قطعاً صحیح۔ لاجرم فتوٰی کہ مدعی نے غلط بیانیوں سے حاصل کیا ہرگز متعلق مقدمہ نہیں متعلق مقدمہ وہی فتاوٰی سابقہ مدخلہ مدعا علیہ ہیں اور عذر مدعی باطل محض اور عذر مدعا علیہ صحیح وواجب القبول، واللہ تعالٰی اعلم

کتاب الحوالہ

(حوالہ کا بیان)

مسئلہ ۲۹۱ از خیرآباد ضلع سیتاپور محلہ میانسرائے مدرسہ عربی قدیم مرسلہ سید فخر الحسن صاحب
اوائل رمضان المبارک ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ مسمی زید سُنّی و حنفی المذہب ہے اور نسبت حرام و ناجائز ہونے لین و دین سودی و جملہ کارروائی متعلقہ معاملہ سُود کے اپنے ملّت کے موافق عقیدہ رکھتا ہے، اتفاق زمانہ سے ایک ضرورت نے زید کو ایسا مجبور کیا کہ باوجود عقیدت و حرمت معاملہ سودی مبلغ پانچہزار روپیہ بحساب ۱۲ فیصدی ماہواری سود   زید نے مسمی منو سنگھ مہاجن سے قرض لئے بوجہ حاجتمندی زید کے مہاجن مذکور نے دستاویز میں یہ شرط تحریر کرائی کہ ڈیڑھ سال کے وعدہ پر یہ روپیہ دیا جاتا ہے ششماہی وار سُود ادا کرنا ہوگا بصورت عدم ادائے سود ششماہی وہ زرسود شامل اصل ہوکر سود در سود دینا پڑے گا اگر زید اندر ڈیڑھ سال زر اصل دینا چاہے گا تو سود پورے ڈیڑھ سال کا لیا جاوے گا تحریر دستاویز کے ایک ماہ بعد زید کو اس قدر روپیہ مل گیا کہ پانچہزار روپیہ زر اصل و چھ سو نواسی روپیہ ایک آنہ زرسود ڈیڑھ سال جملہ صمـ۵۶۸۹ـ۱/ اصل و سود دے کر منو سنگھ مہاجن سے دستاویز واپس لے لے مگر زید کو یہ پریشانی لاحق ہے کہ مہاجن کا روپیہ صرف یک ماہ میرے پاس رہا ہے جس کا سُود صرف ۶۰ ہوتے ہیں بجائے اس کے ۶۸۹ـ۱/ دے کر ۶۲۹ـ۱/ کا تاوان اٹھانا پڑتا ہے زید نے اپنی

پریشانی کی کیفیت مسمیان محمود قوم سید و بدری پرشاد کھتری مہاجن سے بیان کی، مسمی محمود نے یہ صلاح دی
کہ بالفعل اس روپیہ سے ٹھیکہ داری یا تجارت کی جائے اور بعد انقضائے ایک سال و پانچ ماہ بقیہ مدت مندرجہ
دستاویز سلسلہ ٹھیکہ داری وغیرہ منقطع کرکے اور منو سنگھ مہاجن کا قرضہ ادا کرکے دستاویز واپس کرلی جائے
امید ہے کہ ٹھیکہ داری یا تجارت کے ذریعہ سے مقدار تاوان سماھے ۱۲/ سے زائد منفعت حاصل ہوجائیگی مسمی بدری پرشاد
مہاجن یہ مشورہ دیتا ہے کہ سلسلہ ٹھیکہ داری یا تجارت قائم کرنے میں احتمال نفع و نقصان دونوں قسم کا ہے نقصان
کی صورت میں جائداد موجود کے جو ظاہری ذریعہ ہے تلف ہوجانے کا اندیشہ ہے پس اگر شریعت اجازت دے
تو مبلغ پانچہزار زر اصل اور معہ ۔ زر سود یکماہہ جملہ صہ معہ ۔ جو اس وقت آپ کے واجب الادا ہیں مجھ کو
دے کر قرضہ کی اتروائی مجھ پر کرادیجئے اب منو سنگھ میرے ذمہ عائد ہوجائیگا میں شخص مہاجنی پیشہ ہوں مبلغ صہ معہ ۔
جو آپ سے ملیں گے اس کو سودی قرضہ میں لگاکر تھوڑے عرصہ میں کل روپیہ صہ سماللعہ پورا کرکے اور منو سنگھ
کو دے کر دستاویز واپس کرلوں گا یہ ایسی تدبیر ہے جس سے آپ کو قرضہ سے سبکدوشی بھی ہوجائے گی اور جائداد
موجودہ کا بھی کچھ نقصان نہ ہوگا بلکہ اس حیلہ میں یہ نفع ہوگا کہ آپ جس قدر دینے سماھے ۱۲/ زر سود کے مواخذہ
میں مبتلا ہوتے اس سے محفوظ رہیں گے بظاہر مشورت مسمی بدری پرشاد مناسب اور موجب منفعت دینی و
دنیوی معلوم ہوتی ہے لہذا استصواب ہے کہ مسمی زید کو بروئے ملت حنفیہ و شریعت غرا مشورہ بدری پرشاد
پر عمل کرنا جائز ہے یا اس صورت میں علاوہ مواخذہ سود دینے کے مواخذہ سودخوری مبتلا ہونا ہوگا، جواب
تفصیلی بحوالہ کتب ملت حنفیہ بہت جلد ارقام فرمایا جائے کہ اس مسئلہ کے دریافت ہونے کی سخت ضرورت
درپیش ہے نیز یہ بھی ہدایت فرمایا جائے کہ اگر زید کو صرف دو ہزار روپیہ مل جائے اور موافق مشورہ
بدری پرشاد کے بقدر مبلغ دو ہزار روپیہ کے قرضہ کی اترائی بدری پرشاد پر کردی جائے تو اس صورت میں
وہی حکم ہوگا جو کل قرضہ کی اترائی میں ہوگا یا اس کے علاوہ کچھ دوسرا حکم ہوگا؟

الجواب

قرض تحویل کرادینے کی رائے بالکل خیر ہے زید اس دوسرے ہندو کو پانچ ہزار اڑتیس خالص
قرض کی نیت سے دے پانچہزار سے جتنا زیادہ دیتا ہے اس میں پہلے ہندو کے سود کی نیت نہ کرے پھر
پہلے ہندو سے کہہ کر اس کا قرضہ دوسرے پر اتروادے اور اس میں قانونی احتیاط کرلے کہ دھوکا نہ پائے یوں
بالکل سود دینے سے زید بچ جائے گا چالیس پچاس روپیہ جو زیادہ جائے گا وہ یوں ہوگا کہ قرض دیا تھا اور مارا گیا
یا قرضدار پر چھوڑ دیا سود دینے میں محسوب نہ ہوگا۔ رہا یہ کہ وہ دوسرا ہندو اس روپے کو سود پر چلائے گا یہ اس کا
فعل ہے بلکہ تنہا اس کا بھی فعل نہیں جب تک اسے کوئی قرض لینے والا نہ لے تو اس کا الزام زید پر نہیں

آسکتا ہے،

قال تعالٰی لا تزر وازرۃ وزر اخرٰی[1]

اللہ تعالٰی نے فرمایا: کوئی بوجھ اٹھانے والا نفس دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

انما المعصیۃ بفعل المستاجر وھو مختار فیہ فقطع نسبتہ عنہ[2]

بیشک گناہ تو مستاجر کے فعل سے ہے اور وہ مختار ہے (مکرہ نہیں) لہذا اس کی نسبت مالک مکان سے منقطع ہوگئی۔ (ت)

یُوں ہی اگر بعض قرض کے ساتھ ایسا کرسکے تو بعض ہی سے سہی کہ جتنی معصیت سے بچے یا جتنا مال حرام میں دینے سے محفوظ رہ سکے اس قدر کی تدبیر واجب ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۹۲ از خیرآباد مقام مذکور مرسلہ مولوی سید فخر الحسن صاحب ۱۹ شوال ۱۳۲۷ھ

شریعت پناہ جناب مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب ادام اللہ تعالٰی فیوضکم، تسلیم!

اپنی بے استعدادی کی مجبوری میں جائے پناہ اگر نظر آتی ہے تو صرف ذات بابرکات قدسی صفات عالی ہے لہذا باوجود وقوف عدم الفرصتی تکلیف دہی والا پر مجبور ہوکر نہایت ادب سے معافی کا متر صد ہوں استفتا منسلک عریضہ ہذا اولاً حضور اقدس میں بھیجا تھا دیرسی جواب کی وجہ سے اس کی نقل رامپور بھی بھیجی تھی پیشگاہ والا سے جواز صورت مسئولہ کا حکم پاکر سائل کو ہدایت تدبیر فراہمی روپیہ کی گئی تھی کہ ؎

قسمت کو دیکھئے کہ کہاں ٹوٹی جا کمند

دو چار ہاتھ جبکہ لب بام رہ گیا

پورے روپے کی تدبیر نہ ہونے پائی تھی کہ رامپور سے جواب خلاف حکم والا اعلا، یہ امر میرے عرض کرنے کا محتاج نہیں ہے کہ امور خیر و اصلاح کار میں بھی کچھ وساوس و ابلیس آدم رو و مانع پیش آتے ہیں صاحب معاملہ کے خیالات وجوابات رامپور سے ایسے تبدیل کئے گئے کہ وہ کہتا ہے کہ جب تک رامپور کی تردید میں براہین قاطعہ و دلائل مستحکم از روئے ملت حنفیہ نہ دیکھوں گا کسی طرح جواز تحویل کو تسلیم نہیں کرسکتا مجھ ہیچمدان کو بجز اس کے کہ ذات بندگان عالی سے پناہ چاہوں کوئی چارہ کار نہیں ہے لہذا نقل جوابات مرسلہ علمائے رامپور

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۶۴

[2] الہدایۃ کتاب الکراہیۃ فصل فی البیع مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۷۰

ارسال خدمت کرکے گزارش ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو کمترین کو اس ضغطہ سے نجات دیجئے ؎

پناہ جو بدرت آدم بعجز و نیاز   کہ آستانِ تو حاجت روائے من باشد

(پناہ ڈھونڈتے ہوئے عجز و نیاز کے ساتھ تیرے دروازے پر آیا ہوں تاکہ تیرا آستانہ میرا حاجت روا بن جائے۔ ت)

زیادہ بجز تمنائے حصول قدمبوسی کے کیا عرض کروں، عریضہ ادب کمترین فخر الحسن عفا عنہ از خیرآباد ۱۹ شوال ۱۳۲۷ھ۔

(جواب علمائے ریاست رامپور)

الجواب واللہ سبحٰنہ موفق للصدق والصواب (اللہ سبحانہ وتعالٰی سچائی اور درستگی کی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔ ت) ایسی صورت میں زید کو برئے ملت حنفیہ مشورہ بدری پرشاد پر عمل ناجائز وحرام ہے بیشک اس صورت میں علاوہ مواخذہ سُود دینے سے مواخذہ سود خوری میں مبتلا ہونا ہے، تفصیل یہ ہے کہ زید کا مبلغ صہ ؏ بدری پرشاد کو دے کے منو سنگھ کے قرضہ کی اترائی بدری پرشاد پر کردینے کے معنی بظاہر یہ ہیں کہ زید مبلغ صہ ؏ بدری پرشاد کو اس شرط پر قرض دے کر وہ منوسنگھ والے قرض مبلغ صمہ سالعلہ ذمگی زید کو زید کی طرف سے ادا کرکے دستاویز واپس لے لے اور منوسنگھ کے دین کو بدری پرشاد پر حوالہ کردے،

قال فی تنویر الابصار فی تفسیر الحوالۃ ھی نقل الدین من ذمۃ المحیل الی ذمۃ المحتال علیہ[1] انتھی۔

تنویر الابصار میں حوالہ کی تفسیر میں کہا کہ وہ دین کو محیل کے ذمہ سے محیل علیہ کے ذمہ کی طرف منتقل کرنا ہے انتہی۔ (ت)

تو بدری پرشاد کا صہ ؏ لے کے اور سا ؏ بڑھا کے صمہ سالعلہ ادا کرنا زید کو سا ؏ سود دینا ہے کیونکہ یہ سا ؏ جو بدری پرشاد زید کی طرف سے منوسنگھ کو ادا کرے گا یہ رقم کسی مال کے عوض میں ثابت نہیں ہوتی تو بالضرور زید کے صہ ؏ قرض دئے ہوئے روپوں کا نفع ہوگا،

وفی الاشباہ کل قرض جر نفعا حرام انتھی درمختار[2]، فی جواھر الفتاوی اذا کان مشروطا صار قرضا فیہ منفعۃ

اشباہ میں ہے کہ جو قرض نفع کھینچے وہ سود ہے انتہی (درمختار)، جواہر الفتاوی میں ہے کہ اگر وہ مشروط ہو تو ایسا قرض ہوگا جس میں نفع ہو اور

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الحوالہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۹

[2] " فصل فی القرض " " " ۲/ ۴۵

وھو ربا انتہی شامی[1]، قال فی الکفایۃ الربٰو فی الشرع عبارۃ عن فضل مال لایقابلہ عوض فی معاوضۃ مال بمال[2] انتہی۔

وہ سود ہے انتہی (شامی)، کفایہ میں کہا سود شرع میں اس مالی زیادتی کو کہتے ہیں جس کے مقابل کوئی عوض نہ ہو جبکہ یہ مالی معاوضات میں ہو انتہی (ت)

اور اس صورت میں سود دینے کا مواخذہ تو ظاہر ہے کیونکہ سالعلہ جو منجانب زید منوسنگھ کو پہنچیں گے یہ رقم سود ہے جو زید نے اپنے ذمہ دین تسلیم کرکے بدری پرشاد پر حوالہ کئے، غایت یہ ہے کہ زید نے خود نہیں دئے دلوائے اور چونکہ بر تقدیر صرف دو ہزار کی اترائی کے موافق شرط مذکور بقدر دو ہزار کے سود بھی بدری پرشاد اپنے پاس سے ادا کرے گا تو اس صورت میں وہی وجہ عدم جواز کی ہے جو پہلی صورت میں تھی لہذا یہ اور وہ دونوں ناجائز ہیں، ھذہ صورۃ الجواب واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔

المجیب فقیہ الدین عفا عنہ

اصاب من اجاب	ذلک کذلک	ذلک کذلک
محمد معز اللہ مدرس مدرسہ عالیہ امپور	محمد منور علی (مہر)	محمد عنایت اللہ عفی عنہ
الجواب صحیح والرای نجیح واللہ تعالٰی اعلم	الجواب الجواب واللہ سبحانہ اعلم بالصواب	
محمد لطف اللہ	مہر	ابو الافضال محمد فضل حق

بیشک صورت مذکورہ میں دونوں صورتیں ناجائز ہیں فقط

ہدایت اللہ خاں ولد حافظ عنایت اللہ خاں

استفتاء برضمیر معدلت پذیرائے ارباب شریعت غرا مخفی مباد کہ ایک سوال کے دو جواب متضاد موصول ہوئے یعنی حضرات دار الافتاء اہل سنت وجماعت بریلی نے جواز صورت مسئولہ کا حکم دے کر بنظر عمل بالخیر ہونے کے اس امر کو واجب العمل فرمایا اور حضرات علمائے رامپور نے اس امر واجب العمل کو ناجائز وحرام تحریر فرمایا ہے زیادہ مصیبت یہ ہے کہ جس ضرورت کے واسطے استفتاء کیا گیا تھا اس کا کچھ چارہ کار نہیں بتلایا حالانکہ بفحوائے الدین یسر پیرو ملت اسلام کے واسطے آسانی کا دروازہ کھول دیا گیا ہے اب نہایت ضرور ہوا کہ منجملہ ہر دو جوابات کے ایک جواب غلط ہو کر اس کی غلطیاں براہین قاطعہ سے

---

[1] ردالمحتار فصل فی القرض داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۷۴

[2] الکفایۃ مع فتح القدیر باب الربٰو مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۴۷

ثابت کی جائیں اور بعد قائم ہوجانے امرِ حق کے اس کی تعمیل کی ہدایت فرمائی جائے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب، بملاحظہ مولانا المکرم جناب مولوی سید محمد فخر الحسن صاحب اکرمکم اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

نوازش نامہ اس وقت تشریف لایا کہ اہالی دارالافتا بعزم آرہ شاہ آباد جلسہ مدرسہ فیض الغربا پا بر رکاب ہیں اجمالی جواب فوری گزارش ہے کہ تکلیفِ انتظار بھی نہ ہو اور ایک مسلمان کہ سُود کی بلا سے بچتا ہے مبادا تاخیر میں وہ معاملہ ہاتھ سے نکل جائے اگر ضرورت ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ اور تفصیل کردی جائیگی وباللہ التوفیق۔

مولنا آپ نے بنظرِ عجلت سوال وہاں ارسال فرمایا اگرچہ جواب لکھ کر بھیجتے تو مامول تھا کہ ان صاحبوں کی نظر لغزش نہ کرتی بطور خود زلت نظر بعید نہیں مگر بعد علم بالحق مخالفت مظنون نہیں ہوتی الا من عند وھواہ عبد (سوائے اس شخص کے جو عناد اختیار کرے اور اپنی نفسانی خواہش کی پرستش کرے۔ت) ان صاحبوں کا بڑا منشاء غلط یہ ہے کہ بعد اس حوالہ کے بھی زید ہی کو مدیون سمجھے ہوئے ہیں اور وہ دوسرا ہندو جو ادا کرے گا اسے زید کی طرف سے ادا کرنا گمان کر رہے ہیں کہ لکھتے ہیں بدری پرشاد منوسنگھ والے قرضہ ذمگی زید کو زید کی طرف سے ادا کرکے دستاویز واپس لے نیز لکھتے ہیں یہ ساھو بدری پرشاد زید کی طرف سے منوسنگھ کو ادا کرے گا نیز لکھتے ہیں سالعہ منجانب زید منوسنگھ کو پہنچیں گے ان کے سارے خیالات کا منبع بلکہ سراپا تحریر کا محصل یہی زعم ہے اور وہ اصلاً صحیح نہیں حوالہ میں (جسے قرضہ کی اترائی کہتے ہیں) اصل مدیون (جسے محیل کہتے ہیں) دَین سے بری ہوجاتا ہے دَین اس پر نہیں رہتا اس دوسرے پر ہوجاتا ہے جس نے اپنے اوپر لیا (جسے محتال علیہ کہتے ہیں) محتال علیہ وہ دین محیل کی طرف سے ادا نہیں کرتا بلکہ خود اپنے اوپر کا دین دائن کو (جسے محتال و محتال لہ کہتے ہیں) دیتا ہے۔

تنویر الابصار میں ہے:

الحوالۃ نقل الدین من ذمۃ المحیل الی ذمۃ المحتال علیہ[1] حوالہ محیل کے ذمہ سے دین کو محتال علیہ کے ذمہ کی طرف منتقل کرنے کا نام ہے (ت)

نہر الفائق پھر عالمگیریہ میں ہے: ھو الصحیح[2]۔

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الحوالۃ مطبع مجتبائی دہلی ۶۹/۲

[2] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ النہر الفائق 〃 نورانی کتب خانہ پشاور ۲۹۵/۳

تنویر میں ہے :

بریٔ المحیل من الدین بالقبول[1] محتال علیہ کی طرف سے قبول کے بعد محیل قرض سے بری ہوجاتا ہے۔ (ت)

فتح القدیر و درمختار میں ہے :

ھل توجب البرأۃ من الدین المصحح نعم[2] کیا حوالہ دین صحیح سے برارت کا موجب ہے، جواب ہاں۔ (ت)

محیط سرخسی و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے :

اما احکامھا فمنھا برأۃ المحیل عن الدین[3] حوالہ کے احکام میں سے ایک یہ ہے کہ محیل قرض سے بری ہوجاتا ہے۔ (ت)

یہاں تک کہ اب اگر دائن اصل مدیون کو دین بخش دے یا معاف کرے تو باطل ہے کہ جو دین اس پر رہا ہی نہیں اس کی بخشش یا معافی کیا معنی، اور اگر محتال علیہ کو معاف کردے معاف ہوجائے گا۔ فتاوٰی ظہیریہ و فتاوٰی ہندیہ میں ہے :

فلو ابرأ المحتال المحیل عن الدین او وھبہ لہ لایصح علیہ الفتوٰی[4] اگر محیل کو محتال علیہ قرض سے بری کرے یا قرض اس کو ہبہ کرے تو صحیح نہیں، اسی پر فتوٰی ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے :

اجماع علی ان المحتال لوابرأ المحال علیہ من الدین اووھبہ منہ صح ولو ابرأ المحیل اووھبہ لم یصح[5] اس پر اجماع ہے کہ اگر محتال محتال علیہ کو قرض سے بری کردے یا اس کو قرض ہبہ کردے تو صحیح ہے اور اگر محیل کو بری کیا یا اس کو قرض ہبہ کیا تو صحیح نہیں۔ (ت)

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الحوالہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۹

[2] درمختار بحوالہ فتح القدیر " " ۲/ ۶۹

[3] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ المحیط السرخسی " الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۹۶

[4] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الظہیریہ " " " " ۳/ ۲۹۶

[5] ردالمحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۸۸

ولہذا اب اگر اصل مدیون اس اترے ہوئے دَین کے بدلے کوئی چیز دائن کے پاس رہن رکھے صحیح نہیں کہ دَین اس پر رہا ہی نہیں یہ رہن کاہے کے عوض رکھتا ہے، کافی شرح وافی پھر عالمگیریہ میں ہے:

لو احال بدینہ فرھن لا یصح[1]۔ اگر محیل نے قرض پر کسی کا حوالہ کردیا پھر دائن کے پاس کچھ رہن رکھا تو صحیح نہیں۔ (ت)

اور اگر پہلے سے اس دَین کے بدلے کوئی رہن دائن کے پاس رکھا ہوا تھا حوالہ ہوتے ہی دائن سے واپس لے گا کہ اب دَین اس پر نہ رہا۔ محیط امام شمس الائمہ سرخسی پھر ہندیہ میں ہے:

اذا احال الراھن المرتھن بالدین علی غیرہ یسترد الرھن[2]۔ جب راہن نے مرتہن کا قرض کسی اور پر حوالہ کردیا تو اب رہن واپس لے سکتا ہے (ت)۔

حوالہ کے بعد دائن کو اصلاً اختیار نہیں رہتا کہ اصل مدیون سے اپنے دَین کا مطالبہ کرے، ہاں اگر محتال علیہ حوالہ ہونے سے مکر جائے اور قسم کھالے اور محیل ومحتال کسی کے پاس گواہ نہ ہوں یا محتال علیہ مفلس مرجائے کہ جائداد یا مال نقد یا قرض نہ چھوڑے نہ کوئی اس کی طرف سے ضامن ہو تو صرف اس صورت میں حوالہ باطل ہوکر دَین پھر اصل مدیون پر عود کرتا ہے۔ عود کرنے کے معنی ہی خود یہ ہیں کہ اس سے پہلے اس پر دَین نہ رہا تھا، تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق للامام الزیلعی میں ہے:

لم یرجع المحتال علی المحیل الا ان یتوی حقہ فاذا توی علیہ عاد الدین الی ذمۃ المحیل والتوی عند ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ احد الامرین اما ان یجحد المحتال علیہ الحوالۃ ویحلف ولا بینۃ للمحیل ولا للمحتال لہ او یموت مفلسا بان لم یترک مالا عینا لا دینا ولا کفیلا[3] (ملخصًا)

محتال محیل کی طرف رجوع نہیں کرسکتا مگر اس وقت کرسکتا ہے جب اس کا حق ہلاک ہوجائے، ہلاکت کی صورت میں دَین محیل کے ذمہ کی طرف لوٹ آتا ہے، اور ہلاکت کی امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک دو صورتیں ہیں یا یہ کہ محتال علیہ حوالہ کا انکار کرے اور قسم کھاجائے جبکہ محیل اور محتال لہٗ کے پاس گواہ نہ ہوں یا محتال علیہ مفلس ہوکر مرجائے نہ کوئی عین چھوڑے نہ دَین اور نہ ہی کوئی کفیل۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الکافی کتاب الحوالہ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۹۶

[2] " " بحوالہ المحیط السرخسی " " " " ۳/ ۲۹۶

[3] تبیین الحقائق " المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۴/ ۱۷۲-۷۳

تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

لایرجع المحتال علی المحیل الا بالتوی و هو باحد امرین ان یجحد المحال علیه الحوالة و یحلف ولابینة له او یموت مفلسا بغیر عین و دین وکفیل و قالا بهما و بان فلسه الحاکم[1]

ہلاکت کی صورت کے علاوہ محتال محیل کی طرف رجوع نہیں کرسکتا اور ہلاکت دو میں سے ایک امر کے ساتھ ہوتی ہے یا محتال علیہ حوالہ کا انکار کرکے قسم کھاجائے اور محتال لہ کے پاس گواہ نہ ہوں یا محتال علیہ مفلس ہوکر مرجائے اور کوئی عین، دَین یا کفیل نہ چھوڑے، اور صاحبین نے کہا ان دو صورتوں سے بھی اور ہلاکت متحقق ہوتی اور حاکم کے اس (محتال علیہ) کو مفلس قرار دینے سے بھی۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ظاهر کلامهم متونا و شروحا تصحیح قول الامام و نقل تصحیحه العلامة قاسم ولم ار من صحح قولهما[2]

متون و شروح میں فقہاء کے کلام سے ظاہر امام ابوحنیفہ کے قول کی تصحیح ہے اور علامہ قاسم نے امام صاحب کے قول کی تصحیح کو نقل کیا، میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے صاحبین کے قول کی تصحیح کی ہو (ت)

ان تصریحات و تصحیحات و هو الصحیح و علیه الفتوی (وہی صحیح ہے اور اسی پر فتوٰی ہے۔ ت) کے بعد پھر یہ گمان کرنا کہ بدری پرشاد زید کی طرف سے ادا کرے گا وہ سود زید کی طرف سے منوسنگھ کو دیا جائے گا کیسی فاحش غلطی ہے، سبحان اللہ! جب نہ یہ مدیون رہا نہ اس پر مطالبہ، نہ یہ دیتا ہے نہ دائن اب اس سے لے سکتا ہے تو یہ سود دینے والا کس حساب سے ٹھہرا، طرفہ یہ کہ تنویر الابصار کی عبادت خود نقل کی کہ حوالہ اس کے ذمہ سے اس کے ذمہ پر دَین کا کردینا ہے، جب دَین منتقل ہوگیا تو وہ اپنی طرف سے ادا کرے گا کہ اس کا ذمہ دَین سے مشغول ہے یا اس کی طرف سے ادا کرے گا جس کے ذمہ پر دَین نہیں اور اس صورت میں زید کو سود خور ٹھہرانا اور بھی عجیب تر ہے، بالفرض غلط ہوتا تو اتنا ہوتا جس کا خود ان صاحبوں نے اعتراف کیا کہ زید نے خود نہیں دئے دلوائے، نہ یہ کہ معاذ اللہ اس نے خود سود لیا، تفصیل کے لئے عرض کرچکا ہوں کہ ضرورت ہوئی تو پھر گزارش ہوگی، ذی انصاف کے لئے اسی قدر کافی ہے وباللہ التوفیق واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الحوالہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۹

[2] ردالمحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۹۳

مسئلہ ۲۹۳ تا ۲۹۷ از کاٹھیاواڑ مسئولہ حاجی عیسٰی خان محمد صاحب ۸ جمادی الاولٰی ۱۳۳۰ھ

(۱) زید نے عمرو سے کہا میرے بکر پر روپے آتے ہیں تم وصول کر کے اپنے پاس جمع اور تصرف کا تمھیں اس میں اختیار ہے جب مجھے ضرورت ہو گی لے لوں گا، یہ جائز ہے یا نہیں ؟

(۲) زید نے عمرو کے ہاتھ ہزار کا نوٹ بارہ سو کو چار مہینے کے وعدہ پر بیچا اور تمسک لکھا لیا پھر زید نے بکر سے گیارہ سو کا نوٹ بارہ سو کو خریدا اور کہہ دیا کہ عمرو پر میرے بارہ سو آتے ہیں وصول کر لو اور اطمینان کے لئے وہ تمسک کہ عمرو نے لکھا تھا بکر کو دے دیا، یہ جائز ہے یا نہیں ؟

(۳) زید نے ہزار کا نوٹ گیارہ سو کو عمرو کے ہاتھ وعدہ پر بیچا اور یہ شرط کر لی کہ سو روپے نقد ابھی لوں گا اور باقی ہزار روپے میعاد پر اور ہزار کا تمسک لکھا لیا پھر زید نے بکر سے ہزار کا نوٹ ساڑھے دس سو کو خریدا اور پچاس فوراً ادا کر دئے اور ہزار کا عمرو پر حوالہ کر دیا اور اطمینان کے لئے وہی عمرو کا لکھا ہوا تمسک بکر کو دے دیا، یہ جائز ہے یا نہیں ؟

(۴) ہنڈی کی کیا تعریف ہے ؟

(۵) جبکہ ہنڈی حرام ہے تو کوئی صورت شرعاً ایسی ممکن ہے کہ جائز طور پر ہنڈی کا مطلب اس سے حاصل ہو جائے۔

الجواب

(۱) جائز ہے فانہ توکیل بالقبض وتسویغ للقرض (کیونکہ قبض کے لئے وکیل بنانا اور قرض دینا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) جائز ہے

لانہ حوالۃ ومقابلۃ الاجل بقسط من الثمن والکل یجوز کما فی فتح القدیر۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

کیونکہ یہ حوالہ ہے اور اجل کے مقابلہ میں ثمن کا کچھ حصہ ہے اور یہ سب جائز ہے جیسا کہ فتح القدیر میں ہے (ت)۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۳) جائز ہے، یہ وہی صورت سابقہ ہے فقط اتنا فرق ہے کہ اس میں بعض ثمن معجل اور باقی مؤجل ہے اور اس میں کل مؤجل اور بحال اختلاف جنس وقدر یہ سب جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۴) زید عمرو کے پاس کچھ روپیہ بطور قرض اس شرط پر جمع کرے کہ یہ روپیہ فلاں شہر میں فلاں شخص کو ادا کیا جائے یا یہ کہ میں خود فلاں شہر میں پاؤں، اس کا نام ہنڈی ہے، یہ ناجائز و گناہ ہے اور اس پر جو بعض وقت کمی بیشی ہوتی ہے جسے منی کہتے ہیں وہ نرا سُود اور حرام قطعی ہے اور بطور قرض دینے سے

یہ مراد نہیں کہ قرض کہہ کر دے بلکہ جب معاملہ یوں ہوا کہ اگر یہ روپیہ عمرو کے پاس سے بے اس کے قصور کے گم جائے چوری ہو جائے کسی طرح جاتا رہے جب بھی زید اپنا روپیہ اس سے بھروالے تو اسی کا نام قرض ہے اگرچہ دیتے وقت قرض کا لفظ نہ کہا ہو جمع کرنا کہا ہو جو امانت کو بھی شامل ہے اور یہاں عام طور پر یہی ہے کہ عمرو کو ہر طرح اس روپے کا دیندار جانیں گے اور کسی طرح ضائع ہو بے تاوان لئے نہ مانیں گے تو معلوم ہوا کہ امانت نہیں بلکہ قرض ہے امانت ہوتی تو بے اس کے قصور کے اگر روپیہ جاتا رہتا تو اس سے کچھ نہ لیا جاتا معہذا یہاں جمع کرنا اور دوسری جگہ اس کا عوض لینا یہ خود ہی حاصل قرض ہے امانت تو بعینہا واپس لی جاتی ہے نہ اس کا عوض، اور جب یہ قرض دینا ہوا اور زید اس میں یہ فائدہ پاتا ہے کہ اگر روپیہ کسی کے ہاتھ اس شہر کو بھیجتا یا اپنے ساتھ لے جاتا تو راستے میں جاتے رہنے کا اندیشہ تھا عمرو کو بطور قرض دینے سے یہ اندیشہ جاتا رہا تو یہ ایک نفع ہے کہ زید نے قرض دے کر حاصل کیا اور قرض دینے والے کو قرض پر جو نفع جو فائدہ حاصل ہو وہ سب سُود اور نرا حرام ہے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کل قرض جر منفعۃ فھو ربا[1]۔ قرض سے جو فائدہ حاصل کیا جائے وہ سود ہے۔

لہذا ہنڈی ناجائز ہوئی۔ ردالمحتار میں ہے:

صورتھا ان یدفع الی تاجر مالا قرضا لیدفعہ الی صدیقہ وانما یدفعہ قرضا لا امانۃ لیستفید بہ سقوط خطر الطریق وقیل ھی ان یقرض انسانا لیقضیہ المستقرض فی بلد یریدہ المقرض لیستفید بہ سقوط خطر الطریق کفایۃ[2]۔

اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص تاجر کو کچھ مال قرض دے تاکہ وہ اس کے دوست کو دے دے تو بلاشبہ یہ مال اس کو بطور امانت نہیں بلکہ بطور قرض دیتا ہے اور اس سے راستہ کے خطرہ کے سقوط کا فائدہ اٹھاتا ہے، اور ایک قول میں اس کی صورت یہ ہے کہ کسی کو قرض دے تاکہ مقروض وہ قرض اس شہر میں قرض دہندہ کو واپس کرے جس شہر میں وہ لینا چاہتا ہے تو اس سے وہ راستہ کے خطرہ کے سقوط کا فائدہ اٹھاتا ہے (کفایہ)۔ (ت)

(۵) ہاں ممکن ہے روپیہ نہ دے بلکہ نوٹ اور قرض نہ دے بلکہ بیع کرے اس شرط پر کہ خریدار اس کی قیمت کا حوالہ فلاں شہر کے فلاں تاجر پر کردے کہ ہم خود یا اپنے کسی وکیل کے ذریعہ سے وہاں وصول

---

[1] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ فصل فی لواحق کتاب الدین موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/۲۳۸

[2] ردالمحتار کتاب الحوالہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۲۹۵

کرلیں یہ جائز ہے اور مطلب پُورا حاصل ہے اور اب کمی بیشی بھی روا ہے سَو کا نوٹ ننا نوے کو بیچیں خواہ ایک سوایک کو۔ کما حققناہ فی کفل الفقیہ (جیسا کہ اس کی تحقیق ہم نے کفل الفقیہ میں کردی ہے۔ ت) درمختار میں ہے :

باع بشرط ان یحیل علی المشتری بالثمن غریما لہ ای للبائع بطل ولو باع بشرط ان یحتال بالثمن صح لانہ شرط ملائم کشرط الجودۃ بخلاف الاول[1]

اگر کسی نے کوئی چیز اس شرط پر فروخت کی ثمن کے بدلے میں بائع اپنے کسی قرضخواہ کا حوالہ مشتری پر کریگا تو بیع باطل ہے اور اگر اس شرط پر بیع کی مشتری ثمن کا حوالہ کسی اور شخص پر کرے گا تو جائز ہے کیونکہ یہ شرط عقد کے مناسب وملائم ہے جیسے کہ جودت کی شرط بخلاف پہلی صورت کے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے :

قولہ لانہ شرط ملائم لانہ یؤکد موجب العقد اذا لحوالۃ فی العادۃ تکون علی الاملأ والاحسن قضاء فصار کشرط الجودۃ درر[2]۔

ماتن کا قول کہ بیشک یہ شرط عقد کے ملائم ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ موجب عقد کو پکا کرتی ہے کیونکہ حوالہ عام طور پر صاحبِ ثروت اور بہتر ادائیگی کرنے والوں پر کیا جاتا ہے، تو یہ شرطِ جودت کی مثل ہوگیا، درر۔ (ت)

ہاں اس شرط پر بیچا کہ تو اس کی قیمت فلاں شہر میں مجھے دینا، یہ ناجائز ہے۔ ردالمحتار میں ہے :

ومنہ (ای من الشروط الفاسدۃ المفسدۃ للبیع) ان یدفع الثمن فی بلد اٰخر او یھب البائع منہ کذا بخلاف ان یحط من ثمنہ کذا، لان الحط ملحق بما قبل العقد بحر[3] اھ مختصرًا۔

بیع کو فاسد کرنے والی شروطِ فاسدہ میں سے یہ ہے کہ شرط لگائی جائے کہ مشتری کسی دوسرے شہر میں ثمن ادا کرے گا یا بائع ثمن میں سے اتنے مشتری کو ہبہ کرے گا بخلاف اس کے کہ بائع ثمن سے اتنے گھٹائے گا کیونکہ گھٹانا عقد کے ماقبل کو لاحق ہوتا ہے، بحر اھ مختصرًا (ت)

---

[1] درمختار کتاب الحوالہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۷۰
[2] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۹۵-۲۹۴
[3] " باب بیع الفاسد " " ۴/۱۲۱

یہ فرق خوب یاد رہے کہ غلطی ہوکر حرام میں وقوع نہ ہوجائے واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم۔

مسئلہ ۲۹۸: از چتوڑگڑھ علاقہ اودے پور راجپوتانہ، مسئولہ عبدالکریم صاحب ۱۶ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ شنبہ

زید نے پانچسو روپے بکر کے پاس اس غرض سے جمع کیے کہ بذریعہ ہنڈی کے سالم کے نام بمبئی پہنچ جائے اور بکر نے ہنڈی کو سالم کے پاس بمبئی روانہ بھی کردیا اور سالم کو مل بھی گیا اور سالم اس ہنڈی کو خالد ساہوکار کے پاس لے گیا اور کہا کہ اس ہنڈی کے روپے دیجئے، خالد ساہوکار نے روپے دینے سے انکار کیا لہذا سالم نے ہنڈی مذکور کو واپس کیا اور واپس آنے میں پندرہ یوم کی دیر بھی ہوئی، اور ساہوکاروں کا قاعدہ ہے کہ جتنے روز میں ہنڈی واپس آتی ہے اتنے روز کا ہرجا جمع کنندہ کو دیا جاتا ہے تو آیا اس ہرجا کا لینا جائز ہے یا نہیں؛ اگر جائز نہیں ہے تو زید کو بہت نقصان پہنچے گا کیونکہ کافر تاجر مسلمان تاجر سے اپنے مذہب کے موافق ہرجانہ ضرور لے گا اور مسلمان اس سے باز رہے گا، اور ایسا ہو نہیں سکتا کہ تمام مسلمان تجارت کو چھوڑ دیں، تجارت تو کتاب وسنّت سے ثابت ہے، علاوہ اس کے تمام علماء ودانشمند اہل اسلام اس وقت مسلمانوں کو تجارت کرنے پر زور دے رہے ہیں تو اگر یہ ہرجانہ مذکور ناجائز رکھا جائے گا تو مسلمانوں کو دو طرفہ نقصان ہوگا ایک تو دینے کی وجہ سے اور دوسرے نہ لینے کی وجہ سے فقط۔

الجواب

ہنڈی سرے سے خود ہی ناجائز ہے متون میں ہے السفنجة حرام (ہنڈی حرام ہے۔ ت) حدیث میں ہے: کل قرض جر منفعة فھو ربا[1] (جو قرض نفع حاصل کرے وہ سود ہے۔ ت) اور پھر اس پر جرمانہ دوسرا ناجائز ہے مگر یہ عمل اگر محض کفار سے ہے کہ اس دکان میں اصالۃً یا بالواسطہ کسی مسلمان کی شرکت نہیں تو نہ بنیت اس عقد فاسد کے بلکہ اسی نیت سے کہ یہ مسلمان سے لیتے ہیں اور غیر مسلم کا بلاغدر ملتا ہے لینے میں حرج نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

نوٹ

سترھویں جلد کتاب الحوالہ پر ختم ہوئی،
اٹھارھویں جلد کا آغاز کتاب الشہادۃ سے ہوگا۔

---

[1] کنز العمال فصل فی لواحق کتاب الدین حدیث ۱۵۵۱۶ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸